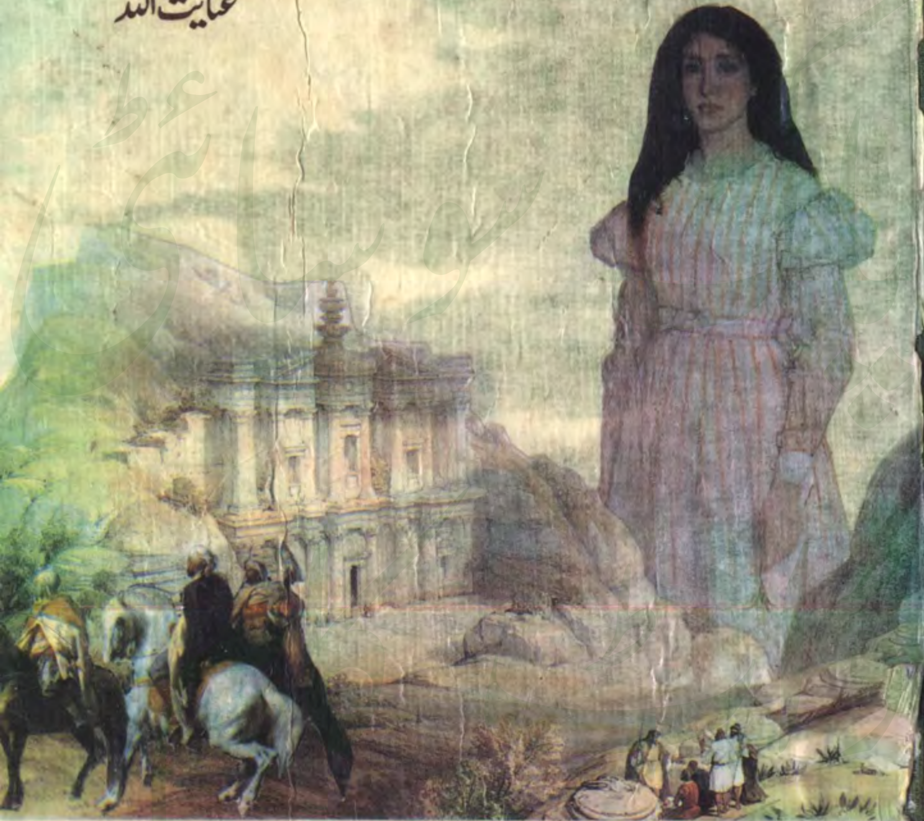
اور نیل بہتا رہا

حصہ اول

عنایت اللہ



فتحِ مصر — فرعونوں کی پُراسراریت، نیل کے توہمات

پیش لفظ

خلفائے راشدین کی فتوحات کا ذکر آتا ہے تو بات یہیں پر ختم کر دی جاتی ہے کہ ان اوّلین مجاہدین اسلام نے قیصر و کسریٰ کا نام و نشان مٹا دیا تھا.... اس میں ذرا سے بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ قیصرِ روم اور کسریٰ ایران کی جنگی طاقتیں اُس دور کی ہیبت ناک طاقتیں تھیں۔ آج کے تاریخ نویس اور مبّصر کہتے ہیں' اور ٹھیک کہتے ہیں' کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو شکست دینا تو دُور کی بات ہے کوئی بادشاہی اسے للکارنے کی بھی جرائت نہیں کر سکتی تھی۔ افواج کی افراط کے علاوہ یہ دونوں قومیں جنگجو تھیں۔ ان کی فتوحات اور شجاعت کے کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

آخر ایک قوم اٹھی جسے ایرانیوں اور رومیوں نے عرب کے بَدّو کہا اور اس قوم کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ یہ تھی اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جس کے مٹھی بھر مجاہدین نے کسریٰ ایران کی دہشت ناک جنگی طاقت کے پرخچے اُڑا دیئے۔

پھر ان رومیوں کو جن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی عرب کی سرزمین (فلسطین اور شام) سے بھگایا اور ان کی سلطنت کو بحیرۂ روم کے پار تھوڑے سے علاقے میں محدود کر دیا۔

عموماً" بات یہیں پر ختم کر دی جاتی ہے اور مجاہدین کی ایک معجزہ نما فتح کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہے فتح مصر۔ مصر میں ہی اللہ کے شیروں نے رومیوں کو فیصلہ کن شکست دی تھی اور قیصرِ روم ہرقل کو جو ذاتی شجاعت' جنگی قیادت اور فطری فرعونیت کے لحاظ سے دہشت کا ایک نام تھا' اس حال تک پہنچا دیا گیا تھا کہ وہ بحیرۂ روم کے اُس پار بزنطیہ میں جا بیٹھا اور وہاں سے مصر میں اپنی فوج کو احکام بھیجتا رہا حتیٰ کہ وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں انتقال کر گیا۔

ہرقل کو اس کی اپنی ملکہ نے شاہی طبیب کے ہاتھوں زہر دے کر مروایا تھا۔ اس کتاب میں آپ کو یہ مکمل کہانی ملے گی جو سنسنی خیز اور پُراسرار ڈرامہ ہے۔

مصر کی فتح سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا کارنامہ ہے۔ تاریخ نویس' وقائع نگار اور مبصر آج بھی حیران ہیں کہ آٹھ دس ہزار مجاہدین نے ہرقل رومی کی اتنی طاقتور فوج کو جس کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی' کس طرح ہر میدان اور ہر قلعے میں شکست پہ شکست دے کر مصر سے بھگا دیا تھا۔

اکثر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مصر کی فتح کو معجزے کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا

سکتا۔ میں نے اس کتاب میں بہت سے مستند مؤرخوں کی تحریروں کے حوالے سے وہ واقعات اور وہ پس منظر پیش کیا ہے اور مجاہدین کے عزم' بے خوفی اور جذبے کی تفصیلات بیان کی ہیں جو اس معجزے کا باعث بنیں۔

کہنے کو تو میری یہ کاوش — "....اور نیل بہتا رہا" — بھی ایک اسلامی تاریخی ناول ہے اور اسے پڑھے بغیر اُن ہی تاریخی ناولوں کے زُمرے میں ڈال دیا جائے گا جو ایک عرصے سے بے دریغ لکھے جا رہے ہیں اور جذباتی قسم کے قارئین میں مقبولِ عام ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ تعلیم کی کمی ہے اس لئے لوگ یہ جان ہی نہیں سکتے کہ ان تاریخی ناولوں میں تاریخ برائے نام ہے باقی سب ناول ہے یعنی افسانہ۔

ایسے ناول لکھنے والوں نے ایک مجرمانہ حرکت یہ کی ہے کہ ناول کو دلچسپ' سنسنی خیز اور مقبولِ عام بنانے کے لئے تاریخ کو مسخ کر دیا ہے۔ ان ناول نگاروں کی دلچسپی صرف کہانی کے ساتھ ہوتی ہے جسے وہ جذباتی مکالموں اور خود ساختہ رومانی واقعات سے پُراثر بناتے ہیں۔

اگر آپ نے میرے اسلامی تاریخی ناول — "حجاز کی آندھی" "شمشیرِ بے نیام" "دمشق کے قید خانے میں" "ستارہ جو ٹوٹ گیا" اور "ایک بُت شکن پیدا ہُوا" — پڑھے ہیں تو آپ "....اور نیل بہتا رہا" کے متعلق یہی رائے قائم کریں گے کہ یہ صحیح اور مستند تاریخ ہے جو ناول کے انداز سے لکھی گئی ہے۔

میں نے ہمیشہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرے تاریخی ناول پڑھ کر تاریخ کے طلباء امتحان میں پاس ہو سکتے ہیں۔ آپ کو مستند تاریخ بھی ملے گی اور ناقابلِ فراموش کہانی بھی۔ "....اور نیل بہتا رہا" میں تو آپ کو بہت ہی پُراثر اور پُراسرار کہانیاں ملیں گی جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ ان میں قیصرِ روم کی محلاتی سازشیں بھی ہیں اور لوگوں کی توہم پرستی بھی' فرعونوں کے کھنڈرات کے بھید بھی ہیں اور مجاہدینِ اسلام کے معجزاتی کارنامے بھی جو ایمان تازہ کر دیتے ہیں۔

کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ خود بھی پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھنے کو دیں۔ اگر اس میں کوئی خامی دیکھیں تو براہِ کرم مجھے لکھیں۔ ممنون و مشکور ہوں گا۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

مکہ

مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ کو ہجرت کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ و سلامت تھے۔

مکّہ اور مدینہ کے درمیان پھیلے ہوئے' جلتے جُھلساتے ہوئے ریگزار میں ایک مسافر' گھوڑے پر سوار' مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اکیلا تھا۔ صرف گھوڑا ہی اس کا ہمسفر تھا جس پر وہ سوار تھا۔ اُس زمانے میں کوئی مسافر اکیلے سفر نہیں کیا کرتا تھا۔ لوگ قافلوں کی صورت میں سفر کرتے تھے' کچھ اس لئے کہ رہزنوں اور قزاقوں کا خطرہ ہر قدم پر موجود رہتا تھا اور زیادہ تر اس لئے کہ قافلوں کے ساتھ کٹھن مسافت بھی سہل لگتی تھی۔ ہر سہولت مل جاتی تھی۔ بیماری کی صورت میں ہمسفر ہر طرح دیکھ بھال کرتے تھے۔

پھر وہ مسافر اکیلا کیوں جا رہا تھا؟ کہاں جا رہا تھا؟

اُس کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ وہ قافلے سے بچھڑا ہُوا یا بھٹکا ہُوا راہی لگتا تھا لیکن اس کے چہرے پر اور اس کے انداز میں ان تاثرات کا نام و نشان نہ تھا جو گُم کردہ راہ مسافر کے ہُوا کرتے تھے۔ سفر کی صعوبت کے آثار تو چہرے مہرے پر نمایاں تھے لیکن وہ مطمئن و مسرور تھا۔ کبھی کوئی من پسند گیت گنگنانے لگتا اور کبھی گھوڑے سے یوں باتیں کرنے لگتا جیسے گھوڑا اس کی بات سمجھ رہا ہو۔

اُس نے گھوڑے کو تھکنے نہیں دیا تھا۔ دو پڑاؤ کر چکا تھا۔ اُس کے ساتھ کھانے کا جو سامان تھا اور اُس کا جو لباس تھا' اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ تلاشِ روزگار میں مارا مارا پھرنے والا کوئی بدّو نہیں اور وہ کوئی غریب سا عرب بھی نہیں۔ اشیائے خورد و نوش اور لباس سے ہی نہیں' چہرے کا جلال اور اُس کا پُروقار سراپا بتاتا تھا کہ اپنے قبیلے کا سرکردہ فرد

ہے۔

اُس کے سفر کا ایک اور سورج غروب ہونے کو تھا۔ وہ اُس وقت ریت اور مٹی والے اونچے نیچے ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں سے گزر رہا تھا۔ اُسے شاید معلوم تھا کہ قریب ہی چھوٹا سا ایک نخلستان ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے چلا جا رہا تھا جیسے اسے اپنے آپ پر پورا پورا اعتماد ہو۔

وہ نخلستان تک پہنچ گیا۔ اُس نے گھوڑے کو روکنا چاہا لیکن گھوڑے نے لگام کا اشارہ نظرانداز کر دیا اور پانی پر جا کر رکا۔ گھوڑا دن بھر کا پیاسا تھا' بے تابی سے پانی پینے لگا۔ سوار گھوڑے سے اُترا اور وہ تھیلا کھولا جس میں کھانے پینے کا سامان تھا۔

○

صبح ابھی گہری دھندلی تھی جب وہ پھر گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ صحرا کی رات کی خنکی نے اسے اور اس کے گھوڑے کو تر و تازہ کر دیا تھا۔

سورج اوپر آ گیا تھا جب وہ ٹیلوں ٹیکریوں کے علاقے سے نکل گیا تھا۔ یہ علاقہ پیچھے ہی پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ کچھ دُور آگے ٹیکریاں تھیں۔ یہ بھی ریت اور مٹی کی تھیں۔ ان پر کہیں کہیں خشک جھاڑیاں تھیں.... کچھ وقت گزرا وہ ان ٹیکریوں کے اندر جا رہا تھا۔ ان میں سے گزرنے کے راستے صاف نظر آ رہے تھے لیکن ان میں آ کر وہ راہ رَو بھٹک جاتے ہیں جو صحرا کے بھید نہیں جانتے اور وہ ٹیکریوں کے اندر ہی چلتے چلتے تھک کر شل ہو جاتے ہیں۔ وہ فاصلہ تو بہت سا طے کر لیتے ہیں لیکن پہنچتے کہیں بھی نہیں۔

یہ سوار صحرا کا بھیدی معلوم ہوتا تھا۔ اُسے جدھر سے راستہ ملتا تھا' بے خوف و خطر گزرتا جاتا تھا۔ پھر ٹیکریاں کم ہونے لگیں اور بار بار دائیں بائیں مُڑنے اور بھٹک جانے کا خطرہ ختم ہو گیا۔ کچھ آگے جا کر ریت اور مٹی کی یہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ایک دوسری سے اور زیادہ دُور دُور ہو گئیں۔

وہ آخری ٹیکری سے گھوم کر آگے گیا تو اس کے سامنے ریت کا سمندر اُفق تک چلا گیا تھا اور سورج سر پر آ گیا تھا۔ ریت جل رہی تھی اور اس سے اٹھنے والے شعلے آگ جیسے نہیں بلکہ شیشے اور چشمے کے پانی کی طرح شفاف تھے۔ ان سے پرے کی چیزیں ان میں سے اس طرح نظر آتی تھیں جس طرح شیشے میں سے نظر آیا کرتی ہیں لیکن جھلمل جھلمل کرتی نظر آتی ہیں۔

اس سوار کو بائیں طرف سے ہلکی ہلکی دھمک سنائی دینے لگی۔ اُس نے اُس طرف دیکھا۔ کوئی سوار آ رہا تھا لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ شتُر سوار ہے یا گھوڑ سوار کیونکہ وہ جھلملا رہا تھا۔ دھمک سے شک ہوتا تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ اونٹ بے آوازِ پا چلا کرتا ہے' تاہم ابھی اتنا ہی کہا جا سکتا تھا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔

وہ رک گیا اور اس کا ایک ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر چلا گیا۔ آنے والا کوئی رہزن ہی ہو سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ لمبے سفر پر اکیلے اکیلے نہیں نکلا کرتے۔ یہ اُس جیسا کوئی مسافر نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کے پاس کوئی دولت نہیں تھی' زر و جواہرات نہیں تھے کہ اُسے لُٹ جانے کا خطرہ ہوتا۔ البتہ اس کا گھوڑا ایسی دولت تھی جس سے وہ دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کی منزل نہ جانے ابھی کتنی دور تھی۔

○

جوں جوں سوار کا عکس واضح ہوتا آ رہا تھا' اس گھوڑ سوار کی تلوار آہستہ آہستہ نیام سے باہر آتی جا رہی تھی۔ اس نے گھوڑا روک لیا تھا۔ وہ آنے والے سوار کو ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اس پر اچانک وار کر دے یا عقب سے حملہ کر دے۔

ریت کے شفاف شعلوں میں سے آنے والا قریب آ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ چہرے کو تپش سے بچانے کے لئے اُس نے سر اور چہرے پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ آنکھیں ذرا ذرا سی نظر آ رہی تھیں۔ ایسے ہی اس کے انتظار میں رکے کھڑے سوار نے بھی اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا۔

اِس سوار نے اُس سوار کے سامنے آ کر گھوڑا روک لیا اور کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"کیا ہمیں ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہنا چاہئے؟" — آنے والے سوار نے پوچھا — "اکیلے سفر پر کیوں نکلے ہو؟"

"اور تم اکیلے کیوں نکلے؟" — اِس سوار نے پوچھا — "کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

"تمہاری آواز جانی پہچانی سی لگتی ہے" — آنے والے سوار نے کہا۔

"کچھ ایسا ہی میں نے بھی تمہاری آواز میں محسوس کیا ہے" — اِس سوار نے کہا — "آؤ ہم ایک دوسرے کو پہچان لیں"۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنا چہرہ بے نقاب کر دیا۔

"خدا کی قسم ابنِ ولید!" ـــــ دوسرے سوار نے اپنا چہرہ بے نقاب کر کے گھوڑے سے کُود کر اُترتے ہوئے کہا ـــــ "میں نے ٹھیک پہچانا تھا.... یہ آواز میرے یار خالدؓ بن ولید کی ہے"۔

"عمروؓ بن عاص!" ـــــ خالدؓ بن ولید نے گھوڑے سے اتر کر حیرت سے کہا ـــــ "کیا تُو حبشہ نجاشی کے پاس نہیں چلا گیا تھا؟"

دونوں بغلگیر ہو گئے اور کچھ دیر ایک دوسرے کو بازوؤں میں جکڑے رکھا۔



یہ تھیں تاریخِ اسلام کی دو شخصیتیں.... خالدؓ بن ولید جنہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب عطا فرمایا تھا اور دوسرے تھے عمروؓ بن عاص جنہوں نے فاتح مصر کا اعزاز حاصل کیا۔ دونوں نے قیصرِ روم کو فیصلہ کن شکست دے کر اس کی جنگی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ قیصرِ روم کی جنگی طاقت دہشت کا دوسرا نام تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ہیبت ناک طاقت کو کوئی شکست دے سکتا ہے۔ ہرقل جو طاقت کا دیو کہلاتا تھا' اسلام کے ان تاریخ ساز سالاروں کے آگے آگے بھاگا پھر رہا تھا۔ جنگِ یرموک آخری معرکہ تھا جس میں ہرقل کو فیصلہ کن شکست ہوئی تھی۔ اب اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ پناہ ملی تو مصر میں ملی لیکن عمروؓ بن عاص وہاں بھی جا پہنچے۔

ان دونوں عظیم سالاروں کی یہ فتوحات ایمان کی قوت' جذبۂ جہاد اور شجاعت کی الگ الگ داستانیں ہیں.... ایمان افروز' ولولہ انگیز.... خالدؓ بن ولید کی داستان فتوحات و شجاعت ہم پہلے سنا چکے ہیں۔ (دیکھئے مکتبہ داستان کی کتاب "شمشیرِ بے نیام")۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں نامور سالار وہاں کیا کر رہے تھے جہاں لق و دق صحرا تھا اور زندگی کا نام و نشان نہ تھا؟

وہ بہت پہلے کی بات ہے جب ان کی وہاں اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تھی۔ اُس وقت دونوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ دونوں مکّہ کے قریش میں سے تھے۔ دونوں کی معاشرتی اور معاشی حیثیت اہلِ قریش میں بڑی بلند اور نمایاں تھی۔ خالدؓ بن ولید امیر کبیر تاجر کے بیٹے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے شہزادوں جیسی زندگی گذاری

تھی لیکن وہ جنگجو تھے اور نامور تیغ زن۔ عسکریت ان کے رگ و ریشے میں رچی بسی ہوئی تھی اور فنِ حرب و ضرب میں انہیں خصوصی مہارت حاصل تھی۔

خالدؓ پیدائشی سپہ سالار تھے۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا عہد کر رکھا تھا لیکن اہلِ قریش جس میدان اور معرکے میں مسلمانوں کے مقابل آئے' منہ کی کھائی اور اگلے معرکے کی تیاری کرنے لگے۔ خالدؓ نے اپنے قبیلے کی شکست خوردگی اور مسلمانوں کی عسکری ذہانت اور اہلیت اور ان کا نظم و نسق دیکھا تو اپنے قبیلے سے ان کا دل اُچاٹ ہو گیا۔

خالدؓ بن ولید کھوئے کھوئے سے رہنے لگے۔ عسکریت کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کے کردار میں کوئی ایسی نمایاں جھلک دیکھی جو انہیں اپنے قبیلے میں نظر نہیں آتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر تو خالدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ آنحضورؐ اس سے بے خبر تھے۔ آپؐ نے قریش کے ساتھ ان ہی کی شرائط پر معاہدہ کر لیا جو خالدؓ بن ولید کے لئے غیر متوقع تھا۔

خالدؓ تو پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے متاثر تھے' صلح حدیبیہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ایک روز کسی کو بتائے بغیر مکّہ سے نکلے اور مدینہ کا رخ کر لیا۔ ان کے آگے ساڑھے تین سو کلومیٹر انتہائی دشوار مسافت تھی۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کرنے جا رہے تھے۔

راستے میں انہیں عمروؓ بن عاص مل گئے اور خالدؓ انہیں وہاں دیکھ کر حیران رہ گئے۔



خالدؓ بن ولید کی حیرت اس پر نہیں تھی کہ عمروؓ بن عاص انہیں آبادیوں سے بہت دُور اس ویرانے میں مل گئے تھے بلکہ وہ حیران اس پر ہوئے تھے کہ عمروؓ بن عاص عرصہ دو سال سے حبشہ (افریقہ) چلے گئے تھے۔ اگر عمروؓ بن عاص انہیں مکّہ میں ملتے تو خالدؓ بن ولید حیران نہ ہوتے۔

"پہلے تو یہ بتا اے ابنِ عاص!" ـــــ خالدؓ بن ولید نے پوچھا ـــــ "تُو یہاں کیا کر رہا ہے؟ کیا تُو حبشہ نجاشی کے پاس نہیں چلا گیا تھا؟"

"ہاں ابنِ ولید!" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "میں حبشہ ہی چلا گیا تھا لیکن تجارت کے لئے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے وہاں گیا تھا۔ اچانک واپسی ہو گئی اور یوں

سمجھ لے کہ بھٹکتا ہُوا یہاں آن پہنچا ہوں۔ تُو مل گیا ہے تو شاید کوئی راستہ دکھا دے۔ میں تو سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں"۔

"پہلے اپنی وہ سوچ تو بتا" ـــ خالدؓ بن ولید نے کہا ـــ "اگر تُو سوچوں میں بھٹک سکتا ہے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا پھر مکّہ کے قریش تو اندھیروں میں گم ہو جائیں گے"۔

عمروؓ بن عاص نے جو جواب دیا وہ تاریخ اسلام کا ایک فکر انگیز باب ہے۔ اُن کا جواب سننے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ عمروؓ بن عاص اصلاً "کون تھے" کیا تھے اور ان کا خاندانی پس منظر کیا تھا.... قریش بُت پرست تھے اور اُنہوں نے بُتوں کے کچھ نام رکھے ہوئے تھے۔ یہ ان کے دیوتا تھے۔ ان دیوتاؤں کا ایک خاص اوقاف تھا اور اس اوقاف کا نگران بنو سہم تھا۔ اوقاف کے تمام تر انتظامات اور مالی معاملات بھی بنو سہم کی ذمہ داری میں تھے۔ اس وجہ سے عمروؓ بن عاص کے والد عاص بن وائل سہمی کو قریش میں خاصا اونچا اور قابلِ تعظیم مقام حاصل تھا۔ قبیلے پر ان کے فیصلے اور حکم چلتے تھے اور ان کی تعمیل ہوتی تھی۔ خالدؓ بن ولید کے خاندان کی طرح عمروؓ بن عاص کا خاندان بھی دولت مند تھا۔ دولت مندی کا ذریعہ تجارت تھا۔

عمروؓ بن عاص کے والد اتنے صاحبِ اقتدار تھے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبولِ اسلام سے پہلے ان کے قبیلے بنو عدی کو بنو عبدالشمس نے ان کے گھروں سے جو صفاء کے قریب تھے، نکال دیا تو بنو سہم نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسلام قبول کیا تو اسی بنو سہم نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس پُر خطر صورتِ حال میں عمروؓ بن عاص کے والد عاص بن وائل سہمی نے انہیں اپنی حفاظت میں رکھا تھا۔

عاص بن وائل اتنے دولت مند تھے کہ ریشم کا لباس پہنتے تھے۔ عمروؓ بن عاص پر اس دولتمندی کا اور اپنے خاندان کی حیثیت کا بہت زیادہ اثر تھا۔ ایک اثر تو یہ تھا کہ وہ عزتِ نفس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور دوسرا اثر یہ کہ اقتدار پسندی میں کسی اور کو اپنے آگے یا اپنے اوپر برداشت نہیں کرتے تھے۔

عمروؓ بن عاص بھی خالدؓ بن ولید کی طرح اور قریش کے ہر سردار کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور آپؐ کے قتل کے درپے رہتے تھے لیکن عمروؓ

بن عاص نے یہ بھی دیکھا کہ قریش کسی بھی معرکے میں مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے۔ عمروؓ بن عاص مسلمانوں کے خلاف غزوۂ احزاب میں شامل تھے۔ وہ خالدؓ بن ولید کی طرح جنگجو، شہسوار اور شمشیر زن تھے۔ انہوں نے اپنی بے جگری اور بہادری کے جوہر دکھائے، جم کر لڑے لیکن اس معرکے کا انجام بھی وہی ہُوا جو وہ پہلے دیکھتے آ رہے تھے۔ قریش حوصلہ ہار بیٹھے اور بُری طرح میدان چھوڑ گئے۔

مشہور یورپی مؤرخ ایلفرڈ بٹلر نے یہ واقعہ بیان کیا ہے جس کی تائید ایک مستند مسلمان تاریخ نویس ابنِ عبدالحکم نے کی ہے۔ یہ واقعہ سنانے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تمام مسلم اور غیر مسلم مؤرخوں نے عمروؓ بن عاص کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جس قدر بہادر تھے اور شہسواری اور شمشیر زنی میں جتنی شہرت رکھتے تھے، اس سے کہیں زیادہ ذہانت و فطانت، وقار و تمکنت، دانائی اور زبان آوری اور سخن فہمی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ زورِ استدلال ایسا کہ ان کے سامنے کوئی اور اپنی دلیل بازی کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ وہ حقیقت اور خوش فہمی کے فرق کو نہایت اچھی طرح سمجھتے تھے اور مکمل طور پر حقیقت بیں تھے۔ غزوۂ احزاب میں قریش کی شکست دیکھ کر عمروؓ بن عاص نے قبیلہ قریش کے چند آدمیوں کو اپنے ہاں بلایا۔

"اے اہلِ قریش!" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "خدا کی قسم، محمدؐ کے معاملے میں ہم سب خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ کسی ایک بھی معرکے میں ہم ان کے مقابلے میں نہیں جم سکے۔ کیوں نہیں ہم لوگ تسلیم کر لیں کہ محمدؐ کا ستارہ عروج پر پہنچ رہا ہے۔ وہ وقت تیزی سے چلا آ رہا ہے جب مسلمان ہم پر غالب آ جائیں گے"۔

"ہم تمہیں دانشمند سمجھتے ہیں!" ـــ ایک آدمی نے کہا ـــ "جو تُو نے کہا ہے وہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ تُو ہم سب میں عقل و دانش زیادہ رکھتا ہے۔ یہ بتا تُو چاہتا کیا ہے اور ہم کیا کریں"۔

"تم سب میرے دوست ہو" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "میں جو چاہتا ہوں وہ اور کوئی نہیں مانے گا، تم سب میرے دوست ہو، مجھے اپنی اور تمہاری عزت کا خیال ہے۔ میرے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔ تم میں سے جو میرا ساتھ دینا چاہے وہ میرے ساتھ حبشہ چلا چلے اور ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی پناہ میں رہیں گے"۔

"کب تک وہاں پڑے رہیں گے؟" ـــ ایک نے پوچھا ـــ "وہاں کریں گے

کیا؟"

"تجارت!" ___ عمروؓ بن عاص نے جواب دیا ___ "تجارت نہ ہو سکی تو نجاشی ہمارے لئے کوئی نہ کوئی ذریعۂ معاش پیدا کردے گا۔ اگر مسلمان قریش پر غالب آ گئے تو میں مسلمانوں کی غلامی سے نجاشی کے زیرِ سایہ رہنا بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر قریش مسلمانوں پر غالب آ گئے تو محمدؐ کا یہ نیا مذہب ختم ہو جائے گا اور ہم لوگ واپس آ جائیں گے"۔

○

"ابنِ ولید!" ___ عمروؓ بن عاص نے خالدؓ بن ولید کو یہ ساری بات سنا کر کہا ___ "تُو چپ چاپ میری بات سُن رہا ہے۔ تیری اس خاموشی سے اس کے سوا اور کیا سمجھ سکتا ہوں کہ تجھے میری یہ باتیں اچھی نہیں لگیں"۔

"میری خاموشی پر مت جا میرے عزیز دوست!" ___ خالدؓ بن ولید نے کہا ___ "مجھے بھی کچھ کہنا ہے جو میں کسی اور سے نہیں کہہ سکتا۔ پہلے تیری پوری بات سن لوں تو اپنی سناؤں گا"۔

"میں نے بتایا ہے ناں' چند آدمی میرے ساتھ تیار ہو گئے" ___ عمروؓ بن عاص نے کہا ___ "ہم نے تجارت کو بہانہ بنایا اور چل پڑے۔ تجھے شاید حبشہ کا راستہ معلوم ہی ہو گا۔ ہم یہاں سے چلے اور سمندر (بحیرۂ قلزم) کے ساتھ ساتھ چلتے یمن میں داخل ہو گئے اور پھر عدن جا پہنچے۔ عدن کے قریب اُس جگہ گئے جہاں سمندر بہت ہی کم چوڑا ہے۔ بڑی بادبانی کشتی پر ہم نے سمندر پار کیا اور پھر خشکی کا سفر شروع ہو گیا اور پھر تین چار پڑاؤ کر کے حبشہ کے دارالحکومت عدیس ابابا پہنچ گئے۔ تجھے یہ اندازہ ہو گا کہ یہ سفر کتنا طویل ہے اور کٹھن بھی لیکن ہم خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں گئے اور اُس سے پناہ مانگی اور یہ بھی کہا کہ ہم تجارت پیشہ لوگ ہیں اس لئے اُس پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالیں گے اور پناہ کے سوا کوئی مدد نہیں مانگیں گے.. .. نجاشی نے ہمیں شاہی مہمانوں کی طرح رکھا اور ہمیں ایسی رہائش مہیا کر دی جو شاہی خاندان جیسی رہائش تھی"۔

"مجھے ان باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں" ___ خالدؓ بن ولید نے کہا ___ "میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم واپس کیوں چلے آئے اور اب کہاں کا ارادہ ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تُو اگر حبشہ سے ہی آیا ہے تو مکّہ کیوں نہ رُک گیا؟ مکّہ پیچھے بہت دُور رہ گیا ہے.... کیا تُو

کوئی خاص بات مجھ سے چُھپا رہا ہے؟"

"نہیں ابنِ ولید" ___ عمروؓ بن عاص نے کہا ___ "تُو میرا دوست ہے اور اہلِ قریش میں تجھے وہی برتر حیثیت حاصل ہے جو مجھے حاصل ہے۔ میں نے مکّہ سے روانہ ہونے سے پہلے تجھے نہیں بتایا تھا کہ میں یہاں سے ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ تو میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہا تھا کہ وہ بھی کسی کے ساتھ ذکر نہ کریں لیکن اب دل میں ایسی بات آ گئی ہے جس کے متعلق میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اچھا ہُوا تُو مل گیا ہے"۔

"تیرے ساتھی کہاں ہیں؟" ___ خالدؓ بن ولید نے پوچھا۔

"انہیں وہیں چھوڑ آیا ہوں" ___ عمروؓ بن عاص نے جواب دیا ___ "میں جو ارادہ لے کر وہاں سے آیا ہوں' میرے ساتھیوں کو یہ ارادہ پسند نہیں آیا اور میں ان کا ساتھ چھوڑ آیا ہوں"۔

"میں سمجھتا تھا کہ تُو راستے سے بھٹک گیا ہے" ___ خالدؓ بن ولید نے کہا ___ "لیکن تیری باتوں سے شک ہوتا ہے کہ تیری عقل صحیح سوچوں سے بھٹک گئی ہے۔ اتنی لمبی بات نہ کر ابنِ عاص! مجھے صحیح بات بتا دے تیرا ارادہ کیا ہے اور تُو کس منزل کا مسافر ہے"۔

"ابنِ ولید!" ___ عمروؓ بن عاص نے کہا ___ "جب تک بات پوری نہ سنا لوں' اپنا ارادہ نہیں بتاؤں گا کیونکہ تُو غلط سمجھ لے گا.... یہ تو تجھے معلوم ہے ہمارے تاجر حبشہ جاتے رہتے ہیں۔ ہم وہاں تقریباً" ایک سال رہے۔ ایک روز عربی تاجروں کا ایک قافلہ عدیس ابابا پہنچا۔ اس میں میری جان پہچان کے لوگ بھی تھے۔ ان سے پتہ چلا کہ محمدؐ نے حدیبیہ کے مقام پر قبیلہ قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے اور اس معاہدے کی رُو سے قریش اور مسلمان دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ محمدؐ نے قریش کی ساری شرطیں مان لی ہیں اور طے پایا ہے کہ وہ ایک سال بعد عمرہ کرنے آئیں گے۔ میں نے تسلیم نہیں کیا کہ ایسا معاہدہ ہُوا ہو گا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد مکّہ سے آیا ہُوا ایک اور آدمی ملا۔ اس نے بتایا کہ مسلمان اپنے رسول محمدؐ کے ساتھ ایک سال بعد عمرہ کرنے آئے تھے اور اُنہوں نے پُرامن طریقے سے عمرہ کیا اور واپس چلے گئے....

"میں نے مکّہ سے آنے والے اس شخص سے اور کئی باتیں پوچھیں تو میں اس نتیجے

پر پہنچا کہ اہلِ قریش نے مسلمانوں کا غلبہ قبول کر لیا ہے اور ان کی برتری کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ ابنِ ولید! تجھے میری بات اچھی لگے نہ لگے، میں اپنے دل اور دماغ کی بات کرتا ہوں۔ میں محمدؐ کے کردار کا قائل ہو گیا اور سوچ سوچ کر میں اس رائے پر پہنچا کہ محمدؐ کا ستارہ اقبال کے عروج پر پہنچ گیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہُوا کہ مدینہ جا کر اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ پھر مجھے یہ پتہ چلا کہ قریش مدینہ پر یلغار کرنے گئے تھے لیکن مسلمانوں نے ایک نئی رکاوٹ سوچ لی اور قریش کی یلغار ناکام ہو گئی۔ سنا ہے مسلمانوں نے مدینہ کے اردگرد خندق کھود لی تھی"۔

خالدؓ بن ولید بھی اس یلغار میں شامل تھے اور انہوں نے گھوڑے سے یہ خندق پھلانگنے کی کوشش بھی کی تھی اور ناکام رہے تھے اس لئے وہ جنگِ خندق کی ہر بات عمروؓ بن عاص کو سنا سکتے تھے۔ انہوں نے جنگِ خندق کی پوری تفصیل سنائی اور مسلمانوں کی اس دانشمندی کو خراجِ تحسین پیش کیا کہ انہوں نے خندق کھود کر قریش کا حملہ ناکام کر دیا تھا۔

"پھر تو ہی بتا میرے عزیز دوست!" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "میں مسلمانوں کی عسکری برتری کیوں نہ تسلیم کروں؟ میں نے یہ ساری تفصیل حبشہ میں سنی تھی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمارے اہلِ قریش کے پاس کچھ نہیں رہا۔ میں یہ خیال لے کر آیا ہوں کہ محمدؐ میں وہ عظمت موجود ہے جو ہمارے قبیلے کے کسی بڑے بزرگ کو ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ میں جنگجو ہوں، تو بھی جنگجو ہے۔ کیا ہم اپنے لوگوں کے ساتھ مل کر کہیں اپنے جوہر دکھا سکتے ہیں؟.... نہیں، کبھی نہیں.... اب میں وہ بات کہنے لگا ہوں جو تجھے مشتعل کر دے گی اور ہو سکتا ہے تو مجھے قتل کر دینے کو تلوار نکال لے"۔

"اپنے دل کی بات مجھ سے سُن لے" ـــــ خالدؓ بن ولید نے کہا ـــــ "تو اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ کیا میں نے غلط کہا ہے؟"

"خدا کی قسم! تو میرے دل کا بھید پا گیا ہے" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "لیکن میں اس ارادے کے باوجود بھٹک جاتا ہوں اور خیال آتا ہے کہ میرا یہ فیصلہ صحیح نہیں۔ شاید میں اپنے قبیلے سے رشتہ توڑنا نہیں چاہتا لیکن اپنے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو افسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکے اور میں کہتا ہوں کہ وہ اسی قابل ہیں کہ مسلمان ان پر غالب آ جائیں.... ابنِ ولید! مجھے بتا، کیا میں ٹھیک فیصلے پر پہنچا ہوں؟ اگر

میرا فیصلہ غلط ہے تو خدا کی قسم، تجھے اجازت دیتا ہوں کہ میرا سر تن سے جدا کر دے"۔

خالدؓ بن ولید نے آسمان کی طرف منہ کر کے بڑا ہی جاندار قہقہہ لگایا پھر عمروؓ بن عاص کی طرف دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ ان کے کندھے پر رکھے۔ اُس وقت خالدؓ بن ولید کے چہرے پر کچھ ایسی رونق تھی جسے جلال کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

"ابنِ عاص!" ـــــ خالدؓ بن ولید نے عمروؓ بن عاص کو کندھوں سے ہلکا سا جھٹکا دے کر کہا ـــــ "تیرا فیصلہ برحق ہے۔ اپنے ارادے سے بھٹکنا نہیں۔ میں اس سفر میں تیرا ہمسفر ہوں اور ہم دونوں کی منزل ایک ہے.... میں اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ جا رہا ہوں۔ مکہ میں کسی کو بتا کر نہیں آیا۔ آ، میرے ساتھ چل!"۔

تاریخ لکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص اکٹھے مدینہ پہنچے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری دی۔

یہ بتانا ممکن نہیں کہ ان دونوں کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فوری ردِعمل کیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر کچھ لوگ بیٹھے تھے تو اُن کے دلوں میں یہ شک ضرور پیدا ہُوا ہو گا کہ یہ دونوں اچھی نیت سے نہیں آئے۔ سب جانتے تھے کہ خالدؓ بن ولید نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا عہد کر رکھا تھا۔ اتنا تو ضرور ہی ہُوا ہو گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پر سناٹا طاری ہو گیا ہو گا۔ یہ دونوں کوئی عام قسم کے آدمی ہوتے تو اور بات تھی، سب ان دونوں کے متعلق جانتے تھے کہ انہیں اپنے اپنے قبیلے میں کتنی اونچی اور برتر حیثیت حاصل ہے۔ اچھا ہُوا خالدؓ بن ولید جلدی بول پڑے اور محفل پر جو کھچاؤ طاری ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

"میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے آیا ہوں" ـــــ خالدؓ بن ولید نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ـــــ "میں دل و جان سے آپ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہوں"۔

آنحضورؐ نے خالدؓ بن ولید کی بیعت قبول فرمائی اور انہیں حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا۔

پھر آپؐ نے عمروؓ بن عاص کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔ عمروؓ بن عاص سرک کر آنحضورؐ کے قریب ہو گئے۔

"میں بھی آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہوں" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "لیکن بیعت سے پہلے یہ عرض ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے پچھلے تمام گناہ معاف کر

دیئے جائیں اور آئندہ محتاط رہوں گا کہ اسلام کے دائرے میں رہوں اور اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھوں"۔

مصر کے مشہور تاریخ نویس محمد حسنین ہیکل مختلف حوالوں سے لکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن عاص سے کہا کہ گناہ معاف کرنے والا اللہ ہے اور جو توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے' اس کے پچھلے تمام گناہ اسی طرح دُھل جاتے ہیں جس طرح ہجرت سے پچھلی تمام مصیبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ آپؐ نے عمروؓ بن عاص سے کہا کہ وہ بیعت کر لیں اور وہ اپنے آپ میں خود ہی تبدیلی محسوس کریں گے.... اس طرح عمروؓ بن عاص نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص کو مکّے سے جانتے تھے۔ آپؐ ان دونوں کی خوبیوں' صلاحیتوں اور کردار سے خوب واقف تھے۔ آپؐ نے ان دونوں کو اعتماد میں لے لیا بلکہ مؤرخ لکھتے ہیں کہ آنحضورؐ نے ان دونوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا لیکن دونوں اس اعتماد پر پورے اُترے اور اسلام کو دو عظیم سپہ سالار مل گئے۔



چونکہ یہ داستان فتح مصر کی ہے اس لئے ہم اپنے آپ کو اسی کا پابند رکھیں گے اور ان ہی سالاروں کا ذکر نمایاں طور پر کریں گے جنھوں نے فرعونوں کی زمین پر اسلام کے جھنڈے گاڑے تھے۔ ان سالاروں کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص تھے۔ فتح مصر کا خیال اور عزم عمروؓ بن عاص کے دماغ میں ہی آیا تھا اور انہوں نے ہی امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو قائل کیا تھا کہ مصر پر فوج کشی کی جائے۔ امیرالمومنین رضامند نہیں ہو رہے تھے اور عمروؓ بن عاص کی تجاویز کو ٹالتے چلے آ رہے تھے۔ آخر ایک روز وہ قائل ہو ہی گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عمروؓ بن عاص مصر کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرنے کے لئے ہی دنیا میں آئے تھے۔

یہ ساری تفصیلات اس داستان میں تفصیل سے سنائی جائیں گی۔ ان تفصیلات میں کچھ دلچسپ ہیں' کچھ فکر انگیز ہیں' کچھ ولولہ انگیز ہیں اور کچھ دردناک بھی ہیں لیکن جو حقیقت ہمارے سامنے کھل کر آتی ہے وہ قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے' اس کے لئے حالات خود ہی پیدا کر دیتا ہے۔ خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص کا خود ہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور قبولِ اسلام کے لئے پہنچ جانا کوئی اتفاق نہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو دو تاریخ ساز اور عظیم سپہ سالار عطا کرنے تھے۔ ان کے ہاتھوں رومیوں کی طاقت کو فنا کروانا تھا اور پھر عمروؓ بن عاص کے ہاتھوں مصر کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرنا تھا۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عمروؓ بن عاص کے متعلق ایک واقعہ بیان کر دیا جائے جسے زیادہ تر مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے تاریخ کے دامن میں محفوظ کر دیا تھا۔ ان میں بلاذری' مقریزی اور ابن عبدالحکم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ عمروؓ بن عاص تجارت اور سیاحت کے سلسلے میں عراق' شام' فلسطین اور مصر تک جایا کرتے تھے۔ یہ ان کے قبولِ اسلام سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔

ایک بار عمروؓ بن عاص چند ایک اہلِ قریش کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں بیت المقدس گئے۔ انہیں وہاں بہت دن رکنا تھا اور انہوں نے شہر کے باہر ایک کھلی جگہ ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی ہر روز اونٹوں کو چرانے کے لئے قریب ہی جنگل میں لے جایا کرتا تھا۔

ایک روز اونٹوں کو چرنے چُگنے کے لئے لے جانے کی باری عمروؓ بن عاص کی تھی۔ دن کا پچھلا پہر تھا اور وہ اونٹوں کو کھول کر لے گئے اور ایک پہاڑی کے دامن میں لے جا کر کھلا چھوڑ دیا۔ وہاں گھاس اور جھاڑیوں کی بہتات تھی اور درخت ہرے بھرے تھے۔ موسم گرمیوں کا تھا اور اُن دنوں گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی پہاڑی سے اتر رہا ہے۔ اس کے اُترنے کا انداز بتا رہا تھا کہ اُس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں اور کسی بھی قدم پر وہ گر پڑے گا اور لڑھکتا ہُوا نیچے آئے گا اور شاید زندہ نہ ہی رہے۔ عمروؓ بن عاص ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے اور اس آدمی کو بڑی غور سے دیکھ رہے تھے۔

وہ آدمی پہاڑی سے تو اتر آیا لیکن اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ کبھی وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے گلے پر رکھ لیتا اور کبھی وہ رکتا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ قدم گھسیٹتا' ڈولتا اور جھولتا عمروؓ بن عاص تک پہنچ گیا اور ان کے سامنے گر پڑا۔

"پانی!" ــــ اس آدمی کے منہ سے سسکی سی نکلی ــــ "پانی.... مرجاؤں گا"۔

عمروؓ بن عاص کے پاس پانی کا چھوٹا مشکیزہ بھرا ہُوا تھا۔ گرمی اتنی کہ تھوڑی تھوڑی

دیر بعد پیاس لگتی تھی اور حلق میں کانٹے چبھنے لگتے تھے۔ اسی لئے عمروؓ بن عاص نے پانی کا مشکیزہ اپنے ساتھ رکھا ہُوا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک دو گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔

اس آدمی نے پانی مانگا تو عمروؓ بن عاص نے مشکیزہ کھولا اور پھر اس شخص کو سہارا دے کر بٹھایا اور مشکیزے کا منہ اُس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ وہ شخص اتنا پیاسا تھا کہ آدھا مشکیزہ پانی پی گیا۔

"تم نے مجھے پانی نہیں نئی زندگی دی ہے" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "میں حضرت عیسیٰؑ کی اس سرزمین کی زیارت کی خاطر پہاڑی پر چڑھ گیا تھا کہ دُور دُور تک اس علاقے کو دیکھوں گا لیکن میری حماقت کہ پانی ساتھ نہ لے گیا۔ یہ تو ایک معجزہ ہے کہ میں تم تک زندہ پہنچ گیا ہوں"۔

اس شخص نے اپنا نام شماس بتایا اور یہ بھی کہ وہ عیسائی ہے۔ وہ مصر کے بہت بڑے شہر اور بندرگاہ اسکندریہ کا رہنے والا تھا۔ اُس وقت اسکندریہ مصر کا دارالحکومت تھا اور مصر میں ایرانیوں کی حکومت تھی۔

○

شماس کو پانی ملا جو اُس نے پیٹ بھر کر پیا تو اس کے جسم میں تازگی آ گئی۔ وہ تھکا ہُوا بھی تھا۔ اُسے غنودگی محسوس ہونے لگی۔ عمروؓ بن عاص کا شکریہ ادا کر کے وہ اٹھا اور قریب ہی ایک درخت کے نیچے لیٹا اور لیٹتے ہی اُس کی آنکھ لگ گئی۔ وہ خراٹے لینے لگا۔

عمروؓ بن عاص اُس سے بے خبر ہو گئے اور اپنے اونٹوں کو دیکھنے لگے کہ کوئی اونٹ اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔ انہوں نے ویسے ہی اپنا مشکیزہ دیکھا کہ اس پیاسے انسان نے اس میں کوئی قطرہ چھوڑا بھی ہے یا نہیں۔ مشکیزے میں دو چار گھونٹ پانی رہ گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص کو دلی اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے ایک پیاسے کی جان بچالی ہے۔ وہ شخص جس نے اپنا نام شماس بتایا تھا' بیت المقدس شہر تک نہ پہنچ سکتا۔

عمروؓ بن عاص نے سوئے ہوئے شماس کی طرف دیکھا تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے۔

ایک بڑا لمبا سانپ جس کا رنگ سیاہی مائل تھا' آہستہ آہستہ سوئے ہوئے شماس کی طرف رینگتا آ رہا تھا۔ گرمی کی شدت میں سانپوں میں زہر بہت ہی تیز ہو جاتا ہے اور فوراً اثر کرتا ہے۔ سانپ اور شماس میں ایک دو قدموں کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص اتنی جلدی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے کہ سانپ کو شماس تک پہنچنے سے پہلے مار ڈالتے یا بھگا

دیتے۔

اُس زمانے میں گڈریے اپنے ساتھ تیر اور کمان ضرور ہی رکھا کرتے تھے۔ تلوار اور برچھی بھی اُن کے پاس ہوتی تھی لیکن تیر و کمان کو اس لئے زیادہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ مویشی یا بھیڑ بکریاں چرتی چُگتی کچھ دور نکل جاتی تھیں۔ کوئی درندہ آ نکلتا تو گڈریے دور سے اسے تیر مار سکتے تھے۔ عمروؓ بن عاص اونٹ چرانے کے لئے لے گئے تھے اس لئے تیر و کمان بھی ساتھ لے گئے تھے۔ انہوں نے سانپ کو دیکھا تو فوراً کمان میں تیر ڈالا اور سانپ کے سر پر تیر چلایا۔ فاصلہ بہت تھوڑا تھا اس لئے تیر سانپ کے سر میں سے گزر کر زمین میں گڑ گیا۔ سانپ وہیں لوٹ پوٹ ہوتا رہا اور مر گیا۔ انہوں نے شماس کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ بڑی گہری نیند سویا ہُوا تھا۔

کچھ دیر بعد شماس کی آنکھ کھلی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ سب سے پہلے اُس کی نظر سانپ پر پڑی اور وہ بدک کر اٹھا اور سانپ سے دور ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ اُس نے سانپ کے سر میں سے گزرا ہُوا اور کچھ زمین میں گڑا ہُوا تیر دیکھا تو گھوم کر عمروؓ بن عاص کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔ عمروؓ بن عاص مسکرا رہے تھے۔

"مر گیا ہے" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہارے پاس پہنچ گیا تھا۔ میرے تیر نے اسے آگے نہیں آنے دیا"۔

شماس آہستہ آہستہ عمروؓ بن عاص کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ انہیں دیکھتا ہی رہا جیسے اُس کی زبان بولنے سے عاری ہو گئی ہو۔ عمروؓ بن عاص بھی اسے دیکھتے رہے اور مُنہ سے کچھ بھی نہ بولے۔

"تم مجھے انسان نہیں لگتے" ــــ شماس نے کہا ــــ "خدا نے تمہیں میری حفاظت کے لئے آسمان سے اتارا ہے۔ کیا تم آسمانی مخلوق نہیں ہو؟"

"خدا کی قسم' اتنی زیادہ حیرت کی بات تو نہیں تھی" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "انسان ہی تو انسان کے کام آیا کرتا ہے۔ میں آسمان سے نہیں اترا' مکّہ سے بغرض تجارت آیا ہوں اور میں قبیلہ قریش کا آدمی ہوں"۔

"میں مصر کے سب سے بڑے شہر اسکندریہ کا رہنے والا ہوں" ــــ شماس نے کہا ــــ "یہ مت سوچ کہ میں مصری ہوں اس لئے تمہارے ملک عرب کے رسم و رواج سے ناواقف ہوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ ملک عرب میں ایک انسانی جان کا خوں بہا ایک سو

اونٹ ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک سو اونٹوں کی قیمت ایک ہزار دینار ہوتی ہے۔ کیا میں نے غلط کہا ہے؟"

"نہیں دوست!" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "تم نے غلط نہیں کہا۔ عرب میں ایک انسانی جان کی قیمت ایک سو اونٹ ہی ہے اور یہ قیمت اتنی زیادہ ہے کہ ہر کوئی اتنی قیمت نہیں دے سکتا اس لئے کوئی کسی کو قتل نہیں کرتا.... لیکن انسانی جان کی قیمت کا خیال تمہیں کیوں آیا ہے؟"

"یہ مت پوچھ کہ مجھے یہ خیال کیوں آیا ہے" ـــــ شماس نے کہا ـــــ "میں تمہیں اپنے ملک لے چلوں گا۔ خدا کی قسم، میں تمہیں دو جانوں کی قیمت دوں گا۔ یہ تمہارا حق ہے جو میں نے ادا نہ کیا تو خدا مجھ سے ناراض ہو گا۔ یہ نبیوں اور پیغمبروں کی مقدس زمین ہے، میں ان کی مقدس روحوں کو ناراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا"۔

"لیکن یہ تو بتاؤ" ـــــ عمروؓ بن عاص نے پوچھا ـــــ "وہ کون سے دو انسان ہیں جنہیں تم نے قتل کیا ہے؟ اور میں کون ہوتا ہوں جو ان کا خوں بہا وصول کروں؟"

"عرب کے لوگ اتنے کم عقل تو نہیں ہوتے جتنے تم لگ رہے ہو" ـــــ شماس نے کہا ـــــ "تم نے دو بار میری جان بچائی ہے۔ پیاس نے تو میری جان لے ہی لی تھی۔ تم اگر کچھ ہی دیر اور مجھے پانی نہ پلاتے تو میں مر چکا ہوتا۔ پھر تم نے مجھے اس اتنے زیادہ زہریلے سانپ سے بچایا۔ تم تیر چلانے میں ذرا سی بھی کوتاہی کر جاتے تو سانپ مجھے ڈس لیتا اور میں بیدار ہونے سے پہلے ہی مر چکا ہوتا۔ پھر بتا مجھ پر دو جانوں کی قیمت واجب ہوتی ہے یا نہیں؟"

عمروؓ بن عاص بڑے معزز اور برتر خاندان کے فرد تھے۔ انہوں نے شماس سے کہا کہ ان کا اس پر کوئی حق نہیں بنتا، انہوں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔

"میرے عربی دوست!" ـــــ شماس نے کہا ـــــ "تم نہیں جانتے تم نے کس کی جان بچائی ہے۔ خدا نے مجھے اتنی دولت دی ہے اور ایسا رتبہ دیا ہے کہ میرے دوستانہ تعلقات شاہی خاندان کے ساتھ اور وہاں کے امراء اور حکام کے ساتھ بڑے گہرے ہیں اور ان حلقوں میں مجھے بڑی ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میرے پاس یہاں دو ہزار دینار ہوتے تو میں تمہارا حق یہیں دے دیتا۔ میں تمہیں اسکندریہ لے جاؤں گا اور تم انکار نہیں کرو گے۔ جہاں تم نے مجھ پر دو احسان کئے ہیں وہاں تیسرا احسان یہ کرو کہ

میرے ساتھ چلو"۔

○

عمروؓ بن عاص مالدار باپ کے بیٹے تھے اور تجارت بھی وسیع پیمانے کی تھی اس لئے سیر و سیاحت کا ذوق و شوق بھی تھا۔ وہ جہاں چاہتے، بڑے آرام سے جا سکتے تھے۔ شماس کی پیشکش قبول کرنے میں وہ اس لئے پس و پیش کر رہے تھے کہ وہ احسان کا صِلہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ ویسے شماس کی یہ پیشکش عمروؓ بن عاص کی خواہش کے عین مطابق تھی۔ انہوں نے اسکندریہ کی بہت شہرت سنی تھی اور کئی بار انہیں اسکندریہ جانے کا خیال آیا تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ آج کیا واقعہ ہُوا ہے اور یہ شخص انہیں کیا صِلہ دے رہا ہے۔

اپنے ساتھیوں کی اس جماعت کے وہ سربراہ تھے۔ ساتھی انہیں روک نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس عیسائی کی پیشکش قبول کر لیں اور اُس کے ساتھ چلے جائیں۔ عمروؓ بن عاص نے اپنی پسند اور مرضی کا ایک ساتھی اپنے ساتھ تیار کر لیا اور اگلے روز وہاں گئے جہاں شماس ٹھہرا ہُوا تھا۔ اسے بتایا کہ وہ اس کے ساتھ اسکندریہ جائیں گے۔ انہوں نے روانگی کا دن اور وقت طے کر لیا۔

اُس دَور میں نہر سویز نہیں ہُوا کرتی تھی اس لئے خشکی سے بھی مصر جایا جا سکتا تھا اور اسکندریہ تک جانے کے لئے بحری راستہ بھی تھا۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ یہ لوگ خشکی کے راستے گئے یا سمندر کے راستے، تاریخ نے اتنا ہی لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص اپنے ایک ساتھی کے ساتھ شماس کی ہمراہی میں اسکندریہ پہنچ گئے۔ بیت المقدس سے اسکندریہ کا فاصلہ پانچ سو کلومیٹر ہے۔

عمروؓ بن عاص نے جب اسکندریہ شہر کی شان و شوکت اور حُسن و جمال دیکھا تو وہ حیران رہ گئے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ انہوں نے بے ساختہ کہا ـــــ "شماس! میں نے ایسا شہر اور اتنی دولت کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی جس کی ریل پیل یہاں دیکھ رہا ہوں"۔

مؤرخوں نے ایک واقعہ لکھا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور فکرانگیز بھی۔ واقعہ یوں ہے کہ ان ہی دنوں اسکندریہ میں ایک جشن منایا جا رہا تھا۔ تاریخ سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ یہ کیسا جشن تھا جس میں صرف شہر کے لوگ ہی شامل نہیں تھے بلکہ شاہی خاندان بھی اس

میں شامل تھا اور امراء و وزراء اور حاکم بھی اس میں شریک تھے۔ شہسواری، تیراندازی، تیغ زنی اور کشتیوں کے مقابلے بھی ہو رہے تھے۔ لوگوں نے بڑے ہی قیمتی کپڑے پہن رکھے تھے۔

شماس عمروؓ بن عاص کو بھی اس جشن میں لے گیا۔ شماس نے عمروؓ بن عاص کے لئے ریشمی لباس تیار کروا کے انہیں پہنایا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے دیکھا کہ شاہی افراد اور حکام بالا میں شماس کو خصوصی پذیرائی حاصل تھی۔ اُس روز اس جشن کی ایک خاص تقریب منائی جا رہی تھی۔

لوگ ایک دائرے میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ شاہی افراد کے لئے آگے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی گئی تھی۔ لوگوں کے ہجوم کے درمیان جو جگہ خالی تھی وہاں ایک آدمی کھڑا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں ایک سنہری گیند تھی۔ وہ بار بار گیند کو پوری طاقت سے اوپر کو پھینکتا تھا اور گیند اوپر جا کر زمین پر گرتی تھی۔

شماس نے عمروؓ بن عاص کو بتایا کہ جب کبھی یہ جشن منایا جاتا ہے، اس میں یہ تقریب ضرور منعقد ہوتی ہے۔ ایک آدمی آنکھیں بند کر کے گیند اوپر پھینکتا ہے اور ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ گیند جس شخص کے ایک بازو پر گرے وہ شخص بادشاہ بنے بغیر مر نہیں سکتا۔

عمروؓ بن عاص نے دیکھا کہ گیند زیادہ تر زمین پر گرتی تھی اور اگر کسی آدمی پر گری تو اُس کے بازو پر نہ گری، سر پر یا کندھے یا پیٹھ پر گری۔ شماس چونکہ صاحب حیثیت اور رُتبے والا آدمی تھا اس لئے اسے آگے بیٹھنے کو جگہ ملی اور وہ عمروؓ بن عاص کو بھی آگے لے گیا۔

گیند پھینکنے والے نے ایک بار پھر گیند اوپر کو پھینکی تو گیند عمروؓ کے دائیں بازو پر آ پڑی اور عمروؓ نے گیند کو وہیں پکڑ لیا۔ شاہی خاندان کے افراد اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس شخص کو اچھی طرح دیکھنا چاہتے تھے جس کے بازوؤں پر گیند گری تھی۔

شماس نے اٹھ کر اعلان کیا کہ اس شخص کا نام عمروؓ بن عاص ہے اور یہ مکّہ سے یہاں آیا ہے۔ تماشائیوں میں کئی لوگ قہقہہ لگا کر ہنسے اور کسی کی بڑی بلند آواز آئی —— "یہ سب غلط ہے۔ عرب کا یہ بدّو ہمارا بادشاہ نہیں ہو سکتا"۔

ہجوم میں سے کئی آوازیں اٹھیں —— "نہیں.... ہرگز نہیں.... یہ چھوٹا ناٹا سا بدّو مصر کا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے!"

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ عمروؓ بن عاص عرب کے عام لوگوں کی طرح دراز قد نہیں تھے۔ ان کا قد چھوٹا، سر بڑا، ہاتھ اور پاؤں کچھ زیادہ ہی بڑے تھے۔ ان کی بھویں گھنی تھیں، منہ بھی کچھ زیادہ چوڑا تھا، داڑھی لمبی رکھتے تھے، سینہ تو خاص طور پر چوڑا تھا۔ یہ کسی دلکش آدمی کی تصویر نہیں بنتی لیکن ان کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں اور چہرے پر بشاشت اور زندہ دلی کا تاثر رہتا تھا۔ غصے والی بات پر بھی انہیں غصہ نہیں آتا تھا۔

ان کا یہ جسم دیکھ کر اسکندریہ والوں نے ان کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ یہ شخص ان کا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ کے بھید کوئی نہیں پا سکتا۔ کوئی بھی نہ سمجھ سکا، خود عمروؓ بن عاص بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک اشارہ ہے جو کچھ ہی عرصہ بعد عملی شکل میں سامنے آ جائے گا اور آج جو لوگ اور شاہی خاندان کے جو افراد اس عربی بدّو کا مذاق اڑا رہے ہیں، یہ انقلاب بھی دیکھیں گے کہ یہی عربی بدّو مصر کے بادشاہوں کا تختہ اُلٹ دے گا اور فاتح مصر کہلائے گا اور ان ہی لوگوں پر اس کا حکم چلے گا۔

گیند کی رسم ادا ہو چکی تھی اور گیند نے ان کے عقیدے کے مطابق فیصلہ دے دیا تھا لیکن تماشائیوں کا ہجوم اور خصوصاً شاہی خاندان کے افراد اور حکام اس فیصلے کو منظور نہیں کر رہے تھے۔ اس رسم کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جس پر گیند گری ہو اُسے اُسی وقت بادشاہ بنا دیا جاتا تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ وہ آنے والے وقت میں بادشاہ بن سکتا ہے لیکن ہجوم نے ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔

شماس نے عمروؓ بن عاص کا بازو پکڑا اور انہیں وہاں سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے آیا اور گھر لے گیا۔ دو تین دن اور انہیں اسکندریہ کی سیر کروائی اور پھر بوقتِ رخصت دو ہزار دینار پیش کئے جو عمروؓ بن عاص نے کچھ پس و پیش کے بعد لے لئے۔ شماس نے عمروؓ بن عاص اور ان کے ساتھی کے ساتھ اپنا ایک آدمی روانہ کیا اور اسے کہا کہ انہیں بیت المقدس چھوڑ کر واپس آ جائے۔

ابن عبدالحکم لکھتا ہے کہ عمروؓ بن عاص مصر سے تو آ گئے لیکن مصر اور اسکندریہ ان کے ذہن پر ایسا سوار ہُوا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ مصر میں ہی جا کر آباد ہونا چاہتے ہیں۔

○

چونکہ یہ باب اس داستان کا تعارفی باب ہے اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عمروؓ بن عاص کی شخصیت اور جنگی فہم و فراست کی ایک دو جھلکیاں دیکھ لی جائیں..... یہ تو بیان ہو چکا کہ عمروؓ بن عاص نے اسلام کس طرح قبول کیا تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کس طرح اعتماد کیا اور انہیں جنگی امور میں اعلیٰ رتبہ دیا تھا۔ ہم آپ کو اس داستان کے اُس دَور میں تھوڑی سی دیر کے لئے لے جاتے ہیں جب ابو عبیدہؓ، خالدؓ بن ولید، شرجیلؓ بن حسنہ اور عمروؓ بن عاص نے شام سے رومیوں کے پاؤں اُکھاڑ دیئے تھے اور رومی پسپائی کی کیفیت میں داخل ہو چکے تھے۔

ہم کسی معرکے کو تفصیل سے بیان نہیں کریں گے ورنہ اصل داستان دھری رہ جائے گی۔ رومیوں کا مشہور جرنیل تو ہرقل تھا لیکن ان کا ایک انتہائی چالاک، عیّار اور مکّار جرنیل اطربون تھا۔ اُس کی عسکری فہم و فراست اور میدانِ جنگ میں نظروں کی گہرائی کا تو کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ وہ ہرقل کا ہم پلہ اور ہم رتبہ تھا لیکن اس کے مقابلے میں طفلِ مکتب لگتا تھا۔ تاریخ حیرت کا اظہار کرتی ہے کہ مسلمان سپہ سالاروں نے اطربون کو کس طرح شکست دے دی تھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما چکے تھے۔ خلیفۂ اوّل ابو بکر صدیقؓ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور اب خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔ عمرؓ عمروؓ بن عاص کے جوہر دیکھ چکے تھے اور ان کی خوبیوں سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ خالدؓ بن ولید خطرے مول لے لیا کرتے ہیں اور شجاعت میں دوسروں کو حیران کر دیتے ہیں لیکن عمروؓ بن عاص سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتے ہیں اور آگ میں بھی کود جاتے ہیں۔ جنگی مبصروں نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص دشمن کو دھوکہ دینے کی پالیسی پر عمل کیا کرتے تھے اور ان میں شجاعت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دُوبدُو معرکوں میں دشمن تو ان کے سامنے کبھی ٹھہر ہی نہیں سکتا تھا اور انہوں نے ایسی مثالیں پیش کر کے دکھائی تھیں۔

رومی فوجیں شام سے پسپا ہوئیں اور فلسطین میں مختلف مقامات پر پھیلا دی گئیں۔ یہ رومیوں کی ایک چال تھی جو انہوں نے مسلمانوں کی قلیل تعداد دیکھ کر چلی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کسی ایک مقام پر حملہ کرے گا تو یہ تمام بکھری ہوئی فوج اس طرح اکٹھی کر لی جائے گی کہ مسلمانوں کے اس تھوڑے سے لشکر کو ہر طرف سے

گھیر لیا جائے گا۔

عمروؓ بن عاص کے ذمے بیت المقدس کی فتح لگا دی گئی۔ ان کے مقابل رومیوں کا انتہائی چالاک جرنیل اطربون تھا۔ وہ اُس وقت اپنی فوج اجنادین کے مقام پر لے جا رہا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے لشکر کی نفری اور جسمانی کیفیت دیکھی تو امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ کمک بھیج دیں کیونکہ مقابلہ اطربون سے ہے۔

حضرت عمرؓ نے پیغام ملتے ہی اچھی خاصی نفری کی کمک بھیج دی اور (تاریخ میں آیا ہے) حضرت عمرؓ نے ایک بڑا دلچسپ جملہ کہا۔ انہوں نے فرمایا —— "ہم نے عرب کے اطربون کو روم کے اطربون سے ٹکرا دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس کا نتیجہ کیا سامنے آتا ہے"۔

حضرت عمرؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ اطربون جنگی کیفیت میں لومڑی جیسی چالاکی اور عیّاری کو ایسی خوبی سے استعمال کرتا ہے کہ اپنے دشمن کو چکر دے کر بھگا دیتا ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کچھ ایسے ہی اوصاف عمروؓ بن عاص میں بھی تھے۔

○

امیرالمومنینؓ کی بھیجی ہوئی کمک فلسطین عمروؓ بن عاص کے پاس پہنچ گئی۔ عمروؓ بن عاص نے یوں نہ کیا کہ ساری کمک اپنے پاس رکھ لیتے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اپنا لشکر تین چار حصوں میں بٹ گیا تھا اور کسے کمک کی زیادہ ضرورت تھی۔ انہوں نے دو مقامات پر آدھی کمک بھیج دی اور کچھ اپنے ساتھ رکھی لیکن جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ اطربون نے اپنی فوج قلعہ بند کر لی ہے اور چاروں طرف گہری خندق کھود رکھی ہے۔ عمروؓ بن عاص نے دیکھ لیا کہ محاصرہ کیا تو بڑا ہی لمبا ہو جائے گا اور خندق کی وجہ سے یہ قلعہ سر کرنا اگر ناممکن نہیں تو بہت ہی دشوار ضرور ہو گا۔ طریقہ ایک ہی ہے کہ اطربون کو دھوکے میں لایا جائے۔

انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دو ایلچی اطربون کی طرف بھیجے جن کے لئے ہدایت یہ تھی کہ وہ اطربون کے ساتھ صلح کے معاہدے کی بات چیت کریں جو وہ یقیناً" نہیں مانے گا لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ قلعے کے اندر اچھی طرح دیکھیں کہ یہ قلعہ کس طرح سر کیا جا سکتا ہے اور رومیوں کی فوج کی نفری کتنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ عمروؓ بن عاص کا مقصد صلح نہیں تھا بلکہ جاسوسی تھا۔

دونوں ایلچی گئے اور بات چیت کر کے واپس آ گئے۔ عمروؓ بن عاص نے جب اُن سے اپنے ذہن کے مطابق پوچھنا شروع کیا کہ انہوں نے کیا فلاں چیز دیکھی تھی؟ یہ بات کی تھی؟ اطربون کے اس سوال کا کیا جواب دیا تھا اور تم لوگ دیکھ کر کیا آئے ہو؟ عمروؓ بن عاص نے دیکھا کہ یہ دو ایلچی نکمے ثابت ہوئے ہیں اور وہ اطربون سے مرعوب ہو کر آئے ہیں اور انہوں نے جاسوسی پوری طرح کی ہی نہیں۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے ماتحت سالاروں سے کہا کہ وہ خود ایلچی بن کے جائیں گے اور یہ ظاہر ہونے ہی نہ دیں گے کہ مسلمانوں کے اس لشکر کے سپہ سالار وہی ہیں اور ان کا نام عمروؓ بن عاص ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اطربون کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ پکڑ کر قتل کروا دے گا یا کال کوٹھڑی میں پھینک دے گا۔

عمروؓ بن عاص نے بھیس بدلا' اپنے سالاروں سے رائے لی اور ان کی رائے کے مطابق اپنے بہروپ میں کچھ تبدیلیاں کیں اور اللہ کا نام لے کر چل پڑے۔

قلعے کے دروازے پر جا کر انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار نے انہیں ایلچی کے طور پر بھیجا ہے اور اطربون سے بات چیت کرنی ہے۔ اطربون کو اطلاع ملی تو اس نے انہیں فوراً" بلا لیا۔ عمروؓ بن عاص اطربون کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور ایسی اداکاری کی جیسے وہ صرف ایلچی ہیں اور اپنے لشکر میں ان کا کوئی ایسا اونچا رُتبہ اور عہدہ نہیں۔ اطربون نے انہیں اتنی ہی تعظیم دی جتنی ایک ایلچی کو دی جایا کرتی تھی۔

صلح کے مذاکرات شروع ہوئے۔ عمروؓ بن عاص نے یہ تو سن رکھا تھا کہ اطربون بہت ہی چالاک آدمی ہے لیکن انہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ وہ کس حد تک چالاک ہے اور اس کی نظریں کتنی گہرائی تک پہنچ جایا کرتی ہیں۔ عمروؓ بن عاص آخر سپہ سالار تھے اور اپنے قبیلے میں بھی انہیں برتری حاصل تھی اور یہ برتری اُن کی شخصیت کا بنیادی جزو تھا۔ انسان شعوری طور پر تو بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن لاشعور پر پردہ ڈالنا ممکن نہیں ہوتا۔ شاید باتیں کرتے کرتے عمروؓ بن عاص کے منہ سے کچھ ایسی بات نکل گئی ہو گی یا انہوں نے لب و لہجے میں کوئی ایسا تاثر پیدا کر دیا ہو گا کہ اطربون چونکا۔

"میری نظروں نے مجھے کبھی دھوکہ نہیں دیا" —— اطربون نے مسکراتے ہوئے کہا —— "میرا خیال ہے کہ میں کسی ایلچی سے نہیں بلکہ عرب کے سپہ سالار کے ساتھ بات کر رہا ہوں.... کیا تم عمروؓ بن عاص نہیں ہو؟"

"نہیں!" —— عمروؓ بن عاص نے جواب دیا —— "اگر میں عمروؓ بن عاص ہوتا تو اپنے اوپر جھوٹا پردہ ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے سپہ سالار عمروؓ بن عاص اتنے نڈر اور بے خوف انسان ہیں کہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں"۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ اطربون ہنس پڑا جیسے وہ عمروؓ بن عاص کی بات مان گیا ہو اور انہیں ایلچی ہی سمجھ رہا ہو۔ جنگ کے بعد جنگی قیدیوں سے پتہ چلا تھا کہ اطربون نے عمروؓ بن عاص کو صحیح پہچانا تھا اور انہیں دھوکہ یہ دیا تھا کہ اسے غلطی لگی ہے اور واقعی ایلچی ہے۔

عمروؓ بن عاص اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور سوچنے لگے کہ یہاں سے کس طرح نکلا جائے۔ انہیں شک اس طرح ہُوا کہ مذاکرات کے دوران اطربون کسی بہانے باہر نکلا اور جلدی واپس آ گیا اور مذاکرات شروع کر دیئے۔ اس کی اس حرکت سے عمروؓ بن عاص کو پکا شک ہو گیا کہ ان کی خیر نہیں۔ بعد میں جو اصل بات کھلی تھی وہ یہ تھی کہ اطربون نے باہر جا کر اپنے ایک محافظ سے کہا تھا کہ وہ فلاں جگہ جا کر انتظار کرے اور یہ عربی جو اندر بیٹھا ہے' واپس جا رہا ہو تو پیچھے سے اس کی گردن پر ایسا وار کرے کہ سر تن سے جُدا ہو جائے۔ وہ محافظ اُس جگہ چلا گیا تھا جو اس کام کے لئے موزوں تھی۔

عمروؓ بن عاص نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ انہوں نے مذاکرات کا رنگ ہی بدل ڈالا اور یوں ظاہر کرنے لگے جیسے وہ رومیوں کی طاقت سے ڈرتے ہوں اور ان کی شرائط مان لیں گے۔ اس رویّے کا اطربون پر خاطر خواہ اثر ہُوا۔

"اب میں آپ کو اپنی اصل حیثیت بتاتا ہوں" —— عمروؓ بن عاص نے کہا —— "میں سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا بھیجا ہُوا ایلچی نہیں ہوں بلکہ ہم اپنے امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن خطاب کے بھیجے ہوئے دس مشیر ہیں اور ہمیں آپ کے ساتھ صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا گیا ہے اور ہمارے لئے حکم یہ ہے کہ قابلِ قبول شرائط مان لیں۔ ہم مدینہ سے سیدھے آپ تک پہنچے ہیں۔ عمروؓ بن عاص کا ان مذاکرات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ میں نے آپ کی شرائط سُن لی ہیں۔ میرے باقی نو ساتھی قلعے سے کچھ دور میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان سب کو یہاں لے آؤں گا اور آپ چاہیں تو میں جا کر انہیں بتاؤں گا کہ یہ بات ہوئی ہے اور پھر ہم یہیں فیصلہ کر کے آپ کو بتا دیں گے۔ مجھے یہی توقع ہے کہ میرے ساتھی آپ کی شرائط مان لیں گے"۔

"یہ تو اور زیادہ اچھا ہے" — اطربون نے کہا — "بہتر ہے تم انہیں یہیں لے آؤ"۔

اطربون پھر کسی کام کے بہانے باہر نکلا اور ایک محافظ کو یہ حکم دیا کہ فلاں محافظ فلاں جگہ کھڑا ہو گا' اُسے کہہ دو کہ تمہیں جو پہلے کام بتایا تھا وہ اب نہیں کرنا اور واپس آ جاؤ۔

عمروؓ بن عاص وہاں سے اٹھے اور بخیر و بخوبی قلعے سے نکل آئے پھر پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ اطربون شام تک انتظار کرتا رہا۔

"یہ عربی سپہ سالار مجھے دھوکہ دے کر زندہ نکل گیا ہے" — اطربون نے کہا — "میں نے اس سے بڑھ کر عیّار آدمی کبھی نہیں دیکھا"۔

اس کے بعد میدان میں بڑی ہی خونریز لڑائی ہوئی جس میں دونوں طرف کا بے پناہ جانی نقصان ہُوا اور اطربون اپنی بچی کھچی فوج کو ساتھ لے کر بیت المقدس چلا گیا اور وہاں فوج کو قلعہ بند کر لیا۔ عمروؓ بن عاص اور ایک دو اور سالاروں نے بیت المقدس کو محاصرے میں لے لیا۔

ایک روز عمروؓ بن عاص کو اطلاع دی گئی کہ اطربون کا ایلچی کوئی پیغام لایا ہے۔ انہوں نے ایلچی کو فوراً بلا لیا اور پیغام لے کر پڑھا۔ اطربون نے لکھا تھا:

"تم میرے دوست ہو اور تمہاری قوم نے تمہیں وہی رتبہ دیا ہے جو میری قوم نے مجھے دے رکھا ہے۔ میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ تم نے اگر اجنادین ہم سے لے لیا ہے تو اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنا کہ تم فلسطین کا کوئی اور حصہ فتح کر لو گے۔ تم فلسطین میں اب کوئی اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ اور اپنے آپ کو تباہی سے بچا لو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہارا انجام اُن ہی جیسا ہو گا جو بیت المقدس کو فتح کرنے آئے تھے اور پھر زندہ واپس نہ جا سکے"۔

عمروؓ بن عاص نے اطربون کے ایلچی کے ہاتھ اس کے پیغام کا جواب بھیج دیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا:

"میں فلسطین کا فاتح ہوں۔ میں تمہیں دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے مشیروں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر لو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں تباہی سے بچانے کے لئے کوئی دانشمندانہ مشورہ دے سکیں"۔

اجنادین اور بیت المقدس کی فتح ایک الگ داستان ہے' یہاں ایک دلچسپ بات سامنے آتی ہے جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے.... مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ اطربون نے عمروؓ بن عاص کا پیغام پڑھا۔ اُن کے یہ الفاظ پڑھ کر وہ ہنس پڑا کہ میں فلسطین کا فاتح ہوں۔

ابھی بیت المقدس فتح نہیں ہُوا تھا۔ اطربون نے عمروؓ بن عاص کا یہ پیغام اپنے مصاحبوں اور مشیروں کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ عمروؓ بن عاص بیت المقدس کا فاتح نہیں ہو سکتا۔ اُس نے ایسے لہجے میں یہ بات کہی کہ سننے والوں کو یہ خیال آیا کہ بیت المقدس ضرور فتح ہو گا لیکن فاتح عمروؓ بن عاص نہیں ہوں گے۔ ان میں سے کسی نے اطربون سے پوچھا کہ اس نے ایسی بات کیوں کہی ہے۔

"بیت المقدس کے فاتح کا نام عمرؓ ہے" — اطربون نے یہ عجیب بات کہی — "توریت میں لکھا ہے کہ بیت المقدس کے فاتح کے نام میں صرف تین حروف ہوں گے۔ ... یہ تین حروف عمرؓ ہو سکتے ہیں۔ پھر توریت میں عمرؓ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ توریت میں صاف لکھا ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے گا"۔

طبری لکھتا ہے کہ اطربون نے یہ بات حتم و یقین کے لہجے میں کہی اور اس کی اس مجلس پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اطربون بغیر لڑے بیت المقدس سے اپنی فوج نکال کر مصر کو بھاگ گیا۔

○

بات جب فتح مصر پر آتی ہے تو لامحالہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ اُس وقت مصر میں حکومت کس کی تھی' اور جب تاریخ یہ جواب دیتی ہے کہ اُس وقت رومی مصر پر قابض تھے اور حکمران ہرقل تھا تو یاد آتا ہے کہ ہرقل تو ملک شام میں تھا اور یہ سارا خطّہ اُس کی حکمرانی میں تھا پھر ہرقل مصر کس طرح پہنچ گیا؟

شام سے ہرقل اپنی مرضی سے مصر نہیں گیا تھا' اسے مسلمانوں نے شام سے بھگایا تھا۔ اُس وقت دنیا میں دو ہی جنگی طاقتیں تھیں۔ ایک آتش پرست ایرانی اور دوسرے رومی۔ بہت مدت پہلے رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ یہ دونوں طاقتیں مشرق وسطیٰ میں ایک دوسری سے برسرپیکار رہتی تھیں۔ کبھی ایرانی شام اور مصر

جاتے اور کبھی رومی انہیں شکست دے کر ان سے یہ علاقے چھین لیا کرتے تھے۔

ان دونوں طاقتوں کے کبھی تصوّر میں بھی نہیں آیا تھا کہ اُفق سے ایک تیسری طاقت بھی اُبھرے گی جو ان دونوں طاقتوں کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دے گی۔ عربوں سے تو یہ لوگ کوئی ایسی توقع رکھتے ہی نہیں تھے۔ عربوں کو وہ جاہل اور پسماندہ بدّو کہا کرتے تھے لیکن اسی عرب کے ایک غار کی تاریکی سے اللہ کا نُور پھُوٹا جس کی کرنیں بڑی تیزی سے پھیلتی چلی گئیں اور لوگوں کے دل و دماغ کو منوّر کرتی گئیں۔

اس غار کو غارِ حرا کہتے ہیں۔ یہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسالت عطا فرمائی تھی۔

یہاں سے تیسری جنگی طاقت اُبھرنے لگی لیکن ایک فرق کے ساتھ.... اس تیسری طاقت کو صرف جنگی ہتھیاروں پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ یہ طاقت ایک عظیم نظریئے سے لیس تھی اور اس نظریئے میں اللہ کی طاقت شامل تھی۔ ایرانیوں اور رومیوں کو اپنے بے انداز گھوڑوں اور تیرو تفنگ پر ناز تھا لیکن جب ان کے بڑے بڑے لشکر مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کے مقابلے میں آئے تو ان کے لئے میدان میں ٹھہرنا محال ہو گیا۔ یہ ایک نظریئے کا اور عقیدے کا کرشمہ تھا جسے آج تک اللہ کا دین کہا جاتا ہے۔

تاریخ آج بھی حیران ہے کہ جن رومیوں نے ایرانیوں جیسی طاقت کو پے در پے شکستیں دی تھیں وہ مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں کس طرح پٹ گئے اور پٹے بھی ایسے کہ مسلمانوں نے انہیں شام سے بے دخل ہی کر ڈالا اور ان کی فوجوں نے مصر میں جادم لیا۔

تاریخ حیرت کا اظہار بھی کرتی ہے اور اس سوال کا جواب بھی تاریخ کے دامن میں موجود ہے۔ ایک ایک لمحے کی داستان مُسلم اور غیر مُسلم مؤرخوں نے قلمبند کر کے تاریخ کے حوالے کر دی تھی اور وہ آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے۔ یہ تفصیلات جنگی نوعیت کی ہیں۔ مؤرخوں نے مسلمانوں کی جنگی اہلیت' جذبے اور فنِ حرب و ضرب کے معجزہ نما کارنامے لکھے ہیں۔ انہوں نے مسلمان سپہ سالاروں کی جنگی چالوں پر' قیادت پر اور لشکروں میں ڈسپلن قائم رکھنے پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے لیکن ایک پہلو ایسا ہے جو مؤرخوں نے نظرانداز کیا ہے یا وہ اس سے واقف ہی نہیں تھے۔ اس کی صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

جب مسلمان ابو عبیدہؓ' خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص کی قیادت میں رومیوں سے برسرِپیکار تھے اور ہر میدان سے رومیوں کے پاؤں اکھڑتے جا رہے تھے اُس وقت اُس علاقے کا ایک بڑا قلعہ بند شہر بہت شہرت یافتہ تھا۔ یہ تھا قنسرین۔ اس کی دفاعی پوزیشن بڑی ہی مضبوط تھی۔ یہ ایک الگ داستان ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے قنسرین کو کس طرح فتح کیا تھا۔ یہاں بات ایک شخصیت کی سامنے آتی ہے جس کے حوالے سے ہم اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عظمت واضح کریں گے۔

اس علاقے میں ایک شخص جبلہ بن ایہم غسانی تھوڑے سے علاقے کا بادشاہ بنا ہُوا تھا۔ یہ اس کا اپنا قبیلہ تھا جو بنو غسان کے نام سے مشہور تھا۔ وہ رومیوں کا دوست تھا اور جبلہ بن ایہم رومیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے سوا انہیں ہر طرح کی مدد دیتا تھا۔ جبلہ بے پناہ دولت اور خزانوں کا مالک تھا اور موقع پرست بھی تھا۔ وہ رومیوں کا تو دوست تھا لیکن مسلمانوں کو وہ اس طرح دشمن نہیں سمجھتا تھا جس طرح رومی سمجھتے تھے۔

جبلہ بڑے ہی صاف ستھرے ذوق و شوق کا مالک تھا۔ اسے عرب کے شاعروں کے ساتھ دلی محبت تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری تو اُسے سب سے زیادہ عزیز تھے اور ان کے کلام پر وہ وجد میں آجایا کرتا تھا۔ اس کے باوجود وہ رومیوں کا حلیف تھا جو اس کی مجبوری تھی کیونکہ اس کی چھوٹی سی سلطنت رومیوں میں گھری ہوئی تھی۔

ہرقل جب مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگا تو جبلہ بن ایہم نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ اسلام قبول کرلے۔ اس علاقے میں مجاہدین کے جو لشکر لڑ رہے تھے ان کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ تھے۔ جبلہ بن ایہم نے ان کی طرف اپنا ایلچی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ اپنے تمام تر قبیلے غسّان کے ساتھ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔

ابو عبیدہؓ کی نگاہ میں یہ ایک بڑی فتح تھی۔ انہوں نے اپنے اُن دو تین آدمیوں کو جبلہ کے پاس بھیجا جو غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنے کے طریقے سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہ آدمی وہاں گئے اور جبلہ اپنے پورے قبیلے کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ ابو عبیدہؓ نے یہ اطلاع امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن خطاب کو بھیجی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس اطلاع پر اتنے خوش ہُوئے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

جبلہ کو سرزمینِ عرب کی یاد ستا رہی تھی۔ وہ اپنے محبوب شاعروں کے وطن کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں اپنا ایک ایلچی اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ وہ ان کے حضور حاضری دینا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ فریضۂ حج بھی ادا کرے۔

حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دے دی۔ امیرالمومنین جانتے تھے کہ جبلہ بن ایہم کس پائے کا آدمی ہے اور وہ حج کر کے پکا مسلمان بن جائے گا۔ اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کا ایک بازو بن گیا تھا۔

○

ایک روز امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی کہ جبلہ بن ایہم غسّانی آ رہا ہے۔ یہ مدینہ کا واقعہ ہے۔ مدینہ شہر میں تو ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جبلہ بن ایہم اپنے چند ایک مصاحبوں کے ساتھ نہیں آ رہا تھا بلکہ اس کے ساتھ پانچ سو افراد تھے جن میں اکثریت اس کے شاہی خاندان کی تھی اور باقی قبیلہ غسان کے سرکردہ افراد تھے اور ان سب کی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مدینہ کے لوگ باہر نکل کر جبلہ اور اس کے ہمراہیوں کا استقبال کریں اور اسے پوری تعظیم دیں۔ لوگ پہلے ہی گھروں سے نکل آئے تھے اور عورتیں منڈیروں پر کھڑی ہو کر اس قافلے کو دیکھنے لگیں۔

جبلہ نے اپنے دو سو سواروں کو خصوصی لباس پہننے کو کہا۔ اس مقصد کے لئے یہ قافلہ مدینے سے کچھ دور رک گیا۔ ان سواروں نے جب لباس پہنا تو دیکھنے والے حیران رہ گئے کیونکہ یہ بڑے ہی قیمتی ریشم کا لباس تھا۔ ہر سوار اپنی اپنی جگہ بادشاہ اور شہزادہ لگتا تھا۔ ان کے گھوڑوں کے گلوں میں سونے اور چاندی کے ہار ڈالے ہوئے تھے۔ گھوڑوں پر رنگا رنگ ریشمی چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ جبلہ نے اپنے سر پر تاج رکھ لیا۔ اس کا اپنا لباس تو انتہائی قیمتی تھا۔ وہ آخر بادشاہ تھا خواہ اس کی بادشاہی محدود سے علاقے میں تھی۔

یہ قافلہ جب شہر میں داخل ہُوا تو شہر کے لوگوں پر سناٹا سا طاری ہو گیا۔ بعض نے حیرت سے انگلیاں دانتوں تلے دبا لیں۔ انہوں نے اتنے قیمتی لباس کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس لئے بھی حیران ہو رہے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں پھر بھی انہوں نے اپنے شاہانہ انداز نہیں چھوڑے۔

حضرت عمرؓ جبلہ کے استقبال کے لئے باہر نہ آئے۔ جبلہ ان کے ملاقات کے کمرے

میں داخل ہُوا۔ تب امیرالمومنین نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور جس طرح خود فرش پر بیٹھا کرتے تھے اسی طرح اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور اسے مبارکباد دی کہ اس نے اللہ کا سچا دین قبول کر لیا ہے اور اب کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

جبلہ اپنے ان پانچ سو ہمراہیوں کے لئے نہایت خوبصورت اور قیمتی خیمے ساتھ لایا تھا۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے اسے ایک نہایت اچھی جگہ دے دی جہاں اس کے آدمیوں نے ترتیب سے خیمے گاڑ لئے اور وہاں ایک الگ تھلگ بستی آباد ہو گئی۔ یہ بستی شہر سے کچھ دور تھی۔

روزِ حج قریب آ رہا تھا۔ ایک روز امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسے ساتھ لیا اور حج کے لئے مکّہ کو روانہ ہو گئے۔ اُس وقت مکّہ سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا۔ اب صلح حدیبیہ کی پابندیاں ختم ہو گئی تھیں.... جبلہ حج کے لئے چلا تو اس کے ساتھ چند ایک ہی اپنے آدمی تھے' باقی سب کو وہ مدینہ چھوڑ گیا۔

فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے جبلہ نے جو احرام باندھا تھا وہ اس کے ٹخنوں سے نیچے چلا گیا تھا۔ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران پیچھے آنے والے ایک آدمی کا پاؤں اس کے احرام پر جا پڑا اور احرام کھل گیا۔ جبلہ آخر بادشاہ تھا۔ اس نے اُس شخص کی اس حرکت کو اپنی توہین سمجھا اور پیچھے مڑ کر اس آدمی کی ناک پر بڑی زور سے مُکّا مارا۔ اس آدمی کی ناک سے خون بہنے لگا۔

اُس وقت حضرت عمرؓ اس کے ساتھ نہیں تھے۔ انہیں بعد میں اطلاع ملی کہ جبلہ نے یہ حرکت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس آدمی کو بلایا اور اس آدمی نے بھی شکایت کی کہ جبلہ نے اس کی ناک پر مُکا مارا ہے جس سے اس کی ناک سے خون بہنے لگا تھا اور وہ طواف مکمل نہیں کر سکا تھا۔

اس شکایت کے بعد حضرت عمرؓ کی حیثیت بالکل ہی بدل گئی۔ وہ اب جبلہ کے میزبان نہ رہے بلکہ وہ خلیفۃ المسلمین بن گئے اور اس کے ساتھ ہی ان پر قاضی کے فرائض بھی آ پڑے۔ انہوں نے جبلہ بن ایہم کو طلب کیا۔ جبلہ فوراً پہنچا۔ اس کا انداز شاہانہ تھا اور وہ حضرت عمرؓ کے پہلو میں بیٹھنے لگا۔ خلیفہ یہ اعزاز کسی بڑے ہی اہم مہمان کو دیا کرتے تھے کہ اسے اپنے ساتھ بٹھاتے۔ جبلہ کو بھی انہوں نے یہی مقام دیا تھا لیکن اب صورتِ حال کا تقاضہ کچھ اور تھا۔

"تم یہاں سے اٹھو اور وہاں سامنے بیٹھو" ـــــ حضرت عمرؓ نے جبلہ کو اپنے پہلو سے اٹھاتے ہوئے کہا ـــــ "تم اب میرے مہمان نہیں ملزم ہو"۔

جبلہ بادلِ نخواستہ اٹھا اور وہاں جا بیٹھا جہاں حضرت عمرؓ نے بیٹھنے کو کہا۔ اُس کے چہرے پر غصے کا تاثر آ گیا اور کچھ حیرت بھی۔

"جبلہ بن ایہم!" ـــــ حضرت عمرؓ نے پوچھا ـــــ "کیا تم نے اس شخص کی ناک پر مُکا مارا ہے؟"

"ہاں!" ـــــ جبلہ نے نڈر ہو کر جواب دیا ـــــ "میں نے اس کی ناک پر مُکا مارا ہے کیونکہ اس نے میرے احرام پر پاؤں رکھ دیا تھا"۔

"اس شخص کا بیان ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے اس کا پاؤں تمہارے احرام پر آ گیا تھا" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "اور طواف کے دوران ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس نے دانستہ تمہارے احرام پر پاؤں رکھ دیا تھا تو یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ اسے تم نے سزا دی؟ تم نے یہ معلوم کرنے کی زحمت کیوں گوارہ نہ کی کہ اس شخص سے پوچھ لیتے کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟"

"یہاں تو میں نے اسے ایک مُکا مارا ہے" ـــــ جبلہ نے کہا ـــــ "اگر یہ میرے ہاں ہوتا تو میں اسے ایسی سزا دیتا جو دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہوتی"۔

"وہاں تمہارا اپنا قانون چلتا ہو گا" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "تم نے اسلام قبول کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اسلام کے عدل و انصاف کے اصول بھی قبول کر لئے ہیں۔ اسلام کے قانون کے مطابق تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہو گی"۔

"میں نے آپ کو امیرالمومنین تسلیم کر لیا ہے" ـــــ جبلہ نے ناگواری کے لہجے میں کہا ـــــ "لیکن میں حیران ہوں کہ آپ کیسے امیرالمومنین ہیں کہ چھوٹے بڑے کے فرق کو بھی نہیں پہچانتے۔ میں اپنے خِطّے کا بادشاہ ہوں اور یہ ایک معمولی سا آدمی ہے۔ کیا یہ میری توہین نہیں کہ آپ نے مجھے ایک معمولی آدمی کے ساتھ بٹھا دیا ہے اور میرے ساتھ ایک ملزم جیسا سلوک ہو رہا ہے"۔

"اسلام نے تم دونوں کی حیثیت ایک کر دی ہے" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "صرف زہد اور تقویٰ ہے جو کسی کو کسی پر فضیلت دے سکتا ہے۔ چھوٹے بڑے کے لئے دولت اور بادشاہی کا پیمانہ اسلام میں نہیں چل سکتا۔ اللہ نے سب کو ایک جیسا پیدا

کیا ہے.... تمہارا ایک جرم یہ ہے کہ تم نے خانۂ کعبہ میں بدتمیزی کی اور دوسرا جرم یہ کہ ایک آدمی کو مُکا مار کر اس کا خون بہایا جس کی وجہ سے وہ طواف مکمل نہ کر سکا"۔

"معلوم ہوتا ہے میں غلط جگہ آ گیا ہوں" ـــــ جبلہ نے کہا ـــــ "میں تو سمجھا تھا کہ مسلمان کوئی امیر کبیر لوگ نہیں بلکہ ان میں اکثریت غریبوں کی ہے اس لئے مجھے یہاں زیادہ احترام ملے گا"۔

"اگر احترام چاہتے ہو تو ایک طریقہ ہے" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "اس شخص سے معافی مانگ لو' اگر یہ تمہیں معاف کر دیتا ہے تو میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا"۔

"تو کیا اس سے بہتر نہ ہو گا کہ میں عیسائی مذہب میں چلا جاؤں؟" ـــــ جبلہ نے کہا ـــــ "عیسائیوں میں تو میرے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہ ہو"۔

"میں تمہیں اسلام کا یہ قانون بھی بتا دیتا ہوں" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "کہ اگر تم سزا سے بچنے کے لئے عیسائیت میں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے قتل کا حکم دے دوں گا"۔

"یہ بھی سوچ لیں امیرالمومنین!" ـــــ جبلہ نے کسی حد تک رعونت سے کہا ـــــ "اگر آپ میرے ساتھ یہ سلوک روا رکھیں گے تو میری اور میرے اتنے بڑے قبیلے کی دوستی سے محروم ہو جائیں گے۔ میرا قبیلہ اتنا دولتمند ہے کہ زر و جواہرات میں کھیلتا ہے۔ پھر میرا قبیلہ ایک طاقت ہے۔ کیا آپ اپنا اتنا زیادہ نقصان پسند کریں گے؟"

"ہم صرف اسلام کا نقصان برداشت نہیں کر سکتے" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "ہم اپنا مال و متاع' اپنے بچے اور اپنی جانیں اسلام پر قربان کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں اگر کسی کی دوستی کی ضرورت ہے تو وہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے.... میں اس معاملے کو اور زیادہ طول نہیں دوں گا۔ اس شخص سے معافی مانگو۔ اگر یہ تمہیں معاف کرتا ہے تو تمہارے لئے کوئی سزا نہیں ورنہ تمہیں سزا لینی پڑے گی"۔

جبلہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

"امیرالمومنین!" ـــــ آخر اُس نے سر اٹھا کر کہا ـــــ "مجھے صرف آج رات کی مہلت دے دیں۔ میں صبح ہوتے ہی بتا دوں گا کہ میں اس شخص سے معافی مانگوں گا یا سزا بھگتوں گا"۔

حضرت عمرؓ نے اسے سوچنے کی مہلت دے دی اور اسے یہ اجازت بھی دے دی کہ

وہ اپنی قیام گاہ میں چلا جائے اور کل صبح پھر پیش ہو جائے۔

یہ معاملہ اتنا مشہور ہو گیا کہ جب جبلہ باہر نکلا تو حاجیوں کا ایک ہجوم باہر کھڑا تھا۔ یہ سارا ہجوم انصاف کا مطالبہ کر رہا تھا۔ آخر ہجوم کو بتایا گیا کہ فیصلہ کل ہو گا۔

اگلے روز کی صبح طلوع ہوئی تو جبلہ نہ آیا۔ اسے نماز پڑھتے بھی نہ دیکھا گیا۔ سورج طلوع ہُوا اور پھر اوپر آنے لگا۔ تب امیرالمومنین نے حکم دیا کہ جبلہ کو پکڑ کر لایا جائے۔ کچھ آدمی دوڑے گئے تو دیکھا کہ جبلہ وہاں نہیں تھا۔ خیمے لگے ہوئے تھے لیکن خالی تھے۔ جبلہ اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے غائب تھے۔ جبلہ بھاگ گیا تھا۔

اس کے پانچ سو رشتہ دار اور دیگر افراد مدینہ میں موجود تھے۔ اُس کا تعاقب بیکار تھا کیونکہ ایک رات سے زیادہ وقت گزر گیا تھا اور جبلہ یقیناً بہت دُور نکل گیا تھا۔ وہ اپنے ان چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مدینہ پہنچا اور اپنے تمام ساتھیوں کو بڑی عجلت سے تیار کروایا اور مدینہ سے بھاگ گیا۔ مدینہ والوں کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ جبلہ کیوں واپس جا رہا ہے اور امیرالمومنین مکہ میں کیوں رہ گئے ہیں۔

اُس وقت ہرقل رومی قسطنطنیہ میں تھا۔ جبلہ اس کے پاس گیا اور اس سے معافی مانگی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ واقعہ ہو گیا اس لئے وہ وہاں سے بھاگ آیا ہے۔ ہرقل بہت خوش ہُوا کہ اتنا طاقتور قبیلہ پھر اس کا حلیف بن گیا ہے۔ ہرقل نے اسے کچھ اور جاگیر دے دی۔

یہ تھی اسلام کی وہ قوت جس نے آتش پرست ایرانیوں اور رومیوں کو شکست دی تھی۔

○

اب ہم ہرقل کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تاریخ کیا بتاتی ہے کہ وہ شام سے کس طرح بھاگا تھا۔ اسے اپنی طاقت پر اس قدر ناز تھا کہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی بادشاہی کو کبھی زوال نہیں آئے گا اور روم کی سلطنت وسیع ہوتی چلی جائے گی لیکن مسلمانوں نے اس کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ وہ پیچھے ہٹتا ہُوا جس شہر میں پہنچتا وہاں مسلمان پہنچ جاتے اور اُس شہر کو محاصرے میں لے لیتے تھے۔ آخر وہ انطاکیہ کے قلعہ بند شہر میں جا پہنچا لیکن ابو عبیدہؓ نے اسے وہاں بھی ٹکنے نہ دیا۔ آخر وہ چھوٹے سے ایک شہر رہاء میں جا پناہ گزین ہُوا۔ ایلفرڈ بٹلر لکھتا ہے کہ اسے توقع تھی کہ

اپنی بکھری ہوئی فوج کو وہاں یکجا کر لے گا اور مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کرے گا، ہو سکتا ہے وہ مسلمانوں کو شکست دے دے لیکن وہ جدھر بھی پیغام بھیجتا تھا اُدھر سے کوئی جواب آتا ہی نہیں تھا اور اگر جواب آتا بھی تھا تو وہ مایوس کن ہوتا تھا۔ اسلام کے عظیم سپہ سالاروں نے رومیوں کی بکھری ہوئی فوج کے مطابق اپنی فوج کو بھی تقسیم کر دیا تھا اور رومیوں کے لئے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ اپنی فوج کو کسی ایک مقام پر یکجا کر لیتے۔

ہرقل نے رہاء میں قیام کیا۔ اس کا شاہی خاندان اس کے ساتھ تھا۔ دو جوان بیٹیاں تھیں اور بیویوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ وہ بیویاں تو برائے نام تھیں، سب داشتائیں تھیں۔ اس کے علاوہ تمام تر شاہانہ لوازمات اس کے ساتھ تھے۔ اس حالت میں بھی وہ فرعون جیسا بادشاہ تھا۔

اُس نے دربار منعقد کیا جیسا وہ کیا کرتا تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اُس نے بڑے ہی قابل جوتشی اور نجومی اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ مسلمان اپنے اللہ پر یقین رکھتے تھے اور اسی کی خوشنودی کی خاطر لڑتے اور جانیں قربان کرتے تھے لیکن ہرقل اگلا قدم اٹھانے سے پہلے جوتشیوں اور نجومیوں سے پوچھتا تھا کہ اسے یہ قدم اٹھانا چاہئے یا نہیں اور اگر اٹھانا ضروری ہے تو اس کے لئے کون سا دن اور کون سا وقت موزوں ہو گا۔

اُس نے دربار منعقد کیا اور حکم دیا کہ اس کے نجومی کو حاضر کیا جائے..... نجومی پیغام ملتے ہی دوڑا آیا اور ہرقل کے سامنے جا کر آداب بجالایا۔ وہ خوش ہو رہا ہو گا کہ ہرقل اس سے پوچھے گا کہ اب ستاروں کا حساب بتا کہ میں کہاں جاؤں لیکن ہرقل کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"اب بتا اے ستاروں کے بھیدی!" —— ہرقل نے شاہانہ عتاب کے لہجے میں پوچھا —— "تیرے ستارے کیا کہتے ہیں؟.... تُو نے ہر بار مجھے بتایا کہ اب میں یوں کروں تو ایسا ہو جائے گا اور مسلمان اندھے ہو کر بھاگ جائیں گے۔ اپنی پیش گوئیوں کو یاد کر اور بتا کہ مجھے یہ کیوں نہ بتایا کہ میری قسمت میں دربدر چھپتے پھرنا لکھ دیا گیا ہے اور میرے لئے کوئی پناہ نہیں.... مجھے فوراً" جواب دے"۔

نجومی نے علم نجوم کی اصطلاحوں میں بات کی اور پوری کوشش کرنے لگا کہ ہرقل کو قائل کر لے کہ غلط پیش گوئیوں کا قصوروار نجومی نہیں بلکہ ستارے ہیں جو خلا کی وسعتوں میں گردش کر رہے ہیں۔

"مجھے تمہاری ایک بھی بات سمجھ نہیں آ رہی" — ہرقل نے کہا — "تُو نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ میری قسمت میں اپنی ہی سلطنت میں در بدر چھپتے پھرنا اور پناہیں ڈھونڈنا لکھ دیا گیا ہے؟ یہ حقیقت مجھ پر اب کھلی ہے کہ جس طرح میں بھٹکتا پھر رہا ہوں اسی طرح یہ ستارے افلاک کی وسعتوں میں بھٹک رہے ہیں اور دوسری حقیقت یہ کہ تو مجھے دھوکے دے دے کر اور مجھے خوش فہمیوں میں مبتلا کر کر کے دولت بٹورتا رہا ہے"۔

نجومی کو کوئی بات سُوجھ نہیں رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ہرقل اُٹھا اور آہستہ آہستہ نجومی کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ سارے دربار پر سناٹا طاری ہو گیا۔ سب جانتے تھے کہ ہرقل ویسے ہی اُٹھ کر نجومی تک نہیں گیا۔

ہرقل ایک بڑا ہی خوبصورت خنجر جس کے دستے میں ہیرے جڑے ہوئے تھے' اس طرح اپنی کمر کے ساتھ لٹکائے رکھتا تھا جس طرح عورتیں زیور پہنتی ہیں۔ بجلی کی تیزی سے ہرقل کا ہاتھ خنجر کے دستے پر گیا' خنجر نیام سے باہر آیا اور دوسرے لمحے نجومی کے پیٹ میں اُترا ہُوا تھا۔ نجومی پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ایک دو قدم پیچھے ہٹا اور اُس کا جسم ڈولنے لگا پھر وہ گر پڑا۔ ہرقل نے خنجر ایک طرف پھینکا جو ایک آدمی نے پکڑ لیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خنجر صاف کر کے اسے واپس دے دیا جائے۔

ہرقل اپنے تخت پر جا بیٹھا۔ باہر سے کچھ آدمی دوڑے آئے اور وہ مرے ہوئے نجومی کو اٹھا کر لے گئے۔

"شاہ مردین کو لے آؤ" — ہرقل نے حکم دیا — "آج میں ان دونوں کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں جو مجھے میری قسمت کا جھوٹا عکس دکھایا کرتے تھے"۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہرقل کی عمر کے ہی ایک آدمی کو اس کے دربار میں لایا گیا۔ سب درباری اسے دیکھ رہے تھے اور سب کی نظروں میں اس کے لئے رحم تھا۔ وہ یقیناً سوچ رہے تھے کہ اس شخص کو اگر بتایا جائے کہ اس کی زندگی دو تین منٹ ہی رہ گئی ہے تو اس پر کیسی بے رحم کیفیت طاری ہو جائے گی۔ صرف ہرقل تھا جس کی نظروں میں اور جس کے دل میں اس وقت کوئی رحم نہیں تھا۔ ایک درباری نے اس کا خنجر صاف کر کے اس کے حوالے کر دیا۔ ہرقل نے خنجر نیام میں ڈال لیا۔ شاہ مردین نام کا یہ شخص جو اس کے سامنے کھڑا تھا' شاہی جوتشی تھا۔ ہرقل ہر جنگ اور ہر پیشقدمی سے پہلے اس شخص سے زائچہ بنوایا کرتا تھا۔

"اے میری قسمت کے زائچے بنانے والے!" — ہرقل نے شاہ مردین سے پوچھا — "کیا تُو بتا سکتا ہے تیری قسمت میں کیا لکھا ہے؟"

"وہی جو میں نے چاہا تھا" — شاہ مردین نے جواب دیا — "آج جب مجھے موت کی دہلیز پر کھڑا کر دیا گیا ہے تو میں مرنے سے پہلے سچ بولنا چاہتا ہوں۔ اے روم کے طاقتور بادشاہ! جب بھی تُو نے مجھے زائچہ بنانے کے لئے کہا تو میں نے زائچے میں وہی کچھ لکھا جو تُو چاہتا تھا۔ میں نے تجھے خوش فہمی میں مبتلا رکھا اور یہی مُژدہ سناتا رہا کہ تُو انسان نہیں دیوتا ہے اور تیرے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا"۔

"مطلب یہ کہ تُو مجھے دھوکہ دیتا رہا اور انعام و اکرام وصول کرتا رہا" — ہرقل نے کہا — "تیرے زائچوں کے عوض تجھے شاہی رتبہ دیئے رکھا اور تجھ پر دولت لٹاتا رہا۔ تُو اسی دولت اور رُتبے کی خاطر مجھے دھوکے دیتا رہا"۔

"دولت کی خاطر نہیں!" — شاہ مردین نے کہا — "انتقام کی خاطر.... میں نے تجھ سے انتقام لیا ہے۔ تجھے اُس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں سے اب تُو واپس ملک شام میں حکومت کرنے کے لئے نہیں جا سکتا"۔

"انتقام!" — ہرقل نے حیرت کے لہجے میں پوچھا — "انتقام کیسا؟ میں نے تیرا کیا نقصان کیا تھا؟"

"ہاں.... انتقام!" — شاہ مردین نے بڑی دلیری سے کہا — "اب سُن میں نے تیرے اس گناہ کا انتقام لیا ہے۔ ستائیس اٹھائیس برس پہلے کا ایک دن یاد کر.... تجھے وہ دن یاد نہیں آئے گا کیونکہ تیری اس شاہانہ زندگی کا ایک ایک دن ایسا ہی گزرا ہے۔ تُو کچھ دور جنگل میں شکار کھیلنے گیا تھا۔ مصاحبوں اور ملازموں کا ایک ہجوم تیرے ساتھ تھا۔ میں اپنی چھوٹی اور نوجوان بہن کے ساتھ اس جنگل سے گزر رہا تھا۔ میری وہ بہن بہت ہی خوبصورت تھی اور مجھے اس کے ساتھ اتنا زیادہ پیار تھا جتنا اپنے مذہب کے ساتھ بھی نہیں تھا۔ تیرے دو محافظوں نے میری بہن کو دیکھ لیا اور اسے پکڑ لیا۔ میں نے اُسے بچانے کی کوشش کی تو انہوں نے مجھے مارا پیٹا اور کہا کہ بادشاہ ہرقل کے لئے اس قسم کی ایک خوبصورت لڑکی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ہرقل تین چار دن جنگل میں قیام کرے گا اور اسے اس لڑکی کی ضرورت ہے۔ وہ میری روتی چیختی بہن کو تیرے پاس لے گئے۔ میں تیرے پاس آنا چاہتا تھا لیکن مجھے کوئی آگے نہیں جانے دیتا تھا....

"میں وہیں رکا رہا اور جب تُو اپنے خیمے سے شکار کے لئے نکلا تو میں دوڑتا ہُوا تیرے قدموں میں جا گرا اور اپنی پیاری بہن کی بھیک مانگی۔ تُو نے مجھے پاؤں سے بڑے زور سے ٹھوکر ماری اور کہا کہ اسے اٹھا کر دور پھینک دو۔ تیرے آدمیوں نے مجھے مار مار کر بہت دُور جا چھوڑا۔ میں پھر بھی وہیں بیٹھا رہا۔ تین چار دن وہیں بھوکے پیاسے گذار دیئے اور جب تُو شکار سے واپس چلا گیا تو میں اُس جگہ گیا جہاں تیرے خیمے لگے ہوئے تھے۔ وہاں میری بہن کی برہنہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ تُو نے اور تیرے ہمراہیوں نے میری بہن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے....

"میں نے اُسی وقت عہد کر لیا تھا کہ ہرقل سے انتقام لوں گا۔ میرا باپ علم نجوم اور علم جوتش کی سُوجھ بُوجھ رکھتا تھا اور وہ لوگوں سے پیسے لے کر زائچے بھی بناتا تھا۔ اُس نے یہ فن مجھے بھی سکھا دیا تھا لیکن میں نے اس میں دلچسپی نہ لی اور پھر میرا باپ اپنی بیٹی کا صدمہ دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ میں ہر وقت اس سوچ میں گم رہنے لگا کہ تجھ سے انتقام کس طرح لوں....

"ایک طریقہ میرے دماغ میں آ گیا۔ لوگ میرے باپ کی کرامات کی وجہ سے مجھے بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ میں نے اپنے متعلق مشہور کر دیا کہ میں باپ کی گدّی پر بیٹھ گیا ہوں اور جوتش اور نجوم کا کام شروع کر دیا ہے۔ میں نے باپ والا علم تو نہ سیکھا' اس کی بجائے کچھ فریب کاریاں اور شعبدہ بازی سیکھ لی۔ میری شہرت پھیلتی گئی اور میں ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ تجھے یہ بتاؤں کہ سات آٹھ برس بعد میں نے کس طرح تجھ تک رسائی حاصل کی اور تُو نے مجھے اپنے محل میں رکھ لیا۔ میں نے انتقام لینا شروع کر دیا"۔

ہرقل بڑا ہی ظالم اور درندہ صفت حکمران اور جرنیل تھا۔ درباریوں کو توقع یہی تھی کہ ابھی ہرقل اُٹھے گا اور شاہ مردین کو اسی طرح پیٹ میں خنجر گھونپ کر قتل کر دے گا جس طرح اس نے نجومی کو قتل کیا تھا لیکن مؤرخ لکھتے ہیں کہ عجیب بات ہوئی کہ ہرقل بُت بن گیا تھا اور آنکھیں پھاڑے شاہ مردین کو دیکھے جا رہا تھا۔ غالباً" اس لئے کہ اُس کے منہ پر کبھی کسی کو سچ بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ اس حالت میں جب کہ وہ شکست کھا کر بھاگا بھاگا پھر رہا تھا' اُس کے اس دربار میں کنیزیں اور دو تین شہزادیاں موجود تھیں اور منظر وہی بنا ہُوا تھا جو اُس کے محل کے دربار میں بنا کرتا تھا۔ شہزادیاں اور کنیزیں بھی

شاہ مردین کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

○

"اے ہرقل!" ـــ شاہ مردین کہہ رہا تھا ـــ "اپنے آپ کو طاقت کا دیوتا سمجھنا چھوڑ دے اور یہ بھی دل سے نکال دے کہ رعایا کی بہنیں اور بیٹیاں تیری ملکیت ہیں اور سب تیرے حکم کے غلام ہیں۔ تجھے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ میں نے تجھ سے اس طرح اپنی بہن کی بے عزتی اور موت کا انتقام لیا کہ بڑے ہی دلکش اور طلسماتی زائچے تیار کر کر کے تجھے دکھاتا رہا اور دوسرا کام یہ کیا کہ اس نجومی کو جسے تُو نے ابھی ابھی قتل کیا ہے' میں نے اپنے ساتھ ملا لیا اور مجھے جو دولت تجھ سے ملتی تھی وہ میں آدھی اس نجومی کو دے دیتا تھا۔ اس کے عوض میں اس سے یہ کام کرواتا تھا کہ وہ تجھے کسی خطرے سے قبل از وقت خبردار نہ کرے بلکہ ایسی پیش گوئیاں تیرے کان میں ڈالتا رہے کہ تُو آگے ہی آگے خطرے کی طرف بڑھتا ہی چلا جائے اور تباہی کی کھائی میں جا گرے۔ آج اپنا انجام دیکھ لے....

"میں جانتا ہوں آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔ میں چاہتا ہوں کم از کم ایک صحیح اور سچّی بات تیرے دماغ میں ڈال دوں' شاید اس سے تیرے دن پھر جائیں۔ بات دانشمندی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر انسان کی قسمت اُس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نجومی اور جوتشی لوگوں پر نشہ طاری کر دیا کرتے ہیں۔ یہ نشہ انسان کے دماغ کو اور جسم کو بھی بیکار کر دیتا ہے۔ کامیاب وہ ہوتا ہے جس نے اپنے پیدا کرنے والے پر اور اپنے آپ پر اعتماد اور بھروسہ کیا۔ زائچے اور پیش گوئیوں کے سہارے چلنے والے اسی انجام کو پہنچا کرتے ہیں جس انجام کو تُو پہنچ گیا ہے۔ دیکھ لے' عرب کے بدّو اور گڈریئے ایک طاقت بن کر تجھے شکست پہ شکست دیئے چلے جا رہے ہیں اور تُو پناہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے....

"اُٹھ اور مجھے اپنے ہاتھوں قتل کر دے۔ میرے قتل سے پہلے میری ایک سچّی پیش گوئی سن لے۔ میں نے زندگی میں پہلا زائچہ تیار کیا ہے جو ہر لحاظ سے صحیح اور سچّا ہے۔ مرتے مرتے میں تیرے ساتھ ایک نیکی کرنا چاہتا ہوں۔ میرا زائچہ کہتا ہے کہ اب تُو پھر کبھی شام میں نہیں جائے گا اور تیرا ٹھکانہ مصر ہے جہاں تیری قوم کی حکومت ہے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد عرب کے مسلمان تجھ پر آسمانی بجلی کی طرح گریں گے۔ اتنا خون

بہے گا کہ دریائے نیل سرخ ہو جائے گا۔ پھر تیری رومی بادشاہی کا بوریا بستر گول ہو جائے گا اور بحیرۂ روم میں ڈوب جائے گا۔ مصر سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہو جائے گا اور ایسی سنسنی خیز کہانیاں جنم لیں گی جو تا قیامت تاریخ ساری دنیا کو سناتی رہے گی۔ تُو چاہے تو مجھے ابھی قتل کر دے' چاہے تو مجھے قید خانے میں ڈال دے اور میری پیش گوئی غلط ثابت ہوئی تو مجھے قتل کر دینا' یا صحیح ثابت ہوئی تو مسلمان مجھے رہا کر دیں گے"۔

شاہ مردین خاموش ہو گیا۔ پورے دربار پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ہرقل بھی چُپ چاپ بیٹھا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں جتنے انسان تھے وہ پتھر کے بُت بن گئے ہیں۔ آخر ہرقل اُٹھا۔

"شاہ مردین!" —— ہرقل نے اپنی شاہانہ آواز میں کہا —— "میں نے کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی۔ جاؤ' تم آزاد ہو"۔

شاہ مردین کچھ دیر ہرقل کے منہ کی طرف دیکھتا رہا جیسے اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ ہرقل نے ایک بار پھر کہا —— "چلے جاؤ" —— شاہ مردین کورنش بجالایا اور اُلٹے قدم چلتا دربار سے نکل گیا۔

○

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے جیسے اُس وقت ہرقل کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا اور ذہنی طور پر وہ نارمل لگتا ہی نہیں تھا۔ اُس نے ایک اور عجیب حرکت کی۔ اپنے محافظ دستے کے کماندار کو بلایا اور اُس کے کان میں کچھ کہا۔ کماندار دوڑتا ہُوا باہر نکل گیا۔ ہرقل نے مختلف حاکموں کو باری باری احکام دینے شروع کر دیئے۔ اُس کے سامنے مسئلہ یہی ایک تھا کہ وہ رہاء میں اپنی بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کر سکتا ہے یا نہیں مؤرخ لکھتے ہیں کہ شکست اُس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔

کچھ وقت گزر گیا تو محافظ دستے کا کماندار دربار میں داخل ہُوا۔ ہرقل کے اشارے پر وہ باہر گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک قیدی تھا جس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور ہاتھ زنجیر میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ کوئی مسلمان تھا' جوان اور خوبرو تھا۔ اُس کی تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی اس کے چہرے پر پھب رہی تھی اور اُس کے مردانہ حسن میں اضافہ کر رہی تھی۔ وہ قیدی تھا لیکن اس کے کپڑے صاف ستھرے تھے اور منہ سر دُھلا دُھلایا لگتا تھا۔ ہرقل کے حکم پر اُسے دربار کے وسط میں کھڑا کر دیا گیا۔

اُس وقت تک مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جو جنگیں ہوئی تھیں' ان میں ہزارہا رومی جنگی قیدی بنا لئے گئے تھے اور مسلمانوں نے انہیں پیچھے بھیج دیا تھا۔ کچھ مسلمان بھی جنگی قیدی ہوئے تھے جن کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔

ہرقل کے حکم سے دو یا تین مسلمان قیدیوں کو قید خانے میں رکھا گیا تھا اور باقی قیدیوں کے ساتھ اس قدر بُرا سلوک ہو رہا تھا کہ وہ بھوکے پیاسے مر رہے تھے۔ مسلمان قیدیوں کو انسان سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ ہرقل نے ان دو تین قیدیوں کو قید خانے میں کیوں رکھا ہے۔ اب ان میں سے ایک قیدی اس کے دربار میں لایا گیا۔ اس کے لباس سے اور حال حلئے سے پتہ چلتا تھا کہ ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا جاتا ہے' ان کی دیکھ بھال بھی ہوتی ہے اور انہیں کھانا بھی بہت اچھا دیا جاتا ہے۔

"تم جنگی قیدی ہو" —— ہرقل نے اس قیدی سے کہا —— "تم جانتے ہو گے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ یہاں کیا سلوک ہوتا ہے۔ آدھے سے زیادہ قیدی مر چکے ہیں اور باقی جو ہیں وہ ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے ہیں لیکن تمہیں ہم نے اپنا معزز مہمان بنا کر رکھا ہے۔ قید خانے کی کوٹھڑی میں صرف اس لئے رکھا ہے کہ تم فرار نہ ہو جاؤ۔ میرے حکم سے تمہاری جو عزت کی گئی ہے اور تمہیں جو سہولتیں دی گئی ہیں' اس کے عوض میں تم سے راز کی ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تم مجھے یہ بات بتا دو گے۔ پھر میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ تم نہیں بتاؤ گے تو اور قیدی میرے پاس ہیں' وہ بتا دیں گے اور تمہیں میں قتل کروا دوں گا۔ تم ایک ذمہ دار آدمی ہو۔ میں جانتا ہوں ایک جانباز گروہ کے کماندار ہو۔ تم جو بات جانتے ہو وہ کوئی اور نہیں بتا سکتا"۔

"تم بادشاہ ہو یا سپہ سالار' مجھ پر ان عہدوں اور رُتبوں کا کچھ اثر نہیں ہو گا" —— مسلمان قیدی نے کہا —— "تمہارے جلّاد کی تلوار میری گردن پر ہو گی تو بھی راز کی کوئی بات نہیں بتاؤں گا۔ ان خوبصورت اور دلکش کنیزوں اور شہزادیوں میں سے ایک مجھے دے دو گے اور اس کے ساتھ خزانہ میرے قدموں میں ڈھیر کر دو گے تو راز کی بات میری زبان پر نہیں آئے گی۔ میں اپنے مجاہد ساتھیوں کے خلاف اور اپنی قوم کے خلاف غداری نہیں کروں گا۔ اگر ہم قتل سے ڈرنے والے ہوتے تو آج تم جیسے طاقتور بادشاہ ہم سے شکست نہ کھا سکتے۔ ہم نے اپنی جانیں اللہ کے سپرد کر رکھی ہیں۔ ہمارے جسم کٹ جاتے

ہیں تو ہماری روحیں لڑتی ہیں"۔

"میں تم سے کوئی فوجی راز نہیں پوچھ رہا" ___ ہرقل نے کہا ___ "میں کوئی جنگی راز نہیں لینا چاہتا۔ تُو میری فوج کے خلاف لڑا ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم لوگوں نے ہم پر فتح پالی ہے۔ تُو عقل والا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مجھے صرف بتادے کہ تیری فوج میں وہ کون سی خوبی ہے جو میری فوج میں نہیں اور میری فوج میں وہ کون سی خامی ہے کہ یہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوتے ہوئے بھی تھوڑی سی نفری کی فوج سے شکست کھا گئی ہے۔ اس فوج نے تو ایرانیوں کی فوج کو کئی میدانوں سے بھگایا ہے' حالانکہ ایرانی بہت بڑی جنگی طاقت رکھتے تھے"۔

"ہاں' یہ راز تجھے دے سکتا ہوں" ___ مسلمان قیدی نے کہا ___ "ہم متحد اور دیندار قوم ہیں۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اور اس جسم میں دماغ صرف ایک ہے جس کا حکم سارا جسم مانتا ہے۔ اگر تُو نے ہمیں کبھی نماز پڑھتے دیکھا ہو تو اسی سے سمجھ جائے گا کہ ہم اللہ کے حضور جھکتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں تو بھی ایک جسم کی مانند کرتے ہیں۔ ہم ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ تُو شاید نہیں جانتا کہ میدانِ جنگ میں ہمارا سپہ سالار امامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ پھر ہماری یہ خوبی ہے کہ ہم لوگ زندگی سے کم اور موت سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور تکبر و غرور کی بجائے ہم عجز و انکساری کو پسند کرتے ہیں۔ ہماری تنظیم ایسی ہی ہے جیسی تیری فوج میں ہے۔ سپہ سالار ہے' اس کے ماتحت سالار ہیں' ان کے ماتحت کماندار ہیں اور اس طرح چھوٹے چھوٹے عہدے بھی ہیں لیکن ہم جب اکٹھے بیٹھتے ہیں تو ہم میں کوئی حاکم اور کوئی محکوم نہیں ہوتا۔ اُس وقت ہمارے رُتبے ختم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کوئی بادشاہ نہیں اور کوئی رعایا نہیں۔ ہمیں کوئی قتل کی دھمکی دے یا دولت کا لالچ دے ہم سب سے پہلے اللہ کی طرف دیکھتے ہیں اور اس کی ذات کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں....

"تُو نے اپنی فوج کی خامیاں پوچھی ہیں۔ تیری فوج کی سب سے بڑی خامی تیرا وجود ہے۔ اگر تُو اپنے دماغ سے حکمرانی کا غرور نکال دے اور ذہنیت کے لحاظ سے اپنے آپ کو سپاہی سمجھنے لگے تو دیکھ تیری قوم اور تیری فوج میں وہی طاقت پیدا ہوتی ہے یا نہیں جو ہم میں ہے۔ ہم اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑتے ہیں اور تیری فوج تیری خوشنودی کے لئے

لڑتی ہے۔ تُو پیچھے ہٹ گیا تو تیری ساری فوج تتر بتر ہو گئی۔ ہمارا اللہ پیچھے نہیں ہٹا کرتا۔ ہم اُس کے نام پر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہم میں جو شہید ہو جاتے ہیں' ان کی جگہ اور مجاہدین آجاتے ہیں۔ ہمارا سپاہی اگر میدانِ جنگ میں اکیلا رہ جائے گا تو وہ اپنا سالار خود بن جائے گا اور اپنے آپ کو یہ حکم کبھی نہیں دے گا کہ تم اکیلے ہو اس لئے بھاگ جاؤ"۔

یہ مسلمان قیدی اسی قسم کی باتیں کرتا رہا۔ ہرقل نے ان باتوں کے بعد اس سے پھر فوجی راز معلوم کرنے شروع کر دیئے اور یہ بھی پوچھا کہ تمہارے سپہ سالاروں کا اگلا پلان کیا ہے۔ اس قیدی نے ایسے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ابھی قید میں پڑے رہنا چاہتے ہو" ___ ہرقل نے کہا ___ "جب تک میرے ان سوالوں کا جواب نہیں دو گے' قید میں ہی پڑے رہو گے اور تمہارے ساتھ وہی سلوک ہونے لگے گا جو ہم دشمن کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں" ___ ہرقل نے حکم دیا ___ "اسے ابھی اسی کوٹھڑی میں رہنے دو۔ دو روز بعد اسے پھر پیش کرنا"۔

قیدی کو دربار سے لے گئے۔ اگلی صبح ہرقل کی ایک جوان سال شہزادی گھوڑے پر سوار قید خانے میں آئی۔ قید خانے کے حاکم کو پتہ چلا تو دوڑتا ہُوا باہر نکلا اور شہزادی کے آگے جُھک گیا۔ وہاں تو شاہی خاندان کے ہر فرد کا حکم چلتا تھا۔ یہ تو شہزادی تھی۔ شہزادیوں کا تو اور ہی زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ وہاں ایک نہیں کئی شہزادیاں تھیں۔

اس شہزادی نے اس مسلمان قیدی کا نام لیا اور کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے آئی ہے اور اسے ہرقل کے دربار میں پیش کرنا ہے۔

اگر کوئی اور قیدی ہوتا تو حاکم یہ ضرور سوچتا کہ ایک قیدی کو ہرقل کے دربار میں پیش کرنے کے لئے ایک شہزادی کیوں آئی ہے لیکن اس حاکم کو معلوم تھا کہ اس مسلمان قیدی کے ساتھ امتیازی سلوک ہو رہا ہے اور یہ برائے نام قیدی ہے۔ ایک روز پہلے اسے ہرقل کے دربار میں لے گئے تھے۔ حاکم نے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ شہزادی اس قیدی کو ساتھ لے جانے کیوں آئی ہے۔

حاکم اس شہزادی کے ساتھ ہو لیا اور چابیاں لے کر مسلمان قیدی کی کوٹھڑی تک پہنچا۔ کوٹھڑی کھول کر قیدی کو باہر نکالا اور شہزادی کے حوالے کر دیا۔

"یہ آج شہنشاہ ہرقل کا مہمان ہو گا" ___ شہزادی نے قید خانے کے حاکم سے کہا

—— "حکم ہے کہ اس کی بیڑیاں اور زنجیریں اتار دی جائیں۔ اسی لئے شاہ ہرقل نے یہ حکم بھیجا ہے"۔

حکم کی فوراً" تعمیل ہوئی۔ قیدی کی بیڑیاں اور زنجیریں اُتار دی گئیں۔ شہزادی اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ خود گھوڑے پر سوار ہوئی اور قیدی سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ پیدل چلے۔

وہ کچھ دُور تک اسی طرح چلتے گئے کہ شہزادی گھوڑے پر تھی اور قیدی اس کے ساتھ پیدل جا رہا تھا۔ کچھ اور آگے گئے تو شہزادی نے گھوڑا روک لیا۔

"میرے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ" —— شہزادی نے قیدی سے کہا —— "ایڑ لگاؤ اور گھوڑے کو کھلا چھوڑ دو۔ آگے تمہیں الگ گھوڑا مل جائے گا۔ مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہی ہوں"۔

قیدی بلا چون و چرا شہزادی کے پیچھے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور ایڑ لگا دی۔ اس سے آگے گھنا جنگل اور پہاڑی علاقہ تھا۔ شہر سے دور نکل گئے تو قیدی نے شہزادی سے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

"تم میرے ساتھ نہیں جا رہے' میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں" —— شہزادی نے کہا —— "مجھے اپنی فوج میں لے چلو۔ میں واپس آنے کے لئے نہیں جا رہی۔ اسی لئے تمہیں قید خانے سے نکلوا لائی ہوں"۔

قیدی نے لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ گھوڑا چل پڑا۔ قیدی کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کا لشکر کہاں ہو گا اس لئے پکڑے جانے کا خطرہ ابھی سر پر موجود تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دی۔

جس دن کی صبح شہزادی مسلمان قیدی کو قید خانے سے رہا کروا کے لے گئی تھی' اُس دن کی شام ہونے کو آ گئی۔ اس شہزادی کا نام شارینا تھا۔ وہ کسی معمولی سے گھرانے کی لڑکی نہیں تھی کہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی گھر والے پریشان ہونے لگتے کہ لڑکی گھر سے نکلی تھی اور ابھی تک نہیں آئی۔ وہ شہزادی تھی اور ماں کو معلوم تھا کہ وہ گھوڑے پر گئی ہے اس لئے کچھ وقت لگا کر ہی آئے گی لیکن پورا دن گزر گیا تھا۔ شارینا وہاں اکیلی لڑکی تو نہیں تھی' وہ شاہی محل تھا جس میں اُس جیسی کئی لڑکیاں تھیں۔ ان میں کچھ داشتائیں تھیں اور کچھ بیویاں۔ ایک لڑکی کا ذرا زیادہ وقت کے لئے اِدھر اُدھر ہو جانا کوئی پریشان کن واقعہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ماں نے دن کے دوران تو اپنی بیٹی کی غیر حاضری محسوس ہی نہ کی۔ محسوس نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُن دنوں محل کے اندر کے ماحول میں بے تحاشا کھچاؤ پایا جاتا تھا۔ ہرقل بھاگا بھاگا پھر رہا تھا اور اُس کی افواج شکست خوردگی کے عالم میں بکھر گئی تھیں۔ ہرقل فرعون قسم کا بادشاہ تھا۔ اپنی شکست پر وہ غصے سے باؤلا ہو گیا تھا۔ اُس کی بیویاں اور داشتائیں اور محل میں رہنے والے دوسرے لوگ چھپتے پھرتے تھے کہ ہرقل غصے میں آ کر کسی کو ذرا سی بات پر قتل کر دے گا۔ کسی کے قتل کا حکم دے دینا اس طرح معمولی بات تھی جیسے بیکار سی کوئی چیز اُٹھا کر گھر سے باہر پھینک دی جائے۔

شارینا کی ماں شام سے بہت پہلے ہی پریشان ہونے لگی تھی لیکن وہ ہرقل کو بتانے سے ڈرتی تھی کہ ہرقل پہلے ہی غصے کی حالت میں ہے لیکن جب سورج غروب ہونے کو آ گیا تو وہ ہرقل کے اُس کمرے میں جا پہنچی جس میں ہرقل جاسوسوں سے رپورٹیں لیا

کرتا تھا اور اپنے فوجی افسروں اور دیگر حاکموں کو بلا کر ان سے کام کی باتیں کیا کرتا اور احکام دیا کرتا تھا۔ اپنی ایک بیوی کو اس کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو غصے سے اُس کا چہرہ دہکنے لگا۔ اُس وقت ہرقل اکیلا نہیں تھا‘ اس کے پاس کسی اور شہر سے آیا ہُوا ایک قاصد بیٹھا ہُوا تھا۔

”کیوں آئی ہو؟“ —— ہرقل نے شاہانہ اور غصیلی آواز میں پوچھا —— ”کیا تمہیں معلوم نہیں....“

”سب معلوم ہے“ —— شارینا کی ماں نے ہرقل کی پوری بات سنے بغیر التجا کے لہجے میں کہا —— ”آپ کی مصروفیت اور آپ کی پریشانی بڑی اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ آپ کی ہی نہیں‘ یہ ہم سب کی پریشانی ہے.... میں اس طرح کبھی نہ آتی لیکن ماں ہوں..“

”اصل بات بتاؤ کیا ہے!“ —— ہرقل نے اس قدر گرج کر کہا جیسے کمرے کی چھت بھی کانپ اُٹھی ہو۔

”شارینا صبح گھوڑے پر نکلی تھی“ —— شارینا کی ماں نے کہا —— ”ابھی تک واپس نہیں آئی“۔

”تو کیا میں اُسے جا کر ڈھونڈوں؟“ —— ہرقل نے بڑی تلخ طنز کی اور کچھ دیر شارینا کی ماں کے منہ کی طرف دیکھتا رہا‘ آخر بولا —— ”اپنی اپنی اولاد پر تم سب خود ہی نظر کیوں نہیں رکھا کرتیں.... کیا محل کے ملازموں‘ محافظوں اور دیگر کارندوں نے تمہارا حکم ماننا چھوڑ دیا ہے؟ تمہیں میرے پاس آنا ہی نہیں چاہئے تھا“۔

”آپ جانتے ہیں‘ یہ میری ایک ہی بیٹی ہے“ —— شارینا کی ماں نے بھکاریوں کی طرح کہا —— ”معلوم نہیں کہاں چلی گئی ہے۔ ملک کے حالات بھی تو ٹھیک نہیں“۔

”تم ایک بیٹی کو رو رہی ہو“ —— ہرقل نے کہا —— ”یہاں پورا ایک ملک اپنی سلطنت سے نکل گیا ہے اور تم ایک بیٹی کو ڈھونڈ رہی ہو“۔

ہرقل کی یہی ایک بیٹی یا دو چار بیٹے بیٹیاں ہوتے تو وہ پریشان ہوتا کہ ایک بیٹی کہاں چلی گئی ہے۔ اسے تو یاد ہی نہیں ہوگا کہ اس کی کتنی باقاعدہ بیویاں ہیں اور داشتائیں کتنی ہیں۔ اُسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اُس کے کتنے بیٹے اور کتنی بیٹیاں ہیں۔ اُن دنوں تو اسے اور کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ ہرقل بھاگا بھاگا پھر رہا

تھا۔ مسلمانوں نے اسے شام سے بے دخل کر دیا تھا۔ رُہاء میں تو اُس نے آکر پناہ لی تھی۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ اپنی بکھری ہوئی فوج کو یہاں اکٹھا کر لے گا اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑے گا۔ ایک شہزادی کا کہیں غائب ہو جانا اُس کے لئے ذرا سی بھی پریشانی کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔ شارینا کی ماں نے ہرقل کی باتیں سنیں اور اس کی ذہنی حالت دیکھی اور پھر اُس کا ایسا سرد رویّہ دیکھا تو کچھ اور کہے بغیر وہاں سے نکل آئی۔

○

اُسے کسی نے بتایا تھا کہ اُس کی بیٹی کو قید خانے کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ ماں اس سوچ میں پڑ گئی کہ قید خانہ آبادی سے کچھ دور ہے اور اس کے اردگرد تمام علاقہ ویران اور بنجر ہے۔ اُس طرف کوئی سیرگاہ نہیں نہ کوئی اور ایسی جگہ ہے جہاں شارینا گئی ہو۔ قید خانہ تو کوئی ایسی جگہ نہ تھی جسے دیکھنے کے لئے شارینا گئی ہو۔ اگر وہ قید خانے میں ہی گئی تھی تو شام تک اس کا وہاں رکنا محض بے معنی اور ناقابلِ یقین تھا۔

وہ آخر ماں تھی۔ اس کے ذہن میں وہم اور وسوسے پیدا ہونے لگے۔ اُسے خیال آیا کہ شارینا قید خانے میں قیدیوں کو تفریحاً دیکھنے گئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کسی خطرناک قیدی نے اسے مار ڈالا ہو اور قید خانے کے عملے نے اس کی لاش اندر ہی کہیں دبا دی ہو تاکہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو سکے۔

شارینا کی ماں ہرقل کی دوسری بیویوں کی طرح ایک بیوی تھی‘ ملکہ نہیں تھی نہ ہی ہرقل نے اپنی کسی بیوی کو ملکۂ عالیہ کا درجہ دیا تھا۔ پھر بھی اس کی بیویاں حکم چلا سکتی تھیں اور شاہی اختیارات کا آزادانہ استعمال کرنے کی بھی انہیں اجازت تھی۔ شارینا کی ماں نے اپنے خاص ملازم کو قید خانے کی طرف دوڑایا کہ داروغہ کو ساتھ لے آئے۔

اُس نے سوچا یہ تھا کہ داروغہ معلوم کرے کہ شارینا قید خانے کے اندر گئی تھی اور اگر نہیں گئی تو کسی نے اسے قید خانے کے قریب سے گزرتے دیکھا ہو گا۔ ان سے ایسی توقع تھی ہی نہیں کہ سارا سراغ داروغہ سے ہی مل جائے گا۔

قید خانے کا داروغہ حکم ملتے ہی پہنچ گیا۔ شارینا کی ماں نے پریشانی کے عالم میں اس سے شارینا کے متعلق پوچھا کہ وہ قید خانے کے اندر گئی ہو گی‘ اسے قید خانے کے قریب سے گزرتے کسی نے دیکھا ہو گا.... داروغہ نے شارینا کی ماں کے منہ کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جن میں سوال بھی تھا اور حیرت بھی۔ شارینا کی ماں نے جب یہ کہا کہ

شارینا صبح کی گئی ہوئی ابھی تک واپس نہیں آئی تو داروغہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"ملکہ عالیہ!" —— ہرقل کی بیوی ہونے کی وجہ سے اس نے احتراماً" ملکہ عالیہ کہنا ضروری سمجھا اور بولا —— "کل صبح شہنشاہ ہرقل نے ایک مسلمان قیدی کو طلب کیا تھا۔ آج صبح شہزادی قید خانے میں آئیں اور اُس مسلمان قیدی کو رہا کروا کے اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ باہر شہزادی کا گھوڑا کھڑا تھا جس پر وہ سوار ہوئیں اور قیدی ساتھ ساتھ پیدل چل پڑا تھا"۔

شارینا کی ماں اس مسلمان قیدی کے متعلق اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے اور اس کے دو تین ساتھیوں کو مہمانوں کی طرح قید خانے میں کیوں رکھا ہُوا ہے۔ اب اُسے پتہ چلا کہ اس کی بیٹی ایک قیدی کو چھڑوا کر لے گئی ہے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ اس کی اطلاع ہرقل کو ہونی چاہئے۔ یہ کوئی سازش ہو سکتی تھی۔ شارینا کی ماں کو ڈر یہ تھا کہ ہرقل سے یہ بات چھپالی گئی اور کچھ دنوں بعد کسی اور ذریعے سے اسے پتہ چلا تو وہ اسے بھی اور داروغہ کو بھی قتل کروا دے گا۔ یہ سوچ کر اُس نے داروغہ کو ساتھ لیا اور پھر ہرقل کے کمرے میں جا پہنچی۔ اب تو ہرقل نے اسے ایسی قہر بھری نظروں سے دیکھا جیسے خود اٹھ کر اُس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دے گا لیکن قید خانے کے داروغہ کو ساتھ دیکھ کر اسے شک ہُوا کہ بات کچھ اور ہے اور کوئی خاص واقعہ ہو گیا ہے۔

شارینا کی ماں نے اسے بتایا کہ شارینا اُس مسلمان قیدی کو رہا کروا کے نہ جانے کہاں لے گئی ہے جس قیدی کو کل صبح دربار میں بلایا گیا تھا۔

ہرقل کی آنکھوں میں جو قہر اترا تھا' وہ آنکھوں میں ہی گم ہُو گیا اور ہرقل پر خاموشی طاری ہو گئی۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ اس خاموشی میں سے کیسا ہولناک طوفان اٹھے گا۔ ہرقل کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ ایک شہزادی ایک قیدی کو قید خانے سے نکلوا کر اس کے ساتھ چلی گئی ہے' اسے پریشانی اس سے لاحق ہوئی کہ یہ مسلمان قیدی ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ وہ کوئی ادنیٰ سپاہی نہیں تھا' مسلمانوں کے لشکر میں اسے کوئی عہدہ حاصل تھا اور وہ اچھا خاصا عقلمند بھی تھا۔

"اور تم نے ایک شہزادی کے کہنے پر اسے رہا کر دیا" —— ہرقل نے داروغہ سے کہا —— "اُس کی بیڑیاں اور ہتھکڑی بھی اتار دی.... یہ میری گرفتاری کی سازش ہو سکتی ہے اور میرے قتل کی بھی"۔

قید خانے کا داروغہ چپ چاپ کھڑا تھا۔ اُس نے ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا کہ اُس کی زندگی چند منٹ رہ گئی ہے۔ ہرقل کے ہاں سزائے موت سے کم کوئی سزا نہیں تھی۔

"کیا تمہیں قتل نہ کروا دیا جائے؟" —— ہرقل بولا —— "اگر یوں شہزادی کی مدد سے فرار ہونے والا قیدی عیسائی ہوتا تو میرے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ فرار ہونے والا مسلمان تھا۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ان مسلمانوں نے ہمیں کس انجام تک پہنچا دیا ہے؟ کیا تم صرف ایک وجہ بتا سکتے ہو جس کی بنا پر تمہارا یہ اقدام صحیح سمجھا جائے؟"

جس طرح جوتشی نے اپنے آپ کو موت کے سامنے کھڑا دیکھ کر ہرقل کو سچی اور کھری کھری باتیں سنا دی تھیں' ویسی ہی کیفیت قید خانے کے داروغہ پر طاری ہو گئی۔ اُسے یقین تھا کہ اب وہ زندہ باہر نہیں جا سکے گا۔

"شہنشاہِ روم!" —— داروغہ نے کہا —— "اگر میں شہزادی کا حکم نہ مانتا تو وہ مجھے قتل کروا دیتی۔ اُس کا حکم مانا ہے تو آپ مجھے سزائے موت سنا رہے ہیں۔ مجھے آپ کی یہ سزا قبول ہے۔ قبول نہ ہوتی تو بھی آپ نے مجھے معاف نہیں کر دینا تھا۔ میں نے روم کی شہنشاہی کا نمک کھایا ہے۔ مجھے یہ عہدہ اس شہنشاہی نے دیا تھا۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مرنے سے پہلے آپ کا کھایا ہُوا نمک حلال کر جاؤں۔ یہی ایک صلہ ہے جو میں آپ کے قدموں میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کوئی سونے اور چاندی کا خزانہ نہیں' چند ایک الفاظ ہیں جو آپ نے قبول کر لئے تو آپ کے لئے اور آپ کی سلطنت کے لئے بھی سُودمند ہوں گے"۔

ہرقل اُسے چُپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ اُس کی اس خاموشی کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ داروغہ کو معاف نہیں کرے گا۔ موت نے داروغہ پر خوف اور تأسف طاری کرنے کی بجائے اس میں جرأت پیدا کر دی۔

"میں زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گا" —— داروغہ نے کہا —— "حکم ماننا ہم لوگوں کا فرض ہے۔ یہاں حکم ایک فرد سے نہیں ملتا بلکہ شاہی خاندان کے تمام افراد سے کئی طرح کے حکم ملتے ہیں اور ہم لوگ کسی کی بھی حکم عدولی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ میں جانتا ہوں تین چار مسلمان قیدیوں کو آپ نے مہمانوں کے طور پر قید خانے میں رکھا ہُوا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کیوں ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک ہو رہا ہے۔ آپ ان سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان مسلمانوں نے اتنی قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے روم

کی ایسی عظیم اور دہشت ناک جنگی طاقت کو کس طرح شکست دے دی ہے کہ رومی فوج بکھر کر پسپا ہو رہی ہے اور کہیں بھی اس کے پاؤں جم نہیں رہے۔ شاید آپ ان خصوصی قیدیوں کو کسی اور مقصد کے لئے بھی استعمال کرنا چاہتے ہوں گے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں نے اُن سے دو بار یہی بات پوچھی تھی۔ انہوں نے جو جواب دیا وہ میرے دل نے قبول کیا اور یہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں....

''انہوں نے کہا اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا نہ کوئی شاہی خاندان ہوتا ہے۔ بادشاہی صرف اللہ کی ہے اور مسلمان اُسی کا حکم مانتے اور اسی کے راستے پر چلتے ہیں۔ ان قیدیوں نے مجھے بتایا کہ وہ لڑتے بھی ہیں تو اللہ کو حاضر ناظر جان کر اور اُسی کی خوشنودی کی خاطر۔ دو یا تین مسلمان بھی کہیں اکٹھے ہو جائیں یا سفر پر نکلیں تو ایک کو اپنا امیر بنا لیتے ہیں اور پھر اُسی کے حکم پر چلتے ہیں۔ ان کا سالار لشکر کا امیر بھی ہوتا ہے اور امام بھی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کا رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اب ان کا ایک خلیفہ ہے جس کا ہر حکم بسرو چشم مانا جاتا ہے لیکن خلیفہ بھی مشورے کے بغیر کوئی حکم جاری نہیں کرتا۔ کسی خلیفہ کی، کسی امیر کی اور کسی سپہ سالار کی بیوی یا بیٹی یا بیٹا کوئی حکم نہیں دے سکتے۔ اگر وہ کوئی جرم کر بیٹھیں گے تو انہیں بھی ویسی ہی سزا ملے گی جیسی ایک عام اور ادنیٰ مرد یا عورت کو دی جاتی ہے....

''شہنشاہِ معظم! اب اپنے ہاں دیکھیں شاہی خاندان کے افراد کی تعداد دیکھیں۔ ہمارے لئے کوئی ایسا حکم نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کا کوئی بھی حکم نہ مانیں۔ اگر میں ان میں سے کسی کا کوئی حکم نہیں مانوں گا تو وہ مجھے اسی قید خانے کی کال کوٹھری میں بند کر دے گا جس کا آج میں داروغہ ہوں.... یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ آپ نے شہزادی کے ساتھ نکل جانے والے قیدی کو مہمان کی حیثیت سے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اسے شہزادی شارینا اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئی اور کہا کہ شاہ ہرقل نے اسے طلب کیا ہے تو میں اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا''۔

''باقی تینوں مسلمان قیدیوں کی یہ سہولتیں ختم کر دو'' ___ ہرقل نے کہا ___ ''انہیں تہہ خانے کی کوٹھڑیوں میں بند کر دو۔ انہیں گل سڑ کر مرنے دو''۔

ہرقل نے یہ حکم ایسے لہجے میں دیا جیسے نیند میں بول رہا ہو۔ یہ شک بھی ہوتا تھا جیسے اُس نے داروغہ کی پوری بات سنی ہی نہ ہو۔ اُس پر شکست کا پہاڑ آن پڑا تھا۔ شام ایک

بڑا ملک تھا جو اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور مسلمانوں کی جھولی میں چلا گیا تھا۔

''کیا آپ ان کے تعاقب کا حکم نہیں دیں گے؟'' ___ شارینا کی ماں نے پوچھا۔

''نہیں!'' ___ ہرقل نے بے جان سے لہجے میں کہا ___ ''صبح کے نکلے ہوئے اب تک وہ دُور نکل گئے ہوں گے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ گئے کس سمت کو ہیں''۔

شارینا کی ماں کچھ نہ کچھ بولتی رہی۔ ہرقل اُس کی کسی بات کا ادھورا سا جواب دے دیتا یا صرف اتنا کرتا کہ اس کے منہ کی طرف دیکھ کر منہ پھیر لیتا۔ داروغہ کو ہرقل نے کوئی اشارہ کیا تھا یا داروغہ نے فرض کر لیا کہ اس کا چھٹکارہ ہو گیا ہے، وہ اُلٹے قدم چلتا دروازے تک گیا اور پھر باہر نکل گیا۔

''وہ چلا گیا ہے'' ___ شارینا کی بیوی نے کہا ___ ''اس کی جان بخشی نہ کریں''۔

''جانے ذو اسے!'' ___ ہرقل نے کہا ___ ''میں آنے والوں کا انتظار کر رہا ہوں''۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہرقل نے اپنی پسپا ہوتی ہوئی فوج کو شام کے مختلف مقامات پر بکھیر دیا تھا اور اُس نے یہ چال اس توقع پر چلی تھی کہ اس کے مطابق مسلمانوں کا لشکر بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا اور یہ اس کی کمزوری کا باعث بنے گا۔ پھر ہرقل اپنی بکھری ہوئی فوج کو کسی ایک موزوں مقام پر یکجا کر کے مسلمانوں کی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی فوج پر زوردار حملے کرے گا اور پھر مسلمان اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔ ہرقل اب رُہاء میں آ گیا تھا اور اپنی فوج کو یہیں اکٹھا کرنا چاہتا تھا لیکن کہیں سے بھی اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا کہ وہاں کی فوج کب اس تک پہنچے گی۔ یہ تھا وہ انتظار جس کی بیتابی نے اُس کا دماغ جکڑ رکھا تھا۔

○

سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا اور رات گہری ہو گئی تھی۔ اُس وقت شارینا رُہاء سے بہت ہی دور پہنچ گئی تھی اور اس کے سفر کا ایک دن گزر گیا تھا۔ مسلمان قیدی کا نام حدید بن مومن خزرج تھا۔ خزرج عرب کا ایک بڑا ہی مشہور قبیلہ تھا۔

پہلے تو ہم یہ دیکھ لیں کہ شارینا اور حدید اس شہر سے نکلے کس طرح۔ قید خانہ آبادی سے کچھ دور تھا اور آگے ویران اور بیابان علاقہ تھا۔ کچھ دور تک شارینا گھوڑے پر سوار رہی اور اس کے کہنے سے حدید نے گھوڑے کی باگ پکڑے رکھی۔ کوئی اجنبی دیکھ لیتا تو وہ یہی سمجھتا کہ وہ کسی امیر وزیر کی بیٹی ہے اور باگ اس کے نوکر نے پکڑ رکھی

ہے۔ حدید نے راستے میں بھی شارینا سے پوچھا کہ وہ جا کہاں رہے ہیں۔ شارینا نے اسے کہا تھا کہ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا چلے۔ حدید پر کسی قسم کا خوف اور خدشہ طاری نہیں تھا۔ وہ بڑا خوبرو جوان آد تھا اور اُس کے جسم میں طاقت بھی تھی اور پھرتی بھی۔

قید خانے سے کچھ ہی دُور گئے ہوں گے کہ وہ دونوں دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ سطح مرتفع علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ چھوٹے بڑے نشیب تھے اور کہیں کہیں زمین اوپر کو ابھری ہوئی تھی اور اس سے آگے باقاعدہ ٹیکریاں آ گئیں۔ درخت بھی تھے اور جھاڑیاں بھی۔ وہاں کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ کوئی پگڈنڈی نہیں تھی اور صاف پتہ چلتا تھا کہ اِدھر سے مسافر کم ہی گزرتے ہیں۔

ذرا اور آگے گئے تو ایک آدمی نظر آیا جس کے ساتھ ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ اس آدمی نے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ شارینا نے اس کے قریب جا کر گھوڑا روک لیا۔ وہ کوئی ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ شارینا اپنے گھوڑے سے اُتر رہی تھی اور وہ گھوڑے کو اور قریب لے آیا۔

"تم اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ" —— شارینا نے حدید سے کہا۔

حدید کے لئے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں تھا کہ یہ وہی گھوڑا تھا جس کے متعلق شارینا نے قید خانے سے نکل کر کہا تھا کہ آگے چل کر الگ گھوڑا مل جائے گا۔ یہ ادھیڑ عمر آدمی یقیناً" شارینا کا ملازم تھا۔ حدید اس گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

حدید نے سوار ہو کر شارینا کی طرف دیکھا۔ شارینا ابھی اپنے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئی تھی۔ ادھیڑ عمر آدمی اس کی تعظیم میں اتنا جھک گیا تھا کہ رکوع کی حالت میں چلا گیا۔ شارینا آخر شہزادی تھی اور یہ شخص اس کا نوکر یا سائیس تھا۔ اس کے علاوہ اس نوکر کو توقع ہو گی کہ شہزادی اس کو انعام دے گی۔

شارینا شہزادی نے اسے انعام یہ دیا کہ وہ ابھی رکوع سے اٹھا نہیں تھا کہ شارینا نے بڑی تیزی سے اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ کر کے خنجر نکالا اور خنجر بلند کر کے بڑی زور سے خنجر اس آدمی کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ اس سے پہلے کہ یہ آدمی سیدھا ہوتا' شارینا نے اس کی پیٹھ سے خنجر نکال کر ایسا ہی ایک اور وار اسی مقام پر کیا۔ پیٹھ کا یہ وہ مقام تھا جہاں دل ہوتا ہے۔ وہ بد قسمت آدمی سیدھا ہو ہی نہ سکا اور ایک پہلو پر زمین پر گر پڑا۔ شارینا اُس

کے پاس کھڑی دیکھتی رہی۔ موت نے اپنا کام بڑی تیزی سے مکمل کر لیا۔

شارینا نے خون آلود خنجر لاش پر جھک کر اس کے کپڑوں پر صاف کیا اور نیام میں ڈال دیا۔ اس آدمی نے کمر کے ساتھ چمڑے کی پیٹی سے تلوار باندھ رکھی تھی۔ شارینا نے پیٹی کھول کر تلوار اور پیٹی کھینچی اور پھر حدید کو دے کر کہا کہ یہ اپنی کمر سے باندھ لے۔

"اب تم نہتے نہیں رہو گے" —— شارینا نے سنجیدگی سے کہا —— "میرے پاس تو خنجر ہے!"

"اسے کس گناہ کی سزا دی ہے؟" —— حدید نے پوچھا۔

"یہاں رکنا نہیں" —— شارینا نے کہا —— "ابھی ہم خطرے میں ہیں" —— وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی اور لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑا چل پڑا تو وہ بولی —— "یہ شخص ہمارے لئے بہت بڑا خطرہ بن سکتا تھا۔ یہ محل کا نوکر تھا۔ یہاں سے دوڑتا جاتا اور میری ماں کی خوشنودی اور انعام حاصل کرنے کے لئے اسے بتا دیتا کہ میں ایک آدمی کے ساتھ فلاں طرف نکل گئی ہوں۔ ماں فوراً" ہمارے تعاقب میں گھوڑ سوار بھیج دیتی۔ میرا کسی نے کیا بگاڑ لینا تھا' تم قتل کر دیئے جاتے"۔

"یہ تو بتا دو تم ہو کون!" —— حدید نے پوچھا —— "تمہیں میرا نام مجھ سے پوچھے بغیر معلوم ہے' اپنا نام ہی بتا دو۔ یہ بھی یقیناً" پوچھنا چاہوں گا کہ مجھے لے جا کہاں رہی ہو؟"

"میرا نام شارینا ہے" —— شارینا نے کہا —— "میں شاہ ہرقل کے خاندان کی شہزادی ہوں۔ میری ماں شاہ ہرقل کی بیوی ہے لیکن میں اس کی بیٹی نہیں بلکہ اس سے پہلے روم کا بادشاہ فوکاس ہُوا کرتا تھا' میں اُس کی بیٹی ہوں.... پوچھتے ہو میں تمہیں کہاں لے جا رہی ہوں؟ تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں تمہیں نہیں لے جا رہی بلکہ تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔ ایک بار پھر سن لو' مجھے اپنی فوج میں لے چلو"۔

"لیکن کیوں؟" —— حدید نے پوچھا —— "میرے ساتھ تمہارا تعلق ہی کیا ہے؟ کیا میں ایسا شک نہ کروں کہ تم مجھے کسی ایسے مقصد کے لئے کہیں لے جا رہی ہو جو میرے لئے ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا؟"

"تم مرد ہو' تمہارے پاس تلوار ہے" —— شارینا نے مسکراتے ہوئے کہا ——

"جہاں کہیں خطرہ محسوس کرو گے، مجھے وہیں قتل کر دینا" —— اُس نے اپنے گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگا کر کہا —— "کچھ دور تک گھوڑوں کو دوڑنے دو۔ آگے ایسا علاقہ آ رہا ہے جہاں گھوڑے ٹھیک طرح دوڑ نہیں سکیں گے نہ انہیں دوڑانا ہے۔ آگے چل کر بتاؤں گی میں کون ہوں اور پھر تم مجھے بتانا کہ میں پاگل تو نہیں!"

○

زمین کچھ اوپر اُٹھتی جا رہی تھی۔ آگے چٹانیں بھی تھیں اور گھاس، پودوں اور درختوں سے لدی ہوئی خوبصورت ٹیکریاں بھی تھیں۔ کچھ آگے جا کر شارینا نے گھوڑا روک لیا اور پیچھے دیکھا۔ حدید نے بھی گھوڑا روک کر پیچھے دیکھا۔ درختوں کے اوپر سے رُہاء کا قلعہ بند شہر نظر آ رہا تھا۔ وہ اس شہر سے دور نکل آئے تھے۔

"دُور اُفق تک دیکھو" —— شارینا نے جذباتی سے لہجے میں کہا —— "کتنا خوبصورت علاقہ ہے۔ اب یہ علاقہ تمہارا ہے۔ روم کی شہنشاہی سے نکل گیا ہے۔ روم کے بادشاہ اور مجھ جیسی شہزادیاں ماضی کا قصہ بن جائیں گی.... کیا مجھے سمجھنے کی کوشش کرو گے حدید؟.... تم مجھے روم کے شاہی خاندان کی شہزادی سمجھتے ہو لیکن مجھے شاہ ہرقل کی فتح کی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی اس کی پسپائی سے ہو رہی ہے.... چلو، زیادہ رکنا ٹھیک نہیں"۔

انہوں نے گھوڑے موڑے اور اپنے سفر پر چل دیئے لیکن ابھی دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ ان کی منزل کہاں ہے۔

"اب تم میرے رہنما ہو" —— شارینا نے کہا —— "یہ اندازہ کر لو کہ تم کہاں سے پکڑے گئے تھے اور تمہاری فوج کہاں ہو گی۔ اب مجھے اپنی ملکیت سمجھو، قیدی سمجھو یا ہم سفر۔ میری زندگی کا سفر تمہارے ساتھ گزرے گا"۔

وہ اب چٹانوں اور اونچی نیچی ٹیکریوں کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا۔ حدید ویسے ہی اندازے پر جا رہا تھا۔

"محل میں لوگ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے" —— شارینا نے اپنی بات شروع کی —— "بعض مجھے کم عقل کہتے ہیں اور مجھے پاگل کہنے والے بھی کچھ کم نہیں۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ میری باتیں اور میری عادتیں ہی کچھ ایسی ہیں۔ میں شہزادی ضرور ہوں لیکن اُن شہزادیوں میں سے نہیں جن کی لوگ کہانیاں سنتے سناتے رہتے ہیں۔ شاید

میرے خون میں کوئی خرابی ہے"۔

"تم اصل بات سناؤ شارینا!" —— حدید نے کہا —— "میں تمہیں بتاؤں گا کہ خرابی تمہارے خون میں ہے یا دماغ میں"۔

"میری ماں کو تم نے نہیں دیکھا" —— شارینا نے کہا —— "بہت ہی خوبصورت عورت ہے۔ میں اس کی واحد اولاد ہوں۔ وہ نسلاً شاہی خاندان سے نہیں۔ عرب کے کسی بہت ہی امیر تاجر خاندان کی لڑکی تھی۔ تم جانتے ہو تاجر تجارت کے معاملے میں ملک ملک پھرتے رہتے ہیں اور قافلوں کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔ میری ماں کی عمر سولہ سترہ سال تھی جب ایک بار اس کے باپ نے کہا کہ وہ تجارت کے لئے مصر جا رہا ہے اور سب کو ساتھ لے جائے گا۔ اس طرح وہ اپنے پورے کنبے کو ساتھ لے گیا۔ میری ماں تھی، اس کے چھوٹے دو بھائی تھے اور اس کی ماں تھی اور ایک چچا بھی ساتھ تھا۔ مجھے یہ باتیں ماں نے سنائی تھیں....

"بہت بڑا قافلہ تھا اور اس قافلے میں زیادہ تعداد تاجروں کی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس قافلے کے ساتھ دولت بھی بہت جا رہی تھی اور مختلف قسم کے تجارتی مال کا تو کچھ شمار نہ تھا۔ صحرائی قزاق ایسے قافلوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں اس قافلے کی بھی خبر ہو گئی ہو گی۔ کچھ دنوں بعد یہ قافلہ ملک شام میں داخل ہُوا تو ایک جگہ قزاقوں نے اسے روک لیا۔ قافلے تو اب بھی لٹتے ہیں اور تم جانتے ہو گے انہیں کس طرح لُوٹا جاتا ہے....

"ماں بتاتی ہے کہ قزاق کوئی تھوڑے تو نہیں تھے۔ یوں پتہ چلتا تھا جیسے آسمان سے گِدھوں کے غولوں اور زمین سے سینکڑوں بھیڑیوں نے حملہ کر دیا ہو۔ میری ماں نوجوان بھی تھی اور خوبصورت اتنی کہ اُس پر لگی ہوئی نظر ہٹتی نہیں تھی۔ ایک قزاق نے میری ماں کو اٹھا لیا۔ وہ دن اور آج کا دن، میری ماں کو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کے ماں باپ کا اور بھائیوں کا کیا انجام ہُوا تھا۔ قزاق ماں کو اغوا کر کے لے گئے....

"میں تصور میں لا سکتی ہوں کہ اس کمسنی میں میری ماں کس قدر قیمتی ہیرے جیسی ہو گی۔ وہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو کھلی منڈی میں فروخت ہو جاتی لیکن وہ امراء کی بھی نہیں بلکہ بادشاہوں کی پسند کی چیز تھی۔ اُس وقت مصر اور شام پر رومیوں کی حکومت تھی اور بادشاہ فوکاس تھا۔ وہ بادشاہوں جیسا بادشاہ تھا۔ شاہانہ عیاشیوں میں ڈوبا ہُوا۔ اپنے

آپ کو خُدا سمجھتا تھا اور لوگ اس کے آگے سجدے کرتے تھے....

"قزاقوں نے اس تک رسائی حاصل کر کے میری ماں کی جھلک اسے دکھائی۔ وہ تو جیسے میری ماں پر مر ہی مٹا ہو۔ وہ آخر بادشاہ تھا۔ منہ مانگے دام دے کر اُس نے میری ماں کو خرید لیا۔ بادشاہ شادی کے جھنجھٹ میں پڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کیا کرتے، انہیں جو لڑکی اچھی لگتی ہے، اسے عارضی یا مستقل داشتہ بنا کر اپنے محل میں رکھ لیتے ہیں۔ میری ماں کے حسن اور نوجوانی سے شاہ فوکاس ایسا متاثر ہُوا کہ اُس نے میری ماں کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لی۔ بادشاہوں کی شادیاں بھی برائے نام ہُوا کرتی ہیں۔ ماں کو ذرّہ بھر خوشی نہ ہوئی کہ وہ اتنی وسیع بادشاہی کے بادشاہ کی ملکہ بن گئی ہے۔ اس کی عمر ہی کیا تھی۔ اسے باپ اور بھائی یاد آتے تھے اور تنہائی میں رو رو کر اپنی حالت بگاڑ لیا کرتی تھی....

"اُسے دوسرا صدمہ یہ پہنچا کہ وہ مسلمان تھی۔ اس کے ماں باپ نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ اس کا باپ کسی لالچ یا کسی بھی قسم کے دباؤ میں نہیں آیا تھا بلکہ اس مذہب سے وہ دلی طور پر متاثر ہُوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اُس وقت میری ماں بہت چھوٹی تھی۔ اُس نے مجھے سنایا کہ وہ جب اچھا بُرا سمجھنے کی عمر میں داخل ہوئی تو اسے مذہب کے سبق دیئے جانے لگے۔ اسلام اُس کی رگ رگ میں سما گیا لیکن اُس کی قسمت اتنی بُری نکلی کہ قافلے سے اغوا ہوئی اور ایک عیسائی بادشاہ نے اسے اپنی بیوی بنا لیا۔ بادشاہوں کا تو کوئی مذہب ہوتا ہی نہیں، میری ماں کو دکھ یہ ہُوا کہ وہ مسلمان بھی نہ رہی اور اُس نے عیسائیت کو بھی قبول نہ کیا....

"میں پیدا ہوئی اور شہزادیوں کی طرح مجھے پالا پوسا گیا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ میں تھی ہی شہزادی.... تین چار سال کی عمر کو میں پہنچی تو یاد ہے کہ میں نے ماں کو چوری چھپے نماز پڑھتے دیکھا تھا لیکن میری عمر پانچ چھ سال کی ہوئی تو میں نے ماں کو شراب پیتے دیکھا اور اس کی نمازیں ختم ہو گئی تھیں۔ شیطانوں کے شاہی ماحول میں رہ کر میری ماں کی فطرت ہی بدل گئی اور وہ بھی شیطان فطرت بن گئی۔ میں تمہیں وہ سازشیں اور سیاست بازیاں نہیں سنا رہی جو بادشاہوں کے محلات کا معمول ہُوا کرتی ہے۔ ماں نے مجھے یہ ساری ابلیسی حرکتیں، اپنی بھی، شاہ فوکاس کی دوسری بیویوں کی بھی، تفصیلاً سنائی تھیں....

"تم جانتے ہو کہ ایرانی آتش پرست ہیں اور روم کی ٹکر کی جنگی طاقت ہیں۔ میں حیران ہوں کہ تم مسلمانوں نے کس طرح ان ایرانیوں کو عراق سے بے دخل کر کے انہیں گھٹنوں بٹھا دیا ہے۔ انہوں نے اچانک رومی سلطنت پر حملہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مصر اور شام پر قابض ہو گئے۔ شاہ فوکاس اپنے وطن بھاگ گیا....

"ہرقل رومی فوج کا جرنیل تھا۔ جرنیل تو چند اور بھی تھے لیکن ہرقل کا نام سب سے زیادہ اونچا اور مشہور تھا کیونکہ جنگی فہم و فراست کے لحاظ سے کوئی اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اس کی شہرت اور عزت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق شاہی خاندان کے ساتھ تھا۔ وہ برداشت نہ کر سکا کہ ایرانیوں نے رومیوں کو شکست دی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ شکست کا اصل باعث فوکاس کی عیاش شہنشاہیت ہے۔ اُس نے ایرانیوں کو ہمیشہ نظرانداز کئے رکھا تھا اور اپنی سلطنت کی طرف سے بے خبر رہا....

"میری عمر چھ سات سال تھی۔ اس عمر میں بچّہ اتنی زیادہ باتیں نہیں سمجھ سکتا جو میرے دماغ میں بیٹھ گئی تھیں۔ میرے ساتھ کے بچّوں کو پرواہ ہی نہیں تھی کہ دشمن نے ہمیں وسیع و عریض ملکوں سے بے دخل کر دیا ہے لیکن مجھے اس شکست کا اتنا ہی صدمہ ہُوا تھا جتنا ہرقل محسوس کر رہا تھا۔ ہرقل میرے ساتھ بہت پیار کیا کرتا تھا۔ اس کا میل جول میری ماں کے ساتھ تھا۔ پہلے جب کبھی ماں ہرقل سے ملنے جاتی یا وہ ماں سے ملنے آتا تو ماں مجھے ساتھ رکھتی تھی لیکن کچھ دنوں بعد ماں نے مجھے اپنے اور ہرقل کے درمیان سے ہٹا دیا۔ بڑے ہو کر مجھے پتہ چل گیا تھا کہ میری ماں نے ہرقل کے ساتھ ناجائز دوستی لگا رکھی ہے۔ یہ کوئی عجیب اور انوکھی بات نہیں تھی۔ شاہی محلات میں یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔ شاہ فوکاس اپنی کون کون سی بیوی کا خیال رکھتا....

"اب میں تمہیں جو بات سنانے لگی ہوں مجھے بڑے ہو کر معلوم ہوئی تھی۔ بات یہ تھی کہ ہرقل شاہ فوکاس کو اکساتا رہتا تھا کہ ایرانیوں پر جوابی حملہ کیا جائے لیکن فوکاس ٹالتا چلا جا رہا تھا۔ ہرقل نے اس بادشاہ کا تختہ الٹنے کا ارادہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے دوسرے جرنیلوں کو ساتھ ملا لیا۔ دوسرے جرنیل اس وجہ سے بغاوت کے لئے تیار ہو گئے کہ شاہ فوکاس شکست کی ذمہ داری ان جرنیلوں پر ڈال رہا تھا....

"ہرقل نے تمام جرنیلوں کو تیار کر لیا تو پتہ چلا کہ دو تین جرنیل دراصل شاہ فوکاس کے حامی ہیں اور فوج کی خاصی نفری کو انہوں نے شاہ فوکاس کی ذاتی فوج بنا رکھا ہے۔

"اُن دو جرنیلوں کو خبر مل گئی جو بادشاہ کے حامی تھے۔ انہوں نے فوج کی اس نفری کو ساتھ لیا جو ان کے زیرِ اثر تھی اور اس نفری سے انہوں نے محل کو محاصرے میں لینے والی نفری پر حملہ کر دیا۔ ہرقل کے دستوں نے جم کر مقابلہ کیا....

"ہرقل دیکھ رہا تھا کہ بادشاہ کے جسم میں زہر کا اثر شروع ہو گیا تھا۔ وہ اپنے اندر کوئی تکلیف محسوس کرنے لگا تھا' ہرقل نے اسے کہا کہ اس کی زندگی چند دن رہ گئی ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ ہرقل کے حق میں فرمان جاری کر دے اور عزت کی موت مرے۔ اس نے پس و پیش کی تو اس کی لاش سارے شہر میں گھسیٹی جائے گی اور پھر جنگل میں پھینک دی جائے گی۔ ہرقل نے سوچا یہ تھا کہ بغاوت اُس وقت شروع کی جائے جب بادشاہ اندر سے کمزور ہونا شروع ہو جائے....

"جو فوج ہرقل کے زیرِ اثر تھی' اس کی نفری زیادہ تھی۔ اس نے شاہ پرست دونوں جرنیلوں کو الگ بلایا اور انہیں کہا کہ اسے پتہ چل گیا ہے کہ بادشاہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے جس کا کوئی علاج نہیں اور آٹھ دس دنوں تک بادشاہ مر جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ دونوں جرنیل اس کے ساتھ مل جائیں اور آپس میں خون خرابہ نہ کریں۔ دونوں جرنیلوں کو بادشاہ پر بھروسہ تھا اور اس کی حمایت کے صلے میں انعام و اکرام کی توقع بھی تھی اس لئے ہرقل کی کوئی بات اُن پر اثر نہ کر سکی....

"وہ شاید بھول گئے تھے کہ ہرقل کا دماغ بہت ہی تیز ہے اور اس کا بچھایا ہُوا جال کسی کو نظر نہیں آتا اور جو بھی آتا ہے اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ ہرقل نے ایسی چال چلی کہ دونوں جرنیل اس کے پھندے میں آ گئے اور دونوں کو گرفتار کر کے قید خانے میں پھینک دیا۔ ان جرنیلوں کی جو نفری تھی' وہ ان دونوں کے بغیر بیکار ہو گئی۔ ویسے ہی ہرقل نے اس نفری کو خبردار کیا کہ ہتھیار نہ ڈالے تو کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ فوج کے یہ دو چار دستے کر ہی کیا سکتے تھے جب کہ ان کا کوئی کمانڈر رہا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے....

"تین چار دن اور گزرے کہ شاہ فوکاس کی جسمانی اور ذہنی حالت زہر کے اثر کی وجہ سے اتنی خراب ہو گئی کہ وہ بستر سے اٹھنے سے معذور ہو گیا۔ آخر ہرقل نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اس کے حق میں شاہی فرمان جاری کر دے....

"شاہ فوکاس تو صحت اور زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ عیش پرست انسان اس دنیا

سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے ہرقل کی منت سماجت کی کہ وہ اس کا علاج کروائے۔ وہ کہتا تھا کہ اس کا جسم اندر سے کٹ رہا ہے۔ وہ تو زندہ لاش بن گیا تھا اور طبیب اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور یہ پتہ چلتا ہی نہیں تھا کہ یہ کیسی بیماری ہے جو بادشاہ کو اندر ہی اندر کھائے چلی جا رہی ہے۔ ہرقل نے اسے کہا کہ وہ اس کا علاج کرائے گا اور وہ ٹھیک بھی ہو جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ فرمان جاری کر دے....

"ایک دن اور گزرا تو شاہ فوکاس یوں محسوس کرنے لگا جیسے اس کے جسم کے اندر آگ لگ گئی ہو۔ اس کیفیت میں ہرقل نے اس سے فرمان لکھوا لیا اور اس فرمان کو لوگوں تک بذریعہ منادی پہنچا دیا گیا۔ ہرقل تخت نشین ہو گیا اور بادشاہ کو شاہانہ مراعات دے کر محل میں ہی رہنے دیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بادشاہ دو چار دنوں کا ہی مہمان ہے۔ ایسے ہی ہُوا۔ ایک روز شاہ فوکاس نے آخری ہچکی لی اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے اُٹھ گیا۔ ہرقل نے روم کا تخت و تاج سنبھال لیا اور فوکاس کے شاہی خاندان کو محل سے نکال دیا....

"ہرقل نے میری ماں کے ساتھ کیا ہُوا وعدہ پورا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہرقل نے شادی کر لی۔ اس شادی سے صرف اتنی تبدیلی آئی کہ ہرقل کی بیویوں کی تعداد میں ایک اور بیوی کا اضافہ ہو گیا۔ یہ شادی بھی ایک بادشاہ کی شادی تھی لیکن میری ماں کو اس شادی پر بڑا فخر تھا۔ ہرقل نے کچھ عرصہ اسے اہمیت دیئے رکھی جس کی وجہ یہ تھی کہ میری ماں شاہ فوکاس کو زہر نہ دیتی تو ہرقل کے لئے اس کا تختہ الٹنا ممکن نہ تھا....

"میرا شعور بیدار ہو چکا تھا اور مجھ پر سب سے زیادہ اثر اپنی ماں کا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ہرقل کی ملکۂ عالیہ سمجھنا شروع کر دیا تھا اور وہ اٹھتے بیٹھتے یہی کہتی تھی کہ ایرانیوں پر جوابی حملہ کر کے مصر اور شام کو دوبارہ سلطنتِ روم میں شامل کرنا ہے۔ ہرقل کا تو عزم ہی یہی تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اسی مقصد کے تحت شاہ فوکاس کا تختہ الٹا تھا۔ اس کا مجھ پر یہ اثر ہُوا کہ مجھ میں قومی غیرت پیدا ہو گئی اور اس کے ساتھ ایسا جذبہ ابھرا کہ میں یہ خواہش کرنے لگی کہ میں مرد تو بن نہیں سکتی اور میں فوج میں نہیں جا سکتی۔ میں جوان ہو کر اپنے جیسی جوان لڑکیوں کی فوج بناؤں گی اور اسے ایرانیوں کے خلاف لڑاؤں گی۔ اس طرح مجھ میں عسکریت پیدا ہوتی چلی گئی اور یہی میری فطرت بن گئی....

"میں اُس وقت لڑکپن کی عمر سے آگے نکل رہی تھی جب ہرقل نے بے پناہ فوج

ہرقل نے سوچا کہ اس نے بادشاہ کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تو خانہ جنگی ہو گی جو روم کو لے ڈوبے گی۔ خانہ جنگی کے بغیر تختہ الٹنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ شاہ فوکاس کو کسی نہ کسی طریقے سے قتل کر دیا جائے....

"بادشاہ کو قتل کرنا تقریباً" ناممکن تھا۔ وہ اپنی عیاشیوں میں ڈوبا رہتا تھا اور اس کے اِردگِرد محافظوں کا حصار قائم کر دیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے بادشاہ کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کا تختہ الٹنے کی سازش ہو رہی ہے۔ ہرقل کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ بادشاہ یقیناً" ہرقل سے ڈرتا تھا....

"میری ماں ہرقل سے ملتی رہتی تھی اور ان کی دوستی پہلے کی طرح چل رہی تھی۔ ہرقل نے میری ماں کے ساتھ کبھی ذکر تک نہ کیا تھا کہ وہ شاہ فوکاس کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ ایک روز میری ماں نے شک کی بنا پر ہرقل سے پوچھا تو ہرقل نہ مانا۔ میری ماں نے اسے بتایا کہ اس کے اپنے دل میں بادشاہ کے خلاف اتنا زہر بھرا ہُوا ہے کہ وہ بادشاہ کو قتل کرنے تک سوچ چکی ہے لیکن اسے کسی کی پشت پناہی کی ضرورت ہے۔ تب ہرقل نے اسے اپنا راز دے دیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ شاہ فوکاس کو کسی نہ کسی طریقے سے قتل کر دے تو....

"ماں تیار ہو گئی۔ قتل کے طریقوں پر غور ہونے لگا' آخر یہ طے پایا کہ میری ماں بادشاہ کو زہر پلا دے اور ہرقل کو فوراً" اطلاع دے دے.... میری ماں کے لئے یہ طریقہ آسان تھا۔ ہرقل نے ایسے زہر کا انتظام کر کے میری ماں تک پہنچا دیا جو فوراً" اثر نہیں کرتا تھا بلکہ آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتا ہے اور جسم کو اندر ہی اندر سے کھاتا چلا جاتا ہے اور بارہ چودہ دنوں تک آدمی مرجاتا ہے۔ اس زہر کا سراغ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ بڑے بڑے قابل طبیب بھی اسے کوئی پُراسرار بیماری کہہ دیتے ہیں....

"ایک رات میری ماں نے یہ زہر شراب میں ملا کر شاہ فوکاس کو پلا دیا۔ اگلے روز ہرقل کو اطلاع دے دی کہ زہر بادشاہ کے پیٹ میں چلا گیا ہے۔ ہرقل فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ ساری فوج پر اس کا حکم چلتا تھا۔ اس نے فوج کی کچھ نفری کو الگ کر کے حکم دیا کہ بادشاہ کے محل کو محاصرے میں لے لیا جائے.... اس کے حکم کی فوراً" تعمیل ہوئی۔ ہرقل شاہ فوکاس کے سامنے گیا اور اسے کہا کہ وہ فرمان جاری کر دے کہ وہ تخت سے دستبردار ہو گیا ہے اور ہرقل کو اس نے اپنا جانشین مقرر کیا ہے....

تیار کر لی تھی اور اس نے ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ بہت کشت وخون ہُوا۔ ہرقل بڑا ہی مضبوط عزم لے کر نکلا تھا۔ اُس نے اپنی فوج کو کئی سال صرف کر کے خوب تیار کیا تھا۔ آخر ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ پسپا ہوتے ہوتے مصر بھی خالی کر گئے اور شام بھی۔ دونوں ملک ایک بار پھر سلطنتِ روم میں شامل کر لئے گئے....

"ہرقل کی نظروں میں میری ماں کی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ ہرقل کو شاید اتنا ہی یاد رہ گیا تھا کہ اس عورت کے ساتھ اس نے شادی کی تھی۔ پسپا ہوتے ایرانیوں کی بہت سی حسین و جمیل اور نوخیز لڑکیاں رومیوں کے ہاتھ لگی تھیں۔ ان میں سے کئی ایک کو ہرقل کے حرم میں داخل کر دیا گیا تھا۔ میری ماں کی جوانی ڈھل رہی تھی۔ ہرقل تھا تو بادشاہ لیکن فوکاس جیسا نہیں تھا۔ وہ جرنیل بھی تھا اور جنگی امور اور جنگی چالوں میں اس نے ایسا نام پیدا کر لیا کہ وہ ایک ہیبت ناک طاقت بن گیا۔ میں اپنی ماں کو افسردہ اور اداس دیکھنے لگی۔ شاید یہ اسی کا اثر تھا کہ مجھے یاد آنے لگا جب ماں چوری چھپے نماز پڑھا کرتی تھی۔ ایک تو یہ جذبہ یا احساس تھا اور دوسرا احساس یہ کہ مجھ میں عسکریت پیدا ہو گئی تھی اور میں صرف یہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی خوبصورت شہزادہ میرے ساتھ شادی کر لے اور میں کسی کی ملکہ بن جاؤں۔ میں پوری طرح بیان نہیں کر سکتی کہ میرے وجود میں کیسی آگ لگ گئی تھی"۔



شارینا کا دماغ اس آگ کو سمجھنے سے قاصر تھا جو اس کے وجود میں بھڑک اٹھی تھی۔ حدید اُس کی یہ روئیداد سنتا چلا جا رہا تھا۔ گھوڑے درمیانی رفتار سے چل رہے تھے۔ سورج اپنا سفر پورا کر رہا تھا اور افق کے قریب جا پہنچا تھا۔ ہری بھری ٹیکریاں ایک دوسری سے دور ہٹتی جا رہی تھیں۔ حدید نے اپنے ذہن میں انطاکیہ کی سمت رکھی ہوئی تھی۔ ہر چالیس پچاس قدموں پر ٹیکریاں گھوڑوں کا رخ موڑ دیتی تھیں لیکن حدید اپنے ذہن سے صحیح سمت کو نکلنے نہیں دے رہا تھا۔

شارینا روانی سے بولتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی آواز میں جلترنگ جیسے ساز کا ترنم بھی تھا اور جذبات کا سوز بھی لیکن جب وہ اس آگ کا تجزیہ کرنے لگی جو اس کے وجود میں بھڑکی تھی تو اس کی زبان رکنے لگی۔ اس نے اپنا سارا ماضی بیان کر دیا تھا لیکن اس کی سوچوں میں جو انقلاب آیا تھا' اسے وہ صحیح طور پر بیان کرنے سے قاصر ہوئی جا رہی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ انقلاب اللہ کا ایک عظیم انعام ہے جو خوش بختوں کو ہی ملا کرتا ہے۔ شارینا بڑی حسین اور نوجوان شہزادی تھی لیکن اس نے اپنے وجود کو اور اپنے کردار کو اور اپنی سوچوں کو شہنشاہیت سے پاک رکھا تھا۔ شہنشاہیت کا مقصد ہوتا ہے عیش و عشرت' اللہ کے بندوں کو حشرات الارض سمجھنا اور فرعونیت۔ شارینا نے نہ عشق و محبت کا کھیل کھیلا نہ اپنے حسن و جوانی کو دانہ و دام کی طرح استعمال کیا۔ وہ ان جذبوں اور احساسات میں الجھتی چلی گئی جو اس کی سوچیں بیدار کرتی چلی جا رہی تھیں۔

شارینا حدید کو اپنی خوش بختی کی جو داستان سنا رہی تھی' وہ دراصل اس پورے خطے کی داستان تھی۔ وہ خطہ جسے آج عراق اور شام کہا جاتا ہے' باطل کی بڑی بے رحم گرفت میں آیا ہوا تھا۔ عراق پر آتش پرست ایرانی قابض تھے اور شام اور مصر رومیوں کے قبضے میں تھے۔ پہلے متعدد بار بیان ہو چکا ہے کہ اُس وقت یہ دو ہی جنگی اور شاہی طاقتیں تھیں۔ ایرانی تو آگ کی پُوجا کرتے تھے اور رومی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکا دیا تھا' اب عیسائیت کے پیروکار تھے اور بیت المقدس کو انہوں نے دنیا بھر کے عیسائیوں کے لئے ایک کعبہ جیسا مقدس مقام بنا دیا تھا۔ مسجدِ اقصیٰ کو وہ اپنی عبادت گاہ سمجھتے تھے۔

شارینا نے حدید کو ٹھیک سنایا تھا کہ ایرانیوں نے رومیوں سے شام اور مصر چھین لئے تھے۔ تاریخ کے مطابق یہ 614ء کا واقعہ ہے۔ اُس وقت روم کا بادشاہ فوکاس تھا۔ وہ اپنی شاہانہ عیش پرستی میں ڈوبا ہُوا تھا۔ اس نے اس اتنی بڑی شکست کو ہضم کر لیا۔

فوکاس صرف عیش و عشرت میں ہی نہ پڑا رہا بلکہ اُس نے اپنی رعایا پر ظلم و تشدد شروع کر دیا۔ وہ اب لڑنے کی اور ایرانیوں سے مصر و شام فتح کرنے کی بات کرتا ہی نہیں تھا نہ سنتا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ رعایا بھی احتجاج کر رہی ہے اور رعایا میں سے یہ آوازیں اٹھنے لگی ہیں کہ ایرانیوں پر جوابی حملہ نہ کیا گیا تو وہ ان کے وطن روم پر بھی حملہ کر کے رومیوں کو غلام بنا لیں گے' شاہ فوکاس نے لوگوں کے منہ بند کرنے کے لئے اپنی فوج استعمال کی اور فوج نے لوگوں پر بے پناہ ظلم و ستم ڈھائے۔

شارینا نے ہرقل کی بغاوت کی بات بھی صحیح سنائی تھی۔ اس بغاوت کی تفصیلات تاریخ میں آج بھی موجود ہیں۔ ہرقل نے شارینا کی ماں کے ہاتھوں فوکاس کو زہر پلا کر بغاوت کی اور کامیاب ہو گیا۔ وہ خود روم کے تخت پر بیٹھا اور 625ء میں اُس نے مصر و

شام پر ایسی یلغار کی کہ ایرانیوں کو وہاں سے بھگا دیا اور ان دونوں ملکوں کو سلطنتِ روم میں شامل کر لیا۔

اس کے بعد ایرانیوں نے رومیوں سے ٹکر لینے کی جرأت نہ کی۔ ایران اور روم جنہیں تاریخ اسلام میں قیصرِ روم اور کسریٰ ایران کہا گیا ہے' یہ طاقتیں آپس میں ٹکراتی رہتیں اور لوگ پستے رہتے اور ان کا خون بہتا ہی رہتا تھا۔

اُس وقت کے وقائع نگار اس قسم کی تحریریں چھوڑ گئے ہیں کہ کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان دو طاقتوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی اور طاقت اٹھ کر کمزور کر سکے گی لیکن ایک تیسری طاقت ابھرتی چلی آ رہی تھی۔ یہ صرف ایک جنگی طاقت نہیں تھی بلکہ ایک نظریہ تھا۔ ابتدا میں ایرانیوں اور رومیوں کے محلات میں اس کی خبریں پہنچیں تو ان دونوں قوموں نے کہا کہ یہ صحرائے عرب کے لٹیرے بدّو ہیں۔ انہوں نے مذاق اُڑا کر ان خبروں کو نظرانداز کر دیا۔

یہ تیسری طاقت افق سے اس طرح اٹھی جس طرح طوفانِ باد و باراں کی کالی گھٹائیں بجلیوں سے لدی ہوئی اٹھا کرتی ہیں یا وہ صحرائی طوفان اٹھتا ہے جو ٹیلوں اور ٹیکریوں کو اپنے ساتھ اُڑا لے جاتا ہے۔ یہ تیسری طاقت ہتھیاروں سے کم اور ایک ایسے جذبے سے زیادہ لیس تھی جو اللہ نے وحی کے ذریعے ان پر اتارا تھا۔ یہ ایک ایسا لشکر تھا جس کی نفری بہت ہی تھوڑی تھی لیکن اسے اللہ نے ایسی قوت عطا کی تھی جسے ایمان کی قوت کہا جاتا ہے۔

عرب کے ریگزاروں میں سے یہ جو لشکر اٹھا تھا' اس کے سپہ سالاروں کے دلوں میں ملک گیری کی ہوس نہیں تھی بلکہ وہ اللہ کا یہ پیغام لے کر نکلے تھے کہ رُوئے زمین پر حکمرانی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے اور اللہ کا کوئی بندہ کسی بندے کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا۔ اللہ نے اپنا یہ پیغام اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اتارا تھا۔ اللہ کے یہ پُراسرار بندے باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے' انسانوں کو آزاد کرانے کے لئے' بنی نوع انسان کو بدی سے بچانے کے لئے اور اللہ کے بندوں میں حقوق العباد کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے نکلے تھے۔

یہ تیسری طاقت ایسی ابھری کہ تیز و تند طوفانوں کی طرح باطل کی قوتوں کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا اور بہا لے گئی اور ان بادشاہوں پر جو اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر قوتیں

سمجھتے تھے' یہ لشکر آسمانی بجلیاں بن کر گرے۔ پھر زمین و آسمان نے دیکھا کہ دنیا کی سب سے بڑی جنگی طاقتوں میں مٹھی بھر مجاہدین کے آگے ٹھہرنے کی تاب نہیں رہی تھی۔ ان ہی مجاہدین کو ایرانیوں اور رومیوں نے عرب کے بدّو کہا اور ہنس کر نظرانداز کر دیا تھا۔ عراق اور شام کے نصیب جاگے اور اللہ کا پیغام ان خطّوں میں پہنچ گیا۔

اور اب ہرقل بھاگا بھاگا پھر رہا تھا اور اسے کہیں ایسی پناہ نہیں مل رہی تھی جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا..... یہ 634ء اور 635ء کا دَور تھا۔

○

شارینا اور حدید کے گھوڑے اپنی چال سے چلے جا رہے تھے۔ دوپہر کے وقت انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر کچھ آرام کیا اور گھوڑوں کو کھلا چھوڑ دیا کہ وہ کچھ کھا پی لیں۔ شارینا اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے آئی تھی۔ دونوں نے کھانا کھالیا اور پھر چل پڑے تھے۔ شارینا کی داستان ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ حدید کو گزرے دنوں کی باتیں اور وہ حادثات اور واقعات سنا رہی تھی جن کی وہ عینی شاہد تھی۔ اتنی سی عمر میں ہی اُس نے زمانے کے کئی تغیّر اور نشیب و فراز دیکھ لئے تھے۔ ان کے جو اثرات شارینا پر مرتّب ہوئے تھے' وہ بھی حدید کو سناتی چلی جا رہی تھی۔

"جانتے ہو حدید' ہرقل کی شکست کا اصل باعث کیا ہے؟" ـــ شارینا نے کہا ـــ "اُس نے جب شاہ فوکاس کا تختہ الٹا اور خود اس کا جانشین بن گیا تو لوگ بہت خوش ہوئے تھے۔ لوگ شاہ فوکاس کے ظلم و تشدّد سے بہت ہی تنگ آ گئے تھے اور کچھ لوگ تو اپنے وطن سے ہمیشہ کے لئے چلے گئے تھے۔ لوگوں کو ایک تو یہ خوشی ہوئی کہ اب ہرقل ایرانیوں کو شکست دے گا اور روم کا وقار بحال ہو جائے گا۔ رومیوں نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی تھی اس لئے وہ ہرقل کو ہی دل و جان سے چاہتے تھے کہ ان کا یہ طاقتور اور انتہائی قابل جرنیل ان کی قومی آبرو سے شکست کا داغ دھوڈالے گا اور رومی قوم کے سر پھر اونچے ہو جائیں گے.....

"لوگوں کو دوسری خوشی اس وجہ سے ہوئی کہ شاہ فوکاس نے اپنی عیش و عشرت اور شاہانہ بدمستیوں کے اخراجات عوام کا خون چوس کر پورے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ لوگ روز بروز غریب ہوتے چلے جا رہے تھے اور شاہ فوکاس محصولات میں اضافہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ روٹی کے ایک ایک نوالے کو ترسنے لگے اور ان کے دلوں میں شاہ فوکاس

کی نفرت بیٹھ گئی۔ اگر روم کی فوج بغاوت میں ہرقل کا ساتھ نہ دیتی تو تمام لوگ اس کی مدد کو پہنچ جاتے اور اس بغاوت کو ہر قیمت پر کامیاب کرتے۔ بغاوت کے دوران کہیں کہیں شاہ پرست فوجی دستوں نے لوگوں پر مظالم توڑے تھے لیکن فوج کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ لوگ مسلح ہو کر ان فوجی دستوں کے خلاف میدان میں نکل آئے تھے۔ خونریز لڑائیاں بھی لڑی گئی تھیں جن میں غیر فوجی لوگ خاصی تعداد میں مارے گئے تھے اور شاہ پرست فوج کا بھی جانی نقصان کچھ کم نہ تھا۔ آخر کار یہ دستے لوگوں کے غیض و غضب کے آگے نہ ٹھہر سکے اور بچے کھچے سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے....

"میں ہرقل کی شکست کی وجہ بتانے لگی تھی۔ لوگوں نے ہرقل کی تخت نشینی پر جشن منائے تھے۔ ہرقل نے بھی لوگوں کو مراعات دے کر انہیں غربت سے نجات دلائی تھی اور لوگ رضاکارانہ طور پر اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ تم جانتے ہو کہ فوجی تنخواہ کی خاطر لڑا کرتے ہیں انہیں مالِ غنیمت کا لالچ ہوتا ہے۔ ان کے اندر کوئی جذبہ تو ہوتا نہیں' نتیجہ یہ کہ دشمن کا ذرا سا بھی دباؤ برداشت نہیں کرتے اور فوج کی فوج بھاگ اٹھتی ہے لیکن جب ہرقل نے ایرانیوں پر حملہ کیا تو اس کی فوج جانوں کی بازی لگا کر لڑی۔ ان کے دل میں اب تنخواہ اور مالِ غنیمت کا لالچ نہیں تھا بلکہ قومی جذبہ تھا اور یہ لوگ اپنی قومی ساکھ بحال کرنے کے لئے خون اور جان کے نذرانے دینے پر آمادہ تھے اور انہوں نے یہ نذرانے دیئے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو ایرانیوں کو شکست دینا بڑا ہی محال تھا....

"ہرقل نے شام بھی فتح کر لیا اور مصر بھی۔ رومیوں نے فتح کے جشن ایسے انداز سے منائے جیسے خوشی نے انہیں پاگل کر ڈالا ہو....

"ہرقل نے مصر اور شام کے شہری انتظامات صحیح کر کے رواں کر دیئے اور فوج میں جو کمی واقع ہو گئی تھی' وہ پوری کی اور دونوں ملکوں کے حالات نارمل ہو گئے۔ ہرقل نے جب دیکھا کہ اب اس کی بادشاہی کو کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تو اس نے لوگوں پر ٹیکس لگانے شروع کر دیئے۔ ایرانیوں کے خلاف جنگ اسے بہت مہنگی پڑی تھی۔ خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ شاہی خاندان نے عیاشیاں بھی کرنی ہوتی ہیں۔ ہرقل نے شاہی اخراجات پورے کرنے کے لئے اور خالی خزانے کو بھرنے کے لئے اسی طرح لوگوں کا خون نچوڑنا شروع کر دیا جس طرح شاہ فوکاس کیا کرتا تھا۔ ان ٹیکسوں کے نفاذ سے پہلے شام اور مصر

کے لوگ بھی ہرقل کو پسند کرنے لگے تھے لیکن ہرقل نے ان سے نظریں پھیر لیں اور ان پر ایسا بوجھ ڈال دیا کہ وہ ایک بار پھر نیم فاقہ کشی کی حالت کو پہنچ گئے....

"ہرقل نے اپنے مذہب عیسائیت کی طرف توجہ دی۔ اُس وقت عیسائیت چند ایک فرقوں میں بٹ گئی تھی۔ اگر ان فرقوں کا وجود ہی ہوتا اور ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت وغیرہ کر رہا ہوتا تو ہرقل اس فرقہ بندی کی طرف توجہ ہی نہ دیتا لیکن اس نے دیکھا کہ یہ فرقے ایک دوسرے کو دشمن سمجھتے ہیں اور وقتاً" فوقتاً" ان میں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں اور ہر لڑائی میں کچھ آدمی مارے جاتے اور کچھ ایسے زخمی ہوتے کہ ٹانگ یا بازو یا دونوں سے معذور ہی ہو جاتے تھے۔ یہ ایسی صورتِ حال تھی جو خانہ جنگی کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ ہرقل نے ہر فرقے کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بات کی تو اُس نے دیکھا کہ ہر مذہبی پیشوا اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہُوا ہے اور وہ اپنے ہی فرقے کو صحیح العقیدہ سمجھتا ہے....

"ہرقل نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس فرقہ بندی کو ختم کر کے دم لے گا۔ اُس نے ایک سرکاری عیسائی مذہب تشکیل دے ڈالا اور حکم نامہ جاری کیا کہ تمام فرقوں کے عیسائی اس ایک فرقے میں آجائیں اور کوئی دوسرا فرقہ موجود نہ رہے۔ ہرقل نے فرقہ بندی کو جرم قرار دے دیا.... تم جانتے ہو کہ لوگ اپنے مذہبی عقیدوں سے دستبردار نہیں ہُوا کرتے۔ لوگوں نے ہرقل کا حکم تو سن لیا لیکن اپنے اپنے فرقے کے وفادار رہے اور ہرقل کا سرکاری مذہب قبول نہ کیا۔ ہرقل نے لوگوں کا یہ ردِ عمل اور رویّہ دیکھا تو اُس نے فوج کو پوری اجازت دے دی کہ وہ لوگوں کو سرکاری مذہب کی طرف لائیں اور جو کوئی مزاحمت کرتا ہے اسے قتل کر دیں چاہے قید خانے میں ڈال دیں۔ فوج نے من مانی شروع کر دی۔ فوجی جس گھر میں کوئی خوبصورت عورت دیکھتے وہاں جا چھاپہ مارتے اور گھر والوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کر کے ان کی عورتوں کی بے حرمتی کرتے اور ظاہر یہ کرتے کہ یہ گھر یا یہ خاندان فرقہ بندی سے دستبردار نہیں ہو رہا....

"ایک طرف لوگ ٹیکسوں کے بوجھ تلے پڑے کراہ رہے تھے اور دوسری طرف ان پر زبردستی ایسا مذہب ٹھونس دیا گیا جسے وہ صحیح اور قابلِ قبول عیسائیت نہیں سمجھتے تھے۔ وہ لوگ بادشاہ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے لیکن ہُوا یہ کہ ان کے دلوں میں ہرقل کی نفرت پیدا ہو گئی اور انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ ایک غلط قیصرِ روم کی خاطر قربانیاں

دی تھیں....

"لوگوں کا ردِ عمل اُس وقت سامنے آیا جب تم لوگوں نے شام پر حملہ کیا۔ میں جانتی ہوں کہ ہمارے محل میں مسلمان کا نام آتا تھا تو سب ہنس پڑتے اور مذاق کے لہجے میں کہتے تھے کہ عرب کے بدّو حملہ کرنے آرہے ہیں۔ وہ یہی کہتے تھے کہ یہ لٹیرے اور قزاق صرف لُوٹ مار کرنا ہی جانتے ہیں لیکن میں نے دیکھا کہ ہرقل کی فوج مسلمانوں کی پہلی ضرب ہی نہ سہہ سکی۔ یہ تو میں نے بھی کبھی نہیں مانا تھا کہ مسلمان اتنی بڑی طاقت ہو سکتے ہیں کہ ہماری فوج کو شکست دے دیں گے لیکن اُدھر ایرانیوں کو انہوں نے بھگا دیا اور اِدھر ہرقل کے پاؤں اکھاڑ دیئے....

میں باہر نکل جایا کرتی تھی اور لوگوں سے پوچھتی تھی کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں اور وہ اتنی بڑی طاقت کس طرح بن گئے ہیں۔ آہستہ آہستہ مجھے مسلمانوں کے متعلق معلوم ہوتا گیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ ہر کوئی کہتا تھا کہ مسلمان صرف خدا کی حکمرانی کو مانتے ہیں اور وہ بنی نوع انسان کے خیر خواہ ہیں۔ میں اپنے دو تین فوجی افسروں سے بھی ملی تھی جو محاذوں سے بھاگ کر پیچھے آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمان جب کسی شہر یا کسی بستی کو فتح کر لیتے ہیں تو وہ لوگوں کے گھروں میں لُوٹ مار نہیں کرتے اور کسی عورت کو خواہ وہ کیسی ہی حسین کیوں نہ ہو' ہاتھ لگانا تو دور کی بات ہے' اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ پھر ان میں خوبی یہ دیکھی کہ وہ مفتوحہ لوگوں پر واجبی سا جزیہ عائد کر دیتے ہیں اور تمام لوگوں کی عزت اور جان و مال کے ضامن بن جاتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں ہرقل کی نفرت بیٹھی ہوئی تھی' انہوں نے مسلمانوں کا سلوک اور رویّہ دیکھا تو لوگوں نے بازو پھیلا کر ان کا خیر مقدم کیا"۔

"لیکن شارینا!" ـــــ حدید نے کہا ـــــ "تمہاری فوج کی شکست کی وجہ صرف یہ نہیں کہ یہاں کے لوگ ہرقل سے نفرت کرتے تھے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ تم نے شاید سنا نہیں کہ مسلمان کس بہادری' بے خوفی اور بے جگری سے لڑتے ہیں۔ ہر محاذ پر اور ہر لڑائی میں ہماری تعداد دشمن کی فوج سے چار پانچ گنا کم ہوتی ہے"۔

"سنا ہے" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "مسلمان مجھے اپنے کردار اور اخلاق کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ لڑنے کے جذبے کی بدولت اچھے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارے

ساتھ آ گئی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس شخص ہرقل سے اتنی نفرت ہو گئی ہے کہ میں اب وہاں دل پر جبر کر کے وقت گذار رہی تھی۔ مجھے پوری امید ہے کہ تم مجھے دھوکہ نہیں دو گے"۔

"دھوکہ دینا ہمارے ہاں گناہ ہے" ---- حدید نے کہا ---- "ایک عورت کو دھوکہ دینا تو ہمارے ہاں گناہ کبیرا سمجھا جاتا ہے۔ میں تمہیں اتنی سی بات بتا دیتا ہوں کہ میں تم سے محبت کر سکتا ہوں لیکن اپنے فرائض اس محبت پر قربان نہیں کروں گا"۔

"میں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں کہ مجھے صرف شہزادی نہ سمجھ لینا" ---- شارینا نے کہا ---- "میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ تمہیں دیکھ کر اچانک میرے دل میں تمہاری محبت کس طرح پیدا ہو گئی لیکن میں تمہارے ساتھ محبت کا جذباتی کھیل کھیلنے نہیں آئی۔ یہ تمہیں بتا دیتی ہوں کہ تم میرے دل میں اتر گئے ہو لیکن تمہاری جس خوبی نے مجھے تمہارا گرویدہ بنایا ہے وہ یہ تھی کہ تم نے ہرقل کے سامنے پوری جرأت کے ساتھ بات کی اور بالکل صحیح بات کی۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم ہرقل کے قیدی ہو اور ہرقل تمہیں قتل کروا سکتا تھا' تم نے وہی بات کی جو تمہیں کرنی چاہئے تھی۔ کوئی شخص ہرقل کے منہ پر ایسی بات نہیں کر سکتا۔ میں نے مسلمانوں کے کردار کے متعلق جو کچھ سنا تھا وہ تم نے سچ ثابت کر دکھایا"۔

○

شارینا کا حدید پر فریفتہ ہو جانا عجیب بات نہیں تھی۔ حدید خوبرو اور قد آور جوان تھا۔ اُس کی تراشی ہوئی داڑھی اس کے چہرے کی رونق کو دوبالا کرتی تھی۔ اُس کے چہرے پر جلال سا تھا۔ ایسا جلال اُنہی لوگوں کے چہروں پر ہُوا کرتا ہے جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

اب وہ ایسے علاقے میں چلے جا رہے تھے جہاں ایک اور خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خطرہ یہ تھا کہ روم کی فوج کے شکست خوردہ سپاہی ایسی بُری طرح پسپا ہوئے تھے کہ کئی ایک جنگلوں میں جا چھپے تھے۔ یہ سب فردا" فردا" یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بکھرے ہوئے کسی ایسے شہر کی طرف جا رہے تھے جو ابھی تک رومی فوج کے قبضے میں تھا۔ حدید اور شارینا نے دور سے ایسے تین فوجی دیکھے تھے لیکن وہ فوجی انہیں نہیں دیکھ سکے تھے۔ فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔

سورج اُفق پر پہنچ گیا تھا اور اب ان دونوں کو کہیں رک کر رات بسر کرنی تھی۔ کچھ اور آگے گئے تو حدید نے گھوڑا روک لیا اور شارینا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شارینا نے بھی گھوڑا روک لیا۔ حدید نے کان کھڑے کر لئے تھے۔ اس نے شارینا سے کہا کہ اسے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی ہے اور شاید کوئی آدمی باتیں بھی کر رہے ہیں۔

جس طرف سے یہ آوازیں آئی تھیں' حدید اور شارینا نے اُس طرف دیکھا۔ اس طرف چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں تھیں جو اتنی اونچی نہیں تھیں کہ کسی آدمی کو پوری طرح اپنے پیچھے چھپا سکتیں۔ ہری گھاس اونچی تھی اور جنگلی پودے وغیرہ بھی تھے۔ تقریبا" تین سو قدم دور حدید اور شارینا کو تین آدمیوں کے کندھے اور سر نظر آئے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور گھوڑوں کے کان نظر آ رہے تھے۔

سورج ابھی غروب ہو رہا تھا' ابھی اتنی روشنی موجود تھی کہ اتنی دور سے آدمی دیکھے اور پہچانے جا سکتے تھے۔ حدید اور شارینا نے بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے ایک طرف کو موڑ لئے اور قریبی ٹیکری کے پیچھے چلے گئے تاکہ وہ تین آدمی انہیں نہ دیکھ سکیں۔ انہیں توقع یہی تھی کہ ان سواروں نے انہیں نہیں دیکھا۔ وہ ایک بلند ٹیکری کی اوٹ میں ہو گئے تھے اور گھوڑوں کی رفتار ذرا تیز کر لی تھی۔ ان تینوں سواروں کا رخ مغرب کی طرف تھا اور حدید اور شارینا مشرق کی طرف جا رہے تھے' یعنی ان کی سمتیں ایک دوسرے سے اُلٹ تھیں۔ ابھی وہ ایک میل بھی دور نہیں گئے ہوں گے کہ انہیں ایک بڑی ہی خوبصورت جگہ نظر آئی۔ وہاں شفاف پانی کا چشمہ تھا اور یہ پانی چند گز لمبے چوڑے تالاب کی صورت میں اکٹھا ہو گیا تھا اور ایک طرف سے بہہ رہا تھا۔ اردگرد ذرا اونچی ٹیکریاں تھیں جن پر خوشنما درخت اور ہری بھری جھاڑیاں تھیں۔ ٹیکریوں اور پانی کے درمیان کشادہ جگہ تھی جہاں سرسبز گھاس تھی اور یہ جگہ رات گذارنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔

وہ گھوڑوں سے اترے' حدید نے دونوں گھوڑوں سے زینیں اتاریں اور انہیں پانی پینے اور گھاس کھانے کے لئے چھوڑ دیا اور خود ایک طرف بیٹھ گئے اور شارینا نے کھانے کا سامان نکالا۔

○

سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا لیکن چاند نے رات کو تاریک نہ ہونے دیا۔ ہرے

بھرے جنگل کی چاندنی اتنی شفاف تھی کہ سورج کے غروب ہونے کا احساس خاصا کم رہ گیا تھا۔ حدید اور شارینا سونے کی تیاری کرنے لگے۔

"اب بے فکر ہو جاؤ حدید!" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "اب ہمارے پیچھے کوئی نہیں آئے گا۔ آرام اور اطمینان سے سو جاؤ"۔

"میرے پاس تلوار ہے' میں بے فکر ہوں" ـــــ حدید نے کہا ـــــ "کوئی آ بھی گیا تو پورا مقابلہ کروں گا"۔

"وہ تین سوار جو ہم نے دیکھے تھے' ہماری فوج کے تھے" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "اچھا ہُوا انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ اتنی دُور سے میں پہچان تو نہیں سکی' شک ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک کو میں جانتی پہچانتی ہوں۔ وہ اگلے گھوڑے پر سوار تھا اور اُس کا سر جھکا ہُوا تھا"۔

"جو کوئی بھی تھے' دور نکل گئے ہوں گے" ـــــ حدید نے کہا ـــــ "صاف پتہ چلتا تھا کہ کسی میدان جنگ سے بھاگ آئے ہیں اور کسی شہر کو جا رہے ہیں"۔

لیٹنے ہی لگے تھے کہ انہیں دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دونوں نے چونک کر اُس طرف دیکھا۔ وہاں ایک رومی سپاہی کھڑا تھا۔

"کیا تم دوڑتے آئے تھے؟" ـــــ شارینا نے اس سے پوچھا ـــــ "کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

"بھوکا ہوں" ـــــ رومی سپاہی نے بھکاریوں کی طرح کہا ـــــ "مسلمانوں نے ہماری فوج کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ باقی جو لوگ بچ گئے وہ ایسے پسپا ہوئے کہ بکھر کر اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ مسلمان بڑی ظالم قوم ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ عرب کے بدّو ہیں جو صرف لُوٹ مار کرنا جانتے ہیں' ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں لیکن وہ تھوڑے سے مسلمان جب ہمارے مقابلے میں آئے تو ہمیں شک ہونے لگا کہ یہ انسان نہیں جنّات ہیں۔ ہماری اتنی بڑی فوج کو انہوں نے خون میں نہلا دیا۔ میں آگے جا رہا تھا' آپ کو دیکھا تو آپ کے پاس چلا آیا۔ کچھ کھانے کو دے دیں ورنہ بھوک سے مر جاؤں گا"۔

"میدانِ جنگ سے بھاگنے والے بزدلوں کو بھوکا ہی مرنا چاہئے" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "وہیں بیٹھ جاؤ' میں کھانے کو تمہیں کچھ دیتی ہوں"۔

حدید نے کھانے کی ایک دو چیزیں نکالیں اور اُٹھ کر اس رومی سپاہی کو دے دیں جو

وہیں بیٹھ گیا تھا۔ وہ بے تابی اور بے صبری سے کھانے لگا۔

"یہیں مت بیٹھے رہو" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "یہاں سے چلے جاؤ اور کہیں جا کر کھانا"۔

شارینا کا انداز اور لہجہ شہزادیوں والا تھا۔ حدید نے شارینا سے کہا کہ وہ اس طرح رعونت سے بات نہ کرے اور بے چارے کو اطمینان سے کھانا کھانے دے۔ رومی سپاہی وہیں بیٹھا کھانا کھاتا رہا جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

رات کی خاموشی میں ایک گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے جو قریب ہی قریب آتے جا رہے تھے۔ حدید کا ہاتھ فوراً" تلوار کے دستے پر چلا گیا۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی چاندنی اور زیادہ شفّاف ہوتی چلی جا رہی تھی۔ جس طرف سے گھوڑے کے ٹاپ آگے بڑھ رہے تھے' اُس طرف دو چھوٹی ٹیکریوں کے سرے آپس میں ملتے تھے لیکن ان کے درمیان راستہ تھا۔ ایک رومی سپاہی اس راستے پر نمودار ہُوا۔ اُس نے ایک گھوڑے کی باگ پکڑی ہوئی تھی اور گھوڑے پر ایک آدمی سوار تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ رومی سپاہی جو شارینا کا دیا ہُوا کھانا کھا رہا تھا' اُٹھ کھڑا ہُوا اور گھوڑ سوار کی طرف چل پڑا۔ وہ تو جُھکا جُھکا' مریل سا آدمی تھا اور لگتا تھا جیسے وہ واقعی بھوک سے مرا جا رہا ہے لیکن وہ جب اُٹھ کر سوار کی طرف گیا تو اس کی چال میں تیزی بھی تھی اور مستعدی بھی۔

حدید تلوار ہاتھ میں لئے اٹھ کھڑا ہُوا لیکن اس نے آگے کو ایک قدم بھی نہ اٹھایا۔ شارینا بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں رومی سپاہیوں نے مل کر گھوڑ سوار کو گھوڑے سے اٹھایا اور اُسے اُٹھائے اُٹھائے وہاں تک لے آئے جہاں حدید اور شارینا نے سونے کے لئے کمبل بچھائے تھے۔ سپاہیوں نے سوار کو ایک کمبل پر بٹھا دیا۔

"میں یقیناً" خواب نہیں دیکھ رہا شارینا!" ـــــ سوار نے کہا ـــــ "میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں یہ حقیقت ہے۔ حیران اس لئے ہو رہا ہوں کہ ہماری ملاقات کہاں آن کر ہوئی ہے۔ تم نے مجھے نہیں دیکھا تھا' میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا"۔

"ہاں کیلاش!" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "تمہیں اس سے زیادہ حیران ہونا چاہئے جتنا ہو رہے ہو۔ میں نے ایسی توقع یا خواہش دل میں رکھی ہی نہیں تھی کہ تم مجھے راستے میں مل جاؤ گے.... کیا تم زخمی ہو؟"

"ہاں شارینا!" ـــــ اُس نے جواب دیا ـــــ "دونوں ٹانگیں بُری طرح زخمی ہیں۔

شاید ایک ٹانگ کی ہڈی بھی مجروح ہو گئی ہے.... تم یہاں کیسے آن پہنچی ہو؟ اور یہ کون ہے؟"

"تم یقین نہیں کرو گے!" ــــ شارینا نے کہا ــــ "میں کہوں کہ میں تمہاری تلاش میں نکلی ہوں اور تمہارے پیچھے ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہوں تو تم نہیں مانو گے"۔

"میں نہیں مانوں گا" ــــ اُس زخمی نے کہا ــــ "اگر تمہارے ساتھ تین چار یا ایک دو ہی سہی رومی سپاہی ہوتے تو میں مان لیتا لیکن تمہارا یہ ساتھی رومی نہیں' یہ عربی معلوم ہوتا ہے اور یہ تمہارا محافظ لگتا ہی نہیں.... میں تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مجھ سے تو پاؤں پر کھڑا نہیں ہُوا جا رہا۔ تم سچ بولو گی تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا نہ مجھ میں ہمت ہے۔ بہتر ہے سچ بول دو"۔

یہ زخمی خوبرو اور جواں سال آدمی تھا۔ رومی فوج میں افسری عہدے پر تھا اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام کیلاش تھا۔ وہ ایک چھاپہ مار گروہ کا کمانڈر تھا۔ بہت ہی دلیر اور اپنی جان پر کھیل جانے کے لئے ہر وقت تیار۔ اس کے شب خون ہرقل کی فوج میں بہت ہی مشہور تھے۔ وہ چیتے کی طرح اپنے شکار پر جھپٹتا تھا اور پیشتر اس کے کہ اس کا شکار ذرا سنبھلے' وہ اپنا کام کر کے غائب ہو چکا ہوتا تھا۔

شارینا کو یہ خوبرو چھاپہ مار لڑکپن سے ہی اچھا لگتا تھا اور اُس نے کیلاش کو اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس لئے شارینا سے ملنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

شارینا نوجوانی میں داخل ہوئی تو لڑکپن کی پسندیدگی والہانہ محبت میں بدل گئی۔ کیلاش اسے ویسی ہی محبت سمجھتا تھا جیسی اکثر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں ہو جایا کرتی ہے لیکن شارینا کا یہ جذباتی معاملہ اس کی فطرت کا پابند تھا۔ اس نے حدید کو اپنے متعلق سنایا تھا کہ اس کی فطرت میں عسکری جذبہ غالب حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی فطرت کا جو نقشہ حدید کو دکھایا تھا' وہ کیلاش کو بھی دکھایا لیکن کیلاش اس محبت کو صرف جذباتی رنگ دیتا تھا اور اس کی تان اس پر ٹوٹتی تھی کہ وہ شارینا کے ساتھ شادی کرے گا۔
شارینا نے اسے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس روز وہ مسلمانوں کے کسی لشکر کو شکست دے کر آئے گا اُس روز وہ اُس کے ساتھ شادی کرے گی۔
کیلاش کی بہادری اور بے جگری کو تو وہ بڑی اچھی طرح جانتی تھی اور یہی وہ وصف

تھا جس نے اسے کیلاش کی محبت میں گرفتار کر لیا تھا لیکن اس محبت کا کیلاش پر یہ اثر ہُوا کہ اُس نے جنگ پر جانے سے گریز شروع کر دیا اور کسی نہ کسی بہانے پیچھے ہی رہنے کی کوشش کی۔ شارینا کو اس کی یہ عادت اچھی نہ لگی۔ وہ تو اُسے کہا کرتی تھی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو اور میں بھی مردوں کی طرح لڑوں گی۔ کیلاش کو شارینا کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ وہ ایک خوشبودار پھول ہے جسے وہ پھول کی صورت میں دیکھنا اور سونگھنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ جب وہ میدانِ جنگ سے واپس آئے تو شارینا اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا کرے۔
شارینا پر اس کا اثر یہ ہُوا کہ اس نے کیلاش کی جو تصویر اپنے ذہن میں بنائی تھی' اسے کیلاش نے بدنما اور داغدار کر دیا۔ شارینا نے اسے یہ تو نہ کہا کہ وہ جس کیلاش سے محبت کرتی تھی وہ کیلاش محض ایک تصوّر تھا اور شارینا تصوّر پرست لڑکی نہیں بننا چاہتی۔
پھر یوں ہُوا کہ خالدؓ بن ولید' ابوعبیدہؓ' شرجیلؓ بن حسنہ اور دوسرے نامور سالاروں کی قیادت میں مجاہدینِ اسلام کا لشکر قیصرِ روم کے خلاف طوفان کی طرح بڑھا تو کیلاش کو حکم ملا کہ وہ اپنا چھاپہ مار گروہ لے کر آگے چلا جائے اور مسلمانوں کی خیمہ گاہوں پر شب خون مارے۔

یہ جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی اور ہر محاذ پر فتح مسلمانوں کی ہوتی تھی اور قیصرِ روم کی فوجیں پیچھے ہی پیچھے ہٹتی آ رہی تھیں۔ شارینا کے خیالوں میں وہ انقلاب آنے لگا تھا جو وہ بڑی تفصیل سے حدید کو سنا چکی تھی۔ کیلاش اس کے دل سے اُتر گیا۔ اُس رات کیلاش بستیوں اور چھوٹی بڑی آبادیوں سے دور اس جنگل میں شارینا کے راستے میں آ گیا اور ایسی حالت میں آیا کہ اس کی دونوں ٹانگیں بہت ہی بُری طرح زخمی تھیں اور ان زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اسے توقع تھی کہ شارینا کے دل میں اس کی محبت اگر پہلے سے بڑھی نہیں تو کم بھی نہیں ہوئی ہو گی لیکن وہ شارینا کو اس جنگل میں ایک مسلمان کے ساتھ دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اُس کا چہرہ دل سے اُٹھنے والے قہر اور عتاب سے سرخ ہو گیا تھا۔
"مجھے زیادہ حیرت اور پریشانی میں نہ رکھو شارینا!" ــــ کیلاش نے کہا ــــ "اب بتا دو کہ یہ کون ہے اور تم اس کے ساتھ کہاں جا رہی ہو؟ اگر یہ تمہیں زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہا ہوتا تو تم ہم تینوں کو دیکھ کر خوش ہوتیں اور دوڑ کر ہماری پناہ میں آ جاتیں"۔

"یہ مجھے نہیں لے جا رہا کیلاش!" —— شارینا نے بڑی پختہ آواز میں کہا —— "میں اسے لے جا رہی ہوں اور تمہاری دنیا سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو رہی ہوں۔ مجھے بھول جاؤ کیلاش! ہمارے راستے جدا ہو گئے ہیں"۔

"تمہیں لڑکیاں پاگل کہا کرتی ہیں" —— کیلاش نے کہا —— "وہ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ تمہیں یہاں دیکھ کر بھی مجھے یقین نہیں آتا کہ تم ایک مسلمان کے ساتھ بھاگی جا رہی ہو۔ تم نے شاہی خاندان کی عزت خاک میں ملا دی ہے"۔

"کیا تمہارے شاہی خاندان کی کوئی عزت رہ گئی ہے؟" —— حدید نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور اسے بولنے کی مہلت دیئے بغیر کہا —— "دوسروں کی عزت کے ساتھ کھیلنے والوں کا یہی انجام ہُوا کرتا ہے۔ جس انجام کو تمہارا شاہی خاندان پہنچ گیا ہے"۔

"ان بادشاہوں کی بیویاں گن لو" —— شارینا بول پڑی —— "ان کی داشتائیں گن لو۔ نہیں گن سکو گے۔ شاہی خاندان کے آدمی جہاں کہیں کوئی خوبصورت لڑکی دیکھتے ہیں، حکم دے دیتے ہیں کہ اسے محل میں پہنچا دو۔ فوراً" ان کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ ماں باپ اور بھائی بہنوں سے کمسن لڑکیاں چھین جھپٹ کر اپنے ساتھ لے آتے ہیں۔ جو علاقہ فتح کرتے ہیں وہاں ان کی فوج لڑکیوں پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ میری ماں کو قافلے سے اغوا کیا گیا اور روم کے بادشاہ فوکاس کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔ بادشاہ کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ اُن والدین کی فریاد سنیں جن کی بیٹیاں اغوا ہو جاتی ہیں اور ان بیٹیوں کو ڈھونڈ نکالنے کا حکم دے لیکن یہاں بادشاہ قزاقوں سے بدتر ہے.... یہی وہ وجوہات ہیں جنہوں نے میرے دل میں اس شاہی خاندان کی نفرت پیدا کی ہے"۔

"کیلاش بھائی!" —— حدید نے کہا —— "آج تمہاری ایک لڑکی جا رہی ہے اور تم کہتے ہو کہ شاہی خاندان کی بے عزتی ہو گئی ہے۔ میں اس لڑکی کو زبردستی نہیں لے جا رہا۔ یہ میری یا کسی اور کی داشتہ نہیں بنے گی نہ اسے تفریح طبع کا ذریعہ بنایا جائے گا۔ اگر میں اس کے ساتھ شادی کرنا چاہوں گا تو سپہ سالار کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکوں گا۔ ایسا بھی نہیں ہو گا کہ یہ سپہ سالار کو اچھی لگی تو وہ اس پر قبضہ کر لے گا۔ اسے ہمارے ہاں اتنی ہی عزت ملے گی اور اتنا ہی وقار ملے گا جتنا ہمارے خلیفہ کے گھر کی مستورات کو اور سپہ سالاروں کی بہو بیٹیوں کو ملتا ہے۔ عزت اور وقار دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔ وہاں تمہارا علاج ہو گا اور تم نے اگر اسلام قبول کر لیا تو تمہاری عسکری قابلیت کے مطابق

تمہیں عہدہ ملے گا"۔

"تم خوش قسمت ہو کہ میں زخمی ہوں" —— کیلاش نے کہا —— "میں زخمی نہ ہوتا تو تمہیں اس سے زیادہ بولنے کی مہلت نہ دیتا جتنا تم بول چکے ہو"۔

حدید کی مسکراہٹ کچھ اور زیادہ کِھل اُٹھی اور اس نے کچھ بھی نہ کہا۔ کیلاش کے ساتھ جو دو سپاہی تھے، وہ اُس کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ شاید کیلاش کے حکم کے منتظر تھے۔ وہ اس گفتگو میں دخل نہیں دے رہے تھے۔ کیلاش ایک تو افسر تھا اور دوسرے شاہی خاندان کا آدمی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دونوں سپاہیوں کو بولنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی.... کیلاش یہاں تک اس طرح پہنچا تھا کہ جب وہ اور اس کے دونوں سپاہی حدید اور شارینا کو دور گھوڑوں پر سوار نظر آئے تھے تو ان دونوں نے ان تینوں کو دیکھ لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کیلاش اور اس کے سپاہیوں نے انہیں نہیں دیکھا لیکن انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ کیلاش کو کچھ شک ہُوا تھا کہ یہ شارینا ہے یا جو کوئی بھی ہے اس کی شکل و صورت شارینا سے ملتی جلتی ہے۔ اگر یہ شارینا نہیں تھی تو آخر ایک خوبصورت لڑکی تو تھی اور اس کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا جبکہ کیلاش کے ساتھ دو سپاہی تھے۔ اس نے لڑکی کو پکڑنے کے لئے اپنے گھوڑے کا رُخ اِدھر کو کر لیا تھا۔

حدید اور شارینا ایک بڑی لمبی ٹیکری کی اوٹ میں اپنے سفر کو جا رہے تھے۔ کیلاش کے گھوڑ سوار سپاہی انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ کیلاش نے انہیں روک کر کہا کہ گھوڑوں سے اتریں، گھوڑے پیچھے رہنے دیں اور پا پیادہ، دبے پاؤں انہیں تلاش کریں۔ کیلاش کہیں پیچھے رک گیا تھا۔ حدید اور شارینا نے چشمہ دیکھا اور وہ جگہ انہیں اچھی لگی اور وہیں رک گئے۔

رات تاریک ہو چکی تھی اور پورا چاند اُبھر آیا تھا۔ آخر وہ دونوں سپاہیوں کو نظر آ گئے۔ دونوں اکٹھے آگے آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ کیلاش کو اطلاع دینے جا رہا ہے۔ وہ وہاں سے دوڑ پڑا اور یہ تھی قدموں کی وہ آہٹ جو حدید اور شارینا نے سنی تھی اور اُدھر دیکھا تو ایک سپاہی کھڑا تھا۔ شارینا نے اُس سے پوچھا تھا کہ وہ دوڑتا آیا ہے؟ اس سپاہی نے یہ فریب کاری کی کہ وہ بھوکا بھکاری بن گیا اور روٹی کی بھیک مانگنے لگا۔ شارینا نے اس پر کچھ غصہ جھاڑا تھا لیکن اسے واقعی بھوکا اور مجبور دیکھ کر کھانے کو کچھ دے دیا تھا۔ اتنے میں اس کا ساتھی کیلاش تک پہنچ گیا تھا اور وہ کیلاش کو اور اپنے اور

ساتھی کے گھوڑوں کو ساتھ لے آیا۔ کیلاش نے جب شاریتا کو قریب سے دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ تو تھی ہی شاریتا اور اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ شاہی خاندان کی ایک لڑکی جنگل میں ایک اجنبی کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔

کیلاش نے شاریتا کے ساتھ اور بھی بہت سی باتیں کیں لیکن شاریتا پر کچھ اثر نہ ہُوا۔ اُس نے مسلمانوں پر لعن طعن کی اور اسلام کی بھی توہین کرڈالی۔ شاریتا کو یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی کہ یہ مسلمان ڈاکو اور لٹیرے ہیں اور ان کا نہ کوئی خدا ہے نہ مذہب!

"میں خوش قسمت نہیں کہ تم زخمی ہو" — حدید نے کہا — "تم خوش قسمت ہو کہ معذور ہو اور پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ہم زخمی پر' عورت پر' بچے اور بوڑھے پر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے۔ تم نے میری بے عزتی کی ہے' میرے مذہب کی توہین کی ہے لیکن میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ اس اسلام کا حکم ہے جسے تم اچھا نہیں سمجھ رہے بلکہ کہتے ہو کہ یہ تو کوئی مذہب ہی نہیں"۔

"شاریتا!" — کیلاش نے کہا — "اگر تم بُرا نہ جانو تو میں اپنے ان سپاہیوں کے ساتھ رات یہیں گذار لوں"۔

"میں بُرا کیوں جانوں گی؟" — شاریتا نے کہا — "جہاں جی چاہتا ہے وہاں لیٹ جاؤ"۔

"اور ہمارے پاس کھانے کا سامان ہے" — حدید نے کیلاش سے کہا — "لے لو اور کھالو۔ کوئی اور ضرورت یا تکلیف ہو تو مجھے بتانا"۔

"مجھے کچھ نہیں چاہئے" — کیلاش نے کہا اور شاریتا سے مخاطب ہُوا — "شاریتا! تم مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی ہو۔ میری صرف یہ بات مان لو کہ تھوڑی سی دیر کے لئے الگ میرے پاس بیٹھنا"۔

"بیٹھ جاؤں گی" — شاریتا نے کہا — "لیکن ایک بات میری بھی مان لو' مجھ سے دُور جا کر لیٹنا"۔

کیلاش نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ یہاں سے تھوڑی دُور ٹیکری کے قریب اُس کا بستر بچھا دیں۔ سپاہی دوڑے گئے' گھوڑوں سے سفری بستر کھول لائے اور کچھ دُور زمین پر بچھا دیا۔ دونوں نے کیلاش کو اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ کیلاش کے کہنے پر سپاہیوں نے

اپنے سونے کا انتظام اس سے کچھ دُور کیا۔

شاریتا کیلاش کے بستر پر جا بیٹھی اور اُس سے پوچھا کہ وہ اور کیا بات کہنا چاہتا ہے۔ کیلاش اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ واپس چلی چلے۔ شاریتا اُسے اپنا فیصلہ سنا چکی تھی کہ وہ واپس جانے کے لئے نہیں جا رہی۔ کیلاش منت سماجت پر اُتر آیا اور پھر اسے مسلمانوں سے ڈرایا لیکن شاریتا پر کچھ اثر نہ ہُوا۔ آخر شاریتا اسے مایوس چھوڑ کر واپس حدید کے پاس جا پہنچی اور اس کے ساتھ بچھے ہوئے کمبل پر لیٹ گئی۔ وہ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے' بڑی جلدی سو گئے۔

آدھی رات گزر گئی تھی جب قریب کے ایک درخت پر بیٹھا ہُوا ایک پرندہ بڑی زور سے پھڑپھڑایا۔ شارینا کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے قریب سُوئے حدید کے ہلکے ہلکے خراٹے بتا رہے تھے کہ وہ بہت گہری نیند سویا ہُوا ہے۔ شارینا نے ویسے ہی لیٹے لیٹے دیکھا جہاں کیلاش نے بستر بچھایا تھا۔ اُن تینوں کو سویا ہُوا ہونا چاہئے تھا لیکن کیلاش بیٹھا ہُوا تھا اور ایک سپاہی اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں بیٹھا تھا اور کیلاش سرگوشیوں میں ان کے ساتھ کوئی بات کر رہا تھا۔

شارینا کو ایک خیال تو یہ آیا کہ وہ کیلاش کو جا کر دیکھے اور اُس سے پوچھے کہ وہ ابھی تک کیوں جاگ رہا ہے۔ کیا زخم اسے سونے نہیں دے رہے یا وہ درد محسوس کر رہا ہے؟ .... اُس نے کچھ دیر سوچا اور ذرا سی دیر اس کے دل میں رحم کی لہر اٹھی۔ زخموں کے معاملے میں وہ کیلاش کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی لیکن اسے خیال آیا کہ کیلاش کے پاس جا بیٹھے اور اُس کا دھیان اپنی باتوں کی طرف کر کے اُس کے ذہن سے زخموں کا خیال نکال دے۔ وہ اُٹھنے ہی لگی تھی کہ اُس کے دماغ میں ایک روشنی سی چمکی اور ایک شک اُبھرا۔ شک کیلاش کی نیّت پر تھا۔ وہ یہ کہ کیلاش سپاہیوں سے کہہ رہا ہو گا کہ ایسے طریقے سے شارینا کو اٹھا لائیں کہ حدید کو پتہ نہ چل سکے۔ مطلب یہ کہ کیلاش اسے زبردستی اپنے ساتھ لے جانے کی سازش کر رہا ہو گا۔

شارینا کی نیند اُڑ گئی۔ وہ لیٹی رہی اور انہیں دیکھتی رہی۔ کیلاش سرگوشیوں میں انہیں کچھ کہہ رہا تھا اور دونوں سپاہی بار بار شارینا اور حدید کی طرف دیکھتے تھے۔ شارینا کا شک پختہ ہوتا چلا گیا۔

آخر دونوں سپاہی اٹھے اور شارینا اور حدید کی طرف آنے کی بجائے دوسری طرف چلے گئے۔ شارینا کچھ حیران ہونے لگی کہ یہ دونوں اُس طرف کیوں جا رہے ہیں۔ اُس نے یہ دیکھ لیا کہ دونوں کی تلواریں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ دونوں ساتھ والی چھوٹی سے ٹیکری کی اوٹ میں ہو گئے۔ کیلاش لیٹ گیا۔ شارینا کچھ اور چوکس ہو گئی۔ اسے کچھ اطمینان ہونے لگا کہ دونوں سپاہی کسی اور مقصد کے لئے اُس طرف چلے گئے ہیں لیکن یہ خیال بھی آیا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کے لئے گئے ہوں گے۔ آدھی رات کے وقت اس جنگل میں ان کا اور کام ہی کیا ہو سکتا تھا۔

اُس وقت تک شارینا ایک پہلو پر لیٹی اُدھر دیکھتی رہی تھی۔ اب اُس نے کروٹ بدلنے کی ضرورت محسوس کی اور پیٹھ کے بل ہو گئی۔ اس وقت چاند آگے نکل گیا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔

شارینا نے محسوس کیا کہ اُس پر کوئی سایہ پڑ رہا ہے، جو پہلے نہیں تھا۔ یہ دو سائے تھے جن میں سے ایک اُس کے جسم پر اور دوسرا حدید کے جسم پر آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ شارینا نے اپنا دماغ حاضر رکھا اور فوراً" پیچھے نہ دیکھا۔ وہ جان گئی کہ دونوں سپاہی ان کے سروں کی طرف سے دبے پاؤں ان کی طرف آہستہ آہستہ آ رہے ہیں۔

وہ دونوں عقل کے کورے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے چاند کو نظرانداز کر دیا تھا جو اُن کی پیٹھ کی طرف تھا۔ انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ ابھی دور ہی تھے کہ ان کے سائے شارینا اور حدید پر پڑنے لگے تھے۔

شارینا پیٹھ کے بل پڑی رہی اور اُس نے کروٹ نہ بدلی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ڈری تو یقیناً" ہو گی لیکن زیادہ ڈر یہ تھا کہ وہ حدید پر وار نہ کر جائیں۔ اسے اپنا نہیں حدید کا زیادہ خیال تھا۔ شارینا کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

حدید اور شارینا کے درمیان دو تین قدموں کا فاصلہ تھا۔ ایک سپاہی ان دونوں کے درمیان آن کھڑا ہُوا' شارینا کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا اور اپنا چہرہ شارینا کے چہرے کے قریب لے گیا۔ شارینا نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اب وہ اس طرح آواز پیدا کر کے سانس لینے لگی جیسے گہری نیند سوئی ہوئی ہو۔

یہ سپاہی اٹھا۔ شارینا نے کنکھیوں دیکھا۔ دوسرا سپاہی حدید کے دوسرے پہلو کی طرف کھڑا تھا۔ شارینا نے دیکھا کہ دونوں نے تلواریں ہاتھوں میں لے رکھی تھیں۔

رات اتنی خاموش تھی کہ اپنے سانسوں کی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ اسے ایک سپاہی کی سرگوشی سنائی دی —— "دیر نہ کر"۔

اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ دونوں سپاہی حدید کے پہلوؤں کے ساتھ لگے کھڑے تھے اور ان کے منہ ایک دوسرے کی طرف تھے۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ حدید کو قتل کرنے آئے تھے۔ کوئی وقت نہیں تھا۔

تلوار حدید کے پاس تھی جو اُس کے پہلو کے ساتھ رکھی تھی۔ شارینا کے پاس خنجر تھا جو اُس نے اپنے کپڑوں کے نیچے اُڑس رکھا تھا۔ سپاہی جو حدید اور شارینا کے درمیان کھڑا تھا' وہ جھکا۔ شارینا نے دیکھا کہ وہ حدید کی تلوار اٹھا رہا تھا۔

شارینا آہستہ آہستہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے کپڑوں کے اندر لے گئی۔ دوسرا سپاہی جو حدید کے پہلو کے ساتھ کھڑا تھا' وہ شارینا کی اس حرکت کو نہ دیکھ سکا کیونکہ اس کے سامنے اس کا ساتھی کھڑا تھا۔ جونہی یہ سپاہی حدید کی تلوار اٹھانے کے لئے جھکا' شارینا بڑی ہی تیزی سے اٹھی' خنجر نکالا اور جھکے ہوئے سپاہی کی پیٹھ میں اُس جگہ پوری طاقت سے اتار دیا جہاں دل ہوتا ہے۔ اس سپاہی نے سیدھا ہونے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے کہ وہ پیچھے کو دیکھتا' شارینا نے ایسا ہی ایک اور بھرپور وار اس کی پیٹھ پر کیا۔

حدید کی آنکھ ابھی تک نہیں کھلی تھی۔ سامنے والے سپاہی نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے ساتھی کی پیٹھ میں دوبار خنجر اُتر گیا ہے۔ وہ اتنی جلدی فیصلہ نہ کر سکا کہ شارینا پر تلوار کا وار کرے یا حدید کو پہلے قتل کر دے۔ شارینا کا دماغ زیادہ تیز تھا۔ جس سپاہی کو اس نے خنجر مارے تھے' وہ ذرا سا سیدھا ہُوا اور ایک طرف کو گرنے لگا لیکن گرنے سے پہلے ہی شارینا نے اس کے پیچھے اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے اسے آگے کو دھکیلا۔ سپاہی سامنے والے سپاہی کے ساتھ ٹکرایا اور حدید کے اوپر گرا۔

حدید ہڑبڑا کر اٹھا۔ زخمی سپاہی کی تلوار گر پڑی تھی۔ شارینا نے وہ تلوار اٹھالی اور حدید کے اٹھنے سے پہلے آگے کو جست لگائی اور تلوار کا بھرپور وار سپاہی کی گردن پر کیا اور اس کی آدھی گردن کاٹ ڈالی۔ اتنے میں حدید پوری طرح بیدار ہو کر اُٹھ کھڑا ہُوا تھا۔ اسے تو کچھ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ شارینا نے جس سپاہی کی گردن کاٹ دی تھی' وہ ابھی گرا نہیں تھا۔ شارینا نے تلوار برچھی کی طرح ماری اور اس سپاہی کے پیٹ میں اتار دی اور پھر زور سے پیچھے کو کھینچی۔ دونوں سپاہی مر گئے۔

حدید نے شارینا سے پوچھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔

"میرے ساتھ آؤ" —— شارینا نے کیلاش کی طرف چلتے ہوئے کہا —— "اس سے پوچھتے ہیں"۔

یہ ساری واردات جیسے آنکھ جھپکتے ہو گئی ہو۔ شارینا اور حدید کیلاش کی طرف چل پڑے۔ کیلاش لیٹ گیا تھا لیکن اب بیٹھا ہُوا تھا۔ اُس سے کھڑا تو ہُوا ہی نہیں جاتا تھا۔

"بدطینت انسان!" —— شارینا نے کیلاش کے پہلو میں تلوار کی نوک چبھوتے ہوئے کہا —— "کیا تُو مجھے اس طرح اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا؟"

کیلاش منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے شارینا کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ جان گیا تھا کہ شارینا اب وہ لڑکی نہیں جس کے ساتھ اُس نے محبت کی تھی بلکہ یہ لڑکی اب اُس کے لئے سراپا موت بن گئی تھی۔

"سچ بول' شاید مَیں تجھے معاف کر دوں!" —— حدید نے کہا —— "کیا تُو نے مجھے قتل کروانا تھا یا ہم دونوں کو؟.... تیرا ارادہ کیا تھا؟"

"سچّی بات بتا دے!" —— شارینا نے اب اُس کے سینے میں تلوار کی نوک چبھوئی۔

"مجھے بخش دو شارینا!" —— کیلاش نے روتی ہوئی آواز سے کہا —— "میں نے تم سے محبت کی ہے اور تم کہیں بھی چلی جاؤ گی' میرے دل سے اپنی محبت نہیں نکال سکو گی"۔

"میرے اس ساتھی سے بات کرو جس نے تجھ سے کچھ پوچھا ہے" —— شارینا نے ایک بار پھر تلوار کی نوک اس کے سینے میں چبھو کر کہا —— "اس کے سوال کا صحیح جواب دے۔ ابھی تیرے جسم سے جان نکل جائے گی تو تیرے مُردہ دل سے میری محبت بھی غائب ہو جائے گی.... فوراً بول' تیرا ارادہ کیا تھا"۔

"حدید!" —— شارینا نے کہا —— "اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اس نے تمہیں قتل کروانا چاہا تھا' بُری طرح ناکام رہا۔ تمہارا حق ہے کہ اسے ختم کر دو"۔

"میں تم دونوں سے التجا کرتا ہوں" —— کیلاش نے بھکاریوں کے لہجے میں کہا —— "مجھے قتل کرنے کا گناہ اپنے سر کیوں لیتے ہو!..... میں تو مر ہی رہا ہوں۔ مجھے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دو۔ زندگی ہوئی تو منزل پر پہنچ جاؤں گا جو مجھے ممکن نظر نہیں آتا۔ ہو گا یہی کہ بھوکا پیاسا گھوڑے کی پیٹھ پر ہی مر جاؤں گا۔ نہ میں گھوڑے سے اتر سکتا ہوں نہ

چل سکتا ہوں اور اُتر جاؤں بھی تو کسی کی مدد یا سہارے کے بغیر گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا"۔

"حدید!" ــــ شارینا نے جھنجلا کر کہا ــــ "تم سوچ کیا رہے ہو؟ اسے تو میں ہی قتل کر دوں لیکن یہ تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہے اس لئے تم ہی اسے قتل کرو"۔

"میری ایک بات شاید تمہیں اچھی نہ لگے شارینا!" ــــ حدید نے اپنی مخصوص مسکراہٹ سے کہا ــــ "جو مجھے قتل کرنے آئے تھے انہیں تم نے قتل کر دیا ہے۔ میرا مذہب اس معذور شخص پر ہاتھ اٹھانے سے منع کرتا ہے جو اپنے آپ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا اور صرف معذوری کی وجہ سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس تمام تر خطے میں میری اور اس کی فوجیں آپس میں لڑ رہی ہیں اس لئے یہ تمام علاقہ میدانِ جنگ ہے۔ اگر یہ شخص مجھ سے لڑ رہا ہوتا اور میں اس کا مقابلہ کر رہا ہوتا تو میں قتل ہو جاتا یا اسے نہ چھوڑتا لیکن یہاں معاملہ ذاتی ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے تمہاری خاطر قتل کرنا چاہا تھا۔ میں کسی اور مقصد کے لئے ایک عقیدہ دل میں بسائے اس میدانِ جنگ میں آیا تھا۔ اس مقصد اور اس عقیدے کے سامنے اس جیسے معذور آدمی کا قتل گناہِ کبیرا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ آؤ باقی رات کچھ اور آرام کر لیں، صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"۔

شارینا نے کچھ کہا تو نہیں لیکن اس کا چہرہ بتاتا تھا کہ اُسے حدید کا یہ فیصلہ منظور نہیں۔ اس نے حدید کو گھور کر دیکھا۔

"اسے گھوڑے پر بٹھا دیتے ہیں" ــــ شارینا نے کہا ــــ "تم جاؤ، اس کے گھوڑے پر زین ڈال کر گھوڑا یہاں لے آؤ"۔

کیلاش نے شارینا کا شکریہ ادا کیا اور بھکاریوں کی طرح دعائیں بھی دیں۔ گھوڑے کچھ دور ایک درخت کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ یہ تین گھوڑے کیلاش اور اس کے دونوں سپاہیوں کے تھے۔ حدید جا کر ایک گھوڑے پر زین ڈالنے لگا اور پھر اُس نے زین اچھی طرح کس کر باندھ دی اور گھوڑے کو کیلاش کے پاس لے آیا۔

اُس نے کیلاش کو دیکھا، وہ اب بیٹھا ہوا نہیں بلکہ ایک پہلو پر لیٹا ہوا تھا۔ شفاف چاندنی میں حدید کو کیلاش کا خون بہتا نظر آیا۔ تب اس نے دیکھا کہ کیلاش کا سر جسم سے کچھ الگ پڑا تھا لیکن گردن پوری طرح کٹی نہیں تھی۔ حدید نے شارینا کی طرف دیکھا۔

"کیا اس لئے مجھے یہاں سے چلتا کیا تھا؟" ــــ حدید نے شارینا سے پوچھا۔

"اصول اور عقیدے وہاں چلا کرتے ہیں جہاں سامنا غیرت والے اور کردار والے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے" ــــ شارینا نے کہا ــــ "تم اپنے مذہب کے پابند ہو، مجھ پر کوئی پابندی نہیں۔ میں نے اس کی گردن کاٹ دی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ نیکی ہے کہ اسے قتل کر دیا ہے۔ اگر ہم اس کی بات مان لیتے اور اسے گھوڑے پر بٹھا دیتے تو یہ بھوک اور پیاس سے بڑی ہی آہستہ اور اذیّت ناک موت مرتا۔ اس کی سزا یہی ہونی چاہئے تھی"۔

"پھر اسے مارا کیوں؟" ــــ حدید نے پوچھا۔

"تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکے حدید!" ــــ شارینا نے کہا ــــ "اگر ہم اسے یہیں زندہ چھوڑ جاتے یا اسے گھوڑے پر بٹھا کر رخصت کر دیتے تو یہ شخص ہمارے لئے بہت بڑا خطرہ بن جاتا۔ اسے لڑائی سے بھاگے ہوئے اپنے جیسے رومی فوجی مل سکتے تھے۔ یہ پہلا کام یہ کرتا کہ انہیں ہمارے پیچھے ڈال دیتا۔ اسے قتل کر دینا ہی ٹھیک تھا"۔

دونوں اُس جگہ گئے جہاں رومی سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ انہوں نے وہ کمبل اٹھائے جن پر وہ سوئے تھے۔ کچھ پرے جا کر کمبل بچھا کر لیٹے اور سو گئے۔

صبح ابھی دھندلی تھی جب دونوں جاگ اٹھے اور کچھ کھا پی کر انہوں نے کیلاش اور اس کے سپاہیوں کے گھوڑے بھی اپنے گھوڑوں کے پیچھے باندھ لئے اور چل پڑے۔



ادھر رُہاء میں ہرقل کے شاہی خاندان کے اتنے زیادہ افراد میں صرف ایک عورت تھی جو شارینا کے لئے پریشان تھی۔ وہ تھی اُس کی ماں۔ وہ روتی اور آہیں بھرتی تھی۔ اسے اتنا یقین ضرور تھا کہ شارینا اغوا نہیں ہوئی اور قتل بھی نہیں ہوئی۔ وہ اپنی بیٹی کے خیالات اور جذبات کو سمجھتی تھی۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی کہ شارینا کو یہ مسلمان قیدی اچھا لگا ہو گا اور اسے رہا کروا کے اس کے ساتھ چلی گئی ہے لیکن شارینا زندہ بھی تھی تو ماں کو تو نہیں مل سکتی تھی۔

ہرقل شارینا کا اگر باپ نہیں تھا تو اس کی ماں کا خاوند تو تھا لیکن اس نے ایسی بے رخی کا مظاہرہ کیا تھا جیسے شارینا کے ساتھ اس کا کسی بھی قسم کا تعلق نہ تھا۔ ویسے بھی شارینا کی ماں ہرقل کے کام کی نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی نوجوانی اور جوانی ہرقل پر قربان کر

چکی تھی۔
اُس وقت شارینا ہرقل کے دل یا ذہن میں داخل ہو نہیں سکتی تھی کیونکہ ہرقل کے اعصاب پر اور سوچوں پر شکست غالب آ گئی تھی اور وہ سوچ سوچ کر تھک گیا تھا کہ شکست کو اسی مرحلے پر کس طرح روک لے اور پھر شکست کو فتح میں کس طرح تبدیل کرے۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

شارینا کی ماں جب اس کی گمشدگی کی اطلاع ہرقل کو دینے گئی تھی تو ہرقل نے اسے ٹالنے کے لئے بے رخی کی تھی۔ اس نے کچھ اس طرح کے الفاظ کہے تھے کہ جانے والوں کا مجھے غم نہیں' میں آنے والوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ شارینا کی ماں یہ الفاظ سن کر ہرقل کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ کون تھے جن کے متعلق ہرقل نے کہا تھا کہ وہ آنے والوں کا انتظار کر رہا ہے؟

اس سوال کا جواب تاریخ میں موجود اور محفوظ ہے۔ مؤرخوں نے ہرقل کی اُس وقت کی بے تابیاں اور خیالوں کی قلابازیاں قلمبند کر لی تھیں اور کچھ سینہ بہ سینہ آج کے دور تک پہنچیں.... یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہرقل کی اتنی کثیر فوج ہر میدان میں قلیل تعداد مجاہدین اسلام سے شکست کھاتی پسپا ہی ہوتی چلی جا رہی تھی حتیٰ کہ پورا ملک شام خالی کر گئی اور بحیرۂ روم کے کناروں تک جا پہنچی۔ کچھ بڑے قلعہ بند شہر ابھی رومیوں کے پاس تھے۔ ان میں قابلِ ذکر انطاکیہ' حلب' مرعش' بیروت ہیں۔ چند اور مقامات بھی تھے جو ابھی رومیوں کے ہاتھ میں تھے۔

ہرقل نے اپنی فوج ان مقامات پر تقسیم کر دی اور حکم یہ دیا کہ اب فوج اکٹھی نہیں بلکہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں لڑے گی۔ اس کی چال جیسا کہ پہلے سنایا گیا ہے' یہ تھی کہ اس کے مطابق مسلمانوں کا لشکر بھی بٹ جائے گا اور جو پہلے ہی قلیل تعداد میں ہے' اور زیادہ قلیل ہو جائے گا۔

اب وہ خود رہاء میں جا پہنچا تھا اور اُس کا منصوبہ یہ تھا کہ اس ساری فوج کو ایک مقام پر اکٹھا کر لے اور پھر مسلمانوں کے لشکر کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر حملہ کرے۔ چال تو بڑی اچھی تھی لیکن اپنی فوج کو اکٹھا کرنا اُس کے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ اُس نے ان تمام مقامات پر پیغام بھیج دیا تھا کہ فوج رُہاء میں آ کر اکٹھی ہو جائے۔

ابھی تک کوئی قاصد واپس نہیں آیا تھا۔ یہ تھے وہ لوگ جن کے متعلق اُس نے کہا

تھا کہ وہ آنے والوں کے انتظار میں ہے۔

اُس نے چال تو بڑی اچھی سوچی تھی لیکن وہ بھول گیا تھا کہ مجاہدینِ اسلام کے سپہ سالار اور دیگر سالار بھی کچھ عقل رکھتے ہیں۔ اسے ابھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ عرب کے سپہ سالاروں نے اس کی یہ چال پہلے ہی بیکار کر دی ہے۔ وہ اس طرح کہ ہرقل نے اپنی فوج کو جن مقامات پر بکھیر دیا تھا' مجاہدینِ اسلام کے سپہ سالار نے اپنے لشکر کو اسی کے مطابق تقسیم کر کے ان مقامات کی طرف بھیج دیا تھا۔

ہرقل کی یہ چال یہاں تک تو کامیاب تھی کہ مسلمانوں کا لشکر اس کی سوچ کے مطابق بکھر گیا تھا لیکن اسے ابھی یہ بتانے والا کوئی نہ تھا کہ مسلمانوں کے بکھرے ہوئے لشکر نے رومی فوج کو ان مقامات پر روک لیا ہے جہاں ہرقل نے اُس کے ٹکڑے کر کے بھیجا تھا۔ ہر مقام پر مسلمانوں نے رومی فوج کے راستے مسدود کر دیئے۔

ان مقامات میں سب سے بڑا مقام انطاکیہ تھا۔ ہرقل کو اپنے اس قلعہ بند شہر پر بڑا ہی ناز تھا۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس کا محلِ وقوع ہی ایسا تھا کہ اس کے مزید دفاع کی ضرورت ہی نہیں رہتی تھی۔ پھر بھی اس شہر کے چاروں طرف چوڑی اور انتہائی مضبوط اور بلند دیواریں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ان دیواروں کی بلندی دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی تھی۔ وہ پہاڑی علاقہ تھا اور شہر ایسی جگہ آباد کیا گیا تھا کہ چاروں طرف پہاڑ تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس شہر کو پہاڑیوں نے آغوش میں لے رکھا ہے۔ شہر تک پہنچنے کے لئے اس پہاڑی علاقے کی بھول بھلیوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ مختصر یہ کہ انطاکیہ شام کا انتہا درجے کا مستحکم اور ناقابلِ تسخیر شہر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہرقل کے جو فوجی دستے مجاہدین اسلام کے نعروں اور تلواروں سے بچ نکلتے تھے وہ انطاکیہ کا رخ کر لیتے تھے۔ انطاکیہ کو ہی وہ ایسی پناہ گاہ سمجھتے تھے جس کے متعلق انہیں پورا یقین تھا کہ اسے مسلمان کسی طور فتح نہیں کر سکیں گے۔

اس طرح انطاکیہ میں اُس تعداد سے کہیں زیادہ فوج اکٹھی ہو گئی تھی جو عام حالات میں وہاں رکھی جاتی۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار ابُوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کے دستِ راست خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے.... ہم داستان تو کچھ اور سنا رہے ہیں لیکن تاریخِ اسلام کے عظیم سپہ سالار خالدؓ بن ولید کا نام آیا ہے تو بے محل نہ ہو گا کہ ان کا تھوڑا سا ذکر ہو جائے۔ ہم نے اس واقعہ کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب ـــ "شمشیرِ بے

نیام" ـــــ میں کیا ہے۔ یہاں اتنا ہی بتائیں گے کہ قیصرِ روم کی فوجوں کے قدم ملک شام سے خالدؓ بن ولید نے اکھاڑے تھے اور یہ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔ ابو عبیدہؓ خالدؓ بن ولید کے ماتحت تھے لیکن رومی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے اور ان کی فوج شہر پہ شہر خالی کرتی پیچھے ہی پیچھے ہٹنے لگی تو امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار بنا کر خالدؓ بن ولید کو ان کے ماتحت کر دیا۔

آج ہم "احتساب' احتساب" کے نعرے سنتے ہیں تو دھیان خلفائے راشدین کے دَور کی طرف چلا جاتا ہے جب احتساب کے اعلان نہیں کیے جاتے تھے نہ احتساب کے بیان دیئے جاتے تھے۔ اُس وقت کسی بڑے حاکم کا احتساب ہو چکتا اور اسے سزا سنادی جاتی تو قوم کو پتہ چلتا تھا اور سب اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مزید چوکس ہو جاتے تھے۔ نظم و نسق اور سزا و جزا کی بڑی ہی واضح مثال خالدؓ بن ولید کی ہے۔ مختصراً" یہ واقعہ اس طرح ہُوا کہ خالدؓ بن ولید نے ایک شاعر کو دس ہزار درہم انعام دے دیا تھا۔ اس کی اطلاع امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو مل گئی۔ انہوں نے اُسی وقت قاصد بھیجا کہ خالدؓ بن ولید کو باقاعدہ گرفتار کر کے مدینہ لایا جائے۔

وہ خالدؓ بن ولید ہی تھے جن کی عسکری فہم و فراست اور بے مثال شجاعت کی بدولت آدھا ملک شام مجاہدین کے قبضے میں آ گیا تھا اور رومی فوجیں کسی نہ کسی مقام پر جم کر لڑنے کے لئے یکجا اور منظم ہو رہی تھیں۔ جنگ ایسے عروج پر جا پہنچی تھی جہاں ذرا سی بھی کوتاہی یا کم فہمی سے پانسہ پلٹ سکتا تھا۔ جنگی امور کے غیر مسلم مبصرؔ لکھتے ہیں کہ ایسی صورتِ حال میں خالدؓ بن ولید جیسے قابل جرنیل کو ذرا سی غلطی پر پیچھے بلا لینا بہت بڑی جنگی لغزش تھی لیکن حضرت عمرؓ قوم میں ڈسپلن قائم رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ خطرہ مول لے لیا کہ خالدؓ بن ولید کو سپہ سالاری سے معزول کر کے مدینہ بلا لیا اور ان کی جگہ ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار بنا دیا۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ آج ایک سپہ سالار نے خلافِ دین حرکت کی ہے تو کل یہ بدعت نیچے کے درجوں تک آ جائے گی اور اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ اسلام کی پھیلتی ہوئی سلطنت سُکڑنے لگے گی۔

امیرالمومنین نے خالدؓ بن ولید سے کہا کہ تم وہ وقت بھول گئے ہو جب ہم لوگ بڑی مشکل سے دو وقت کی روٹی کھاتے تھے اور آج تم نے ایک شاعر کو دس ہزار درہم انعام دے دیا ہے اور انعام اس وجہ سے دیا ہے کہ اُس نے تمہاری مدح میں شعر کہے

ہیں۔

خالدؓ بن ولید نے اپنی صفائی میں کہا کہ انہوں نے یہ رقم اپنی ذاتی جیب سے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے اگر اپنی جیب سے یہ رقم دی ہے تو یہ اصراف یعنی بے جا فضول خرچی ہے اور اگر تم نے یہ رقم مالِ غنیمت میں سے دی ہے تو یہ بددیانتی ہے۔ خالدؓ بن ولید کے کردار کی عظمت دیکھئے کہ وہ اس قدر طاقت حاصل کر چکے تھے کہ واپس شام جا کر اپنے مفتوحہ علاقوں میں خود مختاری کا اعلان کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا سوچا ہی نہیں اور امیرالمومنین نے انہیں معزولی کی جو سزا سنائی تھی وہ سرِ تسلیم خم کر کے قبول کر لی۔ امیرالمومنین کے حکم سے خالدؓ بن ولید اپنے محاذ پر واپس چلے گئے مگر اب وہ اپنے لشکر کے سپہ سالار نہیں تھے بلکہ ابو عبیدہؓ کی صوابدید پر چھوڑ دیئے گئے تھے کہ وہ انہیں جس طرح چاہیں استعمال کریں۔

غیر ملکی تاریخ نویسوں اور مبصروں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کا اصل باعث یہی تھا کہ ان میں ڈسپلن تھا اور دیانتداری تھی۔ وہ خدا کے نام پر لڑتے تھے اور خدا کے دکھائے ہوئے راستے پر ہی چلتے تھے۔ سزا و جزا اور عدل و انصاف کے معاملے میں کسی کا درجہ نہیں دیکھا جاتا تھا۔

○

انطاکیہ میں رومی فوج کی تعداد بے انداز ہو گئی تھی اور شہر کا دفاع بھی غیر معمولی طور پر مستحکم تھا۔ اِدھر مجاہدینِ اسلام کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور جو تھی وہ بھی مسلسل پیشقدمی اور لڑائیوں کی وجہ سے تھکی ماندی تھی۔ ان احوال و کوائف میں ابو عبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید اور دوسرے سالاروں سے مشورہ کر کے فیصلہ کر لیا کہ انطاکیہ کو محاصرے میں لیں گے اور رومیوں کی اس فوج سے ہتھیار ڈلوائیں گے۔ بظاہر یہ ممکن نہیں تھا لیکن ابو عبیدہؓ نے اپنے لشکر کو اکٹھا کر کے کہا کہ اس زہریلے ناگ کو اگر ہم نے ستانے کی ذرا سی بھی مہلت دے دی تو یہ تازہ دم ہو کر ایسا جوابی حملہ کرے گا کہ اپنی پسپائی کو پیشقدمی میں بدل ڈالے گا۔

"اسلام کے پاسبانو!" ـــــ سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے اپنے لشکر سے کہا ـــــ "یہ نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے۔ اس سرزمین پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی لیکن شرط یہ ہے کہ ہم اللہ کے اس پاک خطّے سے ناپاک لوگوں کو بے دخل کر

دیں۔ اُدھر تمہارے بھائیوں نے آتش پرستوں کا صفایا کر دیا ہے۔ اِدھر ہم نے ابھی اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ اپنے آپ سے پوچھو‘ کیا اللہ کی بادشاہی اچھی ہے یا گنہگار انسانوں کے خاندان کی بادشاہی؟.... ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہم اللہ کی بادشاہی چاہتے ہیں۔ یہی ایک ذریعہ ہے جو انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے.... یہ مت سوچو کہ یہ رومی عیسائی ہیں اس لئے یہ اہلِ کتاب ہیں۔ ان لوگوں کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل اُلٹ چلتے ہیں۔ روم کا ایک شاہی خاندان ہے جو اللہ کے اس پاک خطے کو اپنی بادشاہی میں شامل کئے ہوئے ہے۔ یہ اللہ کے دین کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ تم انہیں یہاں تک شکست پہ شکست دیتے چلے آرہے ہو مگر اب وہ ایسی پناہ میں پہنچ گئے ہیں جو بظاہر ناقابلِ تسخیر ہے۔ میں تمہیں اتنی خطرناک جنگی مہم میں جانے کا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ یہ مہم خون اور جانوں کے نذرانے مانگتی ہے۔ آج تم یوں سمجھ لو کہ اللہ تمہیں براہِ راست حکم دے رہا ہے کہ ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دو جنہوں نے دینِ الٰہی کے دشمنوں کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہے“۔

ابو عبیدہؓ نے اپنے اس تاریخی خطاب میں اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔ مجاہدینِ اسلام کو ایسے جذباتی خطاب کی ضرورت کم ہی محسوس ہُوا کرتی تھی۔ وہ ایمان کے پکے اور شمعِ رسالت کے صحیح معنوں میں پروانے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں تھا۔ وہ آج کے مسلمانوں کی طرح یوں نہیں کیا کرتے تھے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آیا وہاں اپنی ہی انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگا لیں۔ مجاہدین اللہ کے رسولؐ کے اشارے کے منتظر رہتے تھے اور جانیں قربان کر دیا کرتے تھے۔ اب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نہیں تھے۔ آپؐ دنیا سے اُٹھ گئے تھے لیکن مردانِ حُر پر آپؐ کی غیر حاضری کا یہ اثر ہُوا کہ وہ پہلے سے زیادہ دیندار ہو گئے اور اسلامی تعلیمات کی پابندی پہلے سے زیادہ تندہی سے کرنے لگے تھے۔

انطاکیہ پر حملے سے پہلے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید نے ضروری سمجھا کہ مجاہدین کو بتا دیا جائے کہ اب ہم جو قلعہ سر کرنے جا رہے ہیں وہ اُن قلعوں جیسا نہیں جو اب تک ہم سر کرتے آئے ہیں۔ اب ہم پہاڑوں سے ٹکرانے جا رہے ہیں۔ یہ وجہ تھی کہ مجاہدینِ اسلام کو یاد دلانا پڑا کہ اللہ کے حکم سے اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑ رہے ہیں اور اب اللہ

ان سے اور زیادہ قربانی مانگ رہا ہے۔

مجاہدین زندگی اور موت کا معرکہ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اُسی روز یا اس سے اگلے روز ابو عبیدہؓ اپنے خیمے میں بیٹھے سالاروں کے ساتھ صلاح مشورے کر رہے تھے اور انطاکیہ کو محاصرے میں لینے کی سکیم تیار ہو رہی تھی کہ انہیں اطلاع دی گئی کہ اپنا ایک عہدیدار حدید بن مومن خزرج رومی فوج کی قید سے فرار ہو کر آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک رومی لڑکی ہے۔ دربان نے یہ بھی بتایا کہ یہ دونوں رُہاء سے آئے ہیں۔ ابو عبیدہؓ نے دونوں کو فوراً اندر بلا لیا۔

حدید شارینا کے ساتھ خیمے میں داخل ہُوا اور تمام سالاروں سے مصافحہ کیا۔

”میری داستانِ سفر خاصی لمبی ہے“ —— حدید نے کہا —— ”آپ کے پاس جب اتنی فرصت ہو گی مجھے بلا لیں‘ ابھی کچھ ضروری باتیں آپ کو بتانی ہیں‘ یہ سن لیں“۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ ہی نہیں‘ تمام سالار جو وہاں موجود تھے‘ حدید کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ حدید چھاپے اور شب خون مارنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کام کے لئے دلیری اور جسمانی پھرتی کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے لیکن عقل اور حاضر دماغی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سب خوبیاں حدید میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ دشمن کے ٹھکانوں پر کسی نہ کسی طرح پہنچ کر وہاں سے جنگی نوعیت کی خبریں لے آنا حدید کا دوسرا کمال تھا۔ ان اوصاف کی بدولت حدید تمام سالاروں میں مقبول تھا۔ وہ قید ہونے والا مجاہد نہیں تھا لیکن شب خون ایسی غیر معمولی دلیری سے مارتا تھا کہ دشمن کے پیٹ میں اُتر جاتا تھا۔ ایسی ہی ایک مہم میں وہ پکڑا گیا تھا۔ رومی افسروں نے جب اس کے ساتھ باتیں کیں تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ تو بڑا قیمتی آدمی ہے۔ اسے ہرقل تک پہنچایا گیا اور ہرقل اسے رُہاء اپنے ساتھ لے گیا تھا کہ اس سے کام کی باتیں معلوم کر لے گا۔ ہرقل تو بڑا ہی ظالم قصائی تھا لیکن حدید اور اس جیسے تین اور مسلمان قیدیوں پر اس نے ذرا سا بھی تشدد نہ کیا۔ رکھا تو انہیں قید خانے میں ہی لیکن مہمانوں کی طرح۔ انہیں ہر طرح کی سہولت دی اور کھانا ویسا ہی دیا جاتا رہا جیسا مہمانوں کو دیا جاتا تھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“ —— ابو عبیدہؓ نے پوچھا —— ”اور یہ تمہارے ساتھ کیوں آئی ہے؟“

حدید نے تفصیلاً سنایا کہ ہرقل نے اُسے کس طرح اپنے دربار میں بلایا‘ کیا پوچھا اور

اس نے یعنی حدید نے کیا کہا تھا اور پھر اس لڑکی نے اسے کس طرح رہا کروایا تھا۔

شارینا کو بجا طور پر شک کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ وہ ایک تو شاہی خاندان کی لڑکی تھی اور دوسرے بہت ہی خوبصورت تھی اور اس کا دوسرا وصف یہ سامنے آیا کہ وہ بے حد دلیر اور عقلمند لڑکی تھی۔ عین ممکن تھا کہ یہ تخریب کاری کے لئے آئی ہو۔

شارینا نے اپنے اُن ہی خیالات' جذبات اور احساسات کا اظہار کیا جو وہ راستے میں حدید سے کر چکی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ شاہی خاندان کی لڑکی ہے ہی نہیں۔ اسے ایک قافلے سے اغوا کیا گیا تھا۔

"ٹھہرو ذرا!" ——— سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے کہا ——— "تم دونوں کیا کہہ رہے ہو؟.... کیا ہرقل رُہاء میں ہے؟"

ابو عبیدہؓ ان دونوں کی باتیں ایسے انہماک سے سن رہے تھے کہ انہوں نے پہلے توجہ ہی نہ دی کہ ہرقل رُہاء میں ہے۔ انہیں اچانک خیال آیا تو شارینا کو ٹوک کر چپ کرا دیا اور ہرقل کے متعلق پوچھا۔ حدید نے انہیں واضح الفاظ میں بتایا کہ ہرقل وہیں ہے۔

ابو عبیدہؓ اور دوسرے سالار بھی یہ سن کر حیران ہوئے کہ ہرقل کو انطاکیہ میں ہونا چاہئے تھا لیکن وہ دُور رُہاء میں بیٹھا ہے۔ یہ سن کر سالاروں کو خوشی ہوئی کہ ہرقل انطاکیہ میں نہیں۔

تقریباً" تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہرقل کو اپنی فوج کے ساتھ رہنا چاہئے تھے اور اُس وقت اس کی فوج کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں جمع ہو گیا تھا۔ انطاکیہ ہی ایک مستحکم مقام تھا جہاں وہ مسلمانوں کا مقابلہ ایسے کارگر طریقے سے کر سکتا تھا کہ مسلمان انطاکیہ کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر ختم نہ ہوتے تو اتنے کمزور ضرور ہو جاتے کہ مایوس ہو کر پسپائی کا راستہ اختیار کرتے' پھر ہرقل ان کے تعاقب میں جا کر انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا۔

مؤرخوں اور جنگی مبصّروں نے لکھا ہے کہ ہرقل طاقتور بادشاہ اور بڑا ہی منجھا ہُوا اور بڑا ہی تجربہ کار جرنیل تھا۔ وہ جدھر کا رخ کر لیتا اُدھر فتح اس کے قدم چُومتی تھی' اور وہ ہر لڑائی میں فتح کی ہی توقع رکھا کرتا تھا لیکن اہلِ اسلام نے اُسے پے در پے اتنی شکستیں دیں کہ وہ ذہنی طور پر ماؤف سا ہو گیا۔ انتہائی دشوار حالات میں مناسب اور موزوں فیصلہ کر لینا اس کا خصوصی کمال تھا لیکن اب اسے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا کرے سوائے اس کے کہ وہ اپنی بکھری ہوئی فوج کو رُہاء میں اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہا

تھا۔

ابو عبیدہؓ' خالدؓ بن ولید اور دوسرے سالاروں کے لئے یہ خبر حوصلہ افزا تھی کہ ہرقل انطاکیہ میں نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انطاکیہ میں جو رومی جرنیل تھے' وہ اوسط درجہ عسکری قابلیت کے مالک تھے۔ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید بڑے ہی دُور اندیش سالار تھے اور ان کی نگاہیں بہت دور تک اور بڑی گہرائی تک دیکھ سکتی تھیں۔ ابو عبیدہؓ نے حدید سے پوچھا کہ ہرقل کی ذہنی اور جذباتی حالت کیسی ہے۔

"یہ مجھ سے پوچھیں" ——— شارینا نے کہا ——— "جس شخص نے اپنے ساتھ ایک شاہی نجومی اور ایک شاہی جوتشی رکھا ہُوا ہے اور اپنے فیصلے ان کے زائچوں کے مطابق کرتا ہے' اس کی ذہنی اور جذباتی حالت کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں" ——— شارینا نے تفصیل سے سنایا کہ ہرقل نے کس طرح اپنے نجومی کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیا ہے اور جوتشی نے اسے کھری کھری باتیں کہیں تو سب حیران رہ گئے کہ ہرقل نے اس کی جان نہ لی۔ پھر اس نے حدید کو بلا کر پوچھا کہ اسے اس کی خامیاں اور مسلمانوں کی خوبیاں بتائے۔ شارینا نے یہ ساری باتیں سنا کر کہا ——— "ذہنی لحاظ سے ہرقل کے پاؤں اُکھڑ چکے ہیں اور وہ شکست کو قبول کر چکا ہے اور اب بے بسی کی حالت میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ شاید وہ کسی معجزے کی توقع رکھتا ہے"۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ کے لئے ہرقل کی اس ذہنی حالت کی اطلاع بڑی قیمتی اور کارآمد تھی۔ حدید اور شارینا کا اُس وقت وہاں پہنچ جانا جب سپہ سالار انطاکیہ پر حملے کا پلان بنا رہا تھا' بظاہر اتفاقیہ بات تھی لیکن درحقیقت یہ اللہ کی مدد تھی کہ اس نے ان دونوں کو نہایت موزوں وقت پر ابو عبیدہؓ کے پاس بھیج دیا تھا۔

ابو عبیدہؓ نے شارینا کو یہ پتہ نہ چلنے دیا کہ انہیں اس پر کچھ شک ہے۔ اس کے ساتھ ابو عبیدہؓ بڑی شفقت سے پیش آئے اور اسے بتایا کہ سالاروں کی اور کچھ مجاہدین کی بیویاں اور بہنیں وغیرہ لشکر کے ساتھ ہیں۔ اسے ان عورتوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ اسے یہ بھی بتایا کہ اس کی عزت کا اور ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔

شارینا کو مستورات کے خیموں میں بھیج دیا گیا اور حدید کو ابو عبیدہؓ نے اپنے ساتھ ہی رکھا۔ ان نئی اطلاعات کے مطابق سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے انطاکیہ پر حملے کے منصوبے پر نظرِثانی شروع کر دی۔ اس وقت وہ انطاکیہ کے قریب ہی کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

سپہ سالار نے سالاروں کو بتایا کہ کل صبح انطاکیہ کی طرف پیش قدمی ہو گی۔

○

شب و روز گزرتے چلے جا رہے تھے اور ہرقل کی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اسے جن کا انتظار تھا کہ آئیں گے ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ وہ غصے سے باؤلا ہوا جا رہا تھا۔

سات آٹھ دن اور گزر گئے ہوں گے کہ اسے اطلاع دی گئی کہ انطاکیہ سے اس کا ایک جرنیل راستین آیا ہے۔ ہرقل اچھل کر اٹھا۔ یہ کہنے کی بجائے کہ اسے فوراً اندر بھیجو، وہ خود دوڑتا باہر نکل گیا۔ اس کے سامنے اس کا ایک جرنیل جس کا نام راستین تھا، کھڑا تھا لیکن اُس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ کھڑا ہونے کے قابل نہیں۔ ہرقل کو دیکھ کر اس نے رومی انداز سے سلام کیا لیکن بڑی مشکل سے اس نے اپنا بازو اوپر اٹھایا۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد تھا جیسے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بچا ہو۔

"کیا تم زخمی ہو راستین!" ---- ہرقل نے اس تک پہنچ کر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے اور پوچھا۔

"نہیں قیصرِ روم!" ---- راستین نے تھکی ماندی آواز میں جواب دیا ---- "جسم پر کوئی زخم نہیں دل بُری طرح زخمی ہے"۔

ہرقل نے دربان کو حکم دیا کہ راستین کو سہارا دیں اور اندر لے جا کر بٹھا دیں۔ وہاں محافظ دستے کے کچھ آدمی بھی موجود تھے، سب دوڑے آئے اور راستین کو سہارا دینے لگے لیکن اس نے اُن کے ہاتھ جھٹک ڈالے اور ہرقل کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ یوں چل رہا تھا جیسے اس کے ٹخنوں کے ساتھ وزن بندھا ہُوا ہو۔ وہ سر جھکائے، قدم گھسیٹتا کمرے میں گیا اور گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گیا۔ ہرقل نے سب سے پہلے اسے شراب پیش کی اور پھر دربان کو بلا کر کہا کہ کھانے کے لئے کچھ لے آئے۔ ہرقل اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا جیسے اس سے کچھ پوچھنے سے ڈر رہا ہو۔ یہ تو اس نے محسوس کر لیا تھا کہ راستین کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔

"قیصرِ روم!" ---- راستین نے شراب کے چند گھونٹ پی کر کہا ---- "انطاکیہ ہاتھ سے نکل گیا ہے"۔

ہرقل کا ردِ عمل یہ تھا کہ وہ منہ کھولے کچھ دیر راستین کے منہ کو دیکھتا رہا۔

"پیشتر اس کے کہ آپ اس شکست کی ذمہ داری مجھ پر یا میرے ساتھی جرنیلوں پر عائد کریں، میری پوری بات سن لیں" ---- راستین نے کہا ---- "میں ان مسلمانوں کی بہادری کا قائل ہو گیا ہوں۔ ان کی تعداد ہماری نسبت بہت ہی تھوڑی تھی اور ہماری فوج اتنی زیادہ تھی کہ میں صحیح گنتی نہیں بتا سکتا کیونکہ ہر طرف سے ہمارے فوجی بھاگ بھاگ کر انطاکیہ آ رہے تھے۔ میں مان نہیں سکتا کہ مسلمانوں کو معلوم نہ تھا کہ انطاکیہ میں اتنی زیادہ فوج ہے اور انطاکیہ دفاعی لحاظ سے اس قدر مضبوط شہر ہے کہ اسے کوئی بیرونی حملہ آور سر نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو تمام احوال و کوائف معلوم تھے پھر بھی وہ حملے کے لئے آ رہے تھے"۔

"کیا تم لوگوں نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا تھا؟" ---- ہرقل نے غصیلی آواز میں کہا ---- "میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ مسلمان انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کریں تو انہیں انطاکیہ تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے اور فوج کو باہر نکال کر ان پر حملہ کر دیا جائے اور پھر پہاڑیوں اور چٹانوں سے پورا فائدہ اٹھایا جائے"۔

"ہاں قیصرِ روم!" ---- راستین نے کہا ---- "ہم نے آپ کے حکم پر ہی عمل کیا تھا۔ جوں ہی ہمیں اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر انطاکیہ کی طرف آ رہا ہے تو ہم نے فوراً اپنی فوج کو تیار کیا اور اسے باہر لے آئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پہاڑیوں کے درمیان ایک کشادہ میدان ہے۔ ہم نے اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں کر کے اس میدان میں کھڑا کر دیا۔ انطاکیہ کی طرف جانے کے لئے اسی میدان سے گزر کر جاتے ہیں۔ اس کے اِرد گِرد اونچی نیچی پہاڑیاں ہیں....

"مسلمان جب ہمارے سامنے اس میدان میں آئے تو ہم بہت خوش ہوئے کہ ان کی تعداد اُس سے بہت ہی تھوڑی تھی جو ہم سمجھ رہے تھے۔ میرے ساتھی جرنیلوں نے کہا کہ عربی مسلمان جاہل لوگ ہیں، انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ انطاکیہ میں ہم نے کتنی فوج اکٹھی کر رکھی ہے۔ میں ذاتی طور پر انہیں جاہل نہیں سمجھتا تھا لیکن یہ خوشی مجھے بھی ہوئی کہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ہمارے سامنے آ گئے ہیں۔ انہیں اسی میدان میں کچل دینا مشکل کام نہیں تھا....

"ہم نے یہ چال چلی کہ درمیان والے دو دستوں کو حملے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اپنے دونوں پہلوؤں کے دستوں کو پیغام بھیجا کہ وہ دائیں اور بائیں سے مسلمانوں کے پیچھے

چلے جائیں اور انہیں گھیرے میں لے لیں لیکن مسلمان ہمارے دستوں کا حملہ برداشت نہ کرسکے اور وہ لڑتے لڑتے پیچھے ہی پیچھے ہٹتے گئے۔ ہم نے ان پر دباؤ اور زیادہ کر دیا اور ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ پہاڑوں کے اندر چلے گئے اور ہمارے دستے ان کے سر پر سوار رہے۔ مسلمان دراصل بھاگنے کی کوشش میں تھے....

"جب ہمارے زیادہ سے زیادہ دستے پہاڑیوں کے اندر چلے گئے تو ہم سمجھے کہ مسلمانوں نے ہمیں ایک جال میں پھانس لیا ہے جس سے ہم آسانی سے نکل نہیں سکیں گے۔ انہوں نے چال یہ چلی تھی کہ تھوڑی تھوڑی نفری کے تین چار دستے ہمارے سامنے کئے اور پسپائی کا تاثر دیتے ہوئے وہ پیچھے ہٹے اور ہم نے زیادہ سے زیادہ فوج ان کے پیچھے پہاڑیوں میں بھیج دی اور نعرے یہ لگوائے کہ ایک بھی مسلمان یہاں سے زندہ واپس نہ جائے۔ مسلمانوں نے پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر اور گھنے درختوں پر تیرانداز اور برچھیاں پھینکنے والے آدمی چڑھا رکھے تھے۔ ہمارے آگے پسپا ہونے والے دستے تو اِدھر اُدھر ہو گئے لیکن ہم پر تیروں اور برچھیوں کا جو مینہ برس پڑا' اس نے ہماری فوج میں سے کسی خوش قسمت کو ہی باہر نکلنے دیا ہو گا....

"ہمارے کسی جرنیل نے گھبرا کر یہ احمقانہ کام کیا کہ باقی ماندہ فوج کو بھی مسلمانوں' کے پیچھے پہاڑیوں کے اندر بھیج دیا۔ ہم بڑی مشکل سے ان پہاڑیوں میں سے نکلے۔ ہماری تنظیم اور ترتیب تباہ ہو چکی تھی اور سپاہی اپنے اپنے طور پر وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے....

"ہم یہ لڑائی ہار چکے تھے لیکن ہم انطاکیہ ان مسلمانوں کو کسی قیمت پر ہی نہیں دینا چاہتے تھے۔ ہم جتنے سپاہی اکٹھے کر سکے' وہ کئے۔ تعداد تو بہت ہی تھوڑی رہ گئی تھی۔ جانی نقصان بے پناہ ہُوا اور شدید زخمیوں کی تعداد اور ہی زیادہ تھی۔ بہرحال ہم جتنے صحیح اور سلامت سپاہی اکٹھے کر سکے' انہیں لے کر انطاکیہ کی طرف چل پڑے۔ جب ہم قلعے کے دروازوں پر پہنچے تو تمام دروازے اندر سے بند تھے۔ بہت شور شرابہ کیا کہ دروازے کھول دیں لیکن دیواروں کے اوپر سے ہم پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ تب پتہ چلا کہ مسلمان شہر میں داخل ہو چکے ہیں اور دروازے انہوں نے بند کئے ہیں"۔

"تو کیا انطاکیہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے؟" ـــ ہرقل نے حیرت زدہ سے لہجے میں پوچھا اور راستین کے جواب کا انتظار کئے بغیر بولا ـــ "یہی تو ایک مضبوط قلعہ

ہمارے پاس رہ گیا تھا.... یہ تمہاری نالائقی کا نتیجہ ہے۔ تم سب بزدل ہو گئے ہو"۔

"میرے دو ساتھی جرنیل مارے گئے ہیں اور تیسرا شدید زخمی ہو گیا ہے" ـــ راستین نے کہا ـــ "میں جانتا تھا آپ شکست کا الزام ہمارے ہی منہ پر تھوپیں گے۔ میں نے پہلے ہی عرض کی ہے کہ میری پوری بات سن لیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کا قہر اور عتاب مجھ پر کس طرح گرے گا لیکن میں شکست کی وجوہات ضرور بتاؤں گا.... آپ کے حکم سے ہم نے شہر سے باہر آ کر مسلمانوں کو روکا۔ آپ کہتے تھے کہ مسلمان انطاکیہ کا محاصرہ نہ کر سکیں کیونکہ محاصرہ ہو گیا تو انطاکیہ کی ساری فوج اندر ہی بند ہو جائے گی اور نہ جانے محاصرے میں کتنا عرصہ گزر جائے۔ آپ نے کہا تھا کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں۔ اتنے مضبوط قلعے سے باہر آ کر لڑنا ہماری حماقت تھی اور اس کی ہمیں بڑی سخت سزا ملی ہے....

"قیصرِ روم! .... ایک اور پہلو بھی ہے جسے ہم ہمیشہ نظرانداز کرتے رہے۔ اس کا تعلق شہری لوگوں کے ساتھ ہے۔ آپ نے ان پر اس قدر زیادہ ٹیکس اور دیگر محصولات عائد کر دیئے تھے جو لوگوں کی برداشت سے باہر ہو گئے تھے۔ پھر آپ نے مذہب میں بھی دخل اندازی کی۔ اتنا بڑا ملک ہماری سلطنت میں سے نکل گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اس کا کتنا زیادہ صدمہ ہو گا۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کو ان وجوہات سے آگاہ اور خبردار کر دوں جنہوں نے آج یہ روزِ بد دکھایا ہے۔ ایک تو یہ ٹیکس وغیرہ تھے جن سے لوگوں میں یہ بات پھیلی کہ بادشاہ اور اس کے جرنیل اور سارے کا سارا شاہی خاندان لوگوں کو بھوکا رکھ کر اپنی عیاشیوں کے اخراجات پورے کر رہا ہے۔ یہاں کے مقامی لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک کی دولت روم جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے خود دیکھا ہے کہ روم کے جو شہری یہاں بسلسلہ کاروبار یا سرکاری عُمّال بن کر آئے ہیں وہ اپنے آپ کو یہاں کے لوگوں کے بادشاہ سمجھتے ہیں"۔

"میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں" ـــ ہرقل نے جھنجھلا کر کہا ـــ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں شہریوں سے کوئی تعاون نہیں ملا نہ کوئی مدد ملی ہے۔ بات جلدی کرو' لمبی لمبی باتوں کا وقت نہیں۔ ہمیں سوچنا ہے اب کیا ہو گا اور ہم کیا کریں"۔

"صرف یہ بات نہیں کہ شہریوں سے ہمیں مدد نہ ملی" ـــ راستین نے کہا ـــ "شہری ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اگر ہم محاصرے میں لڑتے تو یہ شہری باغی

ہو کر شہر کے دروازے کھول دیتے۔ میں تو شہر کے باہر ہی تھا اندر جانے کا موقع نہ ملا تو اِدھر کا رُخ کر لیا۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ انطاکیہ کے لوگوں نے مسلمانوں کا استقبال پورے تپاک سے کیا ہو گا حالانکہ ان میں مسلمان شاید کوئی بھی نہیں۔ سب ہمارے ہم مذہب ہیں"۔

"مجھے صرف ایک اور موقع مل جانے دو" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "یہ لوگ ٹیکسوں کی اور شاہی خاندان کی عیاشیوں کی باتیں کرتے ہیں، میں ان کی رگوں سے خون بھی نچوڑ لوں گا"۔

"شہنشاہِ روم" ـــــ راستین نے کہا ـــــ "اگر آپ آج میری رگوں میں سے بھی خون نچوڑ لیں اور مجھے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر باہر پھینک دیں تو بھی میں وہ بات کہنے سے گریز نہیں کروں گا جو کوئی آدمی اپنے بادشاہ کے منہ پر کہنے کی جرأت نہیں کیا کرتا۔ بادشاہوں کے حضور ان کی تعریفیں کی جاتی ہیں تاکہ وہ خوش رہیں اور انعام و اکرام سے نوازتے رہیں۔ مجھ سے آپ خوش نہ ہوں، ناراض ہو جائیں لیکن میں آپ کا ایک جرنیل ہوں۔ آپ نے مجھے بڑی اونچی حیثیت بھی دی ہے اور اُجرت بھی دل کھول کر دی ہے۔ میرا فرض ہے سلطنتِ روم کی حفاظت اور اس کا پھیلاؤ لیکن میں شکست کھا کر آگیا ہوں۔ میں اس میں اپنی ذاتی بے عزتی سمجھتا ہوں۔ مجھے آپ کی عظمت بھی عزیز ہے۔ میں نمک حرامی کروں گا اگر میں حقیت پر پردہ ڈال کر آپ کو خوبصورت تصوّرات میں الجھادوں"۔

"کیا تم اصل بات فوراً" نہیں کر سکتے؟" ـــــ ہرقل نے قہر بھری آواز میں کہا۔

"اصل بات سن لیں" ـــــ راستین نے کہا ـــــ "دشمن کو اس لئے بُرا نہ کہو کہ وہ دشمن ہے۔ دشمن نے ہم پر فتح حاصل کی ہے اور اس کی پیش قدمی اور ہماری پسپائی جاری ہے۔ دیکھو اور غور کرو کہ دشمن میں کون سی طاقت ہے اور ہم اس طاقت سے محروم کیوں ہو گئے ہیں.... ہم لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑ لینے کے ارادے باندھتے ہیں مگر ہمارا دشمن اپنے ساتھ ایک نظریہ اور ایک عقیدہ لایا ہے جو لوگوں کی رگوں میں خون ڈالتا ہے نچوڑتا نہیں۔ ہمارے دشمن کا عقیدہ انسان کو انسانیت کا مقام دیتا ہے"۔

"تو کیا ہم بھی اسلام قبول کر لیں؟" ـــــ ہرقل نے طنز بھرے لہجے میں کہا ـــــ "کیا تم اسلام کو عیسائیت سے افضل سمجھتے ہو؟"

"سلطنتِ روم کے بادشاہ!" ـــــ راستین نے کہا ـــــ "یہاں سوال یہ نہیں کہ افضل اسلام ہے یا عیسائیت، اصل سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جو انسانیت کو پوری تکریم اور تعظیم دیتا ہے۔ اس وقت صرف مسلمان ہیں جو انسان کو وہ انسان سمجھتے ہیں جو خدا نے پیدا کیا تھا۔ عملاً" یوں ہُوا ہے کہ شام کے ایک شہر سے لوگ اگلے شہر پہنچتے ہیں تو وہاں کے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی اطاعت فوراً" قبول کر لینا کیونکہ وہ انسان کو انسانیت کے پورے حقوق دیتے ہیں اور وہ رومیوں جیسے بادشاہ نہیں۔ لوگ یہ بھی مشہور کرتے ہیں، اور یہ ہے بھی صحیح کہ مسلمان فوج جس بستی اور شہر کو فتح کرتی ہے، وہاں لوٹ مار نہیں کرتی نہ وہ کسی عورت پر ہاتھ اٹھاتی ہے.... قیصرِ روم! مسلمانوں نے ہر اُس بستی میں لوگوں کے ساتھ ایسا ہی باعزت سلوک کیا اور لوگوں نے انہیں دل و جان سے قبول کیا۔ ہم جہاں جاتے ہیں، سب سے پہلے وہاں کے لوگوں کے گھروں سے دولت اور خوبصورت لڑکیاں سمیٹتے اور کچھ شاہی محل میں پہنچاتے اور کچھ اپنی ملکیت میں رکھ لیتے ہیں۔ انطاکیہ میں میرے مخبر مجھے بتاتے رہتے تھے کہ یہاں کے لوگ مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ پسند کرتے ہیں بلکہ ان کے انتظار میں ہیں۔ ہماری شکست کی اصل وجہ یہ ہے"۔

○

ہرقل نے اپنے ایک ہارے ہوئے، محاذ سے بھاگے ہوئے جرنیل کی پوری بات سن تو لی لیکن اُس نے کسی ردِعمل کا اظہار نہ کیا۔ اس پر خاموشی سی طاری ہو گئی تھی لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اور اٹھنا، کمرے میں ٹہلنا پھر بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگنا ایسی علامات تھیں جو اُس بے چینی اور بے قراری کا پتہ دیتی تھیں جو اس کے اندر بپا تھی۔ اس سے توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اسلامی اصولوں کی عظمت اور افادیت پر غور کرے گا اور اپنا رویّہ بدلنے کی کوشش کرے گا۔

چونکہ یہ داستان فتح مصر کی طرف بڑھ رہی ہے اس لئے ہم انطاکیہ کی فتح کا مزید ذکر نہیں کریں گے۔ البتہ اتنی سی بات ضروری معلوم ہوتی ہے کہ انطاکیہ کی فتح اسلام کے نظریے اور دین کے اصولوں کی فتح تھی۔ سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے شہریوں پر جزیہ عائد کر دیا اور باقی تمام ٹیکس اور محصولات ختم کر دیئے۔ شہر میں بعض لوگ کٹر عیسائی تھے۔ انہوں نے روم کی بادشاہی کو تو قبول کیا ہی نہیں تھا، انہوں نے درپردہ لوگوں کو اُکسانا شروع کر

دیا کہ وہ مسلمان فاتحین کو جزیہ نہ دیں اور خود مختار ہو جائیں۔ کچھ لوگ ان کی باتوں میں آ گئے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ ابوعبیدہؓ کے حکم سے ایسے لوگوں کو شہر بدر کر دیا گیا۔

مسلمان فاتحین کے سامنے صرف یہ کام نہیں تھا کہ وہ مفتوحہ شہروں کا نظم و نسق درست کرنے بیٹھ جاتے۔ سالاروں کے سامنے اصل کام یہ تھا کہ پسپا ہوتی ہوئی رومی فوج کو کہیں بھی اکٹھا نہ ہونے دیا جائے۔ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ انطاکیہ سے بھاگی ہوئی رومی فوج حلب کے مقام پر اکٹھی ہو رہی ہے۔ ابوعبیدہؓ نے کچھ لشکر اپنے ساتھ لیا اور حلب کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ بن ولید کو انہوں نے ایک اور سمت بھیج دیا جہاں رومی فوج تازہ دم ہونے کے لئے رک گئی تھی۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ حلب پہنچے تو انطاکیہ سے ایک قاصد یہ پیغام لے کر ان تک پہنچا کہ انطاکیہ کے لوگوں نے نافرمانی شروع کر دی ہے اور صورت بغاوت والی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ ابوعبیدہؓ نے ایک نائب سالار عیاضؓ بن غنم کو اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ بغاوت پر قابو پائیں لیکن یہ احتیاط کریں کہ کسی پر بلاوجہ اور غیر ضروری تشدّد اور زیادتی نہ ہو۔

اسی کے ساتھ ہی ابوعبیدہؓ نے ایک پیغام مدینہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو بھیجا جس میں انہوں نے ایک تو انطاکیہ کی فتح کی خوشخبری سنائی اور ساتھ یہ اطلاع دی کہ انطاکیہ کے لوگوں نے جزیہ کے معاملے میں بغاوت کر دی ہے۔

امیرالمومنین نے یہ پیغام ملتے ہی جواب بھیجا جس میں انہوں نے لکھا کہ لوگوں کو ہر وہ سہولت دو جو اُن کا حق ہے۔ اگر کچھ لوگوں کے وظیفے مقرر کئے ہیں تو وہ انہیں بروقت ادا کئے جائیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ شہر میں مجاہدین کے دو تین دستے موجود رہیں اور وہ نظم و نسق برقرار رکھیں تاکہ لوگوں کو یہ تاثر نہ ملے کہ مسلمانوں کے پاس اتنی فوج ہے ہی نہیں کہ وہ مفتوحہ آبادیوں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں۔

تدبّر اور ہوش مندی سے اس بغاوت پر قابو پا لیا گیا۔ بغاوتیں تو کچھ اور علاقوں میں بھی ہوئی تھیں۔ ان سب پر قابو پا لیا گیا تھا.... ہم یہاں تفصیلات میں نہیں جا رہے' یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ہرقل کس انجام کو پہنچا اور اسے اس انجام تک کس طرح پہنچایا گیا۔ پھر ہم یہ بیان کر رہے ہیں کہ مسلمانوں نے ہرقل کی اس چال کو اس

طرح بے کار کیا کہ اس نے اپنی فوج کو مختلف مقامات پر تقسیم کر دیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ مسلمان بھی اس کے مطابق تقسیم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو اللہ کی مدد اور راہنمائی حاصل تھی ورنہ اتنی قلیل تعداد کو اتنے زیادہ حصوں میں بانٹ دینا' مسلمانوں کے لئے بڑا ہی تباہ کن اقدام ہوتا۔

○

ہرقل کا جرنیل راستین اسے انطاکیہ کی صحیح صورتِ حال بتا کر اور شکست کی وجوہات واضح کر کے پھر محاذ پر چلا گیا تھا۔ ہرقل اب دوسرے مقامات سے آنے والے قاصدوں کا انتظار کرنے لگا لیکن کہیں سے کوئی قاصد نہیں آ رہا تھا۔ اُس کی زندگی اب سراپا انتظار بن کے رہ گئی تھی۔ یہ تمام مقامات سرحدی تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رومی فوج تمام تر شام سے نکل گئی ہے اور اب سرحد پر قدم جمانے کی کوشش کر رہی ہے۔

معروف تاریخ دان الفریڈ بٹلر لکھتا ہے کہ ہرقل مایوسیوں میں ڈوب گیا تھا اور اپنے مشیروں اور مصاحبوں کے ساتھ جو باتیں کرتا تھا ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اُس نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ اس کی شہنشاہی کا ستارہ جو شام پر چمکتا ہی رہتا تھا' ٹوٹ کر شام کے افق میں ہی کہیں گم ہو گیا ہے۔

آخر ایک روز حلب سے اُس کی فوج کا ایک افسر آیا جو کچھ زخمی بھی تھا۔ اُس نے ہرقل کو ویسی ہی کہانی سنائی جیسی راستین انطاکیہ کی سنا چکا تھا۔ اس نے سنایا کہ اب بچی کھچی فوج اِدھر اُدھر سے حلب آ رہی تھی کہ مسلمانوں کا مختصر سا لشکر آن پہنچا۔ رومیوں پر مسلمانوں کی ایسی دہشت طاری تھی کہ وہ جم کر لڑ ہی نہ سکے۔

"وہاں کے لوگوں کا رویّہ کیا تھا؟" ——— ہرقل نے پوچھا۔

"ہمارے حق میں اچھا نہیں تھا" ——— اس افسر نے جواب دیا ——— "مجھے شک ہے کہ بعض لوگوں نے مسلمانوں کی کسی نہ کسی طرح مدد بھی کی تھی۔ ہمارے خلاف وہ مخبری تو ضرور ہی کرتے رہے"۔

"کیا اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہو؟" ——— ہرقل نے پوچھا۔

راستین جرنیل تھا اس لئے اُس نے ہرقل کو بڑے صاف الفاظ میں جرأت کے ساتھ وجہ بتا دی تھی لیکن یہ رومی معمولی سا افسر تھا اس لئے اس نے سچ بولنے کی جرأت نہیں کی۔ ہرقل نے شاہانہ غصے سے پھر اپنا سوال دہرایا تو افسر بے چین سا ہو گیا اور ہرقل

کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ تب ہرقل نے اسے کہا کہ وہ ڈرے جھجکے بغیر وجہ بتادے تاکہ آئندہ ایسی وجہ پیدا نہ ہونے دی جائے۔

"شہنشاہِ معظّم!" ___ افسر آخر بولا ___ "ہماری شکست کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں لڑنے' زخمی ہونے اور اپنی جان قربان کرنے والا افسر اتنی جرأت نہیں رکھتا کہ اپنے شہنشاہ کے آگے سچ بول سکے۔ آپ نے مجھے سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ میں چند الفاظ میں وجہ بیان کر دیتا ہوں.... لوگ کہتے ہیں ہمیں بادشاہ کی نہیں بندے کی حکمرانی چاہئے۔ ہم نے سنا ہے مسلمان ایسے مذہب کے پیروکار ہیں جس میں کسی کی بادشاہی کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی بلکہ وہ خود کسی بندے کو حکمران بنا لیتے ہیں اور رعایا کا پیٹ کاٹتے نہیں بلکہ پیٹ بھرتے ہیں"۔

ہرقل نے سر جھکا لیا جیسے وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا ہو۔ ہرقل سر جھکا لینے والا بادشاہ نہیں تھا۔ اب جو اس کا سر جھکا تھا' اس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اس نے شکست تسلیم کر لی ہے۔

ایک دو دن ہی اور گزرے تھے کہ ایک اور مقام مرعش سے ایک رومی قاصد آ گیا۔ ہرقل نے اپنی فوج کا کچھ حصہ اس قلعہ بند اور بڑے مضبوط مقام پر بھیج دیا تھا۔ قاصد نے بتایا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آیا اور مرعش کو محاصرے میں لینے لگا لیکن وہاں کے جرنیل نے فوج کو حکم دیا کہ یہ بہت ہی کم تعداد لشکر ہے' اسے محاصرہ نہ کرنے دیا جائے بلکہ باہر نکل کر اسے گھیرے میں لے کر ختم کیا جائے۔ اس حکم کے تحت فوج باہر نکلی تو مسلمانوں نے ایسی چال چلی کہ وہ لڑتے لڑتے پیچھے بھی ہٹنے لگے اور دائیں بائیں پھیلنے بھی لگے۔ پھر یوں ہُوا کہ اس لشکر کو گھیرے میں لینے کی بجائے' لشکر نے اپنے دونوں پہلو پھیلا کر رومی فوج کو گھیرے میں لے لیا اور جو مسلمان رومی فوج کے عقب میں چلے گئے تھے وہ قلعے میں داخل ہو گئے۔

قاصد نے بتایا کہ رومی فوج پیچھے ہٹنے لگی تو قلعے کی دیواروں سے اس پر تیر اور برچھیاں برسنے لگیں۔ نفسا نفسی کا ایسا عالم طاری ہُوا کہ رومی نہ باہر لڑنے کے قابل رہے نہ قلعے میں داخل ہو سکے۔ جانی نقصان بے اندازہ ہُوا اور زخمیوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ تھی اور وہی زندہ رہے جو اس معرکے سے نکل گئے تھے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ خالدؓ بن ولید نے مرعش پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور رومی

فوج کی جو نفری وہاں موجود تھی' اسے تباہ و برباد کر دیا۔

اس کے بعد رُہاء میں ہرقل کو یہ اطلاع ملی کہ بیروت پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اس تمام سرحدی علاقے سے مسلمانوں نے رومی فوج کو بے دخل کر دیا ہے.... اس سرحدی علاقے میں شام کے دفاع کے لئے کئی ایک قلعے بنائے گئے تھے۔ ان سب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

یہ تھے یزیدؓ بن ابی سفیان جو اُس وقت دمشق میں تھے۔ سپہ سالار ابو عبیدہؓ کا حکم پہنچا تو وہ دمشق سے نکلے اور بیروت جا پہنچے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہ کارنامے معجزوں سے کم نہ تھے۔ بیروت اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ سمندر کی طرف سے رومیوں کو کوئی مدد اور کوئی کمک نہیں مل سکتی تھی۔ اُس وقت مصر پر رومیوں کی ہی حکومت تھی۔ ہرقل مصر سے کمک منگوا سکتا تھا لیکن مسلمانوں نے راستے مسدود کر دیئے تھے۔

○

ہرقل تو بڑا کایاں اور منجھا ہُوا جرنیل تھا لیکن اُس نے مسلمانوں کے لشکر کو بکھیرنے کے لئے جو چال چلی تھی' اس سے مسلمان سالاروں نے فائدہ اٹھا لیا اور اس کی فوج کو خون میں نہلا کر بچ جانے والے رومیوں کو تِتر بِتر کر دیا۔ ہرقل اللہ کے اس قانون سے واقف نہیں تھا کہ اللہ جسے چاہتا ہے اُسے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اُسے ذلت میں پھینک دیتا ہے لیکن اللہ کسی کو بلاوجہ عزت اور کسی کو ویسے ہی ذلت نہیں دے دیا کرتا۔ اس کی کچھ شرائط بھی اللہ نے مقرر کی ہیں۔ اللہ انہیں ہی چاہتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہتے ہیں اور اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔

ہرقل نے اپنے مشیروں اور مصاحبوں کو بلایا اور انہیں صورتِ حال بتا کر کہا کہ وہ مشورہ دیں کہ اپنی بکھری ہوئی فوج کو کہاں یکجا کیا جائے اور کیا فوج یکجا ہو جائے تو یہ لڑنے کے قابل ہو گی؟

ایک مشیر فوراً بول اُٹھا۔ اس نے سب سے پہلے ہرقل کی مداح سرائی کی' پھر مسلمانوں کو بُرا بھلا کہا اور پھر اس قسم کے الفاظ کہے کہ روم کی فوج کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

"اٹھو!" ــــ ہرقل نے اُس مشیر سے کہا ــــ "باہر نکل جاؤ پھر مجھے کہیں نظر نہ آنا" ــــ ہرقل دوسرے مشیروں سے مخاطب ہُوا ــــ "مجھے صحیح مشورہ چاہئے۔ صورتِ حال تم سب کے سامنے ہے"۔

مشیروں اور مصاحبوں پر خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ تھے یا مر ہی گئے تھے۔ ہرقل انہیں دیکھتا رہا۔ سب کو غالباً توقع تھی کہ ہرقل گرج کر بولے گا اور حکم دے گا کہ اُسے صحیح مشورہ دیا جائے۔ ان میں سے کوئی بھی سچ بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ غالباً ہرقل نے محسوس کر لیا کہ یہ لوگ کس ذہنی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ اُسے شاید یہ احساس بھی ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کو مدح سرائی اور خوشامد کا عادی اُس نے خود بنایا ہے۔ اس کے سامنے بڑی ہی تلخ اور اذیت ناک حقیقت آ گئی تھی جو اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ سچ کا سامنا کرے۔

"ہم اب کہیں بھی نہیں لڑ سکتے" ــــ ہرقل نے خود ہی فیصلہ سنا کر مشیروں کو ذہنی اذیت سے نکالا ــــ "ایک ہی صورت رہ گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم شام سے نکل جائیں اور مصر جا کر فوج کو منظم اور تیار کریں اور پھر شام پر حملہ آور ہوں"۔

"ہم پہلے اس تجربے سے گزر چکے ہیں" ــــ ایک بوڑھے مشیر نے کہا ــــ "ایرانیوں نے ہم سے صرف شام ہی نہیں مصر بھی چھین لیا تھا۔ آپ اُس وقت بادشاہ نہیں تھے، خود مختار نہیں تھے لیکن آپ نے بادشاہ کو بے اختیار کر کے سلطنت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے، فوج کو تیار کیا اور جب مصر اور شام پر حملہ کیا تو ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دے کر دونوں ملکوں سے نکال دیا تھا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ملک شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ مصر تو ہمارے پاس ہے۔ فیصلہ بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں"۔

اس کے بعد تمام مشیر باری باری بولنے لگے اور سب نے اسی فیصلے کی تائید کی کہ شام سے نکل جانا چاہئے۔ اگر ہم اس توقع پر فوج کو لڑاتے رہے کہ مسلمانوں کو ایک زوردار حملے سے پسپا کر دیں گے تو حاصل کچھ بھی نہ ہو گا سوائے اس کے کہ جو فوج بچ گئی ہے وہ بھی کٹ جائے گی۔

ہرقل نے حکم جاری کر دیا کہ وہ قسطنطنیہ جانا چاہتا ہے اور جتنی جلدی ہو سکے روانگی کی تیاری شروع کر دی جائے۔ اُس وقت قسطنطنیہ بھی رومیوں کی سلطنت کا ایک بڑا شہر

تھا اور جنگ سے محفوظ۔ ہرقل کو اب وہی پناہ گاہ نظر آئی تھی۔ اُس کے کُوچ کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ ہرقل تو اُس دَور کی سب سے بڑی اور ہیبت ناک جنگی طاقت کا سب سے بڑا جرنیل اور بادشاہ تھا۔ اس کے غرور اور تکبّر نے اور انسانوں پر اس کے ظلم و تشدّد نے اسے یہ روزِ عبرت دکھا دیا جب اس کی ہیبت ناک جنگی طاقت ڈرے سہمے ہوئے سپاہیوں کی صورت میں بکھر گئی تھی۔ اس کے نامور جرنیل مارے گئے تھے۔ ہر طرف اور ہر جگہ اس کے فوجیوں کی گلتی سڑتی ہوئی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور زخمی فوجی اپنے آپ کو گھسیٹتے پھرتے تھے۔ اس فوج کا سب سے بڑا جرنیل اور بادشاہ، مجسّم حسرت و یاس بنا اُس منزل کو روانہ ہو رہا تھا جسے وہ سب سے زیادہ محفوظ پناہ سمجھتا تھا لیکن یقین نہیں تھا کہ اس منزل تک خیریت سے پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔

تاریخ میں صرف وہ واقعات ملتے ہیں جو عینی شاہدوں کے حوالوں سے کبھی قلمبند کئے گئے تھے۔ ان واقعات میں انسان چلتے پھرتے، بھاگتے دوڑتے، ایک دوسرے کا خون بہاتے اور روئے زمین پر اچھی بُری حرکتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ کسی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ فلاں صورتِ حال میں فلاں کے دل میں کیا تھا اور اس کے اندر کیسے طوفان بپا ہو رہے تھے۔ کسی نے لکھا بھی تو یہ قیاس آرائی تھی یا قیافہ شناسی۔ ہرقل کے متعلق متعدد مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ مایوسی اور نامرادی میں ڈوب گیا تھا اور اس قدر بے چین اور بے قرار رہنے لگا تھا کہ اس کے لئے کوئی معمولی سا فیصلہ کرنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ وہ فتوحات کا عادی ہو گیا تھا اور اس وہم میں مبتلا کہ کوئی اسے شکست دے ہی نہیں سکتا۔ اس خوش فہمی نے اسے رعایا کے لئے فرعون بنا دیا تھا۔

ہم تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ اس وقت اُس کے دل پر کیا گزر رہی تھی۔ اُسے اپنا ایک بڑا ہی نامور جرنیل تذارق یاد آیا ہو گا۔ یہ ابوبکر صدیقؓ کے دَورِ خلافت کا واقعہ ہے۔ مجاہدینِ اسلام دو عظیم سالاروں مثنیٰ بن حارثہ اور سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں زرتشت کے پجاری ایرانیوں کے خلاف عراق میں برسرِپیکار تھے۔ آتش پرست ایرانی پسپا ہوتے چلے جا رہے تھے۔

شام سلطنتِ روم میں شامل تھا اور حکومت ہرقل کی تھی۔

اُس وقت تک ہرقل مسلمانوں کو عرب کے بدّو اور صحرائی لٹیرے کہا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ شام کی سرحدوں سے باہر رہیں ورنہ نیست و

نابود کر دیئے جائیں گے' اپنا ایک بڑا زبردست کثیر تعداد لشکر یرموک کے مقام پر بھیج دیا اور مسلمانوں کو للکارا۔ اس لشکر کا جرنیل تاریخ کا ایک مشہور جنگجو تذارق تھا۔ ہرقل کو توقع تھی کہ وہ ایک ہی معرکے میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا لیکن اس معرکے کا انجام یوں ہُوا کہ تذارق مارا گیا۔ اُس کا تقریباً" آدھا لشکر کٹ مرا اور جو تعداد بچ گئی وہ بندہ بندہ ہو کر بکھری اور وحشت زدگی کے عالم میں واپس پہنچی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ تذارق کے بعد ہرقل کو خود آگے بڑھنا چاہیئے تھا تاکہ مسلمانوں پر اس کا دبدبہ قائم ہو جاتا لیکن وہ اس لئے باہر ہی نہ نکلا کہ اسے بھی شکست ہو گی اور اس کا وقار یرموک کی زمین میں ہی دفن ہو جائے گا.... اب جبکہ وہ شکست خوردگی کی حالت میں قسطنطنیہ جا رہا تھا' اُسے یرموک کا معرکہ یاد آیا ہو گا اور وہ پچھتایا بھی ہو گا کہ اُس نے عبرت حاصل نہ کی اور مسلمانوں کو کمزور ہی سمجھتا رہا۔

پھر اُسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط یاد آیا ہو گا جس میں آنحضورؐ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس واقعہ کا مختصر سا پس منظر یوں ہے کہ' جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے' ایرانیوں نے رومیوں سے شام و مصر چھین لئے تھے۔ اُس وقت روم کا بادشاہ فوکاس تھا۔ ایرانیوں نے بیت المقدس بھی فتح کیا تھا اور حضرت عیسیٰؑ کی (فرضی) قبر سے صلیبِ اعظم اٹھا کر لے گئے تھے۔ ہرقل نے شاہ فوکاس کا تختہ اُلٹا' خود شاہِ روم یا قیصرِ روم بنا اور ایرانیوں کو شکست دے کر ان سے صلیبِ اعظم واپس لے لی تھی۔

وہ صلیبِ اعظم واپس حضرت عیسیٰؑ کی مفروضہ قبر پر رکھنے بیت المقدس جا رہا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام ایک خط بھیجا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ خط ایک صحابی وحیہؓ بن خلیفہ کلبی لے جا رہے تھے۔ ہرقل انہیں بیت المقدس کے راستے میں ملا۔ انہوں نے وہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل کو دے دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔

آج جب شکست خوردہ ہرقل مسلمانوں کے قہر و عتاب سے بھاگا ہُوا شام کی سرحد سے نکل رہا تھا' اسے یقیناً" مسلمانوں کے رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط یاد آیا ہو گا اور یہ بھی کہ اُس نے کس طرح آنحضورؐ کا مذاق اُڑایا تھا' وحیہؓ بن خلیفہ کلبی پر پھبتیاں کسی تھیں اور پھر اس نے آنحضورؐ کی شان میں گستاخانہ کلمے کہے تھے اور خط آپؐ کے ان

صحابیؓ کے منہ پر دے مارا تھا اور بڑی بے ہُودگی سے انہیں رخصت کیا تھا.... عین ممکن ہے اب ہرقل دل ہی دل میں پچھتایا ہو کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا تو آج وہ بھی فاتحین میں شامل ہوتا اور اس ذلت و رسوائی تک نہ پہنچتا۔

تاریخ میں ہرقل کی اُس وقت کی کیفیت اتنی سی ہی لکھی ملتی ہے کہ اُس کا چہرہ مرجھایا ہُوا' سر جھکا ہُوا اور کندے سُکڑے ہوئے تھے۔ اس کے دل کو اس خیال نے بہلایا ہو گا کہ ابھی پورے کا پورا مصر اُس کے قبضے میں ہے اور وہ وہاں جا کر فوج کو تیار کرے گا اور پھر شام پر حملہ کر کے مسلمانوں سے انتقام لے گا۔

○

ہرقل کا قافلہ کوئی چند ایک افراد کا قافلہ نہیں تھا جو قسطنطنیہ جا رہا تھا۔ مصر اور شام کی بے انداز حسین ترین لڑکیوں کا حرم بھی ساتھ تھا۔ محافظ دستہ بھی تھا اور رُہاء میں جو تھوڑی سی فوج موجود تھی' وہ بھی ساتھ جا رہی تھی۔

یہ قافلہ پہاڑیوں کے اندر اندر' عام راستے سے ہٹ کر جا رہا تھا۔ یہ ایک احتیاط تھی جو اس لئے کی گئی تھی کہ راستے میں مسلمانوں کا کوئی دستہ دیکھ نہ سکے۔ ہرقل لڑائی سے کترا رہا تھا۔ اُس نے ایک حفاظتی تدبیر اور بھی اختیار کی تھی۔ وہ یہ کہ عام قسم کے مسافروں اور غریب سے لوگوں کے بھیس میں چند آدمی بہت آگے بھیج دیئے تھے۔ ان کے ذمے کام یہ تھا کہ جہاں کہیں دور یا قریب مسلمانوں کا کوئی دستہ نظر آئے تو فوراً" پیچھے آ کر اطلاع دیں تاکہ راستہ بدل لیا جائے۔

راستے میں ایسا ایک خطرہ آ ہی گیا۔ مسلمانوں کے تین چار سوار دستے مرعش سے ایک اور مقام دلوک کی طرف جاتے نظر آئے۔ اُس وقت ہرقل ایک مشہور مقام شمشاط کے قریب پہنچ چکا تھا اور اُس کا ارادہ وہیں رات گذارنے کا تھا۔ اُس کے جاسوس جو بہت آگے آگے جا رہے تھے' ان میں سے ایک سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا اور ہرقل کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کے سوار دستے شمشاط کی طرف آ رہے ہیں۔ ہرقل نے فوراً" کوچ کا حکم دے دیا اور اپنے قافلے کو قریبی پہاڑیوں کے اندر لے گیا اور سفر نہ صرف جاری رکھا بلکہ رفتار تیز تر کر دی۔

وہ خوش قسمت تھا کہ اُس وقت وہاں سے کھسک گیا اور پہاڑیوں میں رُوپوش ہو گیا۔ وہ جو سوار دستے دیکھے گئے تھے ان کے سالار خالدؓ بن ولید تھے۔ وہ ان دستوں کے

ساتھ دلوک جا رہے تھے کیونکہ اس مقام سے اطلاع گئی تھی کہ رومی فوج کی کچھ نفری اور وہاں کے لوگ باغی ہوتے جا رہے ہیں۔ تاریخ کے مطابق خالدؓ بن ولید نے فوراً وہاں پہنچ کر بغاوت کو اٹھنے سے پہلے کچل ڈالا۔ تاریخ اسلام کے اس عظیم سپہ سالار کو معلوم نہ ہو سکا کہ ایک بڑا ہی موٹا شکار ان کی نظروں سے ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

مشہور مصری تاریخ نویس محمد حسنین ہیکل نے کئی ایک مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہرقل جب اس پہاڑی خطے سے آگے نکلا تو ایک بلند مقام پر پہنچ کر اس نے پیچھے دیکھا۔ اسے چھوٹی بڑی بستیاں نظر آئیں اور اُفق تک پھیلا ہوُا ملک شام بھی نظر آیا۔ اُس نے آہ لی اور کہا —— "آخری سلام اے سرزمینِ شام.... اب کوئی رومی بے دھڑک تیری زمین پر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکے گا.... الوداع اے سرزمینِ شام!؟"

ہرقل کے لئے قسطنطنیہ کا راستہ محفوظ نہیں رہا تھا۔ اس نے شام کی سرحد سے کچھ دور غیر معروف سے ایک مقام بز نطیہ کا رخ کر لیا۔

المقریزی نے ہرقل کی اُس وقت کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ ہرقل بز نطیہ میں اس طرح داخل ہوُا جیسے اپنے جنازے کے ساتھ اپنی آخری رسوم ادا کرنے آیا ہو۔

○

شمع بجھنے کو آتی ہے تو کچھ دیر ٹمٹماتی ہے اور پھر آخری بار اس کی لَو بھڑکتی اور بجھ جاتی ہے۔

ہرقل کی شمع ٹمٹما رہی تھی اور کوئی دم کو بجھنے کو تھی۔ اس شمع میں اُس کا خون جل رہا تھا' اُس کی رعونت جل رہی تھی اور اُس کا وہ غرور اور تکبّر جل رہا تھا جو اُسے اپنی جنگی اور ذاتی طاقت پر ہوُا کرتا تھا۔ ملک شام اس کی شہنشاہیت سے نکل گیا تھا لیکن کچھ سرحدی علاقوں پر ابھی مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوُا تھا۔ ہرقل کی امیدیں دم توڑ رہی تھیں۔

کیا ہرقل نے عبرت حاصل کی تھی؟.... تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔

انسان کی فطرت کا خاصہ ہے کہ ایک بار طاقت کا زعم' رعونت' غرور اور تکبّر دماغ پر قبضہ کر لیں تو پھر انسان ذرا مشکل سے ہی عبرت حاصل کرتا ہے۔ تاریخ ہمیں وہ وقت یاد دلاتی ہے جب مسلمانوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ

عنہ' شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ملک شام پر لشکر کشی کی تھی۔ مجاہدینِ اسلام نے دمشق فتح کر لیا تھا۔ ہرقل اُس وقت انطاکیہ میں تھا۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس نے اور اس کے جرنیلوں وغیرہ نے مسلمانوں کو عرب کے بدّو اور صحرائی قزاق کہا تھا۔ ہرقل نے دمشق کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے فوج بھیج دی تھی لیکن اس فوجی مدد کے پہنچنے سے پہلے ہی مسلمانوں نے دمشق فتح کر لیا تھا۔

اب جبکہ ہرقل شکست خوردگی کے عالم میں بز نطیہ جا پہنچا تھا اور اس کی امیدوں کے چراغ ٹمٹما رہے تھے' اس سے کچھ عرصہ پہلے کا یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے شام میں پہلی فتح یہ حاصل کی تھی کہ دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہرقل نے خود انطاکیہ سے نکلنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ عرب کے یہ بدّو اس کی اتنی بڑی جنگی قوت کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔

ہرقل کی بھیجی ہوئی کمک پہنچ گئی تو رومی لشکر کی تعداد کم و بیش پچاس ہزار ہو گئی جس میں گھوڑ سوار دستے زیادہ تھے۔ یہ فوج دمشق سے کچھ دُور بیسان کے مقام پر جمع ہو گئی جہاں وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔

ہم یہاں ان لڑائیوں کی تفصیل پیش نہیں کریں گے' رومیوں کے غرور اور تکبر کا ایک واقعہ سناتے ہیں۔ دمشق جیسا بڑا شہر دے کر بھی رومی جرنیل مسلمانوں کو صحرائی قزاق اور لٹیرے سمجھ رہے تھے۔ اس رومی فوج کا کمانڈر سکار نام کا ایک تجربہ کار جرنیل تھا جس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔

وہ علاقہ بڑا ہی زرخیز تھا اور پانی کی اتنی افراط کہ کئی ایک چھوٹی بڑی ندیاں بہتی تھیں۔ جرنیل سکار کے حکم سے ندیوں کے کنارے توڑ دیئے گئے جس سے تمام علاقوں میں پانی پھیل گیا۔ اس نے یہ اقدام مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ اور دشواری پیدا کرنے کے لئے کیا تھا۔

مجاہدینِ اسلام نے ہر طرف پھیلتا ہوُا پانی دیکھا تو انہوں نے بڑی بلند آواز سے قہقہے لگائے اور رومیوں کو کچھ طنزیہ کلمے بھی کہے۔ مجاہدین نے ذرا سی بھی گھبراہٹ یا پریشانی کا اظہار نہ کیا اور لڑائی کی تیاریاں کرتے رہے۔ مسلمانوں کے حوصلے اور عزم کی یہ پختگی اور ان کی یہ بے نیازی دیکھ کر رومی فوج متاثر بھی ہوئی اور مرعوب بھی۔

رومی جرنیل سکار نے اس کے باوجود مسلمانوں کو کمزور اور کمتر سمجھا اور ایک ایلچی بھیجا کہ وہ اپنا کوئی نمائندہ بھیجیں جس کے ذریعے صلح اور امن کی بات کی جا سکے۔ سپہ سالار ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ایلچی بنا کر رومیوں کے پاس بھیجا۔

علامہ شبلی نعمانی طبری اور بلاذری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ معاذ ؓ بن جبل گھوڑے پر سوار ہو کر رومیوں کے کیمپ میں گئے تو انہیں سکار کے خیمے تک لے جایا گیا۔ وہ گھوڑے سے اترے اور سکار کے ایک محافظ نے ان کا گھوڑا پکڑ لیا اور کہا کہ آپ اندر چلے جائیں۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ معاذ ؓ بزرگ صحابی تھے' ان کی عمر اور رتبے کو دیکھتے ہوئے رومی عیسائی ان کا احترام کر رہے تھے۔

معاذ ؓ خیمے میں داخل ہونے لگے تو وہیں رک گئے۔ یہ تھا تو خیمہ لیکن اندر سے یوں لگتا تھا جیسے کسی بادشاہ کا خاص کمرہ ہو۔ ایسی ایسی قیمتی سجاوٹ کہ یہ میدانِ جنگ کا خیمہ لگتا ہی نہیں تھا۔ جس چیز نے معاذ ؓ کو حیران اور پریشان کیا وہ خیمے کے اندر بچھا ہوا قالین تھا۔ اس قدر قیمتی اور ایسا عمدہ اور نفیس کہ معاذ ؓ اس پر پاؤں رکھنے سے گریز کر رہے تھے۔

رومی جرنیل سکار نے انہیں آگے آ کر بیٹھنے کو کہا۔ وہاں سبھی لوگ اور سکار بھی فرش پر یعنی فرش پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھے تھے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قالین پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ان کے درمیان جو باتیں ہو رہی تھیں وہ ایک ترجمان کے ذریعے ہو رہی تھیں۔ سکار چونکہ رومی تھا اس لئے وہ اس خطے کی زبان نہیں بولتا تھا نہ سمجھتا تھا۔

"آپ اس قالین پر بیٹھ سکتے ہیں" ــــ سکار نے کہا ــــ "اس پر صرف غلاموں کو پاؤں رکھنے کی اجازت نہیں"۔

"میں مسلمان ہو کر اس قالین پر نہیں بیٹھوں گا" ــــ معاذ ؓ نے کہا ــــ "اس قالین سے مجھے غریب رعایا کے خون کی بُو آ رہی ہے۔ یہ قالین غریب مزدوروں اور کسانوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہے"۔

قالین خیمے جتنا لمبا چوڑا نہیں تھا۔ زمین ننگی بھی تھی۔ معاذ ؓ زمین پر یعنی خیمے کے فرش پر بیٹھ گئے۔

"ہم آپ کی عزت کرنا چاہتے تھے" ــــ سکار نے کہا ــــ "اگر آپ کو اپنی عزت کا خود ہی خیال نہیں تو یہ ایک مجبوری ہے"۔

علامہ شبلی نعمانی مؤرخوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آ گیا اور وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے یعنی پوری طرح نہ اُٹھے۔

"اپنے اس جرنیل کے دماغ میں میری یہ بات ڈال دو" ــــ معاذ ؓ نے ترجمان سے کہا ــــ "اسے کہو کہ تم قالین پر بیٹھنے کو عزت سمجھتے ہو تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ ہمارے ہاں عزت کا تصور کچھ اور ہے۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو میں ہوں ہی غلام لیکن اپنے اللہ کا!"

معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر بیٹھ گئے لیکن رومی جرنیل اور اس کے ان افسروں کو جو وہاں موجود تھے' حیرت زدہ کر دیا۔

"آپ کے اس لشکر میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی ہے؟" ــــ جرنیل سکار نے پوچھا۔

"معاذ اللہ' یہی کافی ہے کہ میں کسی سے بدتر نہیں ہوں"۔

سب حاضرینِ محفل خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ معاذ ؓ نے یہ بات ایسے دانشمندانہ اور پُراعتماد انداز سے کہی تھی کہ سب متاثر ہوئے لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے کوئی اثر قبول کیا ہے۔ معاذ ؓ کی نگاہیں ان سب پر گھوم گئیں اور کسی نے کوئی اور بات نہ کی۔

"ان سے کہو کوئی بات کریں" ــــ معاذ ؓ نے ترجمان سے کہا ــــ "اگر انہیں کچھ نہیں کہنا تو میں واپس چلا جاتا ہوں"۔

ترجمان نے جب رومی زبان میں اپنے جرنیل کو بتایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے تو وہ بولا۔

"ہم آپ سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں" ــــ جرنیل سکار نے کہا ــــ "ملک حبشہ آپ کے قریب ہے۔ دوسرے ملک بھی ہیں' پھر آپ نے اِدھر کا رخ کیوں کیا ہے؟.... کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے؟ ہماری فوج کی تعداد آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر ہے۔ کیا آپ یہ سوچ کر اِدھر آئے ہیں کہ ہمیں شکست دے سکیں گے؟.... ناممکن!"

"ہم یہ درخواست لے کر آئے ہیں جو دراصل اللہ کا پیغام ہے" —— معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا —— "اسلام قبول کر لیں۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہم جیسی عبادت کریں۔ شراب اور خنزیر کا گوشت چھوڑ دیں کہ یہ دونوں چیزیں حرام ہیں اور ہر طرح کی حرام کاری اور شاہانہ عیش و عشرت چھوڑ دیں"۔

"اگر ہم آپ کی یہ درخواست قبول نہ کریں تو؟" —— سکار نے رعونت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر جزیہ دیں" —— معاذؓ نے جواب دیا —— "اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر فیصلہ تلوار کرے گی.... اگر آپ کی تعداد ستاروں کے برابر ہے تو ہمیں اللہ کے اس فرمان پر بھروسہ ہے کہ ایسا اکثر ہُوا ہے کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے ایک بڑی اور طاقتور جماعت پر فتح یاب ہوئی ہے۔ آپ کو اپنے بادشاہ پر بڑا ناز اور فخر ہے لیکن آپ یہ نہیں دیکھ رہے کہ وہ بادشاہ اپنے آپ کو ہر قانون سے بالاتر سمجھتا ہے اور آپ سب کی جان مال اور آبرو اس کے اختیار میں ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ اپنے آپ کو ہم سب سے بڑا اور برتر نہیں سمجھتا۔ ہم اسے خلیفہ کہتے ہیں۔ وہ بھی کوئی جرم کرے گا تو ایک عام آدمی جیسی سزا پائے گا"۔

یہ رومی جرنیل دراصل یہ چاہتا تھا کہ مسلمان کسی بھی قسم کی کوئی خیرات وصول کر لیں اور یہاں سے واپس چلے جائیں۔ اس نے ملک شام کا ایک ضلع اور کچھ اتنا ہی حصہ اردن کا پیش کیا اور کہا کہ مسلمان یہ زمین لے لیں اور واپس چلے جائیں۔ معاذؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور مزید بات چیت سے انکار کر دیا اور واپس چلے آئے۔

یہ رومی جرنیل ابھی تک یہ توقع رکھتا تھا کہ یہ غریب سے مسلمان جن کا ایک اتنے بڑے رتبے والا آدمی قالین پر بیٹھنے سے جھجکتا ہے، کچھ لے کر واپس جانے پر رضامند ہو جائیں گے۔ اُس نے اپنا ایک ایلچی مجاہدینِ اسلام کے سپہ سالار ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا جسے یہ پیغام دیا کہ سپہ سالار رومی ایلچی کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیں۔

ابو عبیدہؓ نے اجازت دے دی اور اُسی روز سکار کا بھیجا ہُوا ایک ایلچی ابو عبیدہؓ کے پاس آ گیا۔

طبری اور بلاذری کے حوالوں سے یہ واقعہ تاریخ کے دامن میں یوں محفوظ ہے کہ

رومی ایلچی کو غالباً یہ توقع تھی کہ اسلامی لشکر کا سپہ سالار تو جاہ و جلال والا آدمی ہو گا اور اس کی کچھ تو شان و شوکت دوسروں سے الگ ہو گی۔ ایلچی ابو عبیدہؓ کے پاس آیا تو اُس وقت سپہ سالار زمین پر بیٹھے ایک تیر کو ہاتھ میں لئے دیکھ رہے تھے۔ رومی ایلچی نے کسی سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے۔ ان آدمیوں نے ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا تو وہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھتا ہی رہا۔ پھر ان کے قریب آیا۔

"کیا تم ہی اس لشکر کے سپہ سالار اور سردار ہو؟" —— ایلچی نے کچھ رعونت کا سا مظاہرہ کیا۔

"ہاں، میں ہی ہوں" —— ابو عبیدہؓ نے بڑے آرام سے جواب دیا۔

"پھر میری ایک بات سن لو" —— رومی ایلچی نے افسرانہ جلال سے کہا —— "ہم تمہاری تمام فوج کو سونے کی دو دو اشرفیاں فی آدمی دیں گے اور تم یہاں سے واپس چلے جاؤ"۔

معلوم نہیں اُس وقت اشرفیاں تھیں یا نہیں، اس رومی کا مطلب دراصل یہ تھا کہ سونے کے دو دو ٹکڑے ہر مجاہد کو دیئے جائیں گے اور وہ واپس چلے جائیں۔

"کوئی اور بات کرنی ہے تم نے؟" —— ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"نہیں!"

"پھر تم چلے جاؤ" —— ابو عبیدہؓ نے کہا۔

ایلچی بڑا ہی برہم ہو کر چلا گیا۔ ابو عبیدہؓ نے اُسی وقت ایک پیغام امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جس میں یہ سارا واقعہ لکھا۔

فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ تیز رفتار قاصدوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ چار پانچ دنوں بعد قاصد امیرالمومنین کا پیغام لے کر آ گیا۔ امیرالمومنین نے لکھا تھا کہ اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہو، اللہ تمہارا یار و مددگار ہے۔

○

وہ ہرقل جسے رعایا اور اس کے جرنیل بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ سمجھتے تھے، اور وہ ہرقل جس کی فوج کی تعداد آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر تھی، بزنطیہ میں اس حال میں پہنچا تھا کہ آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر فوج سپاہی سپاہی ہو کر بکھر گئی تھی اور آدھی سے زیادہ فوج ہلاک ہو کر ہڈیوں کے ڈھانچوں

میں تبدیل ہو چکی تھی اور ملک شام پر مجاہدینِ اسلام کا قبضہ ہو گیا تھا.... آسمان کے ستارے ٹوٹ پھوٹ کر زمین کے ذرّوں میں مل کر خاک ہو گئے تھے۔

اُدھر جنگِ قادسیہ کے بعد کسریٰ ایران بڑی بُری شکست کھا کر بھاگا اور اپنا دارالحکومت مدائن بے بہا خزانوں سمیت مسلمانوں کے لئے چھوڑ کر کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ ایران و عراق مجاہدینِ اسلام کی جھولی میں آ پڑے اور اِدھر شام مسلمانوں کے قدموں میں آ گرا۔ یہ صورتِ حال ایسی تھی جو ہرقل کا دل توڑ رہی تھی لیکن آدمی بہرحال حوصلے والا تھا' اُس نے اطمینان سے اس صورتِ حال کا اور اپنی جنگی طاقت کا جائزہ لیا تو اس کا ٹوٹا پھوٹا حوصلہ پھر سے قائم ہونے لگا۔ اس کے مشیروں نے بھی اس سے کہا کہ اپنی آدھی فوج مارے جانے سے اور شام ہاتھ سے نکل جانے سے روم کی شہنشاہی کے لئے اتنا نقصان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ ابھی مصر ان کے پاس تھا اور مصر میں بے شمار فوج تھی۔ مشیروں نے ہرقل سے کہا کہ وہ مصر سے فوج منگوائے اور تیاری کر کے مسلمانوں پر جوابی حملہ کیا جائے۔

ہرقل کی اُس وقت کی ذہنی کیفیت کے متعلق مؤرخوں نے لکھا ہے۔ بزنطیہ میں پہنچ کر جب اسے یہ محفوظ پناہ مل گئی اور کچھ آرام اور سکون بھی مل گیا تو اسے مشیروں کے مشورے بڑے ہی اچھے لگے۔ اُس نے اسی وقت قاصد مصر اس پیغام کے ساتھ بھیج دیئے کہ کم و بیش چالیس ہزار نفری کی فوج فوراً روانہ کر دی جائے۔ اِدھر اس کے پاس ایک مدد اور آ گئی جو اس کے لئے بالکل ہی خلاف توقع تھی۔ اس مدد نے اس کا حوصلہ پہلے کی طرح مضبوط کر دیا۔

یہ مدد اس طرح آئی کہ ایک روز اسے اطلاع دی گئی کہ عراق اور شام کے مختلف قبائل کے بیس پچیس سردار اسے ملنے آئے ہیں۔ یہ سب جنگجو قبائل تھے۔ ان سرداروں کے ساتھ بیس پچیس نہایت حسین و جمیل' معصوم صورت نوجوان لڑکیاں تھیں جو ان سرداروں کے اپنے ہی خاندانوں میں سے تھیں۔ ہرقل نے ان سب کو اندر بلا لیا۔ ان سرداروں کے ساتھ ایک معمر' سفید ریش بزرگ تھا جو شکل و صورت اور لباس سے دانشمند اور مذہبی پیشوا لگتا تھا۔

ان قبائل کے متعلق تھوڑی سی معلومات بے محل نہیں ہوں گی۔ عراق اور شام کے سرحدی علاقوں میں اور کچھ دوسرے علاقوں میں بھی جو جنگ کی لپیٹ میں آ گئے

تھے' بہت سے قبائل آباد تھے' ان میں بڑے قبائل بنی تمر' بنو غسان' بنی تغلب' بنی ایاد' بنی مذام اور بنی عدوان تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قبائل تھے۔ یوں کہہ لیں کہ ان علاقوں کی آبادی قبائل کی صورت میں بٹی ہوئی تھی۔ یہ جو قبائلی سردار ہرقل کے پاس گئے تھے' یہ سب غیر مسلم تھے۔ کچھ فارس کے یعنی عراق اور ایران کے آتش پرست تھے اور باقی عیسائی تھے۔

"کیا تم یہ لڑکیاں میرے لئے تحفہ لائے ہو؟" ــــ ہرقل نے طنزیہ لہجے میں کہا ــــ "کیا تم مجھے فاتح سمجھ کر آئے ہو؟ اس وقت میری ضرورت کچھ اور ہے۔ مجھے یہ حسین و جمیل لڑکیاں نہیں چاہئیں۔ اس وقت مجھے ایسے جوان مردوں کی ضرورت ہے جو میرے بازو مضبوط کریں اور میں عرب کے ان بَدّوؤں کو یہاں سے دھکیل کر وہیں پہنچا دوں جہاں سے یہ آئے ہیں"۔

"ہم آپ کے بازو ہی مضبوط کرنے آئے ہیں" ــــ بوڑھے سردار نے کہا ــــ "یہ لڑکیاں ہم تحفے کے طور نہیں لائے۔ یہ ہماری اپنی بیٹیاں ہیں۔ انہیں ہم آپ کے پاس صرف یہ دکھانے کے لئے لائے ہیں کہ یہ ہے ہماری عزت اور آبرو جو جنگوں میں محفوظ نہیں رہی۔ ہم ان معصوم بچیوں اور ان جیسی ہزارہا بچیوں کی آبرو کی حفاظت کرنے کے لئے آپ کے ساتھ بات کرنے آئے ہیں۔ آپ ہماری مدد کریں اور ہم آپ کی مدد کریں گے۔ آپ کو جن جوان مردوں کی ضرورت ہے' وہ ہم آپ کو ہزارہا کی تعداد میں دیں گے"۔

"میری مدد کا تمہیں اب خیال کیوں آیا ہے؟" ــــ ہرقل نے پوچھا ــــ "یہ خیال اُس وقت کیوں نہ آیا جب فارس کی فوج مسلمانوں کے آگے بھاگی جا رہی تھی اور اِدھر میری فوج بکھر کر پیچھے ہٹ رہی تھی؟"

یہ واقعہ بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بیان کیا جا سکے کہ ہرقل کے اقتدار کی شمع آخری بار کس طرح بھڑکی اور جب بجھ گئی تو وہ شام سے مصر تک کیوں اور کس طرح پہنچا۔ ہم ان طویل تفصیلات کو یوں مختصر کرتے ہیں کہ اس معمر قبائلی سردار نے ہرقل کو بتایا کہ مسلمانوں نے ایرانیوں کے خلاف لشکر کشی کی اور ادھر شام پر بھی انہوں نے حملہ کیا تو ان دونوں جنگوں میں ان قبائلیوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں جو فوجوں کے گھوڑے' اونٹ اور بیل وغیرہ کھا گئے۔ اس

بوڑھے سردار نے یہ بھی بتایا کہ خود اپنے فوجیوں نے ان کی لڑکیاں اٹھالیں یا انہیں خراب کر کے چلے گئے۔

"کیا مسلمانوں نے تمہاری لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک نہیں کیا تھا؟" ـــــ ہرقل نے پوچھا۔

"نہیں!" ـــــ قبائلی سردار نے جواب دیا ـــــ "مسلمان جب کسی بستی میں یا کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ گھروں کو نہیں لُوٹتے نہ وہ عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ وہ بعض لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر لے جاتے ہیں لیکن ہم ان عربوں کو جانتے ہیں' وہ بغیر شادی کے کسی عورت کے ساتھ ناروا سلوک نہیں کرتے لیکن شہنشاہِ روم! اگر ایک بھی مسلمان ہماری ایک بھی لڑکی کو ساتھ لے جائے اور اسے اپنی باقاعدہ بیوی بنا لے تو بھی ہم اسے اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ہم یہ لڑکیاں آپ کے سامنے لائے ہیں کہ یہ پھول مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ جائیں اور اپنا بھی کوئی فوجی انہیں اپنا مال نہ سمجھے"۔

اس بزرگ سردار نے ہرقل کو بتایا کہ وہ آتش پرست ہے اور ان عیسائی قبائلی سرداروں کے ساتھ آیا ہے۔ مذہب کوئی بھی ہو' عزت ہر کسی کی ایک جیسی ہوتی ہے۔

بات دراصل یہ تھی جو اس سردار نے ہرقل کو بتائی کہ مجاہدینِ اسلام نے ان کی کچھ بڑی بڑی بستیاں اور قصبے تباہ و برباد کر دیئے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے مجاہدین کے خلاف اپنی فوجوں کو بھرپور مدد دی اور مجاہدین کو دھوکے دیئے تھے۔ یہ سب قبائلی سردار ہرقل کو یہ کہنے آئے تھے کہ اب مسلمانوں نے ملک شام بھی فتح کر لیا ہے اور وہ کچھ اور بستیاں اجاڑ دیں گے اس لئے وہ ہرقل کو قبائلیوں کی پوری فوج دینا چاہتے ہیں۔

"اے روم کے شہنشاہ!" ـــــ اس معمر سردار نے کہا ـــــ "میری عمر دیکھیں' زمانے کے کتنے ہی نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ میں آپ کے چہرے پر مایوسی اور تذبذب دیکھ رہا ہوں۔ اپنے آپ کو شکست خوردہ نہ سمجھیں۔ آج شکست ہوئی ہے تو کل فتح بھی ہو سکتی ہے۔ مصر سے مزید فوج منگوائیں اور ہم آپ کو اپنی فوج دیں گے۔ ایک بات شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ وہ یہ ہے کہ یہ عربی مسلمان سمندر کی طرف سے آنے والی ہر چیز سے بہت ڈرتے ہیں۔ ہم ان میں یہ مشہور کر دیں گے کہ سمندر سے فوج آ رہی ہے"۔

یہ بوڑھا قبائلی سردار ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دو تین اور مستند مؤرخوں نے بھی لکھا ہے

کہ اُس وقت تک مسلمان سمندر میں نہیں اُترے تھے۔ ان کا کوئی بحری بیڑہ نہیں تھا نہ انہیں بحری جنگ کی سُوجھ بُوجھ تھی۔ وہ صحرائی لوگ تھے اور نہ جانے کیوں سمندر سے کچھ ڈرتے تھے۔ اس کے بعد تو مسلمانوں نے سمندری جنگوں میں ایسا نام پیدا کر لیا تھا کہ مسلمانوں کی بحری طاقت ایک ضرب المثل بن گئی تھی۔

ہرقل نے جب ان قبائلیوں کی یہ پیشکش سنی تو اس نے انہیں پہلی بات یہ بتائی کہ مصر سے اس کی فوج آ رہی ہے اور قبائلی فوراً" اس کے پاس مسلح ہو کر پہنچ جائیں۔

یہ سردار جب جانے لگے تو ہرقل نے یا اس کے شاہی خاندان کے کسی اور فرد نے یا کسی مشیر نے یہ مشورہ دیا کہ اتنی خوبصورت اور نوجوان لڑکیوں کو سفر پر واپس نہ بھیجا جائے بلکہ ہرقل کے محل میں ہی رہنے دیا جائے جہاں یہ بالکل محفوظ رہیں گی۔



مجاہدینِ اسلام کے تمام سالار مفتوحہ شہروں اور علاقوں کے انتظامات میں مصروف تھے۔ فتح کے بعد ایسے مسائل اور ایسی افراتفری پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی طرف فوری توجہ بہت ضروری ہو جاتی ہے۔ ابھی یہ خطرہ بھی باقی تھا کہ کہیں بغاوت بھی ہو سکتی ہے۔ رومی فوجی کہیں کہیں چھپے ہوئے بھی تھے۔ سالار اِدھر مصروف تھے اسے لئے انہیں پتہ ہی نہ چل سکا کہ ہرقل پھر فوج اکٹھی کر رہا ہے اور مصر کی بندرگاہ اسکندریہ سے مزید فوج آ رہی ہے اور غیر مسلم قبائل ایک فوج کی صورت میں منظم ہو کر ہرقل تک بزنطیہ پہنچ رہے ہیں۔

ہرقل ایک بار پھر ذہنی اور جسمانی طور پر بیدار ہو گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد مصر سے چلی ہوئی فوج بحری جہازوں کے ذریعے ساحل سے آ گئی۔ ہرقل نے اپنے آدمی وہاں بھیج رکھے تھے۔ وہ فوج کو ایک ایسے مقام تک لے گئے جو ہرقل نے انہیں بتایا تھا۔

یہ مقام اُس وقت کے ایک مشہور شہر حمص کے قریب تھا۔ قبائلیوں کے جو لشکر آ رہے تھے' انہیں بھی ہرقل اسی مقام کی طرف بھیج رہا تھا۔ اس ساری فوج کا کمانڈر ہرقل کا اپنا بیٹا قسطنطین تھا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ بیٹا ایسے جوش اور بھڑکے ہوئے جذبے سے آیا تھا کہ اپنے باپ کی شکست کا انتقام لے گا اور اس شکست کو فتح میں بدلے گا۔

مصر سے آئی ہوئی ہرقل کی فوج اور قبائلی لشکر ایسے انداز سے اور ایسی ترتیب میں

حمص کے اِردگرد اکٹھے ہو گئے کہ حمص جیسا بڑا اور اہم شہر محاصرے میں آ گیا لیکن یہ محاصرہ قریب نہیں تھا بلکہ اتنی دور تھا کہ مسلمانوں کو اس کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ علاقہ پہاڑی تھا اور کچھ جنگلات بھی تھے جن سے رومیوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ ابھی قبائلیوں کے اور لشکر نے آنا تھا اس لئے یہ لوگ محاصرہ تنگ نہیں کر رہے تھے۔

مجاہدینِ اسلام کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ حمص میں ہی تھے اور یہی مجاہدین کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔ دوسرے سالار دوسرے شہروں میں مصروف تھے۔ ابو عبیدہؓ نے اپنے جاسوس باہر بھیجنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کیونکہ رومیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ ختم ہو گیا تھا۔ ہرقل کے متعلق معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بزنطیہ میں ہے اور وہاں سے بھی نکل جائے گا۔

ایک روز ابو عبیدہؓ کو کسی طرح معلوم ہُوا کہ رومی ایک بار پھر منظم ہو کر حمص کے قریب آ رہے ہیں یا آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ کوئی مصدقہ اطلاع نہیں تھی بلکہ اُڑتی اُڑتی سنی گئی تھی۔ ابو عبیدہؓ نے حدید کو بلایا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حدید جاسوسی اور شب خون مارنے میں خصوصی مہارت اور جرأت رکھتا تھا۔

حدید جس کا پورا نام حدید بن مومن خزرج تھا، حکم ملتے ہی اپنے سپہ سالار کے پاس پہنچا۔ سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے اسے کہا کہ وہ حمص سے دُور دُور جا کر دیکھے کہ رومی فوج کہیں موجود ہے؟ سپہ سالار نے اسے وہ ساری خبر سنائی جو انہوں نے سنی تھی۔ حدید یہ حکم لے کر چلا گیا اور ایک عام قبائلی کسان کا بھیس بدل کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور اپنے مشن پر نکل پڑا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب حدید اور شارینا سپہ سالار ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچے تھے تو ان کی ساری بات سن کر سپہ سالار نے شارینا کو عورتوں کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ عورتیں سالاروں کی بیویاں، مجاہدین کی بھی بیویاں اور بہنیں وغیرہ تھیں جو ان کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئی تھیں۔ شارینا حدید کی محبت میں گرفتار تھی لیکن جب سے حدید اسے یہاں لایا تھا، وہ حدید کو دیکھ بھی نہیں سکی تھی۔ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ حدید اور شارینا کی شادی کر دی جائے گی لیکن جنگ کی صورتِ حال ابھی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ شارینا حدید کو دیکھنے کو بھی ترس رہی تھی۔

حدید جب گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا تو شارینا نے اُسے دور سے دیکھ لیا۔ وہ عرب کی مسلمان لڑکی ہوتی تو یوں نہ کرتی لیکن وہ آزاد خیال اور شاہی خاندان کی لڑکی تھی اور اس کے علاوہ وہ حدید کی محبت میں تڑپتی رہتی تھی۔ وہ حدید کی طرف اُٹھ دوڑی اور اسے پکارنے لگی۔ حدید نے گھوم کر دیکھا تو گھوڑا روک دیا۔ شارینا دوڑتی اُس تک پہنچی اور پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہاں ایسی بات نہیں تھی کہ انہیں یوں الگ اکٹھے کھڑے دیکھ کر کوئی اعتراض کرتا۔ وہ اخلاق اور کردار کا زمانہ تھا۔ عورتیں اور نوجوان لڑکیاں بھی میدانِ جنگ میں زخمی مجاہدین کو اٹھاتیں، سہارا دے کر پیچھے لاتیں اور انہیں پانی پلاتی تھیں۔ بعض لڑکیاں رات رات بھر ایک ایک زخمی کے پاس بیٹھی ان کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ حدید اور شارینا کے متعلق تو سب کو معلوم تھا کہ یہ دونوں کہاں سے اور کیسے آئے ہیں۔

حدید نے شارینا سے کہا کہ وہ اپنے کام سے جا رہا ہے اور وہ واپس چلی جائے لیکن شارینا نے گلے شکوے شروع کر دیئے کہ وہ اسے ملتا نہیں اور کبھی اس نے آ کر اسے دیکھا بھی نہیں۔ حدید نے اسے بتایا کہ وہ صبح شام مصروف رہتا ہے لیکن اتنی سی بات سے شارینا کی تسلّی نہیں ہو رہی تھی۔ تسلّی نہ ہونے کی ایک وجہ تو صاف تھی۔ اس نے شاہی محل میں جنم لیا، پلی بڑھی اور شاہی ماحول میں جوان ہوئی تھی اور وہ اس کے بالکل اُلٹ ماحول میں آ گئی تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ حدید بن مومن اسے اتنا اچھا لگا تھا کہ دیوانہ وار اسے چاہنے لگی تھی اور کئی کئی دن اسے حدید نظر نہیں آتا تھا۔

اب اسے حدید نظر آ گیا تو اس کے پیچھے پڑ گئی کہ وہ اسے بتائے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ حدید ایک خفیہ مشن پر جا رہا تھا جو وہ شارینا کو نہیں بتانا چاہتا تھا لیکن شارینا نے گھوڑے کے آگے ہو کر لگام پکڑ لی اور بچوں جیسی ضد کرنے لگی کہ وہ اسے بتائے وہ کہاں جا رہا ہے۔

حدید کو بھی آخر اُس سے محبت تھی۔ وہ اس کی اتنی پیاری ضد سے متاثر ہو گیا اور اسے بتایا کہ وہ اپنے سپہ سالار کے ایک شک کے مطابق کچھ دور دیکھنے جا رہا ہے کہ واقعی رومی فوج کہیں قریب آ گئی ہے یا یہ ایک افواہ تھی جو سپہ سالار کے کانوں تک پہنچ گئی۔

شارینا نے اب یہ ضد شروع کر دی کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے گی۔ حدید کو یہ منظور نہ تھا نہ ہی مناسب تھا کہ وہ اسے ساتھ لے جاتا۔ شارینا فہم و فراست رکھنے والی

لڑکی تھی۔ اس نے کہا کہ رومی کہیں نظر آ بھی گئے تو اسے کوئی نہیں پہچان سکے گا کیونکہ وہ اب ایسے لباس میں ہے کہ اسے کسی معمولی سے گھرانے کی لڑکی سمجھا جائے گا اور کسی نے پوچھ بھی لیا کہ تم دونوں کون ہو تو وہ کہے گی کہ میں اس کی بیوی ہوں۔

حدید نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مان رہی تھی۔ حدید گھوڑے سے اُترا اور شارینا کو اپنے بازوؤں میں لے کر بڑے پیار سے سمجھایا کہ وہ واپس چلی جائے اور اس کے فرائض میں مخل نہ ہو۔ بڑی تگ و دو کے بعد حدید نے شارینا کو راضی کر لیا کہ وہ واپس چلی جائے۔

شارینا وہاں سے آہستہ آہستہ نہ چلی بلکہ دوڑ پڑی۔ حدید نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ چلی گئی ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور آگے کو چل پڑا۔ شارینا اُس پر بھی پیار اور محبت کے جذبات طاری کر گئی تھی لیکن وہ اسلام کا مجاہد تھا جذبات کے غلبے سے نکل آیا اور آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ وہ گھوڑا دوڑا نہیں رہا تھا، گھوڑا معمول کی چال چل رہا تھا۔

وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اُسے کسی گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیئے۔ اُس وقت وہ ایک چٹان کی اوٹ میں تھا۔ کوئی سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آ رہا تھا۔ حدید کو خیال آیا کہ سپہ سالار نے ہی کسی سوار کو کوئی اور پیغام دے کر اس کے پیچھے بھیجا ہو گا۔ وہاں کسی دشمن کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

حدید نے گھوڑے کا رخ موڑا اور چٹان کی اوٹ سے نکل کر سامنے آ گیا کہ دیکھے کہ یہ کون آ رہا ہے۔ گھوڑا قریب آ گیا تھا۔ سوار نے سر اور چہرے پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ سوار نے قریب آ کر گھوڑا روکا تو حدید نے دیکھا کہ یہ تو شارینا ہے۔ وہ پریشان ہو گیا اور شارینا سے کہا کہ وہ واپس چلی جائے۔ شارینا نے کہا کہ وہ واپس جانے کے لئے نہیں آئی اور اسے پوری امید ہے کہ وہ حدید کے لئے مددگار ثابت ہو گی.... حدید یہ تو دیکھ ہی چکا تھا کہ یہ لڑکی کس قدر دلیر ہے اور کیا کچھ کر سکتی ہے۔ وہ کوئی عام سی قسم کی لڑکی ہوتی جو صرف محبت کی ہی طلبگار ہوتی تو حدید اسے اپنے ساتھ نہ لے جاتا۔ اس نے سوچ سوچ کر یہی بہتر سمجھا کہ شارینا کو ساتھ لے جائے۔

اب دونوں پہلو بہ پہلو چلے جا رہے تھے۔ حدید نے یہ دیکھ لیا تھا کہ شارینا نے ایسا لباس پہن رکھا ہے جس نے سر اور چہرے کو اس طرح چھپا رکھا ہے کہ قریب آ کر ہی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ عورت ہے۔

"یہ علاقہ میرے لئے نیا اور اَن دیکھا نہیں" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "میں یہاں اپنے آپ کو اجنبی نہیں سمجھتی۔ ہم نے اس ملک پر حکومت کی ہے اور میں چند مرتبہ یہاں سیر سپاٹے کے لئے آئی ہوں۔ آگے ایک ندی آئے گی۔ یہ جگہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ گھوڑوں کو اس ندی سے پانی پلائیں گے اور کچھ دیر سستا بھی لے لیں گے۔

وہ تو ایک روح پرور سبزہ زار تھا۔ زمین نشیب و فراز والی تھی۔ خوش نما جھاڑیاں اور سبز گھاس سے لدی پھندی ٹیکریاں بھی تھیں۔ دونوں چلتے گئے اور جب ایک ٹیکری سے گھومے تو آگے چھوٹی سی ندی آ گئی۔ شارینا کے کہنے پر حدید نے گھوڑا روک لیا اور دونوں گھوڑوں سے اترے اور گھوڑوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ گھوڑے فوراً ندی کے کنارے چلے گئے اور پانی پینے لگے۔

شارینا نے اپنے سر سے کپڑا کھول دیا اور چہرہ بھی ننگا کر دیا۔ وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ خطرہ تو تھا ہی نہیں کہ کوئی رومی ادھر آ نکلے گا۔ ان کے خیال کے مطابق دور دور تک کسی رومی کا نام و نشان اور سراغ نہ تھا۔

جہاں وہ اُترے تھے اس سے چند ہی قدم دُور سے ندی مُڑتی تھی اور وہاں ایک ٹیکری بھی تھی اور اس طرف ندی ٹیکری کے پیچھے ہو جاتی تھی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے لیکن اُس وقت ان پر رومانی کیفیت طاری نہیں تھی بلکہ وہ اپنے مشن کی باتیں کر رہے تھے اور شارینا حدید کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ اس کا ساتھ مردوں کی طرح دے گی اور کہیں بھی اس پر ایسا بوجھ یا اس کے کندھوں پر ایسی ذمہ داری نہیں ڈالے گی جیسی عام عورتیں اپنے مردوں کے لئے بن جایا کرتی ہیں۔

وہ اپنی باتوں میں مگن تھے کہ انہیں کسی اور کی باتوں کی آواز سنائی دینے لگی جو ٹیکری کی اوٹ سے ان ہی کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ آواز اور قریب آئی تو دونوں چپ ہو گئے اور شارینا نے حدید کے کان میں سرگوشی کی کہ یہ تو رومی زبان میں باتیں کرتے آ رہے ہیں.... شارینا نہتی نہیں تھی۔ وہ تلوار اور ایک خنجر سے مسلح ہو کر آئی تھی اور حدید تو تھا ہی مسلح۔ اس کے پاس بھی تلوار تھی اور ایک خنجر۔

آوازیں جب سر پر آ پہنچیں تو دونوں اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور ابھی سنبھل بھی نہ

پائے تھے کہ ٹیکری کی اوٹ سے تین آدمی اچانک سامنے آ گئے۔ حدید کو یہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دیر نہ لگی کہ یہ تینوں رومی فوجی ہیں حالانکہ وہ فوجی وردی میں نہیں تھے بلکہ حدید کی طرح ہی انہوں نے عام سی قسم کے لباس پہن رکھے تھے جیسا لباس اس خطّے کے عام لوگ پہنا کرتے تھے۔ ان میں ایک گورے چِٹّے رنگ کا جوان سا آدمی تھا جس کی آنکھیں کچھ نیلی اور کچھ سبزی سی تھیں۔ اس نے جب شارینا کو دیکھا تو چونک کر ذرا پیچھے ہٹ گیا۔

"میں تمہارا نام نہیں جانتی" ـــــ شارینا نے اس گورے چِٹّے آدمی سے کہا ـــــ "اتنا یاد ہے کہ تم شاہ ہرقل کے محافظ دستے کے کماندار رہ چکے ہو"۔

"ہاں شہزادی شارینا!" ـــــ اُس آدمی نے کہا ـــــ "میرا نام روتاس ہے اور میں شاہی محل کے محافظ دستے کا کماندار رہ چکا ہوں.... پہلے یہ بتائیں کہ آپ یہاں کیسے؟"

ـــــ اُس نے حدید کی طرف دیکھ کر پوچھا ـــــ "اور یہ کون ہے؟"

"یہ مسلمان ہے" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "اور میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں رُہا سے باہر نکلی تو دو مسلمانوں نے مجھے اغوا کر لیا تھا اور اپنے ہاں لے گئے تھے۔ وہاں میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں ہُوا۔ یہ اس لئے نہیں ہُوا کہ مجھے کسی سالار کی بیوی بننا تھا اور مسلمان دشمن کی عورتوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرتے جو ہماری فوج کیا کرتی ہے۔ بہرحال میں تھی تو ان کی قیدی لیکن اس آدمی نے مجھ پر رحم کیا اور قید سے آزاد کرا دیا۔ میں تمہیں پوری کہانی نہیں سنا رہی، تم بھی جوان ہو اور جوانی کے جذبات سے واقف ہو۔ یہ میری محبت میں ایسا مبتلا ہُوا کہ اپنا مذہب بھی چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ اب موقع ملا ہے اور ہم دونوں وہاں سے فرار ہو آئے ہیں۔ معلوم نہیں تھا کہ میں اسے کہاں لے جاؤں۔ اچھا ہُوا تم مل گئے۔ اب تم بتا سکو گے کہ اپنی فوج کہاں ہے۔ میں اسے وہاں لے جا کر عیسائی بنواؤں گی اور یہ خواہش اس نے خود ظاہر کی ہے"۔

حدید چپ رہا۔ اُسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ شارینا اس رومی افسر سے کیا کہہ رہی ہے۔ شارینا ملک شام کی زبان بول اور سمجھ سکتی تھی۔ اس نے اس زبان میں یعنی عربی زبان میں حدید کو بتایا کہ اس نے اس جوان سال رومی کے ساتھ کیا جھوٹ بولا ہے۔ روتاس نے شارینا سے کہا اسے معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ وہ اغوا ہو گئی تھی۔ بہرحال اس نے خوشی کا اظہار کیا کہ شارینا نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی قید سے فرار ہو کر آ گئی ہے بلکہ

ایک مسلمان کو عیسائی کر کے ساتھ لے جا رہی ہے۔ روتاس کے ساتھ جو دو آدمی تھے وہ رومی فوج کے سپاہی تھے۔

شارینا نے انہیں وہیں بٹھا لیا اور روتاس سے پوچھا کہ ہرقل کہاں اور اپنی فوج کہاں ہے۔ روتاس شارینا سے اس لئے بھی متاثر تھا بلکہ مرعوب تھا کہ وہ شہزادی تھی۔ اس نے شارینا کو بتانا شروع کر دیا کہ ہرقل کہاں ہے اور اب اپنی فوج اور قبائلی لشکر یہاں ان پہاڑیوں کے پیچھے اکٹھے ہو گئے ہیں اور حمص کو محاصرے میں لے کر یہ شہر فتح کر لیا جائے گا۔

شارینا نے یہ ساری بات حدید کو اس کی زبان میں بتائی اور کچھ اشارہ بھی دے دیا۔ باتیں کرتے کرتے روتاس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ اس بھیس میں حمص جا رہا ہے کہ وہ یہ اندازہ کر سکیں کہ حمص کے اندر مسلمانوں کی فوج کتنی کچھ ہے اور یہ قلعہ بند شہر کس طرح لیا جا سکتا ہے اور کیا حمص والوں کو کہیں سے کمک پہنچ سکتی ہے یا نہیں۔

شارینا اس طرح اُٹھی جیسے بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی ہو اور ٹانگیں سیدھی کرنا چاہتی ہو۔ باتیں کرتے کرتے وہ ان رومیوں کے پیچھے ہو گئی۔ جونہی روتاس نے نظریں ہٹائیں شارینا نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی اور ایک سپاہی کی گردن پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی گردن آدھی سے زیادہ کٹ گئی۔ روتاس نے یہ دیکھا تو کچھ سمجھ نہ سکا۔ اتنی دیر میں شارینا نے تلوار دوسرے سپاہی کے پہلو میں اس طرح اتار دی جس طرح برچھی ماری جاتی ہے۔

تب روتاس بڑی تیزی سے اٹھا اور اس کا ایک ہاتھ اس کی تلوار کے دستے پر گیا لیکن حدید کی تلوار کی نوک اس کے سینے کے ساتھ لگ چکی تھی اور شارینا نے اسے کہا تھا کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے گا اور وہ مقابلہ کرنے کی حماقت نہ کرے۔ شارینا کی تلوار کی نوک بھی روتاس کے ایک پہلو کے ساتھ لگ گئی تھی۔ روتاس نے اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے سے ہٹا لیا۔ حدید نے شارینا سے وہ کپڑا لے لیا جو اس نے اپنے سر اور چہرے پر لپیٹا تھا۔ اس کپڑے سے حدید نے روتاس کے ہاتھ اس کی پیٹھ پیچھے باندھ دیئے اور پھر حدید اور شارینا نے اسے اٹھا کر حدید کے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ حدید اس کے پیچھے بیٹھا اور شارینا اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور دونوں وہیں سے واپس چل پڑے۔

یہ کوئی عجیب اتفاق نہ تھا کہ شارینا کے ساتھ بالکل ایسا ہی ایک واقعہ پہلے پیش آ چکا

تھا کہ اس کی فوج کے ایک افسر نے اسے راستے میں دیکھ لیا تھا اور اس افسر نے حدید کو اُس وقت اپنے دو سپاہیوں سے قتل کروانے کی کوشش کی تھی جب حدید اور شارینا ایک چشمے کے کنارے سوئے ہوئے تھے۔ اب پھر رومی فوج کا ایک افسر دو سپاہیوں کے ساتھ اسے مل گیا۔ یہ اتفاق اس وجہ سے عجیب نہ تھا کہ اس ماحول میں اور اس صورتِ حال میں جب رومی فوج وہاں موجود تھی' ایسا ہی واقعہ پیش آ سکتا تھا کہ کوئی رومی شارینا کو پہچان لیتا اس کے سوا وہاں اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

روتاس کو حدید اور شارینا حمص لے آئے اور ابو عبیدہؓ کے پاس لے گئے۔ اُس وقت تک ابو عبیدہؓ کو ایک اور ذریعے سے اتنا پتہ چل چکا تھا کہ کچھ قبائل لشکروں کی صورت میں منظم ہو کر کہیں جا رہے ہیں لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہے ہیں۔ سپہ سالار نے اس طرف بھی جاسوس بھیج دیئے تھے اور اپنے ان سالاروں کو جو ملک شام میں بکھرے ہوئے تھے' پیغام بھیج دیئے تھے کہ یہ دیکھیں کہ عیسائی اور آتش پرست قبائل کہاں جا رہے ہیں اور ان کی ظاہری اور درپردہ سرگرمیاں کیا ہیں۔

یہ ایک قدرتی مدد تھی کہ شارینا حدید کے ساتھ چل پڑی تھی۔ حدید بھی کوئی ایسا اناڑی نہ تھا' وہ شارینا کے بغیر ہی کچھ دیکھ آتا اور کوئی خبر لے آتا لیکن روتاس کو ساتھ لے آنے سے ہی صورتِ حال کا علم ہو گیا۔

روتاس سے کہا گیا کہ وہ ہرقل کے صحیح عزائم اور اس کا منصوبہ پوری طرح بیان کر دے تو اس کی جان بخشی ہو جائے گی اور اسے جنگ کے بعد غلام بنانے کی بجائے آزاد کر دیا جائے گا۔ جان کسے عزیز نہیں ہوتی۔ روتاس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس کا بادشاہ ہرقل شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اور اس کی فوج میں کوئی دم خم نہیں رہا۔ روتاس نے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کو ہرقل اور تمام قبائل کا سارے کا سارا پلان سنا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ رومی فوج اور قبائلی لشکر حمص کو محاصرے میں لے چکے ہیں اور کچھ قبائلی لشکر پہنچ جائیں گے تو حمص پر بڑا ہی زبردست حملہ ہو گا۔

طبری' بلاذری اور جوزی نے خاص طور پر یہ واقعہ تاریخ کے دامن میں اس طرح ڈالا ہے کہ رومی فوج اور قبائلی لشکروں کی نفری پچاس ہزار سے زیادہ تھی اور حمص میں جو مجاہدین موجود تھے ان کی تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ ابو عبیدہؓ جیسے سپہ سالار کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ ان کے لئے سب

سے بڑی دشواری یہ تھی کہ باقی سب سالار' خالدؓ بن ولید' شرجیلؓ بن حسنہ' عمروؓ بن العاص جیسے تاریخ ساز سالار اُن سے بہت دور تھے۔ ہر ایک کی ذمہ داری میں وسیع علاقہ تھا جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

ابو عبیدہؓ نے اپنے ماتحت سالاروں کو بلایا جو ان کے ساتھ حمص میں تھے۔ انہیں اس صورتِ حال سے اور آنے والی آفت سے آگاہ کیا اور پھر تیز رفتار قاصد کو پیغام لکھ کر مدینہ امیر المومنین کی طرف بھیج دیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ وہ حمص میں کس خطرے میں گھر گئے ہیں۔ ایک تو انہیں ہدایات اور احکام دیئے جائیں اور جس قدر کمک مل سکتی ہے بلا تاخیر بھیج دی جائے۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ہرقل حمص پر قبضہ کر لے گا اور مسلمانوں کے لئے قدم جمانا ناممکن نہیں تو بڑا ہی دشوار ضرور ہو جائے گا۔ اس سوال کا جواب اُس وقت کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا کہ حمص کو اتنی تیزی سے مدد مل بھی سکے گی یا نہیں جس تیزی سے رومی اور قبائلی لشکر حمص کی طرف بڑھ رہے تھے۔

حمص ہی نہیں' وہاں تو پورے کا پورا ملک شام ہاتھ سے جاتا نظر آنے لگا تھا۔ رومی فوج کے پکڑے ہوئے افسر روتاس نے بتایا تھا کہ اس وقت تک رومی فوج اور غیر مسلم قبائل کے لشکر کی تعداد پچاس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور ان قبائل کے آدمی ابھی تک اس لشکر میں شامل ہونے کے لئے آ رہے ہیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سپہ سالار ابوعبیدہؓ جیسی مضبوط اعصاب والی شخصیت کے چہرے پر تشویش کا تاثر آ گیا تھا۔ تشویش تو ہونی ہی تھی۔ اُن کے پاس تھا ہی کیا!.... مجاہدین کی کل تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔

جس وقت سپہ سالار ابوعبیدہؓ روتاس سے سن رہے تھے کہ ہرقل کا پلان کیا ہے اُس وقت انہوں نے شارینا کو باہر بھیج دیا تھا۔ شارینا نے اپنا کام کر دیا تھا اور یہ اُس کا بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن جنگی امور اور مسائل میں جن کا تعلق صرف مردوں یعنی سالاروں کی سطح کے مردوں کے ساتھ تھا' ایک عورت کی موجودگی ضروری بھی نہیں تھی اور مناسب بھی نہیں۔

ابوعبیدہؓ نے روتاس کی ساری بات سن کر اپنے دو تین محافظوں کو بلایا اور کہا کہ روتاس کو قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ روتاس نے احتجاج کے لہجے میں کہا کہ اس نے ہر راز بتا دیا ہے اور میرے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا کہ مجھے آزاد کر دیا جائے گا تو پھر قید خانے میں کیوں ڈالا جا رہا ہے؟

”ہم دل سے تمہاری قدر کرتے ہیں“ — ابوعبیدہؓ نے کہا — ”ہم تمہیں جنگی قیدی سمجھ کر قید خانے میں نہیں ڈال رہے۔ جونہی جنگ ختم ہو گی ہم تمہیں پوری

عزت اور احترام سے آزاد اور رخصت کریں گے“۔

ابوعبیدہؓ نے محافظوں کو اشارہ کیا۔ محافظ روتاس کو اپنے ساتھ لے کر باہر نکل آئے۔ حدید بھی ان کے ساتھ آ گیا اور شارینا کے پاس رک گیا۔

”اسے کہاں لے جا رہے ہیں؟“ — شارینا نے روتاس کے متعلق پوچھا۔

”قید خانے میں!“

”قید خانے میں کیوں؟“ — شارینا نے پوچھا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولی — ”انہیں روک لو حدید!“

”سپہ سالار کے حکم میں دخل اندازی نہ کرو شارینا!“ — حدید نے کہا — ”تمہاری عقل اُن تک نہیں پہنچ سکتی“۔

”میں سپہ سالار سے ملنا چاہتی ہوں“ — شارینا نے کہا — ”تم بھی ساتھ آؤ۔ مجھ میں سپہ سالار جیسی عقل تو نہیں ہو گی لیکن میری عقل میں ایک بات آ گئی ہے“۔

حدید کی کوئی اور بات سنے بغیر شارینا اندر چلی گئی۔ حدید بھی اُس کے پیچھے چلا گیا کہ نہ جانے کیسی باتیں کہہ گزرے جو سپہ سالار کو اچھی نہ لگیں۔

”سالارِ محترم!“ — شارینا نے اندر جاتے ہی کہا — ”میں آپ کے فیصلوں اور احکام میں دخل اندازی نہیں کر رہی' صرف یہ پوچھنے کی معافی چاہتی ہوں کہ اس رومی افسر کو آپ قید خانے میں کیوں قید کر رہے ہیں؟ اسے تو آپ نے آزادی کا وعدہ دیا تھا“۔

”میری عزیز بچی!“ — سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا — ”اگر یہ کارنامہ تمہارا نہ ہوتا تو میں تمہیں اس سوال کا جواب نہ دیتا۔ میں تمہارے جذبے کی دلی طور پر تعریف کرتا ہوں لیکن تم ابھی کم عمر ہو اس لئے نہیں سمجھ سکتیں کہ جذبے کی لگام عقل کے ہاتھ میں نہ ہو تو جذبہ نقصان بھی دے جایا کرتا ہے۔ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ مجھ سے پوچھو کہ میں اسے قید خانے میں کیوں بند کر رہا ہوں۔ اگر اسے ابھی آزاد کر دیا تو یہ سیدھا ہرقل کے پاس پہنچے گا اور اسے بتائے گا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ چڑھ گیا تھا اور اُس نے یہ راز اگل دیا ہے۔ اس کی اس اطلاع پر ہرقل فوراً اپنا حملے اور محاصرے کا منصوبہ تبدیل کر دے گا۔ ہو سکتا ہے وہ حمص کو نظرانداز کر دے اور کسی اور شہر کو جا کر محاصرے میں لے لے جو ہمارے قبضے میں آ چکا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

اس نے ہمیں غلط خبر دی ہو۔ یہ اطلاعیں مجھے پہلے ہی مل ہیں کہ حمص سے دُور پہاڑی علاقے میں ہرقل کی فوج اور قبائل کا لشکر اس طرح اکٹھا ہو گیا ہے کہ حمص محاصرے میں ہے۔ بے شک فاصلہ زیادہ ہے لیکن اس فوج اور لشکر نے اسی حالت میں پیش قدمی کی تو حمص بالکل ہی محاصرے میں آجائے گا اور ہمیں قلعہ بند ہو کر لڑنا پڑے گا اور ہمارا سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ کمک ہم تک نہیں پہنچ سکے گی۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ یہ محاصرہ توڑ دینے اور رومی فوج کو پسپا کرنے کے فوراً بعد روتاس کو آزاد کر دیا جائے گا"۔

"میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہوں محترم سپہ سالار!" ___ شارینا نے کہا۔ "آپ کے سامنے میری حیثیت کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی آپ نے میری بات تحمل سے سنی ہے اور جواب دیا ہے۔ رومیوں کے ہاں کوئی چھوٹا آدمی اپنے سالار کے سامنے اونچا سانس بھی نہیں لے سکتا۔ میں ہرقل سے ایسی بات کرنے کی جرأت ہی نہ کرتی حالانکہ وہ میرا باپ ہے۔ باپ سے پہلے وہ اپنے آپ کو بادشاہ اور پھر افواج کا سالار سمجھتا ہے"۔

"شارینا بیٹی!" ___ ابو عبیدہؓ نے کہا ___ "میں اس وقت مصروف بھی ہوں اور کچھ پریشان بھی۔ اگر تمہیں کوئی خاص بات کہنی ہے تو وہ کہو۔ اپنی تعریفیں سننے کا ہمارے ہاں رواج بھی نہیں اور میرے پاس وقت بھی نہیں۔ تم مجھے خراجِ تحسین پیش نہ کرو، خراجِ تحسین کی حق دار تم خود ہو جس نے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے"۔

"میں خاص بات ہی کہنا چاہتی ہوں" ___ شارینا نے کہا ___ "اس رومی افسر روتاس کو قید خانے میں رکھنے کی بجائے کسی بڑے اچھے کمرے میں رکھیں، باہر پہرہ کھڑا کروا دیں تاکہ اسے یہ احساس نہ ہو کہ یہ قیدی ہے۔ پھر مجھے اجازت دیں کہ میں اس سے ملتی رہوں۔ مجھے امید ہے میں اس کے سینے سے کچھ اور کام کی باتیں نکلوا سکوں گی"۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے حدید کی طرف دیکھا پھر اُن دو تین سالاروں کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھے۔ ابو عبیدہؓ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔

"خدا کی قسم اس لڑکی نے عقل و دانش کی بات کی ہے" ___ سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے کہا ___ "اور کیا تم سب نے محسوس نہیں کیا کہ میں کتنا پریشان ہوں اور میرا ذہن کہاں الجھ گیا ہے؟ .... میرا دماغ حاضر ہوتا تو یہ بات میں خود سوچ لیتا.... شارینا! روتاس کو قید خانے کی بجائے نہایت اچھے رہائشی کمرے میں رکھا جائے گا اور اسے یہ احساس دلایا

جائے گا کہ وہ قیدی نہیں ہمارا مہمان ہے"۔

"اور اس خوش اخلاقی کا میں اس پر ایسا تاثر پیدا کر دوں گی کہ یہ اسلام قبول کر لے گا" ___ شارینا نے کہا ___ "لیکن میرا اولین مقصد یہ ہو گا کہ اس سے کچھ اور راز حاصل کر لوں۔ حدید میرے ساتھ ہو گا لیکن میں روتاس سے اکیلے ملا کروں گی"۔

ابُو عبیدہؓ نے اُسی وقت دربان کو بلا کر حکم دیا کہ اس رومی کو قید خانے میں نہ لے جایا جائے، اسے مہمان کے طور پر کہیں اور رکھا جائے گا۔ سپہ سالار نے اس کے مطابق حکم دے دیا کہ انتظام مکمل کیا جائے اور اس کے کمرے کے سامنے ہر وقت، دن رات پہرہ کھڑا رہے۔

ابو عبیدہؓ خالد بنؓ ولید، سعدؓ بن ابی وقاص اور عمروؓ بن العاص کے پائے کے سپہ سالار تھے۔ خالدؓ بن ولید کی معزولی کے بعد امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے لشکر کی کمان ابو عبیدہؓ کو ہی دی تھی۔ انہوں نے ٹھیک کہا تھا کہ جو مشورہ شارینا نے دیا تھا یہ خود ہی ان کے ذہن میں آجانا چاہئے تھا لیکن نہ آیا۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں حمص ہاتھ سے جاتا نظر آرہا تھا۔ اس پریشانی نے ان کے ہوش و حواس کو بھی مجروح کر دیا تھا کہ کمک پہلے پہنچتی ہے یا ہرقل کا لشکر۔ یہ ان کے بس میں تھا ہی نہیں کہ کمک رومی لشکر سے پہلے پہنچ جائے۔ وہ کچھ اور سوچنے کے قابل رہے ہی نہیں تھے۔ انہوں نے ایک کی بجائے اکٹھے دو قاصد امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی طرف دوڑا دیئے تھے۔

انہوں نے قاصدوں کو بڑی سختی سے ہدایات دی تھیں کہ وہ سوئیں گے تو گھوڑوں کی پیٹھ پر سوئیں گے اور کھائیں گے بھی تو چلتے گھوڑوں پر کھائیں گے۔ ایک ہدایت یہ بھی دی کہ دو قاصد اس لئے بھیج رہے ہیں کہ راستے میں ایک کو کچھ ہو جائے اور وہ اتنا بیمار ہو جائے کہ موت نظر آنے لگے تو دوسرا قاصد اس کے لئے رکے نہیں، اکیلا ہی چلا جائے۔ ابو عبیدہؓ کے الفاظ یہ تھے کہ اُڑ کر مدینہ پہنچو۔

اُس دَور کے قاصد ایسے نہیں تھے کہ پیغام لے کر چلتے تو اپنی مرضی کی رفتار سے جاتے اور خوش ہوتے کہ چلو میدانِ جنگ سے تو کچھ دنوں کی چھٹیاں ملیں۔ وہ قاصد بھی مجاہد تھے۔ ان کا بھی جذبہ تھا اور اپنے اس فرض پر جان قربان کر دینا ان کا ایمان تھا۔ پیغام رسانی کا انتظام بڑا اچھا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں قائم کر دی گئی تھیں جہاں تازہ دم اور نہایت تندرست گھوڑے موجود رہتے تھے۔ قاصد ہر چوکی پر

تھکا ہُوا گھوڑا چھوڑتے اور تازہ دم گھوڑا لے کر آگے چلے جاتے تھے۔ جب صحرا شروع ہو جاتا تھا تو صحرائی چوکیوں میں اونٹ بھی رکھے ہوتے تھے کیونکہ ریگستان میں اُونٹ گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑتا ہے اور پانی کی حاجت محسوس نہیں کرتا۔ یہ قاصدوں کی صوابدید پر ہوتا تھا کہ انہیں گھوڑے کی بجائے اُونٹ پر آگے جانا چاہئے۔

یہ بھی پیشِ نظر رکھیں کہ حمص سے مدینہ کم و بیش بارہ سو کلومیٹر دور اور راستہ زیادہ تر صحرائی تھا۔

○

سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے حمص میں اپنا ہیڈ کوارٹر جس مکان میں بنایا تھا اور ساتھ ہی رہائش رکھی تھی وہ کوئی معمولی اور عام سا مکان نہیں تھا۔ یہ علاقہ بلکہ پورا شام کبھی ایرانیوں اور کبھی رومیوں کے قبضے میں رہا ہے۔ دو بادشاہ تھے اس لئے انہوں نے ہر جگہ اپنے لئے محل تعمیر کرا رکھے تھے۔ رومی فوج کے اس افسر کو جس کا نام روتاس تھا اس محل کے ہی ایک کونے والے کمرے میں رکھا گیا۔ اس کمرے کی اندرونی زیب و زیبائش' پلنگ اور دیگر فرنیچر وغیرہ شاہانہ تھا۔ کمرے کے باہر ایک پہرہ دار کھڑا کر دیا گیا تھا۔ روتاس کو کھانا بھی اچھا دیا جانے لگا۔ اگر وہ قید خانے میں قید کیا جاتا تو اسے بڑی گندی کوٹھڑی میں رکھا جاتا اور نہایت گھٹیا کھانا دیا جاتا۔

اگلے روز شارینا اس کے کمرے میں گئی۔ اس نے کمرے کی ہر ایک چیز دیکھی پھر پلنگ اور بستر کو اچھی طرح دیکھا جیسے کمرے کا معائنہ کر رہی ہو۔

"اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھنا" ــــ شارینا نے کہا ــــ "تم یہاں مہمان ہو.... کوئی تکلیف تو نہیں؟ میرا خیال ہے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں.... کیا تم خدا کا شکر ادا نہیں کرو گے کہ تمہیں قید خانے میں نہیں بھیجا گیا؟"

"تمہارے سپہ سالار نے مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کیا تھا" ــــ روتاس نے کہا ــــ "پہرہ کھڑا کر دینے کا مطلب ہے کہ میں قیدی ہوں"۔

"تم فوج کے افسر ہو" ــــ شارینا نے کہا ــــ "اگر تمہارے پاس تمہارے دشمن کا کوئی آدمی تمہاری ہی طرح تمہارے پاس لایا جائے اور وہ ویسے ہی راز اُگل دے جیسے تم نے اُگلے ہیں تو کیا تم اسے فوراً آزاد کر دو گے کہ وہ اپنی فوج میں جا کر بتائے کہ وہ راز اُگل آیا ہے اور اپنے جنگی منصوبے تبدیل کر دو؟"

روتاس نے سر جھکا لیا جیسے اسے شارینا کا جواب ٹھیک لگا ہو۔

"میں تمہارے پاس آتی رہوں گی" ــــ شارینا نے کہا ــــ "ہم دونوں رومی ہیں۔ یہ ایسا رشتہ ہے جسے میں نظرانداز نہیں کر سکتی"۔

"لیکن اب تو تم مسلمان ہو" ــــ روتاس نے کہا ــــ "تم نے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو۔ کیا یہ بتانا پسند کرو گی کہ تم یہاں پہنچی کیسے تھیں؟ اور پھر تم ایک مسلمان کے ساتھ جا کہاں رہی تھیں کہ میں تمہارے سامنے آ گیا؟"

"تمہاری حیرت کو میں سمجھتی ہوں" ــــ شارینا نے کہا ــــ "تم سوچتے ہو گے کہ میں شہنشاہ ہرقل کی بیٹی ایک معمولی سے عربی مسلمان کے ساتھ کیوں چلی آئی۔ یہ شخص جو میرے ساتھ تھا اس کا نام حدید بن مومن خزرج ہے۔ اپنی فوج میں اس کا عہدہ معمولی سا ہے۔ ہمارا جنگی قیدی تھا۔ مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے اسے رہا کیا اور اس کے ساتھ آ گئی"۔

شارینا نے روتاس کو حدید اور اپنے فرار کا واقعہ سنایا لیکن ایسے لہجے اور انداز سے سنایا جیسے اسے اپنا یہ اقدام پوری طرح اچھا نہ لگا ہو۔ روتاس نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں خوش ہے یا کوئی کمی محسوس کر رہی ہے۔

"میں یہاں اسلام قبول کرنے نہیں آئی تھی" ــــ شارینا نے جھوٹ بولا ــــ "مجھے اپنے باپ کے خلاف بھی کوئی شکایت نہیں تھی۔ شاید میں پیار کی تشنگی محسوس کرتی تھی اور میری عمر ایسی ہے کہ عقل پر جذبات غالب آ جاتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ شخص حدید مجھے کیوں اتنا اچھا لگتا ہے جیسے اس کے ہاتھ میں کوئی طلسم ہے جو مجھ پر بڑے ہی خوبصورت آسیب کی طرح طاری ہو جاتا ہے۔ مجھے اسلام سے نہیں حدید سے محبت ہے۔ میں تمہارے دو سپاہیوں کو مار کر تمہیں زندہ یہاں لے نہ آتی تو تم حدید کو مار ڈالتے۔ تمہیں یہاں حدید کو خوش کرنے کے لئے لائی تھی۔ حدید کے سالار اس پر بہت خوش ہیں۔ سچ پوچھتے ہو تو یہ لوگ مجھے اچھے نہیں لگے۔ میں تو شہزادی تھی اور کہاں اس جنگل میں خیمے میں پڑی رہتی ہوں اور زمین پر سوتی ہوں۔ یہ لوگ بہت ہی سادہ بلکہ پسماندہ ہیں۔ آج تمہیں یہاں دیکھ کر اور تمہارے پاس بیٹھ کر مجھے دلی تسکین محسوس ہو رہی ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھنا۔ میں تمہارے لئے جو کچھ بھی کر سکتی تھی کر دیا ہے۔ تمہیں قید خانے میں نہیں جانے دیا اور یہ کمرہ تمہیں دلوایا

ہے"۔

"اگر مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور یہ یہاں سے بھاگ نکلے تو پھر تم کیا کرو گی؟"۔۔۔ روتاس نے پوچھا۔

"میں تم سے امید رکھوں گی کہ میرے راز کو دل میں دفن کر دو گے"۔۔۔ شارینا نے کہا۔۔۔ "میں اس کوشش میں ہوں کہ حدید کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور اسے اسلام سے نکال کر اپنے مذہب میں لے لوں۔ اگر مسلمان یہاں سے پسپا ہوئے تو پھر میں حدید کو ساتھ لے کر واپس آ جاؤں گی"۔

○

اگلے روز شارینا پھر روتاس کے کمرے میں گئی۔ وہ تو جیسے شارینا ہی کے انتظار میں تھا۔ پہلے روز شارینا اس پر ایسا تاثر چھوڑ آئی تھی کہ وہ اگلی ملاقات کا انتظار بڑی ہی بے تابی سے کرنے لگا۔ وہ کوئی بوڑھا یا ادھیڑ عمر آدمی نہیں تھا۔ ابھی وہ اچھی بھلی جوانی کی عمر میں تھا۔ شارینا کی باتوں سے زیادہ تو وہ اس لڑکی کے حسن و جوانی سے متاثر ہوا تھا۔ شارینا کا وہ مشکور بھی تھا کہ اس نے اسے قید خانے کی کال کوٹھڑی سے بچا کر اس امیرانہ کمرے میں رکھا تھا۔ اب شارینا اس کے کمرے میں گئی تو پہلے سے زیادہ دلچسپی سے اس سے پوچھا کہ اسے کوئی تکلیف یا بے آرامی تو نہیں ہوئی!

"نہیں!"۔۔۔ روتاس نے کہا۔۔۔ "تم نے اگر میرے پاس آنا چھوڑ دیا تو مجھے بہت تکلیف ہو گی"۔

"میں رومی فوج کے حملے کا انتظار کر رہی ہوں"۔۔۔ شارینا نے کہا۔۔۔ "معلوم نہیں ہرقل کس انتظار میں ہے۔ یہ تو بڑا ہی موزوں وقت ہے کہ حمص کو محاصرے میں لے لیا جائے۔ شہر کے اندر فوج بہت ہی تھوڑی ہے۔ یہ لوگ زیادہ دن مقابلہ نہیں کر سکیں گے"۔

"ہو جائے گا"۔۔۔ روتاس نے بے پروائی سے کہا۔۔۔ "یہ بادشاہوں کے اور جرنیلوں کے معاملات ہیں، تم جو تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گذارنے آتی ہو اسے میں خاک و خون کی باتیں کر کے بے مزہ نہیں کرنا چاہتا۔ ہرقل جب مناسب سمجھے گا فوج کو پیش قدمی کا حکم دے دے گا۔ کوئی اور بات کرو"۔

شارینا نے محسوس کر لیا کہ روتاس اسے کوئی اور جنگی معاملے کی بات بتانے سے

گریز کر رہا ہے۔ اس کا انداز ایک تو ٹالنے والا تھا اور دوسرے یہ کہ وہ شارینا جیسی حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ شگفتہ اور رومانی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ شارینا نے اس کے ساتھ ایسی ہی ہلکی پھلکی پُرلطف باتیں شروع کر دیں۔

"میری ایک ضرورت پوری نہیں ہو رہی"۔۔۔ روتاس نے کہا۔۔۔ "میں شراب کے نشے سے ٹوٹا ہوا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ پانی کی طرح شراب پیتے ہیں لیکن یہاں ایک قطرہ دیکھنے کو بھی نہیں ملتا"۔

"تم شاید نہیں جانتے"۔۔۔ شارینا نے کہا۔۔۔ "مسلمان شراب نہیں پیتے۔ یہی نہیں کہ یہ شراب نہیں پیتے بلکہ اسے گناہ سمجھتے ہیں اور شراب پینے والے کو سزا دیتے ہیں"۔

شارینا بڑی ذہین اور فہم و فراست والی لڑکی تھی۔ روتاس نے شراب کا نام لیا تو شارینا کو یاد آیا کہ اس کی قوم تو اتنی شرابی ہے کہ پانی نہ ملے تو نہ سہی شراب ضرور مل جائے۔ شارینا نے سوچا کہ یہ روتاس کی ایسی کمزوری ہے جسے ہاتھ میں لے لیا جائے تو اس کے اندر سے سارے راز نکالے جا سکتے ہیں۔ یہی سوچ کر شارینا نے شراب ہی کی بات چلنے دی اور ایسی باتیں شروع کر دیں کہ روتاس شراب کی طلب پہلے سے زیادہ محسوس کرنے لگا۔ اب تو صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ بُری طرح نشے سے ٹوٹا ہوا ہے۔

"کچھ کرو شارینا!"۔۔۔ روتاس نے کہا۔۔۔ "اس شہر میں عیسائی بھی رہتے ہوں گے اور وہ شراب تو ضرور ہی پیتے ہوں گے۔ کسی طرح کسی عیسائی یا کسی بھی غیر مسلم کے گھر سے شراب لا دو"۔

"لا تو دوں"۔۔۔ شارینا نے کہا۔۔۔ "لیکن میں پکڑی گئی تو مجھے یہ لوگ سزا دیں گے۔ میں اپنے آپ کو اس خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی"۔

اب تو روتاس نے شارینا کی منت سماجت شروع کر دی۔ آخر شارینا نے کہا کہ وہ پوری کوشش کرے گی اور اسے شراب لا دے گی لیکن ہر روز نہیں لا سکے گی۔ اگر لا سکی بھی تو اسے نہیں دے گی کیونکہ پہرہ دار ہر وقت دروازے کے باہر موجود رہتا ہے۔ اُس نے شراب کی بُو سونگھ لی تو سیدھا اندر آئے گا اور دونوں کو شراب خوری کے جرم میں سپہ سالار کے آگے کھڑا کر دے گا۔ پھر سپہ سالار کوڑوں کی سزا دے گا جو شاید ہی کوئی برداشت کر سکتا ہو۔

کچھ وقت روتاس کے ساتھ گذار کر شارینا وہاں سے نکلی اور حدید سے ملی۔ حدید سے کہا کہ وہ کسی طرح شراب کا انتظام کردے۔ حدید یہ سمجھا کہ شارینا ایک رومی کو خوش کرنا چاہتی ہے۔ حدید نے اُسے بتایا کہ شراب خوری جُرم ہے اور اس کی کیا سزا ہے۔

"یہ میں یہاں کی عورتوں سے سن چکی ہوں" — شارینا نے کہا — "روتاس سے میں نے ابھی بہت کچھ پوچھنا ہے لیکن وہ ٹال مٹول کر رہا ہے اور مجھے شک ہے کہ وہ اور کچھ نہیں بتانا چاہتا۔ آج اُس نے شراب مانگی ہے اور وہ بُری طرح نشے سے ٹوٹا ہُوا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے تھوڑی سی یا جتنی بھی مل جائے پلا کر اس سے کچھ اور باتیں معلوم کروں"۔

روتاس نے ٹھیک کہا تھا کہ حمص میں عیسائی بھی آباد ہیں' بُت پرست بھی ہیں اور شاید ایک دو گھر آتش پرستوں کے بھی ہوں۔ ان لوگوں کے ہاں شراب ہو گی۔

"ایک اور بات یاد آ گئی ہے" — حدید نے کہا — "اس سے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ حمص میں ہرقل کے جاسوس موجود ہیں یا نہیں۔ اگر موجود ہیں تو بتائے کہ وہ کون کون ہیں.... میں شراب کا بندوبست کر لوں گا"۔

حدید کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ اس نے دو تین غیر مسلم گھروں سے کچھ شراب اکٹھی کر لی اور چھوٹے مشکیزے میں ڈال کر مشکیزہ شارینا کے حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی حدید نے شارینا کو بتایا کہ وہ سپہ سالار سے اجازت لے لے گا کہ روتاس سے مزید راز اگلوانے کے لئے اُسے شراب پلانا ضروری ہے۔ اِس کی اجازت دے دی جائے۔

حدید نے سپہ سالار سے یہ اجازت بھی لے لی اور طے یہ پایا کہ روتاس کو نہ بتایا جائے کہ شراب نوشی کی اجازت لے لی گئی ہے بلکہ اسے اس تاثر میں رکھا جائے کہ اُسے چوری چھپے شراب پلائی جا رہی ہے۔ پہرہ داروں کو بھی کہہ دیا گیا کہ انہیں کمرے سے شراب کی بُو آئے تو اسے نظرانداز کر دیں۔

O

اگلے روز شارینا شراب کا یہ چھوٹا سا مشکیزہ ایک چادر میں لپیٹ کر روتاس کے پاس گئی اور اُسے بتایا کہ اُس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے اور اب وہ بچ بچا کر پی لے۔

روتاس نے شارینا سے مشکیزہ اس طرح لیا جیسے اس سے چھینا ہو۔ شارینا نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

روتاس نے شراب گلاس میں ڈال کر پینی شروع کر دی اور شارینا سے کہا وہ بھی پیئے لیکن اس لڑکی نے انکار کر دیا۔

"شراب اپنے سامنے دیکھ کر میں بڑی مشکل سے اپنے آپ پر جبر کر رہی ہوں" — شارینا نے کہا — "لیکن میں مجبور ہوں۔ اگر ایک گھونٹ بھی پی کر حدید کے پاس گئی یا کسی کے پاس سے بھی گزری وہ مجھے پکڑ لے گا اور پھر یہ کوئی نہیں دیکھے گا کہ یہ لڑکی کون ہے اور کس کی بیٹی اور یہ کتنی اہم ہے' وہ مجھے سپہ سالار کے ہاں پیش کر دیں گے اور سپہ سالار ایسی سزا دے گا جو میں برداشت نہیں کر سکوں گی"۔

اس دوران روتاس پیتا ہی چلا گیا اور اب اس نے جو باتیں کیں' اُن میں ہلکی پھلکی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ نارمل حالت میں رہا ہی نہیں تھا۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں" — شارینا نے کہا — "یہاں کی پابندیاں دیکھو کہ شراب بھی نہیں پینے دیتے۔ معلوم نہیں شاہ ہرقل کب حملہ کرے گا۔ حمص سے مسلمان بھاگ گئے تو میں یہیں رہوں گی.... تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ حملے میں اتنی تاخیر کیوں کی جا رہی ہے۔ میں تو سوچتی ہوں کہ مجھے موقع ملے تو میں ہرقل کے پاس پہنچ جاؤں اور اسے کہوں کہ یہی وقت ہے حملے کا۔ اگر اِدھر اُدھر سے کمک آ گئی تو پھر رومیوں کے لئے حمص فتح کرنا ممکن نہیں رہے گا"۔

"اس کی کچھ وجوہات ہیں" — روتاس نے کہا — "سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شاہ ہرقل بہت ہی محتاط ہو گیا ہے۔ وہ خود کتنا ہی جرائت اور ہمت والا کیوں نہ ہو' لڑنا تو فوج نے ہے۔ ساری فوج پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہو گئی ہے"۔

"وہ تو ہونی ہی تھی" — شارینا نے کہا — "مسلمانوں نے ہر میدان میں ہماری فوج کو بہت بُری شکست دی ہے اور پورے کا پورا ملک فتح کر لیا ہے۔ اُدھر ایرانیوں کو اسی طرح مسلمان شکست دیتے دیتے ان کے ملک سے ہی باہر لے گئے ہیں۔ وہ خبریں بھی ہماری فوج تک پہنچتی رہی ہیں"۔

"حیرت اور دہشت کی وجہ اور ہے" — روتاس نے کہا — "حیرت اس پر کہ مسلمانوں کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی ہے اور دہشت اس وجہ سے کہ

اتنی تھوڑی تعداد میں انہوں نے اتنی بڑی اور طاقتور فوج کو شکست دی ہے۔ ہماری فوج میں مسلمانوں کے متعلق عجیب و غریب اور پُراسرار کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں۔ ہمارے سپاہی یقین کی حد تک کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبضے میں جِنّات ہیں۔ ہماری فوج نے تو ایرانیوں جیسی طاقتور فوج کو بھی شکست دی ہے.... شاہ ہرقل زخمی شیر کی طرح آخری حملہ تو ضرور کرے گا اور اس نے فوج اور قبائل کا لشکر آگے بھیج بھی دیا ہے لیکن اب وہ قدم اٹھانے سے پہلے کئی بار سوچتا ہے"۔

"جزیرہ کے ان قبائل کا لشکر تو تازہ دم ہے"— شارینا نے کہا— "کیا یہ مدد شاہ ہرقل کے لئے کافی نہیں؟"

"کافی تو ہے"— روتاس نے جواب دیا— "لیکن ان قبائل کے متعلق شاہ ہرقل اور زیادہ محتاط ہے۔ یہ تو میں بھی کہتا ہوں کہ ان قبائلیوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ شاہ ہرقل نے اپنے جرنیلوں اور ان سے چھوٹے افسروں سے کہہ دیا ہے کہ یہ قبائل اپنے گھروں‘ اپنے بیوی بچوں اور اپنے جان و مال کی حفاظت کی خاطر اکٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی قومی جذبہ نہیں نہ ان کی اپنی کوئی بادشاہی ہے جس کی خاطر یہ لڑنا چاہیں گے۔ ان قبائل کے سرداروں نے صاف کہا ہے کہ مسلمان ان کے گھر تباہ کر دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو اٹھا لے جائیں گے۔ یہ لوگ صرف تحفّظ چاہتے ہیں جو اگر انہیں مسلمانوں کی طرف سے مل گیا تو رومیوں کے خلاف ہو جائیں گے....

"پھر ان لوگوں میں ایک خامی اور بھی ہے۔ یہ فرداً فرداً لڑاکے اور شہسوار ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی لیکن فوج کی تنظیم اور ترتیب میں لڑنا کوئی اور ہی بات ہے۔ پہلے تو انہیں یہ سیکھنا ہے کہ فوج کی ترتیب میں کس طرح لڑا جاتا ہے۔ اگر انہیں اسی طرح میدان میں لے آئے تو یہ فوج کی طرح نہیں بلکہ ایک ہجوم کی طرح لڑیں گے۔ یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ یہ قبائلی دیکھیں گے کہ رومی فوج لڑتی ہے یا بھاگتی ہے۔ اگر ہماری فوج جم کر نہ لڑی تو سب سے پہلے یہ قبائلی بھاگیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ مسلمانوں سے جا ملیں۔ اگر آج انہیں معلوم ہو جائے کہ رومیوں کی نسبت مسلمان ان کے ہمدرد ہیں تو یہ رومیوں سے منہ موڑ جائیں گے"۔

روتاس کبھی ہرقل کے محافظ دستے کا کمانڈر ہُوا کرتا تھا اور اب وہ جاسوسی کے نظام کا کمانڈر تھا اور اپنے دو آدمیوں کے ساتھ حمص کی طرف یہ دیکھنے آرہا تھا کہ مسلمانوں کا

دفاعی انتظام کیسا ہے اور کیا قلعے کے باہر بھی کوئی فوج ہے۔ جاسوسی کے شعبے میں ہونے کی وجہ سے وہ ہرقل کی سطح کی باتیں بھی جانتا تھا لیکن وہ اتنی سی بات نہ سمجھ سکا کہ شارینا اُس کے سینے سے راز اگلوا رہی ہے۔ اس کامیابی میں شارینا کی ذہانت تو کام کر رہی تھی لیکن اصل کام شراب نے دکھایا تھا۔

روتاس پیتا اور بہکتا چلا گیا اور جب اس کا دماغ بالکل ہی ماؤف ہو گیا تو شارینا وہاں سے آگئی اور حدید کو بتایا کہ اس نے کیا کچھ معلوم کیا ہے۔ حدید شارینا کو سپہ سالار ابُوعبیدہؓ کے پاس لے گیا اور شارینا نے وہی باتیں پھر دہرا دیں۔

ابُوعبیدہؓ نے اسی وقت جاسوسی کے نظام کے سربراہ کو بلایا اور اسے بتایا کہ رومیوں کے ہاں کیا ہو رہا ہے اور اس صورتِ حال سے ہم کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

"وہ میں بتاتا ہوں"— سپہ سالار ابُوعبیدہؓ نے کہا— "انتہائی عقل مند آدمی بھیجو جو اپنے آپ کو وہاں مختلف عیسائی قبیلوں کے فرد ظاہر کریں اور بتائیں کہ وہ قبائل کے لشکر میں شامل ہونے آئے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے"۔

فوری طور پر دس بارہ مجاہدین منتخب کر کے تیار کئے گئے۔ انہیں دشمن کے علاقے میں جانے کا اور وہاں کے لوگوں میں گھل مل جانے کا تجربہ خاصا تھا اور انہیں ٹریننگ بھی ایسی ہی دی گئی تھی۔ ان میں سرِفہرست حدید تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ رومی فوج کے ساتھ جو غیر مسلم قبائل جا ملے ہیں ان میں شامل ہو جائیں اور انہیں رومیوں کے خلاف گمراہ کریں۔

○

ابو عبیدہؓ نے اپنے ماتحت سالاروں کو بلایا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک قاصد خالدؓ بن ولید کی طرف دوڑا دیا کہ وہ جس قدر جلدی ہو سکے حمص پہنچ جائیں۔

"میرے عزیز رفیقو!"— ابو عبیدہؓ نے اپنے سالاروں سے کہا— "تم سب نے سن لیا ہے کہ اس رومی فوج کے افسر روتاس نے ہرقل‘ اُس کی فوج اور عیسائی قبائلیوں کے متعلق کیا باتیں بتائی ہیں اور ہرقل کس تذبذب میں پڑا ہُوا ہے لیکن اس سے ہمیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے کہ ہمارا دشمن اپنے ہاں کی صورتِ حال اپنے موافق کر کے حملہ کرے گا۔ ہم یہی سمجھیں گے کہ کسی بھی وقت حمص محاصرے میں آجائے گا اور ہمارے پاس نفری اتنی تھوڑی ہے کہ ہم یہ محاصرہ توڑ نہیں سکیں گے۔ میں

نے قبائلیوں میں شامل ہونے کے لئے بڑے ذہین اور اپنے کام میں ماہر مجاہدین کو روانہ کر دیا ہے۔ مدینہ کو بھیجے ہوئے قاصد آدھا راستہ طے کر چکے ہوں گے۔ اپنی دفاعی تیاریاں مکمل رکھو اور خود بھی دعا کرو اور مجاہدین سے کہو وہ بھی اللہ کے حضور دعا کرتے رہیں کہ کمک جلدی پہنچ جائے اور اگر نہ پہنچ سکے تو اللہ ہماری مدد کرے"۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ راتوں کو جیسے سوتے بھی نہ ہوں۔ ایسا تو وہ دن اور رات میں دو تین مرتبہ ضرور کرتے کہ قلعے کی دیوار پر جا کھڑے ہوتے اور مدینہ کی طرف دیکھنے لگتے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اتنی جلدی کمک نہیں پہنچ سکتی۔

دن گزرتے جا رہے تھے۔ اس وقت خالدؓ بن ولید شام کے مفتوحہ شہر قنسرین میں تھے۔ حمص کا قاصد ان تک پہنچا اور انہیں بتایا کہ حمص کس خطرے میں آ گیا ہے اور سپہ سالار اس وقت کس تکلیف اور اذیت میں مبتلا ہے۔ خالدؓ بن ولید اُسی وقت کمان اپنے نائب سالار کے حوالے کر کے حمص کو روانہ ہو گئے۔

O

اُبو عبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کو اپنے سامنے دیکھا تو انہوں نے دِلی سکون محسوس کیا۔ وہ تو اپنے آپ کو تنہا اور کچھ حد تک بے بس سمجھنے لگے تھے۔ خالدؓ بن ولید بہت ہی تیز رفتاری سے آئے تھے۔ وہ خود بھی آرام کرنے کے قائل نہیں تھے نہ ابو عبیدہؓ نے کہا کہ ذرا سستا لو تو پھر بات کریں گے۔

ابو عبیدہؓ نے انہیں بتایا کہ حمص کی طرف کتنا بڑا خطرہ بڑھا چلا آ رہا ہے اور حمص میں اس لشکر کے مقابلے میں بہت تھوڑی نفری ہے۔ ابو عبیدہؓ نے اس دوران جو اقدام کئے تھے وہ تفصیل سے خالدؓ بن ولید کو بتائے۔

"میں نے جو سوچا ہے وہ یوں ہے"— ابو عبیدہؓ نے کہا— "انطاکیہ، حماۃ، حلب اور قریب کی تمام چھاؤنیوں سے مجاہدین کی آدھی آدھی نفری حمص میں اکٹھی کر لی جائے اور محصور ہو کر لڑا جائے"۔

"محصور ہو کر نہیں"— خالدؓ بن ولید نے مشورہ دیا— "ہم قلعے سے باہر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ یہ کوئی نیا دشمن نہیں۔ اسے ہم بڑی دُور سے دھکیلتے چلے آ رہے ہیں اور شام کی آخری سرحد تک پہنچا چکے ہیں۔ اس کی چالوں کو اور اس کی فوج کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم اس میدان میں بھی اسے شکست دے دیں گے"۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے ابُو عبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کا یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ وہاں حمص کے دو تین سالار بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کی اس تجویز سے بھی اختلاف کیا کہ دوسری جگہوں سے مجاہدین کی آدھی آدھی نفری یہاں بلا لی جائے اور انہوں نے خالدؓ بن ولید کے مشورے سے بھی اختلاف کیا۔ وجہ یہ بتائی کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ دشمن کو پہلے پتہ چل جائے کہ حمص کو مضبوط کرنے کے لئے دوسری جگہوں سے نفری اکٹھی کر لی گئی ہے تو دشمن ان میں سے کسی اور جگہ پر حملہ کر کے قبضہ کر سکتا ہے اور اس طرح دوسری بڑی چھاؤنیوں پر بھی ہلّہ بول کر کامیاب ہو سکتا ہے۔

ان سالاروں نے کہا کہ کسی شہر اور قصبے کو کمزور نہ کیا جائے اور صرف مدینہ کی کمک کا ہی انتظار کیا جائے۔ اگر کمک آنے سے پہلے رومی پہنچ گئے تو پھر انہی حالات میں لڑیں گے اور اللہ سے دعا کریں گے کہ ہمارے صبر اور استقامت کا اجر عطا فرمائے۔

وہ دین و ایمان والے تھے۔ اللہ کی راہ میں باطل کے خلاف وطن سے بے وطن ہوئے اور اپنا اور دشمن کا خون بہا رہے تھے۔ ان کے دلوں میں ہوسِ ملک گیری نہیں تھی اور وہ اپنی بادشاہی قائم کرنے کے ارادے سے گھروں سے نہیں نکلے تھے۔ انہوں نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا اور جو نہتے تھے ان کے دل انہوں نے اخلاق سے موہ لئے تھے۔ جن شہروں کو انہوں نے فتح کیا انہوں نے وہاں کے لوگوں سے جزیہ تو وصول کیا لیکن ہرقل جیسے بادشاہوں نے ان پر جو ظالمانہ محصولات عائد کر رکھے تھے وہ اتنے کم کر دیئے کہ جس کی جتنی حیثیت اور استطاعت تھی اس سے اسی کے مطابق محصولات وصول کئے جاتے تھے۔ وہاں کے غیر مسلم مسلمانوں سے بہت ہی خوش اور مطمئن تھے اور نظریوں آتا تھا کہ مشکل کے وقت مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑیں گے لیکن اسلام کے سالار ان پر اتنا بھروسہ نہیں کرتے تھے۔

اسلام کے یہ اوّلین مجاہدین اللہ سے مدد مانگتے تھے۔ دعائیں کرتے تھے لیکن صرف دعاؤں پر ہی بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ وہ قرآن کے اس فرمان سے بڑی اچھی طرح آگاہ تھے کہ تم عملاً جتنی کوشش کرو گے اللہ تمہیں اتنا ہی دے گا۔ انہوں نے کبھی معجزے کی توقع نہیں رکھی تھی۔ انہوں نے اپنی جانیں دے کر اسلام کو زندہ رکھا۔ اپنا خون بہا کر شمع رسالت کو بجھنے نہ دیا اور اس طرح اللہ کا پیغام حق دُور دُور تک پھیلتا چلا گیا۔

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کو واپس قنسرین بھیج دیا تاکہ وہاں کا دفاع ان کی غیر

حاضری میں کمزور نہ ہو جائے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب خالدؓ بن ولید ابو عبیدہؓ سے رخصت ہوئے تو ان کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے وہ اپنے سپہ سالار کو اس مشکل صورتِ حال میں اکیلا چھوڑنا نہ چاہتے ہوں۔

"ابنِ جراح!"—— خالدؓ بن ولید نے ابو عبیدہؓ سے کہا——"میری ضرورت پیش آ گئی تو ایسا قاصد بھیجنا جو اُڑتا ہُوا مجھ تک پہنچے اور میں اس سے زیادہ تیز رفتاری سے پہنچوں گا"۔

خالدؓ بن ولید ابو عبیدہؓ سے گلے ملے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اللہ حافظ کہہ کر روانہ ہو گئے۔

○

دونوں قاصد مدینہ پہنچ گئے۔ اُس وقت وہ اونٹوں پر سوار تھے اور اونٹ دوڑتے آ رہے تھے۔

وہ اکیلے نہیں تھے' مدینہ کے کئی آدمی اور لڑکے ان کے ساتھ ساتھ دوڑتے آ رہے تھے۔ یہ تو مدینہ کا معمول بنا ہُوا تھا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور کسی نہ کسی وجہ سے محاذ پر نہیں گئے تھے وہ قاصد کے منتظر رہتے تھے۔ بعض تو شہر سے کچھ آگے چلے جاتے اور جب کوئی قاصد آتا تو اس کے ساتھ ساتھ دوڑ پڑتے اور پوچھتے تھے کیا خبر لائے ہو۔ قاصد لوگوں کے جذبات کو سمجھتے تھے اور کم سے کم الفاظ میں ان کو خبر سنا دیتے تھے۔

اُس وقت مجاہدینِ اسلام بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے تھے۔ دونوں دشمن باطل کی بڑی ہی زبردست جنگی قوتیں سمجھے جاتے تھے اور یہ غلط نہیں تھا کہ ان کے مقابلے میں کوئی آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ ایک آتش پرست ایرانی تھے اور دوسرے رومی۔ ان محاذوں سے کسی بھی وقت کوئی بہت ہی بُری خبر آ سکتی تھی اور اکثر توقع یہی ہوتی تھی کہ بُری خبر آئے گی لیکن مجاہدین کے ساتھ ضعیف العمر بوڑھوں' بوڑھیوں' معصوم بچوں اور اُن معذوروں کی دعائیں تھیں جو محاذوں پر جانے کے قابل نہیں رہے تھے اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعاؤں سے ان کی مدد کر رہے تھے۔

مدینہ کی گلیوں میں شور بپا ہو گیا—— "قاصد آئے ہیں.... دو قاصد آئے ہیں"۔

یہ شور و غل امیر المومنین حضرت عمرؓ کے کانوں سے ٹکرایا تو وہ بڑی تیزی سے اُٹھے اور قاصدوں کے استقبال کے لئے باہر آ گئے اور اُس طرف دوڑ پڑے جدھر سے قاصد

آ رہے تھے۔ قاصدوں نے ان کے قریب آ کر اونٹ روکے اور اونٹوں کو بٹھا کر اترنے کی بجائے اونٹوں سے کود آئے۔

"اچھی خبر لائے ہو؟"—— حضرت عمرؓ نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

"خبر بُری بھی نہیں"—— ایک قاصد نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا——"کمک جلدی پہنچ گئی تو خبر اچھی بھی ہو جائے گی"۔

"یا امیر المومنین!"—— دوسرے قاصد نے کہا——"ہم کہیں سے پسپا نہیں ہوئے۔ چلئے' بیٹھ کر پیغام سناتے ہیں"۔

گھر میں داخل ہو کر حضرت عمرؓ نے قاصدوں کو بٹھایا اور ان کے لئے پانی اور کھانا وغیرہ منگوایا اور پھر کہا کہ اب بتاؤ۔ ایک قاصد بولنے لگا۔ اس نے پوری تفصیل سے بتایا کہ حمص کس خطرے میں آ گیا ہے اور رومی فوج کے ساتھ الجزیرہ کے غیر مسلم قبائل کا لشکر بھی شامل ہو گیا ہے۔

"خدا کی قسم!"—— امیر المومنین نے ساری تفصیلات سن کر کہا——"مجھے میری ذات سے اشارے مل رہے تھے کہ ایسی صورت پیدا ہو ہی جائے گی۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کیوں نہ کروں جس نے مجھے اتنی فہم و فراست عطا کی ہے کہ اس کا دفاعی انتظام پہلے ہی سوچ رکھا تھا"۔

امیر المومنین نے جس دفاعی انتظام کی طرف اشارہ کیا تھا' تاریخ میں اس کا ذکر ایک دو مؤرخ ہی کرتے تو ہم ان کے نام لے کر حوالے دیتے لیکن صرف مسلمان مؤرخین نے ہی نہیں بلکہ غیر مسلم یورپی مؤرخوں نے بھی حضرت عمرؓ کی جنگی فہم و فراست اور تدبّر کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ ہر محاذ کے ہر گوشے تک کمک پہنچانے کے انتظامات انہوں نے تیار رکھے ہوئے تھے۔ سب سے بڑا انتظام یہ تھا کہ انہوں نے بصرہ اور کوفہ کو اس طرح آباد کیا تھا کہ ان دونوں جگہوں کو بہت بڑی چھاؤنیاں بنا دیا اور کسی غیر مسلم کو وہاں آباد نہیں ہونے دیا تھا تاکہ دشمن کو خبر نہ ہونے پائے کہ یہاں کیا کچھ موجود ہے۔

اس کے علاوہ سات اور شہر تھے جن میں سے ہر شہر میں امیر المومنین نے چار چار ہزار سوار مجاہدین ہنگامی حالات کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ ان کے لئے حکم تھا کہ اس طرح

ہر وقت کیل کانٹے سے لیس ہو کر تیار رہیں کہ جونہی کہیں سے کمک طلب کی جائے تو قریبی شہر سے چار ہزار سوار یا اس سے کم "فوراً" روانہ ہو جائیں اور ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہاں تک پہنچیں جہاں ان کی ضرورت ہو۔

امیر المومنین نے اُسی وقت ایک قاصد سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف دوڑا دیا اور پیغام یہ دیا کہ قعقاع بن عمرو کو چار ہزار سوار دے کر یہ پیغام ملتے ہی حمص بھیج دو اور وہاں ابو عبیدہؓ دشمن میں گھِر گئے ہیں اور کمک پہنچنے تک نہ جانے وہاں کیسی صورتِ حال پیدا ہو جائے۔

اُس وقت سعدؓ بن ابی وقاص مدائن میں تھے اور زرتشت کے پجاری وہاں سے بھاگ گئے تھے اور اس طرح کسریٰ ایران کو شکستِ فاش دی گئی تھی اور عراق مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ قعقاع بن عمرو اُس وقت کوفہ میں تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنین کا پیغام ملتے ہی ایک قاصد کوفہ بھیج دیا۔

قعقاع پیغام ملتے ہی چار ہزار سوار لے کر یوں کوفہ سے حمص کو نکلے جس طرح اچانک طوفان اور بگولے اٹھا کرتے ہیں۔ ان کے لئے حکم تھا کہ کم سے کم پڑاؤ کر کے تیز سے تیز حمص پہنچنا ہے۔

اُس وقت حضرت عمرؓ کے پاس ان کے مشیر بیٹھے ہوئے تھے اور امیر المومنین جو کچھ بھی سوچتے ان سے مشورہ لیتے تھے۔ یہ صورتِ حال امیر المومنین حضرت عمرؓ کے تدبر اور دور اندیشی کی بڑی سخت آزمائش تھی۔ وہ پسپائی اور شکست کا نام بھی نہیں سننا چاہتے تھے۔ یہ تو جذباتی کیفیت تھی، حقیقت یہ انہیں نظر آ رہی تھی کہ حمص سے پاؤں اکھڑے تو پھر نہ جانے کہاں تک مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ایران سے فوج نکال کر بھیجی جائے اور کسریٰ ایران پھر اٹھ کھڑا ہو اور عراق کے مفتوحہ علاقوں پر پھر قبضہ کر لے۔

"میرے بھائیو!" ——— امیر المومنین نے اپنے مشیروں سے کہا ——— "خدا کی قسم! یہ ساری سازش الجزیرہ کے قبائل کی ہے۔ ان میں اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اسلام اس علاقے تک پہنچے۔ انہوں نے ہرقل کو اکسایا ہے اور کم و بیش تیس ہزار کا لشکر اسے دیا ہے کہ وہ ان کا ساتھ دے اور مسلمانوں کو ملک شام سے بے دخل کر دیا جائے....

"یہاں تک میں جانتا ہوں ہرقل میں اتنا دم خم نہیں رہا کہ وہ کہیں بھی ہمارے مجاہدین پر جوابی حملہ کرے گا۔ اس کی اس فوج کی تو کمر ہی ٹوٹ چکی ہے جو شام میں لڑی تھی۔ اس کی فوج کی بیشتر نفری ماری گئی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں تو اتنی ہی زخمی ہے اور اگر کچھ نفری جسمانی لحاظ سے صحیح اور سلامت ہے تو اس میں لڑنے والا جذبہ بجھ چکا ہے۔ اسے مصر سے جو فوج ملی ہے اس نے ہرقل کے نیم مُردہ ارادوں میں کچھ جان ڈال دی ہو گی اور اس بُرے وقت میں یہ قبائلی اس کے پاس جا پہنچے اور اتنا بڑا لشکر اسے دے کر اس میں پھر غرور اور تکبّر پیدا کر دیا ہو گا....

"تم جانتے ہو کہ قبائلیوں کا علاقہ جنگ سے محفوظ رہا ہے۔ ان کی تین بستیوں نے ہمارے مقابلے میں ہمارے دشمن کا ساتھ دیا تھا لیکن دشمن پھر بھی شکست کھا کر پسپا ہوا اور ہم نے ان تینوں بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ان کی باقی تمام بستیاں محفوظ رہیں۔ کیا تم کوئی طریقہ سوچ سکتے ہو کہ ان قبائلیوں کو رومیوں سے الگ کیا جائے؟"

"ان کی بستیوں پر یلغار کی جائے" ——— ایک مشیر نے کہا ——— "انہوں نے ابھی جنگ کا ذائقہ نہیں چکھا سوائے ان تین بستیوں کے۔ ان پر آفت نازل ہو گی تو وہ تیس ہزار قبائلی جو بزنطیہ ہرقل کے پاس چلے گئے ہیں، بھاگم بھاگ واپس اپنی بستیوں کو جائیں گے"۔

"خدا کی قسم!" ——— امیر المومنین نے کہا ——— "ہماری سوچیں ایک جیسی ہیں اور جب خیالات میں ہم آہنگی ہو تو پھر اس دیوار کو کوئی نہیں توڑ سکتا.... ان قبائلیوں کی بستیوں پر حملے ہوں گے تو وہ تو واپس آئیں گے ہی لیکن ہرقل ان کا ساتھ نہیں دے گا۔ اس صورت میں ابو عبیدہؓ تھوڑی سی کمک کے ساتھ ہرقل پر چڑھ دوڑے گا اور پھر ہرقل کے لئے یہی راہِ نجات رہ جائے گی کہ وہ بحری جہازوں میں فوج کو لادے اور مصر کو روانہ ہو جائے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ شام اب ہمارا ملک ہے۔ اس ملک کے جو لوگ ہمارے دشمن کے پاس اس نیّت سے گئے ہیں کہ وہ ہم پر جوابی حملہ کرے اور یہ لوگ اس کی جنگی مدد کریں گے تو یہ بغاوت ہے۔ یہ لوگ باغی ہیں، غدار ہیں اور ان کے دماغوں کو ٹھکانے پر لانا ہمارا حق بھی ہے فرض بھی"۔

○

امیر المومنین کے پاس پورا ریکارڈ تھا کہ کون سا سالار کہاں ہے اور اس کے پاس

کتنے دستے ہیں اور اسے ایک محاذ سے فارغ کر کے کسی دوسرے محاذ کو بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بلاذری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس قسم کی تفصیلات اور اعداد و شمار اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے اور کبھی اس قسم کی باتیں کرنے لگتے تھے جیسے انہیں وہ محاذ سامنے نظر آ رہا ہو اور امیرالمومنین اس کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہے ہوں۔ یہیں سے کچھ ایسی روایات نے جنم لیا ہے جن میں کچھ حقیقی ہیں اور کچھ بنالی گئی تھیں۔

ان روایات سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو دشمن کی شکست اور اپنی فتح کا اس قدر خیال ہوتا تھا کہ ذہنی طور پر ہی نہیں بلکہ روحانی طور پر بھی اپنے آپ کو محاذ پر تصور کرتے تھے۔ ایک اور تاریخ نویس طبری نے لکھا ہے کہ جب امیرالمومنین حضرت عمرؓ سپہ سالار ابوعبیدہؓ کے پیغام کے مطابق مختلف احکامات دے رہے تھے اور اقدامات کر رہے تھے، یوں لگتا تھا جیسے وہ مدینہ میں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ محاذوں کے قریب کسی ایسی بلندی پر بیٹھے ہوئے ہیں جہاں سے انہیں تمام محاذ نظر آ رہے ہوں اور اس کے مطابق احکام دے رہے ہوں۔

حضرت عمرؓ نے عراق و ایران کے محاذ کے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کے نام ایک اور پیغام لکھوایا۔ اس میں انہوں نے یہ حکم دیا کہ سالار سہیلؓ بن عدی اور عبداللہؓ بن غسان کو چار چار ہزار سوار دے کر الجزیرہ میں اُن قبائلی علاقوں میں بھیج دیں جنہوں نے ہرقل کو اپنے تیس ہزار آدمی حمص پر حملہ کرنے کے لئے دیئے ہیں۔ ان دونوں سالاروں کے لئے امیرالمومنین نے یہ ذمہ داریاں لکھیں کہ سہیلؓ بن عدی کو رقہ بھیجا جائے اور عبداللہؓ بن غسان کو نعین کے علاقے میں روانہ کیا جائے۔ دونوں سالار ان قبائل کی بستیوں پر حملے کریں۔ اگر وہ مقابلہ کریں تو لڑیں اگر ہتھیار ڈال دیں تو انہیں جنگی قیدی بنالیں اور اگر وہ زیادہ مقابلہ کریں اور ہتھیار نہ ڈالیں تو ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا جائے۔

امیرالمومنین نے یہ بھی لکھوایا کہ جب یہ دونوں سالار ان علاقوں سے جو انہیں دیئے گئے ہیں باغیوں کو صاف کر دیں تو سہیلؓ بن عدی حران اور عبداللہؓ بن غسان رُہاء چلے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے مزید حکم یوں لکھوایا کہ سالار ولید بن عتبہ الجزیرہ کے اُن غیر مسلم عربوں کے علاقے میں جا کر حملے کریں جہاں دو قبیلے بنی ربیعہ اور بنی تنوخ رہتے ہیں....

امیرالمومنین نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ان کی دانست میں یہی دو قبیلے ہیں جنہوں نے دوسرے قبیلوں کو بھی تیار کر کے ہرقل کا ساتھ دیا ہے اور حمص پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں قبیلوں کو گھٹنوں بٹھانا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقت ور سمجھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حکم نامے میں لکھا کہ سالار عیاضؓ بن غنم ان تمام دستوں اور ان کے سالاروں کے سپہ سالار ہوں گے اور ان کا حکم سب سالاروں پر چلے گا۔

یہ پیغام لے کر قاصد رخصت ہو گیا۔



سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کو جونہی امیرالمومنین کا یہ حکم پہنچا انہوں نے اُسی وقت ان تمام سالاروں کو حکم بھیج دیا کہ وہ اپنی اپنی ذمہ داری کے علاقے میں پہنچ جائیں۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے ان سب کو تفصیلاً یہ حکم سمجھایا اور اس کا پس منظر بھی بتایا۔

اتنے انتظامات کر کے بھی امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو تسلی نہ ہوئی۔

"میرے بھائیو!" ــــ امیرالمومنین نے اپنے مشیروں سے کہا ــــ "میں امین الاُمت کو اس مشکل وقت میں تنہا نہیں رہنے دوں گا۔ میں کچھ اور کمک ساتھ لے کر حمص جا رہا ہوں"۔

امین الاُمت ایک خطاب تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہؓ کو عطا کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے مدینہ سے اور مدینہ کے گرد و نواح سے بڑی عجلت میں لڑنے والے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اس نفری کو اپنے ساتھ لے کر ایک روز حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ امیرالمومنین کے ساتھ کتنی نفری تھی یا یہ کہ کتنے پیادہ اور کتنے سوار تھے۔ صرف یہ لکھا ہے کہ ایک فوج تیار کر کے امیرالمومنین حمص کے سفر کو روانہ ہو گئے۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امیرالمومنین دمشق کے رستے سے جا رہے تھے۔ چونکہ وہ ایک فوج کو ساتھ لے جا رہے تھے اس لئے رفتار اتنی تیز نہیں تھی جتنی ایک قاصد کی ہو سکتی ہے۔ امیرالمومنین نے ابوعبیدہؓ کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک قاصد اپنے آگے حمص کو روانہ کر دیا اور اسے پیغام یہ دیا کہ امیرالمومنین

خود کچھ لشکر لے کر حمص کو آ رہے ہیں۔ قاصد کو خاص طور پر کہا گیا تھا کہ وہ غیر معمولی رفتار سے جائے۔

تاریخ سے یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ امیرالمومنین کو جس وقت سپہ سالار ابوعبیدہؓ کا پیغام ملا تھا اور امیرالمومنین پریشانی میں مبتلا ہوئے تھے اُس وقت سے قرآن کی یہ آیت ان کی زبان سے بار بار نکلتی تھی اور وہ ہر کسی کو یہی آیت بتاتے پھرتے تھے "اور جن لوگوں نے ہمارے لئے جہاد کیا' ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے اور اللہ اپنے نیکو کار بندوں کے ساتھ ہے" — (29,79)

امیرالمومنین یہ بھی بار بار کہتے تھے کہ نیک اعمال کا دامن نہ چھوڑو' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

○

اب ہم اس داستانِ جہاد کو اُس جگہ لے چلتے ہیں جہاں حمص سے کچھ دُور پہاڑی علاقے میں ہرقل کی فوج اور الجزیرہ کے عیسائی قبائل کا لشکر حمص کو محاصرے میں لئے بیٹھا تھا اور ہرقل کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔

کچھ دنوں سے قبائلی لشکر میں یہ بات دبی دبی زبان سے سنی سنائی جانے لگی تھی کہ ان رومیوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہرقل اپنی شکست کو فتح میں بدلنا چاہتا ہے اور اگر اسے فتح حاصل ہو گئی تو وہ پھر محصولات کے ذریعے رعایا کا خون چوسنا شروع کر دے گا اور دوسری طرف مسلمان اس شکست کا انتقام الجزیرہ کے ان قبائل کی بستیوں کو اُجاڑ کر لیں گے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کی تین بستیاں مجاہدین نے تباہ و برباد کر دی تھیں کیونکہ ان بستیوں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف ہرقل کی مدد کی تھی۔ ان بستیوں کے نام یہ ہیں — موصل' ہیت اور فرقیساء۔

یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ بات کہاں سے اور کیسے اٹھی ہے۔ کچھ قبائلیوں نے اس شک کو صحیح مان لیا تھا اور باقی ابھی تذبذب میں تھے۔ ان میں جو ذرا عقل و ہوش والے تھے' وہ کہتے تھے کہ ابھی وقت ہے' سوچ لو۔ رومی فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی اور یہ فوج لڑنے کی بجائے پسپائی کے راستے دیکھے گی۔ اگر ہرقل کی فوج پسپا ہو گئی تو مسلمان الجزیرہ کی بستیوں کو کھڑا نہیں چھوڑیں گے۔ یہ شکوک و شبہات وہ دس گیارہ مجاہدین قبائلیوں کے لشکر میں پھیلا رہے تھے جنہیں ابو عبیدہؓ نے ایسی ہی تخریب کاری

اور جاسوسی کے لئے وہاں بھیجا تھا۔ وہ سب وہاں تک اکٹھے نہیں پہنچے تھے۔ ایک ایک دو دو کر کے گئے تھے اور ظاہر یہ کیا کہ وہ عیسائی قبیلوں میں سے ہیں۔ ان میں سے جس سے بھی کوئی اصل قبائلی پوچھتا تھا کہ تم کس قبیلے سے ہو تو یہ مجاہد اُس سے پوچھتا کہ تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے۔ وہ اپنا قبیلہ بتاتا تو مجاہد کسی دُور دراز علاقے کے گمنام سے قبیلے کا نام لے لیتا۔ مختصر یہ کہ وہ مجاہدین اپنے مشن میں خاصی کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ انہوں نے بددلی پھیلانا شروع کر دی تھی اور دیکھا گیا کہ اس کی مخالفت اور تردید بہت کم ہوتی تھی۔ تاریخوں کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ ان قبائلیوں میں اکثریت ابھی وہم اور شک میں مبتلا تھی۔

وہ جو اللہ نے قرآن میں مجاہدین کو مژدہ سنایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اللہ راستے دکھا دیا کرتا ہے اور نیک اعمال والوں کے ساتھ رہتا ہے' یہ فرمان حمص سے کچھ دُور پہاڑی علاقے میں عملی صورت میں سامنے آ گیا۔ اس کی ابتدا بزنطیہ سے ہوئی تھی۔

پچھلے باب میں سنایا گیا ہے کہ الجزیرہ کے بڑے بڑے قبیلوں کے پچیس تیس سردار بزنطیہ ہرقل سے ملنے اور اسے جنگی مدد پیش کرنے گئے تھے تو ان کے ساتھ بیس پچیس نہایت خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں تھیں جن کے چہروں سے معصومیت ٹپکتی تھی۔ ان میں کچھ لڑکپن کی کم عمری میں تھیں۔ انہوں نے یہ لڑکیاں ہرقل کو دربار میں پیش کی تھیں اور بتایا تھا کہ وہ اس کی مدد کو آئے ہیں۔

ہرقل نے ان معصوم لڑکیوں کو دیکھ کر پوچھا تھا کہ تم یہ لڑکیاں میرے لئے تحفہ لائے ہو؟

ایک بوڑھے عیسائی سردار نے اسے جواب دیا تھا کہ ہم آپ کے بازو مضبوط کرنے آئے ہیں اور یہ لڑکیاں ہم تحفے کے طور پر نہیں لائے' یہ ہماری اپنی بیٹیاں ہیں۔ انہیں ہم آپ کے پاس صرف یہ دکھانے کے لئے لائے ہیں کہ یہ ہماری عزت اور آبرو ہے جو اس جنگ میں محفوظ نہیں رہی۔ اس قبائلی سردار نے یہ بھی کہا تھا کہ ان معصوم بچیوں اور ان جیسی ہزار ہا بچیوں کی آبرو کی حفاظت کرنے کے لئے آپ کے ساتھ بات کرنے آئے ہیں۔ آپ ہماری مدد کریں اور ہم آپ کی مدد کریں گے اور آپ کو ہزار ہا جوان جنگجوؤں کا لشکر دے دیں گے۔

اسی ملاقات میں ان قبائلی سرداروں کے ساتھ ہرقل نے جنگی معاہدہ کرلیا اور انہیں کہا کہ وہ واپس چلے جائیں اور جس قدر لشکر اکٹھا کرسکتے ہیں کرلیں اور بہت ہی جلدی لشکر کو یہاں لے آئیں۔ ہرقل نے انہیں یقین دلایا کہ ان قبائلیوں نے اسے فتح دلادی تو وہ ان تمام قبائل کو آزاد اور خود مختار کردے گا اور ان پر اپنا کوئی محصول یا معاوضہ عائد نہیں کرے گا۔

یہ قبائلی سردار جب واپس جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ ان کی لڑکیوں کو باہر بھیجا جائے کہ وہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ کسی مشیر نے یہ مشورہ دیا کہ سفر لمبا ہے اور پُرخطر بھی ہے، مسلمانوں کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں راستے میں آجائیں۔ ایسا ہُوا تو وہ ان سب سرداروں کو قتل کرکے لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

سرداروں کو ہرقل پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے یہ بات مان لی اور لڑکیوں کو وہیں ہرقل کے محل کے کسی حصے میں چھوڑ آئے جہاں انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ظاہری طور پر یہ مشورہ تو ایک مشیر نے دیا تھا لیکن درپردہ ہرقل کی اپنی خواہش تھی کہ اتنی خوبصورت اور نوخیز لڑکیاں اس کے ہاتھ سے نہ نکلیں۔ اس نے اس مشیر کو یہ مشورہ دینے کے لئے کہا تھا۔ ہرقل بادشاہ تھا اور بزنطیہ میں اس کا محل بھی تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اتنی حسین اور پُرکشش لڑکیاں قبائلیوں کے خیموں اور جھونپڑوں میں اچھی نہیں لگتیں، یہ تو محل میں رکھنے والی چیزیں ہیں۔

سردار چلے گئے اور جب وہ کچھ دنوں بعد واپس آئے تو ان کے ساتھ کم و بیش تیس ہزار لڑاکا جوانوں کا لشکر تھا جس میں آدھی سے زیادہ نفری گھوڑسوار تھی۔

ہرقل نے باہر آکر اس لشکر کو دیکھا تو اس کے چہرے پر رونق آگئی اور اس رونق میں رعونت کا رنگ نمایاں تھا۔ اس لشکر کو اس نے لڑانا تھا اور غالباً" اسے معلوم تھا کہ حمص میں مسلمانوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہیں اور یہی وہ شہر ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے اور قریب بھی۔ اس نے اس لشکر کو دیکھتے ہی حمص کو محاصرے میں لے کر اور پھر یلغار کرکے حمص پر قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کرلیا تھا۔

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مصر سے چار ہزار گھوڑسواروں کی کمک پہنچ گئی۔ یہ کمک ہرقل نے منگوائی تھی۔ اس کمک کا کمانڈر ہرقل کا اپنا بیٹا قسطنطین تھا۔

ہرقل نے قبائلی لشکر بھی اس کے حوالے کردیا اور اس طرح قسطنطین اپنے سوار دستوں کے علاوہ قبائلی لشکر کا بھی کمانڈر بن گیا تھا۔ ہرقل نے بیٹے کو تمام تر ہدایات دے کر اور حمص پر ہلّہ بولنے کا منصوبہ سمجھا کر اسے اس مقام پر بھیج دیا جس کا ذکر اس داستان میں ہوچکا ہے۔ یاددہانی کے لئے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ پہاڑی علاقے میں دُور دُور سے حمص کو محاصرے میں لے لیا گیا تھا اور اب ہرقل کے حکم پر حمص کی طرف چاروں طرف سے پیش قدمی کرنی اور حمص پر یلغار کرنی تھی لیکن ہرقل کے حکم میں تاخیر ہوتی جارہی تھی۔

○

قسطنطین جب بزنطیہ میں تھا تو اس نے ان بیس پچیس لڑکیوں کو دیکھا تھا جنہیں الجزیرہ کے قبائلی سردار اپنے ساتھ لائے تھے۔ قسطنطین ابھی جوانی کی عمر میں تھا۔ ہرقل بڑھاپے کی عمر میں بھی عورتوں کا رسیا تھا۔ اس کا بیٹا تو ابھی جوان تھا۔ اس نے ان لڑکیوں کے متعلق پوچھا تھا کہ یہ کون ہیں اور کیسے آئی ہیں۔ اسے بتایا گیا تھا کہ یہ عیسائی قبائل کی لڑکیاں ہیں اور اسے ساری بات سنادی گئی تھی۔ دو چار دنوں بعد اسے آگے بھیج دیا گیا تھا۔

کچھ دن آگے محاذ پر رہ کر اس نے اپنی فوج اور لشکر کی ترتیب دیکھی اور اپنے ماتحت کمانڈروں کو ہدایات دیتا رہا۔ وہ شاید اس جنگلاتی اور پہاڑی علاقے سے اکتا گیا تھا اور اس کے لئے وہاں اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے دستوں اور قبائلیوں کے لشکر کو دیکھ آتا تھا۔ یہ تو کئی میلوں میں پھیلا ہُوا لشکر تھا۔ ابھی کوئی جنگی سرگرمی نہیں تھی۔ ایک روز وہ بزنطیہ چلا گیا۔ وہ اپنے باپ ہرقل سے حکم لینا چاہتا تھا یا ویسے ہی بغرض تفریح چلا گیا تھا۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہرقل کا ایک بیٹا اور بھی تھا۔ اس کی کئی بیویاں تھیں اور ہر بیوی سے اولاد تھی لیکن یہ دوسرا بیٹا اس کی تمام تر اولاد میں سے نمایاں اور ایک خصوصیت کا حامل تھا۔ اس کا نام یوکلس تھا اور اس کی عمر ابھی سولہ سترہ سال تھی۔ ہرقل کو اصل پیار قسطنطین سے تھا۔ قسطنطین جنگی فہم و فراست اور مہارت کا حامل ہونے کے علاوہ سلطنت کے امور سے بھی واقف تھا اور پیچیدہ مسئلے بھی سلجھا لیا کرتا تھا۔ ہرقل نے قسطنطین کو ہی اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔

ہرقل کا بیٹا یوکلس کسی اور بیوی میں سے تھا۔ اس کی ماں بڑی چال باز اور ہوشیار عورت تھی اور اس کا ذہن محلاتی سازشوں میں خوب چلتا تھا۔ اسے بہت دکھ تھا کہ ہرقل نے قسطنطین کو جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن یوکلس کی ماں اپنے اس بیٹے کو جانشین مقرر کروانا چاہتی تھی۔ تاریخ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ یوکلس خود بھی جانشین بننے کا خواہش مند تھا یا نہیں لیکن اس کی ماں کی سوچ کچھ اور ہی تھی۔

یوکلس میں ایک جسمانی خامی تھی جو اچھی خاصی معذوری تھی۔ وہ یہ کہ اس کا بایاں بازو پیدائشی طور پر بے کار تھا اور بالکل سوکھا ہوا۔ یوکلس کی ماں کو ہرقل نے یہی جواز بتایا تھا کہ وہ آدھے آدمی کو اپنی اتنی بڑی بادشاہی کا جانشین نہیں بنا سکتا۔ یوکلس کی ماں اس جواز کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔

یوکلس کا کمال یہ تھا کہ دائیں بازو سے ہی تیغ زنی اور برچھی بازی کر لیتا تھا اور اس کا وار خالی نہیں جاتا تھا۔ یوں کہہ لیں کہ وہ اسی طرح ماہر تیغ زن اور برچھی باز تھا جس طرح دونوں بازوؤں والے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہ گھوڑ سواری میں بھی شہسوار بن گیا تھا۔ صرف دائیں ہاتھ سے گھوڑے کی لگام قابو میں رکھتا اور اس نے کئی بار کرتب بھی دکھائے تھے۔

صرف تیراندازی تھی جو اس سے نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس کے لئے دونوں بازوؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شکل و صورت اور جسمانی کشش کے لحاظ سے وہ قسطنطین سے زیادہ دل کو اچھا لگتا تھا۔ اس نے کئی بار ہرقل سے کہا تھا کہ اسے میدانِ جنگ میں جانے دیا جائے لیکن ہرقل یہ خطرہ مول لینے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہُوا تھا۔ رومیوں کی زبان میں وہ جس نام سے مشہور ہو گیا تھا اس نام کے معنی ہیں ایک بازو والا شہزادہ۔

○

قسطنطین محاذ سے بزنطیہ جا رہا تھا۔ شہر کے قریب سے ایک ندی گزرتی تھی جو چٹانوں میں سے گھوم پھر کر آگے جاتی تھی۔ وہاں ندی کے کنارے درختوں کے اتنے جھنڈ تھے کہ دور سے کچھ نظر نہیں آتا تھا اور وہ جگہ بہت خوبصورت تھی۔

قسطنطین کو اُس جگہ کے قریب سے گزرنا تھا۔ وہ کچھ اور قریب ہُوا تو اسے ایسے قہقہے اور کچھ ایسا شور سنائی دیا جیسے بچّے یا لڑکیاں ندی میں نہا اور کھیل رہی ہوں۔ اس

نے گھوڑے کی رفتار کم کر لی۔ اتنے میں ایک لڑکی دوڑتی ہوئی سامنے آئی۔ اس کے پیچھے ایک اور لڑکی دوڑ رہی تھی۔ وہ کھیل رہی تھیں۔

یہ وہ بیس پچیس نوخیز لڑکیاں تھیں جنہیں قبائل کے سردار اپنے ساتھ لائے تھے کہ ہرقل کو دکھا کر بتائیں کہ یہ ہے ہماری عزت اور آبرو جسے ہم مسلمانوں سے برباد نہیں کروانا چاہتے۔ ان لڑکیوں کو بزنطیہ کے محل میں ہی رکھ لیا گیا تھا کہ وہاں محفوظ رہیں گی۔

وہ سب اُس روز ندی میں نہانے اور کھیلنے آئی تھیں۔ ان میں سے دو لڑکیاں ایک دوسری کے پیچھے دوڑتی ندی سے ذرا ہٹ کر چٹانوں سے نکلیں اور قسطنطین کے سامنے آ گئیں۔ ان میں پیچھے دوڑنے والی لڑکی سولہ سترہ سال عمر کی تھی اور جس کے پیچھے دوڑ رہی تھی وہ بارہ تیرہ سال عمر کی تھی۔ قسطنطین کی نظریں بڑی لڑکی پر جم گئیں۔ ایک تو وہ تھی ہی بہت خوبصورت اور نوخیز اور دوسرے یہ کہ وہ نیم برہنہ تھی۔ قسطنطین بادشاہ کا بیٹا تھا بلکہ شہزادہ تھا اور سلطنتِ رُوم کا اگلا بادشاہ اُسی کو بننا تھا۔ یہ بادشاہ اپنی رعایا کی لڑکیوں کو اپنی ملکیت سمجھا کرتے تھے۔

قسطنطین نے اپنا گھوڑا اس لڑکی کے آگے کر لیا۔ چھوٹی لڑکی کچھ دُور رک کر قسطنطین کو دیکھنے لگی۔ قسطنطین نے جس لڑکی کو روکا تھا اس کے چہرے پر خوف کا تاثر آ گیا اور وہ اُلٹے قدم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔ قسطنطین گھوڑے سے کود کر اُترا اور اس لڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔

قسطنطین اسے پیار سے بلا رہا تھا لیکن لڑکی پیچھے ہٹتی جا رہی تھی۔ قسطنطین نے لپک کر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا پھر اس کا ہاتھ چھوڑ کر دونوں بازو اس کی طرف پھیلائے لیکن لڑکی بڑی پُھرتی سے پیچھے ہٹ گئی اور اس کے بازوؤں میں نہ آئی۔

اب قسطنطین غضب ناک ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ لڑکی پیچھے کو مُڑ کر بھاگنے لگی لیکن ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ وہ اٹھے بغیر پیچھے کو سرک رہی تھی۔ اس کے اور قسطنطین کے درمیان تین قدموں کا فاصلہ تھا۔ اچانک ایک گھوڑا کہیں سے سامنے اور ان دونوں کے درمیان آ کر رک گیا۔

قسطنطین نے سوار کو دیکھا تو وہ اس کا چھوٹا بھائی یوکلس تھا جس کا ایک بازو سُوکھ کر بے کار ہو گیا تھا۔ قسطنطین نے بڑے غصے میں اسے راستے سے ہٹ جانے کو کہا۔

یوکلس گھوڑے سے کود آیا۔ وہ قریب ہی سے گزر رہا تھا تو اس نے یہ منظر دیکھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ان لڑکیوں کو دیکھنے ہی آیا ہو اور نیّت اس کی بھی ایسی ہی ہو جیسی قسطنطین کی تھی لیکن وہ اس لڑکی کا محافظ بن گیا جس پر قسطنطین جھپٹ رہا تھا۔

قسطنطین نے تلوار نکال لی۔ یوکلس کُود کر گھوڑے سے اترا اور گھوڑے کو ٹھوکر مار کر آگے کر دیا اور اس نے بھی تلوار نکال لی۔ دونوں تلواریں تان کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور وار کرنے اور روکنے کے لئے تیار ہو گئے۔

"میرے سامنے سے ہٹ جا یوکلس!" —— قسطنطین نے چیلنج کے لہجے میں کہا —— "پہلے ہی تیرا ایک بازو نہیں ہے۔ میں تجھے دوسرے بازو سے بھی محروم کر دوں گا"۔

"پھر پہلا وار تُو کر" —— یوکلس نے کہا —— "تجھے افسوس نہ رہے کہ وار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ لڑکیاں ہماری مہمان ہیں۔ میں تجھے کسی لڑکی کی طرف بدنیّتی کی آنکھ سے دیکھنے بھی نہیں دوں گا"۔

جس طرح یوکلس کا گھوڑا اچانک قسطنطین اور لڑکی کے درمیان آ گیا تھا اسی طرح ایک گھوڑا قسطنطین اور یوکلس کے درمیان آن رُکا اور اس کا سوار گھوڑے سے اترا۔ ان دونوں نے دیکھا وہ ہرقل کے محافظ دستے کا ایک عہدے دار تھا۔ قسطنطین کے سامنے اس کی حیثیت اس کے ایک ملازم کی سی تھی۔ قسطنطین نے حکم دیا کہ وہ آگے سے ہٹ جائے۔

"میں شاہی خاندان کے محافظوں میں سے ہوں" —— اس محافظ عہدے دار نے کہا —— "شاہی خاندان کے ہر فرد کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ میں ایک لڑکی کی خاطر دو شہزادوں کو ایک دوسرے کا خون بہاتے نہیں دیکھ سکتا۔ پہلے آپ دونوں مجھے قتل کریں اور اس کے بعد ایک دوسرے کا خون بہالیں"۔

اس شخص نے ایسی باتیں کیں کہ قسطنطین نے اپنی تلوار نیام میں ڈال لی۔ یوکلس نے اِدھر اُدھر دیکھا، لڑکی وہاں نہیں تھی بلکہ تمام لڑکیاں وہاں سے بھاگ گئی تھیں۔ وہ محافظ جس نے ان دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے سے روکا تھا ان لڑکیوں کے ساتھ آیا تھا۔ اُس کے ساتھ چند اور محافظ بھی تھے جو لڑکیوں سے دُور دُور پہرے پر کھڑے تھے۔ یہ عہدے دار اتفاق سے ادھر آ نکلا تھا۔

قسطنطین بڑے غصے کے عالم میں سوار ہُوا اور وہاں سے یوکلس کو گھورتا ہُوا چلا گیا۔

یوکلس بھی واپس اپنے گھر چلا گیا اور فوراً بعد ہرقل نے اسے بلایا اور بہت ڈانٹا کہ اُس نے بڑے بھائی کی بے عزتی کی ہے۔ یوکلس کچھ بھی نہ بولا۔ اسے معلوم تھا کہ قسطنطین ہرقل کا چہیتا بیٹا ہے اور وہ اسی کو ٹھیک سمجھے گا۔ یوکلس وہاں سے چپ چاپ واپس آ گیا۔

وہ عجیب سے ذہن کا نوجوان تھا۔ ہرقل کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد وہ محل کے اُس حصے میں گیا جہاں قبائلی لڑکیاں رہتی تھیں۔ اُس نے پوچھا کہ وہ لڑکی کون تھی جس پر شہزادہ قسطنطین جھپٹ رہا تھا۔ وہ لڑکی سامنے آ گئی اور اس نے یوکلس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی عزت بچالی تھی۔

یوکلس نے اس سے پوچھا کہ اس کا قبیلہ کون سا ہے اور اس کے باپ کا نام کیا ہے۔ اُس نے قبیلے کا نام بتایا اور باپ کا نام بھی۔ یوکلس وہاں سے چل پڑا۔

اگلے روز وہ علی الصبح بزنطیہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور اس نے گھوڑا دوڑا دیا۔ بڑی لمبی مسافت طے کر کے اُس جگہ پہنچا جہاں قبائلی لشکر اور فوج رُکے ہوئے تھے۔ یوکلس لڑکی کے قبیلے کا نام لے کر پوچھتا پھرا کہ اس قبیلے کے آدمی کہاں ہوں گے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ تو ڈھونڈنے والی بات ہے' بتایا نہیں جا سکتا کہ کون کہاں ہے۔

مختصر قصہ یوں ہُوا کہ یوکلس نے اس لڑکی کے باپ کو ڈھونڈ نکالا۔ یہ باپ اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ یوکلس نے اسے بتایا کہ اس کی لڑکی کو اس نے کس طرح بچایا ہے اور ان قبائیلیوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی لڑکیوں کو محل سے نکال لیں ورنہ وہاں کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہے گی۔ یوکلس نے یہاں تک کہہ دیا کہ خود ہرقل کی نیت ان لڑکیوں کے متعلق صاف نہیں۔ اتنی سی بات کہہ کر یوکلس وہاں سے واپس چل پڑا۔

لڑکی کا باپ خود قبیلے کا سردار تھا۔ وہ تو ہرقل کے پاس یہ فریاد لے کر آئے تھے کہ ان معصوم لڑکیوں کی عزت کی حفاظت چاہتے ہیں لیکن محل ہی میں ان کی عزت پر حملے ہونے لگے تھے۔ اس شخص نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا اور یہ بات انہیں سنائی۔ ہر شخص بھڑک اٹھا اور سبھی ایک ہی بات کہنے لگے کہ شاہ ہرقل کے پاس چلو اور اسے کہیں گے کہ ہم اپنی لڑکیوں کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔

یہ بات تمام قبائل میں پھیل گئی۔ ان تمام بیٹیوں کے باپ اور بھائی وہاں اس لشکر

میں موجود تھے جو ہرقل کی مدد کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے ہوئے تھے۔ ان سب میں غصے اور احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ وہ تو ہرقل کے پاس جانے کو تیار ہو گئے تھے لیکن بعض نے مشورہ دیا کہ قسطنطین واپس آ جائے تو پہلے اس کے ساتھ بات کریں گے۔ قبائلیوں میں بد دلی پیدا ہو گئی تھی۔

دو تین روز بعد قسطنطین آ گیا تو تمام قبائل کے سرداروں نے اسے گھیر لیا اور بتایا کہ ان کی لڑکیوں کے ساتھ یہ سلوک شروع ہو گیا ہے تو وہ اپنی لڑکیوں کو بزنطیہ سے لے کر واپس چلے جائیں گے۔ قسطنطین نے انہیں یہ جھوٹ بول کر کہ یہ واقعہ بالکل غلط ہے، راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نہیں ہو رہے تھے۔

ان سب میں ایک معمر سردار بھی تھا جو اس عمر میں لڑنے کے قابل نہیں تھا لیکن اپنے قبیلے کے ساتھ آ گیا تھا۔ اُس نے کہا کہ کوئی اور آدمی یہ بات سناتا تو شاید اس پر جھوٹ کا شک کیا جاتا لیکن یہ بات سنانے والا ایک شہزادہ ہے۔ شہزادے کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

دو تین قبیلوں کے سردار بولے کہ وہ بزنطیہ جا کر لڑکیوں سے پوچھیں گے۔ اگر یہ واقعہ سچ نکلا تو وہ اس لڑائی اور قربانی سے باز آئے۔ تمام قبائلی سرداروں کو یہ بات اچھی لگی۔ قسطنطین انہیں روکنے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ بزنطیہ کی طرف چل پڑے۔

بزنطیہ پہنچ کر انہوں نے لڑکیوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ اس لڑکی نے پورا واقعہ بیان کیا جس پر قسطنطین جھپٹ رہا تھا۔

یہ سردار تمام لڑکیوں کو ساتھ لے کر ہرقل کے پاس گئے اور وہاں یہ مسئلہ پیش کر دیا۔ ہرقل نے بھی انہیں ٹھنڈا اور راضی کرنے کی کوشش کی لیکن یہ قبائلی اتنے اکھڑ لوگ تھے کہ راضی نہیں ہو رہے تھے۔

ہرقل نے انہیں دھمکی دی کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے تو وہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا اور اُس نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی تو وہ اُن کی بستیاں اجاڑ دے گا اور ان کی یہ بیٹیاں اپنے محل میں لے آئے گا۔

تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بعض قبائل ان سرداروں سے اختلاف کر رہے تھے لیکن سردار اپنی لڑکیوں کو محل میں چھوڑنے سے گریز کر رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو ساتھ لے کر چلنے لگے۔ ہرقل نے انہیں روک لیا۔ ہرقل کو احساس تھا کہ یہ تیس ہزار کا لشکر

اس کا ساتھ چھوڑ گیا تو اسے شام کے اس آخری قلعے سے بھی بھاگنا پڑے گا۔ اس نے ان قبائلی سرداروں کو یوں راضی کر لیا کہ وہ انہیں خیمے دے دے گا اور وہ لوگ لڑکیوں کو اپنے ساتھ ان خیموں میں رکھیں اور ان پر اپنے محافظ مقرر کر دیں۔

وہ رک تو گئے لیکن ان کے دل پوری طرح صاف نہیں ہوئے تھے۔ وہ لڑکیوں کو محاذ پر لے گئے اور انہیں وہاں خیموں میں رکھا۔

قبائلیوں میں یہ سارا واقعہ پھیل گیا تھا اور انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ لڑکیوں کو محاذ پر لے آئے ہیں۔ اب ہر قبائلی کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ان رومیوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔

اُدھر مجاہدین کی کمک بڑی تیزی سے پہنچ رہی تھی۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ ابھی راستے میں ہی تھے۔ جن سالاروں کو قبائلی علاقوں پر حملے کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ اپنے اپنے علاقے میں پہنچ گئے تھے۔

تاریخ کے کچھ گوشے، کچھ کونے کھدرے ایسے ہیں جو وقت کی دُھندلاہٹ میں چھُپ گئے ہیں۔ ذرا غور سے دیکھو تو نظر آ جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن پر گزرتے زمانوں نے سیاہ پردے ڈال دیئے ہیں۔ بعض تاریخی واقعات کی کڑیاں اس تاریکی میں آ کر گم ہو جاتی ہیں۔ پھر بھی ایسے محقق ہو گزرے ہیں جو اس دھند سے اور بعض تاریکی میں ڈوبے ہوئے گوشوں سے گم گشتہ کڑیاں نکال لائے اور تاریخ کے دامن میں ڈال دیں۔

تاریخ میں میدانِ جنگ کی، فتح و شکست کی، پیش قدمیوں اور پسپائیوں کی ہی کہانیاں ملتی ہیں۔ یہ کہانیاں شکست کھانے والی قوم کی اگلی نسلوں کے لئے عبرت ناک اور فاتحین کی نسلوں کے لئے ولولہ انگیز اور حوصلہ افزا ہوتی ہیں۔ تاریخ میں اہمیت ان ہی کہانیوں کو دی گئی ہے اور دی جاتی رہے گی۔ یہ کہانیاں قوموں کی روایت کی صورت میں ڈھل کر ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔

تاریخ کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ اس پہلو کا بظاہر جنگ و جدل کے ساتھ تعلق نظر نہیں آتا۔ یہ پسِ پردہ کھیلے جانے والے بڑے ہی سنسنی خیز، پُراسرار، حیرت انگیز ڈرامے ہوتے ہیں۔ اسے بنی نوع انسان کی تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ ایسے ڈرامے وہیں کھیلے جاتے ہیں جہاں انسانیت شہنشاہیت کے چُنگل میں بے بس و مجبور ہو کر تڑپتی ہے مگر کر کچھ بھی نہیں سکتی۔ انسان انسان کے ہاتھوں میں کھلونا اور کٹھ پتلی بنا ہُوا ہے۔ انسان ہی انسان کا اَن داتا اور خدا بن جاتا ہے۔

جہاں شہنشاہیت ہے وہاں محلات بھی ہیں اور محلات ہیں تو محلاتی سازشیں بھی ایک

قدرتی امر کے طور پر لازماً" ہوتی ہیں۔ محلاتی سازشوں کے اثرات محلات کی چاردیواری تک ہی محدود نہیں رہتے، دیواریں پھاند کر باہر آ جاتے ہیں اور میدانِ جنگ تک جا پہنچتے ہیں اور فتح و شکست تک کو بھی اپنی زد میں لے لیتے ہیں۔ تاریخ نے ان ڈراموں اور سازشیوں کو کم ہی اہمیت دی ہے لیکن یہ ڈرامے جہاں دلچسپ ہیں وہاں سبق آموز اور عبرت ناک بھی ہیں۔

صرف اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے شہنشاہیت کے خاتمے کو اپنی بنیادی تعلیمات میں شامل کیا۔ اسلام نے چھوٹے بڑے کی تمیز ختم کی اور تکریم انسانیت کا سبق صرف دیا ہی نہیں بلکہ اللہ کے قانون کی شکل میں نافذ کیا اور اس پر سختی سے عمل کرایا۔ دنیائے کُفر جو اسلام کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی تھی، اس کے پیچھے مذہبی نظریات کا اتنا عمل دخل نہیں تھا جتنا شہنشاہیت کو تھا۔ وہ سب بادشاہ اور شہنشاہ تھے۔ شہنشاہیت اور فرعونیت کے خاتمے میں انہیں اپنی موت نظر آ رہی تھی لیکن فتح اُسی نے پائی جس نے انسانوں کے دلوں کو فتح کیا.... تلوار سے نہیں پیار سے.... یہ فاتحین تھے اللہ کے نام لیوا اور شمع رسالت کے پروانے!

اسلام کو بھی اُس وقت زوال آیا جب خلافت شہنشاہیت کے رنگ ڈھنگ اختیار کرنے لگی تھی۔ ہم جس دَور کی بات کر رہے ہیں، اُس وقت مسلمانوں میں مساوات تھی جسے مساواتِ محمدیؐ کہا گیا تھا اور آج تک کہا جاتا ہے۔ اللہ اور انسان کے درمیان نہ کوئی خلیفہ آ سکتا تھا نہ کوئی عالمِ دین۔ خلیفہ دوم امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر کہا تھا — "اللہ نے اپنے بندوں کو آزاد پیدا کیا ہے، تم نے انہیں غلام کیسے بنا لیا ہے!"

یہ ہے داستان ایک شہنشاہ کی جس کا نام ہرقل تھا اور جس نے شاید کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ فرعون کس انجام کو پہنچے تھے۔ روم کا یہ بادشاہ اپنے آپ کو فرعون سمجھ بیٹھا تھا اور ملک شام کی بازی ہار کر سرحد پر بیٹھا ہاری ہوئی بازی جیتنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ آیئے دیکھیں یہ بازی آخر کس نے ہاری، کس نے جیتی، اللہ کے بندوں کے بہی خواہوں نے یا بادشاہت کے پجاریوں نے!

○

پچھلے باب میں تفصیل سے ذکر آیا ہے کہ ہرقل کے بیٹے یوکلس نے اپنے بڑے

بھائی سے ایک لڑکی کو بچانے کے لئے تلوار نکال لی تھی اور بڑے بھائی قسطنطین نے بھی تلوار نکال لی تھی۔ کوئی ایک بھائی دوسرے بھائی کے ہاتھوں یا دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہو جاتے لیکن محافظ دستے کا ایک کمانڈر درمیان میں آ گیا اور خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ہرقل نے یوکلس کو بلا کر ڈانٹ دیا تھا کہ اس نے اپنے بڑے بھائی کی توہین کی ہے۔ اس واقعہ کے پیشِ نظر یوکلس کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قبائلی عیسائیوں کی یہ لڑکیاں میدانِ جنگ میں خیموں میں رہنے کے لئے بھیج دی گئی تھیں۔ یہ ذکر بھی تفصیل سے ہو چکا ہے کہ ہرقل کا سارا پیار اپنے بیٹے قسطنطین کے ساتھ تھا جو اب اس ساری فوج کا سپہ سالار یعنی کمانڈر انچیف تھا جس فوج نے حمص پر یلغار کرنی تھی اور پھر قسطنطین کو ہرقل نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

یوکلس ایک بار پھر میدانِ جنگ میں چلا گیا۔ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ وہ سارا دن وہاں دور دور تک پھیلی ہوئی فوج میں گھومتا پھرتا رہا اور عیسائی قبائل کے سرداروں اور دیگر افراد سے پوچھتا پھرا کہ اپنی لڑکیوں کے متعلق مطمئن ہیں یا نہیں۔

قسطنطین اسی فوج کا کمانڈر تھا۔ اس وقت وہ اپنے خیمے میں تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ یوکلس اس ساری فوج میں گھوم پھر رہا ہے اور وہ زیادہ تر قبائلیوں کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ قسطنطین خیمے سے نکلا، گھوڑے پر سوار ہُوا اور اس طرف گھوڑا دوڑا دیا جس طرف یوکلس گیا تھا۔ اسے یوکلس نظر آ گیا اور وہ اُس تک جا پہنچا۔

"یہاں کیوں آئے ہو یوکلس؟" — قسطنطین نے پوچھا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا — "تمہیں سب سے پہلے میرے پاس آنا چاہئے تھا۔ تمہیں کسی نے یہ حق نہیں دیا کہ فوج میں گھومو پھرو اور جو چاہو سپاہیوں سے کہتے رہو"۔

"میں نے یہ حق اپنے آپ کو خود ہی دیا ہے" — یوکلس نے کہا — "میں بھی اسی ہرقل کا بیٹا ہوں جس کے تم ہو۔ میں تمہارے ماتحت نہیں کہ جو تم چاہو گے میں وہ کروں گا۔ میں تمہارے اس سوال کا جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن ہماری بادشاہی ایسی صورت حال میں الجھ کے رہ گئی ہے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔ الجزیرہ کے یہ قبائل ہماری مدد کو آئے ہیں اور تم نے ان میں بداعتمادی اور بے دلی پیدا کر دی ہے، صرف ایک لڑکی کی خاطر۔ میں یہ دیکھتا پھر رہا ہوں کہ ان لوگوں کی خفگی اور رنجش دُور ہوئی ہے یا نہیں۔ میں ان پر اعتماد بحال کرنا چاہتا ہوں"۔

یوکلس کی کمزوری یہ تھی کہ وہ بائیں بازو سے معذور تھا۔ پیدائشی طور پر اس کا بایاں بازو بالکل ہی سُوکھا ہُوا تھا۔ وہ دائیں ہاتھ سے ہی تیغ زنی، برچھی بازی اور گھوڑ سواری اسی طرح کر لیتا تھا جس طرح دونوں بازوؤں والے کیا کرتے تھے لیکن یہ معذوری اس کے لئے ایک بدقسمتی اور طعنہ بن گئی تھی۔

"تم کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ تم معذور ہو!" — قسطنطین نے کہا — "تم ادھورے انسان ہو۔ فوج کے لئے اور میدانِ جنگ کے لئے تم محض بے کار ہو۔ یہاں باتیں کرنے کے لئے آئے ہو، یہ جان لو کہ میدانِ جنگ میں زبان نہیں تلوار چلا کرتی ہے"۔

یوکلس نے اس کے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ اس نے قسطنطین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سا تبسّم آ گیا۔ پھر اس نے لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا، کچھ ایڑ لگائی گھوڑا دوڑا اور وہاں سے چلا گیا۔ قسطنطین دیکھتا ہی رہ گیا۔ دونوں بھائیوں میں عداوت تو پہلے ہی موجود تھی لیکن قبائلی لڑکی کے واقعہ کے بعد یہ عداوت اور زیادہ زہرناک ہو گئی تھی۔ دونوں بھائیوں کی رگوں میں ایک ہی باپ کا خون تھا لیکن دونوں کی مائیں الگ الگ تھیں۔

○

قسطنطین ہرقل کے پاس جا پہنچا اور اسے بتایا کہ یوکلس کچھ زیادہ ہی خود سر ہوتا جا رہا ہے۔ قسطنطین نے ہرقل کو وہ ساری بات بتائی جو یوکلس کے ساتھ ہوئی تھی۔

"مجھے اس پر شک ہے" — قسطنطین نے کہا — "وہ کہتا تو ہے کہ ان قبائل کا اعتماد بحال کر رہا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ قبائل میں ہمارے خلاف بداعتمادی پیدا کر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اُس لڑکی کے معاملے میں یہ کہاں تک پہنچا تھا۔ لڑکی کے باپ تک پہنچا اور اسے جا بتایا کہ تمہاری لڑکیاں یہاں محفوظ نہیں"۔

"میں جانتا ہوں" — ہرقل نے کہا — "یہ میں سب جانتا ہوں۔ یہ لڑکا اپنے دماغ سے کام نہیں لے رہا، اسے اس کی ماں ہمارے خلاف اکسا رہی ہے۔ تم اپنے کام پر توجہ رکھو"۔

"میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں" — قسطنطین نے کہا — "یوکلس کو بڑی آسانی سے غائب کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی یہ حل سوچا ہے؟"

بادشاہوں کے محلات میں اپنے مفاد کی خاطر بھائیوں کا اپنے بھائیوں کو قتل کروا دینا کوئی عجیب فعل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

"ہاں، میں یہ بھی سوچ چکا ہوں" ___ ہرقل نے کہا ___ "لیکن یہ وقت ان چھوٹی چھوٹی فضول باتوں پر غور کرنے کا نہیں۔ پورا ایک ملک ہمارے ہاتھ سے جا رہا ہے.... میں یوکلس کو مروانا نہیں چاہتا۔ اگر ایسا کیا تو تم اس کی ماں کو اچھی طرح نہیں جانتے، وہ کوئی ایسی زمین دوز چال چلے گی کہ ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی۔ یہ مجھ تک ہی رہنے دو کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ تم حمص پر نظر رکھو اور پوری کوشش کرو کہ الجزیرہ کے یہ قبائل ناراض نہ ہوں۔ ان کی ہمیں ابھی ضرورت ہے۔ ہمارا مقصد پورا ہو گیا تو پھر میں ان لوگوں کو اُسی سطح پر گرا دوں گا جو ان کی اصل سطح ہے"۔

"جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں جلدی کریں" ___ قسطنطین نے کہا ___ "کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ماں بیٹا اپنی کوئی زمین دوز کارروائی کر گزریں اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔ مجھ سے زیادہ اور کسے احساس ہو گا کہ ہم پر کتنا نازک اور پُرخطر وقت آ پڑا ہے.... اگر آپ نے مجھے اتنا اختیار دے رکھا ہوتا تو میں اس یوکلس کو غداری کے الزام میں اپنی فوج کے سامنے سزائے موت دیتا اور اس کا سر برچھی کی اَنی میں اُڑس کر ہر طرف اس کی نمائش کرتا۔ یہ شخص بلاشک و شبہ غدار ہے"۔

"اصل مسئلہ اسے مروانے کا ہے" ___ ہرقل نے کہا ___ "اگر اسے غداری کے جرم میں جلاد کے حوالے کیا گیا یا اسے ہم نے کسی خفیہ طریقے سے قتل کروا دیا تو اس کی ماں الجزیرہ کے قبائلیوں سے کہے گی کہ اس کے بیٹے کو صرف اس لئے قتل کیا گیا ہے کہ اس نے ایک قبائلی لڑکی کی عزت بچائی تھی۔ پھر تم سوچ سکتے ہو قسطنطین! ان قبائلیوں کا ردِعمل کیا ہو گا.... ہمارے لئے بہت ہی خطرناک ہو گا"۔

ہرقل جلاد قسم کا بادشاہ تھا۔ اُس کے ہاں رحم نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی لیکن وہ ایک شہزادے کے معاملے میں ہوشمندی سے کوئی اقدام کرنا چاہتا تھا۔ یہ تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یوکلس کو زندہ نہیں رہنے دے گا لیکن قسطنطین ابھی جوانی کی عمر میں تھا، اس کی سوچیں اور اس کا تجربہ باپ جتنا نہیں تھا اور اس کے دل میں یوکلس کی دشمنی آگ کی طرح اسے جلا رہی تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ یوکلس کو فوراً اور اس کے سامنے قتل کر دیا جائے۔ ہرقل نے قسطنطین کی یہ بے تابی دیکھی تو بہتر جانا کہ اسے بتا دے کہ وہ یوکلس

کو اس دنیا سے اٹھانے کا کیا طریقہ سوچ چکا ہے۔

"میرے عزیز بیٹے!" ___ ہرقل نے کہا ___ "میں یوکلس کو ایک رتبہ دے کر ایک جرنیل کے ساتھ میدانِ جنگ میں بھیجوں گا۔ اسے اور اس کی ماں کو ایک بڑا ہی خوبصورت خواب دکھاؤں گا۔ تم جانتے ہو یوکلس ایک بازو سے کیا لڑے گا۔ پہلے تصادم میں ہی مارا جائے گا۔ اس سے یہ ہو گا کہ وہ مارا بھی جائے گا اور اس کی ماں فخر سے اس کا ذکر بھی کرے گی کہ اس کا بیٹا میدانِ جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا ہے"۔

"کیا آپ اس جرنیل کو پہلے کچھ بتائیں گے؟" ___ قسطنطین نے پوچھا ___ "کیا اسے پہلے بتا دیں گے کہ اس لڑکے کو ایسی جگہ دھکیلے جہاں یہ مارا جائے؟"

"میرے عزیز بیٹے!" ___ ہرقل نے ایسے پیار سے کہا جس میں ذرا سا غصہ بھی تھا ___ "معلوم ہوتا ہے تم اپنے اصل فرض کو نظرانداز کر کے صرف اس مسئلے پر دماغ کو مرکوز کئے ہوئے ہو کہ یوکلس کو کس طرح فوراً مار دیا جائے۔ میں نے تمہیں اتنی بڑی فوج کا کمانڈر بنایا ہے۔ اگر تم نے اسی طرح جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی فوج کو لڑایا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہو گا کہ شکست کھاؤ گے اور دشمن کے ہاتھوں مرو گے یا جنگی قیدی بن جاؤ گے.... جاؤ، اپنی فوج میں چلے جاؤ اور اس مسئلے کو ذہن سے نکال دو۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے وہ میں سوچ چکا ہوں"۔

قسطنطین اٹھا اور باہر نکل آیا۔ باپ کے حکم کے مطابق اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور محاذ کی طرف چلا گیا۔

○

جس وقت باپ بیٹا یہ گفتگو کر رہے تھے، اُس وقت ان کی حاضری میں ایک بڑی ہی خوبصورت اور نازک اندام کنیز موجود تھی۔ اس کا لباس ایسا ہی تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ وہ ہرقل کی عادات سے واقف تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اس کے پیالے میں شراب ڈالتی اور الگ جا کھڑی ہوتی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے ان باتوں سے اس کا کوئی تعلق واسطہ ہی نہ ہو جو ہرقل اور قسطنطین کے درمیان ہو رہی تھیں۔ کبھی ہرقل کے اشارے پر وہ کمرے سے باہر چلی جاتی اور کچھ ہی دیر بعد ہرقل دو بار تالی بجاتا اور کنیز اندر آ جاتی تھی۔ یہ ان بادشاہوں کے انداز تھے جن سے غالباً وہ اپنے آپ کو یقین دلاتے تھے کہ وہ ان لوگوں کے بادشاہ اور دیوتا ہیں اور لوگوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کو

اپنا خدا سمجھیں۔ یہ نوخیز کنیز ایک بڑی ہی خوبصورت گڑیا تھی جس کے ساتھ بچہ جس طرح چاہتا کھیل سکتا تھا۔ قسطنطین چلا گیا تو ہرقل کے اشارے پر کنیز اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اس کی ٹانگیں سہلانے لگی۔

ہرقل نے دربان کو بلا کر کہا کہ وہ یوکلس کی ماں کو ساتھ لے آئے .... ہرقل کی یہ بیوی کہیں دُور نہیں تھی' اسی محل کے ایک کمرے میں تھی۔ اطلاع ملتے ہی ہرقل کے پاس پہنچ گئی۔ وہ تقریباً" پینتالیس سال عمر کی بڑی ہی خوبصورت اور پُرکشش جسم والی عورت تھی۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی' ہر عیش و آرام میسر تھا اس لئے اصل عمر سے خاصی چھوٹی لگتی تھی۔ اس کا نام لیزا تھا۔ ہرقل نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیزا کے چہرے پر سوالیہ تاثر تھا۔ ہرقل نے ایک عرصے بعد اسے اس طرح تنہائی میں بلایا تھا۔

لیزا کی ایک تاریخ تھی۔ وہ اپنے ماضی پر اور اپنے خاندانی پس منظر پر بجا طور پر فخر کر سکتی تھی۔ وہ رومی نہیں تھی بلکہ ایرانی تھی اور کسریٰ کے خاندان کی شہزادی تھی۔ مذہبی لحاظ سے وہ آتش پرست تھی۔

جب ایران اور روم برسرِپیکار تھے اور کبھی ایک کو فتح حاصل ہوتی اور کبھی دوسرے کو اور کبھی مصر اور شام ایرانیوں کے زیر تسلط آ جاتے اور کبھی رومیوں کے' اُس وقت لیزا کی ملاقات ہرقل کے ساتھ ہوئی تھی لیکن یہ کوئی دوستانہ ملاقات نہیں تھی۔ لیزا ہرقل کے لئے بڑا ہی حسین پیغامِ اجل بن کر آئی تھی۔ اُس نے اپنا تعارف یوں نہیں کرایا تھا کہ وہ کسریٰ ایران کی شہزادی ہے بلکہ اس نے اپنے اغوا کا ایک ناٹک کھیلا تھا اور ایک مظلوم مغویہ بن کر ہرقل کے پاس پہنچی یا پہنچائی گئی تھی۔ ہرقل کو بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکی ایک تاجر کی بیٹی ہے اور قافلے سے اغوا کر کے لائے ہیں۔ ہرقل اُس وقت جوان تھا اور ایسے ہی ہیروں اور موتیوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ اُس نے یہ تحفہ دل و جان سے قبول کر لیا۔

شام پر ایرانی قابض ہو گئے تھے اور ہرقل نے ایرانیوں پر جوابی حملہ کرنے کے لئے روم کے بادشاہ فوکس کو اس کا تختہ اُلٹ کر بالکل معزول کر دیا تھا اور پھر شام پر حملہ آور ہُوا تھا۔ وہ آدھا شام فتح کر چکا تھا جب یہ لڑکی اس کے پاس آئی تھی یا اسے پیش کی گئی تھی۔

لڑکی کسی تاجر کی بیٹی نہیں تھی نہ اغوا ہوئی تھی۔ کسریٰ کی ایک سازش کے تحت لڑکی کو بڑی ہی کامیابی سے ہرقل تک پہنچا دیا گیا تھا۔ کسریٰ نے کہا تھا کہ وہ ہرقل کو قتل کرنا چاہتا ہے اور ہرقل قتل ہو گیا تو پھر رومی فوج اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہرے گی لیکن اسے قتل کس طرح کیا جائے؟

اس موقع پر اس شہزادی نے کہا کہ وہ یہ کام کر سکتی ہے۔ کسریٰ رضامند نہ ہُوا لیکن لڑکی نے جب اپنا منصوبہ بیان کیا تو کسریٰ نے ایک سازش تیار کر لی اور مطلوبہ افراد کو بلا کر سب کچھ سمجھا دیا۔ لڑکی کا کام یہ تھا کہ شراب میں ہرقل کو زہر پلا دے گی اور وہاں سے فرار ہو آئے گی۔

اس شہزادی کو اندازہ نہیں تھا کہ جسے وہ زہر پلانے آئی ہے وہ بڑا ہی شاطر اور غیر معمولی عقل و دانش رکھنے والا بادشاہ ہے۔ ہرقل نے بڑی کامیابی سے منصوبہ بنا کر بادشاہ کا تختہ اُلٹ دیا تھا اور روم کے عوام اور روم کی فوج اس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ ہرقل اس شہزادی کے حُسن سے اتنا متاثر ہُوا کہ اس نے اس سے کہا کہ تم ایرانی حسن کا بے مثال نمونہ ہو۔ شہزادی کے منہ سے نکل گیا کہ میں ہوں ہی ایرانی۔ ہرقل اسی سے چوکنا ہو گیا۔ ایرانیوں اور رومیوں کی دشمنی تو ضرب المثل بن گئی تھی۔

ہرقل نے کسی شک شبے کا اظہار کئے بغیر شہزادی کے ساتھ ایسا پیار اور پُراثر سلوک کیا جس کی اس شہزادی کو توقع نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے ہرقل کو اس لڑکی پر شبہ ہو گیا ہو اور ہرقل نے اس کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہو کہ اسے داشتہ بنانے کی بجائے محبوبہ بنا لیا اور اس کے آگے بچھنے لگا۔

ایک روز شہزادی کو موقع مل گیا اور اس نے شراب میں زہر ملا بھی دیا لیکن جب شراب کا یہ پیالہ ہرقل کے آگے رکھا تو اس کا اپنا دل اس کے خلاف ہو گیا۔ ہرقل نے پیالہ اٹھا لیا اور جب پیالہ اس کے ہونٹوں سے ایک دو انچ ہی دُور رہ گیا تھا' شہزادی نے جھپٹ کر پیالہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہرقل حیرت زدگی کے عالم میں اسے دیکھنے لگا۔

"میں تمہیں زہر نہیں دے سکتی" — شہزادی نے کہا اور ہرقل کو بتا دیا کہ وہ اغوا نہیں ہوئی تھی اور ایک منصوبے کے تحت آئی تھی۔

ہرقل نے اُسی وقت ایک خاص ایلچی کو بلایا اور کسریٰ ایران کے نام پیغام لکھوا کر

اسے دیا اور کہا کہ وہ فوراً" روانہ ہو جائے اور یہ پیغام کسریٰ کے ہاتھ میں جا کر دے۔

پیغام میں ہرقل نے لکھا تھا کہ جس شہزادی کو تم نے مجھے زہر پلانے کے لئے بھیجا تھا وہ اب میری بیوی بن چکی ہے اور یہ بھی سن لو کہ اس پر کوئی جبر نہیں کیا بلکہ یہ اس کی اپنی خواہش تھی جو میں نے دِلی مسرت سے قبول کر لی ہے۔ اگر مجھے زہر دینا ہی مقصود ہے تو ایک اور شہزادی کو بھیج دو لیکن یہ بھی ذہن میں رکھو کہ وہ بادشاہ جو مردِ میدان ہوتے ہیں' میدان میں آ کر لڑا کرتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کو اپنے دشمن کے پاس نہیں بھیجا کرتے۔

یہ واقعہ تاریخ کے حوالے کرنے والے مؤرخ نے لکھا ہے کہ ہرقل کا ایلچی پیغام لے کر چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔ کسریٰ نے اسے قتل کروا ڈالا تھا۔

ہرقل نے اس شہزادی کو عیسائی بنا لیا اور اس کا نام لیزا رکھا۔ کچھ ہی دن ہرقل کی جذباتی کیفیت یہ رہی جیسے لیزا کے حسن و جمال اور طلسماتی نوجوانی میں کھو گیا ہو۔ لیزا نے پہلے بچے کو جنم دیا تو ہرقل کی توجہ لیزا سے ہٹ گئی۔ یہ پہلا بچہ یوکلس تھا جس کا بایاں بازو پیدائشی طور پر بے کار تھا۔

لیزا خود ہرقل جیسے شاہی خاندان کی شہزادی تھی۔ اسے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ یہ تو بادشاہ اپنا حق سمجھتے ہیں کہ ایک چیز ذرا سی بھی پرانی ہو جائے تو اسے پھینک دیتے ہیں اور اسی جیسی ایک اور نئی چیز لے آتے ہیں۔ لیزا نے یوکلس کے بعد ایک بچی کو جنم دیا تو ہرقل اسے یوں نظر آنے لگا جیسے کسی سفر میں ملا تھا' کچھ دُور تک ہم سفر رہا اور ایک دوراہے پر اس کا راستہ لیزا کے راستے سے جدا ہو گیا تھا۔

لیزا کی جگہ ایک اور کنیز آ گئی تھی اور ہرقل اسے بھی رخصت کرنے والا تھا۔ لیزا نے اپنے آپ کو کوڑے کباڑ کی کوئی چیز نہ سمجھا' وہ آخر شاہی خاندان کی فرد تھی۔ محلاتی سازشوں سے خوب واقف تھی۔ اس کی ماں ایسی ہی ایک سازش کا شکار ہوئی تھی اور اس نے ایسا ہی شکار کھیلا بھی تھا۔ لیزا ایک سے بڑھ کر ایک کار آمد اور تباہ کن سازش سوچ سکتی تھی اور اس پر عمل کروانا بھی جانتی تھی۔ وہ ہرقل کے دماغ پر سوار رہی اور ہرقل اسے نظر انداز نہ کر سکا بلکہ ہرقل کے دل میں اس کا کچھ ڈر بھی پیدا ہو گیا۔

یہ تھی یوکلس کی ماں جو اسے ہرقل کا جانشین بنوانا چاہتی تھی لیکن ہرقل نے اپنے دوسرے بیٹے قسطنطین کو جانشین بنا دیا تھا۔

○

اب ہرقل نے لیزا کو بلایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی تو ہرقل پہلے اُس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا پھر سر جھکا لیا۔

"کیوں بلایا ہے مجھے؟" ـــ لیزا نے یوں پوچھا جیسے ہرقل کوئی چھوٹا سا آدمی ہو۔

"تمہارے بیٹے کے متعلق بات کرنی ہے" ـــ ہرقل نے کہا۔

"میرا ہی نہیں" ـــ لیزا نے کہا ـــ "وہ تمہارا بیٹا بھی ہے.... کہو' کیا بات کرنی ہے؟"

"تمہاری ایک خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "تم اپنی زندگی میں اس کے سر پر روم کی بادشاہی کا تاج دیکھنا چاہتی ہو۔ میں قسطنطین کو اپنا جانشین مقرر کر چکا ہوں اور کسی وجہ اور جواز کے بغیر اس فیصلے کو منسوخ نہیں کر سکتا لیکن ایک راستہ نکال لیا ہے۔ میں اپنی زندگی میں ہی سلطنت کے دو حصے کروں گا۔ ایک حصہ قسطنطین کا اور دوسرا یوکلس کا ہو گا۔ پہلے اس ملک شام کا فیصلہ ہو جانے دو"۔

"یہ فیصلہ تو ہو چکا ہے" ـــ لیزا نے کہا ـــ "جس دشمن نے تمہیں اتنی تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی شام کی سرحد تک پہنچا دیا ہے وہ یہاں سے بھی تمہیں اٹھا دے گا"۔

"لیزا!" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو؟ میں ان مسلمانوں سے یہ ملک واپس لے لوں گا اور یوکلس کو اسی ملک کا بادشاہ بنا دوں گا"۔

"میری دعا بھی یہی ہے" ـــ لیزا نے کہا ـــ "لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ میں آسمان سے تارے توڑ کر لاؤں گا اور آدھے تمہیں دے دوں گا.... میں کہتی ہوں میرے بیٹے کو وہ دیں جو آپ کے ہاتھ میں ہے"۔

"میں آدھی فوج کی کمان تو اسے فوراً" دے رہا ہوں" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "میں یوکلس کو محاذ پر بھیج رہا ہوں۔ اسے ایک جرنیل کے ساتھ لگا دوں گا تاکہ جنگی قیادت کا تجربہ حاصل کرے۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ ایک ہاتھ سے ہی دشمن پر اپنی تلوار کی اور اپنی فوج پر قیادت کی دھاک بٹھا لے گا۔ پھر میں اسے جرنیل بنا دوں گا"۔

"آج یہ خیال تمہیں کیوں آ گیا؟" ـــ لیزا نے پوچھا ـــ "آج تک تم اسے بیگانہ کیوں سمجھتے رہے ہو؟"

"مجھے اس کی ایک صلاحیت کا اب پتہ چلا ہے" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "قسطنطین نے ان قبائلیوں کی لڑکیوں پر دست اندازی کی تھی جو ہماری مدد کو آئے ہیں۔ یوکلس نے ان لڑکیوں کو قسطنطین سے بچالیا اور تلوار نکال لی تھی۔ اس سے مجھے خوشی ہوئی کہ میرے اس بیٹے میں جرأت بھی ہے اور آزادانہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی"۔

لیزا خاصی عیّار عورت تھی۔ اس کا سب سے زیادہ کارگر حربہ اس کی خوبصورتی تھی اور پھر اس نے اپنی زبان میں ایسا جادو پیدا کر رکھا تھا جس سے کوئی بچ نہیں سکتا تھا لیکن ہرقل نے اسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ اس کی نیّت کو سمجھے بغیر اس کی باتوں میں آگئی اور جب وہ وہاں سے نکلی تو ایک مسرور اور کامیاب عورت تھی۔

کچھ دیر بعد ہرقل نے یوکلس کو بلایا۔ اسے ماں بتا چکی تھی کہ اس کے باپ نے اس کے لئے کیا فیصلہ کیا ہے۔ وہ تو بہت خوش تھا۔

"میرے عزیز بیٹے!" ـــــ ہرقل نے یوکلس سے کہا ـــــ "اُس روز میں نے تمہیں بُرا بھلا کہا تھا کہ تم نے اپنے بڑے بھائی کی بے عزتی کی ہے لیکن تنہائی میں سوچا تو بے اختیار میرے دل میں تمہارے لئے تعریف نکلی کہ تم عقل اور جرأت والے ہو۔ تمہاری وجہ سے قبائل کے لوگ موجود ہیں۔ تم قسطنطین کا ہاتھ نہ روکتے تو ہم اس تیس ہزار جنگجوؤں کی مدد سے محروم ہو چکے ہوتے ..... میں تمہیں اب اپنے ایک جرنیل انتھونیس کے ساتھ محاذ پر بھیج رہا ہوں۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس سے جنگی قیادت کے داؤ پیچ سیکھ لو پھر میں تمہیں جرنیل بنا کر چند ایک دستے تمہارے حوالے کر دوں گا"۔

ہرقل نے اسے کہا کہ اگلی صبح اسے محاذ کو روانہ ہو جانا چاہئے اور انتھونیس کو بلا کر اس کے متعلق ہدایات دے دی جائیں گی۔

O

ہرقل کا اپنا ایک جاسوسی اور مخبری کا نظام تھا جس سے اس کے ذاتی حلقے کے افراد بھی ناواقف تھے۔ یہ نظام اتنا خفیہ تھا کہ اس کا اپنا بیٹا قسطنطین بھی اس کے وجود سے آگاہ نہیں تھا۔ دوسرے تیسرے روز ایک مخبر جو فوج کا ہی کوئی عہدے دار ہوتا تھا، ہرقل کے پاس جا کر پوری رپورٹ دیتا تھا۔

ایسا ہی ایک جاسوس ہرقل کے ہاں گیا۔ ہرقل کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہوتا اور خواہ

وہ سویا ہُوا ہی ہوتا، اس کا حکم تھا کہ ایسا کوئی آدمی یہ کہے کہ وہ ایک ضروری بات بتانے آیا ہے تو اسے فوراً اطلاع دی جائے۔ اگر وہ سویا ہُوا ہے تو اسے جگا لیا جائے۔ یہ جاسوس گیا تو ہرقل نے اسے فوراً بلا لیا اور اپنے خاص کمرے میں بٹھا کر دروازہ بند کر لیا۔

"تم جانتے ہو میں کیا معلوم کرنا چاہتا ہوں" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "بتاؤ کیا خبر لائے ہو"۔

"ان قبائلیوں پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا" ـــــ جاسوس نے کہا ـــــ "ان میں بددلی سی پائی جاتی ہے۔ ان کی لڑکی کا واقعہ ادنیٰ سے ادنیٰ قبائلی تک پہنچ گیا ہے۔ ان لوگوں کا ایک ردّعمل یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ قسطنطین کو وہ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور اس کا نام آتا ہے تو ان لوگوں کے چہروں پر خفگی اور ناپسندیدگی کے تاثر آ جاتے ہیں"۔

"تمہاری اپنی رائے کیا ہے؟" ـــــ ہرقل نے پوچھا ـــــ "اگر میں حکم دے دوں کہ حمص کی طرف پیش قدمی کر کے حمص کو محاصرے میں لے لیا جائے اور کوشش یہ کی جائے کہ محاصرہ طول نہ پکڑے تو کیا یہ قبائلی دل و جان سے لڑیں گے؟"

"انہوں نے ایک شرط اپنے سامنے رکھ لی ہے" ـــــ جاسوس نے جواب دیا ـــــ "وہ کہتے ہیں کہ رومی فوج لڑے گی تو وہ اس کا ساتھ دیں گے اور اگر فوج جوش اور جذبے سے نہ لڑی تو تمام قبائل کے لوگ یہاں سے چلے جائیں گے .... شہنشاہِ معظم! اصل بات یہ ہے کہ آپ اس ملک کی خاطر لڑے ہیں لیکن یہ قبائلی صرف اپنا، اپنے بیوی بچوں اور اپنے مال و اموال کا تحفّظ چاہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہُوا تو ان کے ساتھ یہ لوگ جا ملیں یا نہ ملیں، یہاں سے چلے جائیں گے اور آپ ان کی مدد سے محروم رہ جائیں گے"۔

"اور اپنی فوج کا جذبہ کیسا ہے؟" ـــــ ہرقل نے پوچھا ـــــ "کیا اپنی فوج میں جوش و خروش اور تازگی نظر آتی ہے؟"

"نہیں شہنشاہِ معظم!" ـــــ جاسوس نے کہا ـــــ "آپ کے دل کو دکھ پہنچا کر مجھے دلی رنج ہو رہا ہے لیکن میرا فرض ہے کہ حقیقت بیان کروں۔ ہماری فوج میں کوئی تازگی نظر آتی ہے نہ ہی جوش و خروش نظر آتا ہے۔ میں نے خود خیموں میں بیٹھ کر باتیں کیں

اور ان کی سنی ہیں۔ ان بدبختوں پر مسلمانوں کا خوف اس طرح طاری ہے جیسے وہ کسی آسیبی اثر میں ہوں۔ انہیں بتایا گیا کہ حمص میں مسلمانوں کی فوج بمشکل چار ہزار ہے اور یہ چار ہزار سپاہی ہماری اتنی بڑی فوج کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے جس میں صرف قبائلیوں کی نفری تیس ہزار ہے لیکن ہمارے سپاہیوں میں ذرا سا بھی جوش و خروش پیدا نہیں ہو رہا۔ کچھ ایسی آوازیں بھی اٹھنے لگی ہیں کہ مسلمانوں کا مذہب ہی سچا ہے۔ ایسی باتیں کرنے والے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ خدا مسلمانوں کے ساتھ ہے"۔

مختصر یہ کہ ہرقل کو اپنی فوج کے متعلق مایوس کن رپورٹیں مل رہی تھیں۔ اسے کسی کی رائے لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی، وہ خود مردِ میدان اور تاریخ کا ایک قابل جرنیل تھا۔ جنگی امور کو اور فنِ ضرب و حرب کو خوب سمجھتا تھا۔ لڑنا بھی جانتا تھا اور لڑانا بھی جانتا تھا۔ وہ اپنی فوج کا اور قبائلی لشکر کا تجزیہ خود کر سکتا تھا۔ اس کے پاس اب یہی ایک راستہ تھا کہ وہ فوراً حمص پر حملہ کر دیتا۔ حمص اس کے قبضے میں آ جاتا تو اس کی فوج میں کچھ جذبہ پیدا ہو سکتا تھا لیکن اپنی فوج کی ذہنی و جسمانی حالت کو اور عیسائی قبائلیوں کے تذبذب کو دیکھتا تھا تو وہ اس فیصلے پر پہنچتا تھا کہ ابھی حملہ نہ کیا جائے۔ وہ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھا کہ حمص کو کمک نہیں مل سکے گی اور مسلمانوں کی نفری تھوڑی ہی رہے گی۔

ہرقل ایسا بوکھلایا ہُوا تھا کہ وہ جان ہی نہ سکا کہ مسلمان کتنی تیزی سے حرکت میں آ رہے ہیں اور کچھ دنوں بعد کیا ہونے والا ہے۔

اس کا اپنا جاسوسی کا نظام تھا تو بہت ہی تیز اور وہ لوگوں کے دلوں کی باتیں بھی معلوم کر لیا کرتا تھا لیکن اسے ذرا سا بھی شک نہ ہُوا کہ عرب کے دس بارہ مسلمان اس کے محاذ پر قبائلی عیسائیوں کے بہروپ میں پہنچے ہوئے ہیں اور وہ بڑی دانشمندی سے قبائلیوں میں بددلی اور رومیوں کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں۔ ذہنی تخریب کاری کی کارروائیاں کرنے والے ان دس بارہ مسلمانوں کا کمانڈر حدید تھا۔ وہ تو اس تخریب کاری کا ماہر تھا۔ وہ بعض قبائل کے سرداروں تک پہنچ گیا تھا اور ان کے ذہنوں میں بھی اس نے ہرقل اور رومیوں کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے ایمان، عزم اور عہد کے پکے اور سچے تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں باطل کے خلاف لڑتے ہوئے جانیں قربان کرنے وطن سے اتنی دُور آئے

تھے۔ اللہ ان کے ساتھ نہ ہوتا تو اور کس کے ساتھ ہوتا!

مسلمانوں کے ہاں کوئی محلاتی سازش نہیں تھی نہ ان میں لڑکیوں پر دست درازی کر کے دل خوش کرنے والے سالار تھے نہ ان کے دلوں میں کوئی شک اور شبہ تھا۔ وہ سب اللہ کے ایک عظیم پیغام کے پیامبر تھے اور اپنے فرائض کو پوری طرح جانتے تھے۔ ان میں سالار بھی تھے، نائب اور ماتحت بھی تھے لیکن سب جانتے تھے کہ اللہ کی نگاہ میں برتر وہ ہے جو ایمان اور کردار میں برتر ہے۔



پچھلے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو اس اتنی نازک اور خطرناک صورتِ حال سے نکلنے کے لئے کیا کیا اقدامات کئے تھے اور عراق کے محاذ کے کون کون سے سالار کو شام کے محاذ پر پہنچ کر کون کون سے علاقے میں جانے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمرؓ خود بھی مجاہدین کا ایک لشکر بڑی عجلت میں اکٹھا کر کے حمص کو روانہ ہو گئے تھے۔

امیرالمومنین نے ایک قاصد کو اس ہدایت کے ساتھ حمص کو بھیج دیا تھا کہ کمک بھی آ رہی ہے اور میں بھی آ رہا ہوں اور وہ اتنی تیز جائے جیسے اُڑ کر حمص پہنچا ہو۔ جنگوں میں جرنیل اور سپہ سالار جب کسی محاذ کی طرف کُوچ یا پیش قدمی کرتے تھے تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ دشمن کو اس کا علم نہ ہو سکے اور وہ اچانک دشمن پر جا پڑیں لیکن حضرت عمرؓ نے اس جنگی اصول کے بالکل الٹ ایک کارروائی کی۔ وہ یہ کہ چند ایک شُتر سوار اور گھوڑ سوار الگ کئے اور انہیں کہا کہ وہ آگے نکل جائیں اور محاذ کے قریب بستیوں میں یہ خبر پھیلاتے جائیں کہ مدینہ سے بہت بڑی کمک حمص کو جا رہی ہے۔ امیرالمومنین نے یہ بھی کہا کہ الجزیرہ میں وہ خاص طور پر یہ خبر پھیلائیں اور یہ بھی کہ عراق سے کچھ سالار دستے لے کر حمص اور بزنطیہ کی طرف جا رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ اپنے کُوچ کی یہ تشہیر اور نمائش اس خیال کے پیشِ نظر کر رہے تھے کہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ہرقل میں اتنا دم خم نہیں رہا کہ وہ اب کہیں بھی مجاہدین کے ساتھ ٹکر لے سکے یا کہیں جوابی حملہ کر سکے۔

مدینہ سے روانگی سے کچھ پہلے امیرالمومنین نے اپنے مصاحبوں سے کہا تھا کہ ہرقل کی فوج کی کمر ٹوٹ چکی ہے اور وہ اتنا زیادہ جانی نقصان اٹھا چکی ہے کہ اب اس کا لڑنے کا

جذبہ مر ہی گیا ہو گا۔

امیر المومنین اپنی اور کمک کی آمد کی زیادہ تشہیر الجزیرہ کے ان عیسائی قبائل میں کرنا چاہتے تھے جنہوں نے ہرقل کو تیس ہزار نفری کا لشکر دیا تھا۔ اس تشہیر کا مقصد یہ تھا کہ یہ قبائل ڈر جائیں کہ مسلمان ان کی بستیوں کو تباہ کر دیں گے اور یہ سوچ کر وہ ہرقل کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

یہ صحیح طور پر بتانا ممکن نہیں کہ امیر المومنین کا قاصد کتنے دنوں بعد حمص پہنچا تھا۔ بہرحال وہ بہت ہی تیزی سے سفر کرتا حمص پہنچ گیا اور ابوعبیدہؓ کو یہ خبر سنائی کہ کمک پہنچ رہی ہے اور امیر المومنین ایک لشکر ساتھ لے کر خود بھی آ رہے ہیں۔ قاصد نے انہیں یہ بھی بتایا کہ حمص کو اور کمک کہاں کہاں سے مل رہی ہے اور یہ بھی کہ قبائلی علاقوں میں بھی سالار اپنے اپنے دستے لے کر پہنچ گئے ہیں۔

تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے کس طرح سُکھ اور چین کا سانس لیا ہو گا۔ وہ تو سپہ سالار تھے' وہاں کوئی چھوٹے سے چھوٹا مجاہد بھی جیتی ہوئی بازی ہارنا نہیں چاہتا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے مجاہدین کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا کہ اب پسپائی سے بچنے کا ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ جانیں قربان کر دو۔ ہر مجاہد نے عہد کر لیا تھا —— "فتح یا موت" —— ان حالات میں امیر المومنین کا قاصد ابوعبیدہؓ کو یوں نظر آنے لگا جیسے اللہ نے آسمان سے رحمت کا فرشتہ اتارا ہو۔

خالدؓ بن ولید بھی چار ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ حمص پہنچ چکے تھے۔ خالدؓ بن ولید خطرے مول لینے والے سالار تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ باہر نکل کر لڑیں گے لیکن ابوعبیدہؓ اور دوسرے سالاروں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا تھا۔ اب اطلاع ملی کہ اللہ کی مدد امیر المومنین کی صورت میں آ رہی ہے تو خالدؓ بن ولید بہت ہی خوش ہوئے کہ اب باہر نکل کر لڑنے کا موقع ملے گا۔

امیر المومنین کا یہ قاصد واپس چلا گیا اور ایک ہی دن کے وقفے سے دوسرا قاصد آ گیا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس دوسرے قاصد کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ ابوعبیدہؓ اپنے ذرائع سے رومیوں کے محاذ پر یہ خبر پھیلا دیں کہ عراق سے کمک آ گئی ہے اور بہت سے دستے الجزیرہ کے قبائلی علاقوں میں پھیل گئے ہیں۔ امیر المومنین نے خاص طور پر یہ ہدایت بھیجی کہ ان قبائل کا جو لشکر ہرقل کے پاس پہنچ گیا ہے' اس لشکر پر یہ

خطرہ سوار کر دیا جائے کہ مسلمانوں کے جو دستے الجزیرہ میں گئے ہیں وہ وہاں کی بستیاں اُجاڑ دیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارا علاقہ اب مسلمانوں کے تسلط میں ہے اور اس علاقے کے جو لوگ رومیوں کی مدد کے لئے چلے گئے ہیں وہ غدار ہیں اور انہیں اس غداری اور بغاوت کی سزا دی جائے گی جو یہ ہو گی کہ اُن کی بستیاں اجاڑ دی جائیں گی اور مویشیوں پر مسلمان قبضہ کر لیں گے۔

یہ ایک نفسیاتی یلغار تھی جو امیر المومنین رومیوں اور ان کے قبائلی اتحادیوں پر کر رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے تو پہلے ہی دس بارہ مجاہدین قبائلی لشکر میں بددلی پیدا کرنے کے لئے بھیج رکھے تھے۔ اب انہیں امیر المومنین کی یہ ہدایت ملی تو انہوں نے ایک اور مجاہد کو یہ ساری ہدایت سمجھا کر رومیوں کے محاذ پر بھیج دیا۔

○

یہ قاصد قبائلی عیسائیوں کے بھیس میں روانہ ہو گیا۔ اسے حدید کے پاس پہنچنا تھا اور باقی کام حدید اور اس کے ساتھیوں کو کرنا تھا۔

رومی فوج اور عیسائی قبائلی پہاڑوں کے اندرونی علاقے میں اس طرح خیمہ زن تھے کہ حمص ان کے محاصرے میں تھا لیکن وہ حمص سے ابھی کئی میل دُور تھے۔ اس سارے لشکر کو ہرقل کے حکم پر حمص کی طرف پیش قدمی کرنی تھی اور حمص کو محاصرے میں لے لینا تھا۔

ابوعبیدہؓ کا بھیجا ہُوا یہ قاصد وہاں پہنچا تو قبائلی اُسے اپنا ہی آدمی سمجھ کر دوڑے آئے اور اسے گھیر لیا۔ وہ اس سے پوچھنے لگے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اپنے علاقے کے حالات کیسے ہیں۔ ان کی باتوں سے قاصد کو اندازہ ہُوا کہ انہیں پہلے ہی خبر مل چکی ہے کہ مسلمانوں نے الجزیرہ کی بستیوں پر حملہ کر دیا ہے اور وہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔

قاصد نے انہیں بتایا کہ حالات بہت بُرے ہیں اور مسلمان تعزیری کارروائی کے طور پر بستیاں اُجاڑ رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ قاصد نے اچھی خاصی دہشت پھیلا دی اور پھر وہ ڈھونڈتا ہُوا حدید تک بھی پہنچ گیا۔ حدید بھی قبائلی عیسائی بنا ہُوا تھا۔ قاصد نے اسے ابوعبیدہؓ کا پیغام دیا۔ حدید نے اسے بتایا کہ وہ واپس چلا جائے اور سپہ سالار ابوعبیدہؓ کو تسلی دے کہ جو طریقہ کار انہوں نے بتایا ہے اس پر پہلے ہی عمل ہو رہا ہے اور اس میں جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کیونکہ الجزیرہ سے خود عیسائی خبریں لے کر پہنچ گئے ہیں

اور اس تمام تر تیس ہزار لشکر کو پتہ چل چکا ہے کہ پیچھے خیریت نہیں۔

قاصد واپس آ گیا اور حدید اور اس کی مختصر سی اس جماعت نے جلتی پر خوب تیل ڈالا اور قبائلیوں کے لشکر پر دہشت طاری کر دی۔ محاذ پر یہ قبائلی کسی ایک جگہ اکٹھے نہیں تھے' وہ تو میلوں لمبائی میں رومی فوج کے ساتھ پھیلے ہوئے تھے۔ ایک افواہ اٹھتی تھی جو تیز ہوا کی طرح دُور دُور تک پھیلے ہوئے قبائلیوں تک پہنچ جاتی تھی۔ کوئی بھی اس کی تصدیق کرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ ہر ایک کی زبان پر یہی ایک افواہ ہوتی تھی اس لئے ہر کوئی اسے سچ مانتا تھا۔

قبائلی پہلے ہی رومیوں سے بددل ہو چکے تھے۔ ان کے دلوں میں رومیوں کے متعلق جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے' انہیں حدید اور اس کی جماعت نے مزید پکا کر دیا تھا اور یہ شکوک یقین کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ اصل میں بات یہ پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ جو لڑائی لڑنے آئے ہیں وہ رومیوں کے مفادات کی لڑائی ہے اور اس میں ان کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔ یہ قبائلی تو اپنا تحفّظ چاہتے تھے۔ اب انہیں یہ خبریں ملیں کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے علاقوں پر حملہ آور ہو گیا ہے تو قبائلی سرداروں کا ایک وفد ہرقل کے پاس گیا۔ یہ خبریں ہرقل تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ قبائلی سرداروں نے اسے بتایا کہ وہ اس کی لڑائی لڑنے آ گئے ہیں لیکن ان کے اپنے علاقوں پر مسلمانوں نے یلغار کر دی ہے۔

ہرقل بڑا ہی ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ عیّار ایسا کہ کسی کو شک تک نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص عیّاری کر رہا ہے۔ اس نے قبائلی سرداروں کے وفد کی پوری بات بڑی دلچسپی اور ہمدردی سے سنی۔

"میرے عزیز بھائیو!" ——— ہرقل نے کہا ——— "مجھے سب سے پہلے تمہارے گھروں کا اور بیوی بچوں کے تحفّظ کا خیال ہے۔ اگر مسلمان تمہارے علاقوں میں آ گئے ہیں تو کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ میں اب حمص پر حملے کو مزید ملتوی نہیں کروں گا۔ ہم نے حمص مسلمانوں سے لے لیا تو پھر ہم ان کی کمر توڑ دیں گے اور پھر تم دیکھنا کہ تمہارے علاقوں میں مسلمانوں کی جو فوج پھیل گئی ہے' وہ سب بھاگی بھاگی اس طرف آ جائے گی۔ میرا ساتھ دو اور پھر دیکھنا کہ ہم ان مسلمانوں کو کس انجام تک پہنچائیں گے"۔

"ہم اور انتظار نہیں کر سکتے" ——— وفد کے ایک سردار نے کہا ——— "حمص فتح

ہونے تک مسلمان ہماری بستیوں کا صفایا کر چکے ہوں گے۔ اگر آپ ہمارا تعاون اور اتحاد چاہتے ہیں تو پہلے اپنی فوج کو ہمارے ساتھ ہمارے علاقوں میں بھیجیں۔ ہم مسلمانوں کو وہاں سے بھگا دیں گے اور پھر حمص پر حملہ کریں گے یا جہاں آپ چاہیں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے"۔

ہرقل اتنا کچا آدمی نہیں تھا کہ وہ ان قبائلیوں کی باتوں میں آ جاتا۔ وہ تو انہیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ قبائلیوں کی پریشانی بلاوجہ نہیں تھی۔ پہلے ایک موقع پر مسلمانوں نے ان کی تین بستیاں اس جرم کی سزا کے طور پر تباہ کر دی تھیں کہ انہوں نے اُس وقت بھی مسلمانوں کے خلاف رومیوں کا ساتھ دیا تھا۔ ان قبائلیوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہرقل تو حمص پر حملے کو ملتوی کرتا چلا آ رہا ہے لیکن مسلمان عزم کے اتنے پکّے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کا نام لے کر تکبیر کے نعرے لگاتے حملہ کر دیتے ہیں اور اپنی کوئی کارروائی التوا میں نہیں ڈالتے۔

ہرقل چاہتا تھا کہ قبائلی اس کے ساتھ رہیں اور وہ حمص پر حملہ کرے لیکن قبائلی چاہتے تھے کہ ہرقل انہیں اپنی فوج دے دے اور وہ مسلمانوں کو اپنے علاقوں سے نکالیں۔

ہرقل نے زبان سے یہ داؤ آزمایا' بڑے پیار اور بظاہر دلی ہمدردی سے بھی انہیں قائل کرنے کی کوشش کی لیکن قبائلی سردار جو پہلے ہی رومیوں سے بددل ہو گئے تھے' اس کی باتوں میں نہ آئے اور یہ مذاکرات کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئے۔

"میری ایک بات سن لو" ——— ہرقل نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا ——— "جسے تم اپنا علاقہ کہہ رہے ہو وہ تمہارا اپنا نہیں ہے۔ وہ علاقہ اُس کا ہے جس نے یہ ملک فتح کیا ہے۔ پہلے تم میرے زیرِ تسلّط تھے' اب اس علاقے پر مسلمان قابض ہو گئے ہیں لہٰذا تم آزاد نہیں ہو۔ اگر تم لوگوں میں ہمت اور غیرت ہے تو مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دو۔ وہ نئے نئے آئے ہیں اور ابھی یہاں کا نظام انہوں نے نہیں سنبھالا' اس بدنظمی سے فائدہ اٹھاؤ اور باغی ہو جاؤ"۔

سردار وہاں سے آ گئے۔ وہ ہرقل سے ملنے بزنطیہ گئے تھے جو محاذ سے خاصا دور تھا۔ واپس محاذ تک پہنچتے پورا دن اور آدھی رات گزر گئی تھی۔ وہ محاذ پر پہنچے تو انہیں اطلاع ملی کہ قبائلیوں کی بیشتر نفری یہاں سے رخصت ہو چکی ہے اور سب اپنے اپنے علاقے کی

طرف چلے گئے ہیں۔ ان سرداروں نے بھی بوریا بستر سمیٹا اور روانہ ہو گئے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو ساتھ لے گئے ہیں۔

○

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایک صبح ابوعبیدہؓ اذان کی آواز پر جاگے اور اٹھے۔ وہ نماز کے لئے اٹھے تھے کہ دربان نے انہیں اطلاع دی کہ حدید بن مومن خزرج اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے۔ ابوعبیدہؓ کو جیسے اپنے کانوں پر شک ہُوا ہو۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ حدید اپنی جماعت کے ساتھ اچانک واپس آجائے گا۔ انہیں کچھ پریشانی سی ہوئی کہ رومیوں کو ان کی اصلیت معلوم ہو گئی ہو گی اور دو چار آدمی پکڑے گئے ہوں گے اور باقی بھاگ آئے ہیں۔ ابوعبیدہؓ انہیں بلانے کی بجائے دوڑے باہر نکلے۔ دیکھا حدید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اس کی جماعت کے تمام مجاہد موجود تھے اور سب کے چہروں پر بشاشت تھی۔

"تم سب کیوں آئے ہو؟" ——— ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"اس لئے کہ تیس ہزار قبائلیوں کا لشکر چلا گیا ہے" ——— حدید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کہاں؟"

"جہاں سے وہ آئے تھے" ——— حدید نے جواب دیا ——— "کچھ ہماری کامیابی نے ان لوگوں میں بددلی پھیلادی تھی اور باقی کام ان اطلاعوں اور خبروں نے کر دیا جو ان لوگوں کو اپنے علاقوں سے پہنچی تھیں کہ مسلمان آگئے ہیں۔ ہم نے افواہیں پھیلائیں، جلتی پر تیل ڈالا اور آخر قبائلی رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے"۔

حدید اور اس کے ساتھیوں نے تفصیلات سنائیں کہ قبائلی کس طرح ہرقل سے بدظن ہوئے تھے اور آخر وہ کس طرح ہرقل کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوعبیدہؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا اور بلند آواز سے کہا کہ یہ سب اس اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت و برکت ہے جس کے نام پر ہم یہاں آئے تھے اور جس کے نام پر ہم نے اپنی جانیں قربانی کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔

ابوعبیدہؓ اور یہ سب لوگ نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ اُس زمانے میں سپہ سالار امامت کے فرائض سرانجام دیا کرتا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے نماز کی امامت کی اور نماز سے فارغ

ہوئے تو ابوعبیدہؓ اٹھے اور سب سے کہا کہ کوئی آدمی ابھی جائے نہیں۔

"آج کی صبح ہمارے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری لے کر طلوع ہوئی ہے" ——— ابوعبیدہؓ نے بڑی بلند آواز میں کہا اور ہزارہا مجاہدین جو وہاں موجود تھے سناٹے میں آگئے۔ ابوعبیدہؓ نے اعلان کیا ——— "تیس ہزار عیسائی قبائل کا لشکر رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے علاقوں میں چلا گیا ہے۔ یہ اللہ کی غیبی مدد ہے۔ اللہ نے قرآن کی سورہ الزمر میں فرمایا ہے کہ جنہوں نے شیطان سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔ اللہ نے اپنے رسولؐ سے اس آیت میں فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنادے جو میری بات سنتے ہیں اور نیک راستے پر چلتے ہیں اور اللہ انہی کو صحیح راستہ دکھاتا ہے اور یہی ہیں جو عقل و ہوش والے ہیں.... اللہ کے یہ بندے تم ہو جنہیں اللہ نے آج خوشخبری بھیجی ہے کہ الجزیرہ کے قبائلیوں کا وہ تیس ہزار کا لشکر جو ہمارے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا' رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر ان سے بدظن ہو کر چلا گیا ہے اور پیچھے روم کی تھوڑی سی فوج رہ گئی ہے۔ یہ فوج تم سے پہلے ہی خوف زدہ ہے اور اس فوج میں اتنا سا دم خم بھی نہیں کہ تمہارے سامنے ایک دن بھی ٹھہر سکے"۔

"نعرۂ تکبیر" ——— کسی نے بھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر یہ نعرہ بلند کیا اور حمص کے زمین و آسمان ——— "اللہ اکبر" ——— کے گونج دار اور گرج دار دھماکے سے لرز اٹھے۔

یہ نعرہ بلند کرنے والے خالدؓ بن ولید تھے جو ابوعبیدہؓ کی مدد کے لئے قنسرین سے آکر حمص میں مقیم تھے۔ انہوں نے شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا تھا جو سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے نہیں مانا تھا۔ اب انہیں شہر سے باہر جا کر کھلے میدان میں رومیوں سے آمنے سامنے کے معرکے کا موقع مل گیا تھا۔

"مجاہدین اسلام!" ——— ابوعبیدہؓ بڑی پُرجوش آواز میں کہہ رہے تھے ——— "انشاء اللہ یہ معرکہ شام کا آخری معرکہ ہو گا۔ جس طرح عراق کی سرزمین زرتشت کے پجاریوں سے پاک ہو گئی ہے اسی طرح شام سے رومی ہمیشہ کے لئے چلے جائیں گے اور یہ زمین بھی پاک ہو جائے گی۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن ایک بار پھر یاد دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہم نے یہ ملک اس لئے فتح نہیں کیا کہ یہاں حکمرانی کریں گے یا یہاں کے بادشاہ بن بیٹھیں گے بلکہ ہمارا مقصد اور ایمان یہ ہے کہ یہاں اللہ کی حکمرانی قائم کریں گے۔ یہ بھی سن لو کہ ملک فتح کرنے پر ہی ہمارا کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اصل

کام اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ کام ہے لوگوں کے دلوں پر فتح حاصل کرنا اور ان کے دلوں سے غلامی کا احساس مٹا کر انہیں وہ تکریم و تعظیم دینا جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہے لیکن ابھی اپنے آپ کو فاتح نہ سمجھ لینا کیونکہ دشمن ابھی یہاں موجود ہے۔ جب تک دشمن اپنے خون میں ڈوب نہ جائے اور اپنے گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد میں گم نہ ہو جائے اپنے آپ کو فاتح نہ سمجھنا۔ اللہ نے معجزہ دکھا کر ہمارے دشمن کو تیس ہزار کے لشکر سے محروم کر دیا ہے‘ ہمیں یقین ملا ہے کہ اس کی ذاتِ باری ہمارے ساتھ ہے۔ امیرالمومنین بھی کمک لے کر آ رہے ہیں اور قعقاعؓ بن عمرو ہماری مدد کے لئے چار ہزار گھوڑ سوار لے کر پہنچنے ہی والے ہیں۔ اب فوراً حملے کی تیاری کرو۔ ضروری ہدایات اور دیگر باتیں تمہیں سالار بتا دیں گے‘‘۔

مجاہدین کے اس لشکر کی جذباتی اور جسمانی کیفیت ایسی ہو گئی جیسے ان میں نئی روح پھونک دی گئی ہو۔ وہ ہمت اور حوصلہ ہارنے والے نہیں تھے‘ انہوں نے ہر میدان قلیل تعداد سے فتح کیا تھا اور کئی گنا زیادہ طاقتور دشمن کو تہ تیغ کیا تھا لیکن یہاں ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی کہ پریشانی کے آثار سپہ سالار کے چہرے پر بھی نظر آنے لگے تھے۔ وہ محاصرے میں آ کر لڑنے کے لئے تیار تھے لیکن اب اپنے سپہ سالار سے یہ خوشخبری سنی تو وہ بند کلیوں کی طرح کھل اٹھے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید نے حملے کا پلان تیار کر لیا اور اپنے لشکر کو فوری تیاری کا حکم دے دیا۔

○

بزنطیہ میں ہرقل کے ہاں تو ماتم والی فضا بن گئی تھی۔ وہ عیسائی قبائلیوں کو روکنے میں بُری طرح ناکام ہُوا تھا۔ اس کا اپنا جو جاسوسی نظام تھا‘ اس سے اسے اپنی فوج کے متعلق بڑی مایوس کن رپورٹیں مل رہی تھیں۔ قبائلیوں کے چلے جانے سے ہرقل اتنا مایوس نہیں ہُوا تھا جتنی مایوسی اس کی فوج پر طاری ہو گئی تھی۔ مایوسی تو طاری ہونی ہی تھی۔ فوج کی یہ نفری جو اس وقت بزنطیہ میں تھی‘ یہ ہرقل کی بچی کھچی فوج تھی۔ ان فوجیوں نے اپنے ہزارہا ساتھیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹتے دیکھا تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کے اپنے گھوڑ سوار اپنے پیادہ سپاہیوں کو گھوڑوں تلے کچل کر پسپا ہوئے تھے۔

تین مؤرخوں کے مطابق اُس وقت تک شام کی جنگ میں ہرقل کے تقریباً نوے ہزار فوجی مارے جا چکے تھے اور زخمیوں کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ صحیح سلامت گھوڑے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے‘ ان کی تعداد ہزاروں تھی۔

ہرقل اپنے بیٹے قسطنطین کے ساتھ وہاں گیا جہاں اس کی فوج خیمہ زن تھی اور جس نے حمص کو محاصرے میں لینا تھا۔ یہ فوج دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسے ایک جگہ اکٹھا کیا گیا اور ہرقل نے اپنے فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے بڑی جوشیلی تقریر کی لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے فوجی یوں چُپ چاپ اور بے حِس و حرکت سن رہے ہیں جیسے ان کے جسم بے جان ہو چکے ہوں۔ یہ فوج تو ہرقل کو اپنے قریب دیکھ کر نعرے لگایا کرتی تھی لیکن اب اس فوج کا یہ عالم تھا کہ ہرقل جس قدر جوش و خروش سے بات کرتا تھا‘ اس کی فوج اتنی ہی مُردہ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ کسی نے رسمی طور پر بھی نعرہ نہ لگایا۔

ہرقل بغیر لڑے پسپا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی اس فوج میں جان ڈالنے کے لئے ایک اور حربہ آزمایا۔

’’تم ارضِ روم کے شیر ہو‘‘ —— ہرقل نے بازو ہوا میں لہرا کر کہا —— ’’تم روم کی عزت اور آن کے محافظ ہو۔ تم نے اس ملک پر حکومت کی ہے۔ مردِ میدان اپنی ملکیت اور اپنی بادشاہی آسانی سے دشمن کے حوالے نہیں کیا کرتے۔ اگر تم اس میدان میں جم گئے تو یہ ملک شام پھر تمہارا ہو گا۔ میرے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ مسلمان حمص سے باہر آ کر ہم سے لڑیں گے۔ میں یہی چاہتا تھا کہ وہ قلعہ بند شہر کی دیواروں سے باہر آ جائیں اور پھر مجھے پورا یقین ہے کہ تم انہیں بھاگنے نہیں دو گے کاٹ کر پھینک دو گے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم میں سے ہر سپاہی کو خالص سونے کا ایک ایک ٹکڑا دوں گا۔ تم میں سے جو زیادہ بہادری سے لڑیں گے انہیں الگ انعام دیا جائے گا جو اسے مالا مال کر دے گا۔ یہ بھی سن لو کہ جو بزدلی دکھائے گا اور بھاگے گا اسے زندہ جلا دیا جائے گا۔ میں انعام دینے میں ایسی فیاضی کروں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے‘‘۔

اب عقل کی اس اندھی فوج میں کچھ حرکت نظر آنے لگی اور سپاہیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے ہرقل کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہوں۔ یہ فوج تنخواہ دار تھی۔ ہر سپاہی کے پیشِ نظر دو چیزیں رہتی تھیں۔ ایک تنخواہ اور دوسرے مالِ غنیمت۔ اس فوج کو مالِ غنیمت کہاں سے ملتا‘ یہ تو ہر میدان سے بھاگی ہوئی فوج تھی۔ جانیں بچانا

ہی ان کے لئے بہت بڑی غنیمت تھی۔

ہرقل کی تقریر میں جوش بڑھتا ہی جارہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سپاہیوں میں کچھ ہلچل پیدا ہوگئی ہے تو اس نے کہا کہ حمص سونے اور چاندی کے خزانوں کا شہر ہے۔ اس شہر کو فتح کرلو اور یہ خزانے تمہارے ہوں گے۔ مالِ غنیمت اتنا زیادہ اور اتنا قیمتی ہے کہ دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔ اس شہر میں انتہائی حسین لڑکیاں اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ ہر سپاہی کے حصے میں ایک لڑکی آجائے گی اور جو سپاہی کسی بھی لڑکی کو ساتھ لے آئے گا' وہ اسی کی ملکیت رہے گی۔

اب تو صاف نظر آنے لگا کہ اس رومی فوج میں زندگی لوٹ آئی تھی۔ ہرقل نے فوج کو بتایا کہ حمص میں مسلمانوں کی فوج بہت ہی کم ہے جو ایک دن بھی مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

دو تین جرنیل فوج کے پیچھے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان جرنیلوں میں ایک انتھونیس تھا جس کے پہلو میں ایک اور گھوڑ سوار تھا۔ وہ یوکلس تھا۔ ہرقل نے یوکلس کی ماں سے کہا تھا کہ وہ یوکلس کو جرنیل بنا رہا ہے لیکن اسے عملی تجربے کی ضرورت ہے۔ یوکلس کی ماں تو خوش ہوگئی تھی اور یوکلس بھی خوش تھا لیکن ماں بیٹا جان نہ سکے کہ ہرقل اور اس کے بیٹے قسطنطین نے یہ انتظام یوکلس کو مروانے کے لئے کیا تھا۔ اس نے یوکلس کو بہت دن پہلے جرنیل انتھونیس کے حوالے کرکے کہا تھا کہ اسے میدانِ جنگ میں قیادت کے عملی سبق دینے ہیں۔

یوکلس کو اس طرح مروانے کی سازش سے جرنیل انتھونیس کو بے خبر رکھا گیا تھا۔ اسے ہرقل نے کہا تھا کہ یوکلس کو لڑائی کے دوران اپنے ساتھ ہی نہ رکھے بلکہ اسے کچھ دیر کے لئے الگ کرکے لڑائی میں سپاہیوں کی طرح شامل ہونے دے۔

یوکلس کو قتل کرنے کا کام دو عہدے داروں کو سونپا گیا تھا۔ انہیں ہرقل نے بتایا تھا کہ وہ یوکلس پر نظر رکھیں اور وہ جب گھمسان کی لڑائی میں ذرا الگ ہوجائے تو اسے قتل کردیں اور پھر مشہور کیا جائے گا کہ یوکلس لڑتے ہوا مارا گیا ہے۔ ان عہدے داروں سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ قتل انتھونیس کے سامنے نہ ہو۔

یوکلس کو پہلی بار میدانِ جنگ میں آنے کا موقع ملا تھا۔ وہ ماہر تیغ زن اور برچھی باز تھا۔ بازو تو اس کا ایک ہی تھا لیکن اسی ہاتھ سے وہ تیغ زنی اور برچھی بازی کے ایسے

کمالات دکھاتا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ وہ بہت ہی خوش تھا کہ اسے لڑنے کا موقع دیا گیا ہے۔

ہرقل کا لیکچر ختم ہوگیا تھا اور فوج ابھی وہیں کھڑی تھی۔ ہرقل گھوڑے پر سوار اپنی فوج کا معائنہ کرنے کو چلا۔ اس کے ساتھ قسطنطین گھوڑے پر سوار تھا۔

"اب تو اس یوکلس کو زندہ رہنے کا حق ملنا ہی نہیں چاہئے" —— قسطنطین نے ہرقل سے کہا —— "کیا آپ نے اس کے جرم کی سنگینی کا ابھی تک اندازہ نہیں کیا؟ ان قبائلیوں کو یہاں سے بھگانے میں یوکلس کا بھی اچھا خاصا ہاتھ ہے۔ انہیں میرے خلاف اتنا زیادہ بھڑکا دیا تھا کہ مجھے یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ لڑائی کے دوران یہ قبائلی میرا حکم مانیں گے ہی نہیں"۔

"میں نے اب فیصلہ بدل تو نہیں دیا" —— ہرقل نے کہا —— "میں اسے زندہ رہنے کے حق سے محروم کرچکا ہوں۔ تم اب یہ سوچو کہ مسلمانوں نے حملہ کردیا تو تم اس فوج کو کس طرح لڑاؤ گے"۔

قسطنطین نے باپ کو یقین دلایا کہ وہ اس فوج کو بڑے کارگر طریقے سے لڑائے گا اور اپنی جان بھی لڑا دے گا.... یہ دونوں باتیں کرتے کرتے یوکلس اور انتھونیس تک جا پہنچے اور گھوڑے روک لئے۔ ہرقل نے یوکلس کی پیٹھ تھپکی اور بڑے پیار سے اس کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اس لڑائی کے بعد تم جرنیل ہوگے۔

○

امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو عراق پیغام بھیجا تھا کہ قعقاعؓ بن عمرو کو چار ہزار سوار دے کر فوراً" حمص روانہ کردیا جائے اور وہ کم سے کم پڑاؤ کرکے وہاں پہنچیں۔ قعقاعؓ پہلے کسریٰ ایران کی فوجوں کے خلاف لڑے تھے اور انہیں شکست دینے میں بہت شہرت حاصل کی تھی۔ ان کی تیز رفتاری تو خاص طور پر مشہور تھی۔ اب بھی وہ حمص کو اسی تیز رفتاری سے جارہے تھے لیکن فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ ابھی منزل تک نہیں پہنچے تھے۔

حمص میں ابوعبیدہؓ کو پیغام مل گیا تھا کہ قعقاعؓ ان کے پاس چار ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ پہنچ رہے ہیں لیکن ابوعبیدہؓ نے ان کا انتظار نہ کیا کیونکہ انہوں نے خالدؓ بن ولید سے مشورہ کرکے فیصلہ کیا تھا کہ رومیوں کی اس فوج پر فوراً" حملہ کردیا جائے۔ ان

دونوں سالاروں نے یہ سوچا تھا کہ یہ فوج اور ہرقل خود بھی صدمے کی حالت میں ہوں گے کہ وہ تیس ہزار قبائلی لشکر سے محروم ہو گئے ہیں۔ دوسری سوچ یہ آئی تھی کہ اس فوج کو اتنی مہلت نہ دی جائے کہ بزنطیہ جا کر قلعہ بند ہو جائے۔ محاصرے کی جنگ لمبی ہو سکتی تھی۔

سالار اس علاقے سے واقف نہیں تھے جس میں ہرقل کی فوج موجود تھی۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے حدید کو بلایا۔ حدید تو اس علاقے میں رہ کر آیا تھا اس لئے وہاں کے خدوخال سے ہی نہیں بلکہ چپے چپے سے واقف تھا۔ اس نے سپہ سالار کو وہاں کی زمین نہایت اچھی طرح سمجھا دی۔

وہ علاقہ میدانی نہیں، پہاڑی اور جنگلاتی تھا۔ حملے اور لڑائی کا پلان اس کے مطابق بنایا گیا۔ اُسی روز پیش قدمی کا حکم دے دیا گیا۔ حدید اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ ہراول دستے کے ساتھ گائیڈ کے طور پر گیا۔ ادھر ہرقل اور قسطنطین ابھی فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ فوج کو یہیں رہنے دیں یا بزنطیہ بلا کر قلعہ بند ہو جائیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں ایسی توقع تھی یا نہیں کہ مسلمان پیش قدمی کریں گے یا حمص میں ہی اس انتظار میں رہیں گے کہ رومی فوج حملہ کرے۔ تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ہرقل بُری طرح بوکھلایا ہُوا تھا اور تذبذب کے عالم میں تھا۔ اپنی فوج کو بہرحال اس نے ہر وقت تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا۔

ابوعبیدہؓ چاہتے تو یہ تھے کہ اچانک رومیوں پر جا پڑیں لیکن ایسی توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ رومیوں کو بے خبری میں جا لیں گے کیونکہ ہرقل کے مخبر اور جاسوس حمص میں بھی موجود تھے اور ان کا باہر کے علاقے میں بھی موجود ہونا یقینی تھا۔

ابوعبیدہؓ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصے کو سیدھا جانا تھا اور دو حصوں کو دائیں اور بائیں دور دور نکل جانا تھا اور دشمن کو یہ تاثر دینا تھا کہ حملہ آور فوج یہی ہے جو سامنے سے آ رہی ہے۔

ابوعبیدہؓ اس درمیان والے حصے کے ساتھ تھے۔ اس حصے کی پیش قدمی کی رفتار کم رکھی گئی تاکہ دائیں اور بائیں والے حصے اپنے اپنے مقام تک پہنچ جائیں اور پھر سامنے سے حملہ کیا جائے۔ ان پہلوؤں والے دستوں کو دور کا چکر کاٹ کر جانا تھا۔

فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ پیش قدمی میں دن ہی گزر جاتا۔ فجر کی نماز کے بعد چلا ہُوا

لشکر اُس وقت لڑائی کے مقام پر پہنچ گیا جب سورج سر پر آ رہا تھا۔ جونہی ابوعبیدہؓ کے دستے پہاڑیوں سے نکل کر اس کشادہ میدان میں پہنچے جہاں رومی فوج تھی تو انہوں نے دشمن کو لڑائی کی ترتیب میں تیار پایا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہرقل کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ ہرقل خود میدانِ جنگ میں نہیں تھا۔ کمان اس کے بیٹے قسطنطین کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اُس نے بڑے ہی پُرجوش لہجے میں اپنی فوج کو للکارا اور کہا کہ وہ دیکھو تمہارا دشمن کتنی تھوڑی تعداد میں ہے اور تم اسے آسانی سے کاٹ دو گے۔ اس کے ساتھ ہی قسطنطین نے اپنی فوج کو دائیں بائیں اور زیادہ پھیلا دیا۔



اُس زمانے کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے دونوں طرفوں سے ایک دوسرے کو للکارا جاتا تھا کہ ہمارے ایک بہادر کے مقابلے میں اپنا کوئی بہادر باہر نکالو۔ اس طرح دونوں طرفوں سے ایک ایک آدمی دونوں فوجوں کے درمیان جا کر مقابلہ کرتے تھے جو ایک کے مارے جانے تک جاری رہتا تھا۔ عموماً" خالدؓ بن ولید ایسے کئی مقابلے لڑ چکے تھے اور ان انفرادی مقابلوں میں انہوں نے رومیوں کے کئی جرنیل ہلاک کئے تھے لیکن اس لڑائی میں ایسا کوئی مقابلہ نہ ہُوا۔ ابوعبیدہؓ نے آمنے سامنے کے حملے کا حکم دے دیا اور مجاہدین نعرۂ تکبیر کی گرج کے ساتھ پورے جوش خروش سے دشمن کی طرف بڑھے۔ چند منٹوں میں ہی دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں۔

رومیوں کا جرنیل انتھونیئس یوکلس کے ساتھ ایک پہلو پر تھا۔ وہ اس طرح یوکلس کو ہر بات بتا رہا تھا جس طرح استاد اپنے شاگرد کو سبق دیا کرتا ہے۔ چونکہ وہ جرنیل تھا اس لئے سپاہیوں کی طرح لڑ نہیں رہا تھا بلکہ لڑا رہا تھا۔ اس کے اور یوکلس کے ہاتھ میں تلواریں تھیں اور گھمسان کی لڑائی ان تک پہنچ رہی تھی۔ یوکلس آگے بڑھ کر لڑنا چاہتا تھا لیکن انتھونیئس اسے آگے نہیں جانے دے رہا تھا۔ وہ یوکلس کو پینترے اور لڑائی کے داؤ پیچ بتا رہا تھا۔

رومی فوج جم کر لڑ رہی تھی۔ وہ تو بددل اور کم حوصلہ فوج تھی کیونکہ اس پر مسلمانوں کی دہشت پہلے ہی طاری تھی۔ توقع نہیں تھی کہ رومی سپاہی اس طرح لڑیں گے لیکن وہ شاید اس خیال سے جم گئے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد خاصی تھوڑی تھی۔ قسطنطین اپنی اس فوج کو بڑی اچھی طرح کنٹرول کر رہا تھا اور فوج کو دائیں بائیں اس

طرح پھیلانے کی کوشش میں بھی تھا کہ پہلوؤں سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔

اس کے مطابق ابوعبیدہؓ مجاہدین کو بھی پھیلاتے چلے جا رہے تھے۔ اس طرح گھمسان کی یہ لڑائی وہاں تک جا پہنچی یہاں انتھونیئس اور یوکلس تھے۔ انتھونیئس لڑائی میں الجھ گیا اور اس کی توجہ یوکلس سے ہٹ گئی۔ وہ دیکھ نہ سکا کہ یوکلس جوانی کے جوش میں بھول گیا تھا کہ وہ جرنیل تو نہیں لیکن جرنیلی حیثیت کا آدمی ہے۔ وہ تیغ زنی کے جوہر آزمانا چاہتا تھا۔ وہ ایک ہی ہاتھ سے لڑ رہا تھا اور گھوڑے کی لگام اپنے منہ میں لے رکھی تھی۔ یہی اس کا کمال تھا کہ وہ گھوڑے کو بھی اپنے قابو میں رکھے ہوئے تھا اور لڑ بھی رہا تھا۔

انتھونیئس نے دائیں بائیں دیکھا اسے یوکلس اپنے ساتھ نظر نہ آیا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ پریشان بھی اتنا کہ وہ لڑائی کو بھول گیا اور یوکلس کو ڈھونڈنے لگا۔ یوکلس جلد ہی اُسے نظر آ گیا اور انتھونیئس نے گھوڑا اس کی طرف دوڑا دیا۔

انتھونیئس نے دیکھا کہ دو مسلمان گھوڑ سوار دو تین رومی گھوڑ سواروں کے تعاقب میں گھوڑے دوڑاتے یوکلس کے قریب سے گزر گئے تھے۔ یوکلس نے اپنا گھوڑا ان کے پیچھے ڈال دیا۔ انتھونیئس فورا" اس تک پہنچ کر اسے روکنا اور اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دو رومی گھوڑ سوار یوکلس کے پیچھے جا رہے تھے۔

انتھونیئس نے یہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ قسطنطین اس طرف آ گیا تھا اور اس نے ایک جگہ گھوڑا روک لیا تھا۔ وہ اس فوج کا کمانڈر تھا اور اسے اس وقت فوج کے پیچھے یا درمیان میں ہونا چاہئے تھے۔ اس کے ساتھ ایک سوار علمبردار تھا اور صرف دو محافظ تھے۔ وہ یوکلس کو مسلمان سواروں کے پیچھے جاتا دیکھ رہا تھا۔

ایک رومی سوار یوکلس کے قریب ہو گیا اور تلوار اس طرح بلند کی جیسے یوکلس کو مارنا چاہتا ہو۔ انتھونیئس ان کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ اپنا ہی ایک سوار یوکلس کو تلوار مارنے لگا ہے تو انتھونیئس نے گھوڑا اور تیز کر کے تلوار اس طرح اس رومی سوار کی پیٹھ میں اتار دی جس طرح برچھی ماری جاتی ہے۔

ایک اور رومی سوار یوکلس کے گھوڑے کے دوسرے پہلو پر تھا لیکن ذرا آگے تھا۔ انتھونیئس نے دیکھا کہ وہ اپنا گھوڑا یوکلس کے گھوڑے کے ساتھ کر کے اسے روکنے کی کوشش میں تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ یوکلس کو مارنا چاہتا ہے۔

انتھونیئس نے اپنا گھوڑا اس کی طرف کر لیا اور رومی سوار اسے دیکھ نہ سکا کیونکہ اس کی توجہ یوکلس پر تھی۔ انتھونیئس نے اس کے دائیں کندھے پر تلوار کا ایسا زوردار کیا کہ اس کا بازو جسم سے الگ کر دیا۔ اُس کی تلوار اُسی ہاتھ میں تھی۔ انتھونیئس نے یوکلس کو اپنے ساتھ لیا اور ایک طرف لے گیا۔

انتھونیئس نے پرواہ ہی نہیں کی کہ قسطنطین نے اس کی یہ کارروائی دیکھی ہے یا نہیں۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں تھا کہ اس نے لڑائی کے دوران اپنے ہی دو سپاہیوں کو مار دیا تھا۔

قسطنطین نے انتھونیئس کی یہ ساری کارروائی دیکھی اور منہ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

"آپ نے اپنے ہی آدمیوں کو کیوں کاٹ پھینکا ہے؟" ـــ یوکلس نے انتھونیئس سے پوچھا۔

"اگر میں انہیں دیکھ نہ لیتا تو یہ تمہیں کاٹ پھینکتے" ـــ انتھونیئس نے کہا ـــ "اب مجھ سے الگ نہ ہونا"۔

"کیا آپ مجھے بتائیں گے نہیں یہ معاملہ کیا ہے؟" ـــ یوکلس نے پوچھا ـــ "میں تو لڑنے آیا تھا۔ اپنے باپ اور بھائی کو میں دکھانا چاہتا تھا کہ میں دیکھنے میں ادھورا ہوں' اپنے فرائض کی ادائیگی میں ادھورا نہیں ہوں۔ شاید یہی دیکھنے کے لئے شاہ ہرقل نے مجھے آپ کے ساتھ بھیجا تھا"۔

"نہیں میرے بیٹے!" ـــ انتھونیئس نے کہا ـــ "تمہارے باپ اور بھائی نے تمہیں یہاں قتل کروانے کے لئے بھیجا تھا اور قتل ان دو آدمیوں نے کرنا تھا جو تم تک پہنچ گئے تھے اور ایک کی تلوار اور تمہاری گردن کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تھا اور دوسرا سوار اپنا گھوڑا تمہارے گھوڑے کی گردن سے لگا کر تمہیں روک رہا تھا۔ میں نہ دیکھ لیتا تو تمہاری ماں کو یہ خبر سنائی جاتی کہ تمہارا بیٹا بہادری سے لڑتا ہوُا مارا گیا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اُس وقت قسطنطین اس طرف آ گیا تھا۔ اتنی زیادہ خونریز لڑائی میں قسطنطین کو کہیں اور ہونا چاہئے تھا۔ وہ ادھر آیا تو تم پر حملہ ہوُا۔ تمہارے یہ دونوں قاتل کوئی معمولی سپاہی نہیں بلکہ دو چار سو سپاہیوں کی کمان کرنے والے عہدیدار تھے"۔

یوکلس یقیناً" حیران نہیں ہوُا ہو گا کہ باپ اور بھائی نے اسے قتل کرانے کی سازش

کی تھی۔ شاہی خاندانوں میں خون کے رشتے کوئی معنی نہیں رکھتے اور جہاں تخت و تاج کی جانشینی کا مسئلہ پیدا ہو جائے وہاں بھائی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔

"مجھے بتائیں میں کیا کروں؟" ـــ یوکلس نے پوچھا ـــ "یہاں سے نکل جاؤں یا یہیں رہوں؟"

"میرے ساتھ رہو" ـــ انتھونیس نے کہا ـــ "اب تو مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ میں نے کمان کرنے والے دو عہدیداروں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ کوئی نہیں سنے گا کہ قتل کی وجہ کیا تھی۔ میرے لئے اب سزائے موت ہے"۔

"پھر آئیں یہاں سے نکل چلیں" ـــ یوکلس نے کہا۔

"تم یوں کرو" ـــ انتھونیس نے کہا ـــ "یہ جو ٹیکری ہے اس کے پیچھے چلے جاؤ اور اس طرح بزنطیہ پہنچو کہ یہاں سے نکلتے تمہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ سیدھے اپنی ماں کے پاس پہنچو اور اسے بتا دینا یہاں کیا ہوا ہے اور میں نے تمہیں کیا بتایا ہے"۔

"اور آپ؟"

"ابھی کچھ فیصلہ نہیں کیا" ـــ انتھونیس نے کہا ـــ "تم جاؤ"۔

یوکلس ساتھ ہی ایک ٹیکری کے پیچھے چلا گیا اور وہاں سے اس نے بزنطیہ کا رخ کر کے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

○

وہاں ایک گھوڑ سوار کے نکل بھاگنے کا کسی کو پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ فلاں بھاگ نکلا ہے۔ وہاں تو سینکڑوں گھوڑے بھاگتے دوڑتے میدانِ جنگ سے نکل گئے تھے۔ بعض بغیر سواروں کے تھے۔ ان کے سوار زخمی ہو کر گھوڑوں سے گر پڑے تھے۔ کچھ سوار زخمی ہو کر گرے تو ان کے ایک ایک پاؤں رکابوں میں پھنس گئے تھے اور گھوڑے ان کی لہولہان لاشیں گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ بعض گھوڑے زخمی تھے اور وہ اندھا دھند دوڑتے پھر رہے تھے اور بعض گھوڑے اپنے سواروں کو پیٹھوں پر اٹھائے دوڑے جا رہے تھے۔ ان کا رخ انطاکیہ کی طرف تھا جہاں سے آگے بحیرۂ روم کی بندرگاہ تھی۔ اس بندرگاہ پر وہ بحری جہاز کھڑے تھے جو مصر سے ہرقل کے لئے کمک لائے تھے۔

مؤرخوں کے مطابق دو تین گھنٹوں تک رومی جم کر لڑتے رہے۔ ہرقل نے انہیں

سونے کے ٹکڑوں، انعام اور خمس کے مالِ غنیمت کے لالچ جو دیئے تھے، ان میں اتنی طاقت تھی کہ رومیوں کے قدم جم گئے تھے۔

ابوعبیدہؓ نے دیکھا کہ رومی کچھ زیادہ ہی جوش اور جذبے میں ہیں تو انہوں نے خالدؓ بن ولید کو اشارہ کیا۔ مجاہدین کے لشکر کے کچھ دستے دائیں کو اور کچھ بائیں کو چلے گئے تھے۔ یہ خالدؓ بن ولید کے زیرِ کمان تھے۔ انہوں نے ان دستوں کو ایسی خوبی سے پہاڑیوں کے پیچھے چھپا دیا تھا کہ رومی ان سے بے خبر رہے۔ پیش قدمی کے دوران انہیں دُور سے ہی پہاڑیوں کے اندر بھیج دیا گیا تھا۔ یہ خالدؓ بن ولید کی ایک خصوصی چال ہوتی تھی جس سے انہوں نے اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کو کئی میدانوں میں بہت بُری شکست دی تھی۔ یہاں بھی انہوں نے رومیوں کو یہی دھوکہ دیا۔

ابوعبیدہؓ نے اشارہ کیا تو خالدؓ بن ولید نے دائیں بائیں قاصدوں کو یہ پیغام دے کر دوڑا دیا کہ ٹوٹ پڑو۔

پہلوؤں کے ان دستوں کے کماندار بے تابی سے اس حکم کے منتظر تھے۔ وہ پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ ان کے بھائی لڑ رہے ہیں، اپنا اور دشمن کا خون بہا رہے ہیں اور وہ پہاڑیوں کے اندر آرام سے چھپے بیٹھے ہیں۔ آخر انہیں حملے کا حکم ملا۔ دشمن کے دونوں پہلوؤں سے پہاڑیوں کے اندر سے گھوڑے سرپٹ دوڑتے اس طرح نکلے جس طرح سیلاب بند توڑ کر غراتا، ٹھاٹھیں مارتا باہر آتا اور جو کچھ بھی سامنے آتا ہے خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔

کچھ گھوڑ سوار رومیوں کے عقب میں چلے گئے۔ قسطنطین کے لئے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ اپنی فوج کو کٹوا لیتا یا بھاگ نکلتا۔ اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اپنی فوج کو مجاہدین کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹ مرنے اور ان کے گھوڑوں تلے روندے جانے کے لئے چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ رومی سپاہ کٹ کٹ کر گرنے لگی۔ میدان جنگ کے اردگرد پہاڑیاں، ٹیکریاں اور چٹانیں تھیں۔ رومی جو لڑائی سے نکل سکے وہ پہاڑیوں کے اندر چلے گئے اور بچ نکلے۔

تمام مؤرخ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ بھاگنے والے رومیوں کا رخ انطاکیہ کی طرف تھا۔ وہ یہی فوج تھی جو قسطنطین کے ساتھ مصر سے ہرقل کی مدد کے لئے آئی تھی۔ یہ رومی فوجی اس توقع پر انطاکیہ کی طرف بھاگ رہے تھے کہ جن بحری جہازوں پر وہ آئے

تھے وہ ابھی وہیں ہوں گے اور انہیں واپس مصر لے جائیں گے۔ حیرت ناک بات یہ ہوئی کہ قسطنطین بھی بزنطیہ جانے کی بجائے انطاکیہ کی طرف بھاگا۔ ظاہر ہے اس کا ارادہ بھی مصر چلے جانے کا تھا۔

ہرقل کی شکست مکمل ہو چکی تھی۔ ملک شام پر اس کا ایک انچ زمین پر بھی تسلط نہیں رہا تھا۔

○

بزنطیہ میں ہرقل کو اطلاع مل گئی تھی کہ اس کی یہ فوج جو مصر سے آئی تھی اور وہ بچی کھچی فوج جو بزنطیہ میں اس کے پاس تھی، سب کٹ مری ہے یا تتر بتر ہو کر بھاگ نکلی ہے۔ ہرقل نے اس اطلاع پر پہلا اقدام یہ کیا کہ بزنطیہ سے نکل جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے حکم دے دیا کہ بزنطیہ خالی کر دیا جائے۔

خالی کر دینے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ایک دو دنوں میں وہ محل بھی خالی کر جاتا اور وہاں سے نکلنے والے لوگ نکل بھی جاتے، اس انخلا میں بہت سے دنوں کی مہلت درکار تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ ہرقل نے شکست تسلیم کر لی تھی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مصر چلا جائے گا۔ اپنے مصاحبوں سے اس نے کہا تھا کہ وہ مصر جا کر فوج کو تیار کرے گا اور پھر شام پر فوج کشی کر کے مسلمانوں کو یہاں سے نکال باہر کرے گا.... یہ ایک قدرتی ردِ عمل تھا یا اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کا ایک ڈھنگ کہ اس نے یہ اعلان کیا۔ خفت مٹانے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

یوکلس میدانِ جنگ سے نکلا تو رات کے وقت بزنطیہ اپنی ماں لیزا کے پاس گیا تھا۔ یہ ایک احتیاط تھی کہ ہرقل کو پتہ نہ چلے کہ یوکلس آیا ہے۔ ماں یوکلس کو دیکھ کر یقیناً حیران ہوئی ہو گی کہ یہ لڑکا واپس کیوں آ گیا ہے۔ یوکلس نے ماں کو سارا واقعہ بتایا اور کہا کہ انتھونیس نہ ہوتا تو ماں کو اس کی لاش ملتی جس کا سر الگ ہوتا۔

یوکلس لیزا کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ تو ایسی چونکی کہ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور منہ کھل گیا۔ پھر اس کے چہرے پر غصے کا تاثر آ گیا اور وہ دانت پیسنے لگی۔

"ظالم جلاد!" ــــ لیزا نے دانت پیستے ہوئے کہا ــــ "میں اسے زہر پلانے آئی تھی لیکن میرے دل میں اس کی ایسی محبت پیدا ہوئی کہ میں نے اسے صاف بتا دیا تھا کہ میں کسریٰ ایران کی طرف سے اس کے لئے سراپا دھوکہ اور فرشتۂ اجل بن کر آئی تھی۔ میں

نے محبت سے اندھی ہو کر اس کے ساتھ شادی کر لی اور آج یہ میرے بیٹے کو قتل کروا رہا ہے۔ اس سے میرا اعتماد شادی کے کچھ دنوں بعد ہی اٹھ گیا تھا لیکن میں اس کے ہاتھوں میں مجبور ہو چکی تھی"۔

لیزا نے یہ بات ایسے انداز سے کہی جیسے وہ اپنے آپ سے بات کر رہی ہو۔ یوکلس اس کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ماں کیا کہہ رہی ہے۔

ایک دو دنوں بعد انتھونیس بھی بزنطیہ پہنچ گیا لیکن اس نے بھی ایسی احتیاط کی کہ ہرقل کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ اس کا ایک جرنیل میدانِ جنگ سے آیا ہے۔ وہ اپنے گھر بھی نہ گیا، کسی دوست کے ہاں یا اپنے کسی خفیہ ٹھکانے پر چلا گیا۔ وہ جرنیل تھا اور جرنیل عموماً شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انتھونیس نے اپنے کسی قابلِ اعتماد دوست یا نوکر یا کسی اور کو خفیہ طور پر لیزا کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے آ کر ملے۔

لیزا تو بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ انتھونیس سے پوچھنے کو بے تاب تھی کہ اسے کس طرح پتہ چلا تھا کہ ہرقل اور اس کا بیٹا قسطنطین یوکلس کو اس طریقے سے قتل کرنا چاہتے تھے جو یوکلس نے اسے سنایا ہے.... جونہی اسے انتھونیس کا پیغام ملا، وہ چل پڑی اور انتھونیس کے پاس پہنچ گئی۔ وہ ایک عام عورت کے لباس میں چہرے پر نقاب ڈالے اس کے پاس گئی تھی تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔

"آؤ لیزا!" ــــ انتھونیس نے پوچھا ــــ "کیا تمہیں اپنا بیٹا زندہ و سلامت واپس مل گیا ہے؟"

"ہاں، مل گیا ہے" ــــ لیزا نے کہا ــــ "لیکن یہ سب ہُوا کیا اور ہُوا کیسے؟ میں کچھ سمجھی ہوں اور کچھ جاننا چاہتی ہوں"۔

انتھونیس نے کہا کہ اس نے اسے یہی بتانے کے لئے بلایا ہے کہ وہ یوکلس اور موت کے درمیان کس طرح آ گیا تھا.... ذرا اس منظر کو سامنے لائیں جب قسطنطین ہرقل کے پاس بیٹھا تھا اور وہ یوکلس کے اس جرم پر تبادلۂ خیالات کر رہے تھے کہ اس نے غداری کی ہے اور قبائلیوں میں قسطنطین کے خلاف بداعتمادی کی ہے۔ پھر ہرقل نے یوکلس کو سزائے موت دینے کا فیصلہ سنا دیا اور اسے قتل کروانے کا جو طریقہ اس کے ذہن میں آیا تھا، وہ قسطنطین کو بتا دیا۔ پھر اس نے لیزا کو اور یوکلس کو بھی بلایا تھا اور انہیں

یہ جھانسہ دیا تھا کہ وہ یوکلس کو جرنیل بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے اور عملی تجربہ حاصل کرنے کے لئے یوکلس کو میدانِ جنگ میں جانا پڑے گا۔

ہرقل کے کمرے میں ایک نوخیز اور بڑی ہی دلکش کنیز بھی موجود تھی جو وقفے وقفے سے ہرقل کو شراب پلاتی اور پھر الگ ہٹ کر اس طرح کھڑی ہو جاتی تھی کہ اس کی پیٹھ ہرقل اور قسطنطین کی طرف ہو جاتی تھی یا وہ باہر نکل جاتی۔

کنیز پیٹھ کر کے دُور جا کھڑی ہوتی یا کمرے سے نکل جاتی، اس کے کان ہرقل اور قسطنطین کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ اس نے بڑی اچھی طرح سن لیا تھا کہ یوکلس کو قتل کروایا جائے گا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اسے جرنیل بنانے کی جو بات کی تھی، وہ ایک جھانسہ تھا۔ جب ہرقل نے کہا کہ وہ یوکلس کو انتھونیئس کے حوالے کر دے گا تو کنیز چونک اٹھی تھی، اور اب وہ ہرقل اور قسطنطین کی باتیں پہلے سے زیادہ غور اور توجہ سے سننے لگی۔ اس نے یوکلس کے قتل کی ساری سازش سن لی۔

یہ کنیز کم سنی میں اس کی بیوہ ماں سے چھینی گئی تھی اور اسے ہرقل کو بطور تحفہ پیش کیا گیا تھا۔ لڑکی چونکہ غیر معمولی طور پر خوبصورت تھی اس لئے اسے ہرقل کی خاص کنیز بنا کر اس کے مطابق تربیت دی گئی تھی۔ انتھونیئس اس کنیز کی ماں کو اچھی طرح جانتا تھا اور ماں انتھونیئس کو اپنا ہمدرد سمجھتی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس عورت کا خاوند انتھونیئس کا دوست تھا۔ وہ مر گیا تھا۔ کنیز کی ماں انتھونیئس کے آگے فریادیں کرتی رہتی تھی کہ اس کی بیٹی اسے واپس مل جائے۔

انتھونیئس نے اس عورت کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اس کی بیٹی کو کسی نہ کسی طرح ہرقل کے چُنگل سے آزاد کرا لے گا۔ کنیز اسے اپنا مونس و غم خوار سمجھنے لگی اور دل میں اسے باپ کا درجہ دے دیا۔ کنیز انتھونیئس کو یوں خوش کرتی رہتی تھی کہ ہرقل اپنے خاص کمرے میں کسی کے ساتھ کوئی بات کرتا اور اس میں کوئی راز ہوتا تو وہ موقع پیدا کر کے انتھونیئس کو بتا دیتی تھی۔ اسی طرح اس نے یوکلس کے قتل کی سازش انتھونیئس تک پہنچا دی۔ اس نے انتھونیئس کو اس لئے سنائی تھی کہ وہ اس خبر سے لطف اندوز ہو گا۔ اس سے زیادہ انتھونیئس کا اس راز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا لیکن کنیز جان ہی نہ سکی تھی کہ انتھونیئس کے لئے یہ خبر کس قدر اہم تھی اور اسے جب اس سازش کی تفصیل معلوم ہوئیں تو وہ کس قدر مسرور ہُوا تھا۔ یوکلس کو انتھونیئس کے ساتھ ہی لگا کر

اس کا شاگرد بنا کر محاذ پر بھیجا گیا تھا۔

انتھونیئس نے یوکلس کی ماں کو بتایا کہ یوکلس اس کے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا تو ہر وقت اس پر نظر رکھی کہ ایسا نہ ہو کہ قسطنطین کہیں اسے لڑائی سے پہلے مروا دے۔ انتھونیئس یوکلس کو اپنے سے الگ ہونے ہی نہیں دیتا تھا۔ آخر جنگ شروع ہو گئی۔ اب تو انتھونیئس یوکلس کو بالکل ہی اپنے ساتھ رکھتا تھا لیکن یوکلس موقع دیکھ کر اس سے الگ ہو گیا۔

انتھونیئس نے جس طرح یوکلس کو بچایا وہ بیان ہو چکا ہے۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟" ---لیزا نے پوچھا۔

"نہیں لیزا!" ---- انتھونیئس نے جواب دیا ---- "میں نے کچھ سوچ کر ہی تمہیں نہیں بتایا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ تم ہرقل کو جا بتاؤ گی اور پھر یوکلس کو محاذ پر نہیں جانے دو گی تو ہرقل اسے کسی اور طرح قتل کروا دے گا۔ میں نے یوکلس کو بچانے کا عہد کر لیا تھا۔ تم جانتی ہو کیوں!"۔

"ہاں میں جانتی ہوں" ---- لیزا نے کہا ---- "یوکلس تمہارا اپنا بیٹا ہے، یہ ہرقل کا بیٹا نہیں۔ میں نے جن بیٹیوں کو جنم دیا ہے وہ ہرقل کی ہیں"۔

"میں نے تم پر پھر کوئی احسان نہیں کیا" ---- انتھونیئس نے کہا ---- "یوکلس میرا اپنا بیٹا ہے"۔

ہُوا یوں تھا کہ لیزا نے ہرقل کی محبت سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ شادی کر لی تھی لیکن ہرقل کا دل چند دنوں بعد ہی لیزا سے ہٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اُس وقت انتھونیئس جرنیل نہیں تھا، وہ ہرقل کے شاہی محافظ دستے کا کمانڈر تھا۔ اپنے وقت کا خوبرو اور جاذبِ نظر جوان تھا۔ لیزا کو وہ اتنا اچھا لگا کہ اس کے ساتھ اس کی خفیہ دوستی ہو گئی تھی۔ یوکلس اس دوستی کی پیداوار تھا.... انتھونیئس کا بیٹا!

"بادشاہوں کی اندرونی دنیا میں یہی کچھ ہوتا ہے" ---- انتھونیئس نے کہا ---- "مجھے پتہ چلا کہ ہرقل نے قسطنطین کو یا اپنے کسی اور بیٹے کو قتل کروانے کی سازش کی ہے تو میں اس میں ذرا سی بھی دلچسپی نہ لیتا لیکن یوکلس کو میں یوں قتل ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا.. "یہ میرے خون کا مسئلہ تھا"۔

"قسطنطین نے ہرقل کو بتا دیا ہو گا کہ تم نے اس کی سازش ناکام بنا دی ہے" ----

لیزا نے کہا — "کیا ہرقل تمہارا یہ جرم بخش دے گا؟"

"نہ بخشے!" — انتھونیئس نے کہا — "میں روپوش ہو جاؤں گا جس روز پکڑا گیا وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا"۔

"ابھی یہیں چھپے رہو" — لیزا نے کہا — "کہیں بھاگنا ہے تو مجھے اور یوکلس کو بھی ساتھ لیتے چلو"۔

"ہرقل اور قسطنطین کو شکست کا کڑوا گھونٹ نگل لینے دو" — انتھونیئس نے کہا — "اس کے بعد سوچوں گا مجھے کیا کرنا چاہیے"۔

اُدھر ہرقل کی بھاگی ہوئی فوج کے عہدے دار اور سپاہی بندرگاہ تک جا پہنچے اور بحری جہاز میں سوار ہو گئے۔ یہ جہاز انہیں لے کر مصر روانہ ہو گیا۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ ابھی حمص سے خاصی دُور تھے کہ ابو عبیدہؓ کا بھیجا ہُوا قاصد ان تک پہنچا۔ ابو عبیدہؓ نے محاذ سے امیرالمومنین کو پیغام بھیج دیا تھا کہ اللہ نے انہیں فتح سے نوازا ہے اور اب اس لشکر کی ضرورت نہیں رہی جو حضرت عمرؓ ساتھ لا رہے تھے۔ امیرالمومنین وہیں رک گئے۔ ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ حمص تک چلے جاتے۔ ابھی پانچ چھ دنوں کی مسافت باقی تھی۔

ہرقل کو تو فیصلہ کن شکست دے دی گئی لیکن عیسائی قبائل جب اپنے علاقوں میں پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف مسلح بغاوت کر دی۔

حضرت عمرؓ اُس وقت جابیہ کے مقام تک پہنچ چکے تھے جب انہیں ابو عبیدہؓ کا پیغام ملا کہ رومیوں کو فیصلہ کن شکست دے دی گئی ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے وہیں سے مدینہ کو واپسی کا ارادہ کر لیا۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ امیرالمومنین اپنے ساتھ ایک لشکر لے کر گئے تھے لیکن اب اس لشکر کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ امیرالمومنین کی مدینہ سے لمبی غیر حاضری مناسب نہیں تھی۔ لڑائی صرف حمص اور اس کے گرد و نواح میں ہی نہیں لڑی جا رہی تھی بلکہ اُدھر عراق کی فتح ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ کسریٰ ایران کی فوجوں کو شکست دی جا چکی تھی اور اب قبضہ مکمل کیا جا رہا تھا اور مفتوحہ علاقوں کا انتظام اور محصولات وغیرہ کا نظام رواں کرنے کی مہم جاری تھی۔ مجاہدین کے لشکر دُور دُور تک پھیل گئے تھے اور ان کے قاصد مدینہ پہنچتے رہتے تھے۔ احکامات اور ہدایات جاری کرنے کے لئے امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ہی رہنا چاہئے تھا۔

حضرت عمرؓ جابیہ سے ابھی واپسی کے سفر پر روانہ نہیں ہوئے تھے، روانگی کی تیاری ہو رہی تھی کہ ابو عبیدہؓ کا ایک اور قاصد آ گیا۔ یہ قاصد امیرالمومنین سے ایک فیصلہ لینے آیا تھا۔ صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ابو عبیدہؓ نے مدینہ قاصد بھیجا تھا کہ امیرالمومنین سے کہے کہ حمص بڑے سخت خطرے میں آ گیا ہے جس کے لئے کمک کی ضرورت ہے۔

حضرت عمرؓ نے کمک کے جو انتظامات کئے تھے ان میں ایک یہ تھا کہ سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کو پیغام بھیجا تھا کہ قعقاعؓ بن عمرو کو چار ہزار سوار دے کر فوراً حمص روانہ کر دے۔

قعقاعؓ بن عمرو برق رفتار پیش قدمی اور چیتے کی طرح دشمن پر جھپٹنے میں خصوصی

شہرت رکھتے تھے۔ وہ کوفہ سے چار ہزار سوار لے کر بگولے کی طرح حمص کو روانہ ہو گئے تھے لیکن ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ رومیوں پر حملہ کر کے انہیں شام کی سرحد سے نکال دیا گیا اور اس طرح انہیں فیصلہ کُن شکست دے دی گئی۔ قعقاعؓ اُس وقت حمص پہنچے جب یہ فتح مکمل ہو چکی تھی۔ اُس وقت کا قومی اور ذاتی کردار قابلِ توجہ ہے۔ ابو عبیدہؓ نے محسوس کیا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں قعقاعؓ بن عمرو اور ان کے سالاروں کا حصہ بھی ہونا چاہئے لیکن وہ تو اس لڑائی میں شامل ہی نہیں تھے اس لئے ابو عبیدہؓ خود یہ فیصلہ نہ کر سکے اور انہوں نے فوراً" قاصد امیر المومنین کی طرف جابیہ دوڑا دیا کہ یہ فیصلہ لائے کہ قعقاعؓ اور ان کے سارے لشکر کو مالِ غنیمت کا حصہ دیا جائے یا نہیں۔

امیر المومنین نے جو تاریخی فیصلہ دیا وہ قاصد کو لکھوا کر ابو عبیدہؓ کے نام بھیجا۔ اس فیصلے کے الفاظ آج بھی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے لکھا —— "اہلِ کوفہ کو مالِ غنیمت میں اتنا ہی شریک سمجھا جائے جتنا لڑنے والے مجاہدین شریک ہیں۔ قعقاعؓ اور اس کے مجاہدین اس پہلو سے مالِ غنیمت کے حق دار بنتے ہیں کہ ان کی آمد کی خبر رومیوں تک پہنچی تو رومی مرعوب ہوئے اور یہ بھی ایک وجہ تھی کہ رومیوں نے شکست کھائی۔ اللہ کوفہ والوں کو جزائے خیر دے کہ وہ اپنے مفتوحہ علاقے کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں مدد کے لئے بھی پہنچتے ہیں"۔

امیر المومنین نے قعقاعؓ بن عمرو اور ان کے سواروں کو اہلِ کوفہ لکھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت عمرؓ حمص کی طرف کمک لے کر جا رہے تھے تو انہوں نے کئی ایک جاسوس الجزیرہ کے عیسائی قبائل میں بھیج دیئے تھے اور رومی علاقے میں بھی جاسوس بھیجے تھے۔ انہیں کام یہ سونپا گیا تھا کہ دشمن کے علاقے میں یہ دہشت پھیلا دیں کہ ابو عبیدہؓ کے لئے عراق سے بھی' مدینہ سے بھی اور کئی اور جگہوں میں سے بھی اتنی کمک آ رہی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے طاقتور دشمن کو کچل دے گی۔ یہ ایک نفسیاتی حملہ تھا جو امیر المومنین نے کیا تھا۔ اس کا سب سے زیادہ اثر عیسائی قبائل پر پڑا تھا اور وہ رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے اپنے علاقے میں واپس چلے گئے تھے۔ امیر المومنین یہ بھی جانتے تھے کہ قعقاعؓ بن عمرو پیش قدمی کس طرح کیا کرتے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر امیر المومنین نے قعقاعؓ بن عمرو اور ان کے چار ہزار سواروں کو مالِ غنیمت میں سے پورا پورا حصہ دلوایا۔

پہلے ایک باب میں بیان ہو چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے کون کون سے سالار کو الجزیرہ کا کون کون سا علاقہ دیا تھا اور یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ ان عیسائی قبائل کو چین نہ لینے دیا جائے جو رومیوں کی مدد کو تیس ہزار کی تعداد میں پہنچے تھے۔ یہ سالار اس حکم کے مطابق ان علاقوں میں پہنچ گئے تاکہ یہ قبائل سر نہ اٹھا سکیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ پیٹھ پیچھے سے وار کر جائیں۔

امیر المومنین نے یہ سارا محاذ مضبوط کر دیا تھا اور جب دیکھا کہ رومیوں کو شام سے ہمیشہ کے لئے بے دخل کر دیا گیا ہے تو جابیہ سے واپسی کے سفر کو روانہ ہو گئے۔

○

یہ اسلامی فتوحات تھیں جو بلاشک و شبہ قابلِ فخر تھیں لیکن فتوحات کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اس کے مطابق مجاہدین کی تعداد قلیل تھی۔ یہ امیر المومنین حضرت عمرؓ اور سپہ سالاروں کی عقل و دانش کا کرشمہ تھا کہ اسی قلیل نفری کو ایسے پھیلا دیا کہ فتوحات کی وسعت قابو میں رہی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ فتح بظاہر مکمل تھی لیکن سانپ ابھی مرا نہیں تھا۔ ہرقل بھی بزنطیہ سے نکل گیا تھا۔ اس کا رخ ارضِ روم کی طرف تھا۔

تاریخ سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ ہرقل کہاں جا ٹھہرا تھا۔ تاریخ میں ارضِ روم لکھا ہے۔ شام سے کچھ آگے روم کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ ہرقل خود تو شکست قبول کر کے چلا گیا تھا لیکن اس کا کچھ زہر پیچھے رہ گیا تھا۔ مسلمان مؤرخوں نے اس پہلو پر کچھ بھی نہیں لکھا' تین یورپی مؤرخوں کی تفصیلات ملتی ہیں جو ایک اور ہی ڈرامے سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ یہ مسلمانوں پر جوابی حملے کی ایک کوشش تھی۔

شکست خوردہ رومی فوج کا کمانڈر یعنی سپہ سالار ہرقل کا اپنا بڑا بیٹا قسطنطین تھا۔ وہ بھی بوکھلا کر بھاگا اور بزنطیہ جانے کی بجائے اس نے انطاکیہ کا رخ کر لیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ ہرقل انطاکیہ میں ہی ہو گا اور وہاں سے وہ مصر کو روانہ ہو جائے گا لیکن راستے میں اسے پتہ چلا کہ ہرقل اس وقت نہ بزنطیہ میں ہے نہ انطاکیہ میں بلکہ ایک اور جگہ جا پہنچا ہے۔ قسطنطین اُس طرف چلا گیا اور اپنے باپ سے ملا۔

"محترم باپ!" —— قسطنطین نے خفت مٹانے کے انداز سے کہا —— "مجھے دلی صدمہ ہے کہ میں آپ کی توقعات پر پورا نہیں اترا لیکن اس سے پہلے کہ آپ شکست کا الزام مجھ پر عائد کریں، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ شکست کا اصل ذمہ دار کون ہے"۔

ہرقل کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ وہ چپ چاپ قسطنطین کو دیکھتا رہا۔

"اگر الجزیرہ کے قبائل ہمارے ساتھ رہتے تو آج ہم یوں پسپا نہ ہوتے" — قسطنطین نے کہا — "انہیں یوکلس نے بھگایا تھا۔ یہ تو آپ کو بھی یقین ہے لیکن لڑائی کے دوران ایک اور بڑا ہی خطرناک غدار سامنے آیا ہے۔ وہ ہے ہمارا ایک جرنیل.... انتھونیس.... اس نے میری آنکھوں کے سامنے دو تجربہ کار کمانداروں کو قتل کیا ہے"۔

ہرقل چونک اٹھا اور وہ جو پہلے نیم بیداری کی سی کیفیت میں تھا' یک لخت بیدار ہو گیا۔

"ہمارے اس جرنیل نے اُن دو کمانداروں کو قتل کیا ہے جنہیں ہم نے یوکلس کو قتل کرنے کا کام سونپا تھا" — قسطنطین نے کہا — "میں خود دیکھ رہا تھا۔ یوکلس الگ ہو کر لڑائی میں شامل ہو گیا تھا اور دونوں کماندار ہماری ہدایات کے عین مطابق اس تک پہنچ گئے۔ انتھونیس کچھ دُور تھا۔ اس نے یوکلس کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ ایک کماندار یوکلس پر تلوار کا وار کرنے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے انتھونیس نے اس کماندار پر تلوار کا زوردار وار کر کے اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ ہمارا دوسرا کماندار اپنے گھوڑے کو یوکلس کے گھوڑے سے آگے کر کے روک رہا تھا لیکن انتھونیس نے عقب سے وار کر کے اسے بھی قتل کر دیا۔ میں وہاں سے چلا گیا۔ انتھونیس کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم یوکلس کو قتل کروا رہے ہیں پھر اس نے ان دونوں کمانداروں کو کیوں قتل کیا؟.... صرف اس لئے کہ وہ اپنی فوج کو کمزور کر رہا تھا تاکہ ہمیں شکست ہو۔ میں نے لڑائی کی صورتِ حال کے مطابق انتھونیس کی طرف قاصد دوڑایا کہ اپنے دستے کو فلاں طرف لے جا کر مسلمانوں پر حملہ کرے لیکن قاصد اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر واپس آ گیا۔ نہ اسے انتھونیس ملا نہ یوکلس.. .. کیا یہ کھلی غداری نہیں؟"

"وہ اس وقت ہوں گے کہاں؟" — ہرقل نے پوچھا۔

"میں یہ بھی معلوم کر آیا ہوں" — قسطنطین نے جواب دیا — "وہ دونوں بزنطیہ چلے گئے تھے۔ وہاں جاتے دیکھے گئے ہیں"۔

ہرقل پہلے ہی صدمے اور غصے سے نیم پاگل ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلایا اور بڑی ہی گرجدار آواز میں حکم دیا کہ ابھی بزنطیہ جاؤ اور جرنیل انتھونیس کو زنجیروں یا رسّیوں سے باندھ کر یہاں لے آؤ۔

سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا اور رات گہری ہو گئی تھی۔ محافظ دستے کا کماندار آٹھ دس محافظوں کو ساتھ لے کر بزنطیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بزنطیہ تک پہنچنے کے لئے تین چار گھنٹے درکار تھے۔ ہرقل کا حکم تھا کہ اس جرنیل کو فوراً لایا جائے۔ محافظوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور گھوڑے سرپٹ دوڑتے گئے۔

آدھی رات سے کچھ پہلے یہ محافظ سوار بزنطیہ پہنچے۔ بزنطیہ ایک مضبوط قلعہ تھا اور قلعوں کے دروازے سورج غروب ہوتے ہی بند کر دیئے جاتے تھے لیکن اب بزنطیہ کے دروازے کھلے تھے کیونکہ ہرقل نے یہ شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

کماندار کو انتھونیس کے گھر کا علم تھا۔ اس نے اس گھر پر چھاپہ مارا لیکن مکان خالی پڑا تھا اور گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ابھی کئی لوگ شہر میں موجود تھے۔ کماندار نے ساتھ والے تین چار مکانوں پر دستک دے کر سب کو جگایا اور انتھونیس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ انتھونیس کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ شہر سے نکلتے دیکھی گئی تھی لیکن انتھونیس کہیں نظر نہیں آیا۔

اُس وقت انتھونیس بزنطیہ سے پورے ایک دن کی مسافت جتنا دور نکل گیا تھا۔ یوکلس بھی اس کے ساتھ تھا اور یوکلس کی ماں لیزا بھی۔ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے اور چوتھے گھوڑے پر انہوں نے کھانے پینے کا سامان اور کچھ ضروری اشیاء لاد لی تھیں۔ ان تک کسی کا پہنچنا ممکن نہیں رہا تھا۔

محافظ دستے کے کمانڈر نے واپس جا کر بتایا کہ انتھونیس کا گھر خالی ہے اور اس کے بیوی بچے بھی لاپتہ ہیں۔ قسطنطین نے یہ سنتے ہی کہا کہ وہ غدار اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر کہیں بھاگ گیا ہے۔ ہرقل پہلے ہی غصے سے باؤلا ہُوا جا رہا تھا۔ اس نے حکم جاری کر دیا کہ یہ جرنیل جہاں کہیں نظر آئے اسے پکڑ کر اس کے سامنے لایا جائے۔

"اور دوسرے غدار یوکلس کے متعلق کیا حکم ہے؟" — قسطنطین نے ہرقل سے پوچھا۔

"اب میں اسے معاف نہیں کر سکتا" — ہرقل نے کہا — "اس کا اب خاتمہ ہی کرنا پڑے گا اور اگر اس کی ماں نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو میں اسے بھی دنیا سے اٹھا دوں گا۔ پورا ملک ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ میں تو اپنے آپ کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں"۔

قسطنطین نے ہرقل کو اکسادیا کہ یوکلس کو گرفتار کرلیا جائے یا خفیہ طور پر وہ جہاں کہیں بھی ہے، قتل کروادیا جائے۔

"وہ لڑائی میں مارے ہی نہ گئے ہوں!" ــــ ہرقل نے کہا۔

"وہ تو لڑے ہی نہیں" ــــ قسطنطین نے کہا ــــ "میں معلوم کرواچکا ہوں۔ وہ بہت پہلے میدانِ جنگ سے نکل گئے تھے"۔

آخر ہرقل نے یہ فیصلہ بھی دے دیا کہ یوکلس کو قتل کروادیا جائے۔ قسطنطین اس فیصلے پر بہت خوش ہُوا اور اس نے ہرقل سے کہا کہ وہ یہ کام خود کروائے گا۔ وہ باہر نکلا اور اپنے اعتماد کے دو فوجی کمانڈروں کو بلا کر کہا کہ وہ یوکلس کو ڈھونڈیں اور بتائیں کہ وہ کہاں ہے اور پھر وہ انہیں بتائے گا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

دونوں کمانڈر حکم لے کر یوکلس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔



رومی فوج اپنی بے انداز لاشیں اور شدید زخمیوں کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر پسپا ہو گئی تو مجاہدین نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے یہ یقین کر کے کہ اب دشمن کی طرف سے جوابی حملے کا کوئی امکان نہیں رہا تو وہ حمص واپس چلے گئے۔ اس کے فوراً بعد حمص میں رومیوں کے ہتھیاروں کا انبار لگنے لگا اور جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ سپہ سالار کے آگے رکھا جانے لگا۔

یہ کوئی معمولی فتح نہیں تھی۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو سرزمینِ عرب سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ہر کوئی جشن منانے کے موڈ میں تھا۔ مجاہدین کی جو بیویاں، بہنیں اور بیٹیاں ساتھ تھیں، وہ زخمیوں کو اٹھانے اور ان کی مرہم پٹی کروانے کے لئے میدانِ جنگ میں چلی گئی تھیں۔ شارینا بھی اُدھر ہی جا رہی تھی کہ ایک آدمی نے اُسے روک کر کہا کہ روم کی فوج کا وہ افسر جسے ایک کمرے میں نظربند رکھا ہُوا ہے، اُسے بلا رہا ہے۔

وہ روتاس تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسے کس طرح حدید اور شارینا اس کے دو سپاہیوں کو ہلاک کر کے اسے پکڑ لائے تھے اور اس سے ابوعبیدہؓ نے معلوم کر لیا تھا کہ رومی فوج کہاں ہے اور ہرقل کی اگلی کارروائی کیا ہو گی۔ روتاس نے جنگی نوعیت کی کچھ باتیں بتادی تھیں اور جو راز اس نے نہیں اگلا تھا وہ شارینا نے بڑے خوبصورت دھوکے

سے اس کے سینے سے نکال لیا تھا۔ شارینا نے ہی اسے قید خانے کی بجائے ایک بڑے اچھے رہائشی کمرے میں رکھوایا تھا۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ رومی فوج کو شکست دے دی گئی تو اسے رہا کر دیا جائے گا۔

شارینا تو اسے بھول ہی چلی تھی۔ روتاس نے ایک ملازم کو بھیج کر شارینا کو بلایا تو شارینا فوراً اس کے پاس پہنچی۔

"معلوم ہوتا ہے سپہ سالار اپنا وعدہ بھول گیا ہے" ــــ روتاس نے شارینا سے کہا ــــ "کیا تم اسے میری رہائی کا وعدہ یاد نہیں دلاؤ گی؟"

"سپہ سالار آج ہی واپس آیا ہے" ــــ شارینا نے کہا ــــ "میں ابھی اس کے پاس جا کر تمہاری رہائی کا حکم لے آتی ہوں"۔

روتاس کے دل پر قبضہ کرنے کے لئے شارینا اسے یہ تاثر دیتی رہی تھی کہ وہ ایک مسلمان کے ساتھ شادی کر بیٹھی ہے لیکن یہاں نہیں رہے گی اور اپنے خاوند حدید کو اپنے ساتھ لے کر ہرقل کے پاس واپس چلی جائے گی۔ اب روتاس نے اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلے گی یا کیا کرے گی۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکوں گی" ــــ شارینا نے کہا ــــ "اب صورت بالکل ہی مختلف ہو گئی ہے۔ ہرقل نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے اور اس کی فوج کا تو وجود ہی نہیں رہا۔ میں حدید کو ساتھ لے کر جاؤں گی کہاں؟ تمہیں یہاں سے نکلوا دوں گی اور جب کبھی موقع ملا میں بھی آ جاؤں گی"۔

شارینا سپہ سالار ابوعبیدہؓ سے جا ملی اور انہیں روتاس کی رہائی کا وعدہ یاد دلایا۔ ابوعبیدہؓ نے اُسی وقت روتاس کو اپنے پاس بلوالیا۔ روتاس عربی نہیں جانتا تھا اور ابوعبیدہؓ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ شارینا دونوں زبانیں سمجھتی اور بولتی تھی۔ وہ ان کے درمیان ترجمان بن گئی۔

"شارینا بیٹی!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "اسے کہو کہ فتح اور شکست اللہ کے اختیار میں ہے اس لئے ہم سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اُس کے مشکور اور ممنون ہوتے ہیں جس نے ہماری فتح کے لئے ذرا سا بھی تعاون کیا ہو۔ میری طرف سے روتاس کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے ہمارے ساتھ تعاون کیا تھا جس نے ہمیں اس فتح میں مدد دی۔ میں اسے کوئی تحفہ دے کر رخصت کرنا چاہتا ہوں"۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ باہر نکل گئے۔ شاریتا نے روتاس کو اپنی زبان میں بتایا کہ سپہ سالار نے کیا کہا ہے اور یہ بتایا کہ سپہ سالار اسے کوئی تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ روتاس یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس کے لئے یہی تحفہ بہت ہی قیمتی ہے کہ اسے باعزت طور پر رہا کیا جا رہا ہے کہ سپہ سالار ابو عبیدہؓ واپس آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک صلیب تھی جو بمشکل چھ انچ لمبی تھی۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب بُت بھی تھا۔ صلیب تو لکڑی کی تھی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بت سونے کا تھا۔

"یہ عیسائی ہے" ——— ابو عبیدہؓ نے کہا ——— "میں اسے اس کے مذہب کے مطابق تحفہ دے رہا ہوں۔ یہ صلیب ایک مرے ہوئے رومی فوجی افسر کے پاس تھی۔ یہ میرے پاس مالِ غنیمت کے طور پر آئی ہے۔ اسے بتاؤ کہ سپہ سالار کو اتنا اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ مالِ غنیمت میں سے ایک ذرّہ بھی اپنی مرضی سے لے کر خود رکھ لے یا کسی کو دے دے لیکن اس شخص نے ہماری جو مدد کی ہے اس کا صلہ میں اپنے امیرالمومنین کی طرف سے اور اپنے تمام مجاہدین کی طرف سے دے رہا ہوں"۔

ابو عبیدہؓ نے یہ صلیب روتاس کو دے دی اور شاریتا سے کہا کہ باہر سے کسی نائب سالار یا کمانڈر یا عہدے دار کو میرے پاس لے آئے۔

شاریتا باہر گئی اور ایک ذمہ دار مجاہد کو اپنے ساتھ لے آئی۔ سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے اسے کہا کہ اس رومی کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے جو گھوڑا پسند آئے اس پر زین وغیرہ ڈال کر اسے دے دو اور کسی ایک مجاہد کو اس کے ساتھ بھیجو جو اسے میدانِ جنگ سے کچھ آگے تک چھوڑ آئے۔ ابو عبیدہؓ نے یہ انتظام یہ سوچ کر کیا تھا کہ مجاہدین اسے رومی سمجھ کر پکڑ نہ لیں۔

"سپہ سالار کا میری طرف سے شکریہ ادا کرو شاریتا!" ——— روتاس نے کہا ——— "مجھے آج پہلی بار معلوم ہُوا ہے کہ مسلمانوں کا کردار کس قدر بلند اور قابلِ تعریف ہے۔ میں اب سمجھا ہوں کہ اسلام کیوں اتنی تیزی سے پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ انہیں یہ بھی کہو کہ میں اس جنگ و جدل کو بھول جاؤں گا' ملک شام کو بھی بھول جاؤں گا لیکن سپہ سالار کا حسنِ سلوک کبھی نہیں بھول سکوں گا"۔

روتاس نے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر رومی انداز سے سیلوٹ کیا اور باہر چلا گیا۔

وہاں گھوڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اُن رومیوں کے سینکڑوں گھوڑے پکڑے گئے تھے جو مارے گئے تھے یا شدید طور پر زخمی ہو گئے تھے۔ روتاس نے ایک اعلیٰ نسل کا نہایت تندرست گھوڑا پسند کیا جو اس کی اپنی ہی فوج کے کسی مرے ہوئے سوار کا تھا۔ وہ اس گھوڑے پر سوار ہُوا اور ایک مجاہد اس کے ساتھ چلا گیا۔ حمص سے کچھ دور جا کر اسے اپنی فوج کی بکھری ہوئی لاشیں نظر آنے لگیں۔ وہ ان لاشوں کو دیکھتا اور اس احتیاط سے گھوڑے کو دائیں بائیں کرتا آگے بڑھتا گیا کہ گھوڑے کا پاؤں کسی لاش یا بے ہوش زخمی پر نہ آ جائے۔ تصوّر میں لایا جا سکتا ہے کہ اپنی فوج کی اتنی زیادہ خون میں نہائی ہوئی لاشیں دیکھ کر اس کی جذباتی کیفیت کیا ہوئی ہو گی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے گھوڑا روک لیا' اور اپنے ساتھ آنے والے مجاہد سے ہاتھ ملایا اور اشارے سے کہا کہ وہ اب واپس چلا جائے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور گھوڑا دوڑ پڑا۔ اب اس نے نہ دیکھا کہ گھوڑا لاشوں پر پاؤں رکھتا دوڑا رہا ہے یا لاشوں سے بچ بھی رہا ہے یا نہیں۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ روتاس کا رخ بزنطیہ کی طرف تھا۔ وہ جب میدانِ جنگ سے دور نکل گیا تو گھوڑے کی رفتار کم کر دی تاکہ یہ تھک نہ جائے۔ اس کی منزل ابھی خاصی دور تھی۔

اسے خیال آیا کہ وہ بزنطیہ جا رہا ہے لیکن ہرقل یا اس کا کوئی جرنیل اس سے پوچھے گا کہ وہ اتنا عرصہ کہاں رہا ہے تو کیا جواب دے گا؟.... وہ پہلے ہی اپنی فوج کی شکست سے دل برداشتہ تھا۔ صدمے کا بوجھ اس کے دِل پر ایسا پڑا تھا کہ وہ کوئی صحیح فیصلہ نہ کر سکا۔ اسے خطرہ یہ محسوس ہونے لگا کہ اس کی صحت اور جسمانی حالت اتنی اچھی ہے کہ کوئی مانے گا ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں کی قید سے رہا ہو کر آیا ہے۔ قیدی کے ساتھ کوئی ایسا اچھا سلوک نہیں کیا کرتا کہ اسے معزز مہمان سمجھا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اسے اس جرم کا احساس پریشان کرنے لگا کہ اس نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو راز کی باتیں بتا دی تھیں۔

وہ ہرقل کو بھی جانتا تھا۔ ہرقل فرعون قسم کا بادشاہ تھا جو سزائے موت سے کم بات ہی نہیں کرتا تھا۔ روتاس تذبذب میں مبتلا ہو گیا اور اس کے ذہن میں ایک کشمکش شروع ہو گئی جو اذیت ناک ہوتی چلی گئی۔ اس نے اپنی جیب سے وہ صلیب نکالی جو اسے سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے تحفے کے طور پر دی تھی۔ شام ابھی گہری نہیں ہوئی تھی۔ کچھ دُور تک نظر کام کرتی تھی۔ اُس نے صلیب پر مصلوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بُت دیکھا۔

"کہاں جاؤں؟" ــــ اس نے بُت سے پوچھا ــــ "یسوع مسیح! میری راہنمائی کریں۔ مجھے اُس راستے پر ڈال دیں جو مجھے بھلائی اور روحانی اطمینان کی منزل تک پہنچا دے۔"

اس نے بُت کو آنکھوں سے لگایا' ہونٹوں سے لگایا پھر جیب میں ڈال لیا اور گھوڑے کی لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا' گھوڑا چل پڑا لیکن روتاس نے گھوڑے کا رخ دائیں طرف موڑ دیا۔ اس نے بزنطیہ کو ذہن سے نکال پھینکا تھا۔ اس نے کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا تھا کہ آخر جائے گا کہاں' یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بزنطیہ نہیں جائے گا اور ہرقل کا سامنا نہیں کرے گا۔

روتاس ہرقل کی جاسوسی کے شعبے کا افسر تھا۔ شام کے چپے چپے سے اور مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جس طرف چل پڑا ہے اُدھر عیسائی قبائل رہتے ہیں۔ سوچ سوچ کر وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ کسی قبیلے میں جا پناہ لے گا اور پھر سوچے گا کہ وہ کیا کرے اور کہاں جائے۔



ادھر انطونیس یوکلس اور اس کی ماں لیزا کو ساتھ لئے بڑی تیز رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔ وہ اتنی دور نکل گئے تھے کہ اب تعاقب کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا پھر بھی وہ لوگ کہیں رک نہیں رہے تھے حالانکہ رات گہری ہو گئی تھی اور ان کے گھوڑے ان کے بوجھ تلے دن بھر دوڑتے اور چلتے رہے تھے۔ راستے میں لیزا نے انطونیس سے تین چار مرتبہ پوچھا تھا کہ آخر وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ انطونیس نے ہر بار یہی کہا تھا کہ آگے چل کر بتاؤں گا۔

رات گزرتی چلی جا رہی تھی اور اب وہ ہرے بھرے علاقے میں پہنچ گئے تھے جہاں سرسبز اونچی نیچی ٹیکریاں زیادہ تھیں۔ چاند اوپر آ رہا تھا۔ ایک موزوں جگہ دیکھ کر انطونیس رک گیا اور گھوڑے سے اترا۔ اس نے بتایا کہ رات گذرانے کے لئے یہ جگہ ٹھیک ہے۔

انہوں نے چوتھے گھوڑے سے کھانے پینے کا سامان نکالا اور کھانے بیٹھ گئے۔

"ہم اپنی جانیں تو بچا لائے ہیں" ــــ کھانے کے بعد لیزا نے کہا ــــ "اب ہمیں کہیں روپوش ہونا ہے۔ تم جانتے ہو انطونیس! میں کسریٰ ایران کے شاہی خاندان کی

شہزادی تھی۔ میں ہرقل کے ہاں کسی اور مقصد کے لئے آئی تھی لیکن ہو کچھ اور گیا۔ اب تو میں اپنے شاہی خاندان کی مجرم ہوں۔ اب تو میں وہاں بھی نہیں جا سکتی۔ مجھے عام لوگوں جیسی زندگی گذارنی پڑے گی"۔

"اور مجھے آپ اپنے ساتھ کیوں لے آئے ہیں؟" ــــ یوکلس نے کہا ــــ "میں تو قسطنطین کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ میں شاید اپنے باپ ہرقل کو بھی قتل کر دیتا۔ آپ مجھے یہیں سے واپس جانے دیں۔ وہ بزدلوں اور فریب کاروں کی طرح مجھے قتل کروا رہے تھے۔ میں ان کے سامنے جا کر اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قتل کروں گا"۔

"اب کوئی ایسی ضرورت نہیں" ــــ انطونیس نے کہا ــــ "اب ایک اور بادشاہی وجود میں آئے گی۔ میں اس کی بنیاد رکھوں گا۔ فارس اور روم کی بادشاہیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اب زمین پر ایک اور بادشاہی نمودار ہو گی جو ایران کی نہیں ہو گی نہ روم کی' یہ صلیبِ اعظم کی بادشاہی ہو گی جو ساری دنیا پر پھیلے گی۔ ہرقل کے پاس صرف مصر رہ گیا ہے یا ارضِ روم۔ میں اسے مصر سے نکال کر ارضِ روم میں محدود کر دوں گا"۔

"انطونیس!" ــــ لیزا نے کہا ــــ "تم بہت تھک گئے ہو۔ تم پر یہ خوف بھی غالب ہے کہ پکڑے گئے تو ہرقل قتل کروا دے گا۔ سو جاؤ' آرام کرو' دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔ تم بیداری میں خواب دیکھ رہے ہو"۔

"نہیں لیزا!" ــــ انطونیس نے کہا ــــ "میں تھکا ہُوا بھی نہیں اور میں ڈرا ہُوا بھی نہیں۔ اتنا بیدار میں کبھی بھی نہیں ہُوا تھا جتنا اب ہوں۔ تم خواب کی بات کرتی ہو' میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کس حقیقت پر یہ ارادے باندھ رہا ہوں۔ الجزیرہ کے یہ عیسائی قبائل میری فوج ہو گی۔ کیا تم نے دیکھا نہیں تھا کہ یہ لوگ کس طرح تیس ہزار کا لشکر ہرقل کے پاس لے کر پہنچ گئے تھے؟ اگر ہرقل ان پر اپنا اعتماد بٹھا دیتا تو تیس ہزار کا ایک اور لشکر آ سکتا تھا لیکن ہرقل پر اور ہرقل کی فوج پر ان قبائلیوں کو بھروسہ نہیں تھا۔ یہ لوگ عیسائی ہیں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔ میں انہیں جانتا ہوں یہ لوگ اسلام کے آگے دیوار کھڑی کرنے کو بے تاب ہیں۔ میں انہیں اعتماد میں لوں گا"۔

"لیکن اب ہماری منزل کیا ہو گی؟" ــــ لیزا نے پوچھا۔

"کیا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے!" ــــ انطونیس نے کہا ــــ "اس ملک شام پر ہماری حکومت رہی ہے۔ میں سارے ملک میں گھوما پھرا ہوں۔ الجزیرہ میں تو میں بہت

عرصہ رہا ہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کو صرف جانتا ہی نہیں بلکہ بعض کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں کون کون سے قبیلے زیادہ طاقتور ہیں۔ میں ان میں سے کسی ایک کے پاس جا رہا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ یہ لوگ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ یہ تو خوش ہوں گے کہ انہیں ایک تجربہ کار جرنیل مل گیا ہے۔ میں انہیں ایک فوج کی صورت میں منظم کرلوں گا اور ان کی تربیت اسی طرح کروں گا جس طرح ہم اپنی فوج کی کرتے تھے"۔

انطونیس نے جن دو عیسائی قبیلوں کی طرف اشارہ کیا تھا ان میں ایک تھا بنی ربیعہ دوسرا تھا بنی تنوخ۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دو قبیلے افرادی قوت اور مالی لحاظ سے بہت طاقتور تھے اور دیگر چھوٹے بڑے قبائل انہیں اپنا لیڈر مانتے تھے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی تھی کہ الجزیرہ کے عیسائی قبائل تیس ہزار لشکر کی صورت میں ہرقل کے پاس بزنطیہ پہنچ گئے ہیں تو امیرالمومنین نے پہلی بات کہی تھی کہ میں جانتا ہوں ان قبائل کی قیادت بنی ربیعہ اور بنی تنوخ کر رہے ہیں۔ امیرالمومنین نے ایک حکم یہ دیا تھا کہ ان دونوں قبیلوں کی بستیوں کو تباہ و برباد کر دو" تاکہ یہ آئندہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں کیونکہ یہ دو قبیلے جنگ و جدل کے شوقین بھی تھے اور یہ ان کی روایت بھی تھی۔

ایسا طاقتور تیسرا قبیلہ بنو ایاد تھا۔ یہ قبیلہ بھی طاقتور تھا لیکن اس قبیلے میں کچھ ایسے دانشمند بھی تھے کہ وہ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے تھے اور اپنے مفاد کی خاطر جھک بھی جایا کرتے تھے۔ یہ تینوں قبیلے حلب کے گرد و نواح میں رہتے تھے اور دوسرے قبائل الجزیرہ میں پھیلے ہوئے تھے۔

یہ تھی ایک اور طاقت جو مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی تھی۔ یہ اس لئے خطرناک تھی کہ اس کا کسی کو علم ہی نہیں تھا اور ایسی خفیہ کہ اسے جاسوس بھی اُبھرتا ہُوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"تم جرنیل ہو انطونیس! یقیناً" مجھ سے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہو" ــــ لیزا نے کہا ــــ "لیکن میں بھی کچھ جانتی ہوں۔ جن مسلمانوں کا مقابلہ اتنی طاقتور فوج نہیں کر سکی' ان کے مقابلے میں یہ غیر تربیت یافتہ قبائلی کیسے لڑ سکیں گے؟ یہ لوگ بغاوت کر سکتے ہیں اور ہرقل نے انہیں مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے کہا بھی تھا"۔

"میں جرنیل ہوں لیزا!" ــــ انطونیس نے کہا ــــ "میں فوجوں کی خوبیاں اور خامیاں سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں نے ملک شام فتح تو کر لیا ہے لیکن وہ اس قدر تھک چکے ہیں کہ یہاں سے آگے بڑھے تو ان کا دم خم ختم ہو جائے گا۔ ان کے مقابلے میں قبائلی تازہ دم ہیں۔ ابھی تک وہ کہیں بھی نہیں لڑے۔ ذاتی بہادری اور لڑنے کا جذبہ کافی نہیں ہوتا۔ یہ اہلیت اور صلاحیت ان قبائلیوں میں ہے۔ انہیں ایک جرنیل کی ضرورت ہے اور میں ان کی یہ ضرورت پوری کر دوں گا"۔

○

رومی جرنیل انطونیس نے غلط نہیں کہا تھا کہ مسلمان تھک چکے ہیں لیکن مسلمانوں کے امیرالمومنین' سپہ سالار اور دیگر سالار دماغی طور پر زندہ و بیدار اور تر و تازہ تھے۔ وہ دشمن کی طرف سے بے خبر ہو کر آرام کرنے بیٹھ نہیں گئے تھے یا مالِ غنیمت لوٹنے میں نہیں لگ گئے تھے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ جب جابیہ سے مدینہ کو واپس چلے تھے تو یہ حکم آگے بھیج کر چلے تھے کہ جن سالاروں کو مختلف علاقے دیئے گئے ہیں' ان علاقوں کی بستیوں پر اور چھوٹی بڑی قلعہ بندیوں پر حملے شروع کر دیں۔

یہ علاقے الجزیرہ کے عیسائی قبائل کے تھے۔ امیرالمومنین نے سوچا تھا کہ ان قبائل کو ذرا سا بھی دم لینے دیا تو یہ متحد ہو کر ایک لشکر بن جائیں گے۔ ایک بار تو وہ رومیوں کے پاس جا کر بھی واپس آ گئے تھے لیکن رومی انہیں ایک بار پھر اپنے مفاد کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔

یہ تمام علاقے مسلمانوں نے فتح کر لئے تھے لیکن کچھ چھوٹے بڑے قلعے اور بستیاں ایسی تھیں جہاں مجاہدین کی نفری بہت ہی کم تھی۔ وہ اس لئے کہ ابھی زیادہ سے زیادہ نفری کی ضرورت حمص کے میدانِ جنگ میں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بعض علاقوں میں عیسائی قبائل نے بغاوت کر دی اور مسلمانوں کا قبضہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

پہلی بغاوت کی اطلاع ایک قلعہ بند شہر رقہ سے آئی۔ وہاں مجاہدین کی نفری بہت ہی تھوڑی تھی۔ زیادہ نفری کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی تھی۔ یہ مجاہدین دراصل انتظامیہ کے اہلکار تھے جنہیں وہاں جزیہ اور دیگر محصولات وصول کرنے کے لئے رکھا گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے جزیہ اور محصولات دینے سے انکار کر دیا اور ان مسلمان اہلکاروں کو ایک جگہ بند کر کے بے بس کر دیا۔

معلوم نہیں وہ کوئی مجاہد تھا جو کسی طرح ان عیسائیوں سے بچ کر نکل آیا یا اُن چند ایک عیسائیوں میں سے کوئی تھا جنہیں مسلمانوں نے اپنے جاسوس بنالیا تھا' ان میں سے کسی نے وہاں سے نکل کر پیچھے اطلاع دی کہ رقہ میں بغاوت ہو گئی ہے۔ یہ علاقہ ایک سالار سہیل بن عدی کی ذمہ داری میں تھا۔ انہیں اطلاع ملی تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ فوراً" رقہ کی طرف کوچ کر گئے۔

رقہ پہنچے تو دیکھا کہ یہ تو اچھا خاصا مضبوط قلعہ ہے جس کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ عیسائی دیواروں کے اوپر کھڑے مسلمانوں کو للکار رہے تھے۔ ان کے پاس کمانیں تھیں جن میں تیر ڈال کر وہ دفاع کے لئے تیار تھے۔ بعض کے ہاتھوں میں پھینکنے والی چھوٹی برچھیاں تھیں۔ قلعے کا دفاع مضبوط نظر آ رہا تھا۔

سالار سہیل بن عدی نے اعلان کروایا کہ فوراً" ہتھیار ڈال دو اور قلعے کے دروازے کھول دو۔ اگر ہم نے لڑ کر قلعہ فتح کیا تو سب کو غلام بنا کر عرب بھیج دیا جائے گا اس اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ جنہوں نے ہرقل جیسی طاقتور شاہی فوج کو بار بھگایا ہے ان کے سامنے تم لوگ ایک دن بھی نہیں ٹھہر سکو گے۔ دروازے کھول کر اطاعت قبول کر لو گے تو تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو ہم لوگ ہر مفتوحہ جگہ کے لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ تمہارے جان و مال اور عزت کی حفاظت ہم کریں گے۔

"ہمت ہے تو آگے بڑھو اور دروازے خود کھول لو"۔

"رومی اس لئے بھاگ گئے ہیں کہ یہ علاقہ اُن کا نہیں ہمارا ہے"۔

"یہ علاقہ تمہارا ابھی نہیں۔ ہم تمہیں بھی یہاں سے بھگا دیں گے"۔

مسلمانوں کے اعلان کے جواب میں ایسی ہی للکار سنائی دی اور عیسائی قہقہے لگانے لگے۔ انہیں اپنی طاقت پر بھروسہ تھا۔ معلوم ہُوا کہ تین چار قبیلے اس قلعے میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ قلعے کو کوئی فوج ہی بچا سکتی ہے جسے قلعہ بند ہو کر لڑنے کی تربیت دی گئی ہو اور یہ فوج تجربہ اور مہارت رکھتی ہو۔ قلعے کی دیواریں اور دروازے اندر والوں کو کچھ ہی وقت کے لئے بچا سکتے ہیں۔

سالار سہیل بن عدی نے اپنے تیراندازوں کو آگے کیا اور دیوار کے تھوڑے سے حصے پر بڑی تیز تیراندازی کا حکم دیا۔ تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنی شروع کر دیں لیکن دیوار کے اوپر والے تیراندازوں نے جب تیر پھینکے تو ان کے سامنے ٹھہرنا محال

ہو گیا۔ تیروں کے ساتھ برچھیاں بھی آنے لگیں۔

"یہ کم عقل اور اناڑی ہیں" ـــ سالار سہیل نے کہا ـــ "برچھیاں ضائع کر رہے ہیں۔ برچھیاں اکٹھی کر لو' یہ ہمارے کام آئیں گی"۔

ان تیروں کے سائے میں سالار سہیل نے اپنے کچھ جانبازوں کو پہلو کے ایک دروازے کی طرف اس مقصد کے لئے دوڑایا کہ وہ دروازہ توڑ دیں۔ یہ جانباز کلہاڑوں سے مسلح تھے لیکن دیوار پر کھڑے تیراندازوں نے اپنے تیروں کا رُخ اس طرف کر دیا جس سے جانباز دروازے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کچھ جانباز تیر اپنے جسموں میں لے کر واپس آئے اور کچھ تیروں کی زد میں آنے سے پہلے ہی پیچھے آ گئے۔

سالار سہیل نے قلعے کا ایک چکر لگایا۔ وہ اب دیکھ رہے تھے کہ دیوار کہیں سے کمزور نظر آئے تو دیوار توڑی جائے۔ جانبازوں نے کہا کہ دیوار مضبوط ہی سہی' وہ کسی نہ کسی جگہ سے اسے توڑ لیں گے۔ قلعے توڑنے اور سر کرنے میں مسلمان خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس مہارت کی اصل حقیقت یہ تھی کہ مسلمانوں میں جذبہ تھا۔ ان کا لڑنے کا اصول یہ تھا' فتح یا شہادت۔

یہ تفصیلات خاصی طویل ہیں کہ سالار سہیل بن عدی نے قلعہ توڑنے کے لئے کیسے کیسے اقدامات کئے اور مجاہدین نے کس طرح جانیں ہتھیلی پر رکھ کر ہر اقدام کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ کوشش تو کوئی بھی کامیاب نہ ہوئی لیکن دشمن پر دھاک بیٹھ گئی اور دیواروں کے اندر کے لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہونے لگا۔

تاریخ نویس ابن کثیر اور بلاذری لکھتے ہیں کہ ابھی سات آٹھ دن ہی گزرے ہوں گے کہ قلعے کے اندر سے اعلان ہُوا کہ وہ لوگ صلح کرنا چاہتے ہیں اس لئے لڑائی ملتوی کی جائے اور جو جہاں ہے وہیں رہے۔ سالار سہیل بن عدی نے عارضی طور پر جنگ بندی کر دی۔

ان دونوں تاریخ نویسوں نے اس جنگ بندی کا پس منظر یوں بیان کیا ہے کہ جب ان عیسائی قبائلیوں نے دیکھا کہ مسلمان غیر معمولی تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں تو وہ جان گئے کہ یہ لوگ قلعہ سر کر کے ہی رہیں گے اور پھر ان کی کوئی شرط قبول نہیں کریں گے۔

قبائل کے سرداروں نے سر جوڑے اور ایک عمر رسیدہ دانشور نے انہیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اس پر غور کریں۔

"تم جنگجو بھی ہو سکتے ہو بہادر بھی" ___ اس بزرگ دانشور نے کہا ___ "لیکن یہ تو سوچو کہ تم کس کی لڑائی لڑ رہے ہو؟ یہ عرب، عجم اور روم کی جنگ ہے۔ ہم عربی بھی نہیں، عجمی بھی نہیں اور ہم رومی بھی نہیں۔ یہ مسلمان اس جرم کی سزا دے رہے ہیں کہ ہم لوگ رومیوں کی مدد کو چل پڑے تھے۔ میں نے اُس وقت بھی کہا تھا کہ پرائی لڑائی لڑنے نہ جاؤ، فائدہ کچھ نہیں ہو گا اور تباہی جو رومیوں کی ہو گی اس میں سے تمہیں بھی حصہ مل جائے گا۔ آج ہم لوگ تباہی کا حصہ وصول کر رہے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لو اور مجھے یقین ہے کہ مسلمان تمہیں عزت اور تکریم دیں گے"۔

ایک اور سردار نے کہا کہ لڑنا ہے تو تمام قبائل اکٹھے ہو کر ایک لشکر تیار کریں اور پھر مسلمانوں کو للکاریں کہ یہ ہماری زمین ہے، یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ہم تلواروں کے زور سے تمہیں نکالیں گے۔

سب سردار متفق ہو گئے۔ انہوں نے اُسی وقت مسلمان اہلکاروں کو قید سے آزاد کیا اور اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ وہ صلح کا معاہدہ کرنا چاہتے ہیں، اس کا اختیار کون سے سالار کے پاس ہے؟ کیا یہی سالار صلح کرلے گا جس نے محاصرہ کر رکھا ہے؟.... ان مسلمانوں نے انہیں بتایا کہ الجزیرہ کا علاقہ تین سالاروں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کا سپہ سالار عیاض بن غنم ہے جو اس وقت واسط میں ہو گا۔ صرف اسے صلح کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

ان عیسائی قبائل کے سرداروں نے اپنے دو نمائندے ان مسلمانوں کے ساتھ قلعے سے باہر بھیج دیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ انہیں اپنے سپہ سالار تک پہنچا دیں۔

یہ سب سالار سہیل بن عدی کے پاس آئے اور مدعا بیان کیا۔ سالار سہیل نے انہیں واسط بھیج دیا اور سپہ سالار ایاز بن غنم نے صلح کی شرائط تسلیم کر کے سہیل بن عدی کو صلح کی اجازت دے دی۔ اس طرح یہ محاصرہ اٹھا لیا گیا اور قلعے میں جو قبیلے موجود تھے انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی اور جزیہ بھی ادا کرنے لگے۔

○

صرف علامہ شبلی نعمانی ایک تاریخ نویس ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ ہرقل شام سے پسپا ہو کر ارضِ روم میں مرج الابیاج کے مقام پر جا پہنچا اور اس نے وہیں قیام کیا تھا۔ آج

یہ شہر دنیا کے نقشے پر موجود نہیں۔ وہاں بھی ہرقل کی جو جائے رہائش تھی وہ شاہی محل سے کم نہ تھی۔ شاہی لوازمات بھی موجود تھے، شراب بھی تھی اور شراب پلانے والی کنیزیں بھی تھیں اور حسین و جمیل کنیزیں حاضری میں موجود رہنے والی بھی تھیں۔ عورتوں کا حرم بھی ساتھ تھا جس میں یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ بیوی کون اور داشتہ کون ہے۔

ہرقل اپنے خاص کمرے میں سر جھکائے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تذبذب اور احتجاج تھا۔ قسطنطین الگ بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی تو جیسے جرأت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ باپ کے ساتھ کوئی بات کرے۔ وہ باپ کی جذباتی کیفیت اور مزاج کے عتاب سے واقف تھا.... وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور اس نے اپنے بیٹے قسطنطین کی طرف دیکھا۔

"صرف انتھونیس ہی غدار نہیں تھا" ___ ہرقل نے کہا ___ "میری اپنی بیوی لیزا اور بیٹا یوکلس بھی مجھے دھوکہ دے گئے ہیں۔ وہ یقیناً" اکٹھے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ لیزا کو پتہ چل گیا تھا کہ ہم اس کے بیٹے کو قتل کروا رہے ہیں"۔

"محترم باپ!" ___ قسطنطین نے کہا ___ "میں انہیں غدار ہی کہوں گا"۔

"میں پوری فوج کو غدار کہتا ہوں" ___ ہرقل نے کہا ___ "میں نے ابھی کوئی ایسا فیصلہ کیا تو نہیں لیکن ہو سکتا ہے میں کسی وقت یہ فیصلہ دے دوں کہ جو کماندار بچ کر نکل آئے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان بدبختوں نے اپنے اوپر مسلمانوں کی دہشت طاری کرلی تھی۔ میں اب نئی فوج بناؤں گا اور بہت جلد واپس آ کر شام پر حملہ کروں گا۔ ہرقل کوئی ایسا معمولی نام نہیں جو تاریخ سے مٹ جائے گا۔ آنے والی نسلیں ہرقل کو ایک آسمانی طاقت کے طور پر یاد رکھیں گی"۔

اتنے میں دربان نے آ کر اطلاع دی کہ جرنیل انتھونیس کی بیوی اپنے دو بچوں کے ساتھ آئی ہے اور وہ شاہ ہرقل سے ملنا چاہتی ہے۔ قسطنطین چونک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ہرقل کی طرف دیکھا کہ وہ اس عورت کو اندر آنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ ہرقل کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا پھر اس نے سر سے ہلکا سا اشارہ کیا کہ اسے اندر بھیج دو۔ حیثیت کے لحاظ سے وہ کوئی عام سی حیثیت کی عورت نہیں تھی، ایک نامور جرنیل کی بیوی تھی۔

وہ ہرقل کے سامنے آئی تو ہرقل نے اس سے پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے اور پھر پوچھا کہ اسے معلوم ہے یا نہیں کہ اس کا خاوند کہاں ہے۔

"یہی تو میں شہنشاہِ معظّم سے پوچھنے آئی ہوں" ـــ اس عورت نے کہا ـــ "میں پوچھ پوچھ کر یقین کر چکی ہوں کہ انتھونیس مارا گیا تھا یا زخمی ہو گیا تھا لیکن ہر کسی سے یہ جواب ملا کہ وہ زخمی بھی نہیں ہُوا اور مارا بھی نہیں گیا"۔

"وہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں بھاگ گیا تھا" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "اگر وہ مجھے مل جاتا تو تمہیں اس کی لاش مل جاتی لیکن وہ لاپتہ ہے.... تم میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟"

"پناہ اور سہارا ڈھونڈنے آئی ہوں" ـــ جرنیل کی بیوی نے کہا ـــ "میرے ان معصوم بچوں کو دیکھیں۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں رہا"۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "یہ اپنے باپ کے جرم کی سزا بھگت رہے ہیں"۔

"لیکن شہنشاہِ معظّم!" ـــ اس عورت نے پوچھا ـــ "مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟ میں نے تو اپنے خاوند سے یہ نہیں کہا تھا...."

"میرے خزانے سے کسی غدار کی بیوی اور اس کے بچوں کی پرورش نہیں ہو سکتی" ـــ ہرقل نے شاہانہ انداز سے کہا ـــ "جاؤ' کسی اور سے شادی کر لو اور بچوں کو سہارا مل جائے گا"۔

انتھونیسؔ کی بیوی نے منت سماجت شروع کر دی کہ اسے یوں دھتکارا نہ جائے' اس کے خاوند کی آخر فوج میں اتنی زیادہ خدمات بھی تو ہیں۔ ہرقل نے اس پر رحم کرنے کی بجائے اسے ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی۔ ہرقل چپ ہوتا تو قسطنطین انتھونیس کو بُرا بھلا کہنے لگتا تھا۔

"شہنشاہِ معظّم!" ـــ انتھونیسؔ کی بیوی نے کہا ـــ "اگر میرا خاوند غدار تھا تو کیا یہ میرے لئے بہتر نہیں ہو گا کہ مجھے اور میرے بچوں کو سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے؟ موت سے بہتر کوئی اور پناہ نہیں ہو سکتی"۔

"میں نے تم پر رحم کیا ہے" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "رحم نہ کرتا تو میں تمہیں جلاّد کے حوالے کر چکا ہوتا۔ اگر موت کی خواہش ہے تو خود ہی زہر پی لو اور ان بچوں کو بھی پلا

دو۔ یہاں سے چلی جاؤ اور پھر کبھی میرے سامنے نہ آنا"۔

انتھونیسؔ کی بیوی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ بھیک مانگنے کے انداز سے بات کر رہی تھی۔ ہرقل کی بات سن کر اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر سرخی آ گئی اور آنکھوں میں جو آنسو تیر رہے تھے وہ آنکھوں نے ہی پی لئے۔ اس کی گردن تن گئی۔

"اے شاہِ روم!" ـــ اس عورت نے بالکل ہی بدلی ہوئی اور جاندار آواز میں کہا ـــ "اب مجھ سے سن لے میرا خاوند کہاں گیا ہے۔ آپ کی ملکہ لیزا اسے اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ میں آپ کے بے رحم عتاب سے واقف ہوں لیکن مجھے اب کسی کا ڈر نہیں۔ میرے خاوند نے اور لیزا نے میری زندگی جہنّم بنائے رکھی ہے اور اب آپ مجھے اور میرے بچوں کو سزا دے رہے ہیں"۔

"مجھے لیزا کی کوئی پرواہ نہیں" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "وہ میرے بیٹے کو بھی ورغلا کر ساتھ لے گئے ہیں"۔

"شہنشاہِ روم!" ـــ انتھونیسؔ کی بیوی نے جرأت مندانہ لہجے میں کہا ـــ "یوکلس آپ کا بیٹا تھا ہی نہیں۔ وہ میرے خاوند کا بیٹا ہے۔ اس سے پہلے کہ آپ کا عتاب مجھ پر نازل ہو کہ میں ملکہ پر جھوٹا الزام عائد کر رہی ہوں' مجھ سے حقیقت سن لیں۔ لیزا میرے گھر میں آ کر میرے خاوند کے ساتھ کئی بار تنہائی میں رہی ہے۔ وہ مجھے بڑے قیمتی تحفوں سے خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی تھی لیکن خاوند کی قیمت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ میں نے جب اسے بُرا بھلا کہا کہ وہ میری زندگی تباہ کر رہی ہے تو اس نے مجھے یہ دھمکی دی کہ وہ شاہِ روم کی بیوی ہے اور مجھے قید خانے کی سب سے زیادہ غلیظ کوٹھڑی میں بند کروا سکتی ہے.... جب یوکلس پیدا ہُوا تھا تو لیزا نے مجھے کہا تھا کہ اب تو وہ انتھونیسؔ سے دور رہ ہی نہیں سکتی کیونکہ اس نے انتھونیسؔ کا بیٹا پیدا کیا ہے۔ وہ بتاتی تھی کہ آپ نے اسے جوانی میں ہی حرم میں پھینک دیا اور بھول گئے تھے کہ لیزا نام کی بھی آپ کی کوئی بیوی تھی۔ لیزا نے میرے خاوند کو اپنے جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ ان کے یہ تعلقات ابھی تک چل رہے تھے"۔

انتھونیسؔ کی بیوی کو شاید یہ توقع ہو گی کہ ہرقل اس پر برس پڑے گا اور اسے دھکے دے کر محل سے نکال دے گا لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ ہرقل پر خاموشی طاری ہو گئی اور وہ کچھ دیر اس عورت کو دیکھتا رہا۔ اسے یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ بادشاہوں کے ہاں یہی

کچھ ہوتا ہے اور جن جواں سال عورتوں کو وہ حرم میں پھینک دیتے اور انہیں بھول جاتے ہیں' وہ اپنی تسکین کا کوئی نہ کوئی خفیہ انتظام کر لیتی ہیں۔ ہرقل کے لئے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا کہ وہ شدید ردِعمل کا اظہار کرتا۔ محل کی ایک عورت اگر کسی کے ساتھ بھاگی تھی تو ہرقل کی نگاہ میں یہ کوئی نقصان نہیں تھا۔ اُس وقت اُس کے دماغ پر اتنی بڑی شکست سوار تھی کہ شام جیسا بڑا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

"قسطنطین!" ـــ ہرقل نے کہا ـــ "اسے ابھی محل میں مہمان کے طور پر رکھو اور میں اس کی دوسری شادی کا انتظام کروا دوں گا۔ اُس وقت تک اس کی پوری دیکھ بھال ہوتی رہے اور یہ کسی چیز کی کمی محسوس نہ کرے"۔

○

انتھونیس' لیزا اور ان کا بیٹا یوکلس ایک اور دن کی مسافت طے کر کے رات گزارنے کے لئے ایک اور جگہ رک گئے تھے۔ یہ جگہ بھی سرسبز گھاس سے لدی ہوئی ٹیکریوں میں گھری ہوئی تھی۔ درختوں کی بہتات تھی اور قریب سے ایک شفاف پانی کی ندی گزرتی تھی۔ وہ کھانا کھا چکے تھے اور یوکلس نوجوانی کی بے فکری کی نیند سو گیا تھا۔ انتھونیس اور لیزا بھی اس کے پاس ہی لیٹے تھے لیکن دونوں اب اس کے پاس نہیں تھے۔

رات آدھی گزر گئی تھی اور وہ دونوں کچھ پرے ہٹ کر چھوٹی سی ٹیکری پر بیٹھے ایک دوسرے میں کھو گئے تھے۔ لیزا ایران کے حسن کا ایک نادر نمونہ یا شاہکار تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہرقل اس سے جلدی اکتا گیا اور اسے حرم میں پھینک دیا تھا لیکن ہرقل اب بھی اس کے سامنے اس طرح بات نہیں کر سکتا تھا جس طرح بادشاہ کیا کرتے تھے۔ ہرقل جیسا جابر اور ظالم بادشاہ لیزا کا سامنا کرنے سے گھبراتا تھا۔ پہلے یہ بات ہو چکی ہے کہ لیزا نے انتھونیس کو اپنی تسکین کا ذریعہ بنا لیا تھا لیکن یہ تعلقات ایسی محبت کی صورت اختیار کر گئے جو دلوں میں اُتر گئی تھی۔

اپنے بیٹے کو سوتا چھوڑ کر وہ الگ جا بیٹھے اور بیٹھے بھی اس طرح جیسے دونوں کے جسم ایک ہو گئے ہوں۔ لیزا کی عمر ابھی چالیس برس نہیں ہوئی تھی لیکن وہ ابھی تک نوجوان اور حسین تھی۔ انتھونیس اس سے پندرہ سولہ سال بڑا تھا لیکن اس نے اپنی جوانی کو برقرار رکھا ہُوا تھا۔

"کیا تمہیں اپنی بیوی اور بچے یاد نہیں آتے؟" ـــ لیزا نے انتھونیس سے پوچھا۔

"تم پاس ہوتی ہو تو مجھے خدا بھی یاد نہیں رہتا" ـــ انتھونیس نے جواب دیا ـــ "وہ تو ایک بیوی تھی جسے میں نے بیوی کے مقام پر ہی رکھا ہُوا تھا۔ دل میں ابھی کسی کی محبت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ میرا دل شاید تمہارا منتظر تھا اور تم آ گئیں"۔

"کیا تم مجھے شاہانہ زندگی دے سکو گے؟" ـــ لیزا نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں پوچھا اور کہا ـــ "تمہیں دِلی محبت کی ضرورت تھی اور میں نے تمہاری یہ جذباتی ضرورت پوری کر دی۔ اب میں تمہیں یاد دلا رہی ہوں کہ میں کسریٰ ایران کے شاہی خاندان سے آئی تھی اور ہرقل کے شاہی محل میں اس عمر تک پہنچی۔ ڈرتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یونہی جنگلوں میں بھٹکتے پھریں اور یہیں کہیں زندگی کا خاتمہ ہو جائے"۔

"میں جس بادشاہی کی بنیاد رکھنے جا رہا ہوں اس کی پہلی ملکہ عالیہ تم ہو گی" ـــ انتھونیس نے کہا۔

انتھونیس حیوانیت کے غلبے میں آ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایسے مخمور اور مدہوش ہو گئے جیسے انہیں احساس ہی نہ رہا ہو کہ وہ کسی شاہانہ کمرے میں نرم و گداز پلنگ پر ہیں یا جنگل کی ایک ٹیکری پر۔ لیزا ٹیکری کی سختی میں پلنگ کی نرمی اور ملائمت محسوس کر رہی تھی۔

چاند کچھ اوپر آ گیا تھا۔ نمناک جنگل کی چاندنی بڑی صاف اور شفاف تھی۔ وہ دونوں اٹھے۔ انتھونیس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اب سو جانا چاہئے کہ لیزا نے پیچھے دیکھا۔ وہ تو لرز اٹھی۔ یوکلس ننگی تلوار ہاتھ میں لئے بڑی تیزی سے ٹیکری چڑھتا آ رہا تھا۔

"میرے پیچھے ہو جاؤ انتھونی!" ـــ لیزا نے کہا اور یوکلس کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔

انتھونیس نے پیچھے دیکھا تو اسے یوکلس نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار اور اس کے اوپر آنے کی تیزی سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کیوں اور کس ارادے سے آیا ہے۔ لیزا کے کہنے کے مطابق وہ لیزا کے پیچھے ہو گیا۔

"تم اس شیطان کو مجھ سے نہیں بچا سکو گی ماں!" ـــ یوکلس نے قریب آ کر غضبناک لہجے میں کہا ـــ "ہٹ جاؤ آگے سے۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ یہ تمہیں دھوکے میں اپنے ساتھ اسی مقصد کے لئے لایا تھا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

"رک جاؤ یوکلس!" ـــ لیزا نے رعب دار آواز میں کہا ـــ "کیا تم اس شخص کو

قتل کرنا چاہتے ہو جو تمہیں قتل ہونے سے بچالایا ہے؟ تمہاری خاطر یہ اپنے بچوں کو چھوڑ آیا ہے"۔

یوکلس پھنکار رہا تھا اور ماں بازو پھیلائے اسے روک رہی تھی۔ اگر انتھونیس نہتّہ نہ ہوتا تو یوکلس کا مقابلہ کر کے اس پر قابو پالیتا۔

"اسے بتادو لیزا' میں کون ہوں" ـــــ انتھونیس نے کہا ـــــ "اسے حقیقت بتادو"۔

یوکلس انتھونیس کو للکار رہا تھا کہ وہ ایک عورت کو ڈھال نہ بنائے اور مردوں کی طرح سامنے آئے۔

"کیا تم اپنے باپ کو قتل کرو گے؟" ـــــ لیزا نے کہا۔

"ہاں .... آگے سے ہٹ جاؤ ماں!" ـــــ یوکلس نے غصے سے لرزتی آواز میں کہا ـــــ "اسے قتل کر کے میں واپس جاؤں گا اور اپنے باپ ہرقل کو بھی قتل کروں گا"۔

"ہرقل تمہارا باپ نہیں ہے" ـــــ لیزا نے کہا ـــــ "وہ میرا صرف خاوند تھا تمہارا باپ یہ ہے.... انتھونیس.... تم اس کے بیٹے ہو"۔

یوکلس کا جوش اور عتاب کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کی تلوار جھک گئی۔

"آؤ یوکلس!" ـــــ لیزا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے تلوار لے کر کہا ـــــ "میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ تم انتھونیس کے بیٹے ہو اور ہرقل اس حقیقت سے واقف نہیں۔ وہ تمہیں اپنا بیٹا سمجھتا ہے۔ ہم دونوں کسی وجہ سے ہی تمہیں اپنے ساتھ لائے ہیں"۔

انتھونیس اور لیزا نے یوکلس کو اپنے پاس بٹھالیا۔ لیزا نے یوکلس کو بتایا کہ اسے کسریٰ ایران نے کس طرح اور کس مقصد کے لئے ہرقل کے پاس ایک دھوکے کے ذریعے بھیجا تھا اور ہرقل نے اسے بیوی بنا کر اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ لیزا نے یوکلس کو یہ ساری بات ایسے جذباتی انداز میں سنائی کہ یوکلس پوری طرح متاثر ہو گیا۔ ان لوگوں کے ہاں اخلاق اور کردار نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ ان کا کلچر ہی کچھ ایسا تھا جس میں حلال اور حرام کا' حیا اور بے حیائی کا تصور کچھ اور تھا۔

"میں تمہیں شہزادہ بنا کر دم لوں گا" ـــــ انتھونیس نے یوکلس سے کہا ـــــ "ہرقل کو قتل نہیں کریں گے۔ اس کی بادشاہی پر قبضہ کر کے اسے بھکاری بنادیں گے اور وہ بازاروں میں بھیک مانگتا پھرے گا"۔

یوکلس نے اپنی ماں اور انتھونیس کو اس طرح دیکھ لیا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا' دونوں وہاں نہیں تھے۔ انہیں دیکھنے کے لئے وہ اٹھا۔ ایک طرف ٹیکری پر وہ اسے نظر آ گئے۔ چاند ان کی دوسری طرف سے اوپر آ رہا تھا۔ یوکلس کو وہ اس طرح دکھائی دیئے جیسے دو سائے ہوں۔ وہ دونوں ایسی حالت میں تھے کہ قریب جا کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یوکلس نے تلوار نکالی اور ان کی طرف غیظ و غضب سے چل پڑا۔ یہ تو وہ جانتا ہی تھا کہ اس کی ماں کس قدر خوبصورت عورت ہے۔ یہی ایک خیال اس کے ذہن میں اٹک گیا کہ انتھونیس اس کی ماں کو ورغلا کر لایا ہے اور اب ماں سے خراج وصول کر رہا ہے۔ وہ اپنی ماں کو انتھونیس کے ہاتھوں میں مجبور سمجھ رہا تھا۔

"آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟" ـــــ یوکلس نے پوچھا۔

"ایک ہی دن کی مسافت رہ گئی ہے" ـــــ انتھونیس نے جواب دیا ـــــ "کل رات ہم کسی جنگل یا صحرا میں نہیں ہوں گے بلکہ کسی قبائلی سردار کے ہاں آرام دہ بستروں میں سوئے ہوئے ہوں گے"۔



انتھونیس کی سوچ اور اس کے ارادے بے بنیاد ہو سکتے تھے اور یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ وہ بیداری میں خواب دیکھ رہا ہے لیکن اُس نے اپنی منزل کا تعین کر لیا تھا۔ کامیابی اور ناکامی تو بعد کے نتائج تھے' اس کے ذہن میں ایسی کوئی الجھن اور کوئی شک نہیں تھا کہ وہ غلط راستے پر جا رہا ہے۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک پلان تیار کر لیا تھا اور یہ بھی طے کر لیا تھا کہ وہ کس قبیلے کے سردار سے ملے گا۔

اس کے مقابلے میں یُوقنّاس بھی بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کر تو لیا تھا کہ اپنی فوج میں واپس نہیں جائے گا تاکہ ہرقل سے سامنا نہ ہو لیکن چلتے چلتے وہ اس فیصلے سے یوں ہٹ جاتا جیسے اس کا پاؤں پھسل گیا ہو اور وہ گر پڑا ہو۔ اس کا ذہن چلتا تھا' پھسلتا تھا اور گر گر کر اٹھتا اور پھر چلتا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس پر جرم کا بوجھ سوار تھا۔ راستے میں ایک رات آئی اور وہ ایک جگہ سو گیا اور اگلے روز پھر چل پڑا۔

وہ بار بار تحفے میں ملی ہوئی صلیب اور سونے کے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا تھا جیسے یہ بُت اس کی راہنمائی کرے گا لیکن صلیب کے ساتھ چپکا ہُوا یہ بت اس کے کسی کام نہ آ سکا۔ سوچ سوچ کر اسے ایک ہی پناہ نظر آئی اور یہ پناہ اسے کسی عیسائی قبیلے کے ہاں ہی

مل سکتی تھی۔ وہ جب حمص میں مسلمانوں کی نظربندی میں تھا تو شارینا اسے ملنے جاتی اور روز بروز کی خبریں سناتی رہتی تھی۔ شارینا نے اسے سنایا تھا کہ الجزیرہ کے جو عیسائی قبائل ہرقل کی مدد کو گئے تھے وہ سب بددل ہو کر واپس چلے گئے ہیں۔

یہ سوچ کر روتاس پھر الجھن میں مبتلا ہو جاتا کہ ان قبائلیوں نے اسے قبول نہ کیا اور پناہ نہ دی تو پھر وہ کیا کرے گا۔

ایک بار تو اس نے فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ وہ اپنی فوج میں چلا جائے۔ اس نے گھوڑا روک لیا تھا لیکن گھوڑے کا رخ موڑا تو اسے یوں محسوس ہُوا جیسے ہرقل اس کے سامنے کھڑا ہو اور اس سے پوچھ رہا ہو کہ تم کہاں جا چھپے تھے.... روتاس یہ تو سمجھ ہی سکتا تھا کہ ہرقل شکست کے بعد کس مزاجی کیفیت میں ہو گا۔ وہ تو ذرا سے شک پر بھی حکم دیتا ہو گا کہ اس شخص کو جلاّد کے حوالے کر دو' یہ دانستہ لڑائی سے بھاگا تھا۔ روتاس اسی عمر میں جلاّد کے ہاتھوں مرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے گھوڑے کا رُخ پھر اُدھر ہی کر دیا جدھر وہ جا رہا تھا۔

دن کا پچھلا پہر تھا جب اسے ایک بڑی خوبصورت اور سرسبز جگہ نظر آئی۔ وہاں چھوٹا سا ایک چشمہ بھی تھا۔ درخت اتنے گھنے اور قریب قریب تھے کہ ان کی ٹھنڈی چھاؤں کو دیکھ کر سو جانے کو جی چاہتا تھا۔ روتاس کی تو کوئی منزل ہی نہیں تھی۔ اتنی روح افزا جگہ دیکھ کر وہ گھوڑے سے اترا اور گھاس پر لیٹ گیا فوراً" ہی وہ گہری نیند سو گیا۔

آنکھ کھلی تو رات گہری ہو چکی تھی اور چاند افق سے اُوپر اٹھتا آ رہا تھا۔ روتاس نے سوچا کہ وہ بہت سو چکا ہے اور رات خاصی ٹھنڈی ہے' وہ چل ہی پڑے تو اچھا ہے۔ صبح تک وہ دُور نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور اُس منزل کو چل پڑا جس کو وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو کہاں ہے۔

وہ چلتا گیا اور چاند اوپر اٹھتا آیا۔

انتھونیس اور لیزا یوکلس کو اُس جگہ لے گئے جہاں انہوں نے سونے کے لئے کمبل بچھائے تھے۔ یوکلس مطمئن ہو گیا تھا۔ ماں نے اس کے ساتھ اتنا پیار کیا کہ وہ اپنے آپ کو چھوٹا سا بچہ سمجھنے لگا۔ تینوں لیٹ گئے۔

انہیں ایک گھوڑے کے قدموں کی ہلکی ہلکی دھمک سنائی دینے لگی۔ وہ چوکس ہو گئے۔ قدموں کی یہ آہٹ بلند ہونے لگی اور اب کسی کے گانے کی آواز سنائی دی۔ گانا

رومی زبان کا تھا۔ لیزا سرگوشی میں بولی کہ کوئی تعاقب میں آ رہا ہے۔ انتھونیس نے کہا کہ یہ ایک ہی گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ تعاقب ہوتا تو کئی ایک گھوڑے ہوتے۔ یہ کوئی مسافر لگتا ہے یا ہو سکتا ہے لڑائی سے بھاگا ہُوا ہو۔

"تم یہیں بیٹھی رہو لیزا!" ___ انتھونیس نے کہا ___ "میں اور یوکلس چھُپ جائیں گے اور دیکھیں گے یہ کون ہے۔ خطرے والا معاملہ ہُوا تو ہم دونوں پیچھے سے حملہ کریں گے"۔

انتھونیس اور یوکلس بڑی تیزی سے وہاں سے چلے گئے اور ایک پرانے درخت کے تنے کے پیچھے چھُپ گئے۔ انہوں نے گھوڑے ٹیکری کے دوسری طرف باندھے تھے۔

آنے والا سوار کسی اور طرف سے آ رہا تھا۔ وہ اس جگہ کے قریب سے گزرا تو اس کی نظر لیزا پر پڑی جو پیٹھ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے گھوڑا روک لیا اور کود کر گھوڑے سے اترا۔ گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور آہستہ آہستہ لیزا کی طرف گیا۔

ابھی اسے یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ یہ عورت ہے۔ یہ پہلا انسان تھا جو اسے اس سفر میں نظر آیا۔ قریب گیا تو اسے پتہ چلا کہ یہ تو عورت ہے۔ کھڑے کھڑے ذرا اس پر جُھکا تو لیزا اٹھ بیٹھی اور پھر کھڑی ہو گئی۔ سوار کا دل یکلخت ایک خوف کی گرفت میں آ گیا۔ اس نے اس عورت کو پہچان لیا تھا۔ ہرقل کی بیویاں اور داشتائیں ہر طرف گھومتی پھرتی رہتی تھیں اس لئے ہر کوئی انہیں جانتا پہچانتا تھا۔ ایسی ہر عورت خواہ وہ ہرقل کی بیوی تھی یا داشتہ' ملکہ کہلاتی تھی۔

"آپ؟.... ملکہ لیزا؟" ___ سوار نے حیرت زدگی کے لہجے میں پوچھا ___ "آپ یہاں؟.... کیا شاہ ہرقل بھی یہیں کہیں قریب ہی ہیں؟"

"تم کون ہو؟" ___ لیزا نے ایسے رعب سے پوچھا جیسے وہ واقعی ملکہ ہو ___ "کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

سوار کے لئے یہ بات حیرت ناک تھی کہ شاہ ہرقل کی بیوی اس جنگل میں اکیلی پڑی تھی۔ اسے یقین ہونے لگا کہ یہ بدرُوح ہے یا جنّات جیسی مخلوق میں سے ہے اور اس نے ملکہ لیزا کا روپ دھار رکھا ہے۔ اس کا خوف اور زیادہ بڑھ گیا۔

"نہیں.... نہیں!" ___ اس نے ہکلاتی ہوئی زبان سے کہا ___ "آپ زندہ انسان نہیں ہو سکتیں۔ آپ کو شاہ ہرقل کے ساتھ ارضِ روم میں ہونا چاہئے تھا.... آپ کس

کی روح ہیں؟.... مجھے معاف کر دینا' میں آپ کے آرام میں مخل ہُوا ہوں"۔

وہ وہاں سے الٹے قدم چلنے لگا۔ خوف کے مارے وہ لیزا کی طرف پیٹھ نہیں کر رہا تھا۔

"ٹھہرو!" ـــ لیزا نے اپنی آواز بدل کر بڑے ہی رعب سے کہا ـــ "میرے قریب آؤ.... اپنا نام بتاؤ۔ تم روم کی فوج کے آدمی ہو"۔

"میرا نام روتاس ہے" ـــ سوار نے لیزا کے قریب ہوتے ہوئے کہا ـــ "میں رومی فوج کا افسر ہوں۔ مسلمانوں نے مجھے قید کر لیا تھا۔ میں فرار ہو آیا ہوں.... کیا میں جا سکتا ہوں؟"

انتھونیس اور یوکلس درخت کے پیچھے سے ہٹے اور دبے پاؤں روتاس کی طرف بڑھنے لگے۔ اس طرف روتاس کی پیٹھ تھی۔ دونوں کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ وہ جب روتاس کے بالکل قریب پہنچ گئے تو روتاس نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے۔ اس نے گھوم کر دیکھا اور بدک کر ایک طرف ہو گیا۔ اس نے یقیناً" اپنے جرنیل انتھونیس اور ہرقل کے بیٹے یوکلس کو پہچان لیا تھا۔

"میں یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں؟" ـــ روتاس نے حیرت زدگی کی حالت میں پوچھا ـــ "آپ سب یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"روتاس!" ـــ انتھونیس نے تلوار کی نوک اس کے دل کے مقام پر رکھ کر کہا ـــ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نہیں جانتا کہ تم ہرقل کی جاسوسی کے محکمے کے افسر ہو؟ کیا تم اس سے انکار کر سکو گے کہ تم ہمارے پیچھے آئے ہو؟"

"آپ کیسے جرنیل ہیں!" ـــ روتاس نے کہا ـــ "آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں تین چار مہینوں سے فوج سے غیر حاضر ہوں.... میں ہرقل کی طرف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی قید سے فرار ہو کر آیا ہوں"۔

اُس نے یوں جھُوٹ بولا کہ وہ جاسوسی کے لئے حمص تک چلا گیا تھا' اس کے ساتھ اس کے محکمے کے دو تجربہ کار آدمی تھے لیکن پکڑا گیا' اس کے دونوں آدمی مارے گئے اور وہ اب موقع دیکھ کر فرار ہو آیا ہے۔

"پھر اس طرف کیا لینے آئے ہو؟" ـــ یوکلس نے پوچھا اور کہا ـــ "ہرقل اور اس کی فوج اس طرف تو نہیں آئی"۔

"اس کا چہرہ اور اس کا لباس دیکھو" ـــ لیزا نے کہا ـــ "اگر یہ تین چار مہینے دشمن کی قید میں رہا ہوتا تو اس کا چہرہ اتنا تر و تازہ اور صحت مند نہ ہوتا اور اس کے کپڑے پھٹے پرانے اور غلیظ ہوتے.... یہ ہمیں دھوکہ دے رہا ہے"۔

"آپ یقین کریں" ـــ روتاس نے کہا ـــ "مسلمان قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے مجھے مہمان رکھا تھا"۔

انتھونیس نے اپنی تلوار کی نوک اس کے دل سے ہٹالی اور بائیں ہاتھ سے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا پھر اس کے کمر بند کو دیکھا جس کے ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔ مسلمانوں نے اسے باعزت طور پر رہا کرتے ہوئے تلوار بھی اسے دے دی تھی۔

انتھونیس نے اس کے کمر بند کے چاروں طرف ہاتھ پھیرا کہ اس کے پاس خنجر بھی ہو گا۔ خنجر تو نہیں تھا' کوئی اور چیز اس کے ہاتھ کو لگی تو اس نے یہ چیز کھینچ لی۔ چاندنی میں اس چمکتی ہوئی چیز کو دیکھا تو اس نے یہ چیز لیزا کی طرف بڑھائی۔

"یہ صلیب اس کے جھوٹ کو ثابت کرتی ہے" ـــ انتھونیس نے کہا ـــ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کس کی ہے"۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ تک یہ صلیب مالِ غنیمت میں پہنچی تھی۔ یہ کسی رومی افسر کے پاس تھی جو مارا گیا تھا۔ انتھونیس نے اس افسر کا نام لے کر لیزا اور یوکلس کو بتایا کہ یہ ہر وقت اُس کے پاس رہتی تھی۔

"اب سوچو" ـــ انتھونیس نے کہا ـــ "اگر یہ شخص مسلمانوں کی قید میں رہا ہوتا تو کیا وہ اتنا وزنی سونا اس کے پاس رہنے دیتے؟ ـــ انتھونیس نے روتاس سے کہا ـــ "تم سچ کیوں نہیں بولتے؟"

انتھونیس نے اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس کے کمر بند سے تلوار کھینچ لی اور ایک بار پھر کہا کہ وہ سچ بول دے ورنہ اس کی لاش یہیں پڑی رہ جائے گی اور اسے جنگل کے درندے کھائیں گے۔

"میں پناہ ڈھونڈتا پھر رہا ہوں" ـــ روتاس سچ بولنے پر آ گیا ـــ "میں جانتا ہوں ہرقل پسپا ہو کر کس طرف گیا ہے۔ میں اُدھر نہیں جاؤں گا مگر یہ بھی معلوم نہیں کہ میں جاؤں گا کہاں۔ میں جاسوسی کے لئے گیا تھا لیکن اپنے سینے میں جو راز تھے وہ مسلمانوں نے نکلوا لئے"۔

روتاس نے بالکل صحیح اور سچ سارا واقعہ سنادیا کہ وہ کس طرح پکڑا گیا اور مسلمانوں کی قید میں جا پہنچا تھا۔

"میں ہرقل کی ایک بیٹی کے دھوکے میں آگیا تھا" ـــــ روتاس نے کہا ـــــ "آپ شارینا کو بھولے نہیں ہوں گے۔ وہ وہاں موجود تھی اور اس نے مجھے قید خانے سے بچا کر ایک نہایت اچھے کمرے میں رکھوایا تھا۔ اس نے میرے ساتھ ایسی پیار و محبت کی باتیں کیں اور کہا کہ وہ واپس جانا چاہتی ہے کہ میں اس کے دھوکے میں آگیا اور اپنی فوج کی کمزوریاں وغیرہ اسے بتا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں نے میری بتائی ہوئی باتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ صلیب اسی کا انعام ہے جو ان کے سپہ سالار نے مجھے دیا ہے"۔

انطونیس اور لیزا نے اس کی باتوں کو سچ مان لیا پھر بھی انطونیس نے اسے کہا کہ جہاں کہیں اس نے دھوکہ دیا' اسے وہاں قتل کر دیا جائے گا۔ اب روتاس نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ انطونیس نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا۔

"مجھے آپ ایک وفادار ساتھی پائیں گے" ـــــ روتاس نے کہا ـــــ "میں تو بھٹکا ہوا مسافر تھا' آپ نے مجھے منزل دکھا دی ہے۔ ان قبائلی سرداروں کو میں آپ سے بھی زیادہ بہتر جانتا ہوں"۔

رات بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ وہ ذرا سا سوئے اور پو پھٹنے سے پہلے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

○

عراق اور شام کے درمیان وسیع و عریض الجزیرہ کے علاقوں میں عیسائی قبائل کی سرکوبی کی جا رہی تھی۔ ان میں ایک دلچسپ صورتِ حال بنو تغلب نے پیدا کر دی تھی۔ بنو تغلب کا علاقہ شام عراق سرحد اور دریائے فرات کے درمیان تھا۔ کچھ علاقہ شام میں بھی تھا۔ یہ صحرائی علاقہ تھا۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے بنو تغلب کی سرکوبی کی ذمہ داری ایک سالار ولید بن عقبہ کو سونپی تھی۔ بنو تغلب کئی ایک بستیوں میں آباد تھے جن میں دو یا تین بڑی بستیاں قلعہ بند تھیں۔ سالار ولید بن عقبہ کو ان بستیوں پر قبضہ کرنے کے لئے کئی دشواریاں پیش آئیں جن میں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ بنو تغلب کے لوگ صحیح معنوں میں جنگجو تھے۔ وہ عربی نسل کے لوگ تھے۔ مجاہدین کے جس لشکر

نے پہلے مثنیٰ بن حارثہ اور اس کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں کسریٰ ایران کی طاقتور فوج کو ہر میدان میں شکست دی اس لشکر میں بنو تغلب کے عیسائی بھی شامل تھے اور ان میں سے بعض نے شجاعت کے بڑے ہی حیران کن کارنامے کر دکھائے تھے۔

اب بنو تغلب نے ہرقل کی شہہ پر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ عراق پر بھی مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا تھا اور شام پر بھی بنو تغلب نے مسلمانوں کے اس قبضے کے خلاف سرکشی شروع کر دی تھی۔

مجاہدین کا لشکر سالار ولید بن عقبہ کی قیادت میں وہاں پہنچا تو اس قبیلے کے لوگوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن کسی بھی جگہ قدم جما نہ سکے۔ مجاہدین کو ایک سہولت یہ حاصل ہو گئی تھی کہ انہیں رومیوں اور ایرانیوں کے بے انداز گھوڑے مل گئے تھے۔ اس طرح مجاہدین کی اکثریت گھوڑ سوار تھی۔ مجاہدین کو ایک اور فائدہ حاصل ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہرقل کو شکست دی تھی جو اُس دَور میں ایک عجیب بات سمجھی جاتی تھی کیونکہ ہرقل کی جنگی طاقت ایک دہشت کا نام تھا۔ مجاہدین نے اس طاقت کو ملک شام کے جنگلوں اور صحراؤں میں بکھیر ڈالا تھا۔ اس طرح مجاہدین کی دھاک ہر طرف بیٹھ گئی تھی۔

الجزیرہ کے عیسائی قبائل لڑنے کے لئے میدان میں آتو جاتے تھے لیکن زیادہ وقت نہیں گزرتا تھا کہ وہ گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ بنو تغلب نے بھی ایسی ہی لڑائی لڑی۔ تین چار معرکوں میں انہیں منہ کی کھانی پڑی تو ان کے سردار صلح کا معاہدہ کرنے آگئے اور انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔

سالار ولید بن عقبہ نے بنو تغلب کے سرداروں سے کہا کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ بنو تغلب ان قبائل میں زیادہ جنگجو اور باوقار قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ اس قبیلے کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے کہا کہ انہیں اسلام قبول کرنا ہی پڑے گا ورنہ ان پر ایسی سختیاں عائد کر دی جائیں گی جو وہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ سرداروں نے متفقہ طور پر کہا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ جو فیصلہ کریں گے وہ اس فیصلے کو قبول کر لیں گے۔

سالار ولید بن عقبہ نے اُسی روز امیرالمومنین کو پیغام بھیج دیا جس میں لکھا کہ انہوں نے بنو تغلب سے اسلام قبول کرنے کو کہا تھا جس سے انہوں نے انکار کر دیا ہے اور وہ فیصلہ امیرالمومنین پر چھوڑتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی دوراندیشی اور تدبّر کی تعریف تو غیر مسلم مؤرخوں نے بھی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب بھیجا کہ بنو تغلب کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور فیصلہ ان پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا کہ بنو تغلب کے سرداروں سے کہہ دیا جائے کہ ان کے قبیلے میں سے کوئی بھی اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنا چاہے تو قبیلے کے لوگ اسے روکیں گے نہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ سالار ولید بن عقبہ نے بنو تغلب کے سرداروں وغیرہ کو سنایا تو اس فیصلے سے ہی متاثر ہو کر متعدد عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے پیغام میں یہ بھی لکھا تھا کہ بنو تغلب سے جزیہ وصول کر کے انہیں ذمی قرار دے دیا جائے۔ بنو تغلب کے سرداروں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ ذمی نہیں کہلائیں گے۔

"اے بنو تغلب!" — ولید بن عقبہ نے کہا — "ہم تمہارے لئے اپنا قانون اور دستور بدل نہیں سکتے۔ میں اب یوں نہیں ہونے دوں گا کہ تمہاری ہر ضد مدینہ امیرالمومنین کے پاس بھیجوں اور وہاں سے فیصلہ لوں۔ جزیہ تو ہم کبھی معاف نہیں کریں گے"۔

"ہم رقم دینے سے انکار نہیں کر رہے" — ایک سردار نے کہا — "آپ جزیے سے دگنی رقم ہم سے لیں لیکن ہمیں ذمی نہ کہیں اور اس رقم کو جزیہ نہ کہیں"۔

آخر طے پایا کہ بنو تغلب کے سرداروں کا ایک وفد امیرالمومنین کے پاس مدینہ جائے گا اور ان کے آگے مطلوبہ رقم بھی رکھ دے گا اور اپنا مطالبہ بھی۔

اُسی روز ان کا ایک وفد مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ اس وفد میں بنو تغلب کے نو مسلم بھی تھے۔ سالار ولید بن عقبہ نے اپنا ایک نمائندہ ساتھ بھیج دیا تھا۔ مدینہ پہنچ کر یہ وفد حضرت عمرؓ کے حضور پہنچا اور یہی اصرار پیش کیا کہ وہ جزیہ دیں گے اور رقم جس قدر بھی ان سے طلب کی جائے گی وہ "فوراً" ادا کر دیں گے۔

"ہم نے جو جزیہ مقرر کیا ہے اس سے زیادہ نہیں لیں گے" — حضرت عمرؓ نے کہا — "اور اسے ہم جزیہ کہیں گے"۔

"لیکن ہم اسے صدقہ کہنا چاہتے ہیں" — بنو تغلب کے ایک معمر سردار نے کہا۔

"تم اسے کوئی بھی نام دے دو" — حضرت عمرؓ نے کہا — "ہمارے دستور کے مطابق اسے جزیہ کہا جاتا ہے.... میں حیران ہوں کہ تم لوگ کیسی بے معنی بات پر اڑے ہوئے ہو"۔

"امیرالمومنین!" — معمر سردار نے کہا — "ہم آپ کو امیرالمومنین تسلیم کرتے ہیں اور ساتھ یہ درخواست بھی کرتے ہیں کہ ہماری عزت اور قومی وقار کو برقرار رہنے دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ بنو تغلب کا کتنا اونچا نام ہے۔ جزیے کو بے عزتی اور ذلت سمجھا جاتا ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ ہمارے قبیلے کے آدمی آپ کے لشکر میں شامل ہو کر کسریٰ ایران کی فوج کے خلاف لڑے تھے۔ اب بھی ہم آپ کی لڑائیاں لڑیں گے، ہم نے آپ کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ہم سے رقم لے لیں، ہماری عزت اور ہماری روایت کو تباہ نہ کریں"۔

حضرت عمرؓ جزیے کو جزیہ ہی کہنے پر قائم رہے۔ کچھ بدمزگی سی پیدا ہونے لگی تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو ایک سالار سعد بن مالک کا واقعہ یاد دلایا جس نے ایک علاقہ فتح کر کے وہاں کے لوگوں سے جزیہ لینے کی بجائے دگنا صدقہ قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ بلاوجہ اپنی بات پر اڑا نہیں کرتے تھے۔ انہیں وہ واقعہ یاد آ گیا اور (مؤرخ لکھتے ہیں کہ) حضرت عمرؓ کو یہ خیال بھی آ گیا کہ یہ قبیلہ ایک جنگی طاقت ہے جو اپنے کام آ سکتا ہے۔ آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جزیے کی بجائے صدقہ قبول کر لیا جائے لیکن رقم دگنی ہو گی۔ بنو تغلب کے سرداروں نے یہ فیصلہ بخوشی قبول کر لیا اور رقم ادا کر دی۔

اس طرح ایک طاقتور قبیلہ بھی مسلمانوں کے زیر اطاعت آ گیا اور اس قبیلے کے لوگوں نے آہستہ آہستہ اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔



انتھونیس، روتاس، لیزا اور یوکلس حلب کے قریب ایک بستی میں پہنچ گئے۔ یہ جنگل میں چند ایک گھروں کی بستی تھی اور یہ بنو ربیعہ کے لوگ تھے۔ انہوں نے انتھونیس اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا تو سب گھروں سے باہر آ گئے وہ جان گئے ہوں گے کہ یہ رومی ہیں۔ رومیوں کے متعلق ان لوگوں کی رائے اچھی نہیں رہی تھی۔

انتھونیس اور روتاس خاصا لمبا عرصہ الجزیرہ کے علاقے میں رہے تھے اس لئے انہوں نے ان کی زبان سیکھ لی تھی۔ انہوں نے بستی والوں سے کہا کہ وہ کسی بڑے آدمی

یعنی بزرگ سے ملنا چاہتے ہیں۔ لوگ انہیں ایک گھر میں لے گئے۔ یہاں ایک ضعیف العمر آدمی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں عزت و احترام سے بٹھایا۔ یہ بوڑھا کوئی عام سا اور غریب سا آدمی نہیں لگتا تھا۔ اس کے بولنے کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ صاحبِ حیثیت ہے۔

"تم رومی ہو" — بوڑھے نے کہا — "ہمارے دلوں میں اب رومیوں کی وہ عزت نہیں رہی جو ان کی شکست سے پہلے ہُوا کرتی تھی لیکن تم ہمارے مہمان ہو۔ دل سے تمہاری عزت کریں گے.... کیا تم لوگ کہیں جا رہے ہو؟ کیا تمہیں ہماری کسی بھی قسم کی مدد درکار ہے؟ راستہ بھول گئے ہو تو ہم راستے پر ڈال دیں گے"۔

"قابلِ احترام بزرگ!" — انتھونیئس نے کہا — "ہم راستہ نہیں بھولے۔ ہم ایک نیا راستہ بنانے آئے ہیں اور ہمیں آپ کی اور آپ کے قبیلے کی مدد درکار ہے"۔

"کہو" — بوڑھے نے پوچھا — "کیسی مدد چاہیئے؟ ہم تمہیں مایوس نہیں کریں گے"۔

"ہمیں اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہیں چاہیئے" — انتھونیس نے کہا — "ہم آپ کی قوم کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں اور کچھ اپنے لئے بھی۔ ہرقل بھاگ گیا ہے۔ اس کی فوج مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئی ہے اور جو بچ گئی تھی وہ ایسی بکھر کر بھاگی ہے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو گیا ہے۔ میں رومی فوج کا جرنیل ہوں۔ اسے بھی جرنیل سمجھیں۔ یہ عورت اور یہ لڑکا کون ہیں' یہ بعد میں بتائیں گے۔ ابھی ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں رومی نہ سمجھیں' اپنا ہم مذہب بھائی سمجھیں۔ ہرقل پہلے بادشاہ ہے اس کے بعد عیسائی اور وہ بھی برائے نام۔ ہم پہلے عیسائی ہیں اس کے بعد رومی"۔

انتھونیس نے وہ صلیب اس بوڑھے کو دکھائی جو روتاس کو ابو عبیدہؓ نے تحفے کے طور پر دی تھی۔

"ہم اس کی سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں جو صلیب کے ساتھ لٹکا ہُوا ہے" — انتھونیس نے کہا — "یہ روم اور ایران جیسی بادشاہی نہیں ہو گی' یہ یسوع مسیح کی سلطنت ہو گی۔ اگر الجزیرہ کے تمام عیسائی قبائل اکٹھے ہو جائیں تو میں اور میرا یہ ساتھی انہیں ایک ایسی زبردست فوج میں منظم کر دیں گے کہ تھوڑے سے عرصے میں مسلمانوں کو شام سے دھکیل باہر کریں گے"۔

بوڑھے کے مرجھائے ہوئے چہرے پر رونق اور ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ یہاں سے وہ بات چلی جس بات پر انتھونیئس قبائل کے سرداروں کو لانا چاہتا تھا۔ بوڑھا جب بولا تو معلوم ہُوا کہ وہ انتھونیئس کا ہم خیال ہے اور ایسے ہی ارادے اس کے سینے میں بھی تڑپ رہے ہیں۔

"کبھی ہم ایرانیوں کے غلام ہو جاتے ہیں" — بوڑھے نے کہا — "کبھی رومی آ کر ہمیں اپنی زر خرید رعایا بنا لیتے ہیں اور اب مسلمانوں نے ہمیں تہ تیغ کر لیا ہے۔ مجھے اپنے اس تمام علاقے کی خبریں مل رہی ہیں۔ ہمارے قبائل نے بغاوت تو کر دی ہے لیکن الگ الگ ہو کر۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قبیلے کچھ لڑ کر اور "فوراً" ہی ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بنو تغلب جیسے طاقتور قبیلے نے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ صرف حلب رہ گیا ہے جہاں ابھی کچھ نہیں ہُوا۔ میری نظر اس قلعہ بند شہر پر ہے۔ دو طاقتور قبیلے ابھی بچے ہوئے ہیں۔ ایک ہے بنی ربیعہ اور دوسرا ہے بنی تنوخ۔ اگر ہم حلب میں جم گئے اور مسلمانوں کو ناکام کر دیا تو تمام قبائل کی حوصلہ افزائی ہو گی اور وہ ہمارے پرچم تلے متحد ہو جائیں گے"۔

"کیا آپ ان قبیلوں کے سرداروں کو یہاں بلوا سکتے ہیں؟" — انتھونیس نے کہا — "ہم ابھی سامنے نہیں آنا چاہتے۔ خطرہ ہے کہ ہرقل کے مخبر اور جاسوس ہمیں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے"۔

"تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں" — بوڑھے نے کہا — "جب تک تم ہمارے پاس ہو' تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ کسی بھی سردار کو یہاں بلانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہیں حلب میں پہنچا دیں گے اور سردار تمہارے پاس آ جائیں گے۔ ہم تمہیں اپنا لباس دیں گے اور غریب سے کسانوں اور مزدوروں کے بہروپ میں حلب میں داخل کریں گے"۔

تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ حلب جیسے بڑے اور قلعہ بند شہر مسلمانوں نے کیوں اتنا نظرانداز کر رکھا تھا کہ وہاں مجاہدین کی نفری آباد کے لحاظ سے بہت تھوڑی تھی اور یہ چند ایک مجاہدین جزیہ اور محصولات وصول کر اور انتظامیہ کا کاروبار چلانے میں مصروف رہتے تھے۔ حلب کی آبادی بڑھتی جا رہی تھ جس کی وجہ یہ تھی کہ الجزیرہ کے علاقوں سے بھاگے ہوئے عیسائی قبائل حلب میں جا کر پناہ لیتے تھے۔ مختلف قبیلوں کے کئی ایک سردار بھی وہاں جا پہنچے تھے یا وقتاً" فوقتاً" وہاں جاتے رہتے تھے۔ حلب میں ابھی بغاوت اور سرکشی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

انتونیس' روتاس' لیزا اور یوکلس جب حلب میں داخل ہوئے تو کسی نے انہیں اچھی طرح دیکھا بھی نہیں۔ کسی کو دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ اس قسم کے خانماں برباد پناہ گزین تو حلب میں آ ہی رہے تھے۔ انتونیس اور اس کے ساتھیوں کو بھی ایسے ہی پریشان حال پناہ گزین سمجھا گیا۔ ان کے ساتھ بوڑھے کے بھیجے ہوئے دو خاص آدمی تھے جو انہیں ایک سردار کے گھر میں لے گئے۔

حلب میں جا کر پتہ چلا کہ جس بزرگ کے پاس یہ لوگ گئے تھے' وہ کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں بلکہ ان قبائل کا دانشور تھا جسے سردار بھی پیر و مُرشد کا درجہ دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انتونیس جن سرداروں کے پاس گیا انہوں نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی بہت ہی عزت اور پذیرائی کی۔

انتونیس نے ان سرداروں کے ساتھ بات کی تو انہوں نے تین چار اور سرداروں کو بلا لیا جو حلب میں ہی موجود تھے۔ انتونیس نے اپنا مدعا اور عزم بیان کیا تو اس نے

سرداروں کو پہلے ہی تیار پایا۔ اب یہ پلان بنانا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی کی ابتدا کس طرح کی جائے۔ کچھ دیر بات چیت اور بحث و مباحثہ ہُوا اور ایک لائحۂ عمل تیار ہو گیا۔

اس کے مطابق سرداروں نے اپنے خاص آدمی بلائے اور انہیں کچھ ہدایات دے کر دوڑا دیا.... دو ہی دنوں بعد قلعہ حلب میں آنے والے پناہ گزین قبائلیوں کی تعداد بڑھنے لگی اور بڑھتی ہی چلی گئی۔ جو مسلمان مجاہدین شہر میں موجود تھے' انہوں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ ان پناہ گزینوں کے ساتھ ہتھیار بھی آ رہے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں زیادہ تر برچھیاں تھیں اور اس سے زیادہ کمانیں اور تیروں سے بھری ہوئی ترکشیں تھیں۔ بعض ہتھیار تو کھلم کھلا آئے تھے اور زیادہ تر ہتھیار چھپا کر لائے جا رہے تھے۔

رومی اس شہر سے بھاگ گئے تھے۔ ان کے مکان اور فوجیوں کی بارکیں خالی پڑی تھیں۔ پناہ گزین ان میں آ کر قیام کرتے تھے اور ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ خیمے گاڑنے پڑے۔ انتونیس سرداروں کو فوجی اور جنگی نوعیت کی ہدایات دیتا تھا اور سردار یہ ہدایات اپنے خاص آدمیوں کو دیتے اور اس طرح تمام لوگوں تک یہ پہنچ جاتی تھیں اور لوگ اس کے مطابق تیاریاں کر رہے تھے۔

انتونیس اور اس کے کسی بھی ساتھی کو مسلمان تو پہچانتے ہی نہیں تھے۔ لیزا اور یوکلس تو شاہی خاندان کے افراد تھے۔ انہیں مسلمان پہچان ہی نہیں سکتے تھے۔ البتہ یوکلس کو تقریباً" تمام عیسائی سردار پہچانتے تھے اور یہ بھی ایک وجہ تھی کہ یہ سردار فوراً" انتونیس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ یوکلس نے ایک قبائلی لڑکی کو قسطنطین کی دست درازی سے اس طرح بچایا تھا کہ تلوار نکال لی تھی اور اگر محافظ دستے کا ایک افسر درمیان میں نہ آ جاتا تو ان دونوں بھائیوں میں سے کوئی ایک قتل ہو جاتا۔ پھر یوکلس لڑائی سے پہلے ان قبائلیوں کے لشکر میں گھومتا پھرتا رہا تھا اور سب کے دلوں میں اس واقعہ کی وجہ سے یوکلس کی عزت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ قبائلی یوکلس کو اپنی عزت و آبرو کا محافظ سمجھنے لگے تھے۔ قبائلیوں کا تیس ہزار کا لشکر بددل ہو کر ہرقل کا ساتھ چھوڑ آیا تھا جس کی اور وجوہات تو تھیں لیکن اس میں یوکلس کا عمل دخل بھی تھا۔ اب وہی یوکلس اپنے باپ کا ساتھ چھوڑ کر اور شاہی زندگی ترک کر کے ان کے پاس آ گیا تھا۔

○

لیزا تو رات کے وقت کبھی باہر نکلتی اور قلعے کی دیوار پر گھوم پھر لیتی تھی ' یوکلس نوجوان لڑکا تھا ' وہ ایک گھر میں قید رہ ہی نہیں سکتا تھا اور قید رہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اسے مجاہدین میں سے تو کوئی پہچانتا نہیں تھا۔ ایک روز وہ شہر سے نکلا اور ویسے ہی سیر سپاٹے کے لئے ایک طرف چل پڑا۔ اُس طرف سبزہ زیادہ تھا او۔ بڑے گھنے اور خوبصورت درخت تھے اور وہیں کہیں ایک چشمہ بھی تھا۔ کچھ کھیت بھی تھے۔ وہ اُس طرف جا رہا تھا کہ چار پانچ لڑکیاں کچھ دور سے ہنستی کھیلتی آ رہی تھیں۔ یوکلس کو دیکھ کر وہ رک گئیں۔ یوکلس نے ان کی طرف دیکھا۔ ایک لڑکی دوڑتی ہوئی یوکلس کے پاس آئی۔ یوکلس اسے ٹھیک طرح پہچان نہ سکا۔

"تم وہی ہو" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "میں تمہیں ساری عمر نہیں بھول سکتی۔ تم نے میری عزت بچائی تھی۔ تم نہ ہوتے تو....."

"وہ میرا فرض تھا" ــــ یوکلس نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ "مجھے تو تمہاری صورت ہی یاد نہیں رہی تھی"۔

وہ بڑی بھولی بھالی ' معصوم سی اور بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ ابھی تو وہ بمشکل نوجوان ہوئی تھی۔ جذبات کی شدت سے اس نے یوکلس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس نے محسوس کیا کہ یوکلس کا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے بہت ہی مختلف ہے۔ لڑکی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا کر چومے اور پھر بائیں ہاتھ کو غور سے دیکھا۔ یوکلس نے اسے بتایا کہ اس کا بایاں بازو پیدائشی طور پر بے کار اور سُوکھا ہُوا ہے۔ لڑکی کے چہرے پر اداسی آئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں تمہیں خوابوں میں دیکھتی رہی ہوں" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "جب یہ خیال آتا تھا کہ تمہیں ساری عمر نہیں دیکھ سکوں گی تو بہت دکھ ہوتا تھا۔ تم جیسے غیرت مند آدمی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز لگتے ہیں"۔

"وہ میرا بڑا بھائی تھا جسے میں قتل کرنے کو تیار ہو گیا تھا" ــــ یوکلس نے کہا ــــ "میرا ایک بازو نہیں ہے پھر بھی میں تلوار سے ' برچھی اور کلہاڑے سے دو تین آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں"۔

"سنا تھا تم بادشاہ کے بیٹے ہو" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "وہ بادشاہ تو بھاگ گیا ہے ' تم

یہاں کیوں آئے ہو؟"

"میں بادشاہی کو ٹھوکر مار کر آیا ہوں" ــــ یوکلس نے کہا ــــ "اُس روز تمہاری عزت بچائی تھی ' اب تمہارے قبیلے کی عزت بچانے آیا ہوں۔ اب یہیں رہوں گا"۔

لڑکی کے چہرے پر ایسا تاثر آ گیا تھا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ اس کے سامنے کھڑا ہے۔ دوسری لڑکیاں ذرا پرے کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ لڑکی نے انہیں ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ چلی جائیں۔ وہ سب قہقہے لگاتی چلی گئیں اور کچھ دیر بعد یوکلس اور لڑکی چشمے کے کنارے ایک پھول دار جھاڑی کے پاس اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ دونوں نے ایک دوسرے کو ایک ایک بازو کے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

اُس روز کے بعد لڑکی یوکلس سے کئی بار ملی۔ وہ ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی۔ رات کو بھی وہ یوکلس کے پاس آئی اور دونوں قلعے کی دیوار پر بیٹھے یا ٹہلتے رہے۔ وہ تو جیسے ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئے تھے۔ یوکلس نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ اب تو لڑکی نے اسے آسمان سے اُترا ہُوا فرشتہ سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

"میرا ایک وہم تم کس طرح ختم کر سکتے ہو!" ــــ لڑکی نے ایک روز یوکلس سے کہا ــــ "جو سلطنت یا بادشاہی تم قائم کرنے آئے ہو وہ ہو گئی تو تم پھر شہزادے بن جاؤ گے اور مجھے بھول جاؤ گے۔ تمہارے سامنے تو میری کوئی حیثیت ہی نہیں"۔

یوکلس نے اسے الفاظ میں نہیں ' اپنے ساتھ لگا کر عملاً یقین دلایا کہ وہ اسے کبھی نہیں بھولے گا اور کتنا ہی اونچا کیوں نہ چلا گیا اس کے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ یوکلس نے اپنے ایک ہی بازو میں لڑکی کو اتنی شدت سے بھینچا جیسے اس کی پسلیاں توڑ ڈالے گا۔

○

انطونیسؔ نے جنگ کی ابتدا کی جو رات مقرر کی تھی ' اُس رات قبائلیوں نے بغیر کسی دشواری کے اُن مجاہدین پر قابو پا لیا جو قلعے میں موجود تھے۔ وہ جہاں جہاں رہتے تھے وہاں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اس کام کے لئے جو قبائلی منتخب کئے گئے تھے ' وہ انطونیس اور روتاس کی ہدایات اور ریہرسل کے مطابق پہنچے اور ان مجاہدین کو مقابلے کی مہلت ہی نہ دی۔ ان سب کو ایک بڑے مضبوط دروازوں والے مکان میں بند کر دیا گیا۔

شہر کے صدر دروازے پر دو مجاہدین ڈیوٹی پر رہتے تھے۔ انہیں کسی طرح پتہ چل گیا کہ شہر میں بغاوت ہو گئی ہے اور ان کے ساتھی پکڑے گئے ہیں۔ یہ دونوں وہاں سے

نکلنے لگے تو ان پر چند ایک قبائلیوں نے حملہ کر دیا۔ دونوں نے جم کر مقابلہ کیا' زخمی ہوئے لیکن وہاں سے نکل آئے۔ وہاں سے تین میل دور ایک بستی تھی۔ وہاں پہنچے اور دو گھوڑے لے کر ان پر سوار ہوئے اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ تقریباً" بیس میل دور قنسرین کا شہر تھا۔ خالدؓ بن ولید اُس وقت قنسرین میں تھے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا اور خاصا وسیع و عریض شہر تھا۔ یہ رومیوں سے خالدؓ بن ولید نے چھینا اور انہیں بھگایا تھا۔ دونوں مجاہد اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اگلے روز قنسرین پہنچے اور خالدؓ بن ولید کو اطلاع دی کہ حلب میں بغاوت ہو گئی ہے۔ خالدؓ بن ولید نے ایک قاصد سپہ سالار ابو عبیدہؓ کو پیغام دینے کے لئے بھیج دیا اور اپنا لشکر فوراً" تیار کر کے حلب کی طرف روانہ ہو گئے۔ خالدؓ بن ولید کی پیش قدمی تیز و تند طوفان کی طرح ہوا کرتی تھی۔ ان کی رسد اونٹوں پر اور بیل گاڑیوں پر پیچھے آ رہی تھی جس کی طرف خالدؓ بن ولید کی ذرا سی بھی توجہ نہیں تھی۔ وہ تو بھوکے پیاسے بھی اپنے ہدف پر پہنچنا چاہتے تھے۔

یہ گھوڑ سوار لشکر جب حلب پہنچا تو خالدؓ بن ولید جیسے تاریخ ساز سالار نے بھی محسوس کر لیا کہ اس قلعے کو آسانی سے سر نہیں کیا جا سکے گا۔ مشہور تاریخ دان واقدی لکھتا ہے کہ دُور دُور کے قبائل کے لڑنے والے لوگ بھی حلب میں اکٹھے ہو گئے تھے اور بروقت مسلمانوں کو پتہ نہ چل سکا نہ انہوں نے انہیں غور سے دیکھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ مسلمان انہیں پناہ گزین سمجھتے رہے اور یہ خیال رکھا کہ انہیں رہائش اور روٹی ملتی رہے اور کوئی محرومی اور محتاجی محسوس نہ کریں۔ اب یہی لوگ چاروں طرف دیواروں پر اس طرح کھڑے تھے کہ ان کے ہاتھوں میں کمانیں اور بعض کے پاس پھینکنے والی برچھیاں تھیں۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کے درمیان سے ہوا بھی نہیں گزر سکتی تھی۔ خالدؓ بن ولید کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ خالدؓ بن ولید نے دیواروں پر کھڑے قبائلیوں پر تیر پھینکے لیکن دیواروں سے جو تیر آئے ان کے سامنے اپنے تیر انداز ٹھہر نہ سکے۔

خالدؓ بن ولید نے سپہ سالار کی طرف ایک قاصد اس پیغام کے ساتھ دوڑایا کہ مزید لشکر کی ضرورت ہے کیونکہ قلعہ بھی مضبوط ہے اور دفاع اور زیادہ مستحکم اور مہلک ہے۔ ابو عبیدہؓ نے سالار عیاضؓ بن غنم کو پانچ ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ حلب پہنچنے کا حکم دیا۔ یہ لشکر بڑی تیزی سے روانہ ہو گیا۔

خالدؓ بن ولید قلعے توڑنے اور سر کرنے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جانباز گروہ بنا رکھے تھے۔ تاریخِ اسلام کا یہ عظیم سپہ سالار محاصرے کو طول دینے کا قائل نہیں تھا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ محاصرہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ دو یورپی مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید اس قدر غیض و غضب میں تھے کہ انہوں نے محاصرہ طویل نہ ہونے دیا بلکہ ایسی چالیں چلیں جن سے عیسائی قبائلی ان کے پھندے میں آ گئے۔

انطونیس نے یہ حرکت کی کہ محاصرے کے تیسرے چوتھے ہی روز اُن تمام مجاہدین کو قلعے کی دیوار پر پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیا جنہیں ایک رات سوتے میں پکڑ کر قید کر دیا گیا تھا۔ سب کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محاصرہ فوراً" اٹھا لو۔ ہم زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔ ان میں پہلے دس آدمیوں کے سر کاٹ کر تمہاری طرف پھینک دیں گے۔ محاصرہ پھر بھی نہ اٹھایا گیا تو مزید دس آدمیوں کے سر کاٹ کر باہر پھینکے جائیں گے۔

"محاصرہ نہیں اٹھانا" ——— ایک قیدی مجاہد نے بڑی ہی بلند اور پُرجوش آواز میں کہا ——— "ہمارے سر کٹ جانے دو۔ ہم گھروں سے اللہ کی راہ میں سر کٹوانے ہی نکلے ہیں۔ محاصرہ نہ اٹھانا۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ قلعہ توڑ لو گے"۔

تمام قیدی مجاہدین نے جن کی تعداد کم و بیش ایک سو تھی' نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ سب یہی کہہ رہے تھے کہ محاصرہ نہ اٹھانا' ہمارے سر کٹ جانے دو۔

ان قیدی مجاہدین کے جذبۂ ایثار اور جوش و خروش نے باہر والے مجاہدین کو آگ بگولہ کر دیا۔ یہ تو سالاروں کا کمال تھا کہ انہوں نے مجاہدین کو اپنے قابو میں رکھا ورنہ وہ تو اس قدر جوش میں آ گئے تھے کہ سب کے سب قلعے پر ہلّہ بول دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ تیر انداز اوپر دیوار پر تیر پھینکتے رہیں اور وہ دروازے توڑ لیں گے یا دیوار میں کہیں شگاف ڈال لیں گے۔ خالدؓ بن ولید اور عیاضؓ بن غنم ہوش مند سالار تھے۔ وہ جذبات کے جوش سے نہیں جنگی فہم و فراست سے کارروائیاں کیا کرتے تھے۔

ایک دو دنوں کی کوششوں کے بعد خالدؓ بن ولید نے شہر کے اندر افراتفری پھیلانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ فلیتے والے تیر شہر کے اندر پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ آگ لگانے والے تیر تھے۔ انہیں دیواروں کے اوپر سے اندر تک پہنچانا آسان نہیں تھا لیکن شہر کے

ایک طرف کچھ بلند جگہ مل گئی جس پر تیرانداز کھڑے ہو کر تیر اندر پھینک سکتے تھے۔ بعض تیرانداز درختوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے آگ والے تیر اندر پھینکنے لگے۔ یہ تیر کچھ زیادہ اثر انداز نہ ہوئے جس کی وجہ یہ تھی کہ آبادی دیواروں سے اتنی دُور تھی جہاں تک تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایک میدان میں خیمے لگے ہوئے تھے۔

○

دونوں سالاروں —— خالدؓ بن ولید اور عیاضؓ بن غنم —— کو قلعے کے اندر کے حالات کا تو کچھ بھی پتہ نہیں تھا۔ اندر اگر کوئی مسلمان جاسوس تھا بھی تو وہ باہر نہیں آسکتا تھا اور باہر سے کسی کو قبائلی عیسائیوں کے بہروپ میں اندر نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ دیواروں پر جو قبائلی تیر اور کمانیں اور پھینکنے والی برچھیاں لئے کھڑے رہتے تھے' وہ روزِ اوّل کی طرح جوش و خروش میں معلوم ہوتے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اپنے نائب سالاروں سے اور ایک دو مرتبہ مجاہدین کے پورے لشکر سے کہا تھا کہ حلب کو اپنا ہی شہر سمجھو۔ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے خالدؓ بن ولید نے پُراعتماد انداز میں کہا تھا کہ شہر میں کوئی تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوج نہیں۔ یہ لوگ فردا" فردا" لڑنا جانتے ہیں یا ہجوم کی صورت میں ہلّہ بول سکتے ہیں لیکن محاصرے میں ٹھہرنا اور محاصرہ توڑنا ان کے بس کی بات نہیں بلکہ ان لوگوں کو اپنے بس میں سمجھو اور تھوڑے ہی عرصے بعد یہ ہتھیار ڈال کر ہماری اطاعت قبول کرلیں گے یا کوئی ایسی حماقت کر بیٹھیں گے جو ان کی شکست کا باعث بنے گی۔

خالدؓ بن ولید کو یقیناً" معلوم نہیں تھا کہ محصورین کی قیادت رومی فوج کے ایک بھگوڑے جرنیل کے ہاتھ میں ہے اور اس کا نائب اور معاون رومی فوج کا ہی ایک افسر ہے جو سپہ سالار ابو عبیدہؓ کی قید میں رہ کر گیا ہے۔ مسلمان سالاروں کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ہرقل کی ایک بیوی بھی ہے جو ایران کے شاہی خاندان کی عورت تھی اور ہرقل کے شاہی خاندان میں دھوکے سے داخل ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے ہاں تو جہاد کا جذبہ اور دین و ایمان تھا اور ان کا اپنا ایک کلچر تھا جس سے وہ ذرا سا بھی نہیں ہٹتے تھے۔ اس کے مقابلے میں قلعے کے اندر جو رومی قیادت تھی' اس کا اپنا کلچر اور اپنا کردار تھا جس سے وہ لوگ اپنی ضرورت اور اپنے مفادات کے مطابق دستبردار بھی ہو جایا کرتے تھے۔

قلعے کے اندر کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ انطونیسؔ اور روتاس تو جیسے راتوں کو

سوتے بھی نہیں تھے۔ ان کے لئے یہ ایک قلعے یا ایک بڑے شہر کی لڑائی نہیں تھی بلکہ ان کی زندگی اور موت کی لڑائی تھی۔ انطونیسؔ کا یہ عزم بھی تھا کہ وہ ایک عیسائی سلطنت کی بنیاد رکھے گا اور الجزیرہ کے قبائلی عیسائیوں کو ایک جنگی طاقت کی صورت میں منظم کرے گا۔ اس عزم کی تکمیل کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ حلب کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ روتاس اس کا دستِ راست بن گیا تھا۔

ہرقل کا بیٹا یوکلس بھی ان کے ساتھ تھا لیکن وہ نوجوان تھا اور ایک بازو سے معذور بھی۔ وہ ایک ہاتھ سے لڑنا جانتا تھا' قیادت کے قابل نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اپنے آپ کو جرنیل ہی سمجھتا تھا۔ اپنی اس حیثیت کو وہ اپنا حق سمجھتا تھا کیونکہ وہ شاہ ہرقل کا بیٹا تھا۔ وہ بھی دن رات بھاگتا دوڑتا رہتا تھا اور جب سے حلب محاصرے میں آیا تھا' اس رومی نوجوان نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ دیوار پر جاتا یا نیچے شہر میں گھوم پھر رہا ہوتا تو چند ایک آدمیوں کو اکٹھا کر کے انہیں بتاتا تھا کہ وہ یسوع مسیح کی سلطنت کے قیام کے لئے لڑ رہے ہیں اس لئے آخر فتح ان کی ہو گی۔ اس طرح وہ جوشیلی اور جذباتی باتیں کر کے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا۔ وہ کئی کئی راتیں اپنی ماں کے پاس جاتا ہی نہیں تھا۔ عام طور پر قلعے کے صدر دروازے کے اوپر جو کمرے بنے ہوئے تھے' ان میں سے کسی کمرے میں سو جاتا تھا۔

○

انطونیسؔ' لیزا اور یوکلس ایک مکان میں رہتے اور روتاس الگ مکان میں رہتا تھا۔ یہ نہایت اچھے' صاف ستھرے اور اونچے درجے کے مکان تھے۔ روتاس دو چار دنوں کے وقفے سے لیزا کے گھر آیا کرتا تھا اور اس کا یہ آنا محض رسمی ہوتا تھا۔ جب سے حلب محاصرے میں آیا تھا روتاس نے لیزا کے ہاں جانا بہت ہی کم کر دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ محاصرے کے سلسلے میں اسے دن رات بھاگ دوڑ کرنی پڑتی تھی۔

یہ انطونیسؔ کا گھر تھا لیکن وہ بھی اب اس گھر میں اس طرح آتا تھا جیسے روتاس کی طرح رسمی طور پر آگیا ہو۔ انطونیسؔ اور روتاس کا تو یہ عالم تھا کہ الگ الگ بھاگتے دوڑتے رہتے تھے۔ ابھی دیوار پر ہیں تو یوں لگتا تھا جیسے کود کر نیچے آگئے ہوں۔ دیکھنے والوں کو شک ہوتا تھا کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ انطونیسؔ کبھی بہت دیر سے گھر جاتا اور پلنگ پر گرتا اور اس کی آنکھ لگ جاتی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ہڑبڑا کر جاگ اٹھتا

اور باہر کو بھاگ جاتا۔ وہ گھر ہوتا تو بھی لگتا تھا گھر سے غیر حاضر ہے۔

یہ دونوں آخر کمانڈر تھے۔ انہیں احساس تھا کہ جن کی وہ قیادت کر رہے ہیں وہ لڑنا تو جانتے ہیں لیکن منظم ہو کر لڑنے کا انہیں کوئی تجربہ نہیں۔ وہ ان لوگوں کو ہدایات دیتے رہتے اور خود دیوار پر گھوم پھر کر دیکھتے رہتے تھے کہ مسلمان دروازوں کے قریب نہ آ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ جوان آدمیوں کو قلعے سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھی تیار کر رہے تھے۔ مختصر یہ کہ دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ وہ محاصرے کے دوران لوگوں کو ٹریننگ بھی دے رہے تھے۔

ایک رات انتھونیس گھر آیا اور آتے ہی لیٹ گیا۔ وہ بہت تھکا ہُوا تھا۔ لیزا اسے دیکھتی رہی کہ وہ کوئی بات کرے گا۔ ذرا سا ستا کر انتھونیس نے محاصرے کی بات شروع کر دی۔ لیزا کے چہرے پر نمایاں طور پر اکتاہٹ کا تاثر آ گیا اور صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ انتھونیس کی باتوں میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں لے رہی۔

”کیا تم میرے ساتھ کوئی اور بات نہیں کرنا چاہتے؟“ — لیزا نے ایسے لہجے میں کہا جسے انتھونیس بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا۔

”لیزا!“ — انتھونیس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا — ”کیا تم یہ بات کہہ رہی ہو؟.. میں تو یہ توقع رکھتا ہوں کہ میں گھر آؤں تو تم پہلی بات مجھ سے یہ پوچھو کہ محاصرہ کب ٹوٹے گا اور اسے توڑنے کی کوئی صورت پیدا کی جا رہی ہے یا نہیں؟ تم تو یوں بات کر رہی ہو جیسے حالات معمول کے مطابق ہیں۔ مجھے تو کوئی اور بات سُوجھتی ہی نہیں“۔

لیزا کچھ زیادہ ہی اکتاہٹ کا اظہار کر رہی تھی۔ انتھونیس نے اسے غور سے دیکھا تو لیزا کی آنکھوں میں اسے کوئی اور ہی خمار چڑھا ہُوا نظر آیا۔ وہ اس خمار سے اور لیزا کے چہرے پر آئے ہوئے تاثرات سے بڑی اچھی طرح واقف تھا۔ ان دونوں کے تعلقات میاں بیوی والے تھے۔ یہ کوئی عشق و محبت والا معاملہ نہیں تھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے پر مرتے ہوں۔

”لیزا!“ — انتھونیس نے کہا — ”ہوش میں آؤ اور حقیقت کو دیکھو۔ یہ وقت رومان لڑانے کا نہیں حالات کو دیکھو اور سوچو کہ ہم یہ جنگ ہار گئے تو ہمارے لئے کوئی پناہ نہیں ہو گی۔ ہم یہاں سے بھاگ کر جائیں گے کہاں؟ بنو تغلب جیسے طاقتور قبیلے نے چند اور قبیلوں کے ساتھ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ تمہیں تو میری طرح گھر سے

باہر ہونا چاہئے۔ کیا تم خود نہیں سوچ سکتیں کہ ان قبائلیوں کی عورتوں کو تم لڑنے کے لئے تیار کر سکتی ہو؟“

انتھونیس لیزا کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا تھا جس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ لیزا نے اس کے ساتھ جو دوستی لگائی تھی وہ صرف جسم کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اور لیزا نے اسے جسمانی تشنگی کی تسکین کے لئے اپنا دوست بنایا تھا۔ لیزا ہرقل کے حرم کی ایک عورت تھی۔ اسے صرف یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ ہرقل کی بیوی تھی اور دوسرا اعزاز یہ کہ وہ ایران کے شاہی خاندان میں سے تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شاہی محلات میں خوبصورت عورت کا استعمال کیا ہوتا ہے۔ اس نے ایران کے محلات میں بھی دیکھ لیا تھا اور روم کے بادشاہ کے ہاں بھی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ لیزا نوجوان اور غیر معمولی طور پر حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اسے خون کے رشتوں نے ایک طلسماتی دھوکہ بنا کر ہرقل کے ہاں بھیجا تھا کہ اس پر اپنے حُسن کا طلسم طاری کر کے اسے زہر دے کر وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرے۔ ہرقل کے پاس پہنچی تو اس کی بیوی بن گئی۔ وہ بڑی ہی زہریلی ناگن بن کر ہرقل کے پاس آئی تھی لیکن ہرقل کو دیکھ کر اور اس کے جذبات سے متاثر ہو کر وہ ناگن سے وہ انسان بن گئی تھی جس میں جذبات ہوتے ہیں اور دل و جگر بیدار ہو کر اپنا آپ اپنی پسند کے انسان کے حوالے کر دیتے ہیں لیکن ہرقل نے تھوڑے ہی عرصے میں اس کے یہ جذبات کچل ڈالے اور اسے اپنے حرم میں پھینک دیا جو عورتوں کا گودام تھا۔ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ لیزا کی ذات میں صرف حیوانی جذبات رہ گئے۔ وہ جوان تھی اور اسے ایک جوان ساتھی کی ضرورت تھی۔

اس جذباتی کیفیت میں وہ ایسا آتش فشاں پہاڑ بن گئی تھی جس کا منہ بند تھا اور لاوہ باہر نکلنے کو تڑپ رہا تھا۔ انتھونیس کی جگہ اسے کوئی اور اپنے قریب آتا نظر آ جاتا تو وہ اسی کی ہو کے رہ جاتی۔ اتفاق ایسا ہُوا کہ انتھونیس اس کے قریب آ گیا اور لیزا نے لپک کر اسے اپنے ساتھ چپکا لیا اور جب دیکھا کہ اس شخص کے ساتھ ملاقاتیں آسانی سے ہو جاتی ہیں تو فرض کر لیا کہ یہی اس کا خاوند ہے۔ اب تو اس کے بیٹے یوکلس نے بھی قبول کر لیا تھا کہ اس کا باپ ہرقل نہیں انتھونیس ہے۔

بادشاہوں کی بیویاں اور ان کے حرموں کی عورتوں میں قومی جذبہ نام کو بھی نہیں

ہُوا کرتا تھا نہ انہیں کسی ملک اور وطن سے محبت ہوتی تھی۔ وہ تو اس صورتِ حال کو بھی قبول کئے رکھتی تھیں کہ کوئی اور بادشاہ اس ملک پر حملہ کرے گا اور انہیں بھی اپنے قبضے میں لے کر اپنی تفریح کا ذریعہ بنا لے گا یا کوئی جرنیل یا کوئی شہزادہ انہیں اپنے ساتھ لے جائے گا۔ انہیں فتح و شکست کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔

لیزا بھی ایسی ہی عورتوں میں سے ایک تھی۔ اُس وقت اسے حلب کی نہیں انتھونیئس کی شدید ضرورت تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس نہ کیا کہ انتھونیئس بھی ہرقل کی طرح اس سے اکتا سکتا ہے۔ اس نے انتھونیئس میں اپنے جذبات کی حرارت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر انتھونیئس اس کی جذباتی سطح سے بہت اوپر چلا گیا تھا۔ اس نے لیزا کو دھتکارا تو نہیں لیکن یہ بھی قبول نہ کیا کہ لیزا اس کے پاس بیٹھے۔

"تم اپنی بادشاہی قائم کرنے کی فکر میں ہو" —— لیزا نے یاس انگیز لہجے میں کہا —— "یہ بادشاہی نہ جانے کب قائم ہوگی لیکن تم ابھی سے شاہ ہرقل بن گئے ہو۔ تم میرے ساتھ اب پہلے کی طرح بیٹھ کر بات ہی نہیں کرتے"۔

انتھونیئس بہت ہی تھکا ہُوا تھا۔ تھکاوٹ کے علاوہ اس پر محاصرہ اور حلب کی فتح و شکست سوار تھی اور یہی ایک سوچ اس کے ذہن پر غالب رہتی تھی کہ محاصرے کو کس طرح توڑے اور مسلمانوں کو یہاں سے بھگا دے۔ اس نے لیزا کی طرف وہ توجہ نہ دی جس کی وہ طلبگار تھی۔ وہ کبھی جذباتی اور کبھی شاقی لہجے میں کچھ نہ کچھ بولتی رہی اور انتھونیئس گہری نیند سو گیا۔ لیزا نے اسے سوتے ہوئے دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ مر گیا ہو۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے دیکھتی رہی اور اسے یوں دھچکا لگا جیسے ایک چشمہ تھا جو اچانک خشک ہو گیا ہو۔

اس کا اپنا بیٹا یوکلس جسے دیکھ دیکھ کر وہ جیتی تھی اور جس پر وہ اپنی جان نچھاور کئے رکھتی تھی، اس کی طرف پہلی سی توجہ نہیں دیتا تھا۔ وہ تو دو دو اور کبھی تین تین دن اور راتیں گھر سے غائب رہتا تھا۔ کبھی ذرا سی دیر کے لئے لیزا کے پاس آ جاتا اور اسے حوصلہ اور تسلی دے کر بھاگم بھاگ چلا جاتا۔ انتھونیئس تو کہتا تھا کہ وہ یسوع مسیح کی سلطنت قائم کرے گا لیکن یوکلس کو اس سلطنت کے ساتھ یہ دلچسپی زیادہ تھی کہ وہ ہرقل اور قسطنطین کو قتل کرے گا۔ لیزا نے کبھی نہ سوچا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ چپکا لے تاکہ وہ لڑائی میں مارے جانے سے محفوظ رہے۔ وہ انتھونیئس ہی کی ضرورت محسوس کرتی تھی

لیکن انتھونیئس تو جیسے اس کے ہاتھ سے نکل ہی گیا تھا۔

○

اگلی صبح لیزا کی آنکھ اُس وقت کُھلی جب سورج کی کرنیں قلعے کی دیواروں کے اوپر سے اندر آ گئی تھیں۔ لیزا اٹھی اور تمام کمروں میں گھوم پھر آئی۔ وہاں انتھونیئس بھی نہیں تھا یوکلس بھی نہیں تھا۔ یہ تو اس کا روزمرہ کا معمول تھا لیکن اس صبح اُس نے اپنے آپ کو کچھ زیادہ ہی تنہا محسوس کیا۔ اس کی ملازمہ نے اس کے آگے ناشتہ رکھا۔ لیزا ناشتے پر اور ملازمہ فرش پر بیٹھ گئی۔

"خدا آپ کو اور زیادہ عزت اور وقار دے مالکن!" —— ملازمہ نے کہا —— "کچھ ہم غریبوں کو بھی بتا دے کیا یہ محاصرہ اٹھ جائے گا؟ آپ کو تو معلوم ہی ہو گا، شہر میں اناج کم پڑتا جا رہا ہے۔ پانی کی تو کمی نہیں لیکن صرف پانی پر تو زندہ نہیں رہا جا سکتا"۔

"گھبراؤ نہیں!" —— لیزا نے کہا —— "محاصرہ اٹھ جائے گا۔ نہ اٹھا تو باہر نکل کر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کریں گے"۔

"آپ کو گرجے میں کبھی نہیں دیکھا" —— ملازمہ نے کہا —— "گرجے میں ہر روز اپنی فتح کی اور مسلمانوں کی شکست کی دعائیں ہوتی ہیں۔ پادری کہتے ہیں کہ گناہوں سے توبہ کرو، یہ بہت بڑی آفت ہے جو ہم پر گناہوں کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ ہم غریبوں نے کیا گناہ کئے ہیں!"

لیزا نے ملازمہ کی بات پوری نہ ہونے دی اور ہنس پڑی۔ ملازمہ چپ ہو گئی اور لیزا کے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ ملازمہ نے لیزا کو بتایا کہ شہر کے کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی ختم کر دی جائے اور ان کے لئے دروازے کھول دیئے جائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان بڑے اچھے لوگ ہیں۔ جس شہر کو فتح کرتے ہیں اس شہر کے لوگوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتے ہیں۔

لیزا کی ہنسی ایک مسکراہٹ میں سمٹ آئی تھی۔ اس نے ملازمہ کی اس بات کو ذرا کی بھی اہمیت نہ دی اور اس طرح سنتی رہی جیسے وہ کوئی بڑی ہی دلچسپ بات سنا رہی ہو.. ..اس نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔

محاصرے کا شور و غل شہر کے اندر بھی سنائی دے رہا تھا۔ محاصرے کی ایک اور

رات گزر گئی تھی۔ شہر کے جو لوگ شہر کے دفاع کے لئے دیوار پر کھڑے تھے' وہ نعرے لگا رہے تھے اور مسلمانوں کو للکار بھی رہے تھے۔ ان کا حوصلہ اور جوش و خروش بظاہر تر و تازہ معلوم ہوتا تھا۔ لیزا آہستہ آہستہ چلتی گئی۔ وہ کسی خاص جگہ پہنچنے کے ارادے سے نہیں نکلی تھی۔ شہر کی عورتیں اسے جانتی تھیں۔ وہ ان کے جرنیل کی بیوی تھی۔ ایک جگہ عورتوں نے اسے گھیر لیا۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی تھیں۔ اس سے پوچھنے لگیں کہ محاصرہ کب تک رہے گا اور کیا یہ شہر لمبے عرصے کے لئے محاصرے میں ہی رہے گا؟ لیزا اپنے آپ میں آ گئی جیسے بیدار ہو گئی ہو۔ اس نے عورتوں کو بہت تسلیاں دیں اور ان کا حوصلہ اس طرح مضبوط کیا کہ انہیں کہا کہ وہ بھی لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ محاصرے کو طویل نہیں ہونے دیا جائے گا اور جلد ہی باہر نکل کر مسلمانوں پر بڑا ہی زوردار حملہ کیا جائے گا۔

اس نے جرنیل کی بیوی کی حیثیت سے ایسی جوشیلی باتیں کیں کہ عورتوں کی گھبراہٹ ختم ہو گئی اور کئی عورتوں نے کہا کہ وہ مردوں کی طرح لڑیں گی اور مسلمانوں کا محاصرہ کامیاب نہیں ہونے دیں گی۔ لیزا کے اپنے ذہن میں بھی کچھ تبدیلی آ گئی اور وہ آگے کو چل پڑی۔

کچھ دیر بعد وہ دیوار پر پہنچ گئی۔ دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اس پر چار پانچ آدمی پہلو بہ پہلو آسانی سے چل پھر سکتے تھے لیکن اُس وقت دیوار پر چلنے کے لئے راستہ ہی نہیں ملتا تھا کیونکہ شہر کے تقریباً" تمام لوگ دیوار پر کھڑے تھے اور اِدھر اُدھر آ جا بھی رہے تھے۔ لیزا اس ہجوم میں سے راستہ بناتی چلی جا رہی تھی۔ اسے جاننے والے آدمی رک کر سلام کرتے تھے۔ اس کی گردن اس خیال سے تن گئی اور سر اونچا ہو گیا کہ وہ اس شہر کے سب سے بڑے جرنیل کی بیوی ہے۔ وہاں تو انطونیس اکیلا ہی جرنیل تھا اور ایک غیر منظم لشکر کا کمانڈر بنا ہوا تھا۔

لیزا نے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ رک کر پیچھے دیکھا۔ وہ روتاس تھا۔ لیزا کا چہرہ چمک اٹھا۔ اُس نے روتاس سے پوچھا کہ صورتِ حال کیا ہے اور کیا محاصرہ جلدی توڑا جا سکے گا یا شہر کو خطرہ ہے؟

"محاصرے کو تو ہم نے روکا ہوا ہے" ___ روتاس نے جواب دیا ___ "لیکن یہ کہنا کہ کوئی خطرہ نہیں اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے والی بات ہے۔ مسلمانوں کا سپہ سالار

خالدؓ بن ولید ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ میں شاہ ہرقل کے جاسوسی کے محکمے کا عہدے دار ہوں۔ میں بھیس بدل کر مسلمانوں کی خیمہ گاہوں میں گیا ہوں اور خالدؓ بن ولید کو قریب سے دیکھا ہے۔ شام سے ہماری فوج کے پاؤں اسی سالار نے اُکھاڑے تھے اور اُکھڑے بھی ایسے کہ کہیں جم نہ سکے"۔

"یہ نام میں نے بھی سنا ہے" ___ لیزا نے کہا ___ "ہرقل کو یہ کہتے سنا تھا کہ خالدؓ بن ولید کے قتل کا انتظام ہو جائے تو میں مسلمانوں کو صرف شام سے ہی نہ نکالوں بلکہ عرب سے بھی بھگا کر سمندر میں ڈبو دوں۔ قاتلوں کو اس تک پہنچانا ممکن نظر نہیں آتا"۔

"آپ کو پوری طرح معلوم نہیں" ___ روتاس نے کہا ___ "دو مرتبہ خالدؓ بن ولید کو قتل کرنے کے لئے چار چار آدمی بھیجے گئے تھے۔ وہ مسلمانوں کے لباس میں گئے تھے اور عربی عربوں کی طرح بول سکتے تھے اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں سے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ کوئی اور ہیں لیکن وہ سب وہاں جا کر خود قتل ہو گئے۔ دونوں جماعتوں کی کہانی الگ الگ ہے لیکن اس وقت ہمارے سامنے مسئلہ اس محاصرے کا ہے اور اس کا سالار خالدؓ بن ولید ہے جو قلعے توڑنے اور سر کرنے کی خصوصی مہارت رکھتا ہے" ___ روتاس بولتے بولتے چپ ہو گیا اور باہر کی طرف دیکھ کر بولا ___ "وہ دیکھیں' آئیں' میں آپ کو خالدؓ بن ولید دکھاتا ہوں"۔

روتاس لیزا کو دیوار کی برجی کے قریب لے گیا۔ دور دو گھوڑ سوار آگے آگے اور آٹھ دس گھوڑ سوار ان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

"اگلے دو سواروں میں جو دائیں طرف ہے وہ خالدؓ بن ولید ہے" ___ روتاس نے کہا ___ "بائیں طرف عیاض ہے۔ میں اس کا پورا نام نہیں جانتا' یہ بھی سالار ہے۔ آپ اتنی دُور سے خالدؓ بن ولید کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکتیں۔ قریب سے دیکھیں تو دشمن ہونے کے باوجود آپ بے ساختہ کہہ اٹھیں گی کہ اس چہرے پر خدا نے اپنا تاثر سجا دیا ہے جو دیکھنے والوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس سالار کے چہرے پر اس کی روح کی چمک دمک بھی نظر آتی ہے۔ یہ اُن جرنیلوں اور سالاروں میں سے ہے جو صرف فتح کرنا جانتے ہیں اور شکست سے واقف ہی نہیں ہوتے"۔

"تو کیا خالدؓ بن ولید حلب کو فتح کر لے گا؟" ___ لیزا نے پوچھا۔

"میں آپ کا حوصلہ نہیں توڑنا چاہتا" ___ روتاس نے کہا ___ "ہم جانیں لڑا دیں گے لیکن حلب کو بچانے کے لئے ہمیں اس شہر کی آدھی آبادی قربان کرنی پڑے گی۔ موقع ملتے ہی ہم باہر نکل کر حملہ کریں گے"۔

روتاس بولتا رہا۔ وہ لیزا کو بتا رہا تھا کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ لیزا کو صورتِ حال سے تفصیلاً آگاہ کر رہا تھا اور لیزا نے باہر سے نظریں ہٹا کر روتاس کے چہرے پر روک لیں اور اسے نظر بھر کر دیکھا۔ پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسا تبسّم آگیا جس میں کچھ تشنگی سی تھی۔ لیزا نے بغیر کسی سوچ اور بغیر ارادے کے روتاس کا بازو پکڑا اور اسے اس چھوٹی سی برجی سے ہٹا لائی۔ روتاس اس کے ساتھ پالتو جانور کی طرح چل پڑا۔



انطونیس اور یوکلس کی طرح روتاس پر بھی ہیجانی کیفیت طاری رہتی تھی۔ وہ بھی شہر کے لوگوں کے کمانڈروں میں سے تھا۔ اس کی عمر تیس چالیس سال کے درمیان تھی اور وہ خوبرو آدمی تھا۔ لیزا سے تین چار سال ہی چھوٹا تھا۔ وہ شاہی خاندان کا فرد تھا اور ذمہ دار عہدے پر بھی فائز تھا۔ اس نوجوانی کے لحاظ سے لیزا اس سے چھوٹی لگتی تھی۔ شاہی خاندان کی مناسبت سے روتاس لیزا کا احترام کرتا تھا اور احترام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لیزا ہرقل کی بیوی تھی۔

"وہ دیکھئے" ___ روتاس نے رک کر باہر محاصرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ___ "ایک سوار دستہ جا رہا ہے.... ہو سکتا ہے اس کی جگہ تازہ دم دستہ آجائے لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے مسلمان محاصرہ آہستہ آہستہ اٹھا رہے ہیں"۔

کم و بیش ایک ہزار گھوڑ سوار خالدؓ بن ولید کے حکم سے محاصرے سے نکل گئے اور ایک طرف کو جا رہے تھے۔ روتاس اور لیزا دیکھتے رہے اور سواروں کا وہ دستہ دُور ہی دُور ہٹتا گیا اور پہاڑی کے اندر چلا گیا۔ لیزا نے روتاس کی طرف دیکھا۔ اسے روتاس کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آئے اور وہ کچھ زیادہ ہی خوبرو نظر آنے لگا۔ روتاس کے ساتھ لیزا کی کوئی بے تکلفی نہیں تھی۔ وہ محاصرے کے دوران بہت دنوں کے وقفے سے لیزا کے گھر جایا کرتا تھا لیکن اُس وقت جب انطونیس گھر پر ہوتا تھا۔ وہ لیزا سے نہیں انطونیس سے ملنے جاتا تھا۔

"میں اس تنہائی سے اکتا گئی ہوں روتاس!" ___ لیزا نے دوستانہ بے تکلفی سے کہا ___ "شہر کی ان عورتوں کے ساتھ تو میں گھل مل سکتی ہی نہیں۔ تم جانتے ہو میں کس ماحول سے آئی ہوں۔ انطونیس دن رات باہر رہتا ہے اور جب آتا ہے تو تھکا ماندہ پلنگ پر گرتا اور سو جاتا ہے۔ میں تو آج تنگ آکر دیوار پر آئی تھی۔ کتنا اچھا ہُوا تم مل گئے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلوں؟"

روتاس بھلا کیسے انکار کر سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ تو گھر ہی جا رہا تھا۔ رات بھر وہ باہر رہا تھا اس نے لیزا کو ساتھ لیا اور اسے اپنے گھر لے گیا۔

روتاس نے لیزا کو احترام سے بٹھایا اور خود الگ ہٹ کر بیٹھنے لگا لیکن لیزا نے اس کا بازو پکڑ لیا اور کھینچ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنا ایک بازو روتاس کی کمر میں ڈال دیا۔ روتاس پھیکی سی ہنسی ہنس کر اس سے الگ ہونے لگا لیکن لیزا نے اپنے بازو کا گھیرا اور زیادہ تنگ اور سخت کر دیا پھر بے تکلّفی کا ایک ایسا مظاہرہ کیا جو وہ انطونیس کے ساتھ ہی کر سکتی اور کیا کرتی تھی' روتاس کو ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ اس کے ساتھ اتنا زیادہ بے تکلّف ہو جائے گی۔ لیزا نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں ایک آدھ بات بھی کہہ دی۔ روتاس بچہ تو نہ تھا' اتنے واضح اشارے سمجھ گیا اور جب اس نے لیزا کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہاں کچھ اور ہی تاثر تھا۔

"میرے دل میں آپ کا احترام ہے" ___ روتاس نے کہا ___ "بے شک آپ شاہی خاندان سے بھاگ آئی ہیں لیکن میں خود اسی خاندان کا فرد ہوں اس لئے آپ کا احترام کرتا ہوں۔ اگر میں یہ ذہن سے اتار دوں کہ آپ شاہی خاندان کی آبرو ہیں تو میں یہ نہیں بھول سکتا کہ آپ میرے جرنیل اور کمانڈر انطونیس کی دوست ہیں"۔

"میں انطونیس کی ملکیت نہیں ہوں روتاس!" ___ لیزا نے کہا ___ "اس وقت تم ہی میرے دوست اور تم ہی میرے ساتھی ہو۔ مجھ سے دور ہٹنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس وقت میں ہرقل کی بیوی بھی نہیں اور انطونیس کی دوست بھی نہیں۔ اس وقت میں صرف لیزا ہوں اور مجھے احترام سے بلانے کی بجائے پیار سے لیزا کہو"۔

"پھر یہ بھی سوچو لیزا!!" ___ روتاس نے کہا ___ "پادری ہر روز فتح کی دعا کرتا ہے اور ایک ہی بات دوہراتا چلا جا رہا ہے کہ ہم پر بیٹھے بٹھائے بہت بڑی آفت آن پڑی ہے جس سے نجات کا طریقہ صرف یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرو اور کوئی گناہ نہ ہو"۔

"میں سراپا گناہ ہوں" ___ لیزا نے کہا ___ "ایران کے شاہی خاندان سے ایک بڑا ہی حسین گناہ بن کر ہرقل کے شاہی خاندان میں آئی تھی لیکن اس گناہ میں ناکام رہی اور جب شاہ ہرقل نے میرے ساتھ شادی کر کے تھوڑے ہی عرصے بعد حرم میں پھینک دیا تو میں نے ایک اور گناہ کیا"۔

لیزا نے جذبات سے مغلوب ہو کر روتاس کو تفصیل سے سنایا کہ اس نے انتھونیس کو کس طرح اپنی تسکین کا ذریعہ بنایا تھا اور کس طرح اس کے ساتھ یہ دوستی درپردہ نبھاتی رہی۔ اس نے اس راز سے بھی پردہ اٹھا دیا کہ یوکلس ہرقل کا نہیں انتھونیس کا بیٹا ہے۔

"تم غلط سمجھتے رہے ہو" ___ لیزا نے کہا ___ "تم یہ سمجھتے رہے کہ میں بھی انتھونیس کے اس عزم میں شامل ہوں کہ ہم شام میں یسوع مسیح کی سلطنت قائم کریں گے۔ انتھونیس بھی یہی سمجھتا ہے کہ میرا بھی یہی عزم ہے لیکن روتاس! میں تمہیں سچ بتاتی ہوں کہ میں اپنے اکلوتے بیٹے یوکلس کو ہرقل اور اس کے بیٹے قسطنطین کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچانے کے لئے انتھونیس کے ساتھ آ گئی"۔

لیزا نے روتاس کو یہ بھی بتا دیا کہ ہرقل اور قسطنطین یوکلس کو قتل کروانا چاہتے تھے لیکن انتھونیس نے بروقت دیکھ لیا اور قاتلوں کو قتل کر ڈالا۔ لیزا نے یہ واقعہ بھی روتاس کو تفصیل سے سنایا اور کہا کہ انتھونیس بھی اس وجہ سے بھاگ آیا ہے کہ یوکلس اس کا اپنا بیٹا ہے اور دوسرے یہ کہ ہرقل انتھونیس کو بھی قتل کروا دے گا۔

"میں یہ ساری بات سن کر حیران نہیں ہُوا" ___ روتاس نے کہا ___ "یہ سب کچھ شاہی خاندانوں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ ایک کی بیوی دوسرے کی داشتہ ہوتی ہے۔ بادشاہ کے بیٹے بادشاہ کی دوسری بیویوں یا داشتاؤں کے ساتھ تعلقات بنا لیتے ہیں۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ بادشاہوں کی شکست کی درپردہ وجہ یہی ہے۔ کیا تم نے کبھی سوچا بھی تھا کہ ایران اور روم جیسی زبردست طاقتیں عرب کے عام اور انتہائی معمولی لوگوں سے شکست کھا جائیں گی؟ شکست بھی ایسی کہ بادشاہ بھاگتے اور پناہیں ڈھونڈتے پھریں گے! مسلمان ہمارے دشمن ہی سہی لیکن میں جاسوسی کے لئے مختلف بہروپ دھار کے مسلمانوں کی آبادیوں میں بھی رہا اور ان کے خیموں میں بھی گھوما پھرا تھا۔ ان کے ہاں عیش و عشرت کا کوئی تصوّر ہی نہیں اور ان کے کردار پہاڑی چشمے سے پھُوٹنے والے پانی

کی طرح شفاف ہوتے ہیں۔ سطح پر دیکھو تو چشمے کی تہہ بھی نظر آ جاتی ہے۔ مسلمان بالکل ایسے ہی ہیں۔ یہ ہے ان کی اصل طاقت جس کے سامنے کوئی جنگی طاقت نہیں ٹھہر سکتی.... میرا مشورہ مانو لیزا! اب بھی تم اس گناہ سے بچ سکتی ہو۔ انتھونیس کو لے کر گرجے میں جاؤ اور اس کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لو"۔

"تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے روتاس!" ___ لیزا نے اکتاہٹ سے کہا ___ "مجھے انتھونیس کے ساتھ وہ محبت ہے ہی نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ ہرقل سے محبت ہو گئی تھی لیکن اس نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس سے میں سمجھ گئی کہ یہ شخص محبت کے قابل تھا ہی نہیں۔ میں نے اس کے اس جرنیل انتھونیس کے ساتھ دوستی لگا کر اسے دھوکے دیئے۔ میں انسان اور جوان عورت ہوں۔ تمہیں بتایا ہے کہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کو قتل سے بچانے کے لئے اسے ساتھ لے کر انتھونیس کے ساتھ بھاگ آئی"۔

"اس کے باوجود لیزا!" ___ روتاس نے کہا ___ "ہمیں انتھونیس کے اس عزم کا احترام کرنا چاہئے کہ وہ یسوع مسیح کی سلطنت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں پورا پورا تعاون کرنا چاہئے"۔

"تم کم عقل انسان ہو روتاس!" ___ لیزا نے طنزیہ سی مسکراہٹ سے کہا ___ "جاسوسی کے محکمے کے ایک ذمہ دار افسر کو اتنا کم فہم نہیں ہونا چاہئے۔ غور کرو گہرائی میں جاؤ اور پسپائی اور شکست کا جو تجربہ ہمیں ہُوا ہے' اس پر غور کرو۔ انتھونیس ایسا خواب دیکھ رہا ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں ہُوا کرتی۔ ان تھوڑے سے مسلمانوں نے ایران اور روم کی بادشاہیوں کو کچل ڈالا ہے۔ انتھونیس ان ناتجربہ کار قبائلیوں کے بل بوتے پر مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتا۔ یہ بات تم خود سمجھ سکتے ہو۔ یہ تو محاصرہ ہے اور ہم قلعے میں محفوظ ہیں اس لئے اتنے دن گزر گئے ہیں۔ اگر یہ کھلے میدان کی لڑائی ہوتی تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مسلمان لڑائی کا فیصلہ اپنے حق میں کر چکے ہوتے"۔

"اتنی مایوسی لیزا؟" ___ روتاس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا ___ "تم انتھونیس اور یوکلس کے ساتھ بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتی ہو؟"

"نہیں!" ___ لیزا نے کہا ___ "ان کے ساتھ تو میں نے اس مسئلے پر کبھی بات کی ہی نہیں۔ ان دونوں کو یقین ہے کہ وہ محاصرہ توڑ کر مسلمانوں کو یہاں سے بھگا دیں گے" ___ لیزا نے روتاس کو کچھ اور قریب کر لیا اور جذباتی سی سرگوشی میں کہا ___ "کیا تم پسند

نہیں کرو گے کہ اس وقت ہم اس مسئلے پر بات نہ کریں؟.... کیا تم ابھی تک مجھے نہیں سمجھے؟"

روتاس بھی آخر جوان آدمی تھا اور وہ آدمی بھی شاہی خاندان کا تھا' کوئی زاہد یا پارسا تو نہ تھا۔ اس پر بھی وہی خمار طاری ہونے لگا جس سے لیزا مخمور تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ روتاس اس طرح لیزا کے جذبات کے جال میں آ گیا جیسے مکھی مکڑی کے جالے میں آجاتی ہے۔

لیزا جب وہاں سے رخصت ہونے لگی تو اس کے چہرے پر تأسف کا شائبہ تک نہ بلکہ وہ مطمئن اور مسرور لگتی تھی۔

"یہ بھی سوچا ہے لیزا!" ــــ روتاس نے پوچھا ــــ "اگر انطونیئس کو ہماری دوستی کا پتہ چل گیا تو کیا ہو گا؟"

"بہت بُرا ہو گا" ــــ لیزا نے ہلکے پھلکے سے لہجے میں جواب دیا ــــ "انطونیئس شاید تمہیں قتل کر دے.... لیکن ہم اسے پتہ ہی کیوں چلنے دیں گے؟!"

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے اور پھر لیزا وہاں سے چل دی۔

○

محاصرے کی بات یہاں تک پہنچی تھی کہ مجاہدین نے فلیتے والے تیر شہر کے اندر پھینکنے شروع کر دیئے تھے لیکن دیواروں کے اوپر سے تیر آبادی کے اندر تک پہنچتا نہیں تھا۔ ایک بلند جگہ مل گئی تھی جس پر چڑھ کر تیرانداز تیر پھینکتے تھے اور بعض تیرانداز درختوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے فلیتے والے تیر اندر پھینکنے لگے۔ لوگوں کے مکان دیوار سے دور تھے اس لئے یہ تیر بے اثر ثابت ہو رہے تھے۔

درختوں پر چڑھ کر تیر پھینکنے والے مجاہدین میں سے ایک نے ایک روز دیوار کے اندر خیمے دیکھ لئے جو دوسری طرف تھے۔ اُس طرف دیوار کے قریب نہ کوئی درخت اور نہ کوئی بلند جگہ۔ یہ دیکھ لیا گیا کہ خیمے اُس طرف کی دیوار تک چلے گئے تھے۔ بیان ہو چکا ہے کہ مختلف قبیلوں کے عیسائی پناہ گزینوں کے روپ میں داخل ہوتے رہے تھے اور وہ ہتھیار چھپا کر اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کے لئے ایک میدان میں خیمے لگانے پڑے۔ یہ انتظام ان مسلمانوں کا تھا جو شہر کا انتظام اور دیگر سرکاری امور چلاتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خیموں کی ایک بستی آباد ہو گئی

میں قبائلیوں کے پورے پورے کنبے رہائش پذیر ہو گئے۔

خیموں کو دیکھنے والے مجاہد نے یہ بات سالاروں تک پہنچا دی اور انہیں بتایا کہ اس طرف سے اگر تیر پھینکے جائیں تو دیوار کے اوپر سے ہوتے ہوئے یہ تیر خیموں کے اوپر گریں گے۔

خالدؓ بن ولید اور عیاضؓ بن غنم خود اُس درخت تک گئے جس پر چڑھ کر اس مجاہد نے خیمے دیکھے تھے۔ دونوں سالاروں نے کچھ اور اوپر چڑھ کر خیمے دیکھے۔ وہاں سے خیموں کے صرف اوپر کے حصے نظر آتے تھے کیونکہ درمیان میں شہر کے مکان حائل تھے۔

"خدا کی قسم ابنِ غنم!" ــــ خالدؓ بن ولید نے پُرمسرت لہجے میں عیاضؓ بن غنم سے کہا ــــ "ہم شہر میں دہشت پھیلا سکتے ہیں۔ اگر ہم شہر میں خوف و ہراس پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھو ہم نے آدھی فتح حاصل کر لی"۔

"سپہ سالار!" ــــ عیاضؓ بن غنم نے کہا ــــ "اللہ کے فضل و کرم سے آخر فتح ہماری ہو گی۔ شہر میں کوئی فوج نہیں' شہریوں کا ہجوم ہے۔ میرے دماغ میں یہی ایک ترکیب آتی ہے کہ ان لوگوں کو یہ دھوکا دیا جائے کہ ہم محاصرہ اٹھا رہے ہیں لیکن محاصرہ فوراً نہ اٹھایا جائے۔ سواروں کے ایک دو دستے یہاں سے ہٹا دیئے جائیں پھر اپنی سرگرمیاں بھی روک دی جائیں تاکہ شہر کے لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہم محاصرے کی کامیابی سے مایوس ہو گئے ہیں"۔

سالار عیاضؓ بن غنم نے یہ بات درخت سے اُتر کر کہی تھی۔ خالدؓ بن ولید گھوڑے پر سوار ہوتے ہوتے رک گئے اور پاؤں رکاب سے نکال کر عیاضؓ کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر ایسا تاثر آگیا تھا جیسے انہیں یہ مشورہ اچھا لگا ہو۔

"خدا کی قسم ابنِ غنم!" ــــ خالدؓ بن ولید نے عیاضؓ کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا ــــ "تم نے مجھے ایک روشنی دکھا دی ہے۔ آ' کہیں بیٹھ کر سوچتے ہیں کہ ہم انہیں یہ دھوکا کس طرح دے سکتے ہیں"۔

خالدؓ بن ولید نے ایک کارروائی یہ کی کہ درختوں سے اور بلند جگہ سے تیراندازوں کو ہٹا لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ جب شہر کی اُس طرف پہنچے جس طرف خیمے تھے تو انہوں نے تیراندازوں کو بتایا کہ اب وہ فلیتے والے تیر کس طرح پھینکیں۔

آگ والے ان تیروں کی کمی نہیں تھی۔ تیراندازوں کو دیوار سے اتنی دور کر دیا گیا جہاں تک دیوار سے آنے والے تیر اُن تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ فلیتے والے تیر آ گئے اور تیراندازوں نے کمانوں میں ڈال ڈال کر یہ تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ دو گھوڑ سوار تیر اندازوں نے یہ کارنامہ کر دکھایا کہ کسی بڑے کے حکم کے بغیر گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور دیوار کے قریب جا کر دوڑتے گھوڑوں سے تیر اندر پھینکے۔ شہریوں نے دیوار پر سے ان پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکیں لیکن اللہ نے انہیں محفوظ رکھا۔ انہوں نے گھوڑے کہیں روکے نہیں تھے۔

ان کی دیکھا دیکھی تھوڑی دیر بعد ایک یا دو گھوڑ سوار تیرانداز اپنے گھوڑے دوڑاتے اور دوڑتے گھوڑوں سے اندر تیر پھینک جاتے تھے۔ دیوار سے جو تیراندازی ہو رہی تھی وہ اور تیز اور شدید ہو گئی۔ اس میں سے بچ نکلنا بہت ہی مشکل تھا۔ تین چار گھوڑ سوار تیروں کا نشانہ بن گئے تو عیاضؓ بن غنم نے باقی گھوڑ سواروں کو روک دیا کہ وہ اتنا خطرہ مول نہ لیں۔

کسی اور گھوڑ سوار تیرانداز کو دیوار کے قریب جانے کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ دیوار پر جو عیسائی تیرانداز تیر پھینک رہے تھے' ان میں سے کسی نے بڑی بلند آواز سے کہا کہ خیموں کو آگ لگ گئی ہے۔ اس کی اس گھبرائی ہوئی پکار کی تصدیق دھوئیں نے کر دی جو دیوار کی اوٹ سے اوپر اٹھ آیا تھا اور اوپر ہی اوپر اُٹھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ دھوّاں بڑی تیزی سے پھیلتا اور گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ ان خیموں میں رہنے والوں کی چیخ و پکار باہر بھی سنائی دینے لگی۔

خیمے بہت ہی زیادہ تھے اور ایک دوسرے کے بالکل قریب قریب لگے ہوئے تھے۔ ایک جلتا ہوا خیمہ دائیں بائیں والے خیموں کو جلا رہا تھا اور آگ بڑی تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جلتے ہوئے خیموں میں سے نکلنے والوں میں سے اکثر کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ کئی ایک تو نکل بھی نہ سکے اور زندہ جل گئے۔ دیوار پر جو عیسائی کھڑے تیر اور برچھیاں پھینک رہے تھے' وہ ایسے گھبرائے کہ وہاں سے دوڑ پڑے اور خیموں کی آگ بجھانے کے لئے نیچے اتر گئے۔ دیوار کا خاصا حصہ خالی ہو گیا۔

مجاہدین دو رسّے لے کر دیوار تک پہنچے اور کمندیں دیوار پر پھینکیں۔ کمندیں بالکل صحیح جگہوں پر پہنچ کر اٹک گئیں تو مجاہدین رسّوں پر چڑھنے لگے لیکن دائیں اور بائیں سے

ان پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ پیچھے والے بہت سے مجاہدین دوڑتے ہوئے آگے گئے اور دیوار والے تیراندازوں پر تیر چلانے شروع کر دیئے۔ بہت سے عیسائی تیرانداز تیروں کا نشانہ بنے اور دو تین دیوار کے باہر بھی گرے لیکن وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ وہ یہ کہ رسّوں پر چڑھنے والے مجاہدین کے جسموں میں کئی کئی تیر اُتر گئے تھے اور وہ رسّوں سے نیچے آ پڑے تھے۔ دلیری اور جذبۂ شہادت کا یہ مظاہرہ بھی کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس مظاہرے نے مجاہدین میں نئی روح پھونک دی۔ کئی مجاہدین دیوار کی طرف دوڑے کہ وہ رسّوں سے اوپر چڑھ جائیں گے لیکن ایک تو انہیں سالاروں نے روک دیا اور دوسرے یہ کہ اوپر جہاں رسّے اٹک گئے تھے وہاں سے قبائیلوں نے رسے اتار پھینکے۔

شہر کے اندر کا شور وغل بتا رہا تھا کہ جلتے ہوئے خیموں نے اندر کیسی صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ وہ افراتفری پیدا ہو چکی تھی جو خالدؓ بن ولید پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے تیراندازوں کو پیچھے ہٹا لیا اور جو سوار دیوار کی طرف کچھ آگے بڑھ گئے تھے انہیں بھی واپس بلا لیا۔

رات کے وقت مجاہدین کی ٹولیاں ایک دو دروازوں تک پہنچ جاتی تھیں اور کلہاڑوں سے دروازے توڑنے کی کوشش کرتی تھیں لیکن اوپر سے تیر بھی آتے اور برچھیاں بھی آتی تھیں۔ دشمن نے اوپر سے ان پر جلتی ہوئی مشعلیں بھی پھینکی تھیں جن سے دو تین مجاہد کپڑوں کو آگ لگ جانے سے جھلس گئے تھے۔



خالدؓ بن ولید نے ایک روز تقریباً" ایک ہزار سواروں کا دستہ محاصرے سے نکال کر پیچھے بھیج دیا۔ ان سواروں کے جانے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ واپس جا رہے ہوں۔ یہ تھے وہ ایک ہزار گھوڑ سوار مجاہدین جنہیں روتاس نے دیوار پر کھڑے محاصرے سے جاتے دیکھا اور بڑی خوشی سے لیزا کو بھی بتایا تھا کہ شاید مسلمان محاصرے سے مایوس ہو کر اپنا لشکر آہستہ آہستہ واپس بھیج رہے ہیں۔

خالدؓ بن ولید نے ایک چال یہ بھی چلی کہ تمام سرگرمیاں اور قلعہ سر کرنے کی کارروائیاں بالکل ہی بند کر دیں۔ مجاہدین نے تو شجاعت اور شہادت کے مظاہرے اس حد تک کئے تھے کہ چند ایک مجاہدین کلہاڑے لئے تیروں کی بوچھاڑوں میں کسی ایک

دروازے تک جا پہنچتے اور دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اوپر سے ان پر تیر بھی آتے تھے اور برچھیاں بھی۔ اس طرح کئی ایک مجاہدین شدید زخمی ہوئے اور شہید بھی۔

خالدؓ بن ولید نے محاصرے کے ایک طرف سے ایک ہزار سواروں کا ایک اور دستہ پیچھے بھیج دیا جو پہلے رخصت ہونے والے دستے کے راستے پر گیا اور ٹیکریوں کی اوٹ میں ہوتا پہاڑی کے پیچھے چلا گیا۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ اس دستے کو بھی واپس بھیج دیا گیا ہے۔ خالدؓ بن ولید اور عیاضؓ بن غنم گھوڑوں پر سوار شہر کے اردگرد گھومتے پھرتے تو نظر آتے تھے لیکن باقی لشکر کا انداز یہ تھا کہ مجاہدین زیادہ تر خیموں کے اندر رہتے یا کچھ دیر کے لئے بعض مجاہدین باہر آتے اور پھر خیموں میں چلے جاتے یا پیچھے جا کر درختوں کے نیچے بیٹھ جاتے تھے۔

قلعے کے اندر انطونیس تو بہت ہی خوش تھا اور اس پر فتح کا تاثر طاری رہنے لگا تھا لیکن آرام سے وہ پھر بھی کہیں بیٹھتا نہیں تھا۔ وہ قبیلوں کے سرداروں کو اکٹھا کر کے انہیں ہدایات دیتا یا دیوار پر جا کر لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور کبھی نیچے آ کر لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں فتح کی خوشخبریاں سناتا اور انہیں بتاتا تھا کہ ابھی لڑائی ختم نہیں ہوئی اور ان مسلمانوں کو بھگانا نہیں بلکہ اس لشکر کو لاشوں میں بدل دینا ہے اور پھر جو زندہ رہیں گے انہیں قیدی بنا کر قلعے میں جانوروں کی طرح رکھنا ہے۔

انطونیس پر تو جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور وہ تو جیسے لیزا کو اور دنیا کی ہر دلچسپی کو ذہن سے ہی اتار بیٹھا تھا۔ لیزا نے اب اسے یہ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ وہ گھر نہیں آتا اور آتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے اپنا ذہن اور دل باہر ہی چھوڑ آیا ہو۔ انطونیس کی بجائے روتاس لیزا کے ہاں چلا جاتا تھا اور کبھی لیزا اُس کے ہاں جا پہنچتی تھی۔

یوکلس پر تو ایسی جذباتیت غالب آ گئی تھی کہ وہ ماں سے جیسے لاتعلق ہی ہو گیا تھا اور اسے کھانے پینے کا بھی ہوش اور احساس نہیں رہا تھا۔

اس داستان کو ہم کچھ دن پیچھے اُس مقام پر لے چلتے ہیں جہاں مسلمانوں کے پھینکے ہوئے فلیتوں والے تیروں نے اندر خیموں کی بستی کو آگ لگا دی تھی۔ خیموں میں رہنے والوں کا قیامت خیز شور و غل باہر بھی سنائی دے رہا تھا لیکن شہر کے اندر جو قیامت برپا ہو گئی تھی وہ مجاہدین کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ خیموں کی یہ وسیع و عریض بستی شعلوں میں

بدل گئی تھی۔ عورتیں، بچے اور وہ لوگ جو بروقت نکل نہ سکے، زندہ جل رہے تھے۔

شہر کے لوگ گھروں سے نکل آئے اور کنوؤں سے پانی نکال نکال کر آگ پر پھینکنے لگے لیکن آگ سے ان خیموں کو جو ابھی بچے ہوئے تھے، بچانا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ شہر کے لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اتنے اونچے جانے والے شعلوں کی دہشت معمولی نہیں ہُوا کرتی جسے انسان برداشت کر لیتے۔

کچھ خیمے بچا تو لئے گئے لیکن وہاں خیموں کو نہیں بلکہ انسانوں کو بچانا تھا۔ وہی بچ سکے جو بروقت نکل گئے تھے۔ شہر کے لوگوں پر خوف و ہراس تو طاری تھا ہی لیکن کچھ ایسی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں کہ محاصرہ توڑ دیا شہر مسلمانوں کے حوالے کر دو۔ یہ آوازیں بھی سنائی دیں کہ آج خیمے جلے ہیں کل ہمارے گھر بھی جلیں گے۔

انطونیس، روتاس اور یوکلس بھی وہاں موجود تھے اور لوگوں کی طرح بھاگ دوڑ کر آگ پر قابو پانے کی کوششوں میں بُری طرح مصروف تھے۔ انہوں نے بھی لوگوں کے احتجاجی نعرے سنے اور محسوس کر لیا کہ لوگ محاصرے سے تنگ آ گئے ہیں۔ انطونیس نے بڑی بلند آواز میں لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ اپنے قومی وقار اور آزادی کے لئے ایسی قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں۔ ان مسلمانوں کو دیکھو، کتنی دور سے آئے ہیں، مسلسل لڑ رہے ہیں اور اب اتنا زیادہ نقصان اٹھا کر بھی محاصرہ نہیں اٹھانا چاہتے۔

"میں تمہیں یہ بھی بتا دوں" ـــــ انطونیس نے کہا ـــــ "مسلمان محاصرے کی کامیابی سے مایوس ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کچھ دستے واپس بھیج دیئے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ خود ہی محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں گے۔ ایسی باتیں زبان پر مت لاؤ کہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے"۔

انطونیس نے شہر کے لوگوں کو اکسایا اور بھڑکایا اور پھر اس کے اشارے پر یوکلس ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا تاکہ سب لوگ اسے دیکھ سکیں۔

"اے اہلِ صلیب!" ـــــ یوکلس نے بڑی ہی بلند آواز سے لوگوں سے خطاب کیا ـــــ "میری عمر دیکھو۔ کیا یہ ہنسنے کھیلنے کی عمر نہیں؟ میرا ایک بازو بھی نہیں۔ پھر بھی تم مجھے دیکھتے رہتے ہو کہ آرام اور چین کی نیند اور کھانے پینے کو بھول گیا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ میں کس طرح ایک بازو سے لڑتا ہوں۔ میں تمہارا بچہ ہوں اور تمہاری عزت اور آبرو کی خاطر شاہی زندگی چھوڑ کر آیا ہوں"۔

انطونیس اور یوکلس نے لوگوں سے خطاب اُس وقت کیا تھا جب خیموں کی آگ پر تقریباً قابو پا لیا گیا تھا لیکن ابھی لاشیں باہر نہیں لائی گئی تھیں۔ لوگوں کا حوصلہ قائم ہو گیا تھا اور ان کا احتجاج بھی ختم ہو گیا۔ انطونیس اور یوکلس کے بولنے کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ لوگوں نے اس کا اثر قبول کیا۔ شہر میں خوف و ہراس نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ لوگوں نے پہلے سے زیادہ جوش اور جذبے سے آگ پر قابو پانا شروع کر دیا۔

سورج غروب ہونے تک آگ پر قابو پایا جا چکا تھا اور جو لوگ جلتے خیموں میں سے بچ نکلے تھے وہ اپنے بیوی بچوں اور دیگر افرادِ خانہ کو جلے ہوئے خیموں میں ڈھونڈنے لگے۔ یہ کام رات بھر جاری رہا۔ لوگ لاشیں اٹھا اٹھا کر ایک جگہ زمین پر رکھتے رہے۔

صبح طلوع ہوئی تو شہر کے لوگ پھر خیموں کی جلی ہوئی بستی کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ ان کے سامنے ایسا منظر تھا جس نے انہیں سر تا پا ہلا کر رکھ دیا۔ جلے ہوئے خیموں سے ذرا ہٹ کر بے شمار لاشیں پہلو بہ پہلو زمین پر رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں جوان آدمیوں کی لاشیں بھی تھیں، بوڑھوں کی، عورتوں اور بچوں کی لاشیں بھی تھیں۔ یہ سب کل کی آگ میں زندہ جل گئے تھے اور کوئی ایک بھی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ بعض لاشیں تو ایسے تھیں جیسے بڑی موٹی موٹی لکڑیاں جلی ہوئی ہوں۔ بے شمار لاشیں قابلِ شناخت نہیں تھیں۔

کل تو انطونیس اور یوکلس نے لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس نکال دیا اور ان کے حوصلوں میں نئی روح پھونک دی تھی لیکن اب لوگوں نے یہ جلی ہوئی لاشوں کی لمبی قطار اور پھر لاشوں کی حالت دیکھی تو وہ بھول ہی گئے کہ کل انہیں انطونیس اور یوکلس نے کیا کہا تھا۔

عورتیں روتی، چیختی، چلاتی اور بین کرتی اپنے بچوں کی لاشوں کو شناخت کر رہی تھیں لیکن وہاں تمام بچے ایک ہی جیسے ہو گئے تھے۔ خیموں میں رہنے والے اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو تلاش کر رہے تھے۔ ہر کسی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"کہاں ہے ہمارا رومی جرنیل!" ـــ ایک آدمی نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا ـــ "بچے جلے ہیں تو ہمارے جلے ہیں۔ مال اسباب جلا ہے تو ہمارا جلا ہے۔ قلعے سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیوں نہیں کیا جاتا!؟"

اس شخص کی تائید میں کچھ آوازیں اٹھیں اور فوراً بعد یوں لگتا تھا جیسے ہر کوئی بول رہا ہو اور ہر کسی کا یہی ایک مطالبہ ہو کہ باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ آوازیں بھی بلند ہونے لگیں کہ رومی جرنیل کو بلاؤ۔

انطونیس کو اطلاع ملی تو وہ روتاس کو ساتھ لے کر دوڑتا ہوا وہاں پہنچا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے احتجاجاً نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ رومی جرنیل یہاں بادشاہ بننے آیا ہے۔

انطونیس نے جب لوگوں کو اس قدر غم و غصے میں دیکھا تو بڑی مشکل سے لوگوں کو خاموش کرایا۔ اس نے کہا کہ محاصرہ خود ہی اٹھ جائے گا۔

"ہم اور انتظار نہیں کر سکتے" ـــ ایک آدمی نے کہا ـــ "ہم سب باہر نکل کر لڑیں گے"۔

انطونیس آخر جرنیل تھا اور روتاس بھی فوجی افسر تھا۔ وہ بڑی اچھی طرح جانتے تھے کہ محصور ہو کر کس صورتِ حال میں باہر نکل کر حملہ کیا جاتا ہے لیکن لوگ اپنے مطالبے سے ہٹ ہی نہیں رہے تھے۔ انطونیس اور روتاس نے انہیں باری باری سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔

"اے رومی جرنیل!" ـــ ایک معمر آدمی نے کہا ـــ "ہم مسلمانوں سے دشمنی رکھنا ہی نہیں چاہتے۔ اگر تم باہر نکل کر محاصرہ توڑنے کی کوشش نہیں کرو گے تو ہم خود دروازے کھول دیں گے"۔

"تم جاہل اور احمق ہو" ـــ انطونیس نے کہا ـــ "تم دروازے مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ اسلام کے لئے کھولو گے۔ مسلمان شہر میں آئیں گے تو سب سے پہلے تمہیں اسلام قبول کرنے کا حکم دیں گے۔ تمہیں اپنے مذہب سے ہی نہیں بلکہ اپنی خوبصورت بیٹیوں اور جوان بیویوں سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔ تم ایک قوم کی صورت میں زندہ رہ ہی نہیں سکو گے"۔

"اے اہلِ صلیب!" ـــ روتاس بڑی بلند آواز سے بولا ـــ "تم جن مسلمانوں کے لئے دروازے کھولنا چاہتے ہو اور پھر تم جن مسلمانوں کی اطاعت قبول کرو گے، ان کی یہ درندگی اور ظلم بھی دیکھ لو جو جلی ہوئی لاشوں کی صورت میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ انہوں نے تمہارے دودھ پیتے بچے بھی جلا ڈالے ہیں۔ اگر تم نے مسلمانوں کے

آگے ہتھیار ڈال دیئے تو وہ ہر اُس عیسائی کو قتل کر دیں گے جو ان کا مذہب قبول نہیں کرے گا"۔

"اے رومی!" ___ ایک بوڑھے نے آگے آکر کہا ___ "جہاں لڑائی ہوتی ہے وہاں بچے بھی مارے جاتے ہیں۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ رومی اور ایرانی فوجیں جدھر بھی گئیں قتلِ عام کرتی گئیں۔ انہوں نے معصوم بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کیا۔ نوجوان لڑکیوں اور کمسن بچیوں کو بھی بے آبرو کر کے مار ڈالا یا اپنے ساتھ لے گئے۔ مسلمانوں کو ہم نے خود اپنا دشمن بنایا ہے۔ پھر ہمارے لوگ رومیوں کی مدد کو چل پڑے اور رومی لڑنے کی بجائے بھاگ گئے۔ مسلمان ہمیں اپنا دشمن کیوں نہ سمجھیں؟.... اگر اپنی عورتوں اور بچوں کا تجھے اتنا ہی خیال ہے تو باہر نکلو اور حملہ کرو۔ شہر کا بچہ بچہ لڑے گا"۔

وہاں سارا شہر اکٹھا ہو گیا تھا۔ بوڑھے کی اس بات پر لوگوں نے شور و غل برپا کر دیا جس میں یہی ایک مطالبہ سنائی دے رہا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے محاصرہ توڑا جائے۔

اس شور و غوغا میں ایک اور آدمی آگے بڑھا اور اس نے ایک اور بات پیش کر دی۔

"ایک مصیبت اور آ رہی ہے" ___ اس آدمی نے کہا ___ "شہر میں اناج کم ہوتا جا رہا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں تک قحط پڑ جائے گا۔ مویشیوں اور گھوڑوں کے لئے چارہ نہیں مل رہا۔ کھیت قلعے کے باہر ہیں جہاں سے ہرا چارہ نہیں لایا جا سکتا۔ مویشی انسانوں سے پہلے مریں گے۔ قحط سے تڑپ تڑپ کر مر جانے سے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم اپنے مذہب اور اپنی آزادی کی خاطر ابھی لڑیں اور جانیں قربان کر دیں؟"

انطونیس اور روتاس کے دماغوں میں صرف لڑائی اور محاصرہ سمایا ہُوا تھا۔ یہ دونوں رومی اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ فتح ان کی ہو گی مگر انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ لڑائی کے کچھ پہلو اور بھی ہوتے ہیں اور کچھ تقاضے بھی۔ جن شہروں میں فوج رکھی جاتی تھی وہاں خوراک اور رسد کا اتنا زیادہ ذخیرہ رکھا جاتا تھا جو عموماً ایک سال سے زیادہ عرصے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ حلب میں کوئی فوج نہیں تھی۔ شہریوں نے ذخیرے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ مسلمانوں نے بھی وہاں فوج نہیں رکھی تھی اس لئے اناج کا ذخیرہ بھی نہ رکھا گیا۔ اب شہریوں کو پتہ چلا کہ شہر میں اناج بڑی تیزی سے کم ہو رہا ہے اور مویشیوں کے لئے ہرا چارہ بھی نہیں مل رہا۔

یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس نے انطونیس اور روتاس پر خاموشی طاری کر دی اور انہیں

کوئی ایسی بات نہ سُوجھی جس سے وہ لوگوں کے دل پر چھا سکتے اور انہیں جھوٹی تسلیاں دے کر ان کا حوصلہ قائم رکھ سکتے۔ انطونیس نے اُسی وقت قبیلوں کے سرداروں کو بلایا اور الگ لے جا کر بٹھایا اور خوراک کی صورتِ حال ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ اب ہمیں یہ محاصرہ باہر نکل کر توڑنا ہی پڑے گا۔ اگر ہم نے انتظار کیا کہ محاصرہ خود ہی واپس چلا جائے گا تو شہر کے لوگ فاقہ کشی کے ڈر سے خود ہی دروازے کھول دیں گے اور اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

سرداروں نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ محاصرے پر حملہ کیا جائے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ انطونیس نے سرداروں سے کہا کہ وہ ان تمام لوگوں کو اکٹھا کریں جو لڑنے کے قابل ہیں تاکہ انہیں ضروری ہدایات دی جا سکیں۔

○

حلب کے اس محاصرے کے متعلق مؤرخوں نے جو تفصیلات لکھی ہیں ان کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خالدؓ بن ولید دشمن کی نفسیات کے ساتھ کھیلنے کی کوشش میں تھے۔ وہ اب نفسیاتی داؤ پیچ کی جنگ لڑنے کی فکر میں تھے۔ انہیں یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ جو دو دستے محاصرے سے ہٹائے ہیں' اس کارروائی کا شہر کے اندر ردِعمل کیا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ شہر میں اناج کی قلت بھی پیدا ہو گئی ہے۔

اپنے ساتھی سالار عیاضؓ بن غنم کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے خالدؓ بن ولید نے شہر کے ایک پہلو سے محاصرہ اٹھا ہی دیا اور اس طرف کے دستوں کو واپس بھیج دیا۔

اُس روز انطونیس' روتاس اور قبیلوں کے سردار دیوار پر کھڑے خالدؓ بن ولید کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ اس طرف سے محاصرہ اٹھ ہی گیا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

"ہم مزید انتظار نہیں کریں گے" ___ انطونیس نے اپنا فیصلہ سنایا ___ "کل صبح اس طرف کے دونوں دروازے کھول کر باہر نکلیں گے اور ان مسلمانوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے"۔

اگلی صبح ابھی طلوع ہوئی ہی تھی کہ شہر کے دو دروازے کھلے اور شہر کے لوگ برچھیاں اور تلواریں لئے اس طرح دوڑتے باہر نکلے جیسے سیلابی دریا کا بند یا کنارہ ٹوٹ گیا

ہو۔ ان میں گھوڑ سوار بھی تھے۔ مسلمان ایسی حالت میں تھے جیسے وہ ایسا شدید اور تیز حملہ روک ہی نہیں سکیں گے نہ انہیں حملہ روکنے کی تیاری کی مہلت ہی ملے گی لیکن مسلمان سالاروں نے مجاہدین کو ہروقت تیار رہنے کا حکم دے رکھا تھا اور ساتھ یہ کہا تھا کہ وہ اس طرح چلیں پھریں اور درختوں کے نیچے جا کر لیٹیں جیسے ان پر تھکن اور مایوسیوں کی چٹانیں آ پڑی ہوں۔

انتھونیس نے حملے کی سکیم دانشمندی سے تیار کی تھی۔ یوں نہ کیا کہ ایک طرف حملہ کرتا۔ اس طرح اس کے لشکر پر پیچھے سے مجاہدین حملہ کر دیتے۔ اس نے شہریوں کو بتا دیا تھا کہ دروازے سے نکلتے ہی دو حصوں میں بٹ جائیں اور حملہ دائیں اور بائیں کریں تاکہ ان کے عقب محفوظ رہیں۔ ایک حصے کا کمانڈر انتھونیس خود تھا اور دوسرے حصے کی کمانڈ روتاس کے پاس تھی۔ یوکلس روتاس کے ساتھ تھا۔

بظاہر ڈھیلے ڈھالے اور تھکے تھکے سے مجاہدین جب اٹھے اور مقابلے پر آئے تو حملہ آوروں نے یقیناً" محسوس کیا ہو گا کہ وہ بڑی سخت چٹانوں سے جا ٹکرائے ہیں۔ مجاہدین نے بہادری سے اس اچانک حملے کا مقابلہ کیا۔

خالدؓ بن ولید کی دوسری سکیم یہ تھی کہ کبھی بھی اندر سے حملہ آ جائے تو حملہ آوروں کے پیچھے سے کھلے دروازے میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے لیکن یہ سکیم کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ انتھونیس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دائیں بائیں کو کر دیا تھا۔

گھمسان کی لڑائی میں انتھونیس اور روتاس نے اپنے لشکر کو ایک تربیت یافتہ فوج کی طرح لڑانے کی کوشش کی لیکن وہ فوج نہیں تھی۔ وہ لڑنے والوں کا ہجوم تھا جو ایک ہی بات سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرنا ہے۔ ہُوا یہ کہ قبائلی خود ہی قتل ہونے لگے۔ مجاہدین کی اکثریت گھوڑ سوار تھی۔

انتھونیس جان گیا کہ مسلمان دروازوں کی طرف آنا چاہتے ہیں لیکن اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس کا لشکر مسلمانوں کو روک نہیں سکے گا۔ اس صورتِ حال پر اس نے اس طرح قابو پایا کہ اپنے لشکر کو واپس شہر میں آ جانے کا حکم دیا۔ اُس کا حکم چل نہیں رہا تھا۔ اُس نے سرداروں سے کہا کہ اپنے اپنے آدمیوں کو واپس شہر میں دھکیلو۔ یہ سرداروں کا ہی کام تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو لڑائی میں سے نکالنے اور واپس شہر میں لانے میں کامیاب

ہو گئے۔ مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا۔ انہیں امید تھی کہ وہ حملہ آوروں کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو جائیں گے لیکن دروازے بند ہو گئے۔ اندر والوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کے چند سو آدمی باہر ہی رہ گئے تھے۔ ان آدمیوں نے مقابلہ جاری رکھا۔ چونکہ وہ دیوار کے قریب تھے اس لئے دیوار پر کھڑے تیراندازوں اور برچھی بازوں نے مجاہدین پر تیروں کا مینہ برسا دیا اور برچھیاں بھی پھینکیں۔ اس سے مجاہدین کو اچھا خاصا نقصان اٹھانا پڑا اور دشمن کے بہت سے آدمی جو باہر رہ گئے تھے' بچ نکلے۔ ان کے لئے دروازہ کھلا اور وہ اندر چلے گئے۔

دیوار پر کھڑے قبائلیوں نے باہر کا منظر دیکھا۔ دُور دُور تک لاشیں بکھر گئی تھیں اور شدید زخمی اٹھ کر چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس منظر سے قبائلی عیسائیوں کا حوصلہ اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ اعلانیہ کہنے لگے کہ وہ ایسا ہی ایک اور حملہ پھر کریں گے۔ انتھونیس نے سب کو فیصلہ سنا دیا کہ ایسا حملہ بلکہ اس سے زیادہ زوردار حملہ ایک بار پھر کیا جائے گا۔

شہر کی عورتیں اپنے بیٹوں' بھائیوں اور خاوندوں کو ڈھونڈتی پھر رہی تھیں۔ وہ اس ہجوم پر ٹوٹ پڑی تھیں جو لڑ کر واپس آیا تھا۔

ان میں ایک لیزا بھی تھی جو پاگلوں کی طرح "یوکلس یوکلس" پکارتی پھر رہی تھی۔ اسے اپنا بیٹا نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوکلس بھی اس حملے میں شامل تھا۔ لیزا دوڑتی ہوئی دیوار پر جا چڑھی تو دُور سے اسے اپنا اکلوتا بیٹا نظر آ گیا۔ وہ روتاس کے پاس کھڑا تھا۔ لیزا یوں دوڑ کر یوکلس سے جا لپٹی جیسے چیل اوپر سے آ کر چوزے کو پنجوں میں دبوچ کر اوپر لے جاتی ہے۔ لیزا نے بیٹے کو اوپر سے نیچے تک اور ہر طرف سے دیکھا کہ یہ زخمی تو نہیں۔ یوکلس نے اسے حوصلہ دیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور وہ اس کے لئے ایسی دیوانگی کا اظہار نہ کیا کرے۔

یوکلس کی تلاش میں ماری ماری پھرنے والی ایک نوجوان اور بڑی ہی حسین لڑکی روزی بھی تھی جو کسی سے پوچھتی ہی نہیں تھی کہ یوکلس واپس آ گیا ہے یا نہیں یا وہ کہاں ہے۔ یہ وہی عیسائی لڑکی تھی جسے یوکلس نے قسطنطین سے بچایا تھا۔ یہ لڑکی اسے حلب میں ملی اور پھر ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

روزی بھی دیوار پر چلی گئی اور دُور سے یوکلس کو لیزا کے بازوؤں میں دیکھ لیا۔ وہ

دوڑ پڑی اور اُس تک پہنچی۔ ان لوگوں میں حجاب تو تھا ہی نہیں۔ یوکلس نے روزی کو دیکھا تو ماں کے بازوؤں سے نکل کر روزی کو اپنے ایک بازو میں جکڑ کر سینے سے لگا لیا۔

○

شہر سے باہر مجاہدین اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا رہے تھے۔ زخمیوں کو اٹھانے کا کام عورتوں کے سپرد تھا۔ یہ عورتیں مجاہدین کی بیویاں، بہنیں اور بیٹیاں تھیں جو مجاہدین کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان کی رہائش کا انتظام محاصرے سے دور پیچھے خیموں میں کیا گیا تھا۔ ان میں شارینا بھی تھی جو ہرقل کی بیٹی تھی اور اب ایک مجاہد حدید بن مومن خزرج کی بیوی تھی۔ وہ دوسری عورتوں کے ساتھ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھی اور انہیں اٹھا اٹھا کر پیچھے مرہم پٹی کے لئے بھی لے جا رہی تھی۔

مجاہدین کا جانی نقصان ہُوا تھا لیکن اتنا نہیں کہ محاصرے کی تقویت پر اثر انداز ہوتا۔ زخمیوں کی تعداد کچھ زیادہ تھی لیکن یہ بھی محاصرے کو کمزور نہیں کر سکتی تھی۔ خالدؓ بن ولید نے شہر کے دوسری طرف سے چند سو گھوڑ سواروں کو ہٹا کر اُس طرف کر دیا جہاں سے انہوں نے محاصرہ اٹھایا تھا۔ اس کے سوا انہوں نے کوئی اور سرگرمی نہ دکھائی یعنی قلعے پر حملے کرنے کی کوئی کوشش نہ کی اور مجاہدین کو پہلے کی طرح کا رویّہ اختیار کرنے کو کہا۔

یہ بتانا ممکن نہیں کہ محاصرہ کتنا عرصہ رہا۔ اس سلسلے میں مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک نے تو یہ عرصہ سات سال لکھا ہے جو کسی پہلو قابلِ قبول نہیں۔ مختلف مؤرخوں کی تحریروں سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ محاصرہ چند مہینے رہا تھا۔ پھر کسی تاریخ میں ایسی تفصیلات نہیں ملتیں کہ خالدؓ بن ولید نے ان قبائلی عیسائیوں کو اور کیا کیا دھوکے دیئے تھے کہ وہ اُسی دفاعی کارروائی پر آ گئے جو خالدؓ بن ولید چاہتے تھے۔

دونوں فریقوں کو کچھ دنوں کی مہلت درکار تھی تاکہ معمولی زخمی ٹھیک ہو جائیں۔ انطونیسؔ اور روتاس اگلے حملے کا پلان بناتے رہے۔ قبیلوں کے سردار ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ہر حکم ہدایات ان سرداروں کے ذریعے شہریوں تک پہنچتی تھی۔ اب تو نوعمر لڑکے بھی لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے اور عورتوں نے بھی کہا تھا کہ ان کی ضرورت محسوس ہو تو وہ بھی لڑیں گی۔

مسلمانوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ نماز کی امامت سپہ سالار کرتا تھا۔ خالدؓ بن ولید فجر

کی نماز کے بعد بہت ہی مختصر الفاظ میں مجاہدین کو ان کے فرائض یاد دلایا کرتے تھے اور ایک بات اکثر کہا کرتے ـــ "اللہ کی سلطنت کی کوئی سرحد نہیں ہوتی، جہاد اللہ کے نام پر ہوتا ہے اور اس کا اجر اللہ ہی دیتا ہے" ـــ پھر کبھی کبھی وہ یہ بات بھی کہا کرتے تھے ـــ "دعا عمل کے بغیر اور عمل دعا کے بغیر اُس پودے جیسا ہے جسے اُگا تو لیا لیکن پانی دینا بھول گئے"۔

خالدؓ بن ولید مجاہدین کو براہِ راست جو احکام دینا چاہتے تھے وہ فجر کی نماز اور دعا کے بعد دیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجاہدین کو تیار کر رکھا تھا کہ اندر سے دوسرا حملہ آئے گا۔ اس کا انہیں اس طرح یقین ہو گیا تھا کہ جو قبائلی عیسائی زخمی ہو کر گرے اور پھر شہر میں واپس نہیں جا سکے تھے ان سے معلوم کر لیا گیا تھا کہ شہر میں اناج کی اتنی قلت پیدا ہو گئی ہے کہ کچھ ہی دنوں تک صورت قحط والی ہو جائے گی۔ ان زخمیوں سے یہ بھی معلوم کر لیا گیا تھا کہ شہر کے لوگ جلدی سے جلدی محاصرہ توڑنا چاہتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لینے کے حق میں ہیں.... اندر کی صورتِ حال معلوم ہو جانے سے خالدؓ بن ولید اور عیاضؓ بن غنم کے لئے داؤ پیچ سوچنا اور فیصلے کرنا آسان ہو گیا۔

قلعے کے اندر بھی اگلی دفاعی کارروائی کے متعلق فیصلے ہو رہے تھے۔ انطونیسؔ اور روتاس نے دو روز بعد علی الصبح حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بہت سے معمولی زخمی ٹھیک ہو چکے تھے اور پہلے سے زیادہ شہری حملے میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ انطونیسؔ کا عزم یہ تھا کہ یہ حملہ فیصلہ کن ہو گا۔ اندر کے لشکر کو اب دو کی بجائے چار دروازوں سے نکلنا تھا یعنی حملہ شہر کے دونوں پہلوؤں سے کیا جائے گا۔

یوکلس نے انطونیسؔ اور روتاس کو بتائے بغیر اپنا ایک جانباز گروہ تیار کر لیا تھا جس میں اسی جیسے نوجوان شامل ہوئے تھے اور وہ سب گھوڑ سوار تھے۔ انہوں نے طے کیا تھا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار پر حملہ کریں گے اور اُسے زندہ یا مُردہ شہر کے اندر لائیں گے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ وہ کہیں اور نہیں لڑیں گے، صرف اُس جگہ پہنچیں گے جہاں سپہ سالار ہو گا۔ وہ جانتے تھے کہ سپہ سالار محافظوں کے حصار میں ہو گا اور انہیں بڑی ہی خونریز لڑائی لڑنی پڑے گی۔

حملے کی صبح میں ایک دن رہ گیا تھا اور ایک رات۔ یوکلس اپنی ماں سے رخصت ہو

کر چلا گیا۔ اس نے صرف ماں کو بتایا تھا کہ ایک جانباز گروہ تیار کیا ہے جس کا انتھونیس اور روتاس کو علم نہیں اور اس کا یہ گروہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو زندہ یا مُردہ اپنے ساتھ لائے گا۔ اس نے ماں سے کہا تھا کہ اب وہ اپنے گروہ میں جا رہا ہے اور واپس گھر حملے کے بعد ہی آسکے گا۔ ماں نے اسے پیار اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

انتھونیس بہت مصروف تھا۔ کبھی دیوار پر چلا جاتا اور مسلمانوں کے لشکر کو دیکھتا اور پھر دوڑا نیچے چلا جاتا اور قبائلی سرداروں سے مل کر انہیں پہلے کہی ہوئی باتیں ایک بار پھر کہتا۔ ایک جنون اور ایک خبط تھا جو اس کے دماغ پر سوار ہو گیا تھا۔

○

دن کا پچھلا پہر تھا۔ انتھونیس کو روتاس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کسی اور کو بھیجنے کی بجائے وہ خود اس کی تلاش میں چل پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ روتاس اسی کی طرح باہر بھاگتا دوڑتا پھر رہا ہو گا لیکن وہ اسے نہ ملا۔ آخر وہ روتاس کے گھر کو چل دیا۔ وہ اکیلا رہتا تھا اس لئے انتھونیس بغیر اطلاع اندر چلا گیا۔

صحن میں جا کر اس نے روتاس کو آواز دی۔ ایک کمرے میں سے روتاس کی آواز سنائی دی کہ وہ کپڑے بدل کر آتا ہے۔ انتھونیس اس خیال سے اس کے کمرے کی طرف چل پڑا کہ وہ اکیلا ہو گا۔ دروازہ بند تھا لیکن کواڑوں پر ہاتھ رکھا تو کواڑ کھل گئے۔ انتھونیس نے کمرے میں جو منظر دیکھا اس سے اس کا خون کھول اٹھا اور دماغ کو چڑھ گیا۔

لیزا بھی اس کمرے میں موجود تھی اور بڑی تیزی سے کپڑے پہن رہی تھی۔ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ اس سے پہلے وہ برہنہ تھی۔ روتاس بھی بڑی ہی تیزی سے کپڑے پہن رہا تھا۔ انتھونیس محاصرے کو اور اگلے دن کے حملے کو بھول ہی گیا اور اس نے تلوار نکال لی۔

"تلوار نکال لو" ـــــ انتھونیس نے روتاس کو للکارا ـــــ "صحن میں آجاؤ پھر جو زندہ رہے گا یہ عورت اُس کی ہو گی"۔

یہ اُس زمانے کا دستور تھا کہ بعض تنازعات کے فیصلے تلوار کیا کرتی تھی.... روتاس نے فوراً چیلنج قبول کر لیا اور تلوار لے کر صحن میں نکل آیا۔ وہ بھی آخر رومی تھا اور اس کا کردار ان کے کلچر کے عین مطابق تھا۔

انتھونیس اور روتاس کی تلواریں ٹکرانے لگیں۔ اتنے میں لیزا نے کپڑے پہن

لئے اور وہ دوڑتی صحن میں آئی۔ اس نے دونوں دوستوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے کے لئے پیچھے ہٹے۔ دونوں کے یہ پینترے ایسے تھے جیسے دونوں کو یہ یقین تھا کہ وہ دشمن کو مار لیں گے۔ وہ تلواریں برچھی کی طرح سیدھی کر کے ایک دوسرے کو مارنے آگے بڑھے تو لیزا دوڑ کر ان کے درمیان آگئی اور انہیں رک جانے کو کہا لیکن دونوں بڑی تیزی سے آگے بڑھے تھے اور فاصلہ کچھ تھا ہی نہیں اس لئے وہ رُک نہ سکے اور ہُوا یہ کہ ایک کی تلوار برچھی کی طرح لیزا کی پیٹھ میں اُتر گئی اور دوسرے کی تلوار لیزا کے پیٹ کے دور اندر چلی گئی۔

دونوں نے تلواریں کھینچ لیں لیکن وار اتنے بھرپور تھے کہ لیزا زندہ رہ سکتی ہی نہیں تھی۔ وہ گری اور ایک پہلو کی طرف لڑھک گئی۔ دونوں نے اسے دیکھا پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انتھونیس پیچھے ہٹا جیسے وہ روتاس پر ایک اور حملہ کرے گا۔

"ٹھہر جاؤ انتھونیس!" ـــــ روتاس نے اپنی تلوار بڑی زور سے صحن میں پھینکی۔ تلوار کچے صحن میں اتر کر وہیں کھڑی رہی اور ہلتی رہی۔ روتاس نے کہا ـــــ "ہم دونوں ایک عورت کے پیچھے اپنی حیثیت بھول بیٹھے ہیں۔ کیا ہم نے یسوع مسیح کی سلطنت قائم کرنے کا عزم نہیں کیا تھا؟.... اگر مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو کر دو لیکن اپنے عزم کو نہ بھولنا یہ جو مر گئی ہے ایک بدکار عورت تھی ہمیں ایک عورت کی خاطر ایک دوسرے کا دشمن نہیں ہونا چاہئے"۔

انتھونیس نے بھی تلوار نیام میں ڈال لی اور روتاس کی تلوار صحن سے اکھاڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دی اور اسے باہر چلنے کو کہا۔ باہر نکل کر انتھونیس نے روتاس سے کہا کہ جو ہُوا ہے وہ دل سے اتار دے اور بھول جائے۔ ہمیں فتح حاصل ہو جائے' عورتوں کی کمی نہیں۔

یوکلس اپنے جانباز گروہ میں چلا گیا تھا۔ وہ ماں کو کہہ گیا تھا کہ حملے کے بعد ہی واپس آئے گا۔ اسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ اس کی ماں روتاس کے گھر میں مری پڑی ہے۔ انتھونیس اور روتاس یوں آپس میں پہلے کی طرح شیر و شکر ہو گئے جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں تھا۔

○

صبح کا اُجالا ابھی دُھندلا تھا جب شہر کے دو دروازے ایک پہلو سے اور دوسرے دو

دوسرے پہلو سے کھلے اور اندر سے لشکر بڑی ہی تیزی سے ان چاروں دروازوں سے نکلنے لگا۔ اُدھر پانچواں دروازہ کھلا اور یوکلس اپنے تقریباً" ایک سو جانبازوں کے ساتھ شہر سے نکلا۔ یہ دروازہ اسی نے کھلوایا تھا۔ انتھونیس نے صرف چار دروازے کھولنے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ حملے کے دوران دروازے کھلے رکھے جائیں۔

اب کے لشکر کے لڑنے کا انداز کچھ اور تھا۔ دائیں بائیں حملے کرنے کی بجائے سیدھے حملے کیے گئے۔ مسلمان حملہ روکنے کے لئے تیار ہو گئے اور تصادم ہُوا۔

مجاہدین کے لڑنے کا انداز یہ تھا کہ وہ مقابلہ تو کر رہے تھے لیکن دباؤ ڈالنے کی بجائے پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔ ان قبائلیوں کو معلوم نہ تھا کہ خالدؓ بن ولید کس قدر دانشمند سپہ سالار ہیں اور رہتی دنیا تک غیر قومیں بھی ان کے حوالے دیا کریں گی۔ مجاہدین کا اس طرح آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا کہ دشمن کو یہ دھوکا ہو کہ یہ ابھی بھاگ نکلیں گے' مسلمانوں کی ایک خاص جنگی چال تھی جس سے انہوں نے بڑی بڑی جنگی طاقتوں کو شکستیں دی تھیں۔ انتھونیسؔ اور روتاس بھی اسی دھوکے میں آ گئے اور محسوس ہی نہ کر سکے کہ ان کے لشکر قلعے سے خاصی دور نکل آئے ہیں جہاں سے ان کے لئے واپسی محال ہو جائے گی۔

جب دونوں طرف کے قبائلی لشکر مسلمانوں سے لڑتے لڑتے شہر سے بہت دور نکل گئے تو شہر کے ساتھ والی ٹیکریوں اور پہاڑی میں سے گھوڑ سوار مجاہدین کا ایک سیلاب نکلا یا تیز و تند طوفان تھا جو حیران کن رفتار سے شہر کی طرف آیا اور شہر کی دیوار اور قبائلی عیسائیوں کے لشکر کے درمیان حائل ہو گیا۔ یہ وہ گھوڑ سوار مجاہدین تھے جو محاصرے سے نکل گئے تھے اور انتھونیسؔ اور شہر کے لوگوں کو یہ دھوکا ہُوا تھا کہ مسلمان محاصرہ اُٹھا رہے ہیں اور یہ گھوڑ سوار دستے واپس چلے گئے ہیں۔ وہ گئے کہیں بھی نہیں تھے۔ ٹیکریوں اور پہاڑی کے پیچھے جا کر چُھپ گئے تھے اور اپنے سپہ سالار کے اشارے کا انتظار کرتے رہے تھے۔

انہیں بہت ہی دنوں بعد اشارہ ملا اور ان کے لئے جو حکم تھا اس کی تعمیل انہوں نے پوری خوش اسلوبی سے کی۔

ان میں سے کچھ شہر کے کھلے دروازوں میں سے اندر چلے گئے اور باقی قبائلی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ محاصرہ کرنے والے وہ مجاہدین جو لڑتے لڑتے پیچھے ہٹ رہے تھے' یکلخت

رک گئے اور قبائلیوں پر ہلّہ بول دیا۔ اب قبائلی لشکر دونوں طرف نرغے میں آ گئے تھے اور اُدھر مجاہدین شہر میں بھی داخل ہو گئے تھے۔ شہر میں کچھ مزاحمت ہوئی لیکن وہ نہ ہونے کے برابر تھی۔

مجاہدین تمام شہر میں گھوم گئے اور اعلان کرتے گئے کہ تمام آدمی گھروں سے باہر نکل آئیں اور عورتیں گھروں کے اندر رہیں۔ اگر کوئی مرد گھر کے اندر چھپا ہُوا پایا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ عورتیں بالکل نہ ڈریں۔ ان کی طرف کوئی غلط نظر سے دیکھے گا بھی نہیں نہ کسی بوڑھے' بچے یا مریض پر ہاتھ اٹھایا جائے گا نہ کوئی ضعیف العمر یا مریض آدمی گھر سے باہر آئے۔

صرف کہنے پر کون یقین کرتا.... لوگوں نے اپنی عورتوں اور خصوصاً" جوان لڑکیوں کو گھروں میں اِدھر اُدھر چھپا دیا اور خود باہر نکل آئے۔ عورتیں ڈر کے مارے باہر نہیں آتی تھیں نہ اپنے مکانوں کی چھتوں پر جاتی تھیں کہ دیکھتیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ ہر گھر میں افراتفری برپا ہو گئی تھی۔ اگر یہ فوج رومیوں یا ایرانیوں کی یا کسی اور غیر مسلم قوم کی ہوتی تو وہ گھروں پر ہلّہ بول دیتی' لُوٹ مار کرتی اور قتلِ عام بھی۔ کوئی جوان عورت ان کی دستبرد سے نہ بچتی لیکن مجاہدین نے لوگوں کے گھروں کی طرف دیکھا تک نہیں۔

شہر میں تمام آدمی باہر میدانوں میں اکٹھے ہو گئے۔ شہر کے باہر قبائلی عیسائیوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا۔ وہ خالدؓ بن ولید کے پھندے میں آ گئے تھے۔

یوکلس اپنے ایک سو جانبازوں کے ساتھ مسلمانوں کے سپہ سالار کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار بادشاہ نہیں ہُوا کرتا جو میدانِ جنگ سے ذرا دور ایک جگہ کھڑے رہ کر حکم چلاتا ہے۔ خالدؓ بن ولید جنگ کے دوران کسی ایک جگہ تو ٹھہرتے ہی نہیں تھے۔ قاصد اور محافظ ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یوکلس انہیں ڈھونڈتا ہی رہا کہ وہ بھی اپنے جانبازوں کے ساتھ مجاہدین کے گھیرے میں آ گیا اور نوجوانوں کا یہ دستہ کٹ کٹ کر گھوڑوں سے گرنے لگا اور گھوڑے انہیں پاؤں تلے روندنے مسلنے لگے۔

"دونوں رومی مارے گئے ہیں" ــــ کسی نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ــــ "انتھونیسؔ بھی نہیں رہا' روتاس بھی قتل ہو گیا ہے"۔

یہ آواز کئی آوازوں میں بدل گئی اور تمام تر میدانِ جنگ میں یہ اطلاع پھیل گئی کہ

قبائلیوں کے کمانڈر انطونیس اور روتاس مارے گئے ہیں۔ قبائلی عیسائیوں کا جوش و خروش ایسا ماند پڑا جیسے جلتی مشعل اچانک بجھ گئی ہو۔ انہوں نے برچھیاں تلواریں اور کمانیں پھینک دیں اور چلاّ چلاّ کر کہنے لگے کہ ہم نہیں لڑیں گے۔ ان میں جو گھوڑوں پر سوار تھے' وہ گھوڑوں سے اتر آئے اور اس طرح جو مرنے سے بچ گئے تھے ہتھیار پھینک کر موت سے محفوظ ہو گئے۔

خالدؓ بن ولید نے جنگ روک دی اور یہ حکم نہیں دیا کہ ہتھیار ڈالنے والوں کو قید میں ڈال دیا جائے بلکہ یہ اعلان کیا کہ جو قبائلی ہتھیار ڈال چکے ہیں وہ شہر کے اندر چلے جائیں لیکن اپنے گھروں میں نہ داخل ہوں۔ اس حکم کے مطابق قبائلی سر جھکائے ہوئے دروازوں میں داخل ہونے لگے اور ایک میدان میں اکٹھے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد خالدؓ بن ولید اور سالار عیاضؓ بن غنم شہر کے صدر دروازے سے فاتحین کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شام کا آخری قلعہ تھا۔ وہ بھی فتح ہو گیا اور شام کی فتح پر مسلمانوں کی مہر ثبت ہو گئی۔ خالدؓ بن ولید اُس جگہ گئے جہاں شہر کے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا تھا۔ ہتھیار ڈالنے والوں کو بھی وہیں لے گئے اور خالدؓ بن ولید نے ان سے مختصر سا خطاب کیا۔

"الجزیرہ کے لوگو!" —— خالدؓ بن ولید نے کہا —— "ہم نے یہ شہر لڑ کر لیا ہے اور تم نے ہمیں جانی نقصان پہنچایا ہے۔ تمہارے ساتھ ہمارا سلوک کچھ اور ہونا چاہئے تھا لیکن میں اُس راستے پر چلوں گا جو مجھے ہمارے امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے دکھایا ہے۔ ہمارے دستور کے مطابق تم سب کو اسلام قبول کر لینا چاہئے اور پھر ہمارا حق ہے کہ تم سے تاوان بھی وصول کریں لیکن بنو تغلب نے ہتھیار ڈالے تھے تو ہمارے امیرالمومنین نے حکم بھیجا تھا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے' اس کی بجائے جزیہ وصول کیا جائے۔ تم سب کو جزیہ دینا پڑے گا اور جزیہ ہر ایک کی حیثیت کے مطابق وصول کیا جائے گا۔ تم لوگ ہمارے خلاف لڑنے کے لئے رومیوں کے ساتھ جا ملے تھے۔ تمہیں اس کی سزا ملنی چاہئے لیکن ہم تمہیں کوئی سزا نہیں دیں گے۔ کیا شہر کے کسی بھی گھر میں لُوٹ مار ہوئی ہے؟ کوئی مسلمان کسی گھر میں داخل ہُوا ہے؟"

"نہیں.... نہیں سپہ سالار!" —— بہت سی آوازیں آئیں جن کا مطلب یہ تھا کہ نہ لُوٹ مار ہوئی ہے نہ کوئی مسلمان کسی گھر میں داخل ہُوا ہے"۔

"اور نہ ہو گا" —— خالدؓ بن ولید نے کہا —— "ہم تمہاری عزت و آبرو اور

تمہارے جان و مال کے محافظ ہیں لیکن کسی نے ذرا سی بھی بدامنی یا غداری کی تو اسے قتل کر دیا جائے گا"۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ حلب کے غیر مسلموں کے دلوں پر جو خوف بیٹھ گیا تھا وہ نکل گیا اور کئی ایک نے اُسی روز اسلام قبول کر لیا۔

○

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت وقت باقی تھا۔ مجاہدین اپنے زخمی ساتھیوں اور شہیدوں کی لاشوں کو اٹھا رہے تھے' ان کی خواتین زخمیوں کو پانی پلاتی پھر رہی تھیں اور ان میں جو ذرا بھی چلنے کے قابل تھے انہیں سہارا دے کر وہاں پہنچا رہی تھیں جہاں مرہم پٹی کا انتظام تھا۔

وہاں دو ہی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ایک زخمیوں کا کراہنا اور دوسرا پانی' پانی' خدا کے واسطے ایک بوند پانی.... شارینا بھی اسی کام میں مصروف تھی کہ وہ ایک زخمی کو دیکھ کر رک گئی اور حیرت زدگی کے عالم میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ یہ ایک نوجوان زخمی تھا جس کے چہرے اور سر پر تو کوئی زخم نہ تھا لیکن اس کے تمام کپڑے لال سرخ ہو گئے تھے اور خون اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔

"تم یوکلس تو نہیں ہو سکتے!" —— شارینا نے کہا —— "شاہ ہرقل کے بیٹے کا یہاں کیا کام.... میں خواب تو نہیں دیکھ رہی!"

"میں یوکلس ہی ہوں شارینا!" —— زخموں سے نڈھال یوکلس نے کہا —— "میں تمہیں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں' تم یہاں کیسے؟"

یوکلس سے اچھی طرح بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ بولتا تھا تو اس کی آواز ڈوبنے لگتی تھی۔

"چُپ رہو یوکلس!" —— شارینا نے کہا —— "یہ وقت کہانیاں سننے سنانے کا نہیں کہ تم یہاں کیسے آ گئے اور میں یہاں کس طرح آن پہنچی ہوں۔ یہ لو پانی پیو اور میں تمہیں اٹھوا کر مرہم پٹی کے لئے لے چلتی ہوں"۔

"نہیں شارینا!" —— یوکلس نے کہا —— "میرا وقت پورا ہو چکا ہے۔ معلوم نہیں میں اب تک زندہ کیسے ہوں۔ مجھے یہیں آخری سانس لے لینے دو"۔

یوکلس نے شارینا کا ایک ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ تو الگ بات ہے کہ یوکلس انطونیس کا بیٹا

تھا لیکن سب اسے شاہ ہرقل کا بیٹا کہتے تھے کیونکہ وہ ہرقل کی ایک بیوی لیزا کا بیٹا تھا۔ شارینا بھی شاہ ہرقل کی بیٹی تھی اس لئے وہ اور یوکلس ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔

شارینا نے یوکلس سے کہا کہ وہ مجاہدین کو بلواتی ہے اور وہ اسے اٹھا کر شہر میں لے چلیں گے لیکن یوکلس نے شارینا کا ہاتھ اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا اور زور زور سے سر ہلا کر کہنے لگا کہ وہ مرہم پٹی نہیں کروائے گا کیونکہ وہ بے کار ہوگی۔

اُدھر دُور دُور تک بکھری ہوئی لاشوں میں نوجوان روزی یوکلس کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ عورتوں کے لئے باہر نکلنے کی پابندی تھی لیکن وہ چھپتی چھپاتی کسی طرح گھر سے ہی نہیں بلکہ شہر سے نکل آئی اور یوکلس کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ شاید اسے کسی نے بتا دیا تھا کہ یوکلس مارا گیا ہے یا بُری طرح زخمی ہو گیا ہے۔

روزی پاگلوں کی طرح زخمیوں اور لاشوں کو دیکھتی پھر رہی تھی۔ وہ کئی بار کسی نہ کسی لاش سے ٹھوکر کھا کر گری اور اٹھ کر پھر زخمیوں اور لاشوں کے خون آلود چہرے دیکھنے لگتی۔ آخر وہ وہاں تک جا پہنچی جہاں شارینا یوکلس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ یوکلس کو دیکھ کر وہ اس کے اوپر گری اور دیوانہ وار اس کے منہ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"اٹھنے کی کوشش کرو یوکلس!" ——— شارینا نے اپنا ایک بازو یوکلس کے کندھوں کے نیچے لے جاتے ہوئے کہا ——— "ہم دونوں تمہیں اٹھا کر لے جائیں گی"۔

"ہم اٹھالیں گی یوکلس!" ——— روزی نے کہا۔

"میں تمہارے ہی انتظار میں تھا روزی!" ——— یوکلس نے روزی سے کہا ——— "میری ماں سے کہنا...." ——— اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور ہونٹ نیم وا رہے۔

روزی کے سینے سے ایک چیخ نکلی اور وہ لاش سے لپٹ گئی۔ شارینا وہاں سے اٹھی اور ایک آہ لے کر وہاں سے چلی گئی۔ اُس نے روزی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کون ہے۔

وہ زمانہ تھا' کیا وہ مسلمان اور کیا ان کا ایمان تھا!.... آج کے پیمانوں سے ناپو تو لگتا ہے کہ حساب غلط ہو گیا ہے' اور یہ جو ہم اسلامی فتوحات کی تاریخی کہانیاں پڑھتے ہیں یہ افسانے ہیں۔

یہ تو انسانی فطرت کے مظاہر ہیں جو قدرت کے اٹل اصولوں کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور یہ عمل اور رَدِّ عمل کا فلسفہ ہے کہ رَدِّ عمل عمل کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ انسان غلط سوچوں میں پڑ جائے تو دماغ کا کمپیوٹر جو جواب دیتا ہے وہ غلط ہی ہوتا ہے.... مسلمان ایمان سے دستبردار ہو جائے تو اس کی نگاہ میں کل کی حقیقت آج کا افسانہ بن جاتی ہے۔ وہ بھی مسلمان ہی تھے جو ایمان کو ہی اپنی متاعِ عزیز سمجھتے تھے اور ان کی نگاہوں میں اپنی جانوں کی کوئی اہمیت تھی ہی نہیں۔ وہ ایمان کی طاقت ہی تھی کہ ان مسلمانوں نے اُس دَور کی دیوہیکل جنگی طاقتوں کو افسانہ بنا ڈالا تھا جیسے ان کی حقیقت تھی ہی نہیں۔

یہ فارس (ایران) اور روم کی طاقتیں تھیں جو آپس میں ٹکراتی تھیں تو یوں لگتا تھا جیسے زمین و آسمان ہل رہے ہوں۔ کسریٰ ایران یعنی بادشاہِ وقت کو لوگ خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ جنگی طاقت ہو اور قدموں میں دنیا کا خزانہ پڑا ہُوا ہو تو انسان اپنے آپ کو فرعونوں کی طرح خدا بھی سمجھ لیتا ہے۔ کسریٰ تو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ خدا کے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے شیدائی جب پیغامِ حق لے کر نکلے تو "خدا کا بیٹا" یزدگرد اپنا دارالحکومت مدائن تمام تر خزانے سمیت مسلمانوں کے قدموں میں پھینک کر بھاگ گیا۔ یہ ایران کا آخری کسریٰ تھا۔ اس کی پوری سلطنت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا

اور اس کے ساتھ ہی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہم فتح مصر کی جو داستان سنا رہے ہیں اس کے ساتھ یزدگرد کے فرار اور انجام کا کوئی تعلق تو نہیں لیکن ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اسلام کی اصل روح پیش کرنے کے لئے یہ واقعہ مختصراً" بیان کر دیا جائے۔ یزدگرد ایران مجاہدین کے حوالے کر کے ترکستان جا پناہ گزین ہُوا اور اس امید کو دل میں زندہ رکھا کہ ایک نہ ایک دن ایران میں مسلمانوں میں بغاوت کرانے میں کامیاب ہو جائے گا اور اس موقع پر وہ ایران جا پہنچے گا اور اس کی سلطنت اسے واپس مل جائے گی اور کسی ایک بھی مسلمان کو وہاں سے زندہ نہیں نکلنے دے گا۔

برسوں بعد اسے یہ موقع مل گیا۔ اُس وقت حضرت عثمانؓ بن عفّان خلیفہ تھے۔ خراسان میں بغاوت ہو گئی۔ یزدگرد نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ترکستان سے مَروْ جا پہنچا۔ اس نے مختلف سرداروں سے رابطہ کیا اور بغاوت کی آگ پر تیل چھڑکنے کی بہت کوشش کی لیکن مسلمانوں نے جلدی ہی بغاوت پر قابو پا لیا۔

یزدگرد نے کچھ لوگ اپنے گرد اکٹھے کر لئے تھے۔ وہ سب بھاگ نکلے۔ یزدگرد مجبور ہو گیا کہ جہاں سے آیا تھا وہیں بھاگ جائے لیکن اب اس کے لئے بھاگنا بھی آسان نہیں رہا تھا۔ اس کے اپنے ایرانی اہلکار مسلمانوں کے جاسوس نکلے۔ سپہ سالار نے حکم دیا کہ یزدگرد کا سراغ لگائیں اور اسے گرفتار کر لیں۔

بھگوڑا سابق کسریٰ روپوش ہوتا پھر رہا تھا اور مجاہدین اُس کے گرد گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ آخر ایک روز وہ دریا کے کنارے ایک پن چکّی کے کمرے میں جا چھپا۔ چکّی والے نے نشاندہی کر دی اور اسے ڈھونڈنے والے وہاں جا پہنچے۔ وہ عرب کے مسلمان یعنی مجاہدین نہیں تھے بلکہ خراسان کے باشندے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے سپہ سالار کے یہ حکم نظرانداز کر دیا کہ یزدگرد کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ اس کی بجائے انہوں نے یزدگرد کو قتل کر کے لاش دریا میں پھینک دی۔

تاریخ میں ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ چکّی والا یزدگرد کو جانتا تو نہیں تھا لیکن اس کے شاہانہ لباس سے اور پھر چھپنے کے انداز سے یقین ہو گیا کہ یہ یزدگرد ہی ہو سکتا ہے جس کی گرفتاری کا اعلان ہو چکا ہے۔ چکّی والے نے اپنا کمرہ باہر سے بند کر دیا اور مَرو کے حاکم کے پاس جا پہنچا۔ اُسے بتایا کہ یزدگرد اس کے ہاں چھپا ہوا ہے۔ مَروْ کے حاکم نے

ایک سالار کو حکم دیا کہ یزدگرد کا سر کاٹ کر اس کے پاس لایا جائے۔ چکّی والا یہ حکم سن کر دوڑا گیا اور خود ہی یزدگرد کا سر کاٹ ڈالا اور جب سالار آیا تو سر اس کے حوالے کر دیا اور لاش دریا میں پھینک دی۔

تاریخ میں یہ اختلاف موجود ہے کہ یزدگرد کو کس نے کس طرح قتل کیا تھا لیکن اس روایت پر تمام مؤرخ متفق ہیں کہ یزدگرد کو چکی والے کمرے میں قتل کیا گیا اور اس کی لاش دریا میں پھینک دی گئی تھی۔



کسریٰ ایران کی آتش پرست سلطنت یوں تاریخ کے قبرستان میں دفن ہو گئی اور دوسری طرف قیصرِ روم جو جنگی طاقت اور مال و دولت کے لحاظ سے یقیناً" دیو ہیکل تھا' پناہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے شام سے جس طرح بے دخل کیا گیا تھا' وہ سنایا جا چکا ہے۔ حلب شام کا آخری قلعہ تھا' وہ بھی مجاہدین نے فتح کر لیا تو قیصرِ روم شاہ ہرقل کے ساتھ وہی بات بن گئی' نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

شام تو قلعوں کا ملک تھا اور بعض قلعے اس قدر مضبوط تھے کہ انہیں ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا لیکن کوئی بھی قلعہ ہرقل کو پناہ نہ دے سکا۔ اس کی فوج تو لڑتی اور پسپا ہوتی چلی جا رہی تھی اور جب آدھا شام مجاہدین نے فتح کر لیا تو ہرقل نے اپنی فوج کو مجاہدین کے رحم و کرم پر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر لی۔ اسے یہ خطرہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ وہ گرفتار ہو جائے گا۔ وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔

آخر اسے انطاکیہ ایک محفوظ مقام نظر آیا اور وہاں جا پناہ لی لیکن سپہ سالار ابو عبیدہؓ وہاں بھی جا پہنچے اور ہرقل کی محصور فوج بھاگ نکلی۔ ہرقل وہاں سے بھی زندہ و سلامت نکل گیا اور اسے رُہاء کا مقام نظر آیا۔ یہاں کا قلعہ خاصا مضبوط تھا لیکن مجاہدینِ اسلام وہاں بھی جا گرجے اور ہرقل نکل بھاگا۔

حلب ایک آخری شاہی قلعہ بند شہر رہ گیا تھا۔ مجاہدین نے وہ بھی لے لیا لیکن ہرقل حلب سے دُور تھا اور اس نے اور دُور بھاگ جانا بہتر سمجھا۔ اس نے قسطنطنیہ جا دم لیا۔

قارئین کرام کی معلومات کے لئے یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ ترکی کا ایک شہر تھا اور ہرقل کے زمانے میں ترکی پر رومیوں کی حکومت تھی۔ قسطنطنیہ کا ایک نام بزنطیہ تھا۔ یہ نام اُس وقت رکھا گیا تھا جب وہاں بازنطینی حکومت تھی۔ ہرقل کے ایک

بیٹے کا ذکر اس داستان میں آیا ہے، جس کا نام قسطنطین تھا۔ اس بیٹے کے ساتھ ہرقل کو اتنا پیار تھا کہ اس نے بزنطیہ کا نام تبدیل کر کے قسطنطنیہ رکھ دیا تھا۔ موجودہ صدی میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد اتا ترک مصطفیٰ کمال پاشا کی حکومت بنی تو قسطنطنیہ کا نام بدل کر استنبول رکھ دیا گیا۔ آج یہ استنبول ترکی کا ایک بڑا شہر ہے۔

نقشے پر انطاکیہ دیکھیں اور پھر استنبول دیکھیں۔ ہرقل انطاکیہ سے بھاگ کر استنبول پہنچا۔ فاصلہ تقریباً 900 کلومیٹر ہے۔

اُس وقت کی دوسری بڑی جنگی طاقت جسے ہم نے دیو ہیکل کہا ہے، شام سے ہمیشہ کے لئے نکل بھاگی۔ ابھی سلطنتِ روم قائم تھی۔ ترکی اور مصر اس سلطنت میں شامل تھے اور قیصرِ روم کے پنجے ان ملکوں پر گہرے اُترے ہوئے تھے۔ پھر بھی یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک بہت بڑے اور بڑے ہی زہریلے سانپ کی کمر توڑ دی گئی تھی اور اب اس کا دم خم تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ یہ تو پہلے سنایا جا چکا ہے کہ ہرقل نے مصر سے جو کمک اپنے بیٹے قسطنطین کی زیرِ قیادت منگوائی تھی وہ آدھی کے قریب کٹ مری اور باقی واپس مصر کو بھاگ گئی تھی۔

یہاں ایک اور وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ پہلے ذکر آیا ہے کہ ہرقل نے بزنطیہ خالی کر دینے کا حکم دیا تھا اور خود پہلے ہی نکل گیا تھا لیکن تاریخ کے اگلے باب حتمی یقین کے ساتھ اس غلط فہمی کی تصحیح کرتے ہیں کہ اس نے بزنطیہ (استنبول) جا پناہ لی تھی اور انطاکیہ اور حلب کے فوجیوں اور شہریوں کو کہا تھا کہ وہ ان شہروں سے نکل جائیں اور اپنی حفاظت اور اپنے مسائل و امور کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔

○

ہرقل خوش قسمت تھا کہ مجاہدین اس کے تعاقب میں نہ چلے گئے۔ وہ فتح پہ فتح حاصل کرتے جا رہے تھے اور اسی جوش و خروش میں شام کی سرحد سے آگے نکل جانے کا بھی عزم کئے ہوئے تھے لیکن امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ شام کا آخری قلعہ بھی فتح کر لیا گیا ہے اور رومی شام سے نکل گئے ہیں تو امیرالمومنین نے پہلا حکم یہ دیا کہ مزید پیش قدمی نہ کی جائے اور جو علاقے فتح کر لئے گئے ہیں، ان کے انتظامات اور ان کا دفاع مستحکم کیا جائے۔ ایسا حکم یا ایسی ہدایت دینے کی ضرورت نہیں تھی کہ مفتوح آبادیوں کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور کسی کو پریشان نہ کیا

جائے۔ یہ تو مسلمانوں کا کردار تھا کہ وہ مفتوح بستیوں کے لوگوں کو مفتوح نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان لوگوں کو اپنی پناہ میں لے لیتے اور ان کی تمام ضروریات اپنے ذمے لے لیا کرتے تھے۔

پیش قدمی روک دینے کا فیصلہ دانشمندانہ تھا اور یہ حضرت عمرؓ کی جنگی فہم و فراست کا کرشمہ تھا۔ یہ تو انہیں معلوم تھا کہ مجاہدین فتح کی مسرّتوں سے سرشار ہیں، ان میں جذبۂ جہاد بھی اور شوقِ شہادت بھی ہے لیکن انہیں یہ بھی احساس تھا کہ وہ آخر گوشت پوست کے انسان ہیں، لوہے کے بنے ہوئے نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جسم جواب دے جائیں اور شام سے بھاگ جانے والے رومی کہیں قدم جما کر پلٹ آئیں اور شکست کو فتح میں بدل لیں۔

مجاہدین کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مجاہدین نے کس طرح خوشیاں منائی ہوں گی۔ سالاروں نے شکرانے کے نوافل باجماعت پڑھائے ہوں گے۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ کو حلب کی فتح کی اطلاع ملی تو وہ حمص سے فوراً وہاں پہنچے۔

تاریخ سے یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے کون سی نماز کی امامت کی تھی، یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نماز باجماعت پڑھائی اور اس کے بعد مجاہدین سے خطاب کیا۔ ان کا یہ مختصر سا خطاب تاریخ کے دامن میں لفظ بہ لفظ موجود ہے۔ انہوں نے شام کی فتح کی مبارک باد کے بعد کہا:

"اللہ نے قرآن میں جس مدد کا وعدہ فرمایا ہے، اس مدد کے صدقے ہم نے اپنا یہ فرض ادا کر دیا ہے کہ باطل کی ایک اور طاقت کو کچل کر اسلامی سلطنت کی سرحد اور وسیع کر دی ہے۔ اسلامی سلطنت کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ ہم اپنی بادشاہی نہیں بلکہ اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے گھروں سے نکلے ہیں۔ یہ ساری زمین اللہ کی ہے۔ روئے زمین پر صرف اللہ کا حکم چلے گا۔ شہیدوں نے اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کی خاطر جانیں قربان کی ہیں۔ شہیدوں کو تو اللہ نے اپنے ہاں پناہ دے دی ہے، قربانی اُن کی دیکھیں جو بازوؤں یا ٹانگوں یا بینائی سے محروم ہو گئے ہیں اور زندہ ہیں اور باقی عمر معذوری میں گزاریں گے لیکن وہ کسی کے محتاج نہیں رہیں گے۔ اللہ نے ان کا اور ان کے بال بچوں کا اور ان کے بوڑھے ماں باپ کا رزق اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ شہیدوں اور معذور ہو جانے والوں کے بیوی بچوں اور لواحقین کو یہ زمین رزق دے گی جس زمین کو

انہوں نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ اپنے آپ کو اس دنیا کی نظر سے نہ دیکھو۔ تمہارا تعلق براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے۔ تم ہر روز قرآن پڑھتے ہو۔ کیا تم نے پڑھا یا سنا نہیں کہ اللہ نے تمہیں بہترین اُمّت کہا ہے اور تمہیں اعزاز یہ بخشا ہے کہ تم بنی نوع انسان کی بھلائی کا کام کرتے ہو اور لوگوں کو برائی سے بچاتے ہو۔ اس سے بڑی بھلائی اور کیا ہو گی کہ لوگوں کو ظالم بادشاہوں سے نجات دلائی جائے اور انہیں باطل کی زنجیروں سے آزاد کر کے حق کے راستے پر ڈالا جائے۔ اپنے آپ کو بے یارو مددگار نہ سمجھنا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے"۔

○

ہم اس داستان کو کچھ دن پیچھے اُس مقام پر لے جاتے ہیں جب حلب فتح ہو گیا تھا‘ مجاہدین شہر میں داخل ہو گئے تھے اور داخل ہو رہے تھے اور شہر کے اردگرد قبائلی عیسائیوں کی لاشیں دُور دُور تک بکھری ہوئی تھیں۔ شہر کی عورتیں اور ان کے بچے شہر سے نکل گئے تھے اور اپنے عزیزوں کی لاشیں ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی آہ و بکا سے دل دہل رہے تھے۔ ایک عورت بڑی بلند اور چیخ نما آواز میں کہتی پھر رہی تھی کہ ہمارے آدمیوں نے آخر کس کی لڑائی لڑی ہے اور کس کی خاطر کٹ مرے ہیں؟

"دو رومی جرنیلوں نے ہمارے آدمیوں کو گمراہ کیا تھا" ــــ یہ بھی ایک عورت کی آواز تھی جو کئی عورتوں کی آواز بن گئی۔

"ایک بڑی خوبصورت چڑیل آئی تھی" ــــ ایک اور آواز سنائی دی ــــ "وہ عورتوں کو بھی لڑنے کے لئے تیار کر رہی تھی"۔

"وہ ہے کہاں؟" ــــ کسی عورت نے پوچھا۔

"زندہ نظر آ جائے تو اسے بھی اسی طرح کاٹ دو جس طرح ہمارے آدمی کٹ گئے ہیں" ــــ یہ ایک اور عورت کی جلی کٹی آواز تھی۔

یہ رونا اب عورتوں کے لئے ہی تھا جن کے آدمی مارے گئے یا اتنے زخمی ہو گئے تھے کہ ان کے زندہ رہنے کی امید کچھ زیادہ نہیں تھی۔ بچے گلیوں میں روتے پھر رہے تھے۔ عورتیں ہرقل کی بیوی لیزا کو کوس رہی تھیں۔ اسے عورتیں انتھونیس کی بیوی سمجھتی رہی تھیں۔ لیزا کو اس لڑائی کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ اس نے اپنے خاوند شاہ ہرقل کو دھوکہ دے کر رومی فوج

کے جرنیل انتھونیس کے ساتھ قابلِ اعتراض مراسم قائم کر لئے تھے اور اس کا ایک بیٹا پیدا کیا تھا جس کا نام یوکلس تھا۔ حلب میں آ کر لیزا نے انتھونیس سے بے وفائی کی اور روم کے فوجی افسر سے روتاس کے ساتھ ویسے ہی نازیبا تعلقات قائم کر لئے تھے اور اس گناہ کی سزا اسے یوں ملی کہ ان دونوں نے تلواروں کے جو وار ایک دوسرے پر کئے تھے وہ لیزا پر پڑے اور دونوں تلواریں اس کے جسم کے پار ہو گئی تھیں۔

لیزا یہی کچھ تھی اور یہی اس کا کردار تھا لیکن عیسائی قبائلیوں کی عورتیں اس کے پاس آ جاتیں تو وہ انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی اور کہتی تھی کہ اپنے آدمیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیار کریں اور خود بھی تیار ہو جائیں۔ لڑائی کا جو نتیجہ نکلا وہ ان عورتوں نے دیکھ لیا اور اب وہ اپنے آدمیوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ انہیں اب محسوس ہونے لگا کہ ان کے آدمیوں نے ایک بے مقصد لڑائی لڑی اور جانیں ضائع کی ہیں۔ اسے وہ دھوکہ کہہ رہی تھیں جو انہیں لیزا نے دیا تھا۔

"کسی نے بتایا ہے اس کا جرنیل خاوند مارا گیا ہے" ــــ ایک عورت ہر کسی کو بلند آواز سے بتاتی پھر رہی تھی ــــ "دوسرا رومی جرنیل بھی سنا ہے مارا گیا ہے۔ اس کے بیٹے کا کچھ پتہ نہیں"۔

"اس ڈائن کو ڈھونڈو کہاں ہے!" ــــ ایک معمّر عورت نے کہا ــــ "مل جائے تو اسے خنجروں سے چھلنی کر دو"۔

عورتیں شہر میں ایک جگہ اکٹھی ہو گئی تھیں۔ کسی نے انہیں بتایا کہ لیزا اسی مکان میں مری پڑی ہے جس میں رومی فوج کا دوسرا جرنیل یعنی روتاس رہتا تھا۔ یہ سب عورتیں اُس طرف دوڑ پڑیں۔ مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر جا کر سب نے دیکھا کہ لیزا صحن میں خون میں نہائی پڑی تھی۔ عورتوں نے اپنے اپنے الفاظ اور انداز میں نفرت اور حقارت کا اظہار کیا۔ کسی نے کہا کہ اس لاش گھسیٹ کر باہر پھینک دو۔ ایک بولی کہ لاش یہیں پڑی رہنے دو اور مکان بند کر دو‘ اسے یہیں کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے۔

زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر شہر کے اندر لایا جا رہا تھا۔ ان کے لئے فوجی بارکیں موجود تھیں اور کچھ لوگ اپنے زخمی عزیزوں کو اپنے گھروں کو لے جا رہے تھے۔ دوست اور دشمن کی تمیز ختم ہو گئی تھی۔ زخمی عیسائی تھا یا مسلمان‘ مسلمانوں نے مرہم پٹی کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ مجاہدین کی عورتیں اسی کام میں مصروف تھیں۔ شارینا بھی یہی کام کرتی

پھر رہی تھی۔ وہ ایک گلی میں سے گزری تو اس کے کانوں میں یہ آواز پڑی کہ اس مکان کے اندر رومی جرنیل کی بیوی کی لاش پڑی ہے۔ شارینا مکان میں چلی گئی۔ وہاں اب دو تین عورتیں رہ گئی تھیں۔

شارینا نے دیکھا تو حیران رہ گئی وہ تو لیزا کی لاش تھی۔ لیزا کو وہ بہت ہی اچھی طرح جانتی تھی۔ لیزا کے سامنے ہی وہ ہرقل کے محل میں جنی پلی اور جوان ہوئی تھی۔ اس کی اپنی ماں بھی ہرقل کی بیوی تھی۔

شارینا ایک تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئی کہ لیزا یہاں تک کس طرح پہنچی؟ حیرت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اسے قتل کس نے کیا؟ مسلمان تو عورت پر ہاتھ اٹھانا گناہِ کبیرہ سمجھتے تھے۔

شارینا نے جب یہ سنا تھا کہ دو رومی جرنیل بھی مارے گئے ہیں تو اس نے دونوں کی لاشیں دیکھی تھیں۔ وہ چونکہ شاہی خاندان کی لڑکی تھی اس لئے اپنی فوج کے تمام جرنیلوں کو جانتی تھی۔ انطونیس کی لاش دیکھ کر بھی وہ حیران ہوئی تھی روتاس کو تو وہ اور ہی اچھی طرح جانتی تھی۔ روتاس کو حمص میں سپہ سالار ابوعبیدہؓ کے حکم سے نظربند رکھا گیا اور شارینا اسے ملتی ملاتی رہتی تھی۔

اب اس نے لیزا کی لاش دیکھی تو اسے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ یہ عورت یہاں تک کس طرح اور کیوں آئی۔ انطونیس اور روتاس کے متعلق تو اس نے خود ہی سوچ لیا کہ حلب کے عیسائیوں کو ان دونوں نے ہی مسلمانوں کے خلاف لڑایا ہے اور انطونیس کو اس مقصد کے لئے ہرقل نے بھیجا ہو گا لیکن ہرقل نے اپنی ایک بیوی کو کیوں بھیج دیا؟.... وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔

جو دو تین عورتیں لاش کے پاس کھڑی تھیں وہ بھی باہر چلی گئیں اور شارینا حیران پریشان اکیلی وہاں کھڑی لاش کو دیکھتی رہی۔

"نہیں .... نہیں" ـــــ شارینا کو ایک نسوانی آواز سنائی دی ـــــ "یہ نہیں ہو سکتا۔ سب جھوٹ بولتے ہیں"۔

شارینا نے چونک کر دیکھا۔ یہ وہی نوجوان اور خوبصورت لڑکی تھی جو اسے یوکلس کی لاش پر ملی تھی۔ یوکلس نے اسے روزی کے نام سے پکارا تھا اور اس کے فوراً بعد مر گیا تھا۔ شارینا اس لڑکی کو یوکلس کی لاش کے پاس بیٹھے اور چیخ چیخ کر روتے چھوڑ آئی

تھی۔ اس سے اتنا بھی نہ پوچھا تھا کہ وہ ہے کون۔ اب شاید روزی کو کسی نے بتایا ہو گا کہ یوکلس کی ماں کی لاش فلاں مکان میں پڑی ہے۔ وہ دوڑی آئی اور لیزا کی لاش کو اس طرح جھنجھوڑنے لگی جیسے اسے نیند سے جگا رہی ہو۔

"تم نہیں مر سکتیں ماں!" ـــــ روزی نے لیزا کی لاش کے سر کو ہلاتے ہوئے کہا ـــــ "تم کہتی تھیں کہ مجھے یوکلس کی دلہن بنائیں گی۔ اٹھو یوکلس کے پاس چلیں وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے"۔

شارینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جان گئی کہ یہ لڑکی یوکلس کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کر سکی اور اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ شارینا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھایا۔

"روزی!" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "میں اسے اٹھا لوں گی۔ یہ گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔ یہ تمہاری کیا لگتی ہے؟"

"یہ یوکلس کی ماں ہے" ـــــ روزی نے جواب دیا ـــــ "یہ میری کچھ بھی نہیں لگتی لیکن میرا سب کچھ یہی ہے۔ مجھے یوکلس کے ساتھ دیکھ کر یہ بہت خوش ہوتی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ میں اپنے بیٹے کے لئے تم جیسی ہی دلہن کی تلاش میں تھی"۔

شارینا کو اس لڑکی پر ترس آنے لگا اور وہ سوچنے لگی کہ اسے کس طرح حقیقت میں لائے کہ یہ قبول کر لے کہ یوکلس بھی مر چکا ہے اور یوکلس کی ماں بھی مر گئی ہے اور یہ دونوں اب کبھی اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے لیکن روزی تصوراتی دنیا میں کھو گئی تھی۔ شارینا اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی لیکن یہ نہ کہا کہ یہ عورت جو صحن میں پڑی ہے زندہ نہیں۔

اتنے میں ایک اور عورت اس مکان میں آ گئی اور اس لڑکی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ یہ عورت عمر اور شکل و صورت سے روزی کی ماں معلوم ہوتی تھی۔ وہ روزی سے کہنے لگی کہ وہ گھر چلے لیکن روزی اس طرح جواب دے رہی تھی جیسے لیزا زندہ تھی۔

"تم یہاں سے چلی جاؤ ماں!" ـــــ روزی نے کہا ـــــ "میں یوکلس کو بلانے جا رہی ہوں۔ وہ آ کر اپنی ماں کو اٹھائے گا"۔

شارینا نے روزی کی ماں کو اشارہ کیا کہ وہ روزی کو ابھی آزاد چھوڑ دے۔ شارینا روزی کی ماں کو ایک کمرے میں لے گئی اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ شارینا یہ

تو سمجھ گئی تھی کہ یوکلس اور روزی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لیکن شارینا کچھ اور بھی سننا چاہتی تھی۔ وہ روزی کی ماں نے اسے سنا دیا۔

روزی کی ماں نے اس کے اس خیال کی تائید کر دی کہ یوکلس اور روزی ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے۔ یوکلس نے جو کچھ بھی روزی کو بتایا تھا وہ روزی اپنی ماں کو بتاتی رہتی تھی۔ یوکلس نے روزی کو بتا دیا تھا کہ اس کا باپ شاہ ہرقل اور اس کا ایک بیٹا قسطنطین اسے قتل کرانا چاہتے تھے کیونکہ ہرقل قسطنطین کو اپنا جانشین مقرر کر رہا تھا۔ یوکلس نے روزی کو بتایا تھا کہ اس طرح انتھونیس اسے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر فرار ہو آیا تھا۔ یوکلس نے روزی کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ہرقل کا نہیں بلکہ انتھونیس کا بیٹا ہے۔

روزی نے یہ ساری باتیں اپنی ماں کو بتا دی تھیں اور اب ماں یہ ساری باتیں شارینا کو بتا رہی تھی۔ شارینا یہ سن کر ذرا سی بھی حیران نہ ہوئی کہ یوکلس کی ماں کا خاوند تو ہرقل تھا لیکن اس کا باپ ایک جرنیل تھا۔ یہ تو بادشاہوں کے ہاں ایک معمول تھا۔

روزی کی ماں نے شارینا کو یہ بھی بتایا کہ انتھونیس مسلمانوں کے خلاف لڑ کر اپنی سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ اسے وہ یسوع مسیح کی سلطنت کہتا تھا..... روزی کی ماں اور شارینا کمرے میں یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ باہر سے روزی کی چیخ نما آواز سنائی دی۔

"یوکلس اور اس کی ماں کو ہرقل نے قتل کروایا ہے" —— روزی چلا چلا کر کہہ رہی تھی —— "میں ہرقل کو قتل کرنے جا رہی ہوں"۔

روزی کے دوڑتے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور وہ مکان سے نکل گئی۔ روزی کی ماں اس کے پیچھے دوڑتی نکل گئی اور شارینا دل پر رنج و غم کا بوجھ لئے کمرے سے نکلی' لیزا کی لاش کو دیکھا اور مکان سے نکل گئی۔ باہر جا کر اس نے دیکھا کہ روزی شہر کے صدر دروازے کی طرف دوڑی جا رہی تھی اور اس کی ماں چلاتی جا رہی تھی —— "اسے پکڑنا... اسے روکنا"۔

وہاں صورتِ حال ایسی بنی ہوئی تھی کہ کوئی بھی ماں بیٹی کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔ وہاں تو یہ حال بنا ہوا تھا کہ کچھ لوگ لاشیں اٹھا کر لا رہے تھے اور بعض لہولہان زخمیوں کو سہارا دے کر ان کے گھروں کو لے جا رہے تھے۔ فضا میں موت کی بو رچی بسی ہوئی تھی۔

○

امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے تو حکم دے دیا تھا کہ شام کی سرحد تک ہی محدود رہا جائے اور مزید پیش قدمی نہ کی جائے۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید جیسے جوشیلے اور تاریخ ساز سپہ سالاروں نے بھی امیرالمومنین کا یہ حکم دانشمندانہ اور وقت کی ضرورت کے عین مطابق سمجھا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ مفتوحہ علاقے وسیع و عریض ہیں اور ان کے نظم و نسق کو رواں اور پُراثر کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ فتح کرتے چلے جاؤ' آگے بڑھتے جاؤ اور مفتوحہ لوگوں کو فراموش کرتے جاؤ۔ اس طرح لوگ باغی بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کو لُوٹنے بھی لگتے ہیں۔

تمام سالار امیرالمومنین کے حکم کو پسند کر رہے تھے لیکن ایک سالار ایسا تھا جس کے خون کا اُبال ٹھنڈا ہو ہی نہیں رہا تھا۔ یہ تھے سالار عمروؓ بن عاص۔ شام کی فتح کے جشن میں وہ دل و جان سے شامل تھے۔ شامل کیوں نہ ہوتے' انہوں نے دن رات ایک کر کے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ فتح حاصل کی تھی لیکن وہ ابھی مطمئن نہیں تھے۔

جس وقت حلب میں سپہ سالار ابوعبیدہؓ پہنچے تھے اور انہوں نے مجاہدین سے خطاب کیا اُس وقت عمروؓ بن عاص کسی اور شہر میں تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی تھے' اپنی بے چینی اور اپنی بے قراری چھپا نہ سکے۔ انہوں نے صاف الفاظ میں امیرالمومنین کے حکم کو غیر دانشمندانہ بھی کہہ دیا۔ کچھ دنوں بعد ان کی یہ بے چینی اور یہ احتجاجی باتیں سپہ سالار ابوعبیدہؓ تک پہنچ گئیں۔ ابوعبیدہؓ حلب سے اُس مقام تک پہنچے جہاں عمروؓ بن عاص تھے۔ سپہ سالار نے تو مفتوحہ شہر کا دورہ کرنا اور وہاں کے حالات دیکھ کر ضروری احکامات جاری کرنے تھے لیکن وہ عمروؓ بن عاص کے ساتھ خاص طور پر بات کرنا چاہتے تھے۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے عمروؓ بن عاص سے پہلی بات یہ پوچھی کہ وہ ایسی اُکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کرتے ہیں جن کا مجاہدین پر اثر تخریبی بھی ہو سکتا ہے۔

"ہمیں رومیوں کا تعاقب کرنا چاہئے تھا" —— عمروؓ بن عاص نے کہا —— "میں مصر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ رومی تتر بتر ہو کر ڈری ہوئی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ رہے تھے ہم ان کے تعاقب میں جاتے تو بڑی آسانی سے مصر میں داخل ہو سکتے تھے"۔

"میں حیران ہوں ابن عاص!" —— سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے کہا —— "کیا تُو اتنی جلدی بھول گیا ہے کہ عیسائی قبائل نے صرف اس لئے ہر شہر میں بغاوت کر دی تھی کہ وہاں

ہماری نفری بہت تھوڑی تھی؟ یہ تو اللہ کا خاص کرم ہے کہ ہم نے ہر جگہ بغاوت فرو کر لی ہے لیکن ذرا سوچ، ہمارے لشکر اس ملک سے نکل کر آگے جائیں تو پھر پیچھے بغاوت ہو جائے گی"۔

مستند مؤرخوں کی لکھی ہوئی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ عمروؓ بن عاص عام سطح کے سالار نہیں تھے نہ ان کی سوچ سطحی اور جذباتی تھی۔ مصر کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرنا ان کا ایک عزم تھا اور عزم بھی ایسا جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی کام کے لئے ہی پیدا کیا ہو۔ فتح مصر تو ان کے لئے ایک جنون اور ایک خبط بن گیا تھا جس سے امیرالمومنین حضرت عمرؓ پوری طرح واقف تھے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیان کر دیا جائے عمروؓ بن عاص کے مصر کے متعلق ارادے کیا تھے اور امیرالمومنین کے ساتھ ان کی کیا اور کب باتیں ہوئی تھیں.... کچھ ہی عرصہ پہلے جب فلسطین میں رومیوں کے خلاف جنگ ہو رہی تھی تو حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی فتح کی ذمہ داری عمروؓ بن عاص کو سونپی تھی اور کہا تھا کہ وہ شکست کی خبر نہیں بلکہ فتح کی خوشخبری سنانا چاہتے ہیں۔

"اللہ امیرالمومنین کو فتح ہی کی خوشخبری سنائے گا" —— عمروؓ بن عاص نے تاریخی الفاظ کہے تھے۔



اُس وقت بیت المقدس میں رومیوں کا ایک بڑا ہی مشہور جرنیل موجود تھا جس کا نام اطربون تھا۔ اس جرنیل کی جنگی فہم و فراست اور دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے مکاری اور چالبازی اتنی زیادہ تھی کہ تاریخ کے مطابق ہرقل بھی کبھی کبھی اس کے آگے سر جھکا دیتا تھا۔ سالار عمروؓ بن عاص کا مقابلہ اس جرنیل کے ساتھ تھا۔

اس سلسلے کی کچھ تفصیلات اس داستان کے پہلے باب میں پیش کی جا چکی ہیں۔ یہاں ہم مختصراً بیان کریں گے۔ تفصیلات کے لئے پہلا باب ایک بار پھر پڑھ لیں۔

عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید کی طرح ایسے سالار تھے کہ قیادت کی عمدگی کے علاوہ دشمن کو دھوکہ دینے کے ڈھنگ خوب جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی عمروؓ بن عاص کی اس صلاحیت اور خوبیوں سے خوب واقف تھے۔ اسی لئے انہوں نے بیت المقدس کی فتح کی ذمہ داری انہیں ہی سونپی تھی۔ اس طرح امیرالمومنین نے عمروؓ بن عاص کو اطربون

کے مقابلے میں بھیجا تو انہوں نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے —— "ہم نے عرب کے اطربون کو روم کے اطربون سے ٹکرا دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس کا نتیجہ کیا سامنے آتا ہے"۔

حضرت عمرؓ اطربون کی جنگی چالوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ میدانِ جنگ میں لومڑی جیسی مکاری اور چالاکی کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ اس کا دشمن چکرا جاتا اور سمجھ نہیں پاتا کہ کیا ہوا ہے کیا کرنا چاہئے تاآنکہ دشمن دھوکے میں مارا جاتا ہے۔ امیرالمومنین یہ بھی جانتے تھے کہ یہی اوصاف اور یہی صلاحیتیں عمروؓ بن عاص میں بھی ہیں۔

عمروؓ بن عاص بیت المقدس کی طرف بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ اطربون اپنی فوج کے ساتھ اجنادین کی طرف جا رہا تھا۔ اجنادین اور بیت المقدس میں فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اطربون کی فوج دیکھی اور پھر اپنا لشکر دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ انہیں کمک کی شدید ضرورت ہے ورنہ اطربون کے سامنے اپنی کم نفری ٹھہر نہیں سکے گی۔

حضرت عمرؓ نے اطلاع ملتے ہی فوراً کمک بھیج دی اور عمروؓ بن عاص اجنادین اور بیت المقدس کے قریب جا خیمہ زن ہوئے۔ فوجی حملے سے پہلے انہوں نے یہ ترکیب سوچی کہ اطربون پر نفسیاتی حملہ کیا جائے جس کا طریقہ انہوں نے یہ اختیار کیا کہ اپنے دو ایلچی اطربون کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجے کہ وہ صلح کا معاہدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ ایلچی دراصل جاسوس تھے جنہیں کام یہ سونپا گیا تھا کہ وہ قلعے کے اندر جا کر دیکھیں کہ اندر کتنا لشکر اور دفاعی انتظامات کیسے ہیں اور دروازے کتنے کچھ مضبوط ہیں وغیرہ۔

اطربون نے دونوں ایلچیوں کو پورے احترام سے بٹھایا اور بات چیت کی اور انہیں رخصت کر دیا۔ اطربون کوئی ایسا اناڑی جرنیل نہ تھا کہ ان ایلچیوں کو شہر میں کھلا پھرنے دیتا۔

ایلچی واپس آئے تو سالار عمروؓ بن عاص ان سے پوچھنے لگے کہ قلعے کے اندر کیا کچھ ہے اور وہ کیا دیکھ کر آئے ہیں۔ دونوں ایلچیوں نے انہیں یہ جواب دے کر مایوس کر دیا کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکے۔

عمروؓ بن عاص نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنے ایلچی بن کر جائیں گے اور یہ ظاہر نہیں

ہونے دیں گے کہ وہ خود اپنے لشکر کے سپہ سالار ہیں۔ انہوں نے بھیس بدلا اور اچھی طرح اپنا جائزہ لے کر چلے گئے۔

اطربون نے ان کا استقبال بھی عزت و احترام سے کیا۔ عمروؓ بن عاص نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ایلچی ہیں اور سپہ سالار نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ پہلے دو ایلچی صلح کے معاہدے کی بات ٹھیک طرح نہیں کر سکے اور اب وہ مزید ہدایات لے کر آئے ہیں۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو عمروؓ بن عاص نے کہا کہ وہ یہ بات اپنے سپہ سالار تک پہنچائیں گے اور ان کا حکم لے کر پھر حاضر ہوں گے۔

"میری نظروں نے مجھے کبھی دھوکہ نہیں دیا" —— اطربون نے مسکراتے ہوئے کہا —— "میں کسی ایلچی سے نہیں بلکہ عرب کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ساتھ ہی بات کر رہا ہوں.... کیا تم عمروؓ بن عاص نہیں ہو؟"

"نہیں!" —— عمروؓ بن عاص نے جواب دیا —— "اگر میں عمروؓ بن عاص ہوتا تو اپنے اوپر جھوٹا پردہ ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے سپہ سالار عمروؓ بن عاص اتنے نڈر اور بے خوف انسان ہیں کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔

اطربون ہنس پڑا اور اس نے ایسا تاثر دیا جیسے اس نے تسلیم کر لیا ہو کہ وہ عمروؓ بن عاص نہیں بلکہ ان کے ایلچی ہیں۔ باتوں باتوں میں اطربون باہر نکل گیا اور واپس آ کر پھر مذاکرات شروع کر دیئے۔

اطربون جب باہر نکلا تھا تو عمروؓ بن عاص سمجھ گئے کہ اب ان کی خیر نہیں۔ اب ہو گا یہ کہ انہیں پکڑ کر کال کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے گا یا قتل ہی کر دیا جائے گا۔ عمروؓ بن عاص دماغ پر زور دینے لگے کہ یہاں سے کس طرح نکلا جائے۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اگر یہ ملاقات قلعے سے باہر ہو رہی ہوتی تو بھاگ نکلنے کا موقع پیدا کیا جا سکتا تھا لیکن شہر کے اندر سے نکل بھاگنا ناممکن تھا۔

آخر ایک ترکیب دماغ میں آ ہی گئی۔ عمروؓ بن عاص نے ایسا انداز اور رویّہ اختیار کر لیا جیسے وہ اطربون کی پیش کی ہوئی شرائط مان گئے ہوں۔ انہوں نے ایسا تاثر پیدا کر دیا جیسے وہ رومیوں کی جنگی طاقت سے خائف ہوں۔

عمروؓ بن عاص نے اطربون سے کہا کہ وہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے بھیجے ہوئے

ایلچی نہیں ہیں بلکہ انہیں امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے بھیجا ہے اور ان کے ساتھ دس مشیر ہیں جو قلعے سے کچھ دُور ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اب ان کے پاس جائیں گے اور انہیں ساتھ لائیں گے اور پھر یہیں فیصلہ کر دیا جائے گا کہ انہیں اطربون کی شرائط منظور ہیں۔

اطربون یہ سن کر خوش ہُوا کہ ایک ہی نہیں بلکہ دس مسلمان جال میں آ گئے ہیں۔ اس نے عمروؓ بن عاص سے کہا کہ وہ اپنے مشیروں کو یہاں لے آئیں۔

عمروؓ بن عاص وہاں سے نکلے، ان کے لئے قلعے کا دروازہ کھلا اور باہر نکلتے ہی انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور اس طرح بچ کر نکل آئے۔ ان کے ساتھ کوئی اور مشیر نہیں گیا تھا، وہ اکیلے تھے اور اطربون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل آئے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے، یورپی مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ اطربون مذاکرات کے دوران باہر نکلا تھا تو اس نے اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو یہ کام سونپا تھا کہ یہ عربی جو اندر بیٹھا ہے جب قلعے سے نکل کر واپس جا رہا ہو گا تو اسے قتل کر دیا جائے لیکن اطربون کو عمروؓ بن عاص نے جو دھوکہ دیا اس سے اطربون نے پھر باہر جا کر محافظ دستے کے کمانڈر سے کہا تھا کہ اب اس شخص کو جانے دینا یہ کچھ اور آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس آ رہا ہے۔

اطربون کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص اسے دھوکہ دے کر زندہ نکل گیا ہے تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہونے لگا اور پھر جو بھی سامنے آتا اس پر غصہ جھاڑنا شروع کر دیتا۔

○

پھر جس طرح بیت المقدس فتح ہُوا اس کی تفصیلات پہلے دو ابواب میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان تفصیلات میں اب ہم یہاں کچھ اضافہ کر رہے ہیں۔

بیت المقدس عیسائیوں کے لئے بھی اتنا ہی اہم مقام تھا جتنا مسلمانوں کے لئے لیکن رومی عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان پے در پے فتوحات حاصل کرتے آ رہے ہیں تو انہوں نے بیت المقدس کے تبرکات اور یادگار اشیاء قسطنطنیہ کو منتقل کرنی شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی ہرقل نے وہاں فوج کی تعداد بڑھا دی اور اس کی قیادت اپنے جرنیل اطربون کے سپرد کر دی۔ عیسائی فوج اور شہریوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے

کے لئے اسقفِ اعظم صفرنیوس موجود تھا۔ اس نے رومی فوج کو مذہبی معاملے میں اتنا جذباتی کر دیا تھا کہ بظاہر یہ فوج طوفانی سی ہو گئی تھی۔ رومی اتنی آسانی سے بیت المقدس سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے بیت المقدس کو محاصرے میں لے لیا لیکن مقابلہ اتنا شدید اور خون ریز تھا کہ محاصرہ کامیاب ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے کمک کی شدید ضرورت محسوس کی اور امیرالمومنین کو پیغام بھیجا کہ جس قدر زیادہ کمک بھیجی جا سکے فوراً" بھیج دی جائے۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ میدانِ جنگ کی اور ہر محاذ کی تازہ بہ تازہ صورتِ حال سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ بیت المقدس کے محاذ کو تو وہ اور ہی زیادہ جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بیت المقدس میں اطربون جیسا منجھا ہُوا اور گھاگ جرنیل موجود ہے اور ہرقل کی تمام تر توجہ بھی بیت المقدس پر ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر امیرالمومنین نے فیصلہ کیا کہ وہ خود کمک لے کر بیت المقدس کے محاذ پر جائیں گے۔

امیرالمومنین اچھی خاصی کمک لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور جابیہ کے مقام پر جا قیام کیا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص اور دیگر سالاروں کو وہیں بلا لیا اور جنگ کا نیا نقشہ مرتب کیا۔

تاریخ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ رومیوں کے جاسوس ہر جگہ موجود تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو ان کی لائی ہوئی کمک دیکھی اور پھر یہ دیکھا کہ انہوں نے تمام سالاروں کو بلایا ہے تو یہ ساری خبر اطربون تک پہنچائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اطربون خود بھیس بدل کر گیا اور مسلمانوں کا یہ سارا لشکر دیکھا۔

عارضی طور پر مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ اٹھا لیا تھا۔ ایک معجزہ ہُوا۔ وہ یہ کہ اسقفِ اعظم صفرنیوس نے ایک ایلچی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ حضرت عمرؓ خود بیت المقدس آئیں تو صلح کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ اور تمام سالار یہ سمجھے کہ رومی جرنیل اطربون انہیں دھوکہ دے رہا ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر حضرت عمرؓ جس لباس میں اور جس طرح بیت المقدس کو روانہ ہوئے وہ ایک دلچسپ، ولولہ انگیز اور خیال افروز داستان ہے لیکن یہاں موضوع کچھ اور ہے اس لئے دیگر

تفصیلات سے ہم گریز کر رہے ہیں۔

اتنا ہی بتائیں گے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو بیت المقدس کے ایک بڑے پادری نے انہیں کہا کہ آپ شہر میں داخل ہو رہے ہیں، ذرا اچھے کپڑے پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہو جائیں تاکہ رومیوں کی نگاہ میں آپ کی عظمت کا اندازہ غلط نہ ہو۔

حضرت عمرؓ نے اس پادری کو جو جواب دیا وہ تاریخ کے دامن میں آج تک محفوظ ہے۔ امیرالمومنین نے کہا ـــــ "ہمیں اللہ نے جو عزت بخشی ہے وہ صرف اسلام کے صدقے بخشی ہے۔ اسلام میں لباس اور گھوڑے عزت اور عظمت کا باعث نہیں بن سکتے۔ ہمیں ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں۔ عظمت انسان کی ہوتی ہے، لباس اور اعلیٰ نسل کے گھوڑے کی نہیں"۔

اسقفِ اعظم صفرنیوس خود حضرت عمرؓ کے استقبال کے لئے باہر آیا اور عزت و احترام سے اپنے ہاں لے گیا۔ توقع تو یہ تھی کہ مذاکرات ہوں گے، دونوں فریق اپنی اپنی شرائط پیش کریں گے اور بحث مباحثہ ہو گا اور شاید پھر بھی مذاکرات کامیاب نہ ہوں لیکن ہُوا یہ کہ اسقفِ اعظم صفرنیوس نے کہا کہ معاہدے کی شرائط حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھیں۔

حضرت عمرؓ نے معاہدہ اپنی شرائط کے مطابق لکھا جو صفرنیوس نے بلا چون و چرا قبول کر لیا اور یوں بیت المقدس مجاہدین کی جھولی میں آ گرا۔

امیرالمومنین اور ان کے سالار حیران تھے کہ اطربون کہاں ہے۔ امیرالمومنین نے صفرنیوس سے پوچھا تو جواب ملا کہ اطربون اپنے ساتھ کچھ فوج لے کر رات کے اندھیرے میں نکل گیا تھا اور اس کی منزل مصر ہے۔ مطلب یہ کہ اطربون مسلمانوں کی پے درپے فتوحات اور طوفانی پیش قدمیاں دیکھ کر جان گیا تھا کہ یہ مسلمان بیت المقدس بھی لے لیں گے اور اس کی فوج کا قتلِ عام ہو گا۔

جنگی مبصر اور وقائع نگار لکھتے ہیں کہ اطربون نے اپنی فوج کی ذہنی حالت بھی دیکھ لی تھی۔ اس کی فوج پر مسلمانوں کی دہشت چھا گئی تھی اور اس فوج کے سپاہی لڑنے سے پہلے دیکھ لیتے تھے کہ وہ کس راستے سے بھاگیں گے۔ اطربون بڑا ہی دوراندیش جرنیل تھا۔ اپنی جنگی طاقت ضائع کرنے کی بجائے اس نے بہتر یہ سمجھا کہ فوج کو اپنے ساتھ مصر

لے جائے اور اس کی نئے سرے سے تربیت کرے اور نئی فوج تیار کر کے مسلمانوں کو للکارا جائے۔ مختصریات یہ کہ اطربون فلسطین سے چپکے سے کھسک گیا اور مصر جا پہنچا۔

○

بیت المقدس کی فتح کا واقعہ ہم نے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ فتح مصر کا خیال کس کے دماغ میں آیا تھا اور کس نے امیرالمومنین کو قائل کیا تھا کہ مصر پر فوج کشی کی جائے۔ بیت المقدس میں ہی ایک شام عمروؓ بن عاص حضرت عمرؓ کے پاس جا بیٹھے اور کہا کہ وہ ایک ضروری بات کرنے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان کی بات سننے کو تیار ہو گئے۔

"یا امیرالمومنین!" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "خدا کی قسم' آپ اطربون کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح آپ کا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کو جانتا ہے۔ میں کبھی نہیں مانوں گا کہ ہمارے امیرالمومنین اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ اطربون ہم سے ڈر کر بھاگ گیا ہے۔ ہم اللہ کے حضور امید رکھنے والے لوگ ہیں' ہم خواب نہیں دیکھا کرتے اور اپنے آپ کو فریب دینا مجاہدین اسلام کا شیوہ نہیں"۔

"عاص کے بیٹے!" ـــ حضرت عمرؓ نے عمروؓ کی بات روک کر کہا ـــ "کیا یہ بہتر نہیں کہ تو وہ بات کر دے جس کی تو تمہید باندھ رہا ہے۔ میں سن رہا ہوں"۔

"یا امیرالمومنین!" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں اطربون کے پیچھے جانا چاہئے"۔

"کیا تو اسے ابھی کافی نہیں سمجھتا کہ ہم نے ایک بڑا ہی کٹھن محاذ سر کر لیا ہے؟" ـــ حضرت عمرؓ نے کہا۔

"میں اسے کافی نہیں سمجھتا یا امیرالمومنین!" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "اگر ہم اس فتح کو کافی سمجھ کر بیٹھ گئے تو اطربون فوج تیار کر کے ہم پر حملہ آور ہو گا۔ ہرقل اور اطربون ایک ابلیس کے دو نام ہیں۔ اطربون اتنی عقل اور فہم و فراست رکھتا ہے کہ الجزیرہ اور فلسطین کے عیسائی قبائل کو بغاوت پر اکسا سکتا ہے اور زمین کے نیچے رہ کر اس بغاوت کی ہدایت کاری بھی کر سکتا ہے۔ وہ مصر ایسی ہی تیاریوں کے لئے گیا ہے۔ ہماری ضرورت یہ ہے کہ ہم اسے چین سے بیٹھنے کی مہلت نہ دیں۔ آپ کی اجازت چاہئے' میں مصر کی طرف پیش قدمی اور حملے کی قیادت کروں گا"۔

"صرف اطربون پر اپنی توجہ تو محدود نہ کر ابن عاص!" ـــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــ "کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ہم کسریٰ ایران کے خلاف لڑ رہے ہیں اور شام میں بھی ہم نے روم جیسی بڑی جنگی قوت کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے؟ اگر ہم نے اتنی دور ایک اور محاذ کھول دیا تو ایسا نہ ہو کہ ہمارے باقی محاذ کمزور ہو جائیں"۔

عمروؓ بن عاص کی امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے ساتھ یہ گفتگو یہیں پر ختم نہیں ہو گئی تھی۔ انہوں نے امیرالمومنین کے آگے مصر کی پوری تاریخ رکھ دی تھی۔ پھر انہوں نے آیات قرآنی بھی سنا ڈالی تھیں جن میں مصر کا ذکر آتا ہے۔ انہوں نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاص طور پر ذکر کیا اور پھر سنایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ فرعونوں سے کس طرح فرار ہوئے تھے اور کس طرح اللہ کے حکم سے دریائے نیل نے انہیں راستہ دے دیا تھا اور پھر فرعون رعمیس دوم دریا کے دیئے ہوئے اس راستے پر اترا تو دریا اپنی روانی میں آگیا اور رعمیس غرق ہو گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خاص طور پر ذکر کیا اور کہا کہ عرب کے مسلمان حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو تو کبھی بھول ہی نہیں سکتے اور اس قصے کے حوالے سے عربی لوگ مصر کو اپنے دل میں بسائے ہوئے ہیں۔ قرآن میں متعدد آیات میں یہ قصہ اللہ خالق نے اپنی زبان مقدس سے بیان فرمایا ہے۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ چپ چاپ عمروؓ بن عاص کی یہ باتیں سن رہے تھے۔ ایسی بات تو تھی ہی نہیں کہ حضرت عمرؓ کے لئے یہ باتیں نئی تھیں' وہ مصر کی تاریخ سے اور قرآن میں مصر کے ذکر سے بڑی اچھی طرح واقف تھے لیکن انہوں نے عمروؓ بن عاص کو روکا نہیں کہ وہ سب جانتے ہیں۔ حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے کہ عمروؓ بن عاص کس نیت اور کس جذبے سے یہ باتیں کر رہے تھے۔ ایسی بات تو تھی ہی نہیں کہ عمروؓ بن عاص خود مصر کے بادشاہ بننا چاہتے تھے بلکہ ان کا مؤقف یہ تھا کہ مصر کے بغیر اسلامی سلطنت مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔

عمروؓ بن عاص عرب اور مصر کے تعلقات کی تاریخ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تک لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ اہل حجاز خاص طور پر اہل مکہ عرب اور مصر کے تجارتی تعلقات کو بھول نہیں سکتے۔ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ عربوں کے جدِ اعلیٰ تھے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ اصل نسل سے مصری تھیں۔ وہ اس طرح کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے فلسطین اور فلسطین سے مصر چلے گئے تھے۔

مصر کے بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں حضرت ہاجرہ کو پیش کیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ کے ساتھ شادی کر لی تھی اور ان کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی حضرت سارہ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ ان کی نسبت حضرت ہاجرہ کو زیادہ توجہ دیتے ہیں تو وہ ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ حضرت ہاجرہ کے ساتھ نہیں رہیں گی۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو ساتھ لے کر الجزیرۃ العرب چلے گئے اور وہاں جا قیام کیا جہاں آج کل مکّہ مکرمہ آباد ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ نے قبیلہ جرہم کی ایک دوشیزہ سے شادی کر لی جس کے بطن سے بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ یہی لڑکے عربوں کے آباؤ اجداد بنے۔ چونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کے ننھیال مصری تھے اس لئے یہ عربوں کے ساتھ ایک مقدس رشتہ بن گیا۔

پھر عمروؓ بن عاص نے عرب اور مصر کے تجارتی تعلقات کا تفصیلی ذکر کیا اور کہا کہ مصر کے ساتھ عربوں کے تعلقات تجارتی ہی نہیں، جذباتی بھی ہیں بلکہ انہیں انہوں نے روحانی تعلقات کہا۔ پھر یوں وضاحت کی کہ عرب مصر کے متعلق تو بہت کچھ جانتے تھے لیکن قرآن نازل ہُوا تو عربوں کو مصر کی وہ باتیں بھی معلوم ہوئیں جو ان کے ذہن میں کبھی آئی ہی نہیں تھیں۔ مصر میں ایرانیوں اور رومیوں کی جنگ بڑا لمبا عرصہ جاری رہی تھی۔ ایرانیوں نے 616 عیسوی میں مصر پر فوج کشی کی تھی اور رومیوں کو شکست دے کر مصر پر نو سال تک قابض رہے تھے۔

پھر ہرقل اٹھا اور اس نے ایرانیوں پر فوج کشی کر کے انہیں مصر اور شام سے نکال دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بذریعہ وحی انکشاف کر دیا تھا کہ رومی ایک نہ ایک دن ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ رومی شام میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اس کے چند برس بعد پھر غالب آئیں گے۔ یہ قرآنی پیش گوئی پوری ہوئی اور پھر رومیوں نے ایرانیوں کو ان کے اپنے ملک میں دھکیل دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ کو ہجرت فرما چکے تھے اور جب مسلمانوں کے حالات ٹھیک ہو گئے اور مجاہدین کے لشکر بھی تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

آلہ وسلم نے کسریٰ ایران، قیصرِ روم، حیرہ اور غسان کے بادشاہوں اور اور مصر کے فرمان رواؤں کے پاس ایلچی بھیجے کہ وہ سب اسلام قبول کر لیں۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکتوبِ مبارک کا پورا متن یہاں پیش کیا جائے۔ تاریخ نویس ابنِ عبدالحکم نے "مصر کی فتوحات اور حالات" میں لکھا ہے کہ مصر جانے والے ایلچی حضرت حاطبؓ تھے۔ مکتوبِ مبارک کے الفاظ یہ تھے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے عظیم القبط مقوقس کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جو حق کی پیروی کرے۔ امابعد، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے اسلام قبول کرلیا تو تم بھی سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ اس کا دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اے اہلِ کتاب! اس حقیقت کی طرف آ جاؤ جو ہم تم دونوں میں یکساں طور پر مسلّم ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اور کسی انسان کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جسے اللہ کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہو۔ پھر اگر لوگ رُوگردانی کریں تو کہہ دو کہ ہم تو خدا کو ماننے والے ہیں"۔

ابنِ عبدالحکم نے لکھا ہے کہ دوسرے جن بادشاہوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ مکتوب ملا تھا، انہوں نے آنحضورؐ کے ایلچیوں اور اس مکتوب کے ساتھ بڑا ہی توہین آمیز سلوک کیا تھا۔ خصوصاً کسریٰ ایران نے تو یہ مذموم حرکت کی تھی کہ آنحضورؐ کا مکتوب پھاڑ کر اس کے پُرزے بکھیر دیئے تھے۔ اس کی اطلاع جب آنحضورؐ کو ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص کی سلطنت کے اسی طرح پرزے اڑیں گے۔

ہم نے اپنی تاریخی کتاب "حجاز کی آندھی" میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور جس طرح کسریٰ ایران کی سلطنت کے پُرزے بکھر کر اُڑ گئے تھے وہ لمحہ بہ لمحہ کی داستان کے طور پر سنایا ہے۔

ابنِ عبدالحکم نے لکھا ہے کہ مقوقس نے آنحضورؐ کے مکتوب کو احترام سے وصول کیا اور پوری توجہ سے پڑھا۔ رات کے وقت شاہ مصر مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور پوری تعظیم دے کر بٹھایا پھر کہا کہ اسے اپنے رسولؐ کے متعلق کچھ بتائے۔ حضرت حاطبؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تمام تر

صفات بیان کیں اور ثبوت کے طور پر کچھ زندہ اور قابلِ یقین مثالیں پیش کیں۔

"میں جانتا تھا کہ ایک پیغمبر ابھی آئے گا" ـــــ ابنِ عبدالحکم لکھتا ہے کہ مقوقس نے کہا ـــــ "لیکن میرا خیال تھا کہ یہ نبی شام میں آئے گا کیونکہ اس سے پہلے تمام پیغمبر وہیں مبعوث ہوئے تھے لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ ایک نبیؐ مصیبت زدہ سرزمینِ عرب میں ظہور پذیر ہُوا ہے۔ قبطی تمہارے اس نبیؐ کی حلقہ بگوشی میں میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہ احتیاط کرنا کہ یہاں کسی کو میری اور تمہاری اس گفتگو کا علم نہ ہو۔ میں یہ محسوس کر چکا ہوں کہ اس ملک پر تمہارے پیغمبرؐ کا غلبہ ہو گا......

"تمہارے پیغمبرؐ کے ساتھی اس کے بعد ہمارے ان (مصر کے) میدانوں میں اُتریں گے اور ان میدانوں پر غالب آئیں گے، لیکن میں قبطیوں سے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا تم اپنے دوست (آنحضورؐ) کے پاس واپس چلے جاؤ"۔

اگلی صبح مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو پھر بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر کاتب کو بلایا اور عربی زبان میں یہ مکتوب لکھوایا ـــــ "عبداللہ کے بیٹے محمدؐ کو عظیم القبط مقوقس کا سلام! امابعد، میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں تحریر کیا ہے اور جو دعوت دی ہے، اسے میں نے سمجھا ہے۔ میں جانتا تھا کہ ایک پیغمبر ابھی آنا باقی ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں ظہور پذیر ہو گا۔ میں نے آپ کے قاصد کا احترام کیا ہے اور میں آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں جو قبطیوں میں اونچے درجے اور حیثیت کے خاندانوں کی ہیں پیش کر رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لئے ایک اعلیٰ نسل کا خچر بھی تحفے کے طور پر پیش کر رہا ہوں"۔

ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی حضرت ماریہؓ کے نام سے ازواجِ مطہرات میں شامل کر لی گئی تھیں۔ مصری تاریخ نویس محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ قبطیوں کے ساتھ خوش سلوکی سے پیش آنے کا حکم مانو کہ تم پر ان کا حق ہے اور تم سے ان کا رشتہ بھی ہے۔

○

عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو مصریوں سے اپنا یہ رشتہ بھی یاد دلایا۔ قبطی عیسائی تھے لیکن انہوں نے اپنا الگ ایک فرقہ بنا لیا تھا۔ اب مصر پر بادشاہی ہرقل کی تھی۔ وہ بھی عیسائی تھا لیکن قبطیوں کے فرقے کے سخت خلاف تھا۔ عیسائیوں کے ایک

یا دو فرقے اور بھی بن گئے تھے اور یہ فرقے آپس میں جنگ و جدل میں لگے رہتے تھے۔

ہرقل نے مختلف فرقوں کے عقیدوں پر مبنی ایک سرکاری مذہب بنا ڈالا اور حکم نامہ جاری کیا کہ سب اس مذہب کو صحیح تسلیم کریں۔ اس نے مصر کے دارالسلطنت اسکندریہ میں مذہبی پیشوائیت کی سربراہی قیرس نامی اسقف کے سپرد کر دی اور اسے اتنے وسیع اختیارات دے دیئے کہ وہ ظلم و تشدد کے ذریعے لوگوں سے سرکاری عیسائیت منوائے۔ دوسرے فرقے تو دبک گئے لیکن قبطیوں نے سرکاری مذہب کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ قیرس نے ان پر جو وحشیانہ مظالم توڑے، اگر انہیں تفصیل سے بیان کیا جائے تو انسان کی روح بھی کانپ اٹھتی ہے۔ پورے دس سال قبطی عیسائی قیرس کی وحشت اور بربریت کا شکار ہوتے رہے۔ ان کی سننے والا کوئی نہ تھا۔

عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین سے کہا کہ قبطیوں کو اس ظلم و تشدد سے نجات دلانا ہمارا دینی فریضہ ہے۔

اس کے بعد عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین کے سامنے مصر کی زرخیز زمین اور شادابی اور پھر قیمتی پتھروں اور کانوں کے ذخیرے اور بے انداز دولت کا ذکر کیا اور کہا کہ اللہ کی زمین سے حاصل ہونے والی یہ ساری دولت رومی بادشاہوں کے محلات میں چلی جاتی ہے اور لوگ بھوکے اور ننگے رہ جاتے ہیں۔ محنت اور مشقت کرنے والوں کو بڑی مشکل سے دو وقت روٹی ملتی ہے اور ان کی محنت کا پورے کا پورا ثمر شاہی محلات میں چلا جاتا ہے۔

"یا امیرالمومنین!" ـــــ عمروؓ بن عاص نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا ـــــ "میری روح کہہ رہی ہے کہ ہمیں وہ سرزمین پکار رہی ہے جہاں نیل بہتا ہے.... میں اپنا ایک ذاتی واقعہ سنانا چاہتا ہوں جسے میں اللہ کا اشارہ سمجھتا ہوں"۔

ہم یہ واقعہ اس داستان کے پہلے باب میں تفصیل سے سنا چکے ہیں۔ یہاں ہم مختصراً پھر سنا دیتے ہیں۔ یہ اُس دور کا واقعہ ہے جب مصر پر ایرانی قابض تھے اور اس کے فوراً بعد مصر پھر رومیوں کے تسلط میں آ گیا تھا۔ اُس وقت عمروؓ بن عاص نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

وہ تجارت کے سلسلے میں اہلِ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ بیت المقدس گئے۔ ایک روز قافلے کے اونٹ قریبی جنگل میں چرنے چگنے کے لئے لے جانے کی باری عمروؓ

بن عاص کی تھی۔ وہاں انہیں ایک نیم جان عیسائی ملا جو پیاس سے مرا جا رہا تھا۔ اس کا نام شماس تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اسے اپنا سارا پانی پلا دیا اور وہ موت کے منہ سے نکل آیا۔

شماس وہیں گہری نیند سو گیا۔ عمروؓ بن عاص اس سے ذرا دور کھڑے تھے کہ انہوں نے ایک بڑا لمبا اور زہریلا سانپ شماس کی طرف رینگتا دیکھا۔ کمان اور ترکش ان کے پاس تھی۔ انہوں نے وہیں سے تیر چلایا جو سانپ کے جسم سے پار ہو گیا اور سانپ مر گیا۔ شماس کی آنکھ کھلی تو سانپ کو دیکھ کر اس کا رنگ ہی پیلا پڑ گیا۔

تاریخ میں یہ واقعہ یوں بیان ہُوا ہے کہ شماس بڑا ہی دولت مند تاجر تھا اور وہ مصر کے دارالسلطنت اسکندریہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے عمروؓ بن عاص کو یہ انعام دینا چاہا کہ انہیں کہا کہ وہ اس کے ساتھ اسکندریہ چلیں۔

شماس نے اسکندریہ کا ایسا پُرکشش نقشہ پیش کیا کہ عمروؓ بن عاص راضی ہو گئے اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اسکندریہ کو انہوں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور دولت مند شہر پایا جتنا شماس نے انہیں بتایا تھا۔

انہی دنوں وہاں ایک جشن منایا جا رہا تھا جس میں شاہی خاندان خاص طور پر شریک ہوتا تھا۔ یہ جشن ہر سال انہی دنوں منایا جاتا تھا۔ شماس عمروؓ بن عاص کو اس جشن میں لے گیا۔ چونکہ وہ اونچی حیثیت کا آدمی تھا اس لئے اسے تماشائیوں میں سب سے آگے جگہ دی گئی۔ عمروؓ بن عاص کو اس نے اپنے ساتھ بٹھایا۔

اس جشن میں ایک تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ لوگ درجہ بہ درجہ دائرے میں بیٹھے تھے اور ایک طرف شاہی خاندان بیٹھا محوِ تماشا تھا۔ تقریب یوں تھی کہ ایک آدمی تماشائیوں کے درمیان دائرے میں کھڑا ہو کر اور آنکھیں بند کر کے ایک گیند اوپر پھینکتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ گیند کسی کے ایک بازو پر گرے تو وہ شخص کتنا ہی غریب اور معمولی آدمی کیوں نہ ہو، وہ مرنے سے پہلے بادشاہ ضرور بنتا ہے۔

گیند پھینکنے والے نے چند مرتبہ گیند اوپر پھینکی لیکن گیند واپس زمین پر ہی گری۔ تین چار مرتبہ گیند کسی نہ کسی آدمی پر گری لیکن جسم کے کسی اور حصے پر آ پڑی، ایک بازو پر نہ گری۔

آخر گیند عمروؓ بن عاص کے ایک بازو پر گری اور تماشائیوں کے ہجوم نے تالیاں بجائیں اور خوشی کے نعرے بھی لگائے لیکن شاہی خاندان کے افراد نے کہا کہ وہ اس

نس کو اچھی طرح دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ یہ ہے کون۔ شماس نے کر شاہی خاندان کو بتایا کہ اس شخص کا نام عمروؓ بن عاص ہے اور یہ عربی ہے اور مکہ ے یہاں آیا ہے۔

لوگوں نے قہقہے لگانے شروع کر دیئے اور ایسی آوازیں بھی اٹھیں کہ عرب کا یہ بدّو را بادشاہ نہیں ہو سکتا۔

ہجوم کی یہ آوازیں بھی سنائی دیں کہ یہ چھوٹا اور ٹھگنا سا بدّو مصر کا بادشاہ ہو ہی نہیں سکتا۔

عمروؓ بن عاص عرب کے عام لوگوں کی طرح دراز قد نہیں تھے۔ ان کا قد چھوٹا، سر ڑا، ہاتھ اور پاؤں قد کے مطابق زیادہ ہی بڑے تھے۔ ان کی بھنویں گھنی تھیں، منہ ذرا زیادہ چوڑا تھا، داڑھی لمبی تھی اور سینہ کچھ زیادہ ہی چوڑا تھا۔ البتہ ان کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں اور چہرے پر بشاشت اور زندہ دلی کا تاثر رہتا تھا لیکن اسکندریہ کے لوگوں نے ان کا مذاق اُڑایا۔ تقریباً" تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص کو غصہ آتا ہی نیں تھا۔ ان کے ہونٹوں پر تبسّم سا ہی رہتا تھا۔

ابنِ عبدالحکم لکھتا ہے کہ عمروؓ بن عاص مصر سے واپس آ گئے لیکن مصر اور سکندریہ ان کے ذہن پر ایسے سوار ہوئے کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ مصر میں ہی جا کر بادشاہ ہونا چاہتے ہیں۔

"یا امیرالمومنین!" ——— یہ واقعہ سنا کر عمروؓ بن عاص نے کہا ——— "میں ایسا خیال اپنے ذہن میں کبھی بھی نہیں لاؤں گا کہ گیند کا اشارہ یہ تھا کہ میں ایک نہ ایک دن مصر کا بادشاہ بنوں گا.... بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ میرا عزم ہے کہ مصر میں اللہ کی بادشاہی قائم کرنی ہے۔ مجھے آپ کی اجازت چاہیے"۔

حضرت عمرؓ بڑے تحمل اور انہماک سے عمروؓ بن عاص کی یہ باتیں سنتے رہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ قائل ہو گئے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت عمرؓ قائل ہو گئے تھے لیکن مصر پر فوج کشی کی اجازت اتنی جلدی نہیں دے سکتے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان اور مدینہ کے کچھ صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو ان میں سے کسی نے بھی تائید نہ کی اور یہی کہا کہ ابھی ہم اس قابل نہیں کہ اتنی دور کا ایک اور محاذ کھول دیں۔

حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن عاص کے ان خیالات اور عزم کو بہت سراہا اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ویسے ہی ایک بات چھیڑ دی۔ انہوں نے کہا کہ قبطی عیسائیوں کے ساتھ ہمارا رشتہ تو بنتا ہے اور ہم انہیں رومیوں کے ظلم و تشدد سے نجات دلائیں گے لیکن سنا ہے کہ ان کے ہاں ایک بڑی ہی ظالمانہ رسم چل رہی ہے۔

رسم یہ تھی کہ قبطی اس وہم میں مبتلا تھے کہ جب فصلوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو دریائے نیل کی روانی رک جاتی ہے یعنی دریا ٹھہر جاتا ہے۔ قبطی سال میں ایک بار ایک کنواری لڑکی کو اس کے والدین کی رضامندی سے الگ کر لیتے تھے اور اسے بڑے قیمتی لباس اور زیورات پہنا کر دریائے نیل میں پھینک دیتے تھے۔ لڑکی ڈوب مرتی تھی اور قبطی کہتے تھے کہ دریائے نیل اب رکے گا نہیں اور یہ بہتا ہی رہے گا۔

عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین کی تائید کی اور کہا کہ انشاء اللہ قبطی قبولِ اسلام پر آ جائیں گے اور ان کی تمام بے بنیاد رسمیں ختم ہو جائیں گی۔

○

اب ہم اس داستان کو اُس مقام پر لے جاتے ہیں جہاں حلب میں عیسائی قبائل نے متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنا قتلِ عام کروا کے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ جب حلب پہنچے تھے تو قبائل کے سرداروں نے ان کے پاس جا کر اعتراف کر لیا تھا کہ انہیں اپنی لغزش اور کم فہمی کی سزا ملی ہے۔

سرداروں نے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کو یہ بھی بتایا کہ ان کی قیادت رومی فوج کا ایک جرنیل اور ایک افسر کر رہے تھے اور انہوں نے ہی انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیار کیا تھا۔ ابو عبیدہؓ کو شارینا کے خاوند حدید بن مومن خزرج سے پہلے ہی پتہ چل چکا تھا کہ انتھونیس اور روتاس نے ان قبائلیوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار کیا تھا۔ حدید نے سپہ سالار کو یہ بھی بتایا تھا کہ ہرقل کی ایک بیوی اور اس کا نوجوان بیٹا بھی فرار ہو کر یہاں آ گئے تھے۔ حدید کو یہ ساری باتیں شارینا نے بتائی تھیں۔

"اللہ اکبر .... اللہ اکبر" ـــ سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے کہا ـــ "سلطنتِ روم ایک تناور درخت تھا۔ اب دیکھو اس کی ٹہنیاں کس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی ہیں۔ ایک رومی جرنیل باغی ہو کر اِدھر آ گیا' قیصرِ روم کی اپنی ایک بیوی اپنے بیٹے کے ساتھ اس

جرنیل کے ساتھ آ گئی۔ یہ لوگ یہاں اپنی سلطنت کی بنیاد رکھنے آئے تھے۔ اللہ کے اس اشارے کو سمجھو کہ سلطنتِ روم کا تناور درخت اب اسی طرح ٹہنی ٹہنی ہو کر بکھر جائے گا اور زمین اس کی جڑوں کو پانی سے محروم کر دے گی"۔

سپہ سالار ابو عبیدہؓ کچھ دن حلب میں گذار کر واپس حمص چلے گئے اور انہوں نے شام کے مختلف علاقے مختلف سالاروں کے سپرد کر دیئے اور کہا کہ ان کے سرکاری انتظامات' جزیہ اور دیگر محصولات کی وصولی کا نظام رواں کیا جائے۔ اس طرح شام کے حالات معمول پر آ گئے۔

حلب اور انطاکیہ کے درمیان تقریباً 45 میل فاصلہ ہے۔ اُس دَور میں یہ تمام علاقہ کچھ اس طرح ہُوا کرتا تھا کہ زیادہ تر جنگلات تھے' کچھ حصہ چٹانی تھا جس میں چٹانوں کے علاوہ ٹیلے اور ٹیکریاں بھی تھیں اور تھوڑا سا علاقہ ریگستانی تھا۔ انطاکیہ بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے اور تاجروں کے بحری جہاز یہیں آتے اور یہیں سے سامان وغیرہ لاد کر واپس جایا کرتے تھے۔ مصر میں تاجروں کے لئے سکندریہ بندرگاہ تھی۔ اس تمام علاقے پر اب مجاہدینِ اسلام کا تسلط ہو گیا تھا۔ اس علاقے میں عیسائیوں کے دو تین قبیلے آباد تھے اور ان کی بستیاں ایک دوسرے سے دُور دُور تھیں۔

حلب کی فتح کے بہت دنوں بعد انطاکیہ سے حلب آنے والے اور حلب سے انطاکیہ جانے والے لوگوں نے بتایا کہ اس علاقے میں ایک چڑیل یا بدروح بھٹکتی پھر رہی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ کسی وقت چیختی اور چلّاتی ہے اور کچھ کہتی بھی ہے جو کسی کو بھی سمجھ نہیں آتی۔ لوگ اس کی آواز سن کر دور بھاگ جاتے تھے۔

آج کے سائنسی دَور میں بھی لوگ چڑیلوں اور بدرُوحوں کو مانتے ہیں۔ تیرہ صدیاں پہلے تو اس معاملے میں لوگوں میں زیادہ ذہنی پسماندگی پائی جاتی تھی۔ کوئی جھوٹ بولتا کہ اس نے چڑیل یا بدروح دیکھی ہے یا اس نے کہیں جنّات کو بیٹھے دیکھا ہے تو لوگ بلا چون وچرا سچ مان لیتے تھے۔ حلب اور انطاکیہ کے درمیانی علاقے کی چڑیل کی آوازیں تو بہت سے لوگوں نے سنی تھیں۔ ان خبروں کی تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایک روز ایک مسافر حلب میں داخل ہُوا اور سرائے میں ٹھہرا۔ اُس پر خوف و ہراس طاری تھا اور اس کے منہ سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ سرائے میں ہر کسی نے محسوس کر لیا کہ اس نے راستے میں کوئی خوفناک یا پُراسرار چیز دیکھی ہے۔ وہ

اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگے اور اسے کہا کہ وہ سب کو بتا دے کہ وہ کیا دیکھ آیا ہے تاکہ کوئی اور مسافر اس راستے سے نہ گزرے۔

اس نے سنایا کہ وہ اپنی بستی سے حلب کی طرف خچر پر سوار چلا آ رہا تھا۔ اسے ذرا قریب سے آوازیں سنائی دیں —— "میں اُس کا خون پی لوں گی .... اُس نے میرا خون بہایا ہے" —— اس کے بعد اس مسافر کو چیخیں سنائی دیں۔ آواز بلاشک و شبہ عورت کی تھی۔ ایک تو جنگل گھنا تھا اور اس میں ٹیکریاں بھی تھیں اس لئے کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ یہ کون ہے اور کیا یہ انسان ہے یا کوئی پُراسرار مخلوق۔ اس کے دل پر خوف طاری ہو گیا اور خچر کو ایڑ لگائی کہ تیز چلے مگر وہ گھوڑا نہیں خچر تھی۔ خچر کو جتنی بھی ایڑ لگاؤ' مارو پیٹو' ذرا سا تیز چلنے لگتی ہے لیکن گھوڑے کی طرح سرپٹ نہیں دوڑتی۔

اس مسافر کا راستہ ٹیکریوں میں سے گزرتا ایک ٹیکری کے قریب سے مُڑتا تھا۔ وہ وہاں سے مُڑا تو اچانک ایک نوجوان لڑکی اس کے راستے میں آ گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا بہت ہی خوبصورت تھی۔ کپڑے کئی جگہوں سے پھٹے ہوئے تھے۔

مسافر کو خیال آیا کہ اس جنگل میں اس عمر کی لڑکی کا کیا کام ہو سکتا ہے' یہ کسی مری ہوئی لڑکی کی بدروح ہو گی یا چڑیل انسان کے روپ میں آ گئی تھی۔ مسافر نے اس سے نہ پوچھا کہ وہ کون ہے؟ انسان ہے یا آسمان سے آئی ہوئی کوئی مخلوق ہے؟ .... اس۔ دلی طور پر یقین کر لیا کہ یہ بدرُوح یا چڑیل ہے۔ وہ خوف سے لرزاں خچر سے اترا اس چڑیل کے آگے دو زانو ہو کر ہاتھ جوڑے۔

"میں غریب مسافر ہوں" —— اس نے چڑیل یا بدروح سے التجا کی —— "چھو- چھوٹے بچے ہیں' ان کا پیٹ پالنے کے لئے دربدر خوار ہوتا پھر رہا ہوں۔ مجھے بتا تیری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ میری جان بخشی کر دے"۔

چڑیل نے کوئی بات نہ کی۔ وہ خچر تک گئی زین کے ساتھ ایک تھیلا بندھا ہوا جس میں مسافر کا کھانے پینے کا سامان تھا اور تھیلے کے ساتھ چھوٹا سا پانی کا مشکیزہ بھی چڑیل نے تھیلا بھی اتار لیا اور مشکیزہ بھی۔ وہ دو زانو بیٹھے مسافر کے سامنے آ کر گئی۔

"ہرقل کہاں ہے؟" —— چڑیل نے پوچھا۔

"میں صحیح جواب نہیں دے سکوں گا" —— مسافر نے ہانپی کانپتی آواز میں کہا —— "اتنا ہی جانتا ہوں کہ ہرقل مسلمانوں سے شکست کھا کر ملک شام سے بھاگ گیا ہے۔ کہاں گیا ہے؟ میں یہ نہیں بتا سکتا۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ مصر گیا ہو گا۔ مصر میں اس کی بادشاہی ہے اور سنا ہے کہ سکندریہ میں اس کا محل ہے اور وہ وہیں رہتا ہے"۔

"میں اُس کا خون پینے جا رہی ہوں" —— چڑیل نے دانت پیس کر کہا —— "اُس نے میرا خون بہایا ہے۔ اُس نے مجھے قتل کروایا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے تو بتا دو ورنہ تمہارا خون پی لوں گی"۔

"میرے بچوں پر یہ ظلم نہ کرنا" —— مسافر نے روتے ہوئے کہا —— "میں غریب آدمی بادشاہوں کے بارے میں بتانے سے معذور ہوں۔ اگر تم خدا کو مانتی ہو تو اسی کے نام پر میری جان بخشی کر دو"۔

مسافر نے سرائے میں سنایا کہ چڑیل نے تھیلا اور مشکیزہ اٹھایا اور ایک طرف کو چل دی۔ مسافر اسے دیکھتا رہا اور وہ ٹیکری کی اوٹ میں چلی گئی۔ مسافر خچر پر سوار ہُوا اور حلب کی طرف چل پڑا۔

کچھ ہی دنوں بعد انطاکیہ میں ایسے ہی دو مسافر پہنچے۔ ان کی حالت بھی اسی مسافر جیسی ہو رہی تھی۔ وہ خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ وہ لوگوں کو بتاتے جا رہے تھے کہ فلاں راستے سے کبھی نہ گزرنا کیونکہ وہاں ایک چڑیل یا کسی مقتول لڑکی کی بدروح گھومتی پھرتی اور چیختی چلّاتی رہتی ہے۔

انہوں نے چڑیل کا وہی حلیہ بتایا جو حلب پہنچنے والے مسافر نے بتایا تھا۔ ان سے بھی چڑیل نے کھانے پینے کی اشیا لے لی تھیں اور جنگل میں غائب ہو گئی تھی۔ ان سے بھی اس نے ہرقل کے متعلق پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ انہوں نے بھی اسے بتایا تھا کہ وہ شام سے شکست کھا کر بھاگا اور سکندریہ چلا گیا ہو گا۔

چڑیل نے انہیں بھی کہا تھا کہ وہ ہرقل کا خون پینے جا رہی ہے اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ ہرقل نے میرا خون بہا دیا تھا .... یہ بات سن کر لوگوں نے پورے یقین کے ساتھ کہہ دیا کہ یہ کوئی ایسی لڑکی کی بھٹکتی ہوئی روح ہے جسے ہرقل نے قتل کروایا ہو گا۔ یہیں سے یہ خیال پیدا ہُوا کہ یہ چڑیل نہیں بدروح ہے۔

ایسی شہادت کہیں سے بھی نہیں ملی کہ اس نے کسی انسان کو ذرا سا بھی نقصان

پہنچایا ہو یا کسی کو پریشان کیا ہو سوائے اس کے یہ جس مسافر کے بھی سامنے آتی تھی' اس سے کھانے پینے کا سامان لے لیتی تھی۔

اس علاقے میں جو قبائلیوں کی چھوٹی بڑی بستیاں تھیں' ان میں رہنے والوں نے بھی اس کی پکار اور چیخ سنی لیکن وہ کبھی کسی بستی میں داخل نہ ہوئی۔ لوگوں نے شام کے بعد گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ صرف مسافروں کو نظر آتی اور انہیں روکتی تھی۔ اسے جتنے بھی مسافروں نے دیکھا' سب نے ایک جیسا ہی حلیہ بتایا اور کہا کہ بگڑے ہوئے حال حلئے میں صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ نوجوان ہے اور بہت ہی خوبصورت ہے۔

مسافروں نے اس کے متعلق جو خبریں اِدھر اُدھر پہنچائیں' ان سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ انطاکیہ کی طرف جا رہی ہے۔ انطاکیہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت انطاکیہ کون سے سالار کے سپرد کیا گیا تھا۔

○

یہ بدروح تھی یا چڑیل یا کوئی پاگل لڑکی تھی' انطاکیہ کے مضافات میں جا پہنچی۔ لوگوں تک اس کی خبریں پہلے ہی پہنچ گئی تھیں اس لئے لوگوں کو جب پتہ چلا کہ وہ قریب آگئی ہے تو ان پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ خوف و ہراس بھی ایسا کہ بعض مسافر اپنا سفر ملتوی کر دیتے تھے۔

ایک روز تین چار آدمی جو انطاکیہ کے غیر مسلم باشندے تھے' مسلمانوں کے سالار کے پاس گئے اور کہا کہ ایک عرصے سے ایک چڑیل یا بدروح کی خبریں سن سن کر لوگوں پر ایسا ڈراؤنا اثر ہُوا ہے کہ شام کے بعد کوئی گھر سے باہر نہیں نکلتا اور سفر بھی پُرخطر ہو گیا ہے۔

"ہم اسلام کے بارے میں کچھ سن کر آئے ہیں"۔۔۔ اس وفد کے سردار نے کہا ۔۔۔ "ہم جانتے ہیں کہ چڑیل یا بدروح یا جنّات کے سامنے انسان بالکل بے بس اور مجبور ہوتا ہے۔ کوئی انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن کسی نے بتایا ہے کہ اسلام کے بعض عالموں کے پاس ایسی طاقت ہوتی ہے جو ان پُراسرار اور پُرخطر چیزوں پر قابو پا لیتے ہیں"۔

یہ دراصل شہریوں کی طرف سے بھیجا ہُوا وفد تھا اور شہریوں کی درخواست یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس اگر کوئی ایسی طاقت ہے تو اس چڑیل یا بدروح سے نجات دلائی جائے۔

"ہاں' تم نے ٹھیک سنا ہے"۔۔۔ سالار نے کہا ۔۔۔ "اسلام میں ایسی طاقت ہے کہ جنات' چڑیلوں اور بدرُوحوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس طاقت کا راز یہ ہے کہ جو مر جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ نہ حقیقی روپ میں نہ بدروح کے روپ میں۔ اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے جو بدروحوں اور چڑیلوں کو نہیں مانتا۔ اسلام قبول کرو اور یہ طاقت تم میں بھی پیدا ہو جائے گی پھر تم اس بدروح یا چڑیل کا سامنا کر کے دلیری سے پوچھو گے کہ تم کون ہو"۔

سالار نے محسوس کیا کہ یہ علمی باتیں ہیں اور یہ دینِ اسلام کے باریک مسائل ہیں جو یہ لوگ ابھی نہیں سمجھ سکیں گے۔ سالار نے اپنے محافظ دستے کے کماندار کو بلایا اور اس کو یہ کام سونپا کہ وہ اپنے ساتھ جتنے بھی آدمی لے جانا چاہے لے جائے اور دیکھے کہ یہ چڑیل یا بدروح کون ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔

"قابلِ احترام سالار!"۔۔۔ وفد کے ایک آدمی نے کہا ۔۔۔ "آپ کا مذہب جو کچھ بھی کہتا ہے' ہم اس پر اعتراض نہیں کرتے لیکن اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو خبردار کر دیں کہ اپنے آدمیوں کا نقصان نہ کرا بیٹھیں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کے آدمیوں کو دیکھ کر غائب ہی ہو جائے۔ اس طرح آپ کے آدمیوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ اگر وہ غائب نہ ہوئی تو نقصان ضرور کرے گی۔ آپ کے آدمی مارے بھی جا سکتے ہیں"۔

سالار نے ان کی یہ بات سن کر محافظوں کے کماندار سے کہا کہ وہ انہیں دیکھ کر غائب نہ ہوئی تو اسے پکڑ کر یہاں لے آئیں۔

محافظ دستے کے کماندار نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا اور سب سے پہلے مختلف لوگوں سے پوچھا کہ یہ بدروح کہاں کہاں دیکھی گئی ہے۔ مختلف لوگوں نے تین چار جگہیں بتائیں اور ایک دو نے ایک خاص علاقے کی نشاندہی کی۔

کماندار نے بہت سے محافظوں کو ساتھ لیا اور چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے شہر کے ایسے مضافات میں پھیلا دیا جہاں جنگل ذرا گھنا تھا اور ایسی جگہیں بھی تھیں جہاں ٹیلے اور کھڈ نالے تھے۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے ایک جگہ سے محافظوں کی ایک پارٹی کو چیخیں سنائی دیں اور یہ الفاظ بھی سنائی دیئے کہ میں ہر قتل کا خون پینے جا رہی ہوں۔ محافظوں کی اس پارٹی نے ایک اور پارٹی کو بھی بلا لیا اور اس طرح یہ بارہ چودہ محافظ اکٹھے ہو گئے۔ وہ

پھیل کر آگے بڑھنے لگے۔ انہوں نے ایک ذرا زیادہ عمر کے محافظ کو اسلامی اصولوں کے تحت اپنا امیر یعنی کمانڈر بنالیا تھا۔

اس کمانڈر نے کہا کہ دل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام ہو اور کسی نہ کسی آیتِ قرآنی کا وِرد دل ہی دل میں کرتے جائیں ..... کمانڈر کی ہدایت کے مطابق وہ محاصرے کی صورت میں بڑھتے گئے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بدروح کی چیخ یا پکار سنائی دیتی تھی جو معلوم ہوتا تھا کہ دور ہٹتی جا رہی ہے۔

آخر انہیں وہ نظر آ گئی۔ محافظوں نے اُسے اُسی حال چلتے میں دیکھا جو انہوں نے متعدد بار سنا تھا۔ محافظ نیم دائرے کی شکل میں اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ الٹے قدم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

"تم چڑیل یا بدروح ہو تو فوراً" غائب ہو جاؤ" ---- کمانڈر نے کہا اور اپنی برچھی ہاتھ میں یوں تولی جیسے اس پر برچھی پھینکے گا۔ اس نے کہا ---- "اگر انسان ہو تو ہمارے پاس آ جاؤ اور تمہارے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ ہم تم سے نہیں ڈر رہے تم ہم سے نہ ڈرو"۔

"مجھے ہرقل تک پہنچا دو" ---- وہ جو کوئی بھی تھی، بولی ---- "ہرقل نے میرا خون بہایا ہے، میں اس کا خون پینے جا رہی ہوں"۔

"ہم تمہیں ہرقل تک پہنچا دیں گے" ---- کمانڈر نے کہا ---- "تم جانتی ہو ہرقل ہمارا دشمن ہے۔ ہم خود چاہتے ہیں کہ وہ قتل ہو جائے۔ ہم تمہارے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیجیں گے۔ تم محفوظ بھی رہو گی اور ہمارا آدمی تمہارا کام بھی کر دے گا"۔

کمانڈر گھوڑے سے اُتر کر اس کی طرف گیا۔ اس نے برچھی اپنے ہاتھ میں تیار رکھی۔ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے کمانڈر نے شفقت اور پیار کی اور اس کی ہم خیالی کی باتیں جاری رکھیں اور اُس تک پہنچ گیا۔ اسے بازو سے پکڑا اور کہا کہ ہمارے ساتھ آؤ اور عزت و آبرو کے ساتھ ہمارے ہاں چلو۔

لڑکی بغیر مزاحمت کے بڑے آرام سے کمانڈر کے ساتھ چل پڑی۔ اپنے گھوڑے کے قریب لے جا کر کمانڈر نے لڑکی کی بغلوں میں ہاتھ رکھے اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر سوار کر دیا۔ گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور گھوڑے کے آگے آگے پیدل چلنے لگا۔ تمام محافظ گھوڑوں پر سوار تھے۔ واپسی کے وقت وہ لڑکی کو ہی دیکھتے رہے۔ ان کی نظریں لڑکی سے

ہٹتی ہی نہیں تھیں۔ انہیں غالباً" یہ توقع تھی کہ یہ لڑکی ابھی غائب ہو جائے گی لیکن سالار کے دروازے تک پہنچ گئے لڑکی غائب نہ ہوئی۔

○

سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا۔ سالار اپنے محافظوں کا انتظار بڑی ہی بے تابی سے کر رہا تھا۔ غالباً" اسے بھی یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ یہ لڑکی کوئی جن بھوت ہُوا یا بدروح ہوئی تو وہ محافظوں کو نقصان پہنچائے گی اور ہو سکتا ہے نقصان پہنچا بھی چکی ہو..... اتنے میں سالار کو دربان نے اطلاع دی کہ محافظ ایک لڑکی کو لائے ہیں۔ سالار تو جیسے حیرت سے بدک گیا ہو۔ اس کے کہنے پر محافظ دستے کا کمانڈر لڑکی کو سالار کے کمرے میں لے گیا۔ صرف محافظ کو سالار کے کمرے میں لے جایا گیا جو لڑکی کو لایا تھا۔

سالار کے گھر کے باہر بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ شہر کے جو آدمی سالار کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ اس بدروح یا چڑیل کا کچھ کیا جائے انہوں نے شہر میں یہ خبر پھیلا دی تھی کہ سالار نے اپنے محافظوں کو بھیجا ہے کہ وہ جا کر دیکھیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ اس خبر پر ہی لوگ پہلے ہی وہاں اکٹھے ہونے شروع ہو گئے تھے۔

سالار کو بتایا گیا کہ لوگ باہر یہ دیکھنے کے لئے دیر سے اکٹھے ہو گئے ہیں کہ محافظ کیا کر کے آتے ہیں یا ان پر کیا گزرتی ہے۔ سالار نے لڑکی کو دیکھ لیا تھا جس سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ تو انسان ہے۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں میں سے چند ایک معززز اور نمائندہ قسم کے آدمیوں کو اندر بلا لیا جائے تاکہ وہ بھی دیکھ لیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

دس بارہ آدمی اندر آ گئے اور سالار نے انہیں بٹھا لیا۔ سب کی نظریں لڑکی پر لگی ہوئی تھیں اور لڑکی یوں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی جیسے اسے احساس ہی نہ ہو کہ وہ اتنے سارے آدمیوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟" ---- سالار نے اس سے پوچھا۔

"میرا نام یوکلس ہے" ---- لڑکی نے جواب دیا۔

کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں کھُسر پھُسر ہوئی اور ایک نے کہا کہ یہ تو مردانہ نام ہے اور ایسے نام رومیوں کے ہوتے ہیں۔

"میں یوکلس ہوں" ---- لڑکی نے کہا ---- "اور یوکلس روزی ہے..... یوکلس زندہ ہے اور روزی قتل ہو گئی ہے"۔

"روزی کو کس نے قتل کیا ہے؟" — سالار نے پوچھا۔

"ہرقل نے!" — لڑکی نے جواب دیا — "میں ہرقل کو قتل کرنے جارہی ہوں اور میں اُس کا خون پیئوں گی .... تم میں سے کوئی آدمی مجھے اس راستے پر ڈال دے جو مجھے ہرقل تک پہنچادے"۔

"کیا تم اپنی روح ہو؟" — سالار نے پوچھا — "یا اپنا جسم ہو؟"

"میری روح یوکلس ہے" — لڑکی نے کہا — "یوکلس کی روح مجھ میں ہے"۔

اس سے پوچھا گیا کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں سے آئی ہے تو وہ کچھ بھی نہ بتا سکی۔ اس نے کچھ نہ کچھ جواب تو دیئے لیکن وہ بے معنی اور ناقابلِ فہم تھے۔ سالار سمجھ گیا کہ اس لڑکی کا دماغی توازن ٹھیک نہیں۔

وہ حلب کی روزی تھی جسے یوکلس کے ساتھ والہانہ محبت تھی اور یوکلس دل میں اس کی محبت بسائے ہوئے تھا۔ یُوکلس حلب کے محاصرے میں مارا گیا تھا اور روزی نے اُس کی لاش اُس وقت دیکھی تھی جب شارینا یوکلس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس وقت تک یوکلس زندہ تھا۔ اس نے شارینا اور روزی کے ہاتھوں میں جان دی تھی۔ پھر روزی یوکلس کی ماں لیزا کی لاش پر گئی اور اس کا جو ردِ عمل تھا وہ پہلے سنایا جاچکا ہے۔ روزی کی ماں وہیں آگئی تھی اور روزی باہر نکلی اور دوڑ پڑی۔ ماں اس کے پیچھے گئی تھی لیکن روزی کو جیسے زمین نے نِگل لیا تھا۔ وہ اتنی تیز بھاگی تھی کہ ماں اس تک نہ پہنچ سکی نہ دیکھ سکی کہ وہ گئی کس طرف ہے۔

یوکلس نے اسے بتادیا تھا کہ ہرقل اور اس کا بیٹا قسطنطین اسے قتل کروانا چاہتے تھے لیکن اسے پتہ چل گیا اور اس کی ماں جرنیل انتھونیس کے ساتھ اسے یہاں لے آئی۔ ہرقل کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یوکلس اور اس کی بیوی لیزا کہاں چلے گئے ہیں۔

روزی نے یوکلس کی خون آلود لاش دیکھی تو صدمے نے اس کے دماغ کو بنیادوں تک ہلا کر رکھ دیا اور یہ خیال اس کے ذہن میں بیٹھ گیا کہ یوکلس کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ ہرقل نے قتل کروایا ہے۔ وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ انطاکیہ سے بڑی کشتیاں اور جہاز مصر جایا کرتے ہیں اور ہرقل مصر چلا گیا ہے۔ وہ یوکلس کے قتل کا انتقام لینے کے لئے چل پڑی تھی۔ پینتالیس میلوں کا فاصلہ کوئی معمولی فاصلہ نہ تھا۔ وہ عام راستے سے ہٹ کر جنگلوں میں سے گزرتی جارہی تھی تاکہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ چونکہ اس کا دماغ اس

کے قابو سے نکل گیا تھا اس لئے جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتی اور چیختی چِلّاتی انطاکیہ تک جا پہنچی۔



سالار کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ اس لڑکی کا کیا کرے۔ اس کے پاس اس لڑکی کے پاگل پن کا کوئی علاج نہیں تھا اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مجاہدینِ اسلام کے لشکر کا سالار لڑکی کو پاگل سمجھ کر اسے گھر سے نکال دیتا۔

لڑکی کو سب کے سامنے لے آنے کا فائدہ یہ ہُوا کہ لوگوں کو اس خوف و ہراس سے نجات مل گئی کہ یہ کوئی چڑیل یا بدروح یا جنّات میں سے ہے۔ اگر وہ اتنا ہی بتادیتی کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں سے آئی ہے تو سالار اسے وہاں بھیج دیتا اور وہ اپنے گھر پہنچا دی جاتی۔ اگر مسلمان سالار کی جگہ کوئی رومی جرنیل ہوتا تو لڑکی کو پاگل قرار دے کر قتل کروادیتا اور اس کی لاش جنگل میں پھینک دی جاتی لیکن وہاں کسی سالار اور کسی جرنیل کا حکم نہیں چل سکتا تھا وہاں اب اللہ کی حکمرانی تھی اور اللہ کے دین کے احکام کی پیروی لازمی تھی۔

سالار روزی کو اپنے ساتھ اپنے گھر کے اندر لے گیا اور اسے مستورات کے حوالے کر کے کہا کہ اسے نہلائیں اور اچھے کپڑے پہنائیں اور پھر اسے کھانا کھلائیں۔ واپس آکر سالار ان لوگوں میں بیٹھ گیا جو اس کے ملاقات والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"اب مجھے مشورہ دیں" — سالار نے حاضرین سے کہا — "میں اس لڑکی کو گھر میں بھی نہیں رکھ سکتا اور اس حالت میں گھر سے نکال بھی نہیں سکتا۔ اس کی دیکھ بھال اور اس کی آبرو کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ میں اسے کسی مخلص اور دردمند آدمی کے سپرد کرنا چاہتا ہوں جو اسے اپنے گھر میں رکھے۔ میرا طبیب اس کا علاج کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہو سکتا ہے یہ ٹھیک ہو جائے اور یہ بتادے کہ یہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں کی رہنے والی ہے"۔

سب پر سکوت طاری ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک پاگل لڑکی کی ذمہ داری کوئی بھی لینے کو تیار نہیں .... وہاں سب سے پیچھے تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپس میں سرگوشیوں میں صلاح مشورہ کیا۔

"امیرِ انطاکیہ!" —— ان میں سے ایک آدمی نے کہا —— "ہم تین آدمی مصر سے آئے تھے اور اپنا کام کر کے واپس جا رہے ہیں۔ یہاں سے گزر رہے تھے تو لوگوں نے بتایا کہ ایک بدروح کو پکڑ کر لائے ہیں۔ ہم اسے دیکھنے کے لئے رک گئے اور اب پتہ چلا ہے کہ یہ بدروح نہیں۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ یہ لڑکی مسلمان نہیں' کسی عیسائی قبیلے کی ہے۔ ہم قبطی عیسائی ہیں۔ اگر آپ کو ہم پر اعتماد ہے تو ہم اس لڑکی کو ساتھ لے جائیں گے' اس کا علاج بھی کرائیں گے۔ اگر یہ ٹھیک ہو گئی اور اس نے واپس آنا چاہا تو ہم اسے اس کے گھر چھوڑ آئیں گے اور اگر یہ شادی پر رضامند ہو گئی تو اس کی کسی کے ساتھ شادی کر دیں گے۔ لڑکی نوجوان ہے اور اس کی خوبصورتی اس کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ یقیناً عیسائی ہے اور ہم بھی عیسائی ہیں اس لئے یہ ہمارے ہی سپرد کی جائے تو ہم پوری ہمدردی سے اس کی دیکھ بھال کریں گے"۔

حاضرینِ مجلس میں سے تین چار آوازیں اس شخص کی تائید اور حمایت میں اٹھیں اور آخر سالار نے فیصلہ دے دیا کہ لڑکی ان کے حوالے کر دی جائے۔

"اگر لڑکی نے تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو پھر کیا ہو گا؟" —— سالار نے پوچھا۔

"امیرِ انطاکیہ!" —— اس آدمی نے کہا —— "لڑکی کچھ بھی سمجھنے کے قابل نہیں اس کے دماغ میں یہی خبط بیٹھ گیا ہے کہ یہ ہرقل کو قتل کرنے جا رہی ہے۔ میں اسے کہوں گا کہ میرے ساتھ چلو' میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا اور ہم دونوں مل کر ہرقل کو قتل کریں گے"۔

اس کی اس بات کو سب نے سراہا اور اس بات سے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ یہ آدمی کچھ اچھی حیثیت والا اور عقل و دانش والا ہے۔

لڑکی جب بلانے پر واپس سالار کے ملاقاتی کمرے میں آئی تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اسے نہلایا گیا' کھانا کھلایا گیا اور اچھا لباس پہنایا گیا تھا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ سب حیرت زدگی کے عالم میں چلے گئے تھے۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی۔ سالار نے اسے کہا کہ اس نے اس کے لئے تین آدمی تیار کر لئے ہیں جو اسے ساتھ لے جائیں گے اور ہرقل کے قتل میں ساتھ ہوں گے۔

لڑکی کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ اسے ساتھ لے جانے والے آدمی نے بڑے پیار

اور اعتماد سے باتیں کیں تو لڑکی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔

سالار نے آخری فیصلہ یہ سنایا کہ آج رات لڑکی اس کے گھر کی مستورات کے پاس مہمان رہے گی اور کل فجر کی نماز کے فوراً بعد ان آدمیوں کے سپرد کر دی جائے گی اور یہ آدمی اُسی وقت مصر کو روانہ ہو جائیں۔



دوسری صبح نمازِ فجر کے بعد سالار واپس گھر آیا تو ان تینوں آدمیوں کو منتظر پایا۔ اس نے روزی کو ان کے حوالے کر دیا اور وہ چلے گئے۔ انطاکیہ سے سکندریہ تک خشکی کا راستہ بھی تھا لیکن ایک دو دنوں بعد ایک بحری جہاز سکندریہ جا رہا تھا۔ انہوں نے سمندری راستہ اختیار کیا۔

راستے میں روزی ایک ہی بات کرتی تھی کہ وہ ہرقل کو قتل کر کے اس کا خون پیئے گی۔ تینوں آدمی اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور کہتے تھے کہ وہ اس کے ساتھ ہوں گے.. ..رات کو روزی سو جاتی تھی تو یہ تینوں آدمی جہاز کے عرشے پر کچھ دیر کے لئے جا بیٹھتے اور گپ شپ لگا کر سوتے تھے۔

"ہورشیس!" —— ان تین میں سے ایک آدمی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا —— "مجھے تو یقین ہو گیا کہ تمہاری بیٹی بچ جائے گی۔ یہ لڑکی کنواری معلوم ہوتی ہے"۔

"امید تو یہی ہے" —— ہورشیس نے کہا —— "میں نے تو اپنے آپ کو اس صدمے کے لئے تیار کر لیا تھا کہ میری بیٹی کی قربانی دے دی جائے گی۔ یہ تو خدا کی خاص مدد ہے کہ یہ لڑکی مل گئی ہے۔ ہمارا اسقف اس لڑکی کو قبول کر لے تو میں صدمے سے بچ جاؤں گا"۔

"بچ جاؤ گے" —— اس کے دوسرے ساتھی نے کہا —— "تمہیں خدائی مدد مل گئی ہے"۔

روزی کو اپنے ساتھ لانے سے ہورشیس کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ یہ مسئلہ اس کے لئے ایک ایسا صدمہ تھا جسے وہ ناقابلِ برداشت کہتا تھا۔ مسلمانوں کے سالار کو جو امیرِ انطاکیہ تھا' ذرا سا بھی شبہ نہیں ہُوا تھا کہ یہ شخص انسانی ہمدردی اور نیکی کے پردے میں اسے اور روزی کو بہت بڑا دھوکہ دے رہا ہے۔ روزی تو کچھ سمجھنے کی ذہنی حالت میں تھی ہی نہیں۔ اس کا تو دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

ہورشیس کی اس فریب کاری کا پس منظر یہ تھا کہ' جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے' قبطی عیسائی ہر سال ایک خاص رات دریائے نیل کو ایک نوجوان کنواری لڑکی کی قربانی دیا کرتے تھے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ جس لڑکی کی قربانی دینی ہوتی تھی اس کے والدین کی رضامندی اس میں شامل ہوتی تھی۔ ایسا کبھی بھی نہ ہُوا کہ کسی لڑکی کو زبردستی اٹھا کر دریا میں پھینک دیا گیا ہو۔

اب کے جس قبیلے کے ذمے یہ قربانی تھی اس میں صرف ہورشیس کی بیٹی نوجوان اور کنواری تھی۔ باقی سب کی بیٹیاں بہت چھوٹی تھیں یا شادی شدہ تھیں۔ ہورشیس کو اسقف نے بتا دیا تھا کہ اس سال وہ اپنی بیٹی کو قربان کرے گا۔ ہورشیس کی کل اولاد یہی ایک بیٹی تھی اور اس بیٹی کے ساتھ اسے اور بیوی کو اس کے ساتھ والہانہ پیار تھا۔ بے شک اسقف یعنی بڑے پادری نے اس کی اجازت کے بغیر اس کی بیٹی کو قربان نہیں کرنا تھا پھر بھی ہوریش کو معلوم تھا کہ وہ اپنے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کا حکم ٹال نہیں سکتا۔ اس کے گھر میں تو باقاعدہ ماتم شروع ہو گیا تھا۔

ہورشیس اپنی بیوی کو کوستا تھا کہ اس نے اسے بیٹی کی شادی جلدی نہ کرنے دی۔ شادی ہو جاتی تو آج یہ زندہ تو رہتی۔ بیٹی خود بھی قربانی کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس نے صدمے کی کیفیت میں یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اسقف اعظم کو گرجے میں کھڑے ہو کر کہہ دے گی کہ اس کی شادی تو نہیں ہوئی لیکن وہ کنواری نہیں۔ وہ کہتی تھی کہ وہ یہاں تک کہہ دے گی کہ وہ بہت بڑی گناہگار ہے اور اپنے جیسے دو نوجوانوں کے ساتھ گناہ کر چکی ہے اس لئے اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی اور نیل کا بہاؤ رک رہے گا۔

ہورشیس اور اس کی بیوی نے بیٹی کو سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ جھوٹ بولنا بھی گناہ ہے اور اس جھوٹ سے ان کے خاندان کی اور پورے قبیلے کی بے عزتی ہو گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر یہ الزام عائد ہو جائے کہ یہ لڑکی اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بول رہی ہے۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ غلط ہی سہی اور یہ ان کا وہم ہی سہی کہ نیل کا بہاؤ رک جاتا ہے لیکن یہ لوگ اپنے عقیدوں کی پابندی بڑی ہی سختی سے کرتے تھے۔ ہرقل نے جو سرکاری عیسائیت رائج کی تھی' اس کے مطابق یہ قربانی قتل جیسا جرم تھا لیکن یہ لوگ یعنی قبطی عیسائی دن کی بجائے رات کو یہ رسم پوری کر لیا کرتے تھے۔

ہورشیس کو جب اسقف نے کہا تھا کہ اب اس کی بیٹی کی قربانی دی جائے گی تو اس نے بلا حیل و حجت سر جھکا لیا تھا۔ قربانی کی رات ابھی ڈیڑھ دو مہینے دور تھی۔ ہورشیس کو اکلوتی بیٹی کا غم کھانے لگا تھا۔ اپنے کاروبار کے سلسلے میں اسے اپنے دو کاروباری ساتھیوں کے ساتھ انطاکیہ اور ایک دو جگہوں پر جانا پڑا۔

اس کے ساتھی اس کا دل یہ کہہ کر بہلاتے رہتے تھے کہ وہ خدا کے نام پر بیٹی قربان کر رہا ہے اور یہ قربانی ایسی ہے جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے ہے اس لئے خدا اس کا غم خوشی میں بدل دے گا اور اسے اور نہ جانے کیا اجر ملے لیکن ہورشیس پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا اور وہ غموں کے بوجھ تلے کراہتا ہی رہتا تھا۔

○

وہ اب اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس مصر جا رہا تھا۔ جہاز کے انتظار میں اسے انطاکیہ میں رکنا تھا۔ اتفاق سے اسے پتہ چلا کہ امیر انطاکیہ نے ایک بدروح یا چڑیل پکڑی ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ امیر انطاکیہ کے ملاقاتی کمرے میں جا بیٹھا۔ امیر انطاکیہ جو وہاں کی فوج کا سالار بھی تھا' جب پوچھا کہ اس لڑکی کو کون اپنے گھر رکھنا چاہتا ہے تو ہوریش کے دماغ میں بڑی اچھی بات آ گئی اور اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرگوشیوں میں صلح مشورہ کیا تو ساتھیوں نے بھی تائید کر دی اور کہا کہ یہ لڑکی لے لو۔ اس طرح روزی اس کے قبضے میں آ گئی۔

واپسی سفر کے دوران ایک رات ہورشیس اور اس کے ساتھیوں نے روزی کو بھی جہاز کے عرشے پر بٹھا لیا اور اس کا دل اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے ہرقل کے خلاف باتیں شروع کر دیں۔ ہورشیس نے اس سے پوچھا' کیا وہ کنواری ہے؟

"ہاں تو!" —— روزی نے جواب دیا —— "میں اتنی ہی کنواری ہوں جتنی وہ مریم کنواری تھی جس نے حضرت عیسیٰ کو جنم دیا تھا.... یہ کیوں پوچھتے ہو؟"

"ہمیں تم پر کوئی شک نہیں" —— ہورشیس نے کہا —— "یہ اس لئے پوچھا ہے کہ بزرگوں نے بتایا تھا کہ مظلوم کنواری اگر کسی ظالم کو قتل کر دے تو یہ اس کا گناہ نہیں ہوتا۔ ہرقل سے زیادہ ظالم بادشاہ ہم نے کبھی نہیں سنا تھا"۔

جہاز سکندریہ کی بندرگاہ سے جا لگا' مسافر اترے اور اپنے اپنے ٹھکانوں کو چل پڑے۔ ہورشیس سکندریہ سے خاصی دور کسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ ان کی منزل دور تھی

اس لئے انہوں نے اونٹ کرائے پر لئے اور رات گہری ہو گئی تھی جب وہ اپنے گاؤں پہنچ گئے۔

اگلی صبح ہورشیس اپنے دونوں ساتھیوں کو ساتھ لے کر اُس گاؤں پہنچا جو ان لوگوں کا مذہبی مرکز تھا۔ وہ سب سے بڑے مذہبی پیشوا جسے اسقف کہتے تھے سے ملا اور اسے یہ جھوٹا بیان دیا کہ انطاکیہ میں انہیں ایک قبطی عیسائی ملا تھا اور اس نے کہا کہ اس کا کاروبار بہت ہی خراب ہو گیا ہے اور نوبت فاقوں تک آن پہنچی ہے۔ خواب میں اسے حضرت عیسیٰؑ نے کہا ہے کہ اپنی اس کنواری بیٹی کو دریائے نیل پر قربان کر دو تو تمہارا کاروبار بھی صحیح ہو جائے گا اور نیل کے کنارے رہنے والوں کا بھی بھلا ہو گا اور ان کی دعائیں تمہیں اور زیادہ دنیاوی فائدے پہنچائیں گی۔

ہورشیس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ گرجے میں بیٹھے ہوئے انہوں نے ہورشیس کی تائید کر دی اور بتایا کہ اس قبطی عیسائی نے اپنی بیٹی ان کے حوالے کر دی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اس سال اس کی بیٹی کو قربان کیا جائے۔

ہورشیس نے کہا کہ اس لڑکی کو ضرور قربان کیا جائے کیونکہ یہ ایک امانت ہے جس میں خیانت نہیں ہونی چاہئے .... اسقف نے دو چار سوال پوچھے اور کہا کہ لڑکی کو اس کے سامنے لایا جائے۔

اگلے روز روزی کو گرجے میں لے گئے اور اسقف نے اسے دیکھ کر صرف یہ پوچھا کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے یا اسے زبردستی بھیجا گیا ہے۔ روزی نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے جواب دیا کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔

روزی تو اپنے ہوش و حواس میں تھی ہی نہیں۔ وہ پوری خود اعتمادی اور خوشی سے بول رہی تھی جیسے اسے کوئی شک و شبہ نہ تھا۔ اسقف نے منظوری دے دی کہ اس لڑکی کو قربان کیا جائے۔



ہورشیس اور اس کی بیوی نے روزی کو بڑے پیار سے اپنے گھر میں رکھا اور اس کے بگڑے ہوئے ذہن کے مطابق اس کے ساتھ باتیں کرتے رہے اور روزی کی زندگی کا آخری دن آ گیا۔ اُس رات اسے دریائے نیل میں پھینک دینا تھا۔

شام کے وقت روزی کو گرجے میں لے گئے۔ اسے ہورشیس کی بیٹی کے قیمتی کپڑے

ائے گئے تھے اور اسے جو زیورات پہنائے گئے تھے وہ بھی ہورشیس کی بیٹی کے تھے۔ شیس نے اپنی بیٹی کو بچانے کے لئے اس کے سونے کے زیورات قربان کر دیئے تھے۔ اپنی بیٹی کی قیمت دے رہا تھا۔

دس گیارہ سال پہلے یہ رسم اعلانیہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر طرف منادی کرا دی جاتی تھی آج رات نیل کے کنارے فلاں جگہ ایک لڑکی کی قربانی دی جا رہی ہے۔ لوگ جوق جوق وہاں اکٹھے ہو جاتے تھے اور اس لڑکی کو مقدس سمجھ کر اس کے ہاتھ چومتے تھے ن ہرقل نے ایسی پابندیاں عائد کر دی تھیں کہ اس قربانی کو قتل قرار دے دیا تھا پھر بھی لوگ چوری چھپے ہر سال یہ رسم ادا کر دیا کرتے تھے اور اس کا اعلان نہیں ہوتا تھا۔

روزی کو ایک جگہ جو بستیوں سے دور تھی دریائے نیل کے کنارے لے گئے۔ شیس نے اسے بتایا تھا کہ دریا پر ایک کشتی ملے گی اور وہ اسے اس کشتی سے سکندریہ لے جائے گا۔ اسقف وہاں موجود تھا اور قبیلوں کے دو چار سردار بھی تھے۔

اسقف نے روزی پر خوشبودار پانی چھڑکا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پڑھا ر پھر اس کے دونوں کندھوں پر باری باری انگلیاں رکھیں اور پھر اس کے سینے پر انگلی کھی اور اسے بازو سے پکڑ کر دریا کے کنارے لے گیا۔ وہاں کنارہ خاصا بلند تھا۔ پیچھے ہو ر اسقف نے روزی کو دھکا دیا اور وہ دریا میں جا پڑی۔

رات تاریک تھی۔ اسقف اور باقی لوگ ایک مذہبی گیت گنگنانے لگے۔ دریا خاصا گہرا تھا لیکن بہاؤ میں تیزی اور تندی نہیں تھی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی لڑکی دریا یں سے زندہ نکل آئی ہو۔ ہر وہ لڑکی جسے پھینکا جاتا تھا وہ ڈوب کر مرجاتی تھی لیکن روزی کے معاملے میں کچھ اور ہی ہو گیا۔

روزی اپنے قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی اور بڑی ہی شوخ اور چلبلی لڑکی تھی۔ ان کی بستی کے قریب سے دریائے فرات گزرتا تھا۔ روزی اپنی دو تین ہم جولیوں کو لے کر دریا پر چلی جاتی اور تیراکی کرتی تھی۔ جوں جوں بڑی ہوتی گئی وہ دریا میں آگے ہی آگے یعنی سط میں جانے لگی جہاں بہاؤ خاصا تیز و تند ہوتا تھا۔ وہ اونچے سے اونچے کنارے پر جا کر دریا میں کودا بھی کرتی اور تیر کر نکل آتی تھی۔ اس کے باپ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ دو آدمی اس کے اور اس کی ہم جولیوں کے ساتھ دریا پر بھیجا کرتا تھا تاکہ خطرے کے وقت لڑکیوں کو دریا سے نکال لے۔

اب روزی کو نیل میں پھینک دیا گیا تو نہ جانے اسے کیسے کیسے خیال آئے ہوں گے لیکن سب سے پہلا اور اہم خیال یہ تھا کہ دریا میں سے زندہ نکلنا ہے۔

وہ دریا میں گری تو سطح پر آنے کی بجائے پانی کے نیچے ہی تیرنے لگی اور کچھ دور چلی گئی۔ جب دم ٹوٹنے لگا تو پانی سے ابھری اور دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگی۔ تاریکی میں اسے کوئی دیکھ نہ سکا۔ دیکھتا بھی کون؟ اسے دریا میں پھینکنے والے وہاں سے چلے گئے تھے کہ پکڑے نہ جائیں۔

روزی بہت دور جاکر دوسرے کنارے جا لگی اور دریا سے نکل گئی اس نے سب سے پہلے تو یہ محسوس کیا جیسے وہ ایک خواب دیکھ رہی تھی اور اچانک بیدار ہو گئی ہو۔ اس کی حقیقی سوچیں واپس آگئی تھیں اور دماغ نارمل حالت میں آگیا تھا۔ اس نے اپنا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ یہ زیورات اسے کس نے پہنائے ہیں۔

وہ وہیں کھڑی رہی اور سوچنے لگی کہ اب کیا ہو گا؟ اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا نہ ایسا احساس تھا کہ وہ اپنے گھر سے کتنی دُور نکل آئی ہے اور کیا یہ دریائے فرات ہے؟ .... تھک ہار کر وہیں بیٹھ گئی۔

رات تو تاریک تھی' اس کا ذہن روشن ہونے لگا۔ اسے لڑائی یاد آئی .... خونریز لڑائی .... اسے اچانک یوکلس یاد آگیا۔ یوکلس کی محبت تو اس کی روح میں اُتری ہوئی تھی۔ یوکلس کی یاد نے اس کے ذہن اور جسم کو شدید دھچکہ دیا۔ اسے یاد آگیا کہ وہ خون میں نہائی ہوئی لاشوں اور تڑپتے کراہتے ہوئے زخمیوں میں یوکلس کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

اُس کا ذہن کھلنے لگا .... یوکلس کی لاش .... ایک مکان میں یوکلس کی ماں کی لاش ... روزی کو یاد آگیا .... یہی لاشیں دیکھ کر اسے کچھ ہُوا تھا اور وہ خواب و خیال کی دنیا میں چلی گئی تھی' حقیقت سے تعلق ٹوٹ گیا تھا۔

وہ تو جذبات کی شدت تھی جس نے ذہنی طور پر اسے ماؤف کر دیا تھا۔ وہ پاگل تو نہیں ہو گئی تھی کہ اس کا ذہن حقیقت کو قبول ہی نہ کرتا۔ اب ایک اور دھچکہ لگا کہ وہ حقیقی دنیا میں لَوٹ آئی۔ ہرقل یاد آیا' یہ بھی کہ وہ ہرقل کے قتل کے ارادے سے نکل کھڑی ہوئی تھی .... پھر جنگل میں بھٹکنا .... اسے چڑیل سمجھ لیا گیا تھا۔ کوئی اس کے سامنے آجاتا' اس سے خوفزدہ ہو جاتا تو اس سے روزی کھانے پینے کا سامان لے لیتی تھی۔ اس طرح وہ بھوکی نہ رہی' پیاسی بھی نہ رہی۔

اسے وہ آدمی بھی یاد آگئے جو اسے پیار اور شفقت سے بحری جہاز میں لائے تھے۔ تب اسے یاد آیا کہ وہ مصر کا نام لیتے تھے .... اسے یقین ہو گیا کہ وہ مصر میں ہے۔ یہ بھی یاد آگیا کہ اسے نئے کپڑے پہنا کر دو عورتوں نے اسے زیورات پہنائے تھے۔ اسے شاید کہا گیا تھا کہ آؤ ہرقل کے قتل کو چلیں۔ وہ مسرور تھی کہ یوکلس کے خون کا انتقام لے گی۔

روزی کو گزرے ہوئے دنوں کی باتیں یاد آگئیں لیکن یہ کچھ دھندلی سی تھیں اور جو حقیقت اس کے سامنے آگئی تھی وہ روشن تھی لیکن اسے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ اسے دریا میں کیوں دھکیلا گیا تھا۔

○

یوکلس کی یاد نے اس کے آنسو تو نکال دیئے لیکن اب یہ صدمہ اتنا شدید نہیں تھا کہ پہلے کی طرح اس کے ذہن کو پھر ماؤف کر دیتا۔ اب اس کے ذہن میں بڑی خطرناک حقیقت آگئی تھی۔ ایک یہ زیورات تھے جو بہت قیمتی تھے اور اس سونے سے زیادہ قیمتی

وہ خود تھی۔ نوجوان بھی تھی اور خوبصورت اتنی کہ اسے قیصرِ روم ہرقل دیکھ لیتا تو اپنے حرم کی زینت بنالیتا۔

اپنے آپ کو تو وہ نہیں چھپا سکتی تھی' زیورات چھپائے جا سکتے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے زیورات اتار لئے تاکہ ڈاکوؤں کے لئے کشش نہ رہے۔ پہلے اس نے سوچا کہ یہ سارا سونا دریا میں پھینک دے لیکن اس خیال سے رکھ لیا کہ اس کے عوض کسی سے مدد حاصل کرلے گی۔

زیورات کو چھپانے کے لئے اس کے لباس میں جیب نہیں تھی۔ اسے گاگرہ پہنایا گیا تھا۔ پاؤں کے قریب سے اس نے گاگرے کا کچھ ٹکڑا پھاڑ لیا۔ زیورات اس میں باندھ کر پوٹلی لباس کے نیچے باندھ لی.... رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ روزی نوجوانی کی عمر میں تھی۔ اس کی سوچوں پر نیند غالب آنے لگی۔ قریب ہی ایک درخت تھا۔ وہ اس کے نیچے لیٹی اور نیند نے اسے خوابوں کی دنیا میں پہنچا دیا۔

○

آنکھ کھلی تو دن کی روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اپنے اردگرد اسے کچھ آدمیوں کا احساس ہوا۔ ہڑبڑا کر وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی۔ وہاں تو بہت سے آدمی اس کے اردگرد کھڑے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"کون ہو؟" ___ ایک آدمی نے پوچھا ___ "یہاں کیوں پڑی ہو؟"

"سب کچھ بتاؤں گی" ___ روزی نے کہا ___ "مجھے کسی ایسے گھر لے چلو جس گھر میں عورتیں ہوں۔ میں دھوکے میں یہاں تک پہنچی ہوں۔ میں دریا سے نکلی ہوں"۔

روزی نے دیکھ لیا تھا کہ مزدور سی قسم کے لوگ ہیں۔ بدکردار یا مجرمانہ ذہنیت کے لوگ ہوتے تو اسے یوں خاموشی سے کھڑے دیکھتے نہ رہتے۔ وہاں زبان کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مصر میں بھی عربی بولی جاتی تھی۔ لب و لہجے میں کچھ فرق تھا۔

"ہمارا بابا آ رہا ہے" ___ ایک آدمی نے کہا ___ "وہی بتائے گا کہ تمہیں گھر لے جانا ہے یا کیا کرنا ہے.... تمہارا مذہب کیا ہے؟"

"میں عیسائی ہوں"۔

"پھر ڈرنا نہیں" ___ اس آدمی نے کہا ___ "ہم سب عیسائی ہیں.... قبطی عیسائی!"

"میں بھی قبطی ہوں" ___ روزی نے ان لوگوں کے ساتھ رشتہ پکا کرنے کی نیت

سے جھوٹ بولا۔

ذرا ہی دیر بعد کسی نے اعلان کے انداز سے کہا ___ "ہٹ جاؤ' بابا آ رہا ہے"۔

سب اس طرح پیچھے ہٹے کہ ایک طرف سے راستہ چھوڑ دیا۔ ایک معمر آدمی روزی کے سامنے آیا۔ اس کے چہرے' لباس اور چلنے کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اونچی حیثیت کا شخص ہے۔ روزی کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک کے رہ گیا۔ ایسا چونکا کہ چند قدم دور ہی رک گیا اور اس کے چہرے پر ایسی تبدیلی آئی جسے چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔

"میں تمہیں اپنے گھر لے چلتا ہوں" ___ بابا نے کہا ___ "وہاں میری بیوی ہے' دو بیٹیاں اور ایک بہو ہے"۔

"میں ایسے ہی گھر جانا پسند کروں گی جہاں عورتیں ہوں" ___ روزی نے کہا۔

بابا اسے ساتھ لے چلا۔ روزی نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ ایک طرف دریائے نیل تھا۔ ساحل پر چھوٹی بڑی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی ہی دور آگے' اور بھی بڑی بادبانوں والی کشتیاں کھڑی تھیں۔ لوگ ایک دو کشتیوں سے اتر بھی رہے تھے' سوار بھی ہو رہے تھے۔ یہ پتن تھا جہاں سے لوگ دریا کے پار یا دوسرے مقامات کو جاتے تھے۔

دریا سے اڑھائی تین فرلانگ دور ایک قصبہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں چھوٹے بڑے جھونپڑے بھی تھے اور اچھی قسم کے پکے مکان بھی۔ یہ کشتی رانوں اور ماہی گیروں کی آبادی تھی اور تمام تر آبادی عیسائیت کی پیروکار تھی۔ پتن پر لوگوں کی آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔

بابا کی حیثیت قبیلے کے سردار جیسی تھی۔ وہ عیسائیت کے قبطی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس فرقے میں بھی اسے سرداروں جیسا رتبہ حاصل تھا۔ وہ روزی کے ساتھ بات کئے بغیر اسے اپنے گھر لے گیا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ پھر گھر کی عورتوں کو بلایا اور روزی سے کہا کہ وہ بیان کرے کہ اس پر کیا گزری ہے۔

روزی نے اسے تفصیل سے سنایا کہ وہ کس ذہنی حالت میں انطاکیہ تک پہنچی پھر مصر کے اس مقام تک کس طرح لائی گئی تھی۔

بابا خاموشی سے سنتا رہا۔ روزی بات سنا چکی تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے نہلاؤ' کپڑے تبدیل کرواؤ اور کھانا کھلاؤ.... اس نے روزی کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑی شفقت سے کہا کہ اس گھر کو وہ اپنا گھر سمجھے اور اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا۔

بابا باہر نکلا اور ایک آدمی کو دو تین نام بتا کر کہا کہ انہیں فوراً یہاں لے آئے۔

○

بابا کا مکان ایک کشادہ حویلی تھی جس سے بابا کی اونچی حیثیت کا پتہ چلتا تھا۔ وہ اس حویلی کے ایک اور کمرے میں بیٹھا تھا۔ وہ آدمی آ گئے تھے جنہیں اس نے بلایا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ سنا ہے ایک اکیلی لڑکی پکڑی گئی ہے۔

"وہ میرے گھر میں ہے" ۔۔۔ بابا نے کہا ۔۔۔ "میں نے اسی لئے تمہیں بلایا ہے۔ تم جانتے ہو گذشتہ رات نیل کو ایک لڑکی کی قربانی دی گئی تھی۔ وہ یہی لڑکی تھی۔ یہ دریا سے زندہ نکل آئی ہے۔ نیل نے ہماری قربانی قبول نہیں کی۔ اُگل کر باہر پھینک دی ہے۔ نیل ہم سے ناراض ہے۔ اس کا بہاؤ رک جائے گا یا اتنا سیلاب آئے گا کہ اناج کے فصل بہا لے جائے گا اور بستیاں غرق ہو جائیں گی۔ قحط پڑ جائے گا۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ گذشتہ رات مجھے بھی قربانی کی تقریب میں بلایا گیا تھا اور میں نے لڑکی کو دیکھا تھا۔ آج صبح مجھے اطلاع ملی کہ ایک لڑکی دریا کے کنارے سوئی ہوئی ہے جس کی حالت بتاتی ہے کہ دریا سے نکلی ہے"۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے؟" ۔۔۔ ایک نے پوچھا۔

"یہ اسقف بتائے گا" ۔۔۔ بابا نے کہا ۔۔۔ "میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ تم میں سے کوئی ایک میرے ساتھ چلو۔ فیصلہ اسقف نے ہی کرنا ہے کہ اسی لڑکی کو پھر دریا کے سپرد کیا جائے یا کسی اور لڑکی کی قربانی دی جائے گی .... میں ایک بات نہیں سمجھ سکا۔ قربانی کے وقت لڑکی کو خاصا زیور پہنایا گیا تھا۔ اب ایک چیز بھی اس کے جسم کے ساتھ نہیں۔ انگلی میں انگوٹھی بھی نہیں۔ میں نے اس سے اس لئے پوچھا نہیں کہ اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میں نے اسے قربانی سے پہلے دیکھا تھا۔ یہ تو اسے معلوم ہی نہیں کہ اسے دریا میں کیوں پھینکا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اسے پتہ چل جائے کہ ایک بار پھر دریا میں پھینکا جائے گا تو یہ یہاں سے غائب ہو جائے گی"۔

بابا کو معلوم نہیں تھا کہ روزی عورتوں کو زیورات کھول کر دکھا رہی تھی اور کہا تھا کہ اسے جو کوئی اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا دے گا اُسے وہ یہ سارے زیورات دے دے گی۔

بابا ایک آدمی کے ساتھ اسقف (بڑے پادری) سے ملنے چلا گیا۔ وہ گھوڑوں پر گئے

تھے۔ اسقف کسی اور بستی میں رہتا تھا جو وہاں سے خاصی دور تھی۔

روزی رات کی تھکی ہاری نہا کر اور کھانا کھا کر سو گئی۔

○

سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی جب بابا واپس آ گیا۔ روزی ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔ بابا نے بیوی کو بتایا کہ اسقف نے کہا ہے کہ آج ہی رات اس لڑکی کو پھر اُسی جگہ لے جا کر دریا میں پھینک دیا جائے اور اب اس کے ہاتھ باندھ کر پھینکا جائے تاکہ یہ تیر کر نکل نہ سکے۔

بیوی نے بابا کو بتایا کہ لڑکی کے پاس زیورات ہیں جو اس نے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ بابا نے کہا کہ لڑکی کو فوراً تیار کرے' زیورات پہنا دے' اسے لے جانے والے آ گئے ہیں .... بیوی اُس کمرے میں جانے لگی جس میں روزی سوئی ہوئی تھی تو بابا نے کہا کہ اسے فوراً جگا دو۔

"ابھی جگا کر تیار کرتی ہوں" ۔۔۔ بیوی نے کہا ۔۔۔ "اس نے تو نیل کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو جانا ہے"۔

بابا کی بیوی نے یہ الفاظ روزی کے کمرے میں داخل ہو کر کہے۔ اُس وقت روزی جاگ اٹھی تھی اور اس نے یہ الفاظ سن لئے۔ یہ بوڑھی عورت روزی کو اٹھا کر تیار کرنے لگی تو روزی نے پوچھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ بیوی کو بابا نے بتایا تھا کہ لڑکی کو صحیح بات نہیں بتانی۔ پھر بھی اس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے روزی کو شک ہو گیا اور وہ بگڑ گئی۔

بابا کو بتایا گیا۔ وہ روزی کو بہلانے پھسلانے اور ورغلانے کے جتن کرنے لگا۔ بابا کو یہ خطرہ بھی نظر آ رہا تھا کہ یہ بات کھل گئی کہ روزی کو قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے تو کسی سرکاری اہلکار یا افسر تک پہنچ جائے گی اور سب کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔

بابا آخر معمر اور جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے شفقت اور فریب کاری کا حربہ استعمال کیا۔ اسے کہا کہ وہ زیورات نہ پہنے۔ روزی کہتی تھی کہ یہ زیورات وہ اپنے پاس رکھے گی ہی نہیں نہ یہ اس کے ہیں۔

سورج غروب ہو گیا۔ روزی کو باہر لایا گیا۔ یہ خبر لوگوں تک پہنچ گئی تھی کہ صبح جو

لڑکی ملی تھی اسے رات نیل میں قربانی کے لئے پھینکا گیا تھا اور آج رات اسے پھر پھینکا جائے گا۔ اس کا ڈوب مرنا لازمی ہے ورنہ نیل ناراض ہو کر تباہی اور بربادی پھیلائے گا۔

لوگ روزی کو دیکھنے کے لئے باہر کھڑے تھے۔ اس قصبے کی ساری آبادی قبطی عیسائیوں کی تھی۔ صرف قبطی عیسائی لڑکی کی قربانی دیتے تھے۔ وہ روزی کو ایک مقدّس اور متبرک لڑکی سمجھ کر دیکھنا چاہتے تھے۔ انہیں یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ لڑکی کو فریب کاری سے لے جایا جا رہا ہے۔ روزی کو باہر لائے تو لوگ اس کے ہاتھ یا کپڑے کو عقیدت سے چومنا یا چھونا چاہتے تھے۔

"وہ آگئی" ——— کئی آوازیں اٹھیں ——— "قربانی والی لڑکی آگئی"۔

ایسی اور بھی بہت سی آوازیں تھیں جو روزی کے کانوں میں پڑیں۔ وہ سمجھ گئی کہ اسے دھوکے سے لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے ان دو آدمیوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا جن کے حوالے بابا نے اسے کیا تھا۔ وہ دونوں اسے بازوؤں سے پکڑ کر آگے کو چلانے لگے لیکن روزی نے اودھم بپا کر دیا۔ لوگ کچھ اور سمجھے تھے لیکن وہاں کچھ اور ہی تماشا بن گیا۔

"اٹھالو" ——— بابا نے حاکمانہ آواز میں کہا ——— "اور کشتی میں پھینک کر لے جاؤ"۔

روزی بیٹھ گئی اور دونوں آدمی اسے اٹھانے لگے۔ روزی ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

○

تین آدمی آگے بڑھے اور ان دونوں آدمیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ ان تینوں میں سے ایک نے روزی کو اٹھنے کو کہا۔ روزی چیخ چلّا رہی تھی۔ اس نے اس آدمی کو دیکھا تو وہ یوں چپ ہو گئی جیسے مر گئی ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ روپ بالکل ہی بدل گیا اور اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ اس آدمی نے ان دونوں آدمیوں کو جو روزی کو اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے' دور پیچھے ہٹا دیا۔

"تم؟" ——— روزی نے اس آدمی سے حیرت زدہ سرگوشی میں پوچھا ——— "تم راہن ہی ہو ناں!"

"راہن ہُوا کرتا تھا" ——— اس آدمی نے کہا ——— "بھول گئی ہو میں کتنے عرصے سے راہن نہیں اویس ہوں؟"

"تمہیں انتقام لینے کا بہت اچھا موقع مل گیا ہے" ——— روزی نے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو" ——— ان تینوں میں سے ایک اور نے کہا ——— "اگر زندہ نا چاہتی ہو تو خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑو"۔

"میرے دل میں تمہاری دشمنی تو نہیں" ——— اویس نے کہا ——— "میں نے تمہاری ت کو زندہ رکھا ہُوا ہے"۔

"اتنی باتوں کا یہ موقع نہیں اویس!" ——— تیسرا بولا ——— "اسے ان لوگوں کے قبضے سے نکالو"۔

یہ باتیں سرگوشیوں میں ہو رہی تھیں۔

"اے قبطیو!" ——— اویس نے تماشائیوں سے مخاطب ہو کر اعلان کیا ——— "یہ لڑکی ل کو خوش کرنے کے لئے اپنی جان دینے کو تیار ہے۔ یہ اُس جگہ تک ہمارے ساتھ ائے گی جہاں اسے لے جا رہے تھے"۔

"ٹھہرو!" ——— بابا نے آگے بڑھ کر کہا ——— "تم تینوں میرے لئے اجنبی ہو۔ میں وش ہوں کہ یہ کارِ خیر تم نے اپنے ذمے لے لیا ہے لیکن میں اپنے اطمینان کے لئے نہارے ساتھ اپنے دو آدمی بھیجوں گا"۔

اویس اور اس کے ساتھیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"دو نہیں' ہمارے ساتھ چھ آدمی بھیج دیں" ——— اویس نے کہا ——— "ہم قبطی ہیں۔ قبطیوں کو دھوکہ نہیں دیں گے"۔

وہی دو آدمی جو پہلے روزی کو گھسیٹ اور اٹھا رہے تھے' بابا کے کہنے پر اویس اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہو گئے۔ روزی پر تو اویس نے جیسے جادو کر دیا تھا۔ کہاں وہ اتنی شدید مزاحمت کر رہی تھی کہاں وہ ان کے ساتھ بڑے آرام اور اطمینان سے جا رہی تھی۔ لوگ آگے بڑھ بڑھ کر روزی کو چھونے کی کوشش کر رہے تھے۔

چمن پر درمیانہ سائز کی ایک کشتی تیار کھڑی تھی۔ ملاح بھی تھا لیکن جو دو آدمی ساتھ جا رہے تھے وہ تھے تو اچھی حیثیت والے لیکن کشتی ران قبیلے کے آدمی تھے اس لئے کشتی رانی کے ماہر تھے۔ کشتی دو بادبانوں والی تھی۔ انہوں نے ملاح سے کہا کہ وہ خود کشتی لے جائیں گے۔ ملاح کشتی سے ہٹ گیا۔

روزی' اویس اور اس کے دونوں ساتھی کشتی میں سوار ہو گئے۔ پھر دونوں آدمی

کشتی میں گئے اور بادبان کھول دیئے۔ بابا نے کہا کہ وہ رات کو بروقت پہنچ کر تقریب میں شامل ہو جائے گا۔

کشتی چل پڑی۔ اسے دریا کے بہاؤ کے مخالف رخ جانا تھا۔ ہوا تو تھی لیکن دریا کا بہاؤ تیز تھا اس لئے کشتی کی رفتار سست تھی۔ سورج غروب ہو گیا تھا۔ شام تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ پتن پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

○

تقریباً" آدھا فاصلہ طے ہو گیا تھا۔ کشتی چلانے والے دونوں آدمی کشتی کے درمیان بیٹھ گئے تھے۔ اویس اپنے دو ساتھیوں اور روزی کے ساتھ پیچھے بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ تینوں نے خنجر نکال لئے۔ ان کا شکار تین چار قدم آگے بیٹھا ہُوا تھا۔ تینوں اٹھے اور پیشتر اس کے کہ ان دو آدمیوں کو پتہ چلتا' خنجر اوپر سے نیچے آکر ان کے دلوں میں اتر چکے تھے۔ تینوں نے انہیں اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔

"اب کہو روزی!" ---- اویس نے کہا ---- "مجھ پر اعتبار آیا ہے یا کچھ شک ہے!"

"ہاں اویس!" ---- روزی نے کہا ---- "میرے دل میں کوئی شک نہیں رہا لیکن مجھے لے جاؤ گے کہاں؟"

"شام .... حلب!" ---- اویس نے جواب دیا ---- "تمہارے ماں باپ کے پاس.... ہم مسلمان ہیں روزی! ہم بھلائی چاہتے ہیں اور بھلائی کرتے ہیں"۔

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" ---- روزی نے پوچھا۔

"تجارت" ---- اویس نے کہا ---- "ہمارا مال سکندریہ پڑا ہے۔ یہاں ہم ایک تاجر سے ملنے آئے تھے"۔

اویس نے جھوٹ بولا تھا۔ ان تینوں کا تجارت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ تینوں اسلامی لشکر کے مجاہدین تھے اور ان کا تعلق جاسوسوں کے گروہ کے ساتھ تھا۔ اویس جواں سال آدمی تھا اور عیسائی ہُوا کرتا تھا۔ دو اڑھائی سال پہلے وہ مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اس کا زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ اس کے اپنے ساتھیوں نے اسے نہ اٹھایا۔ اس پر آخری غشی طاری ہو رہی تھی۔

مجاہدین اپنے زخمیوں کو اٹھا رہے تھے۔ اویس نے جو اُس وقت راہب ہُوا کرتا تھا' ایک مجاہد کے آگے ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ اسے بچا لیں۔ مجاہد نے پہلے اسے پانی پلایا پھر

ی کو آواز دی اور خود چلا گیا۔ دو مسلمان عورتیں آئیں اور یہ دیکھنے کے باوجود کہ یہ ائی ہے اور اپنا دشمن ہے' اویس کو اٹھا کر وہاں لے گئیں جہاں زخمی مجاہدین کی مرہم ہو رہی تھی۔

دو تین دنوں بعد اویس پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔ کچھ دن اور گزرے تو وہ لنے پھرنے لگا۔ وہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے بہت ہی متاثر ہُوا۔ کسی نے اسے شمن اور غیر مسلم سمجھا ہی نہیں۔ اصل بات تو یہ تھی کہ دو مسلمان عورتیں اسے موت کے منہ سے نکال لائی تھیں۔ اس کے اپنے ساتھیوں نے دیکھ کر اسے نہیں اٹھایا تھا کہ یہ مر رہا ہے۔

وہ جب پوری طرح صحت یاب ہو گیا تو اس کی حیثیت جنگی قیدی کی تھی لیکن سالار کے حکم سے اسے آزاد کر دیا گیا۔ وجہ غالباً" یہ تھی کہ اس نے خود درخواست کی کہ اسے پنے پاس اٹھا لے چلیں۔ اب اسے آزاد کر دیا گیا تو اس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا فیصلہ کر یا۔ اس نے کہا کہ وہ واپس نہیں جائے گا اور وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ اسے سالار کے پاس لے گئے۔ سالار امام بھی ہُوا کرتا تھا۔ اس نے اویس کو حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا اور اس کا نام اویس رکھا۔ وہ حلب کا رہنے والا تھا۔

روزی اویس کے قبیلے کی لڑکی تھی۔ اسے اویس اتنا اچھا لگتا تھا کہ اس کے دل میں یہ خوبرو جوان محبوب کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اویس کی روزی کے ساتھ جذباتی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ روزی اس کی روح میں اتر گئی تھی لیکن انقلاب یہ آیا کہ روزی کو یوکلس مل گیا اور جس طرح اسے یوکلس ملا وہ پہلے تفصیل سے ایک باب میں بیان ہو چکا ہے۔ اویس نے اس دوران اسلام قبول کر لیا۔

اویس کو پتہ چلا کہ روزی ایک رومی جرنیل کے بیٹے پر فریفتہ ہو گئی ہے تو اویس نے اس سے بے وفائی کا شکوہ کیا۔ روزی نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اور اس نے اپنے مذہب سے بے وفائی کی ہے اس لئے اس کے ساتھ وہ کوئی تعلق نہیں رکھے گی۔

اویس نے کہا کہ وہ بھی کسی جرنیل کا بیٹا ہوتا تو روزی اس سے قطع تعلق نہ کرتی۔ اس بات پر اویس اور روزی میں تلخ کلامی ہو گئی۔ روزی اسے کہتی تھی کہ وہ اپنے مذہب میں واپس آ جائے۔ اویس نے کہا کہ مسلمانوں نے اسے نئی زندگی دی ہے اور اسے پہلی

بار پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے یہ اسلام کے احکامات ہیں جو اس مذہب کی تعلیمات میں شامل ہے.... اس کے بعد روزی یوکلس کی ہو کے رہ گئی۔

○

اویس مجاہدین کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ تھوڑے سے ہی وقت میں اس نے اپنے اوصاف سب پر عیاں کر دیئے۔ وہ پُرجوش اور جذبۂ جہاد سے سرشار مجاہد ہی نہیں تھا' شہسواری' تیغ زنی' برچھی بازی اور تیراندازی میں خصوصی طور پر ماہر تھا۔ پھر اس کا یہ وصف کھل کر سامنے آگیا کہ اس میں وہ ذہانت بدرجۂ اتم موجود ہے جو دشمن ملک میں بھیجے جانے والے جاسوسوں اور تخریب کاروں کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ ایسے دیگر اوصاف بھی اس میں موجود تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سپہ سالار حضرت عمروؓ بن عاص پر مصر کی فتح کا جنون طاری تھا۔ انہوں نے ہر پہلو سے دلائل دے کر امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو قائل کر لیا تھا کہ انہیں مصر پر فوج کشی کی اجازت دی جائے۔ صحابہ کرام اس تجویز کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان کے متفقہ مشورے سے حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شام کے تمام تر سرکاری انتظامات اور امور کو رواں اور دفاع کو مستحکم کر لیا جائے تو مصر پر حملے کی اجازت دے دی جائے گی۔

عمروؓ بن عاص شام کے ساتھ عراق کے بھی دفاع کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ مصر پر فوراً" چڑھائی کر دی جائے۔ جواز یہ پیش کرتے تھے کہ قیصرِ روم ہرقل کی فوج شام سے بہت بُری شکست کھا کر بھاگی ہے اور بکھر گئی ہے۔ خود ہرقل کو کوئی جائے پناہ نہیں مل رہی تھی۔ یہ شکست خوردہ اور خوفزدہ فوج مصر جا پہنچی ہے اور اس کی آدھی سے زیادہ نفری ماری گئی ہے۔ اگر اس فوج پر فوراً" حملہ نہ کیا گیا تو ہرقل اور مصر میں اس کا جرنیل اطربون اس فوج کو لڑنے اور جوابی حملہ کرنے کے قابل بنا لیں گے۔ اسے سستانے اور سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ آدھی سے زیادہ فوج ماری گئی تھی۔

حضرت عمرؓ بہت ہی محتاط رویّہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ عمروؓ بن عاص مصر کے سیاسی' مذہبی اور معاشرتی حالات سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر دو جاسوس مصر بھیج کر مصر کے داخلی امور کے متعلق تفصیلی رپورٹ حاصل کر لی تھی۔

عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین سے خاص طور پر کہا تھا کہ عیسائیت چار فرقوں میں

بٹ گئی تھی.... قبطی' یعقوبی' ملکانی اور ہرقل نے ایک فرقہ سرکاری بنا ڈالا تھا۔

پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ ہرقل نے عیسائیت سے فرقے ختم کر کے ایک سرکاری عیسائیت بنا ڈالی اور حکم نامہ جاری کر دیا تھا کہ یہ صحیح عیسائیت ہے اور اس سے اختلاف سنگین جرم ہے۔ دوسرے فرقوں نے اس سرکاری مذہب کو ایک فرقہ قرار دے کر اسے قبول نہ کیا۔ ہرقل نے غیرانسانی تشدد کے ذریعے اپنا سرکاری مذہب منوانے کا حکم دے دیا اور قیرس نام کے ایک بڑے ہی ظالم اور درندہ صفت پادری کو اسقف مقرر کر کے اسے ظلم و تشدد اور ایذارسانی کے وسیع اختیارات دے دیئے۔

عیسائیوں کا سب سے بڑا فرقہ قبطی تھا۔ قبطی عیسائیوں نے ہرقل کی سرکاری عیسائیت کے خلاف محاذ بنا لیا اور قیرس کے وحشیانہ مظالم کا نشانہ دس گیارہ سال بنے رہے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ قبطیوں کی مدد کو پہنچنا ہمارا فرض ہے۔

○

عمروؓ بن عاص نے دیکھا کہ امیرالمومنین مصر پر فوج کشی کے لئے آمادہ تو ہو گئے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں وہ کب حملے کا حکم دیں تو انہوں نے اپنا ایک پلان بنا لیا۔ انہیں یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ رومی فوج جو شام سے بہت بُری حالت میں بھاگی تھی' اسے اس کے جرنیل پھر منظم کر کے مزید فوج تیار کر لیں گے اور ہرقل شام پر جوابی حملہ کرے گا۔

انہوں نے اس کا تدارک یہ سوچا کہ جس طرح الجزیرہ کے عیسائیوں نے مسلمان فاتحین کے خلاف بغاوت کر دی تھی اسی طرح مصر میں بغاوت کرائی جائے۔ ایک روز انہوں نے اپنے ماتحت سالاروں کو مشورے کے لئے طلب کیا اور انہیں اس صورتِ حال سے آگاہ کر کے بتایا کہ ان کا پلان کیا ہے۔

”مصر کے قبطی عیسائیوں کو ہرقل اور اطربون کے خلاف اکسایا جا سکتا ہے“ ـــ عمروؓ نے کہا ـــ ”وہاں سب سے زیادہ مظلوم اور ہرقل کے قہر کا شکار قبطی ہو رہے ہیں“۔

”ہو سکتا ہے وہ بغاوت کی ہمت نہ رکھتے ہوں“ ـــ ایک سالار نے کہا ـــ ”انہیں اپنے زیرِ اثر لیا جا سکتا ہے اور تیار کیا جا سکتا ہے کہ ہم مصر پر حملہ کریں تو قبطی ہمارا ساتھ دیں اور وہ قبطی جو رومی فوج میں ہیں وہ بے دلی سے لڑیں اور بھاگ نکلیں“۔

عمروؓ بن عاص نے سالاروں سے کہا کہ انہیں تین یا چار ایسے مجاہدین کی ضرورت ہے جو مصر جائیں اور قبطیوں میں گھل مل کر انہیں ہرقل کے خلاف تیار کریں۔

جاسوسی کا محکمہ موجود تھا لیکن اس کام کے لئے خاص قسم کے افراد کی ضرورت تھی۔ سالاروں نے دو مجاہدین کو منتخب کر لیا۔ انہی دنوں اویس اپنے خصوصی اوصاف کی وجہ سے نام پیدا کر رہا تھا۔ اسے بھی اس مہم کے لئے الگ کر لیا گیا اور تینوں کو عمروؓ بن عاص کے حوالے کر دیا گیا۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا اور انہیں اس مہم کے لئے تیار کرنے لگے۔

چند دنوں بعد انہیں مصر روانہ کر دیا گیا۔ وہ تاجروں کے بہروپ میں وہاں گئے تھے۔ ایک مہینے کے اندر اندر انہوں نے دو تین عیسائیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے اور ان عیسائیوں نے انہیں رہنے کو اپنے ہاں جگہ دے دی تھی۔

○

اب وہ اسی سلسلے میں کہیں جا رہے تھے کہ اویس نے روزی کو دیکھ لیا۔ روزی کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اویس اور اس کے ساتھی اس کی طرف توجہ ہی نہ دیتے۔ اویس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے اور وہ حیران ہے کہ یہ یہاں کس طرح پہنچ گئی ہے۔

اویس نے تماشائیوں سے معلوم کر لیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ تماشائیوں نے بتایا کہ اس لڑکی کو نیل کی قربانی کے لئے لے جا رہے ہیں اور یہ جا نہیں رہی۔ اویس اور اس کے ساتھیوں نے ساری معلومات حاصل کر کے طے کر لیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ تینوں خصوصی ذہانت کے مالک تھے اور اداکاری کے ماہر تھے۔ وہ قبطی عیسائیوں کے بہروپ میں آگے بڑھے اور ان دو آدمیوں سے جا ملے جو روزی کو لے جا رہے تھے۔

ان کی یہ کوشش کامیاب رہی۔ انہوں نے دونوں آدمیوں کو قتل کر کے دریا میں پھینک دیا۔ وہاں دریا زیادہ چوڑا تھا اور کشتی دریا کے وسط میں جا رہی تھی۔ کشتی کو کنارے لگانا اور وہاں سے غائب ہو جانا تھا مگر اُس وقت تک عربوں میں یہ کمزوری موجود تھی کہ کشتی رانی کے فن سے ناواقف تھے۔ دجلہ اور فرات میں چپوؤں والی کشتی چلا سکتے تھے۔ تمام مجاہدین چپو مار سکتے اور کشتی کا رخ بھی بدل سکتے تھے لیکن بادبانوں کے صحیح استعمال سے ناواقف تھے۔

اویس اور اس کے ساتھی یہ جانتے تھے کہ کشتی کا رخ بدلنے اور موڑنے کے لئے اس کے پیچھے ایک بڑا چپو موجود ہے۔ ان میں سے ایک نے اس چپو کو ایک طرف موڑا۔ کشتی تو کنارے کی سمت مڑ گئی لیکن بادبانوں کی پوزیشن کو بھی اس کے مطابق ذرا دائیں بائیں کرنا تھا۔

کشتی کا رخ بدلنے سے ہوا کا رخ بدل گیا۔ اس وقت ہوا زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ ان تینوں کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بادبان گرائے یا لپیٹے کس طرح جاتے ہیں۔ ہوا اور بادبانوں نے کشتی کو ایک پہلو سے اٹھا دیا اور اس کا دوسرا پہلو پانی کے اندر چلا گیا۔ پانی بڑی تیزی سے کشتی میں آ گیا۔

"لڑکی کو سنبھالو اویس!" —— ایک مجاہد نے گھبرا کر کہا۔

"میری فکر نہ کرو" —— روزی نے کہا —— "میں تیر سکتی ہوں۔ ایک بار اس دریا سے نکل چکی ہوں"۔

انہیں کچھ اور کہنے سننے کی مہلت نہ ملی۔ بادبانوں نے ہوا کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے کشتی کو الٹ دیا اور چاروں دریا میں جا پڑے۔ وہ سب تیرنا جانتے تھے' کنارے کی طرف تیرنے لگے۔ اویس روزی کو پکار رہا تھا۔ روزی بے خوف و خطر کنارے کی طرف تیرتی جا رہی تھی.... چاروں کنارے تک پہنچ گئے۔

نیل نے اپنی قربانی ایک بار پھر اُگل دی۔ اس کا بہاؤ قربانی نہ ملنے سے رکا نہیں.... نیل بہتا رہا!

○

اب مسئلہ یہ تھا کہ روزی کو کہاں چھپائیں اور اسے شام تک کس طرح پہنچائیں۔ یہ ان کے فرائض میں شامل نہیں تھا لیکن اویس نے روزی کو بچانے اور شام تک پہنچانے کا فرض اپنے سر لے لیا تھا۔ یہ تینوں دراصل قبطی عیسائیوں کے اسقف بنیامین کے پاس جا رہے تھے۔

بعض تاریخ نویسوں نے بنیامین کا نام ابومیامین لکھا ہے لیکن مستند مؤرخوں نے متفقہ طور پر بنیامین کو صحیح نام کہا ہے۔

بنیامین کسی بستی میں نہیں رہتا تھا بلکہ ایک مقام قوص سے کچھ دور ایسے ریگستان میں رہتا تھا جسے ٹیلوں اور نشیب و فراز نے دشوار گذار بنا رکھا تھا۔ عوام جو ہرقل کی

سرکاری عیسائیت کو قبول نہیں کرتے تھے' بنیامین کو اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے۔ ہرقل نے قیرس کو بنیامین کے قتل کی اجازت دے دی تھی۔ بنیامین کو بروقت پتہ چل گیا اور فرار ہو گیا۔

یہ عمروؓ بن عاص کے ان تین جاسوسوں کا کمال تھا کہ انہوں نے بنیامین کا ٹھکانہ معلوم کر لیا تھا۔ یہ اپنے آپ کو کٹر قبطی ظاہر کرتے تھے اور قبطی عیسائیوں کے گرجوں میں بھی جاتے اور ان کی طرح عبادت کرتے تھے۔

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اولیس اپنے اصل فرائض اور مشن کو چھوڑ کر روزی کو اس کے ماں باپ کے حوالے کرنے کے لئے ملک شام کو چلا جاتا لیکن روزی کو ساتھ بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا اور اسے تنہا بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ تینوں نے اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات کیا۔

"کیوں نہ اسے اپنے ساتھ ہی لے چلیں" ـــ ان تین جاسوسوں کے امیر (کمانڈر) نے کہا ـــ "اور یہ ظاہر کر کے کہ یہ بھی قبطی ہے' اسے بنیامین کے حوالے کر دیں گے اور اسے کہیں گے کہ اس لڑکی کو حلب پہنچا دے"۔

"اسے پتہ چل گیا کہ اس لڑکی کو نیل کی قربانی سے فرار کرایا گیا ہے تو....."

"یہ خطرہ دل سے نکال دو" ـــ امیر نے کہا ـــ "میرے کانوں میں یہ بات پڑی تھی کہ بنیامین اس قربانی کو گناہ سمجھتا ہے لیکن ابھی اس لئے خاموش ہے کہ قبطیوں کی غالب اکثریت اس قربانی کو برحق مانتی ہے"۔

انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ کہاں ہیں اور بنیامین کا ٹھکانہ کہاں اور کتنی دور ہے۔ دریا کے کنارے زیادہ دیر رکے رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ اُس طرف چل پڑے جدھر بنیامین کا ٹھکانہ تھا۔ صبح تک انہیں بہت دور نکل جانا چاہئے تھا۔

○

بنیامین ہی ان مسلمان جاسوسوں کے کام کا آدمی تھا۔ انہوں نے بنیامین کے متعلق تمام ضروری معلومات حاصل کر کے اس کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ تفصیلات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ مشہور تاریخ دان ایلفرڈ بٹلر نے یہ تفصیلات اپنی انگریزی زبان کی کتاب ـــ "مصر میں عربوں کی فتوحات" ـــ میں یکجا کر دی ہیں۔

یہ تفصیلات مختصراً" اس طرح ہیں کہ ہرقل نے عیسائیت کو سرکاری شکل دے کر

اس کا اصل حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا اور اسے لوگوں پر مسلط کرنے کا شاہی فرمان جاری کر دیا۔ عیسائیت کے علماء نے تو اسے قبول کرنا ہی نہیں تھا' عوام نے بھی اسے قبول نہ کیا۔ ہرقل نے ایک بڑے پادری قیرس کو وسیع اختیارات دے دیئے کہ وہ جبری طور پر یہ مذہب لوگوں پر مسلط کرے۔

قیرس نے سکندریہ میں ایک مذہبی اجتماع منعقد کیا اور اپنے سرکاری مذہب کی تبلیغ کی۔ بیت المقدس امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے حوالے اور اپنی شکست کے معاہدے پر دستخط کرنے والا اسقفِ اعظم صفرینوس سکندریہ میں موجود تھا۔ اس نے قیرس کو الگ بٹھا کر دلائل سے بھی اور منت سماجت سے بھی قائل کرنے کی کوشش کر ڈالی کہ وہ عیسائیت کو آسمانی کتاب انجیل کے مطابق رہنے دے لیکن قیرس کے دل میں خدا کا نہیں ہرقل کا خوف تھا' اور پھر ہرقل نے اسے لوگوں کی جانیں لینے تک کے جو اختیارات دے دیئے تھے انہوں نے اسے فرعون بنا دیا تھا۔

صفرینوس تو تاریخ کے کسی تاریک گوشے میں جا گم ہو گیا' بنیامین ہرقل اور قیرس کے خلاف میدان میں اتر آیا۔ ایلفرڈ بٹلر لکھتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بنیامین کی محبت بھی تھی' تعظیم و تکریم بھی۔ وہ دانشمند اور اپنے مذہب کا عالم تھا۔ مذہب کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔

ہرقل نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ بنیامین کے پاس کوئی جنگی طاقت نہیں تھی پھر بھی اس نے عیسائیت کے دفاع کا فیصلہ کر لیا اور روپوش ہو گیا۔ سکندریہ سے کچھ دور ایک صحرائی بستی قوص ہُوا کرتی تھی۔ بنیامین اس سے کچھ دُور دشوار گذار صحرا میں چلا گیا اور وہاں گرجا بنا لیا۔ اس کا خفیہ رابطہ اپنے کارندوں کے ساتھ تھا جو تبلیغ کرتے پھرتے اور لوگوں کو بنیامین کی ہدایات دیتے رہتے تھے۔ اس طرح بنیامین روپوش ہوتے ہوئے بھی لوگوں میں موجود اور سرگرم رہا۔

○

قیرس کو بنیامین کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے بنیامین کے بڑے بھائی کو گرفتار کر لیا۔ تاریخ میں اس بھائی کا نام نہیں ملتا۔ قیرس کو معلوم تھا کہ بنیامین کے مشن کو اس کا یہ بھائی چلا رہا ہے۔ اسے کہا گیا کہ وہ ہرقل کی عیسائیت قبول کر لے اور اپنے پیروکاروں کو یہ عیسائیت قبول کرنے کو کہے۔

بڑے بھائی نے صاف انکار کر دیا اور کہا وہ خدا کا حکم مانے گا' کسی انسان کا نہیں۔ ہرقل صرف سلطنتِ روم کا بادشاہ اور ایک گناہ گار بندہ ہے۔ اصل بادشاہ خدا ہے' اس دنیا کا بھی اور اگلے جہان کا بھی۔

قیرس کے حکم سے بنیامین کے بڑے بھائی پر جو تشدد کیا گیا' اس کی تفصیلات ایلفرڈ بٹلر نے بیان کی ہیں۔ اسے برہنہ کر کے فرش پر لٹا دیا گیا اور اس کے جسم پر مشعلیں رکھ دی گئیں۔ ذرا تصور میں لائیں کہ مشعلوں کے شعلوں نے اس کے جسم کو کس طرح جلایا ہو گا۔

"کہو قیصرِ روم شاہ ہرقل کا مذہب سچا ہے" —— اسے کہا گیا —— "اور یہ کہ باقی سب جھوٹے ہیں"۔

"لعنت اُس پر جو ہرقل کے مذہب کو سچا سمجھتا ہے" —— بنیامین کے بھائی نے کہا —— "سچا مذہب انجیل کا ہے"۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کے دونوں پہلوؤں سے چربی پگھل پگھل کر فرش پر بہہ رہی تھی۔ مشعلیں ہٹا کر اس سے کہا گیا کہ وہ اتنا ہی بتا دے بنیامین کہاں ہے۔

"اگر مجھے معلوم ہے تو بھی نہیں بتاؤں گا" —— اس نے جواب دیا۔

اس کا ایک دانت اکھاڑ کر پھر پوچھا بنیامین کہاں ہے۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ اس کا ایک اور دانت اکھاڑ کر پرے پھینک دیا گیا۔ پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا کہ اسے ہرقل کی سرکاری عیسائیت تسلیم کرنے کو کہتے تو وہ انکار کر دیتا۔ اس کا ایک دانت اوزار سے پکڑ کر اکھاڑ دیا جاتا۔ پھر پوچھتے بنیامین کہاں ہے۔ وہ نہ بتاتا تو اس کا ایک دانت کھینچ کر نکال دیا جاتا۔ اس طرح اس کے تمام دانت نکال دیئے گئے اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔

اس کے عقیدے اور جذبے کی پختگی کا یہ عالم کہ ابھی تک ہوش میں تھا۔ اس کے بعد اسے تین بار کہا گیا کہ وہ ہرقل کی عیسائیت کو تسلیم کرے۔ اس نے تینوں بار انکار کیا۔ قیرس کے حکم سے اسے سمندر میں پھینک دیا گیا اور وہ ڈوب کر مر گیا۔

○

ایلفرڈ بٹلر نے ایک اور پادری سیموئیل کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ پادری بھی بنیامین کا پیروکار تھا اور اس نے صحرا میں کہیں گرجا بنا رکھا تھا۔ وہ قبطی تھا اور ہرقل کے مذہب

خلاف محاذ قائم کیئے ہوئے تھا۔ قیرس نے اس کے نام ایک پیغام لکھا جس میں اسے کہا گیا کہ وہ ہرقل کا سرکاری مذہب قبول کر لے۔ یہ پیغام ایک فوجی افسر لے کر گیا جس کے ساتھ ایک سو سپاہی تھے۔ اس نے پیغام سیموئیل کو دیا۔

"ہمارا سردار بنیامین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا" —— سیموئیل نے پیغام پھاڑ کر پھینکتے ہوئے کہا —— "لعنت خدا کی ان پر جنہوں نے یہ پیغام بھیجا ہے۔ لعنت اس رومی سلطنت پر جس نے ہم پر جھوٹا مذہب ٹھونسا ہے"۔

پیغام لے جانے والے فوجی افسر کو قیرس نے تمام حکم دے دیئے تھے۔ سیموئیل نے پیغام پھاڑ کر توہین آمیز الفاظ کہے تو فوجی افسر نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے بازو پیٹھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ فوجی افسر گھوڑے پر سوار تھا۔ سیموئیل پیدل جا رہا تھا۔ اسے بری طرح ذلیل و رسوا کرنا مقصود تھا۔ لوگ اسے دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔

"اے لوگو!" —— سیموئیل نے بڑی ہی بلند اور جاندار آواز میں کہا —— "میں آج بہت خوش ہوں۔ آج حضرت عیسیٰؑ کی ناموس اور صداقت پر میرا خون بہے گا۔ اے لوگو! اپنے مذہب کی سچائی کو مانو۔ کسی بادشاہ سے نہ ڈرو" —— اس نے قیرس کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

فوجی اسے مارتے پیٹتے ہوئے قیرس کے پاس اس حالت میں لے گئے کہ اس کے سر اور چند اور جگہوں سے خون بہہ رہا تھا۔ قیرس نے فوجیوں کو حکم دیا کہ اس کی اور پٹائی کی جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسے اس قدر پیٹا گیا کہ اس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے۔

"او بدبخت پادری!" —— قیرس نے سیموئیل سے کہا —— "تجھے کلیسا کا سربراہ کس نے بنایا ہے اور تجھے یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ تیرے ماتحت پادری اور پیروکار میرے خلاف میرے مذہب کے خلاف تبلیغ کرتے پھریں؟"

"او بے مذہب دجّال" —— سیموئیل نے گرجتی آواز میں کہا —— "نیکی خدا کی عبادت اور بنیامین کی اطاعت اور پیروی میں ہے۔ تُو ابلیس کی اولاد ہے۔ تیری اور تیرے مذہب کی اطاعت گناہ ہے"۔

قیرس نے حکم دیا کہ اس کے منہ پر اتنے مکے مارے جائیں کہ اس کا منہ سوج جائے .... حکم کی تعمیل ہوئی۔

"اب جواب دے" —— قیرس نے پوچھا —— "تُو مصر کے حاکم اور مذہبی پیشوا کا حکم

کیوں نہیں مانتا؟ کیا تُو نہیں جانتا کہ تیری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے؟"

"کیا تُو ابلیس کو نہیں جانتا .... اے قیرس!" ــــ سیموئیل نے شدید زخمی حالت میں بھی بلند آواز میں کہا ــــ "ابلیس ملائکہ کا سردار تھا لیکن غرور اور تکبّر نے اسے خدا کا حکم ماننے سے روک دیا۔ خدا نے اسے لعنتی قرار دے دیا۔ اے قیرس! تُو ابلیس سے بڑھ کر لعنتی ہے"۔

قیرس نے حکم دیا کہ اسے باہر لے جا کر اس کا سر اُڑا دو .... اس حکم کی تعمیل ہونے ہی والی تھی کہ ایک حاکم اعلیٰ جس کا تاریخ میں نام نہیں لکھا گیا' ادھر آ نکلا۔ اس نے سیموئیل کی جان بخشی کر دی اور اسے ملک بدر کر دیا۔



قیرس کے ظلم و تشدّد اور قتل و غارت گری کی یہ دو ہی مثالیں کافی ہیں۔ عمرؓو بن عاص کا پلان یہ تھا کہ مصر کے عیسائیوں کو ہرقل کے خلاف بغاوت پر اکسایا جائے لیکن وہاں صورتِ حال یہ تھی کہ مصر کے لوگوں کے دلوں میں ہرقل کی نفرت پیدا ہو چکی تھی جو روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور یہ آتش فشاں کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ عمرؓو بن عاص یوں زمین ہموار کر لینا چاہتے تھے کہ وہ مصر پر حملہ کریں تو عیسائی ان کا ساتھ دیں یا اتنا ہی کریں کہ ہرقل کے لئے جنگی طاقت نہ بنیں۔

اُدھر ماہی گیروں اور ملاحوں کی بستی کا سردار بابا رات کو قربانی والی جگہ کی طرف کشتی میں روانہ ہُوا۔ دریائی راستہ چھوٹا تھا۔ دریا کا رخ اُدھر ہی تھا جدھر سے سردار کی کشتی جا رہی تھی۔ آدھا فاصلہ طے ہو گیا تو آگے سے ایک الٹی ہوئی کشتی بہتی آ رہی تھی۔ اس کے بادبان ساتھ ساتھ تیر رہے تھے۔ یہ کشتی سردار کی کشتی کے قریب سے گزری۔ اندھیرے میں اتنا ہی پتہ چل سکتا تھا کہ یہ کشتی ہے۔ یہ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ یہ کشتی کس کی ہے۔ انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ ان کے اپنے آدمیوں کی کشتی ہے اور ان کی قربانی ایک بار پھر غائب ہو گئی ہے۔

قربانی والی جگہ پہنچے تو ایک پادری اور چند ایک سرکردہ افراد پہلے ہی پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے ماہی گیروں اور کشتی رانوں کے بابا سے پوچھا لڑکی کہاں ہے؟ اس نے حیران سا ہو کے بتایا کہ اسے پانچ آدمیوں کے ساتھ پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا۔

وہاں تو ماتم جیسی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بابا نے کہا کہ انہوں نے ایک بادبانی کشتی اُلٹی

ہی دیکھی ہے لیکن دونوں کشتی ران پرانے تجربہ کار تھے۔ کشتی کسی وجہ سے اُلٹ ہی گئی تھی تو وہ تیر کر نکل آتے۔ لڑکی بھی تیراک تھی۔

"کشتی میں تین آدمی اجنبی تھے" ــــ بابا نے بتایا ــــ "وہ نہ ہوتے تو لڑکی کو قربانی کے لئے تیار کرنا ناممکن ہو جاتا"۔

"نیل کو اس لڑکی کی قربانی قبول نہیں" ــــ پادری نے کہا ــــ "نیل کے عتاب سے بچنا ہے تو اُسی لڑکی کی قربانی دینی پڑے گی جسے پہلے منتخب کیا گیا تھا .... ہوریشش کی بیٹی .... اسے ابھی لا کر دریا میں پھینک دیا جائے"۔

پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ اپنی بیٹی کو قربانی سے بچانے کے لئے ہوریشش نام کا ایک آدمی انطاکیہ سے روزی کو دھوکے سے مصر لے گیا اور اسقف کے آگے یہ جھوٹ بولا تھا کہ اس کے باپ نے اپنی بیٹی کو نیل کی قربانی کے لئے بھیجا ہے۔

پادری نے کہا کہ ہوریشش کو ابھی جگا کر کہا جائے کہ اپنی بیٹی ساتھ لے کر آ جائے.. .. ہوریشش بیٹی کو لے کر آ گیا۔ اس نے پادری کو بتایا کہ اس نے اپنی بیٹی کے سارے زیورات اُس لڑکی کو پہنا دیئے تھے جو لاپتہ ہو گئی تھی اور اب اپنی بیٹی کو پہنانے کے لئے زیورات کی کوئی ایک بھی چیز نہیں۔ اس نے یہ بات اس امید پر کہی تھی کہ اس کی بیٹی بچ جائے گی لیکن پادری نے کہا کہ زیورات اتنے اہم نہیں' قربانی ایک جسم کی دی جاتی ہے اور جسم ایک کنواری لڑکی کا ہونا لازمی ہے۔

پادری کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی لڑکی کو گھر سے لا کر دریا میں پھینک دیا گیا جسے بچانے کے لئے لڑکی کا باپ روزی کو دھوکہ دے کر لے گیا تھا۔



اُس وقت روزی نیل سے بہت دور نکل گئی تھی۔ اولیس اور اسکے ساتھی کوئی ایسے مسافر تو نہیں تھے جن کے پاس نہ پیسہ ہو نہ کوئی اور وسیلہ۔ وہ جاسوس تھے۔ ان کے پاس رقم بھی تھی عقل بھی تھی۔ انہوں نے کرائے کے اونٹ لے لئے اور قوص جا پہنچے۔

قوص اُن عیسائیوں کا مرکز تھا جو ہرقل اور قیرس کی عیسائیت کے خلاف برسرپیکار تھے۔ یہاں بھی ان تینوں نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کیا۔ انہوں نے روزی کو اس طرح چادر میں لپیٹا ہُوا تھا کہ اس کا چہرہ تھوڑا سا ہی دکھائی دیتا تھا۔

اونٹوں نے انہیں جلدی ہی قوص پہنچا دیا تھا۔ شام گہری ہو گئی تھی۔ انہیں رات

وہیں گذارنی تھی۔ وہاں سرائے موجود تھی۔ وہ سرائے میں چلے گئے۔ کھانے کے بعد باتیں کرنے بیٹھ گئے۔

"اب بتاؤ روزی!" ——ایک مجاہد جاسوس نے اس سے پوچھا—— "ہمارے متعلق تمہارے دل میں کوئی شک تو نہیں؟"

"نہیں!" ——روزی نے کہا۔

اسے کوئی شک ہونا بھی نہیں چاہئے تھا۔ وہ گذشتہ رات سے ان کے ساتھ تھی۔ اگر یہ تینوں بدنیت ہوتے تو اب تک عملاً" بدنیتی کا ارتکاب کر چکے ہوتے۔ زیادہ خطرہ اویس کی طرف سے تھا۔ روزی نے اسے یوکلس کے مقابلے میں دھتکار دیا تھا۔ اویس سوچ سکتا تھا کہ انتقام لینا اس کا حق ہے لیکن اس نے روزی کے ساتھ سلوک، برتاؤ اور انداز ایسا رکھا جیسے روزی نوخیز اور حسین لڑکی نہیں بلکہ اس کا کوئی مجاہد رفیق ہو۔

"اویس!" ——روزی نے کہا—— "تم نے کہا تھا کہ تمہیں مسلمانوں نے نئی زندگی دی اور تم نے دیکھا کہ مسلمانوں نے تمہیں احسان نہیں جتایا بلکہ اسلام کا حکم ہی یہی ہے تو تم نے اسلام قبول کر لیا۔ اب تم نے اور تمہارے ان ساتھیوں نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اب میرے ہاتھ باندھ کر دریا میں پھینکیں گے۔ تم نہ آجاتے تو اس وقت میری لاش کو دریائی مخلوق نوچ رہی ہوتی"۔

"اللہ کا حکم تھا تم زندہ رہو گی" ——اویس نے کہا—— "اللہ نے اس کا سبب یہ بنایا کہ مجھے وہاں بھیج دیا جہاں تمہاری زندگی اور موت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ ہم تینوں وہاں اللہ کے بھیجے ہوئے پہنچے تھے۔ تمہیں میں نے نہیں اسلام نے نئی زندگی دی ہے"۔

"پھر مجھے اسلام میں داخل کر لو اویس!" ——روزی نے کہا اور اس کے آنسو بہہ نکلے پھر بولی—— "مجھے ذرا سی بھی توقع نہیں تھی کہ تم مجھے بخش دو گے۔ میں تم سے اور تمہارے ان ساتھیوں سے اتنی متاثر ہوئی ہوں کہ باقی عمر تمہارے ساتھ گذارنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

"ابھی نہیں روزی!" ——اویس کی پارٹی کے سردار نے کہا—— "تم اپنے ماں باپ کے پاس پہنچو گی تو ہو سکتا ہے تمہارے خیالات بدل جائیں۔ یہاں تم خوف و ہراس کی کیفیت میں ہو اور تم کمسن بھی ہو۔ ہم تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا دیں گے۔ وہاں آزادی سے فیصلہ کرنا"۔

روزی فیصلہ کر چکی تھی۔ تینوں مجاہدین نے اسے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ آزادی سے کیا جاتا ہے لیکن وہ رو پڑی۔ کہتی تھی ماں باپ کے پاس جائے گی ہی نہیں۔ اویس نے اسے بتایا تھا کہ وہ تجارت کے سلسلے میں مصر آئے ہیں۔ روزی کی ضد یہ تھی کہ وہ ان کے ساتھ واپس جائے گی۔

اسے بتایا نہیں جا سکتا تھا کہ ان تینوں کا مشن کچھ اور ہے اور وہ اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے لیکن روزی کی ضد اور آہ و زاری نے انہیں پریشان کر دیا۔ اس نے آخر یہ کہہ دیا کہ وہ اب مسلمان ہے عیسائی نہیں۔

مجاہدین کے لئے روزی نے ایسا مسئلہ کھڑا کر دیا کہ اُن کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہی۔ روزی اعتماد اور جرأت کے ساتھ بات کرنے والی لڑکی تھی۔ وہ کسی پہلو ڈرپوک لڑکی نہیں تھی۔ جماعت کے امیر نے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کر کے روزی کو اپنے ہاتھ پر مسلمان کر لیا اور اس کا نام رابعہ رکھ دیا۔ اسے معلوم تھا کہ غیر مسلم کو کس طرح اسلام میں داخل کیا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ رابعہ کو اپنی اصلیت اور مشن سے آگاہ کیا جائے یا نہیں۔ اسلام کے احکام ایسے تھے کہ وہ ایک دوشیزہ کو اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اب تو یہ لڑکی مسلمان ہو گئی تھی۔ بہت ہی غور و فکر کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ رابعہ کو اپنے راز میں شریک کر لیا جائے۔

تینوں نے رابعہ کو پاس بٹھا کر بتایا کہ وہ مصر میں کیا کرنے آئے ہیں اور وہ قبطی پادری بنیامین سے ملنے جا رہے ہیں۔ اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا جائے گا کہ وہ مسلمان ہیں بلکہ یہ بتایا جائے گا کہ ہم قبطی عیسائی ہیں اور شام کے عیسائی سرداروں کا پیغام لائے ہیں۔

"میں ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں" ——رابعہ نے کہا—— "جان بھی دے دوں گی لیکن اس طرح نہیں کہ مجھے نیل میں ڈبو دیا جائے ..... یہ بھی سوچ لو کہ جس کے پاس جا رہے ہو وہ قبطی ہے۔ اس کے پاس اور لوگ بھی آتے ہوں گے۔ کسی نے مجھے پہچان لیا تو پھر میں ان سے بچ نہیں سکوں گی"۔

یہ بھی ایک مسئلہ تھا مگر ان کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود نہیں تھا۔ انہوں نے یہ مسئلہ اللہ پر چھوڑ دیا۔

بنیامین روپوشی کی حالت میں تھا اس لئے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ تینوں جاسوس تھے۔ انہوں نے کسی طریقے سے اپنی اس منزل کا سراغ لگا لیا تھا۔ وہ جگہ دور نہیں تھی لیکن علاقہ دشوار گذار تھا۔ ریتلے ٹیلے اور گھاٹیاں تھیں' کہیں زمین نیچے اور کہیں اوپر چلی جاتی تھی۔

وہ دن کے پچھلے پہر وہاں پہنچ گئے۔ وہ چھوٹا سا نخلستان تھا جیسے جلتے جھلساتے ہوئے جہنم میں چھوٹی سی جنت ہو۔ ایک گرجا تھا۔ اس کے اردگرد چھوٹے بڑے خیمے لگے ہوئے تھے۔ گرجا پتھروں اور گارے کا بنایا گیا تھا۔ بنیامین گرجے کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ تین آدمی اور ایک لڑکی آئے ہیں۔ بنیامین نے انہیں اسی وقت بلا لیا۔

تین مجاہدین کی اس جماعت کے امیر نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ حلب کے رہنے والے عیسائی ہیں اور قبطی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ رابعہ کا تعارف اس طرح کرایا کہ یہ اویس کی بیوی ہے' ابھی ابھی ان کی شادی ہوئی ہے اور رابعہ مصر دیکھنے اور بنیامین سے ملنے کو بے تاب تھی .... انہوں نے اپنے نام عیسائیوں والے بتائے۔ ہر ایک نے اپنے گلے سے چھوٹی سی صلیب لٹکا رکھی تھی۔

"کیا آپ مجھے صرف ملنے آئے ہیں؟" ــــ بنیامین نے پوچھا ــــ "یا کوئی اور بات ہے؟ .... آپ کے ملک شام میں عیسائی کس حال میں ہیں؟"

"ہم شام سے صرف آپ سے ملنے آئے ہیں" ــــ امیرِ جماعت نے کہا ــــ "اور ایک خاص بات بھی ہے .... شام میں رومیوں نے عیسائیوں کو بہت بڑا دھوکہ دیا ہے۔ ہم تیس ہزار کا لشکر بن کر ہرقل کے پاس گئے کہ رومیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں گے لیکن ہرقل اور اس کے بیٹے قسطنطین نے ان کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ ہمارے سرداروں نے فیصلہ کیا کہ ہم مسلمانوں سے دشمنی مول لے کر آئے ہیں مگر رومی ہمیں آگے کر کے خود بھاگ نکلنے کی فکر میں ہیں ....

"رومیوں کے کہنے اکسانے پر ہم نے مسلمان فاتحین کے خلاف بغاوت کر دی۔ رومی پھر بھی ہماری مدد کو نہ آئے۔ ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمان ہمارا قتلِ عام کر سکتے تھے۔ ہماری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا لیتے اور ہماری

حیثیت غلاموں جیسی بنا دیتے تو انہیں کون روک سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسی کوئی ظالمانہ حرکت نہیں کی۔ انہوں نے اپنے آپ کو فاتح اور ہمیں مفتوح اور محکوم سمجھا ہی نہیں نہ ہمارے مذہب میں دخل اندازی کی ہے نہ کریں گے"۔

"میں مسلمانوں کے کردار سے واقف ہوں" ــــ بنیامین نے کہا ــــ "شام میں رومیوں کی شکست کی وجہ یہ ہے کہ یہ بدکردار لوگ ہیں اور مصر میں انہوں نے اپنی ہی ایک عیسائیت رائج کر دی ہے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں یہاں روپوش ہوں۔ میں شام کے عیسائیوں کے لئے کر ہی کیا سکتا ہوں"۔

"ہم آپ سے مدد لینے نہیں آئے" ــــ امیرِ جماعت نے کہا ــــ "ہم مصر کے عیسائیوں کی مدد کرنے آئے ہیں"۔

"وہ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟" بنیامین نے پوچھا۔

"ہمارے سرداروں اور پادریوں کو مصر کے حالات معلوم ہیں" ــــ امیرِ جماعت نے کہا ــــ "مصر میں کچھ عیسائی خاندان بھاگ کر شام چلے گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں جا کر بتایا کہ مصر میں عیسائیوں پر کس طرح ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ ہمارے سرداروں کے لئے یہ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ لشکر تیار کر کے مصر پر حملہ کر دیں۔ انہوں نے ایک مسلمان سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس ایک وفد بھیجا ....

"وفد میں دو معمر پادری بھی تھے۔ وفد نے اس مسلمان سپہ سالار کو مصر کے عیسائیوں کی مظلومیت اور کسمپرسی سے آگاہ کیا اور کہا کہ مسلمان مصری عیسائیوں کی مدد کریں تو ملک شام کے عیسائی تیس سے چالیس ہزار تک کا لشکر دے دیں گے"۔

امیرِ جماعت نے یہاں سے بات شروع کی اور بولتا ہی چلا گیا۔ بنیامین انہماک سے سنتا رہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے یہ بات اچھی لگ رہی ہو۔ امیر جماعت کا مدعا یہ تھا کہ مصر کے عیسائی بغاوت کر دیں تو مسلمان مصر پر حملہ کر دیں گے۔ اگر بغاوت نہ کریں تو حملے کی صورت میں وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے ان تین مجاہدین کو جو مشن دیا اور جو ہدایات دی تھیں' امیر جماعت نے ان کے مطابق بات کی۔

"میں ایک بات اور کہوں گا" ــــ امیرِ جماعت نے کہا ــــ "یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ عیسائی فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ یہ صورتِ حال عیسائیت اور عیسائیوں کے اتحاد کے لئے بہت ہی خطرناک ہے۔ یہ رسم عیسائیت کو نقصان پہنچا رہی ہے کہ ایک کنواری

لڑکی کو دریائے نیل میں پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ بدعت قبطی عیسائیوں میں پائی جاتی ہے۔ کیا آپ اس ظالمانہ رسم کو روک نہیں سکتے؟"

"میں اس رسم کو صحیح نہیں مانتا" ـــــ بنیامین نے کہا ـــــ "میں یعقوبی فرقے کا قبطی ہوں۔ یعقوبی اس رسم کو قتل جیسا گناہ سمجھتے ہیں لیکن میں ابھی اس بحث میں پڑنے سے گریز کر رہا ہوں۔ لڑکی کی قربانی دینے والے قبطی بھی مجھے اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ہرقل کے خلاف ہم نے جو محاذ بنایا ہے اس پر میری ہر ہدایت اور حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اگر میں نے یہ حکم جاری کر دیا کہ لڑکی کی قربانی گناہ ہے تو کم فہم اور کٹر قبطی نہیں مانیں گے اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ ہمارے محاذ کے لئے اچھا نہیں ہو گا.... ابھی تم وہ بات کرو جس کے لئے آئے ہو"۔

"وہ بات تو ہو چکی ہے" ـــــ امیرِ جماعت نے کہا ـــــ "ہمیں آپ کے جواب اور حکم کی ضرورت ہے جو ہم اپنے سرداروں تک پہنچائیں گے"۔

"اپنے سرداروں تک نہیں" ـــــ بنیامین نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ "اپنے سالار عمروؓ بن عاص تک تم یہ پیغام پہنچاؤ گے۔ تم نے اتنی زیادہ باتیں کی ہیں کہ تم نے اپنے اوپر جو پردہ ڈال رکھا تھا وہ اتنا زیادہ سرک گیا کہ میں نے تمہاری اصلیت دیکھ لی۔ اس لڑکی کو دیکھ کر میں سوچ رہا ہوں کہ تم اسے اپنے ساتھ کیوں لئے پھرتے ہو۔ مسلمان عورت کو میدانِ جنگ میں نہیں لڑاتے نہ عورت کو جاسوسی کے لئے استعمال کرتے ہیں"۔

"میں نَو مسلم ہوں" ـــــ رابعہ نے کہا ـــــ "کل اسلام قبول کیا ہے۔ شام کے شہر حلب کی رہنے والی ہوں"۔

رابعہ پر جو بیتی تھی وہ اس نے سنا دی۔ کوئی بات چھپائی نہیں نہ مبالغہ آمیزی کی۔

"ان مسلمانوں نے اپنے فرائض سے ہٹ کر مجھے نئی زندگی دی ہے" ـــــ رابعہ نے آخر میں کہا ـــــ "میں ان کے کردار سے اتنی متاثر ہوئی کہ ان کا مذہب قبول کر لیا۔ انہوں نے مجھے ایک مقدس اور پاک چیز جان کر مجھے اپنے ساتھ رکھا"۔

"اور میں بھی نَو مسلم ہوں" ـــــ ادیس نے کہا ـــــ "اپنی جان اسلام کے لئے وقف کر دی ہے" ـــــ ادیس نے بنیامین کو سنایا کہ اس نے کیوں اسلام قبول کیا تھا۔

تاریخ دان ا۔یلفریڈ بٹلر اور عربی مؤرخوں نے بنیامین کی شخصیت کا جو عکس پیش کیا

ہے وہ ایک ہی جیسا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بنیامین مصر کے قبطیوں کا اسقفِ اعظم تھا۔ لوگ دل و جان سے اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ بنیامین تھا ہی عظیم الشان اور غیر معمولی طور پر دانشمند۔ اس کے کردار کی بنیاد نیکی اور بنی نوع انسان کی بھلائی اور محبت تھی۔ عیسائیت کے ان مذہبی پیشواؤں اور قبائل کے سرداروں کا جانی دشمن تھا جو ہرقل کی سرکاری عیسائیت کے پیروکار تھے۔ اس کی فہم و فراست اور دوربین نگاہیں مستقبل کے پردے چاک کر سکتی تھیں۔

"اپنے سپہ سالار سے کہنا" ـــــ بنیامین نے کہا ـــــ "ہرقل ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ اگر آپ مصر پر فوج کشی کریں گے تو ایسا ہو گا ہی نہیں کہ عیسائی ہرقل کا ساتھ دیں گے۔ ہم اُس وقت کو نہیں بھولے جب فوکاس قیصرِ روم تھا۔ عیسائیوں کا تو وہ دشمن تھا۔ ہرقل نے اس کے خلاف بغاوت کی تو ہم نے اس کا ساتھ دیا اور فوکاس کا تختہ الٹ کر ہرقل کو قیصرِ روم بنایا تھا....

"ہرقل خود عیسائی تھا لیکن عیسائیوں کے تعاون اور ان کی قربانیوں کو نظرانداز کر کے اس نے عیسائیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ عیسائیوں کے لئے وہ قصاب اور درندہ بن گیا۔ اس کے حکم سے عیسائی کسانوں کا پیدا کیا ہُوا اناج چھین کر بزنطیہ بھیج دیا جاتا ہے۔ عیسائیوں کو اس نے نیم فاقہ کش بنا کر ان پر ظالمانہ لگان عائد کر دیا تھا....

"عیسائیوں پر جور و ستم کی داستان بہت طویل ہے۔ شام کے عیسائی قبائل کو ہرقل نے دھوکے دیئے۔ مسلمانوں کے سامنے انہیں ڈھال بنانا چاہا۔ شام میں جو ہُوا وہ مجھے معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان مفتوحہ ملک کے لوگوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ محکوموں پر جور و استبداد کا تو ان کے ہاں تصوّر ہی نہیں۔ جزیہ ادا کر کے ہر کوئی اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے....

"میری نظریں آنے والے وقت کو دیکھ رہی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ رویّہ قائم رہا تو عیسائیت اپنے پیروکاروں کو اسلام کی آغوش میں ڈالنا شروع کر دے گی اور مصر اسلامی ملک بن جائے گا۔ رومی مصر میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ مسلمانوں نے مصر پر فوج کشی کی تو یہاں کے عیسائی خاموش تماشائی بنے رہیں گے اور یہ کوئی حیرت ناک بات نہیں ہو گی کہ رومی اہلِ مصر کے ہم مذہب ہیں لیکن اہلِ مصر مسلمانوں کا استقبال کریں گے....

"تم واپس چلے جاؤ۔ عیسائیوں کو رومیوں کے خلاف بھڑکانے کی کسی کوشش کی

ضرورت ہی نہیں۔ ہم بغاوت نہیں کریں گے۔ ہمارے پاس رومیوں جیسی جنگی طاقت نہیں۔ ہم رومیوں کو اس دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں کہ ہم ان کی وفادار رعایا ہیں"۔

○

ان تینوں مجاہدین کا مشن کامیاب تھا۔ انہیں مصر کے کسی اور علاقے میں جاکر عیسائیوں کو بھڑکانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے اسقفِ اعظم نے وہ کام کر دیا تھا جو یہ تینوں کرنے آئے تھے۔ اولیس کو تو کچھ زیادہ ہی کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ وہ بنیامین سے رخصت ہوئے۔ رات قوص کی سرائے میں گذاری۔ صبح طلوع آفتاب سے بہت پہلے کرائے کے اونٹوں پر اسکندریہ کو روانہ ہو گئے۔ انہیں خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ پہچانے جائیں گے رابعہ کو بھی پہچان لیں گے۔ اسے اس سے چھین کر نیل میں پھینک دیں گے۔ وہ خوش قسمت تھے کہ انہیں ایک جہاز تیار مل گیا۔ وہ اس جہاز میں سوار ہوئے اور جہاز روانہ ہو گیا۔

تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ تینوں مجاہدین کتنا عرصہ مصر میں رہے تھے اور جب عمروؓ بن عاص نے انہیں مصر بھیجا تھا اُس وقت عمروؓ کہاں تھے' البتہ یہ واضح ہے کہ یہ مجاہدین واپس آئے تو اُس وقت وہ بیت المقدس میں تھے۔ مجاہدین کو راستے میں ہی کسی نے بتا دیا تھا۔ انہیں عمروؓ بن عاص نے بھیجا تھا اس لئے وہ بیت المقدس جا پہنچے۔ عمروؓ بن عاص نے اطلاع ملنے پر انہیں فوراً" بلالیا۔

"کیا کر آئے؟" ـــــ سپہ سالار عمروؓ نے ان سے پوچھا۔

امیر جماعت نے تمام تر کارگذاری سنائی اور بنیامین نے جو باتیں کی تھیں وہ لفظ بہ لفظ سنائیں۔

"یہ تو قبطیوں کے اسقفِ اعظم کی باتیں ہیں" ـــــ امیر جماعت نے کہا ـــــ "ہم نے وہاں ہر عیسائی کے دل میں رومیوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی دیکھی ہے۔ ہر محفل میں' گرجوں میں' سراؤں میں' سفر میں اس نفرت کا کھلم کھلا اظہار ہوتا ہے"۔

"بنیامین نے جو کہہ دیا ہے اسے میں حرفِ آخر سمجھتا ہوں" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا۔

"میرا مشورہ قبول کریں" ـــــ ایک اور مجاہد نے کہا ـــــ "مصر پر حملہ کرنا ہے تو فوراً" کریں۔ رومی فوج کی ذہنی اور جسمانی حالت ابھی تک نہیں سنبھلی اور عیسائی اس

فوج کے دشمن ہو گئے ہیں"۔

عمروؓ بن عاص یہ رپورٹ سن کر بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے کہ وہ پہلی فرصت میں مدینہ جائیں گے اور امیرالمومنین سے مصر پر حملے کی اجازت لے لیں گے۔

کام کی باتیں ہو چکیں تو رابعہ کی بات سپہ سالار کو سنائی گئی۔ رابعہ باہر بیٹھی ہوئی تھی۔ اولیس نے سپہ سالار سے کہا کہ وہ اس کا رابعہ کے ساتھ نکاح پڑھا دیں۔ عمروؓ بن عاص نے رابعہ کو اندر بلایا اور اس سے پوچھا کہ وہ کس طرح اولیس کے پاس آئی ہے۔ رابعہ نے وہی کہانی سنا دی جو سپہ سالار پہلے سن چکے تھے۔ وہ دراصل تصدیق چاہتے تھے اور یہ بھی کہ اس کمسن دوشیزہ پر جبر نہ ہو رہا ہو۔ رابعہ نے انہیں مطمئن کر دیا اور شادی کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اولیس اور رابعہ کا نکاح پڑھا دیا۔

○

عمروؓ بن عاص مدینہ جانے کا موقع پیدا کر رہے تھے۔ امید بندھ گئی تھی کہ انہیں مصر پر حملے کی اجازت مل جائے گی۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ مدینہ سے امیرالمومنین حضرت عمرؓ کا ایک پیغام لئے قاصد آ گیا۔ عمروؓ بن عاص نے پیغام پڑھا تو لرز کر رہ گئے۔ اتنے حوصلہ مند اور پُرعزم سپہ سالار کے ہاتھ کانپنے لگے۔

پیغام صرف اتنا تھا ـــــ "عمروؓ بن عاص کے نام۔ السلام علیکم۔ امابعد۔ کیا تم مجھے' میرے ساتھیوں کو اور ان لوگوں کو جن کا میں ضامن اور ذمہ دار ہوں' ہلاک ہوتا دیکھو گے اور خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ زندہ رہو گے؟ مدد' مدد' مدد!"

یہ پیغام اسی نوعیت کا تھا جسے موجودہ دور میں SOS کہا جاتا ہے۔

"کیا آفت آن پڑی ہے؟" ـــــ عمروؓ بن عاص نے قاصد سے پوچھا۔

"قحط!" ـــــ قاصد نے جواب دیا ـــــ "عرب کی جنوبی سرحد سے لے کر شمالی سرحد تک قحط انسانوں کی اور مویشیوں کی جانیں بے دردی سے لے رہا ہے۔ مدینہ کو میری واپسی تک نہ جانے کتنی اور جانیں لے چکا ہو گا۔ اناج کا ایک دانہ کہیں نظر نہیں آتا۔ لوگ پانی کو ترس رہے ہیں۔ دودھ دینے والے مویشی ہڈیوں کے ڈھانچے بن کر مر رہے ہیں۔ ان کے جسموں میں نمی کا ایک قطرہ نہیں' دودھ کہاں سے دیں"۔

یہ تاریخی قحط 639ء بمطابق 18 ہجری میں پڑا تھا۔

قاصد نے قحط کی تباہ کاری سنائی اور سننے والے لرزہ براندام ہو گئے۔ عمروؓ بن عاص

نے امیرالمومنین کے نام پیغام لکھوایا۔ تاریخ کے مطابق' تحریر اتنی سی ہی تھی ۔

"امیرالمومنین کے نام۔ السلام علیکم۔ امابعد۔ اطمینان رکھیئے۔ خوراک کا ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا اگلا سرا آپ کے پاس اور دوسرا سرا میرے پاس ہو گا"۔

امیرالمومنین نے ایسے ہی پیغام معاویہؓ بن ابی سفیان اور ابوعبیدہؓ کو شام بھیجے تھے جو وہاں کے امراء اور سپہ سالار تھے۔ پھر ایسا ہی پیغام عراق کے امیر اور سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کو بھی بھیجا۔ ان سب نے امیرالمومنین کو ایسا ہی جواب دیا جیسا عمروؓ بن عاص نے لکھ بھیجا تھا۔

تاریخ میں جو اعداد و شمار آئے ہیں یوں ہیں:

عمروؓ بن عاص نے فلسطین سے ایک ہزار اونٹ آٹے اور گھی سے لدے ہوئے خشکی کے راستے اور انہی اشیاء سے لدے ہوئے بیس بحری جہاز ایلہ (موجودہ عقبہ) کی بندرگاہ سے روانہ کئے۔ خوراک کے علاوہ عمروؓ نے پانچ ہزار کمبل بھی بھیجے۔

شام سے معاویہؓ بن ابی سفیان نے آٹے سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ بھیجے۔ خوراک کے علاوہ تین ہزار چغے بھی ساتھ تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے عراق سے ایک ہزار اونٹ بھیجے۔ یہ بھی اناج سے لدے ہوئے تھے۔

شام کے ایک اور حصے کے امیر اور سپہ سالار ابوعبیدہؓ بن الجراح نے چار ہزار اونٹوں پر اناج اور دیگر اشیاء خورو نوش لدوائیں اور خود اس قافلے کے ساتھ چل پڑے۔

مدینہ پہنچے تو امیرالمومنین نے قحط زدہ لوگوں میں اس خورک کی تقسیم کا کام ابوعبیدہؓ کے ہی سپرد کر دیا۔ تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین نے حکم دیا کہ ابوعبیدہؓ کو چار ہزار درہم ادا کئے جائیں۔

"امیرالمومنین!" ـــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــ "مجھے اس معاوضے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو معاونت کی ہے یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کی ہے۔ مجھے دنیاوی مفاد کی طرف نہ کھینچیں"۔

"یہ معاوضہ تم نے طلب نہیں کیا" ـــ امیرالمومنین نے کہا ـــ "اس لئے یہ لے لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے ایسا ہی ایک واقعہ پیش آ چکا ہے۔ تم نے جو بات مجھ سے کہی تھی وہی میں نے رسولِ اکرمؐ کی خدمت

ں کہی تھی لیکن آپؐ نے میرا جواز رُد کر کے مجھے رقم وصول کرنے پر مجبور کر دیا تھا"۔

ابوعبیدہؓ نے چار ہزار درہم لے لئے اور شام کے اس علاقے کو واپس چلے گئے جہاں کے وہ امیر مقرر ہوئے تھے۔

○

اس داستان کا یہ باب اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس خوفناک قحط میں رالمومنین اور ان کے ماتحت افسروں کی فرض شناسی اور انسان دوستی کا تذکرہ نہ کیا ائے۔

قحط کا باعث یہ ہُوا کہ آسمان بادلوں سے خالی ہو گیا۔ بادلوں کی غیر حاضری میں سورج نے زمین و آسمان کو جلانا شروع کر دیا۔ کھیتیوں کی مٹی اکڑ گئی اور زمین چھوٹے ڑوں میں پھٹنے لگی۔ آسمان کے تیور دیکھ کر کسانوں نے ہل نہ چلائے۔ وہ دیکھ رہے تھے گھاس کی ایک پتی بھی ہری نہیں رہ گئی تھی۔ فصل جو پکنے کے لئے اوپر ہی اوپر اٹھ ے تھے' جہاں تک پہنچے تھے وہیں جل کر راکھ ہو گئے۔ اناج کی پیداوار کی امیدیں دم ڑ گئیں۔

نخلستان سُوکھ گئے۔ ہریالی کا کہیں نام و نشان نہ رہا۔ ہوا چلتی تو دھول اُڑتی تھی۔ ی درخت کا ایک پتّا بھی ہرا نہ رہا۔ درخت خشک لکڑیاں بن کے رہ گئے۔ بھیڑ بکریوں ر ریوڑ' مویشی اور دیگر جانور ایسی تیزی سے مرنے لگے جیسے موت جھاڑو دے رہی ہو۔ ان فاقوں مرنے لگے۔ جن لوگوں کے پاس روپیہ پیسہ تھا وہ بھی مر رہے تھے۔ اناج کا دانہ نہ تھا۔ روپیہ پیسہ محض بیکار تھا۔

اس قحط والے سال کو "عام الرّمادہ" یعنی خاک والا سال کہا گیا تھا۔

اب دیکھئے اُس وقت کے سربراہِ ملّت و حکومت کا کردار اور حسنِ تدبّر۔ امیرالمومنین ت عمرؓ کا ذاتی کردار تو بلند تھا ہی لیکن غور اس پر کریں کہ یہ کردار اسلام کی تعلیمات انچے میں ڈھلا ہُوا تھا۔ انہوں نے جلسوں میں تقریریں نہیں کیں کہ ہم عوام کو کا نہیں مرنے دیں گے۔ ذخیرہ اندوزی ختم کرنے کے لئے قانون بنایا جا رہا ہے' ہم تباہ یں گے' کمیٹی بنا دی گئی ہے .... ایسی بڑھک نما تقریروں کے بعد رات گھر جا کر ن کھانے کھائے اور سو گئے۔

حضرت عمرؓ نے عراق' شام اور فلسطین سے آنے والے خوراک کے قافلوں کے

لئے حکم دیا کہ یہ متاثرہ علاقوں میں چلے جائیں اور اشیاء لوگوں میں تقسیم کردی جائیں۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ قافلوں کے اونٹ واپس نہ کئے جائیں۔ انہیں ذبح کرکے ان کا گوشت لوگوں میں تقسیم کردیا جائے .... قحط زدہ علاقوں میں ایک بھی اونٹ زندہ نہیں رہا تھا۔ اگر کوئی اونٹ زندہ نظر آتا تھا تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوتا تھا' گوشت کا نام و نشان نہیں۔ زرخیز علاقوں سے آئے ہوئے اونٹ تنومند اور تروتازہ تھے۔ کم و بیش دس ہزار اونٹ ذبح کرکے فاقہ کش لوگوں کو کھلا دیئے گئے۔

مدینہ دارالخلافہ بھی تھا اور ہر لحاظ سے عرب کا مرکزی شہر بھی۔ وہاں خوشحال لوگ رہتے تھے۔ ان کے گھروں میں خوراک کا ذخیرہ تھا۔ مدینہ کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ قحط سے بھاگے ہوئے ہزارہا لوگ' پورے پورے کنبے' مدینہ میں آگئے اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی تھی۔ یہ سب بھوکے تھے' ان کے بچے بھوکے' ان کی عورتیں بھوکی تھیں۔ ماؤں کے دودھ سُوکھ گئے اور دودھ پیتے بچے مر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے مدینہ کے لوگوں سے کہا کہ وہ گھروں میں دگنا کھانا پکایا کریں اور ان پناہ گزینوں کو آپس میں بانٹ کر گھروں میں لے جائیں۔ لوگوں نے فوراً اس پر عمل کیا لیکن پناہ گزینوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ گھوم پھر کر جائزہ لیتے رہتے تھے۔ مدینہ کے خوشحال لوگ پورا پورا تعاون کر رہے تھے۔ کچھ لوگ پھر بھی بھوکے رہ جاتے تھے۔

امیرالمومنین نے اس کا حل یہ نکالا کہ حکم جاری کردیا کہ کسی شہری کے گھر کھانا نہیں پکے گا۔ تمام خوراک ایک جگہ اکٹھی کرکے مشترکہ طور پر کھانا پکے گا اور سب ایک دسترخوان پر کھانا کھایا کریں گے۔ امیرالمومنین نے اس کی ابتدا اپنے گھر سے کی۔ کھانا ایک جگہ پکنے لگا۔ امیرالمومنین اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔

مسلم اور غیر مسلم تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ اس دسترخوان پر ہر روز دونوں وقت کھانے والوں کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ مریض' بوڑھے' معذور' عورتیں' بچے جو دسترخوان تک نہیں پہنچ سکتے تھے' انہیں وہاں کھانا پہنچایا جاتا تھا جہاں جہاں ان کا قیام تھا۔ ان کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے کردار اور اُمّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

بت اور ایثار کی صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ مؤرخوں نے ایسے متعدد واقعات لکھے ہیں۔ امیرالمومنین سب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک روز دسترخوان پر گھی میں چُوری کی ہوئی روٹی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک بدّو کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ دونوں ایک ہی پلیٹ سے چُوری کھانے لگے۔

بدّو بدتمیزی سے کھا رہا تھا۔ پلیٹ میں جدھر گھی دیکھتا ادھر سے بہت بڑا لقمہ بنا کر منہ میں ڈال لیتا۔ امیرالمومنین نے اس سے پوچھا کہ تُو نے کبھی گھی والی روٹی نہیں کھائی؟

"یاامیرالمومنین!" ـــ بدّو نے لجاجت کے لہجے میں کہا ـــ "جب سے قحط پڑا ہے نہ گھی دیکھا ہے نہ روٹی نہ کسی اور کو گھی روٹی کھاتے دیکھا ہے"۔

امیرالمومنین نے قسم کھالی کہ جب تک قحط ہے وہ گھی والی روٹی نہیں کھائیں گے۔ سب نے دیکھا کہ انہوں نے گھی کے علاوہ گوشت کھانا بھی چھوڑ دیا۔ ان کی بھاگ دوڑ کا یہ عالم تھا کہ ابھی مدینہ میں کھانے کا انتظام دیکھ رہے ہیں اور ابھی کسی دور کے علاقے کی طرف دیکھنے جارہے ہیں کہ وہاں لوگوں کو ٹھیک طرح کھانا مل رہا ہے یا نہیں۔

مسلسل مشقت' بھاگ دوڑ اور پریشانی کے اپنے اثرات تھے۔ اس کے ساتھ امیرالمومنین نے اپنی روزمرّہ غذا کم کردی تھی۔ ان کا رنگ سرخ و سپید ہُوا کرتا تھا جو سیاہ پڑ گیا اور جسم لاغر ہوتا چلا گیا۔ پیٹ میں کوئی تکلیف بھی رہنے لگی۔ ان کے رفقائے کار کو پریشانی لاحق ہوگئی کہ امیرالمومنین نے پوری غذا کھانی شروع نہ کی تو یہ صورت ان کے لئے مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔

ان رفقاء نے جن میں معمّر صحابہ کرام بھی تھے' امیرالمومنین سے کہا کہ آرام کریں نہ کریں اپنی روزمرّہ غذا پوری لیں۔ امیرالمومنین نے جو جواب دیا وہ تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے۔ انہوں نے کہا ـــ "مجھے لوگوں کی تکلیف کا احساس اسی طرح ہوسکتا ہے کہ مجھ پر بھی وہی گزرے جو لوگوں پر گزر رہی ہے"۔

اگر ہمارے آج کے حکمران حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کو اپنا اصولِ حیات بلکہ ایمان کا جزو بنالیں تو پاکستان کا اُجڑا گلستان سرسبز و شاداب ہوجائے۔

حضرت عمرؓ اللہ کے حضور بہتے آنسوؤں سے گڑگڑاتے تھے ـــ "یااللہ! یہ قحط اگر میرے کسی گناہ یا اپنے فرائض سے کوتاہی کی سزا ہے تو مجھے بخش دے میری قوم کو سزا نہ دے"۔

کوئی دعا قبول نہیں ہو رہی تھی۔ آسمان جل رہا تھا' زمین کو جلا رہا تھا۔

آسمان

سرزمینِ عرب کا دشمن ہو گیا تھا۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے انتظامات اور ان کی اپنی بھاگ دوڑ لوگوں کو قحط سے نہیں فاقہ کشی سے نجات دلا سکتی تھی جو انہوں نے دلا دی لیکن صحابہ کرام اور دیگر اکابرین حضرت عمرؓ کی بڑی تیزی سے گرتی ہوئی صحت کے متعلق پریشان تھے۔ حضرت عمرؓ تو گھُلے جا رہے تھے۔ انہوں نے جسمانی توانائی برقرار رکھنے والی غذا ترک کر دی تھی اور کہتے تھے کہ یہ غذا اُس وقت کھاؤں گا جب میری قوم کے ہر فرد کو یہ غذا میسّر آنے لگے گی۔

تاریخ نویس ابنِ سعد نے اپنی ایک کتاب "طبقات" میں لکھا ہے کہ بزرگوں کے کہنے پر بعض جواں سال افراد نے کھانے کے وقت حضرت عمرؓ کو کسی بہانے دَسترخوان عام سے ہٹا کر الگ بٹھایا اور گوشت کے ساتھ گھی میں پکائی ہوئی روٹی ان کے آگے رکھ دی اور انہیں باتوں میں لگا لیا۔ انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ امیرالمومنین کو گوشت اور گھی کھلا کر ہی رہیں گے لیکن امیرالمومنین نے یہ کھانا ایک طرف سرکا دیا۔

"دسترخوان پر گھوم پھر کر دیکھو" ——— امیرالمومنین نے کہا —— "جو کوئی فاقہ کشی سے بہت ہی نحیف ہو گیا ہو یہ کھانا اُسے کھلا دو۔ میرے لئے عام روٹی اور سب کے لئے پکا ہُوا سالن زیادہ اچھا رہے گا"۔

ابنِ سعد نے تین مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شام حکم دیا کہ دسترخوانِ عام پر جو لوگ موجود ہیں ان کی گنتی کی جائے۔ گنتی کی گئی۔ سات

ہزار سے کچھ زائد تھی اور بوڑھے، بچے اور مریض جو دسترخوان پر نہیں آ سکے اور انہیں یہاں جہاں تھے کھانا پہنچایا گیا تھا، ان کی تعداد چالیس ہزار سے ذرا زیادہ تھی۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے اُس رات بھی وہی کھانا کھایا جو باقی سب نے کھایا تھا۔ انہوں نے پانی مانگا تو انہیں وہ پانی دیا گیا جس میں شہد ملا ہُوا تھا۔ انہوں نے ایک گھونٹ پی کر پیالہ رکھ دیا۔

"خدا کی قسم!" ——— حضرت عمرؓ نے کہا ——— "میں ایسا کام نہیں کروں گا جس کی روزِ ندامت مجھ سے جواب طلبی ہو"۔

پھر ایک واقعہ یہ بھی قابلِ غور و فکر ہے کہ ایک روز امیرالمومنین نے اپنے ایک چھوٹے بیٹے کو تربوز کا ایک ٹکڑا کھاتے دیکھا تو بولے ——— "واہ امیرالمومنین کے بیٹے، تو پھل کھا رہا ہے اور رسولؐ اللہ کی اُمت بھوکی مر رہی ہے"۔

بچہ اپنے عظیم باپ کی سخت مزاجی سے واقف تھا۔ وہ رو پڑا۔ امیرالمومنین کو بچے کا رونا متاثر نہ کر سکا۔ کسی نے انہیں بتایا کہ بچے نے تربوز کا یہ ٹکڑا چند ایک کھجوروں کے بدلے لیا ہے تو انہیں اطمینان ہُوا اور انہوں نے بچے کو بہلا لیا۔

○

قحط ٹلتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ عراق اور شام سے اناج اور اجناس آ رہی تھیں جو نہایت اچھے انتظامات کے تحت مدینہ سے دُور دراز علاقوں تک بھی پہنچائی جا رہی تھیں۔ امیرالمومنین خود جا کر تقسیم کے انتظامات دیکھتے تھے۔ چھ سات مہینے گزر گئے تھے۔

ایک روز حضرت عمرؓ مدینہ سے تھوڑی ہی دور ایک بستی میں گئے تو وہاں دو گھروں میں ماتم کی آہ و بکا دیکھی۔ ایک عورت کا جوان بیٹا اور ایک عورت کا خاوند مر گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پہلی بات یہ پوچھی کہ یہ بھوکے تو نہیں مرے؟ یہ جواب سن کر انہیں اطمینان ہُوا کہ انہوں نے ایک وقت کا بھی فاقہ نہیں کیا تھا۔ موت کا سبب کوئی ایسی بیماری بنی جسے کوئی بھی نہ سمجھ سکا۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان کے کفن بیت المال سے دیئے جائیں۔ کفن آ گئے۔ دونوں کی نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے خود پڑھائی تھی۔

یہ پُراسرار بیماری بڑھنے لگی۔ بیماری ایسی تھی کہ علاج کی مہلت ہی نہیں دیتی تھی۔ یہ وبا کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ اس

بیماری کی علامات کیا تھیں۔ امیرالمومنین جو ذرا سا آرام کرتے تھے وہ بھی چھوڑ دیا اور اس بیماری کی روک تھام کے لئے بستی بستی بھاگنے دوڑنے لگے۔ طبیب بھی پریشان ہو گئے۔ ان کی دوائیوں کا اتنا سا ہی اثر ہوتا تھا کہ مریض کی موت کچھ دن ٹل جاتی تھی لیکن وہ آخر موت کے منہ میں چلا ہی جاتا تھا۔

طبیب اتنا ہی سمجھ سکے کہ اس بیماری کا تعلق قحط اور خشک سالی کے ساتھ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کر دیا کہ اس بیماری سے مرنے والوں اور قحط ختم ہونے تک کسی بھی بیماری سے مرنے والے کا کفن بیت المال سے ملے گا۔ حضرت عمرؓ جہاں تک پہنچ سکتے وہاں نمازِ جنازہ خود پڑھاتے تھے۔

امیرالمومنین کسی بیمار کی وفات کی اطلاع پر جاتے تو کچھ اس قسم کے الفاظ ان کے کانوں سے ٹکراتے تھے —— "یاامیرالمومنین! آپ نے بھوک سے تو بچالیا ہے موت سے نہیں بچاسکیں گے" —— یا یہ کہ —— "یاامیرالمومنین! روٹی دے سکتے ہو زندگی نہیں دے سکتے"۔

اس پُراسرار اور ظالم بیماری نے تمام تر عرب پر دہشت طاری کر دی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ ہر نماز کے بعد قحط سے نجات کی دعا کرتے تھے، بیماری نے زور پکڑا تو وہ رات رات بھر نوافل پڑھتے اور اس طرح قحط اور بیماری سے نجات کی دعا کرتے تھے کہ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔

"یااللہ! یا غفور الرحیم!" —— حضرت عمرؓ دعا میں یہ الفاظ ضرور کہتے تھے —— "میرے گناہوں کی سزا اپنے رسولؐ کی اُمت کو نہ دے .... اپنے بندوں کو میرے ہاتھوں ہلاک نہ کرا پروردگار!"

یوں لگتا تھا جیسے اللہ نے سرزمینِ عرب سے نگاہیں پھیر لی ہوں۔ دعاؤں کو قبولیت حاصل ہو ہی نہیں رہی تھی۔

○

آخر امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی حالت ایسی ہو گئی جیسے بالکل ہی ہار کر بے دست وپا ہو گئے ہوں۔ انہوں نے ہر طرف قاصد اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیئے کہ تمام لوگوں کو اپنی اپنی جگہ اکٹھا کر کے نمازِ استسقاء پڑھی جائے اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کی جائیں کہ قحط کے عذاب سے اللہ چھڑا دے۔ پیغام میں یہ بھی کہا گیا کہ جو لوگ رات ہی

رات مدینہ پہنچ سکیں پہنچ جائیں۔

قاصد فوراً ہی روانہ ہو گئے تھے۔ دور کے علاقوں کو جانے والے قاصد رات کو بھی چلتے رہے تھے۔ مدینہ منوّرہ میں نمازِ استسقاء کا وقت اگلے روز دوپہر کا مقرر کیا گیا تھا ....جہاں جہاں پیغام پہنچتا گیا، لوگوں نے نماز کا وقت مقرر کر کے اعلان کر دیا۔

اگلے روز مدینہ کے لوگ اور مدینہ میں آئے ہوئے پچاس ساٹھ ہزار پناہ گزین زمین و آسمان کو جلاتی ہوئی دوپہر کے وقت نمازِ استقاء کے لئے باہر نکلے اور میدان میں صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ زمین دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح گرم تھی جس پر ننگے پاؤں کھڑا ہونا ممکن نہ تھا لیکن لوگ اللہ کی ذاتِ باری میں جیسے تحلیل ہو گئے تھے کہ انہیں پاؤں جلنے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت عمرؓ امامت کے لئے آگے آئے۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ردائے مبارک اپنے جسم پر لے رکھی تھی۔

جن مؤرخوں نے اس نماز کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے، اُس وقت کے وقائع نگاروں کے حوالوں سے وہ منظر بیان کیا ہے جب مدینہ کے لوگ نمازِ استقاء پڑھ رہے تھے۔ لوگوں کی سسکیاں اور ہچکیاں صاف سنائی دے رہی تھیں اور یہی کیفیت امیرالمومنین پر طاری تھی۔

نماز کے بعد امیرالمومنین دعا کے لئے اٹھے۔ ان کا کوئی لفظ واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتا تھا کیونکہ وہ بچوں کی طرح بلبلا اور رو رہے تھے۔ مؤرخوں نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے آنسو ان کی داڑھی سے یوں ٹپکنے لگے تھے جیسے انہوں نے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے ہوں۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ دعا کے دوران حضرت عمرؓ نے ان کا بازو پکڑا اور اٹھا کر اپنے پہلو میں کھڑا کر لیا پھر ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر دعا کے انداز میں آسمان کی طرف کئے۔

"یااللہ!" —— حضرت عمرؓ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی ہی بلند آواز میں کہا —— "ہم تیرے رسولؐ کے چچا کو تیرے حضور شفاعت کے لئے لائے ہیں۔ ہماری نہیں تو ان کی ہی سن لے"۔

"یا پروردگار!" —— حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ کی آواز سے بھی بلند آواز میں کہا —— "اپنے رسولؐ کے صدقے اپنی رحمت کے چند قطرے ...."

حضرت عباسؓ کی آواز رقّت میں دب گئی اور اس طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگے جیسے اپنے آپ پر قابو نہ پا سکیں گے۔

مدینہ سے دور دور تک جہاں جہاں امیرالمومنین کا پیغام پہنچا تھا اس وقت نماز استسقاء پڑھی جا رہی تھی۔ ہر آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے اور لوگ اس عذاب سے اللہ کی پناہ مانگ رہے تھے۔ نماز کے بعد حضرت عمرؓ بلند آواز سے وِرد کرتے جاتے تھے ـــ "اللہ رحمٰن اور رحیم ہے"۔

پھر جلتے اور جلاتے ہوئے اس دن کا سورج بھی غروب ہو گیا۔ ایک اور رات آئی۔ موسم کی تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے لیکن اس رات کے بطن سے جس صبح نے جنم لیا اسے دیکھ کر کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ سورج جیسے طلوع ہُوا ہی نہ ہو کیونکہ آسمان پانی سے لدے ہوئے سرمئی اور سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہُوا تھا' اور جب یہ بادل پھٹ پڑے تو دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ بارش ایسی موسلادھار کہ اس کی دھند میں کچھ دور تک نظر کام نہیں کرتی تھی۔

نو مہینوں کی پیاسی زمین اللہ کی رحمت سے سیراب ہو گئی.... یہ تاریخی قحط پورے نو مہینے رہا تھا۔

دو تین دنوں بعد بارش کا زور تھما تو حضرت عمرؓ مدینہ کے اندر اور باہر اُن پچاس ساٹھ ہزار پناہ گزینوں میں دوڑتے پھرے جو نو مہینوں سے وہاں پڑے تھے۔ وہ ان لوگوں سے یہ کہتے پھرتے تھے کہ اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ لوگوں کو ان کے گھروں کو بھیجنے پر امیرالمومنین کچھ زیادہ ہی زور دے رہے تھے۔ انہوں نے بعد میں اپنے مصاحبین سے کہا کہ وہ ان پناہ گزینوں کو اس خیال سے مدینہ سے نکال رہے تھے کہ انہیں آرام سے حاصل ہو جانے والی روٹی کا چسکا نہ پڑ جائے۔ حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ لوگ فوراً" کھیتی باڑی میں لگ جائیں۔

○

ہم اس داستان کو پیچھے اُس مقام پر لے جاتے ہیں جہاں روزی ایک بار پھر قربانی سے بچ گئی تھی اور پادری اور اس کے ساتھی اس کے انتظار میں نیل کے کنارے اُس جگہ کھڑے تھے جہاں سے روزی کو نیل میں پھینکنا تھا۔ ماہی گیروں کا سردار بابا اس توقع پر وہاں پہنچا تھا کہ روزی کو اُن تین آدمیوں نے اُس جگہ پہنچا دیا ہو گا جن تینوں آدمیوں نے

اسے یقین دلایا تھا کہ وہ روزی کو قربانی کی جگہ پہنچا دیں گے لیکن انہوں نے راستے میں کشتی رانوں کو قتل کر کے دریا میں پھینک دیا اور روزی کو لے اُڑے۔ اس کے بعد روزی رابعہ بن گئی۔

ماہی گیروں کے سردار نے وہاں پہنچ کر پادری کو بتایا کہ اس نے روزی کو تین اجنبی آدمیوں کے ساتھ پہلے ہی بھیج دیا تھا تو سب حیران ہوئے کہ لڑکی گئی کہاں!.... بڑے پادری نے یہ فتویٰ دیا کہ نیل کو اس لڑکی کی قربانی قبول نہیں' نیل اُسی لڑکی کو چاہتا ہے جس کو قربانی کا فیصلہ پہلے ہُوا تھا۔

وہ لڑکی ہوریشس کی اکلوتی بیٹی تھی جسے دریا میں ڈوب مرنے سے بچانے کے لئے اس نے روزی کو دھوکا دیا اور اطاکیہ سے اسے ساتھ لے گیا تھا۔ قربانی کے دستور کے مطابق اس نے اپنی بیٹی کے سارے زیورات روزی کو پہنا دیئے تھے۔ وہ بڑے ہی قیمتی زیورات تھے جو باپ نے اپنی بیٹی کی زندگی پر قربان کر دیئے تھے مگر ہُوا یہ کہ زیورات بھی گئے اور روزی بھی ہاتھ سے نکل گئی' اور اب پادری نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ہوریشس کی بیٹی کو ہی نیل کے حوالے کر دیا جائے اور اسے زیورات سے سجانے کی کوئی ضرورت نہیں' چنانچہ ہوریشس کی بیٹی کو جگا کر لے آئے اور پاروی نے اپنے ہاتھوں اسے دریا میں پھینک دیا۔

یہاں سے یہ داستان یوں آگے چلی کہ بیٹی کے صدمے نے ہوریشس کے دل و دماغ کو ماؤف کر دیا۔ یہ بیٹی اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس پر وہم طاری ہونے لگے جن میں ایک یہ تھا کہ ان لوگوں نے اس لڑکی یعنی روزی کو قربانی سے بچانے کے لئے خود غائب کیا ہے اور اس کی بیٹی کو مروا ڈالا ہے۔ ہوریشس اپنے مذہب کو بھول ہی گیا اور اس کی جگہ انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ بیٹی کے صدمے کے ساتھ یہ چوٹ بھی کچھ کم نہ تھی کہ اس کے بڑے ہی قیمتی زیورات بھی ضائع ہو گئے تھے۔

ہوریشس کی بستی سے تقریباً" تین میل دور رومی فوج کی ایک چوکی تھی جس میں افسر' ایک عہدیدار اور چند ایک سپاہی رہتے تھے۔ شاہ ہرقل کو بڑی اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ مصر کے لوگ اس کے حق میں نہیں رہے۔ وجہ بڑی صاف تھی جس کا تفصیلی ذکر پیچھے ایک باب میں آ گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے جو سرکاری عیسائیت رائج کی تھی' اسے لوگ قبول نہیں کر رہے تھے۔ لڑکی کی قربانی کو تو اس نے قتل جیسا

جرم قرار دے دیا تھا۔ پھر بھی قبطی عیسائی چوری چھپے لڑکیوں کی قربانی دے رہے تھے۔

لوگوں پر دہشت طاری رکھنے کے لئے اور لڑکی کی قربانی روکنے کے لئے ہرقل نے مصر کے دیہاتی اور دور دراز علاقوں میں بھی چھوٹی بڑی چوکیوں کی صورت میں اپنی فوج پھیلا رکھی تھی۔ ان چوکیوں کے فوجی اپنے اپنے علاقے میں گشت کرتے رہتے اور لوگوں کو ڈراتے رہتے تھے۔ ہوریشس کی بستی سے کچھ دور ایسی ہی چوکی تھی جس کے فوجی اکثر اس بستی میں گشت کے لئے آتے رہتے تھے۔

ہوریشس کو اس چوکی کا خیال آیا تو اس کے اندر انتقام کی جو آگ سلگ اٹھی تھی وہ بہت بڑا شعلہ بن گئی اور وہ اس چوکی کی طرف چل پڑا۔ چوکی پر جا کر چوکی کے کمانڈر سے ملا اور اسے بتایا کہ ان کے پادری نے اس کی بیٹی کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی گھر سے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا ہے۔

رومی افسر غصے سے بھڑک اٹھا اور پادری اور دیگر ذمہ دار افراد کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ہوریشس نے اسے روک لیا اور کہا کہ وہ یہ کارروائی اس طرح کرے کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ ہوریشس نے مخبری کی ہے۔ ہوریشس کو ڈر یہ تھا کہ بستی والوں کو صحیح بات کا علم ہو گیا تو وہ اسے اور اس کی بیوی کو قتل کر دیں گے۔ ہوریشس نے یہ بھی کہا کہ وہ گھر پہنچ جائے تو کچھ دیر بعد فوجی آئیں اور ہوریشس کے ساتھ اس طرح بات کریں جیسے وہ بھی اپنی بیٹی کی قربانی کا مجرم ہے۔

رومی افسر بات سمجھ گیا اور ہوریشس کو واپس بھیج دیا۔ ہوریشس نے اپنی بیوی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔

○

دن آدھے سے کچھ زیادہ گزر گیا تھا۔ ہوریشس کی بستی کے لوگوں نے دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپ سنے جو بستی کی طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ یہ کوئی بڑی بستی نہیں تھی۔ بیس پچیس مکانوں کی چھوٹی سی آبادی تھی۔ لوگ گھروں سے نکل کر باہر آ گئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو اور سواروں کو بھی پہچان لیا۔ یہ ان کے اپنے فوجی تھے جو گشت پر آتے ہی رہتے اور بستی کے لوگوں کے ساتھ گپ شپ بھی لگایا کرتے تھے۔

ان میں ایک افسر' ایک جواں سال عہدیدار اور کم و بیش بیس سپاہی تھے۔ قریب آ کر انہوں نے بستی کو گھیرے میں لے لیا۔ افسر نے اعلان کیا کہ کوئی مرد یا عورت بھاگنے کی

کوشش نہ کرے اور تمام لوگ باہر آ جائیں۔

بستی کے لوگوں پر خوف طاری ہو گیا۔ یہ سب قبطی عیسائی تھے اور اپنے بادشاہ ہرقل کی سرکاری عیسائیت کے سخت خلاف تھے اور یہ لوگ لڑکی کی قربانی میں بھی یقین رکھتے تھے۔ انہیں ڈرنا ہی چاہئے تھے۔

"ہوریشس کون ہے؟" —— رومی نے کہا —— "جو کوئی بھی ہے سامنے آ جائے"۔

ہوریشس آگے ہو گیا۔ افسر گھوڑے سے اُتر آیا اور اس نے اپنے سوار سپاہیوں سے بھی کہا کہ گھوڑوں سے اُتر آئیں اور گھوڑے ایک جگہ کھڑے کر کے بستی کے ارد گرد پھیلے رہیں۔

"کیا گذشتہ رات تم نے اپنی بیٹی کو قربانی کے لئے دریا میں پھینکا تھا؟" —— رومی افسر نے پوچھا۔

ہوریشس نے تو انکار ہی کرنا تھا کیونکہ یہ پہلے طے ہو چکا تھا کہ یہ ظاہر نہیں ہونے دیا جائے گا کہ یہ مخبری ہوریشس نے کی ہے۔ رومی افسر نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اپنے طور پر تفتیش کر رہا ہے' ہوریشس سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو سامنے لائے۔

"میں ابھی تمہارا جھوٹ ثابت کر دوں گا" —— رومی افسر نے کہا —— "میں جانتا ہوں تمہاری یہی ایک ہی بیٹی تھی۔ میں کسی شک پر نہیں آیا' پورے یقین کے ساتھ آیا ہوں۔ اگر تم سچے ہو تو اپنی بیٹی کو سامنے لے آؤ۔ میں تمہیں مہلت بھی دے دیتا ہوں"۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ سولہ سترہ سال عمر کی ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی دوڑی آئی اور رومی افسر کے سامنے جا کر اس نے کہا کہ میں ہوں ان کی بیٹی۔

"میں گھر میں نہیں تھی" —— لڑکی نے کہا —— "میں لڑکیوں کے ساتھ کسی دوسرے گھر کی چھت پر کھڑی دیکھ رہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک آدمی دوڑا آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ آپ لوگ میرے باپ پر یہ الزام عائد کر رہے ہیں کہ اس نے مجھے نیل کی نذر کر دیا ہے۔ میرا باپ اس لئے پریشان ہو گیا تھا کہ میں گھر میں نہیں تھی"۔

رومی افسر مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز تھی جیسے وہ جان گیا ہو کہ اسے بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ اس نے ویسے ہی ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ یہ لڑکی کس کی بیٹی ہے۔

"ہوریشس کی!" ـــــ اس آدمی نے نڈر ہو کر جواب دیا۔

رومی افسر نے ایک اور آدمی کو اپنے پاس بلا کر یہی سوال پوچھا۔

"میں حیران ہوں آپ پوچھ کیا رہے ہیں!" ـــــ اس شخص نے جواب دیا ـــــ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ بیٹی کس کی اور فلاں بچہ کس کا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ ہوریشس کی بیٹی ہے اور اس کا نام اینی ہے"۔

رومی افسر بستی کے تمام لوگوں سے مخاطب ہُوا اور یہی سوال پوچھا۔ بستی کی ساری آبادی نے بیک زبان جواب دیا کہ یہ ہوریشس کی بیٹی ہے۔ رومی افسر کو معلوم نہیں تھا کہ ان لوگوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایکا کر لیا ہے اور یہ لوگ جان گئے ہیں کہ ہوریشس کی بیٹی کی قربانی کی خبر کسی غدار نے فوجیوں تک پہنچا دی ہے اور اگر اس افسر نے ثابت کر دیا کہ یہ خبر صحیح ہے تو کوئی بعید نہیں کہ یہ بستی کو ہی آگ لگا دیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہرقل اور اس کے مقرر کئے ہوئے اسقفِ اعظم قیرس کے دلوں میں ان لوگوں کے لئے ذرا سا بھی رحم نہیں تھا جو ان کی سرکاری عیسائیت کے خلاف تھے۔

رومی افسر چکرا گیا۔ اسے شک ہُوا کہ ہوریشس کسی ذاتی وجہ کی بنا پر اسے بستی والوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ اس نے بڑے غصے کے عالم میں ہوریشس کو بازو سے پکڑا اور ایک طرف لے گیا۔

"تمہارے دل میں جو بدمعاشی ہے وہ فوراً بتا دو" ـــــ رومی افسر نے کہا ـــــ "نہیں بتاؤ گے تو یہیں سب کے سامنے تمہارا سر اڑا دیا جائے گا"۔

"سچ بولوں گا تو یہ لوگ میرا سر اڑا دیں گے" ـــــ ہوریشس نے سرگوشی میں جواب دیا ـــــ "میں سچ ہی بتاؤں گا لیکن ان لوگوں سے مجھے بچانا آپ کا کام ہے"۔

"تم سچ بولو" ـــــ رومی افسر نے کہا۔

ہوریشس نے بتا دیا کہ یہ اس کی بیٹی نہیں اور یہ فلاں شخص کی بیٹی ہے اور اس نے لڑکی کی ماں کا نام بھی بتا دیا۔

یہ بستی دریائے نیل کے کنارے پر آباد تھی۔ وہاں کنارہ خاصا اونچا اور چٹانی تھا۔ وہیں سے دریا مُڑتا تھا اور پاٹ تنگ تھا اس لئے وہاں دریا گہرا بھی تھا اور اس کا جوش و خروش بھی زیادہ تھا۔ لڑکیوں کی قربانی اسی کنارے سے لڑکی کو دھکا دے کر دی جاتی تھی۔ جس لڑکی کی قربانی دی جاتی تھی اسے نیل کی دلہن کہا جاتا تھا اور اسے ایک مقدس

آسمانی مخلوق سمجھ کر یاد کیا جاتا تھا۔

رومی افسر نے لڑکی کے باپ کو اور اس کی ماں کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی بیٹی ہے۔ دونوں نے جواب دیا کہ یہ ہوریشس کی بیٹی ہے۔ ان لوگوں کے مذہبی جذبے کا یہ عالم تھا کہ لڑکی کی ماں نے رومی افسر کو ایک دو باتیں بڑے غصے میں کہہ ڈالیں اور یہ بھی کہا کہ تم لوگ ہمیں ذلیل و رسوا کرنے کے لئے آ جاتے ہو۔

رومی افسر نے سچ معلوم کرنے کے لئے ایک انوکھی ترکیب سوچ لی۔ اس نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور دریا کے بلند کنارے پر جا کھڑا کیا۔ دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ لڑکی کو کنارے سے ذرا پیچھے رکھیں اور اس کے دائیں بائیں کھڑے رہیں۔ وہ خود لوگوں سے مخاطب ہُوا۔

"میں اس لڑکی کو دریا میں پھینک رہا ہوں" ـــــ رومی افسر نے کہا ـــــ "اگر اس کی ماں اسے بچانا چاہتی ہے تو اسے اپنے ساتھ لے جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی ماں اور لڑکی کے باپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ میں تمہیں سوچنے کی مہلت دیتا ہوں۔ کوئی جلدی نہیں۔ اچھی طرح سوچ لو"۔

لڑکی دریا کے کنارے کھڑی تھی۔ رومی فوج کے دو سپاہی اس کے قریب کھڑے تھے اور رومی افسر بستی کے لوگوں اور لڑکی کے درمیان بڑے آرام سے ٹہلنے لگا۔ اس نے بڑی اچھی ترکیب سوچی تھی۔ کوئی ماں برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی اولاد کو اس کی آنکھوں کے سامنے اتنے پُرشور دریا میں پھینک دیا جائے۔ ہوریشس اور اس کی بیوی کے جذبات سگے ماں باپ والے تو ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ توقع یہی تھی کہ لڑکی کی سگی ماں اپنی بیٹی کو بچانے کے لئے دوڑی آئے گی مگر وہاں جو ہُوا اس کی تو کسی کو توقع ہی نہیں تھی۔

ہُوا یہ کہ بستی کے ایک پہلو سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا نکلا۔ سب نے اُدھر دیکھا۔ گھوڑ سوار رومی فوج کی اس پارٹی کا عہدیدار تھا۔ اس کا رخ لڑکی کی طرف تھا۔ فاصلہ بہت ہی تھوڑا تھا۔

"اینی ہوشیار!" ـــــ گھوڑ سوار نے پُرجوش آواز میں کہا۔

لڑکی نے اُدھر دیکھا۔ سوار سرپٹ دوڑتے گھوڑے سے لڑکی کی طرف جھکا اور دایاں بازو اس کی طرف پھیلایا۔ لڑکی نے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ کسی کو کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ دونوں سپاہی جنہیں ان کے افسر نے لڑکی کے پہرے پر کھڑا کیا تھا' کچھ

سمجھ گئے اور دونوں گھوڑے کے آگے آ گئے لیکن گھوڑا ان تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے دونوں کو ایسی ٹکر ماری کہ ایک تو لڑھکتا ہُوا دریا میں جاگرا اور دوسرا دوسری طرف گرا۔ اس میں اُٹھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

گھوڑے کی رفتار اور تیز ہو گئی اور جب گھوڑا آگے نکلا تو لڑکی کنارے پر نہیں تھی بلکہ سوار کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اور اس نے دونوں بازو سوار کی کمر کے گرد لپیٹ لئے تھے۔ فوجیوں کے گھوڑے ایک طرف کھڑے تھے۔ ان کے افسر نے تعاقب کا حکم دیا لیکن تعاقب محض بیکار تھا۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہو گیا۔

فوجی اپنے گھوڑوں کی طرف دوڑے، کود کر سوار ہوئے اور اپنے عہدیدار کے پیچھے گھوڑے دوڑا دیئے۔ عہدیدار کا گھوڑا بھی فوجی گھوڑا تھا اور وہ خاصی دور نکل گیا تھا۔ تعاقب اس لئے بیکار تھا کہ آگے علاقہ کچھ پہاڑی اور زیادہ تر جنگلاتی تھا۔ عہدیدار کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دے رہے تھے جو اس کی رفتار کے ساتھ دور ہٹتے جا رہے تھے۔ سپاہی کچھ دور تک گئے اور ناکام لوٹ آئے۔

○

اس فوجی عہدیدار کا نام بِن سامر تھا۔ جواں سال اور بڑا ہی خوبرو آدمی تھا۔ وہ جب گشت پر نکلتا تو اس بستی میں ضرور آتا تھا۔ ایک بار اینی اور بن سامر کا آمنا سامنا ہو گیا۔ جگہ ایسی تھی جہاں اور کوئی نہ تھا۔ بن سامر نے اینی کا رستہ روک لیا۔ اینی مسکراتے مسکراتے سنجیدہ ہو گئی اور اس کے معصوم اور بھولے بھالے چہرے پر خوف کے آثار آ گئے۔

"تم فوجی ہو ناں!" —— اینی نے کہا —— "تم سمجھتے ہو کہ جو چاہو کر سکتے ہو۔ ہم لوگوں پر یہی الزام کافی ہے کہ ہم قبطی ہیں اور بادشاہ کے مذہب کو نہیں مانتے۔ تم مجھے زبردستی اٹھالے جاؤ گے ...."

بِن سامر پر رومانی موڈ طاری تھا۔ اس نے اینی کی یہ بات سنی تو اینی کی طرح اس کے چہرے پر بھی سنجیدگی آ گئی۔ وہ ایک طرف ہو گیا۔ اینی شاید بن سامر کے چہرے کے بدلے ہوئے تاثر سے متاثر ہو گئی۔ بن سامر نے اسے رستہ دے دیا تھا۔ اسے بھاگ جانا چاہئے تھا لیکن وہ وہیں کھڑی رہی۔

"میں تمہارے نام سے بھی واقف ہوں اینی!" —— بِن سامر نے کہا —— "تمہیں

دُور دُور سے دیکھتا رہا ہوں۔ میری نیت بد ہوتی تو تمہیں اٹھوا لینا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں تمہارے ماں باپ کو حکماً اپنی چوکی پر بلوا سکتا تھا۔ تم بھی دوڑی آتیں"۔

بن سامر جذباتی ہوتا چلا گیا اور اینی پر جیسے سحر طاری ہو گیا تھا۔ وہ بن سامر کی پُرکشش شخصیت میں تحلیل ہوتی چلی گئی۔ اس پہلی ملاقات کے بعد اینی کئی بار بن سامر سے ملی۔ بن سامر نے اینی کو عملاً یقین دلا دیا تھا کہ وہ اینی کی عصمت کا لٹیرا نہیں محافظ ہے۔

"میں تمہیں راز کی ایک بات بتانا چاہتا ہوں اینی!" —— ایک ملاقات میں بن سامر نے اینی سے کہا —— "اب مجھے تم پر اعتبار آ گیا ہے کہ تم میرے راز کو اپنا ایک بڑا ہی نازک راز سمجھو گی .... میں قبطی عیسائی ہوں لیکن ظاہر یہ کر رکھا ہے کہ میں شاہ ہرقل اور قیرس کی عیسائیت کا پیروکار ہوں لیکن میں کسی لڑکی کو نیل کی دلہن بنانے کو گناہ سمجھتا ہوں۔ میں قیرس کو اسقفِ اعظم نہیں مانتا۔ ہمارا اسقفِ اعظم بنیامین ہے۔ وہ لڑکی کی قربانی کے سخت خلاف ہے"۔

بِن سامر اور اینی عیسائی تھے۔ وہ جب چاہتے شادی کر سکتے تھے لیکن بن سامر نے اپنا اخلاقی فرض سمجھا کہ اینی کے والدین سے اجازت لے لے۔ ایک روز اس نے اینی کے والدین کے ساتھ بات کی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموش رہے۔ آخر اینی کے باپ نے کہا کہ وہ اینی کو جواب دے گا اور اینی بن سامر کو بتا دے گی۔

اگلے ہی روز بن سامر گشت کے بہانے آیا اور اینی باہر جا کر اسے ملی۔

"نہیں بن سامر!" —— اینی نے بن سامر کو اپنے باپ کا جواب سنایا —— "نہ میرا باپ رضامند ہے نہ ماں۔ وہ کہتے ہیں فوجی قابلِ اعتماد نہیں ہُوا کرتے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فوجی سرکاری عیسائیت کے پیروکار ہوتے ہیں"۔

"کیا تم نے انہیں بتایا نہیں؟" —— بن سامر نے پوچھا۔

"بتایا ہے" —— اینی نے جواب دیا —— "میں نے بتایا ہے کہ بن سامر قبطی عیسائی ہے اور بنیامین کو اپنا اسقفِ اعظم مانتا ہے۔ باپ نے کہا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کوئی فوجی کسی دوسری عیسائیت کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ باپ نے یہ بھی کہا کہ اب تم بِن سامر سے ملنا چھوڑ دو"۔

"تمہارا اپنا فیصلہ کیا ہے؟" ——بن سامر نے پوچھا۔

"میرا کوئی اور فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا" ——اینی نے جواب دیا —— "میں نے اپنے دل کو مذہب کا اور مذہب کے فرقوں کا پابند رکھا ہی نہیں۔ اپنے والدین کا فیصلہ بدلنے کی کوشش کروں گی۔ وہ نہ مانے تو میں تمہارے پاس آجاؤں گی"۔

○

اینی ابھی اپنے والدین کا فیصلہ بن سامر کے حق میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن والدین مان نہیں رہے تھے۔ اتنے میں یہ واقعہ ہو گیا۔ بن سامر نے دیکھا کہ اینی کو ہوریشس کی بیٹی بنا کر اس کے افسر کے سامنے کھڑا کر دیا تو بن سامر خاموش رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اینی کس کی بیٹی ہے۔

پھر رومی افسر نے اینی کو دریا کے اونچے کنارے پر کھڑا کر کے اعلان کیا کہ اس لڑکی کے جو بھی ماں باپ ہیں وہ آگے آجائیں ورنہ لڑکی کو دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ بن سامر کو یہ خطرہ صاف نظر آنے لگا کہ لڑکی کے اصل والدین سامنے نہیں آئیں گے اور ہوریشس سچ نہیں بولے گا اور رومی افسر اینی کو نیل میں دھکیل دے گا۔ بن سامر اس طرح بستی کے اندر چلا گیا کہ اسے کوئی دیکھ نہ سکا۔ اس کا گھوڑا بستی کے باہر تھا۔ سب کی نظروں سے اوجھل ہو کر بن سامر دوڑ کر اپنے گھوڑے تک پہنچا' کود کر سوار ہُوا اور پیشتر اس کے کہ کوئی سنبھل اور دیکھ سکتا کہ یہ کیا ہُوا ہے' بن سامر اینی کو لے اُڑا اور پیچھے تڑپتا ہُوا ایک سپاہی رہ گیا۔ دوسرا سپاہی دریا میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

رومی افسر غصے سے باؤلا ہونے لگا۔ اس نے ہوریشس اور اس کی بیوی کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر رنج یا افسوس کا کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ اس افسر کے لئے یہ معلوم کرنا کہ اینی کس کی بیٹی تھی بہت ہی مشکل تھا لیکن جس ماں اور جس باپ کی وہ بیٹی تھی وہ کیسے برداشت کر لیتے کہ ان کی بیٹی کو ایک فوجی لے گیا ہے۔

اینی کا باپ افسر کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ یہ گھوڑ سوار کون تھا جو اس کی بیٹی کو لے گیا ہے۔ صحیح بات سامنے آگئی۔ رومی افسر نے غصے میں حکم دیا کہ بستی کو آگ لگا دو۔ لوگ تڑپ اٹھے اور سب نے واویلا بپا کر دیا۔ رومی افسر نے انہیں خاموش کرایا اور کہا کہ کوئی ایک آدمی بات کرے۔

لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ سب ان پڑھ اور پسماندہ ہیں۔ مذہب کے معاملات کو

نہیں سمجھتے۔ انہیں پادری جو بات کہتے ہیں وہ اسی کو صحیح مان لیتے ہیں۔ کوئی ماں باپ پنی نوجوان اور کنواری بیٹی کو دریا میں پھینک دینا برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ مذہبی یشواؤں کا عقیدہ ہے اور وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ نیل کو کچھ عرصے بعد ایک کنواری کی نہ دو تو یہ لوگوں کے لئے قہر اور غضب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

"میں بھی تمہاری طرح عیسائی ہوں" ——رومی افسر نے کہا —— "اور میں قبطی بھی وں لیکن لڑکی کی قربانی کو میں ظلم اور بہت بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ کیا تھا پھر ہم کس طرح مان لیں کہ ایک لڑکی کی جان لینا عیسائیت میں جائز ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوڑھیوں کو شفا بخشی تھی ر انہوں نے پیار اور محبت کا راستہ دکھایا تھا.... کیا تم نہیں جانتے ہمارا خدا کون ہے؟ ارا خدا وہ ہے جو ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دکھایا تھا۔ یہ دریا ہمارا خدا نہیں ہو کتا اور یہ وصف خدا کا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک معصوم انسان کی جان لے کر خوش ہوتا و"۔

"پھر ہمیں یہ بتا" ——ایک آدمی نے پوچھا —— "کیا ہم وہ عیسائیت قبول کر لیں جو مارے بادشاہ ہرقل نے رائج کی ہے؟"

رومی افسر اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ ہرقل کی فوج کا افسر تھا اور ں کی وفاداری ہرقل کے ساتھ تھی۔ اگر وہ کہہ دیتا کہ ہرقل والی عیسائیت صحیح نہیں اور ں کی مخبری ہو جاتی تو اس کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے صرف یہ کہا کہ لڑکی کی قربانی قتل جیسا جرم ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

اس نے ہوریشس سے پوچھا کہ اس نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔

"میری یہی ایک بیٹی تھی" ——ہوریشس نے کہا —— "ان لوگوں نے بڑے پادری ے حکم سے اسے دریا میں پھینک دیا.... میں اس کوشش میں تھا کہ بستی والوں کو پتہ نہ چلے کہ میں نے مخبری کی ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ بستی کو جلا دینے کا حکم دے رہے ں تو میں سچ بول رہا ہوں۔ میں بستی کو نذرِ آتش ہونے سے بچانا چاہتا ہوں' اگر بستی لے مجھے غداری کی سزا دینا چاہیں تو مجھے وہ سزا قبول ہے"۔

"یہ خوف دل سے نکال دو" ——رومی افسر نے کہا —— "میری موجودگی میں تمہیں وئی سزا نہیں دے سکتا.... میں تم سب کی تعریف کرتا ہوں کہ تم میں اتحاد اور اتفاق

ہے۔ میں تمہارا یہ اتحاد قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری بستی کو کوئی نہیں جلائے گا لیکن اس بستی میں سے کسی لڑکی کی قربانی دی گئی تو پھر میرا رویّہ وہی ہو گا جو شاہ ہرقل کے حکم کے مطابق ہونا چاہئے"۔

"ہم اپنے بڑے پادری کے حکم کے پابند ہیں" ——ایک آدمی نے کہا۔

رومی افسر نے ان لوگوں سے معلوم کر لیا کہ بڑا پادری کہاں رہتا ہے اور اس کے ساتھ اس قسم کی کارروائیوں میں کون کون ہوتا ہے۔ لوگوں نے رومی افسر کو یہ ساری معلومات دے دیں۔ ہوریشس نے ماہی گیروں کے سردار کا نام بھی بتا دیا۔

رومی افسر نے اُسی وقت وہاں سے اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور اُس بستی کی طرف گھوڑوں پر سوار ہو کر چلا گیا جس میں بڑا پادری رہتا تھا۔ پادری وہاں مل گیا۔ اس کے تین چار چیلے بھی اسی بستی میں رہتے تھے۔ ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُسی رات رومی افسر اُس بستی میں پہنچا جہاں ماہی گیروں کا سردار بابا رہتا تھا۔ اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔

○

دوسرے دن رومی افسر چند ایک گھوڑ سوار سپاہیوں کے ساتھ پھر اس بستی میں جا پہنچا جہاں لڑکی کی قربانی دی گئی تھی۔ اب اس کے ساتھ فوج کا ایک بڑا افسر بھی تھا۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ بڑا پادری' پادری کے تین چار ساتھی اور ماہی گیروں کا بابا بھی تھا۔ یہ سب زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور ان کے پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ بستی کی ساری آبادی کو باہر نکال لیا گیا۔ زنجیروں میں بندھے ہوئے ملزموں کو دریا کے اونچے چٹانی کنارے پر کھڑا کر دیا گیا۔

"انہیں غور سے دیکھو" ——بڑے فوجی افسر نے لوگوں سے کہا اور پوچھا——"کیا یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے پہلے ایک لڑکی کو یہاں سے دریا میں پھینکا تھا اور پھر ہوریشس کی بیٹی کو بھی دریا میں پھینک دیا تھا؟"

"یہی ہیں" ——یہ ہوریشس کی آواز تھی۔

"یہی ہیں" ——دو تین اور آوازیں اٹھیں۔

"سب بولو" ——فوجی افسر نے کہا۔

"ہاں' یہی ہیں" ——ساری آبادی بول اٹھی۔

افسر نے سر سے اشارہ کیا۔ سپاہی مجرموں کی طرف دوڑے گئے' ان کی زنجیریں اور

بیڑیاں اتار لیں اور انہیں دریا کے اونچے کنارے پر کھڑا کر دیا۔ دوسرے کئی ایک سپاہیوں کے پاس تیر اور کمانیں تھیں۔ اپنے افسر کے اشارے پر انہوں نے کمانوں میں تیر ڈالے اور دوسرے ہی لمحے یہ تیر مجرموں کے جسموں میں داخل ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ اس طرح گرے کہ بلند کنارے سے دریا میں جا پڑے اور جو ایک دو کنارے سے ہٹ کر گرے انہیں سپاہیوں نے پاؤں کی ٹھوکروں سے دریا میں پھینک دیا۔

اُس وقت بن سامر اور اینی وہاں سے بہت دور ریگستان میں جا رہے تھے۔ اینی بن سامر کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھی تھی۔

"مجھے صرف اپنے ماں باپ کا خیال آتا ہے" ——اینی کہہ رہی تھی ——"رومی فوجی انہیں مار ڈالیں گے"۔

"کچھ تو قربانی دینی پڑتی ہے اینی!" ——بن سامر نے کہا ——"میرے بھی ماں باپ ہیں اور یہ بھی دیکھو کہ میں نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا ہے۔ میں جب پکڑا جاؤں گا تو مجھے جلّاد کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ایک تو میں نے فوجی قانون کی خلاف ورزی کی ہے اور فوج کے دو سپاہیوں کو مار آیا ہوں۔ وہ جو دو سپاہی میرے گھوڑے کے آگے آگئے تھے وہ زندہ نہیں رہے ہوں گے۔ اب پیچھے نہ دیکھو' آگے کا خیال کرو۔ میں تمہیں قبطی عیسائیوں کے بڑے پادری بنیامین کے پاس لے جا رہا ہوں۔ وہ کوئی راستہ دکھا دے گا"۔

بن سامر کو بنیامین کے ٹھکانے کا علم تھا۔ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ بنیامین شہروں اور بستیوں سے بہت دور دشوار گذار ریگستان میں ایک ایسی جگہ روپوش تھا جس کے اردگرد ریت اور مٹی کے ٹیلے اور نشیب و فراز تھے۔ بن سامر کو یہ ٹھکانہ اس طرح معلوم تھا کہ وہ بنیامین کی ہی ایک خفیہ تنظیم کا آدمی تھا۔

ہرقل نے قیرس نام کے ایک بڑے پادری کو اپنی بنائی ہوئی عیسائیت کا اسقفِ اعظم بنا دیا اور اسے کلی اختیارات دے دیئے تھے کہ وہ ظلم اور درندگی کے ذریعے سرکاری عیسائیت لوگوں سے منوائے۔ قیرس نے کسی ایسے پادری کو زندہ نہیں رہنے دیا تھا جس نے اس کی اور ہرقل کی عیسائیت قبول نہیں کی تھی۔ انہیں صرف مار ہی نہیں ڈالا تھا بلکہ ایسی اذیتیں دی تھیں کہ وہ مرتے بھی نہیں اور جیتے بھی نہیں تھے۔ مثلاً" اپنے مخالف کے کپڑے اتار کر اور لٹا کر اس کے جسم پر دہکتے ہوئے انگارے یا جلتی ہوئی

مشعلیں رکھ دی جاتی تھیں اور پھر اسے کہا جاتا تھا کہ وہ ہرقل کی عیسائیت کو قبول کرلے اور اسی عیسائیت کو گرجوں میں رائج کرے۔

یہ تو سرکاری کارروائیاں تھیں جو کھلم کھلا کی جاتی تھیں تاکہ لوگوں کے دلوں پر دہشت طاری ہو جائے لیکن بنیامین نے ایک خفیہ تنظیم بنالی تھی جس میں عیسائیت کے عالم بھی تھے اور بن سامر جیسے دلیر اور نڈر فوجی بھی تھے جو اپنی جان پر کھیل جانے کو ایک کھیل ہی سمجھتے تھے۔ بن سامر اسی تنظیم کا جانباز تھا۔ اسے بنیامین کے ہاں ہی پناہ مل سکتی تھی۔

○

بن سامر اور اینی کو ایک رات اور راستے میں گزارنی پڑی اور اگلے روز وہ بنیامین کے پاس پہنچ گئے۔

"کیا کر آئے بن سامر!" ——بنیامین نے پوچھا —— "یہ لڑکی کون ہے؟"

"اپنے عقیدے کے لئے تو کچھ نہیں کیا" ——بن سامر نے جواب دیا —— "اپنی ذات اور اپنے جذبات کے لئے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے"۔

اس نے بنیامین کو ساری بات سنادی۔

"کوئی بُرا نہیں کیا" ——بنیامین نے کہا —— "تم نے اپنی محبت اور اس لڑکی کی جان بچانے کے لئے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ تمہیں چھپ کر رہنا پڑے گا"۔

"رہوں گا تو میں چھپ کر ہی!" ——بن سامر نے کہا —— "لیکن میں بیکار نہیں بیٹھوں گا۔ میں شاہی عیسائیت کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتا رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں"۔

بنیامین نے کچھ عالمانہ سی باتیں شروع کردیں۔

"قابلِ احترام اسقف!" ——بن سامر نے کہا —— "میرے پاس اتنا علم نہیں کہ آپ کی یہ باتیں سمجھ سکوں۔ مجھے صرف یہ بتائیں کہ صحیح عقیدے کو لوگوں میں پھیلانے کے لئے کسے قتل کرنا ہے اور کوئی اپنا دشمن بتائیں جس سے آپ کو بہت ہی خطرہ ہو اور میں جاکر اسے قتل کردوں"۔

"ابھی تم خود قتل ہونے سے بچو" ——بنیامین نے کہا —— "تم فوجی قانون کے مطابق جو جرم کرکے آئے ہو اس کی سزا تم جانتے ہی ہو کیا ہے۔ ابھی اپنے آپ کو

رُوپوش رکھو۔ کچھ عرصے بعد میں تمہارا حلیہ بدل کر تمہیں اصل مقصد کے لئے استعمال کروں گا"۔

"میں ایک بات سمجھتا ہوں" ——بن سامر نے کہا —— "ہرقل کو عیسائیت کی توہین کی جو سزا ملی ہے اس سے اس نے عبرت حاصل نہیں کی۔ شام کا اتنا بڑا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اس کی آدھی سے زیادہ فوج مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ مری ہے اور اس وقت جو فوج اس کے پاس ہے اس پر عرب کے مسلمانوں کی ایسی دہشت طاری ہے کہ کوئی مذاق میں ہی کہہ دے کہ مسلمان مصر پر بھی حملہ کریں گے تو ہمارے فوجیوں کے رنگ پیلے پڑ جاتے ہیں"۔

"مذہب کی توہین جس نے بھی کی اُسے ایسی ہی سزا ملی" ——بنیامین نے کہا —— "اسلام کی طرح عیسائیت بھی ایسا مذہب ہے جس پر خدا نے کتاب نازل کی ہے۔ ہرقل نے شہنشاہیت کے نشے میں اس مقدس کتاب کی خلاف ورزی کی ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ مصر بھی ہرقل کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مذہب کو فرقوں میں بانٹ دینا بہت بڑا گناہ ہے"۔

"کیا مسلمان مصر پر چڑھائی کریں گے؟" ——بن سامر نے پوچھا۔

"اب تک کر چکے ہوتے" ——بنیامین نے کہا —— "لیکن مسلمانوں پر قحط کا ایسا عذاب نازل ہُوا ہے کہ سارے عرب میں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ مجھے وہاں کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ قحط ختم ہونے تک تو مسلمان فوج کشی کی سوچ بھی نہیں سکتے"۔

"اسقفِ اعظم!" ——بن سامر نے کہا —— "ایک بات دل میں آتی ہے۔ مسلمان جب کبھی مصر پر حملہ کریں گے تو ہمیں ان کے خلاف لڑنا پڑے گا لیکن میں سوچتا ہوں کہ جس طرح مسلمان ہرقل کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اسی طرح وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ کیا ہمیں ہرقل کی وفاداری کرنی چاہئے؟"

"یہ مسئلہ میرے سامنے آچکا ہے" ——بنیامین نے کہا —— "شام سے تین مسلمان جاسوس میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کیا تھا لیکن میں نے ان کی اصلیت جان کر انہیں بتا بھی دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان لشکر مصر پر حملہ آور ہوں تو عیسائی ہرقل کے خلاف حملے سے پہلے یا حملے کے دوران باغی ہو جائیں۔ ان کے خلیفہ اور سالاروں کا مقصد یہ ہے کہ پہلے ہرقل کو مصر سے نکالا جائے، اس کے بعد

مسلمان اور عیسائی آپس کے معاملات طے کر لیں گے .... تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں قبطی عیسائی تماشائی بنے رہیں گے لیکن یہ بھی سن لو کہ ابھی یہ میرا آخری فیصلہ نہیں البتہ یہ فیصلہ ضرور ہے کہ قبطی عیسائی ہرقل کے وفادار نہیں ہوں گے"۔

یہ تو بعد کی باتیں تھیں۔ بن سامر کو کچھ عرصے تک روپوش رہنا تھا۔ ایک لڑکی کو بھگا لے جانا ان کے ہاں کوئی جرم نہیں تھا' اصل جرم تو یہ تھا کہ بن سامر نے فوجی قانون توڑا اور دو سپاہیوں کو مار گیا تھا۔

○

سالار عمروؓ بن عاص نے اویس اور رابعہ کی شادی کر دی۔ یہ بیت المقدس کی بات ہے۔ عمروؓ بن عاص اب امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ جانا چاہتے تھے تاکہ ان سے مصر پر حملے کی اجازت لیں مگر ان کی روانگی سے پہلے ہی مدینہ سے پیغام آ گیا کہ خشک سالی نے ایسا قحط پیدا کر دیا ہے کہ لوگ مر رہے ہیں۔

اس کے بعد تو کسی کو ہوش ہی نہ رہی کہ قحط زدہ لوگوں کے پیٹ میں روٹی ڈالنے کے علاوہ کچھ اور بھی سوچ سکتے۔ قحط کی تباہ کاریاں نو مہینے پورے جوش و خروش سے جاری رہیں۔ عمروؓ بن عاص کے ذہن سے تو جیسے مصر نکل ہی گیا تھا۔ قحط کی زد میں تو صرف عرب آیا لیکن قحط زدہ علاقوں کو خوراک مہیا کرنا عراق اور شام کے امراء کی ذمہ داری تھی۔ آخر انہیں یہ خبر پہنچی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابرِ رحمت برسا دیا ہے تو عمروؓ بن عاص کو خیال آیا کہ وہ تو مصر پر حملے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔

اویس رابعہ کے ساتھ ابھی بیت المقدس میں ہی تھا۔ اس کے دونوں جاسوس ساتھی بھی جو مصر جا کر بنیامین سے مل آئے تھے ابھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ انہیں مختلف علاقوں سے بلایا گیا تھا کیونکہ یہ بہت ہی تجربہ کار اور ذہین جاسوس تھے۔ انہیں اپنے اپنے لشکروں میں واپس چلے جانا چاہئے تھا لیکن عرب کے قحط نے سارا نظام ہی تہ و بالا کر ڈالا تھا اس لئے یہ تینوں جاسوس مجاہدین بیت المقدس میں ہی پڑے رہے۔

قحط کے بعد جب انتظامی حالات معمول پر آئے تو سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے عمروؓ بن عاص کو پیغام بھیجا کہ تینوں مجاہدین کو ان کی اصل جگہوں پر واپس بھیج دیں۔ اویس حلب سے آیا تھا اور وہ رہنے والا بھی وہیں کا تھا اس لئے اسے واپس حلب جانے کا حکم مل گیا۔

رابعہ جو قبول اسلام سے پہلے روزی ہُوا کرتی تھی مصر سے واپس آتے ہی اویس کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ وہ حلب اپنے ماں باپ سے ملنے کے لئے جانا چاہتی ہے۔ اویس اسے کہتا تھا کہ وہ اپنے والدین اور دوسرے قریبی عزیزوں سے ملنے کے لئے اتنی بے تابی نہ دکھائے کیونکہ وہ اسے دیکھ کر خوش نہیں ہوں گے اور اس کے قبولِ اسلام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ اویس بھی نو مسلم تھا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ جو سنتا وہ حیران ہوتا' یہ تو اُس وقت کا ایک معمول تھا۔ غیر مسلم مسلمانوں کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر قبولِ اسلام کرتے ہی رہتے تھے لیکن اویس نے اسلام قبول کیا تو نہ جانے کیوں اس کے بھائی' باپ اور دوست اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ صرف ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے جو یہ ہو سکتی ہے کہ اویس غیر معمولی طور پر دلیر اور بے خوف تھا اور اس کا جسم تو پھرتیلا تھا ہی' اس کے دماغ میں ایک خاص قسم کی مستعدی اور دانشمندی تھی۔ اس کے عزیزوں نے یہی سوچا ہو گا کہ اتنا قیمتی اور ایسا جواں سال آدمی ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

اس نے رابعہ کو یہ صورتِ حال یاد دلائی تھی اور یہ بھی کہ خود رابعہ نے اسے دھتکار دیا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رابعہ جب روزی ہُوا کرتی تھی تو اویس کو جب وہ رابن ہُوا کرتا تھا' دل و جان سے چاہتی تھی لیکن رابن جب اویس بن گیا تو روزی نے اسے واضح الفاظ میں یہ کہہ کر دھتکار دیا تھا کہ وہ اب مسلمان ہو گیا ہے۔ اب وہ رابعہ سے کہتا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ رابعہ کے والدین اور رشتے دار اسے بھی دھتکار دیں گے۔ رابعہ اسلام کے خلاف ہُوا کرتی تھی لیکن اویس اور اس کے دونوں ساتھیوں نے مصر میں اسے جس طرح نیل کی دلہن بننے سے بچایا اور پھر ایک پاکیزہ اور مقدس چیز سمجھ کر اپنے پاس رکھا' اس سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ دلی خوشی سے روزی سے رابعہ بن گئی۔

"میں اپنے والدین سے ضرور ملوں گی" ــــ رابعہ اویس سے کہتی تھی ــــ "ایک تو وہ میرے والدین ہیں اور دوسرے میرا یہ ارادہ بھی ہے کہ انہیں قائل کروں گی کہ وہ بھی اسلام قبول کر لیں"۔

اس نے یہ بات اویس سے تین چار مرتبہ کہی تھی اور ہر بار اویس اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑا تھا۔ اویس کی مجبوری تھی کہ اسے حلب واپس جانا پڑا۔ ویسے اس نے حلب کو دل سے اتار دیا تھا۔ رابعہ بہت ہی خوش تھی کہ وہ اپنے شہر' اپنے ماں باپ کے پاس جا

ہی ہے۔

○

حلب پہنچ کر اویس رابعہ کو اپنے ٹھکانے پر لے گیا۔ پہلے تو وہ غیر شادی شدہ مجاہدین کی طرح لشکر کے ساتھ رہتا تھا لیکن اب بیوی ساتھ ہونے کی وجہ سے اسے لشکر کی طرف سے چھوٹا سا ایک مکان دے دیا گیا۔ اویس کو اپنے کسی بھی عزیز سے ملنے کا ذرا سا بھی شوق نہیں تھا لیکن رابعہ نے اسے ضد کر کے تیار کر لیا کہ اس کے، ماں باپ سے ملنے چلے۔ اویس اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس شرط پر اس کے ساتھ چل پڑا کہ وہ باہر کھڑا رہے گا اور اگر اس کے والدین پسند کریں گے تو وہ اندر جائے گا۔

والدین کے دروازے پر پہنچ کر اویس باہر کھڑا رہا اور رابعہ بچوں کی سی شوخی کرتی اندر چلی گئی۔ گھر کے جس فرد نے بھی اسے دیکھا وہ حیران بعد میں ہُوا' اس سے پہلے خوفزدہ ہُوا کہ یہ ان کی روزی نہیں اس کی روح یا بدروح ہے۔ روزی کو تو وہ مرا ہُوا سمجھ بیٹھے تھے۔ وہ پاگل پن کی کیفیت میں شہر سے بھاگی تھی۔ ایک سال اور کچھ مہینے گزر گئے تھے۔ اب تو اس کی واپسی کی امید بھی ختم ہو گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو!" ـــــ رابعہ نے اپنے ماں باپ اور دیگر اہل خانہ سے کہا ـــــ "میں زندہ ہوں بلکہ پہلے سے زیادہ زندہ ہوں"۔

"کیا تم واقعی زندہ روزی ہو؟" ـــــ ماں نے بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ماں!" ـــــ رابعہ نے کہا ـــــ "روزی مر گئی ہے' میں اب رابعہ ہوں۔ میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ میرا خاوند باہر کھڑا ہے۔ میں اسے اندر لاتی ہوں"۔

رابعہ کی ماں کے پھیلے ہوئے بازو نیچے گر پڑے۔ اسے روزی کا قبولِ اسلام بہت بُرا لگا تھا۔ روزی نوعمر لڑکی تھی۔ اسے ابھی اتنا تجربہ حاصل نہیں ہُوا تھا کہ چہرے سے کسی کا ردِّ عمل محسوس کر سکتی۔ ویسے بھی وہ جذبات کے غلبے میں آئی ہوئی تھی اور بہت خوش تھی۔ ماں اور دیگر اہلِ خانہ کا ردِّ عمل سمجھے بغیر وہ باہر کو دوڑی اور اویس کو بازو سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ اویس اس خیال سے اس کے ساتھ چلا گیا کہ اس کے والدین نے اسے اندر لانے کی اجازت دے دی ہو گی۔

اویس اندر گیا تو اسے رابعہ کا باپ سامنے کھڑا نظر آیا۔ اویس نے اس کے ساتھ

مصافحہ کرنے کے لئے دونوں ہاتھ آگے کئے لیکن رابعہ کے باپ نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔ رابعہ کی ماں نے اویس کو حقارت سے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ رابعہ کا ایک بڑا بھائی اور اس کی بیوی بھی گھر میں تھی۔ ان دونوں نے بھی اویس کے ساتھ ایسی ہی حقارت آمیز بے رخی کا مظاہرہ کیا۔

"دیکھ لیا رابعہ!" ـــــ اویس نے کہا ـــــ "کیا وہی نہیں ہُوا جو میں کہتا تھا؟ انہیں بتاؤ میں تمہیں کہاں ملا تھا اور کس طرح تمہیں موت کے منہ سے نکالا تھا۔ ان لوگوں میں اتنا بھی اخلاق نہیں کہ اپنے داماد کے ساتھ وہ سلوک کریں جو دامادوں کا حق ہوتا ہے"۔

"ہم نے تمہیں اپنا داماد نہیں بنایا" ـــــ رابعہ کے باپ نے کہا ـــــ "تم خود گمراہ ہوئے تھے اور تم نے ہماری بیٹی کو بھی گمراہ کر دیا ہے۔ ہم اس گھر میں تمہیں اچھے سلوک کا حق نہیں دے سکتے"۔

رابعہ کا چہرہ غصے اور ندامت سے سرخ ہو گیا۔ اویس نے اسے کہا کہ وہ انہیں بتائے کہ لوگوں نے اسے دھوکے میں کہاں تک پہنچا دیا تھا اور اویس نے اسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کس طرح بچا لیا تھا.... رابعہ نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ بیٹھ جائیں اور سنیں کہ اس پر کیا بیتی تھی اور کس طرح اللہ نے یہ تین فرشتے آسمان سے اتارے تھے۔

سب بیٹھ گئے۔ رابعہ نے اویس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس پر جو بیتی تھی وہ سنانی شروع کر دی۔ وہ جوں جوں سناتی جا رہی تھی' اس کے گھر کے افراد کے چہرے نارمل حالت پر آتے جا رہے تھے۔ آخر میں اس نے کہا کہ وہ اس قدر مجبور اور بے بس تھی کہ اویس اور اس کے ساتھی اسے جتنا چاہتے خراب کر سکتے تھے لیکن انہوں نے فرشتوں جیسا سلوک کیا۔

"میں اس اخلاق اور سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئی ہوں" ـــــ رابعہ نے کہا ـــــ "ورنہ تمہیں یاد ہو گا ماں! میں اویس کو دِلی طور پر چاہتی تھی جب یہ راہب ہُوا کرتا تھا لیکن یہ مسلمان ہُوا تو میں نے اس سے تعلق توڑ لیا تھا۔ میں کہتی ہوں کہ جتنا اچھا اخلاق مسلمانوں کا ہے اتنا کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ مصر میں جا کر دیکھو۔ عیسائی بادشاہ ہرقل عیسائیوں کا خون بہا رہا ہے۔ وہاں تو یہ مسئلہ ہی حل نہیں ہو رہا کہ سچی اور صحیح عیسائیت

کون سی ہے.... بادشاہ کی یا رعایا کی!"

رابعہ بولتی چلی گئی' اویس خاموش بیٹھا رہا اور گھر کے افراد چپ چاپ سنتے رہے۔

"میں تو کسی اور ارادے سے آئی تھی" ـــــ رابعہ نے کہا ـــــ "میں کہتی ہوں تم سب اسلام قبول کرلو"۔

"کون سے مسلمانوں کی بات کر رہی ہو؟" ـــــ باپ نے کہا ـــــ "وہ مسلمان کوئی اور تھے جن کے اخلاق سے غیر مسلم متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلام نے شراب کو ویسے ہی حرام قرار دیا ہے جیسے خنزیر کو۔ میں جانتا ہوں مسلمان شراب کی بُو سے بھی بھاگتے ہیں لیکن یہاں بعض مسلمانوں نے شراب نوشی شروع کر دی ہے اور وہ شراب کو حلال سمجھنے لگے ہیں"۔

"میں نہیں مانتا" ـــــ اویس نے کہا ـــــ "آپ یہ کہیں کہ میں نے اور آپ کی اس بیٹی نے اسلام قبول کر کے اچھا نہیں کیا۔ مسلمانوں پر جھوٹا الزام عائد نہ کریں"۔

"یہ الزام نہیں" ـــــ رابعہ کے باپ نے کہا ـــــ "میں تمہیں ایسے مسلمان دکھا سکتا ہوں اور دکھاؤں گا"۔

"یہ ان کا ذاتی فعل ہے" ـــــ اویس نے کہا ـــــ "اسلام نے یا خلیفہ نے یا مسلمانوں نے بحیثیت قوم انہیں شراب پینے کی اجازت نہیں دی نہ ہی اسلام نے شراب کو حلال قرار دے دیا ہے"۔

"یہ تمہیں کچھ وقت گزر جانے کے بعد پتہ چلے گا" ـــــ رابعہ کے باپ نے کہا ـــــ "ان شراب نوش مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو رہی۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی شراب پینے لگیں گے۔ شراب کا نشہ عقل پر غالب آ جاتا ہے پھر انسان دوسرے گناہوں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔ اگر اس قوم میں شراب چل نکلی تو اس کا وہ حسنِ سلوک ختم ہو جائے گا جس سے متاثر ہو کر غیر مسلم اسلام قبول کر لیتے ہیں"۔

اویس کے ساتھ رابعہ بھی اکتانے لگی کہ اس کا باپ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ اپنے باپ کو وہ جانتی تھی کہ اپنے مذہب کے معاملے میں وہ بڑا ہی سخت ہے بلکہ عیسائیت اس کے دل و دماغ پر جنون کی طرح طاری تھی۔ اس نے بہتر سمجھا کہ اپنے باپ کی اس الزام تراشی کو یہیں روک دے۔ اس نے

باپ سے کہا کہ وہ آئندہ بھی اویس کو اپنے ساتھ لانا چاہتی ہے' کیا باپ اس کی اجازت دیتا ہے؟

"نہیں!" ـــــ باپ نے فوراً اپنا فیصلہ سنا دیا ـــــ "تم دونوں کے لئے میرے گھر کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اگر تم دونوں واپس عیسائیت میں آ جاؤ تو میں تمہارے لئے اپنے دل اور اپنی روح کے بھی دروازے کھول دوں گا"۔

"ہم اب کسی غلط دروازے میں داخل نہیں ہوں گے" ـــــ اویس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہُوا۔ رابعہ کو اٹھایا اور بولا ـــــ "چلو رابعہ! میں اپنی توہین اور بے عزتی برداشت کر سکتا ہوں' اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ذرا سی جھوٹی تہمت بھی برداشت نہیں کروں گا۔ میں یہاں کئی اور عیسائیوں کو مسلمان کر لوں گا"۔

"شاید تم ایسا نہیں کر سکو گے" ـــــ رابعہ کا بڑا بھائی جو اُس وقت تک خاموش تھا' بولا ـــــ "روزی! اسے اسلام کی تبلیغ سے روکنا ورنہ ...."

"میں روزی نہیں رابعہ ہوں میرے بھائی!" ـــــ رابعہ نے کہا ـــــ "یہ اپنے مذہب کے لئے جو بہتر سمجھے گا کرے گا' میں اسے نہیں روکوں گی"۔

اویس اور رابعہ وہاں سے نکل آئے۔ رابعہ کا بھائی دونوں کو دروازے سے نکل جانے تک گھورتا رہا تھا۔



اویس بہت بہادر مجاہد ہی سہی' بڑا ذہین اور عقل و دانش والا جاسوس ہی سہی لیکن وہ رابعہ کے بھائی کی نیت اور نظریں نہ بھانپ سکا۔ اس بھائی نے اویس کو بڑے تحمل سے کہا تھا کہ شاید تم ایسا نہیں کر سکو گے لیکن اس تحمل میں ایک طوفان چھپا ہُوا تھا جسے اویس دیکھ نہ سکا' محسوس بھی نہ کر سکا تھا۔ اس گھر سے نکل کر وہ رابعہ سے کہتا جا رہا تھا کہ وہ پھر کبھی اسے یہاں نہ لائے۔

"نہیں لاؤں گی اویس!" ـــــ رابعہ نے کہا ـــــ "توقع نہیں تھی کہ میرے ماں باپ مجھے اس طرح دھتکار دیں گے .... ایک خیال رکھنا اویس! میرا باپ مذہب کا پرستار ہے لیکن میرا یہ بھائی ٹھیک آدمی نہیں"۔

"یہ میرا کیا بگاڑ لے گا!" ـــــ اویس نے کہا ـــــ "اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق ہی نہیں نہ اس کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا ہے"۔

رابعہ نے یہ جو کہا تھا کہ اس کا بھائی ٹھیک آدمی نہیں اس کا اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ ٹھیک نہیں تو کس حد تک بُرا آدمی ہے اور اس میں کیا بُرائی ہے۔ رابعہ کا یہ بھائی مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ رومی فوج میں عارضی طور پر شامل ہو کر ایک دو مرتبہ مسلمانوں کے خلاف لڑا بھی تھا لیکن یہ محسوس کر کے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست نہیں دی جا سکتی' وہ فوج سے نکل آیا اور مسلمانوں کے خلاف زمین دوز تخریبی کارروائیوں کا ارادہ کر لیا۔ اس نے تین چار اپنے جیسے دوستوں کو ساتھ ملا لیا تھا لیکن ابھی تک وہ کوئی ایسی تخریبی کارروائی نہیں کر سکا تھا جس سے مسلمانوں کو کوئی نمایاں نقصان پہنچتا۔ اس نے تبلیغی مہم بھی شروع کی تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اپنے مذہب عیسائیت کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی شادی سے بہت پہلے نوجوانی کے وقت اسے ایک لڑکی سے محبت تھی اور اس کی شادی اسی لڑکی کے ساتھ ہونی تھی لیکن جس طرح رابعہ اور شارینا کسی مجاہد سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی تھیں اسی طرح یہ لڑکی بھی کسی ایسی ہی صورتِ حال میں ایک عربی مجاہد سے ایسی متاثر ہوئی کہ رابعہ کے بھائی کو ٹھکرا کر اور پھر اسلام قبول کر کے اس مجاہد کی رفیقۂ حیات بن گئی تھی۔

اب اس شخص کی اپنی بہن نے اسلام قبول کر کے ایک نو مسلم کے ساتھ شادی کر لی تو اسے اپنی پہلی محبت یاد آ گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک بڑا ہی خوفناک ارادہ اس کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اویس اور رابعہ کے چلے جانے کے بعد وہ گھر سے نکلا اور اپنے دو تین دوستوں کو اکٹھا کر لیا۔ انہیں اویس اور رابعہ کی بات سنائی اور کہا کہ اویس کہتا ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرے گا۔

"ہم اسے کس طرح روک سکتے ہیں؟" ـــــ ایک دوست نے پوچھا۔

"قتل!" ـــــ رابعہ کے بھائی نے دو ٹوک لہجے میں کہا ـــــ "ہم نے آج تک کوئی ایسی کارروائی نہیں کی جس سے اسلام کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ ہم صرف باتیں کرتے رہے ہیں اور عملاً کچھ بھی نہیں کیا ہے"۔

دوست اویس کے قتل پر رضامند ہو گئے اور سوچنے لگے کہ قتل کس طرح کیا جائے۔ کچھ دیر اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا اور انہوں نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ یہ بھی طے کر لیا کہ کون آدمی اویس کو جھانسہ دے کر قتل کی جگہ تک لائے گا۔

چار پانچ دن گزر گئے۔ اویس ان کے پھندے میں نہ آ سکا کیونکہ وہ اپنے فرائض میں مصروف ہو گیا تھا۔ ان دنوں میں جو گزر گئے تھے' ان لوگوں کا یہ ارادہ مکمل طور پر مستحکم ہو گیا کہ اویس کو قتل کر کے ہی رہیں گے۔

○

آخر ایک روز اویس اُس شخص کو مل گیا جس کے ذمے یہ کام تھا کہ اویس کو جھانسہ دے کر قتل والی جگہ پہنچائے گا۔ انہوں نے قتل کا منصوبہ نہایت اچھا بنایا تھا۔ رابعہ کے بھائی نے اویس کی اس بات کو سامنے رکھا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرے گا۔ اویس کو دھوکے میں شہر سے باہر لے جانے والے آدمی نے اویس سے کہا کہ دو تین عیسائی مسلمان ہونا چاہتے ہیں لیکن وہ کچھ جاننا اور سمجھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ وہ خود بھی مسلمان ہو جائے گا۔

اویس شام کے بعد اس شخص کے ساتھ اُس طرف چل پڑا جہاں اُسے قتل کرنا تھا اور پھر اس کی لاش غائب کر دینی تھی۔ اویس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی ایسی محبت اور عقیدت پیدا ہو گئی تھی کہ اس نے یہ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔

وہ اس شخص کے ساتھ شہر سے باہر نکل گیا۔ اسے یہ بتایا گیا تھا کہ یہ آدمی شہر سے باہر ایک جگہ بیٹھے ملیں گے اور وہاں بات ہو گی۔ اس قاتل پارٹی نے ہر کام یوں طے کیا تھا کہ یہ شخص اویس کو اس جگہ لے جائے گا اور رابعہ کا بھائی اپنے دو دوستوں کے ساتھ وہاں پہلے سے موجود ہو گا اور کوئی بات کئے بغیر فوراً ہی اویس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

اویس اس شخص کے ساتھ اُس جگہ پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اس شخص نے کہا کہ وہ لوگ ابھی آتے ہوں گے۔ دونوں وہاں انتظار میں بیٹھ گئے اور وقت گزرتا چلا گیا۔ آدمی پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ آخر اویس نے کہا کہ وہ اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا اور اگر یہ لوگ کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو کل میرے پاس آ جائیں اور میں انہیں کسی ایسے مجاہد سے ملوا دوں گا جو اسلام کے امور اور معاملات کو زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے۔

قاتل پارٹی کا یہ آدمی اکیلے تو کچھ نہیں کر سکتا تھا نہ اسے یہ بتایا گیا تھا کہ پارٹی کا کوئی اور آدمی نہ آئے تو یہ کام وہ خود ہی کر دے۔ اس شخص نے اویس کو باتوں میں لگائے

رکھا لیکن وقت اتنا زیادہ گزر گیا تھا کہ خود اس شخص نے محسوس کیا کہ اب انتظار بیکار ہے۔ دونوں وہاں سے واپس آ گئے اور اویس اپنے ٹھکانے پر چلا گیا۔

"میرا بھائی بہت ہی بیمار ہو گیا ہے" ـــــ رابعہ نے اویس کو بتایا ـــــ "تھوڑی دیر پہلے ان کے پڑوس میں رہنے والی ایک عورت ادھر سے گزری۔ میں تمہارے انتظار میں دروازے میں کھڑی تھی۔ عورت میرے پاس رک گئی اور اس نے بتایا کہ تمہارا بھائی دو تین دنوں سے کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ کسی سیانے کو پتہ نہیں چلتا کہ بیماری کیا ہے۔ دو تین دنوں میں ہی وہ آخری وقت تک جا پہنچا ہے اور ہو سکتا ہے آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ہو ... مجھے سمجھ نہیں آتی کہ بھائی کو دیکھنے جاؤں یا نہ جاؤں!"

"جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا" ـــــ اویس نے کہا ـــــ "مجھے ساتھ لے جانا چاہو تو میں بھی چلا چلوں گا"۔

رابعہ کو اپنے گھر سے دھتکار کر نکالا گیا تھا لیکن وہ آخر بہن تھی' اس سے رہا نہ گیا اور وہ اُسی وقت اویس کو ساتھ لے کر اپنے بھائی کو دیکھنے چلی گئی۔ اسے کسی نے اس گھر میں آنے سے روکا نہیں' شاید اس لئے کہ اس کے بھائی پر نزع کا عالم طاری تھا۔ بھائی کی بیوی' اس کی ماں اور باپ رو رہے تھے۔

بھائی نے رابعہ سے پہلے اویس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ فوراً ہی بھائی کی آنکھیں کھلیں' اس نے ایک ہچکی لی اور اس کا چہرہ ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ مر چکا تھا۔ اویس کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس شخص نے اسے قتل کرنے کے لئے پھندہ لگا دیا تھا اور اویس اس پھندے میں چلا بھی گیا تھا لیکن اللہ کا کوئی بندہ اللہ کے ارادوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ رابعہ کے آنسو بہنے لگے۔ ماں باپ نے اس کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ ان کا جوان اور شادی شدہ بیٹا مر گیا تھا۔ اویس رابعہ کو وہاں سے لے آیا۔

دوسرے ہی دن پتہ چلا کہ رابعہ کے بھائی کا ایک دوست جو اویس کے قتل کی اس سازش میں شامل تھا' اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تیسرے دن وہ بھی مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا وہ دوست بھی اسی بیماری سے چل بسا جو اویس کو قتل والی جگہ لے گیا تھا۔



اویس کو اللہ نے قتل سے صاف بچا لیا۔ اویس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ جو مر گئے ہیں

وہ اسے مارنے کی سازش کر چکے تھے لیکن یہ بیماری صرف ان تین دوستوں کے لئے ہی نہیں آئی تھی بلکہ حلب کے پورے شہر میں یہ بیماری پھیل گئی۔ گھر گھر سے جنازے نکلنے لگے۔ طبیبوں نے بتایا کہ یہ طاعون کا مرض ہے۔ یہ ایسا لاعلاج مرض تھا کہ جس پر اس کا حملہ ہوتا وہ ایک دو دنوں میں مر جاتا تھا۔ طبیبوں نے بہت کوشش کی کہ اس مرض کو روکا جائے لیکن مرض پھیلتا چلا گیا اور اس نے پورے ملک شام کو لپیٹ میں لے لیا۔

تاریخ میں اس وبا کے متعلق جو تفصیلات آئی ہیں' ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی ابتدا فلسطین کے ایک قصبے عمواس سے ہوئی تھی۔ اُس دور کے لوگوں کو ابھی اتنی سُوجھ بُوجھ نہیں تھی کہ ایسی بیماریوں میں کیسی احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ عام ذہن کے لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ ایک شخص کی بیماری دوسرے کو بھی لگ سکتی ہے۔ اسی لاعلمی کا نتیجہ تھا کہ عمواس سے چلنے والی بیماری شام تک پہنچی اور موت ہر گھر کے دروازے پر دستک دینے لگی۔

یہ مرض طاعون تھا لیکن اُس دور کے لوگوں نے اسے عمواس کا مرض کہا تھا۔ بعض مؤرخوں نے بھی اسے یہی نام دیا ہے۔

قحط کے اثرات ابھی باقی تھے کہ اس وبا نے قحط کی تباہ کاریوں کو بھی مات کر دیا۔ یہ وبا بھی 639ء (18 ہجری) میں پھیلی تھی۔ قحط عرب میں پڑا تھا اور طاعون شام میں پھیلی لیکن اس کے دوسرے اثرات عرب تک پہنچے۔ ایوانِ خلافت ہِل کے رہ گیا۔ وبا صرف شہروں میں نہیں بلکہ مجاہدین کے لشکروں میں بھی پھیل گئی تھی۔

اس کی خبر ہرقل تک پہنچ گئی۔ وہ بہت خوش ہُوا اور اپنے مشیروں سے کہا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کا یہ موقع نہایت اچھا ہے۔ خوشامدی مشیروں نے اس کی تائید کر دی۔ اس کے مقرر کئے ہوئے اسقفِ اعظم قیرس کو ہرقل کے اس ارادے کا پتہ چلا تو وہ ہرقل کے پاس گیا۔ یہ خطرہ حضرت عمرؓ نے بھی محسوس کیا تھا کہ اس خوفناک صورتِ حال میں رومی فوج نے حملہ کر دیا تو حملے کو روکا نہیں جا سکے گا۔ آدھا لشکر اس مرض کی نذر ہو گیا تھا اور کچھ سالار بھی اس وباء کی زد میں آ کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

"شہنشاہِ روم!" ـــــ قیرس نے ہرقل سے کہا ـــــ "معلوم ہُوا ہے کہ آپ شام پر فوج کشی کرنا چاہتے ہیں اور مشیروں نے آپ کی تائید میں کہا ہے کہ مسلمانوں کو ملک شام سے نکالنے کا اس سے زیادہ اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا"۔

"ہاں اسقفِ اعظم!" ــــ ہرقل نے پُرعزم لہجے میں کہا ــــ "شام ہی نہیں میں پورے ملک عرب کو اپنی سلطنت میں شامل کرلوں گا۔ ابھی تو وہ قحط سے نہیں سنبھلے تھے کہ ان پر یہ مصیبت نازل ہوگئی ہے"۔

"اگر مجھے آپ کے نقصان کا احساس نہ ہوتا تو میں بھی آپ کی تائید کرتا" ــــ قیرس نے کہا ــــ "لیکن آپ میرے بادشاہ ہیں اور محسن ہیں اور سلطنتِ روم کے ساتھ میری روحانی وابستگی ہے۔ میں آپ کو اُس راستے پر جانے سے روکوں گا جو تباہی کی طرف جاتا ہے۔ اس حقیقت کو نہ بھولیں کہ ہماری آدھی سے زیادہ فوج عربوں کے ہاتھوں ماری جاچکی ہے اور باقی جو بچ کر مصر آئی ہے اس پر ابھی تک عربی مسلمانوں کی دہشت طاری ہے۔ اگر آپ اس فوج کو طاعون سے مروانا چاہتے ہیں تو شام پر حملہ کردیں۔ کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ مسلمانوں کے لشکر بھی اس بیماری کی زد میں آگئے ہیں اور یہ وبا ہماری فوج کو بھی نہیں بخشے گی؟ کل تک مجھے جو خبریں ملی ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کے کچھ سالار بھی اس بیماری سے مرچکے ہیں"۔

ہرقل یہ بات سمجھ گیا اور اس نے شام پر حملے کا ارادہ ذہن سے نکال دیا۔

○

امیرالمومنین حضرت عمرؓ وبا کی اطلاع ملنے سے پہلے ہی شام جانے کا ارادہ کرچکے تھے۔ اس دوران وبا کی اطلاعیں پہنچنے لگیں لیکن حضرت عمرؓ کچھ زیادہ پریشان نہ ہوئے بلکہ انہوں نے جانا زیادہ بہتر سمجھا تاکہ وہاں کی صورتِ حال دیکھ کر وبا کو روکنے کا کچھ بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فوری روانگی کا حکم دے دیا اور ان کا قافلہ سُوئے شام روانہ ہوگیا۔

نہ جانے کتنے دنوں بعد امیرالمومنین کا قافلہ تبوک پہنچا۔ شام کے مختلف علاقوں کے سالاروں کو پہلے اطلاع دے دی گئی تھی کہ امیرالمومنین شام کے دورے پر آرہے ہیں۔ ہر سالار نے سوچ لیا کہ امیرالمومنین کا شام میں آنا ٹھیک نہیں۔ چنانچہ سپہ سالار ابوعبیدہؓ سالار یزیدؓ بن ابی سفیان اور سالار شرجیلؓ بن حسنہ تبوک پہنچ گئے اور حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ اس سے آگے نہ جائیں کیونکہ شام کی زمین اور فضا میں طاعون کے جراثیم اور موت کے سوا کچھ نہیں رہا۔ انہوں نے امیرالمومنین کو وبا کی شدت اور تباہ کاری کی تفصیلات بتائیں۔

"یہاں رک کے رہنا میرے لئے ممکن نہیں" ــــ حضرت عمرؓ نے کہا ــــ "میں یہیں سے واپس مدینہ چلا گیا تو بھی ان کی روحوں کے آگے شرمسار ہوں گا جنہیں اس بیماری نے اللہ کے حضور پہنچا دیا ہے۔ میں اپنی قوم کو اتنی خطرناک ابتلا میں چھوڑ کر واپس کس طرح جاسکتا ہوں!"

سالاروں نے انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ آگے نہ جائیں۔ وہ دلیل یہ دیتے تھے کہ اس خوفناک صورتِ حال میں اگر امیرالمومنین کو کچھ ہوگیا تو ایک اور مسئلہ پیدا ہوجائے گا۔ حضرت عمرؓ پھر بھی نہ مانے اور سب سے مشورہ طلب کرنے لگے۔ ان کے ساتھ سالاروں کے علاوہ کچھ اکابرین بھی تھے۔ ان سب میں اختلاف پیدا ہوگیا۔

"یا امیرالمومنین!" ــــ بعض نے ان الفاظ میں مشورہ دیا ــــ "چونکہ آپ بنی نوع انسان کی بھلائی اور اللہ کی خوشنودی کی خاطر جارہے ہیں اس لئے آپ کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ آگے کیا خطرات ہیں"۔

"نہیں امیرالمومنین!" ــــ دوسرے گروہ نے یہ خیال ظاہر کیا ــــ "جہاں ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ بھی نہ ہو وہاں کم از کم خلیفۂ وقت کو نہیں جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل اسی لئے عطا فرمائی ہے کہ جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرو"۔

آخر حضرت عمرؓ نے قریش کے اُن صحابہ کرام کو جو اُس وقت اُن کے ساتھ تھے اور فتح مکہ میں بھی شریک تھے، اپنے پاس بلایا اور یہ مشورہ ان کے آگے رکھا۔ ان میں حضرت ابن عباسؓ بھی تھے۔ یہ سب اس فیصلے پر متفق ہوگئے کہ امیرالمومنین اپنے تمام قافلے سمیت تبوک سے آگے نہیں بلکہ واپس مدینہ جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت حکم دے دیا کہ کل صبح ان کا قافلہ مدینہ کو روانہ ہوگا۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے امیرالمومنین اور ابوعبیدہؓ کا ایک مشہور مکالمہ لکھا ہے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ ابوعبیدہؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ تبوک سے آگے جائیں جب حضرت عمرؓ نے واپسی کا فیصلہ کرلیا تو ابوعبیدہؓ کی رائے نہ جانے کس طرح متزلزل ہو گئی۔

"ابن الخطاب!" ــــ ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ سے بڑی بے تکلفی سے کہا ــــ "قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟"

حضرت عمرؓ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور حیرت زدگی کے عالم میں کچھ دیر ابو عبیدہؓ کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔

"ابن الجراح!" ـــ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ سے کہا ـــ "کاش' یہ بات کوئی اور کہتا.... ہاں' میں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگ رہا ہوں"۔

ابو عبیدہؓ خاموش ہو گئے۔ اُس وقت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وہاں آ گئے۔ وہ معمّر صحابی تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ یہاں کیا مسئلہ درپیش ہے تو انہوں نے حتمی فیصلہ سنا دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم سنو کسی علاقے میں کوئی وبا پھیل گئی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم اُس جگہ ہو جہاں وبا پھُوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو نہیں کیونکہ تم یہ وبا اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور کسی اور جگہ پھیلا دو گے.... چونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان تھا اس لئے حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے اور تبوک سے واپس مدینہ چلے گئے۔

مدینہ پہنچ کر امیرالمومنین اطمینان سے کس طرح رہ سکتے تھے۔ ہر وقت شام کے لوگوں کے متعلق سوچتے کہ انہیں اس وبا سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ تاریخ کے مطابق انہیں سب سے زیادہ خیال ابو عبیدہؓ کا تھا۔ ابو عبیدہؓ بڑے قیمتی سپہ سالار تھے۔ حضرت عمرؓ انہیں بچانا چاہتے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے ابو عبیدہؓ سے کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ مدینہ چلے چلیں لیکن اس عظیم سپہ سالار نے جواب دیا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو موت کے سائے میں چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور انہوں نے اپنے وہ الفاظ استعمال کئے جو وہ حضرت عمرؓ سے کہہ چکے تھے ـــ "میں قضائے الٰہی سے نہیں بھاگوں گا"۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ نے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کو طاعون سے بچانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کے نام ایک پیغام لکھوا کر تیز رفتار قاصد کے ہاتھ بھیجا۔ پیغام یہ تھا کہ میں ایک ضروری مسئلے پر تم سے زبانی گفتگو کرنا چاہتا ہوں اس لئے پیغام ملتے ہی چل پڑو۔

ابو عبیدہؓ نے اس پیغام کا جواب یہ دیا کہ جس مسئلے پر آپ میرے ساتھ صلاح مشورہ کرنا چاہتے ہیں وہ ملتوی ہو سکتا ہے لیکن میں یہاں اسلامی لشکر کا سپہ سالار ہوں اور اس لشکر کو اتنی بڑی مصیبت میں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ میں اپنے ساتھیوں کو نہیں

چھوڑوں گا اور اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا۔

حضرت عمرؓ کو اپنے پیغام کا جواب ملا تو ان پر جذباتیت کا ایسا غلبہ ہُوا کہ اُن کے آنسو بہہ نکلے۔ وہاں جو حضرات بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کسی نے گھبرا کر پوچھا' یا امیرالمومنین ابو عبیدہؓ فوت تو نہیں ہو گئے؟ .... حضرت عمرؓ نے رِقّت زدہ آواز میں جواب دیا ـــ "نہیں .... مگر معلوم ہوتا ہے وہ فوت ہو ہی جائے گا"۔

امیرالمومنین نے ابو عبیدہؓ کا خط تمام حاضرین کو پڑھنے کے لئے دیا پھر سوچ سوچ کر ابو عبیدہؓ کے نام ایک اور پیغام لکھا جس میں لکھوایا کہ ابو عبیدہؓ نشیبی علاقے سے نکل کر ذرا بلند اور صحت افزا مقام پر چلے جائیں اور اپنے لشکر کو بھی ساتھ لے جائیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابو عبیدہؓ حضرت عمرؓ کے اس حکم یا مشورے پر عمل کرنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ طاعون نے انہیں بھی زد میں لے لیا اور وہ تیسرے دن فوت ہو گئے۔ انہوں نے بیماری کے حملے کے ساتھ ہی معاذؓ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ وہاں موت کا یہ عالم تھا کہ معاذؓ بن جبل کے دو جوان بیٹے طاعون کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اور کچھ دنوں بعد وہ خود بھی اس مرض سے فوت ہو گئے۔ انہوں نے عمروؓ بن عاص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے مجاہدین کے لشکروں کو اور شہریوں کو بھی کہا کہ وہ میدانوں سے نکل کر پہاڑوں میں چلے جائیں۔ چنانچہ لوگ گھر کھلے چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور اس طرح طاعون کا زور ٹوٹتے ٹوٹتے بالکل ہی ختم ہو گیا۔ یہ وبا کئی مہینے انسانی جانوں سے کھیلتی رہی اور پچیس ہزار مسلمانوں کی جان لے کر ٹلی۔ جو سالار فوت ہوئے ان میں ابو عبیدہؓ' معاذؓ بن جبل' یزیدؓ بن ابی سفیان' حارثؓ بن ہشام' سہیلؓ بن عمرو اور عتبہؓ بن سہیل خاص طور پر شامل ہیں۔ حارثؓ بن ہشام کے خاندان کے 70 افراد اور حضرت خالدؓ بن ولید کے خاندان کے 40 افراد اس وبا میں فوت ہو گئے تھے۔

○

موجودہ دَور کا مستند تاریخ نویس محمد حسنین ہیکل (مصری) کئی ایک مؤرخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ یہ وبا ویسے ہی نہیں آ گئی تھی بلکہ اللہ نے مسلمانوں کو غلط راستے پر چل نکلنے پر خبردار کیا تھا۔ اس نے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ ان علاقوں میں بڑی لمبی جنگ ہوئی تھی جو بہت ہی خونریز تھی۔ رومی فوج کی بے انداز لاشیں سارے

علاقے میں پڑی گلتی سڑتی رہی تھیں۔ انہوں نے جراثیم پیدا کر کے فضا میں پھیلا دیئے اور طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔

قدیم مؤرخین اس سبب کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ وبا شام سے نہیں بلکہ فلسطین کے ایک شہر عمواس میں سے اٹھی تھی اور یہ اللہ کا نازل کیا ہُوا غضب تھا۔

اس داستان میں پہلے ذکر آیا ہے کہ رابعہ کے باپ نے اویس اور رابعہ سے کہا تھا کہ شام میں بعض مسلمانوں نے شراب اپنے اوپر حلال کرلی ہے اور وہ کھلم کھلا شراب پینے لگے ہیں۔ اویس اور رابعہ نے کہا تھا کہ یہ شخص مسلمانوں پر بے بنیاد الزام عائد کر رہا ہے اور یہ اسلام سے نفرت کا اظہار ہے لیکن رابعہ کا باپ الزام تراشی نہیں بلکہ سچی بات کہہ رہا تھا۔

ان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شام اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا تو عرب کے کئی خاندان شام کے مختلف علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہاں کی عیسائی آبادی مسلمانوں کی وفادار ہو گئی لیکن دل سے انہوں نے مسلمانوں کو قبول نہیں کیا تھا۔ کچھ دانشمند عیسائیوں نے اس قسم کی نظریاتی تخریب کاری کی کہ کچھ مسلمانوں کو شراب کی طرف مائل کر لیا۔ صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ کام اپنی حسین اور جوان لڑکیوں کے ذریعے کیا ہو گا۔

ان مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں نے شراب نوشی سے روکا تو شراب نوش مسلمانوں نے قرآن کے حوالے سے کہا کہ قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں — "کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟" — یہ مسلمان کہتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ شراب کو حلال سمجھیں یا حرام۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں کسی شراب نوش کو سزا نہیں دی گئی تھی۔

محمد حسنین ہیکل کچھ اور حوالوں سے لکھتا ہے کہ جب سپہ سالار ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ کچھ مسلمانوں نے شراب نوشی شروع کر دی ہے تو انہوں نے اپنے طور پر تحقیقات کی۔ ان کے آگے بھی وہی دلائل رکھے گئے کہ قرآن میں واضح طور پر شراب کو حرام قرار نہیں دیا گیا۔ ابوعبیدہؓ نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو یہ سارا مسئلہ لکھ کر بھیجا اور اس کا فیصلہ مانگا۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی دستور کے مطابق چند ایک صحابہ کرام کو مشورے کے لئے بلایا اور یہ مسئلہ ان کے آگے رکھا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ کوئی شخص شراب پیتا ہے تو وہ اپنے ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ عقل و ہوش کھو جائے تو وہ شخص واہی تباہی بکتا ہے۔ جب واہی تباہی بکنے پر آتا ہے تو پھر ہر کسی کو غلط قرار دیتا ہے، اللہ کو بھی، رسولؐ کو بھی اور قرآن کو بھی!

حضرت عمرؓ نے دوسرے صحابہ کرام کے مشورے سن کر جب حضرت علیؓ کی یہ بات سنی تو ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا — "شراب نوشی کی سزا 80 دُرّے"۔

حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ شراب پینے والوں کو اپنے سامنے حاضر کرو۔ اگر وہ شراب کو حلال کہیں تو انہیں قتل کر دو اور اگر وہ اقرار کریں کہ شراب حرام ہے تو انہیں اسّی اسّی دُرّے لگوائے جائیں۔

امیرالمومنین کا یہ حکم جب ابوعبیدہؓ تک پہنچا تو انہوں نے تمام شراب نوش مسلمانوں کو ڈھونڈ نکالا اور اپنے پاس بلوایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ شراب کو انہوں نے حلال کہا تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ ابوعبیدہؓ نے سب سے پوچھا کہ شراب کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔

"شراب حرام ہے" — سب کے سب بیک زبان بولے۔

"اے اہلِ اسلام، تم پر اللہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی آفت نازل ہو گی" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "میں تم سب کو اسّی اسّی دُرّوں کی سزا دیتا ہوں"۔

ان سب کو یہ سزا دی گئی اور اس کے بعد کسی مسلمان نے شراب سونگھنے کی بھی جرأت نہ کی۔

ابوعبیدہؓ کے ان الفاظ سے کچھ تاریخ نویسوں نے تاریخ میں یہ غلط روایت ڈال دی ہے کہ ابوعبیدہؓ نے بددعا دی تھی کہ اللہ ان مسلمانوں پر اپنا غضب نازل کرے۔ اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ طاعون کی وبا ابوعبیدہؓ کی بددعا کا نتیجہ تھی۔ یہ روایت اس لئے بے بنیاد ہے کہ ابوعبیدہؓ بددعا دینے والی شخصیت تھے ہی نہیں اور وہ ایسی بددعا کبھی نہ دیتے جو چند ایک گناہگاروں کے ساتھ ہزارہا بے گناہوں پر بھی عذاب نازل کرتی۔

صرف یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے شراب کو حلال قرار دے لیا تھا اور اللہ نے انہیں اس وبا کی صورت میں شدید جھٹکا دیا تھا کہ اللہ کے راستے پر واپس آ جائیں۔

بن سامر

ابھی تک بنیامین کے ہاں بیٹھا ہُوا تھا۔ کئی مہینے گزر گئے تھے۔ بنیامین نے اپنی کے ساتھ اس کی شادی کر دی تھی۔ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ ایک تو وہ فوجی تھا اور اس کا ذہن فراغت کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ کٹر قبطی عیسائی تھا بلکہ اس پر عیسائیت ایک جنون بن کر طاری رہتی تھی۔ وہ بنیامین کے خفیہ گروہ کا کارندہ تھا اور بنیامین اسے کوئی کام نہیں دے رہا تھا۔ وہ وجہ یہ بتاتا تھا کہ بن سامر بھگوڑا فوجی ہے اور دو سپاہیوں کو مار کر بھاگا ہے اور اس نے ایک لڑکی بھی اغوا کی ہے۔ پکڑے جانے کی صورت میں اس کے لئے سزائے موت سے کم کوئی سزا نہیں تھی۔ بن سامر فراغت کی اس زندگی سے تنگ آ چکا تھا۔

بنیامین نے ہرقل کے محل تک اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ بن سامر بھی دراصل اُس کا جاسوس ہی تھا۔ یہ ذہن میں رکھ لیں کہ اُس وقت ہرقل مصر میں نہیں بلکہ بزنطیہ میں تھا اور مصر پر حکمرانی کے فرائض مقوقس ادا کر رہا تھا۔ مقوقس دراصل ہرقل کا باج گذار تھا۔ عملاً مصر کا بادشاہ ہرقل تھا اور جنگی امور اس کے ایک مشہور و معروف جرنیل اطربون کے ہاتھ میں تھے۔ وہ دَور دراصل فوج کا ہی دَور تھا۔ شام ہرقل کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور وہ اس کوشش میں تھا کہ شام پر دوبارہ قبضہ ہو جائے۔ اس کی زیادہ تر توجہ فوج کی ضروریات اور دیگر فوجی معلومات پر مرکوز رہتی تھی۔

ایک روز بنیامین کے پاس دو آدمی آئے جو اس کے جاسوس تھے۔ وہ مصر کے دارالحکومت سکندریہ میں رہے تھے اور کچھ عرصہ بزنطیہ میں گذار کر آئے تھے۔ بنیامین نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا خبر لائے ہیں۔ جاسوس نے بتایا کہ ہرقل کے دماغ پر شام سوار رہتا ہے اور وہ جلدی سے جلدی شام پر فوج کشی کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے۔ اس

نے اُس وقت عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جب وہاں قحط کا دور دورہ تھا لیکن مشیروں نے اسے روک دیا اور جواز یہ پیش کیا کہ قحط صرف عرب میں ہے، شام میں نہیں اور مسلمانوں کے لشکر شام میں ہیں۔ اگر رومی فوج عرب میں داخل ہو گی تو شام سے مسلمان لشکر رومی فوج کو گھیرے میں لے لیں گے اور اس کا انجام بہت بُرا ہو گا۔

جاسوسوں نے بتایا کہ جب شام میں طاعون کی وبا پھیلی اور وہاں موت کا راج قائم ہو گیا تو بھی ہرقل نے شام پر حملے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اگر ہرقل اپنے مشیروں کے مشورے مان لیتا تو وہ فوج کو ساتھ لے کر شام جا دھمکتا لیکن اس کے اسقفِ اعظم قیرس نے اسے یہ مشورہ دیا کہ اس نے شام میں فوج داخل کی تو فوج میں طاعون پھیل جائے گی اور اتنی زیادہ جانیں ضائع ہو جائیں گی کہ سوائے پسپائی یا مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ مرنے کے رومی فوج کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ قیرس نے دوسرا خطرہ یہ ظاہر کیا کہ مصر سے اپنی فوج شام چلی گئی تو مصر میں قبطی عیسائی اور دوسرے فرقوں کے عیسائی جو ہرقل کی سرکاری عیسائیت کے خلاف ہیں، بغاوت کر دیں گے اور جو تھوڑی سی فوج مصر میں ہو گی وہ اس بغاوت پر قابو نہیں پا سکے گی۔ اس بغاوت کا یہ انجام بھی ہو سکتا ہے کہ شام ہاتھ نہ آئے اور مصر ہاتھ سے نکل جائے۔

جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ مقوقس ہرقل اور اطربون کو اس بات پر قائل کر رہا ہے کہ شام میں عیسائی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دیں اور وہاں اپنے تخریب کار بھیجے جائیں۔ مقوقس کا یہ مشورہ ہرقل اور اطربون کے پیشِ نظر ہے۔ انہوں نے اس مشورے کو پسند تو کیا ہے لیکن اس پر عمل درآمد کی کوئی بات نہیں کی۔

اُس دَور میں شام میں غالب اکثریت آبادی عیسائی قبائل کی تھی اور یہ تمام قبائل جنگجو تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان قبائل نے ایک بار بغاوت کی بھی تھی لیکن اس پر قابو پا لیا گیا تھا۔ بہرحال شام میں عیسائی بغاوت کرنے کی پوزیشن میں تھے۔

قیرس کو بجا طور پر خطرہ نظر آ رہا تھا کہ مصر میں قبطی عیسائی بغاوت کر دیں گے کیونکہ اسے اپنا وہ ظلم و تشدد اور درندگی یاد تھی جو اس نے مصر کے عیسائیوں پر کی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جب بھی موقع ملا عیسائی اس کے اور ہرقل کے خلاف ہی اٹھیں گے۔

تاریخ کہتی ہے کہ ہرقل حملے کا ارادہ تو کرتا تھا لیکن شش و پنج میں پڑا رہتا تھا۔ اگر

وہ اُس وقت شام پر چڑھائی کر دیتا جب طاعون مسلمانوں کو چاٹ رہی تھی تو مسلمانوں کے لئے مشکل پیدا ہو جاتی۔ مسلمانوں کے لشکر طاعون کی نذر ہو رہے تھے اور چیدہ چیدہ سپہ سالار بھی فوت ہوتے جا رہے تھے۔ یہ تو اس کے اسقفِ اعظم قیرس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ شام میں فوج داخل کی تو وبا اپنی فوج میں بھی پھیل جائے گی۔

O

اُس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ اور ان کے مشیرانِ کرام شدید پریشانی کے عالم میں تھے۔ ایسے خوفناک قحط کے بعد وبا' دو ایسی چوٹیں تھیں جو بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے گھٹنے ٹیک دیا کرتی ہیں۔ ایوانِ خلافت جنگ جیسی صورتِ حال کے ساتھ نپٹنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ رومی چڑھائی کر دیتے تو مسلمان گھٹنے ٹیک دیتے۔ اس سے پہلے اُمّتِ مسلمہ کے سامنے ایک مثال موجود تھی۔ یہ کوئی ماضی بعید کی بات نہیں تھی بلکہ چند ہی سال پہلے کا ایک حادثہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک لشکر بھیج کر ایک محاذ کھول دیا۔ حضرت عمرؓ نے اور ایک دو اور صحابہ کرام نے ان کی اس کارروائی پر حیرت اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اُمّت پر اس قدر شدید چوٹ پڑی ہے جس سے پوری اُمّت غم میں ڈوب گئی ہے' اس صورتِ حال میں نیا محاذ کھولنا دانشمندی نہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ ہم اگر غم میں ڈوبے رہ گئے تو کفّار یہ تاثر لیں گے کہ اب مسلمان اٹھنے کے قابل نہیں رہے۔ اس کے فوراً بعد ہُوا بھی یہی۔ ارتداد کا ایسا فتنہ اٹھا جس نے ایک خطرناک اور طویل جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ کئی رسول اٹھے اور مجاہدینِ اسلام نے دین کے ان دشمنوں کو ان کے خون میں ڈبو کر ثابت کر دیا کہ اللہ کا یہ دین ہمیشہ زندہ و پائندہ رہنے کے لئے آیا ہے اور مسلمان اس کی آن اور شان پر ہر صورتِ حال میں جانیں قربان کرتے رہیں گے۔

ایمان مضبوط ہو' دل میں اللہ کے دین کی محبت اور اللہ کی خوشنودی ہو تو اللہ ایسے معجزے کر کے دکھا دیتا ہے کہ بندے حیرت زدہ ہو کے رہ جاتے ہیں۔ یہاں کسریٰ ایران کے خلاف جنگ کا ایک واقعہ یاد آتا ہے جس کا بیان بے محل نہ ہو گا۔ کسریٰ ایران کی طاقتور فوجیں اپنے علاقے مسلمانوں کو دیتیں پسپا ہوتی جا رہی تھیں اور یہ اس جنگ کا

آخری اور عروج کا دور تھا۔ اُس وقت کسریٰ ایران یزدگرد تھا۔ اُس کی فوجیں خوزستان میں قدم جمانے کی کوشش کر رہی تھیں اور کسریٰ کے بڑے بڑے نامور جرنیل مجاہدینِ اسلام کے سیلاب کو روکنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے تاریخ ساز سپہ سالار ابو موسیٰؓ اشعری کو اس محاذ پر بھیج دیا۔

یہاں ہم خوزستان کے سارے محاذ اور معرکے بیان نہیں کریں گے۔ یہ آپ ہماری کتاب — "حجاز کی آندھی" — میں پڑھیں۔ کسریٰ ایران کا ایک بڑا ہی تجربہ کار اور زبردست جرنیل ہرمزان تھا جو ایران کے شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اسے قوت و اقتدار کا سردار کہا جاتا تھا۔ اس نے کسریٰ ایران یزدگرد کے آگے یہ شرط رکھی کہ اسے خوزستان کا مرکزی شہر اہواز اور فارس کا کچھ حصہ اس کی حکومت میں دے دیا جائے تو وہ مسلمانوں کے سیلاب کو نہ صرف روک دے گا بلکہ اسے یہیں سے پیچھے دھکیل دینے میں پوری پوری مدد کرے گا۔ یزدگرد نے اُسی وقت فرمان جاری کر دیا کہ یہ دو علاقے ہرمزان کو عطا کر دیئے گئے ہیں۔

ہرمزان نے کسریٰ سے جتنی فوج مانگی اتنی ہی دے دی گئی۔ یہ فوج نفری کے لحاظ سے اور اسلحہ کے لحاظ سے بھی اُس وقت کی بڑی ہی طاقتور فوج تھی۔ ہرمزان فوراً اس فوج کے ساتھ کوچ کر گیا اور ایران کے ایک بہت بڑے شہر تستر میں جا پہنچا۔ یہ ایرانی فوجوں کی بہت بڑی چھاؤنی تھی اور وہاں شاہی محلات بھی تھے۔

ہرمزان نے اس شہر کی بیرونی دیوار اور قلعے مزید مستحکم کرنے کے لئے مرمت کروائی اور کچھ اضافے بھی کئے۔ شہر کے اردگرد خندق بھی کھدوا دی۔ اس نے یہ کام شب و روز کی محنت سے بہت جلدی مکمل کر لیا پھر اس نے شہر کے اردگرد کے علاقے کے سرکردہ افراد کو بلایا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور کہا کہ مسلمان جس علاقے کو فتح کرتے ہیں وہاں کی لڑکیوں کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔ اس طرح اس نے ان لوگوں کے خون کو گرما کر کہا کہ لوگوں کو لڑنے کے لئے تیار کریں اور انہیں شہر کے اندر لے آئیں۔

علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسنین ہیکل مختلف مؤرخوں کے حوالوں سے لکھتے ہیں کہ چند دنوں میں ہی لوگوں کا ایک جم غفیر شہر میں آ گیا۔ ہرمزان نے ان سے خطاب کیا اور ایسی باتیں کیں کہ ہر فرد آگ بگولہ ہو گیا۔ لڑنے والے لوگ ابھی تک چلے آ رہے

تھے۔ یہ ہنگامہ خیز سلسلہ مسلمانوں سے چھپا نہ رہ سکا اور اس کی اطلاع سپہ سالار ابو موسیٰؓ کو ملی۔ انہوں نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد حضرت عمرؓ کی طرف اس پیغام کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ صورتِ حال ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ کمک کی شدید اور بہت جلدی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہؓ بن مسعود کو جو اُس وقت کوفہ میں تھے' پیغام بھیجا کہ اپنی آدھی فوج لے کر ابو موسیٰؓ کے پاس پہنچ جائیں دوسرا پیغام جریر بجلّی کو بھیجا کہ وہ اپنا آدھا لشکر لے کر ابو موسیٰؓ کی مدد کو پہنچے۔

یہ دونوں لشکر پہنچنے تک ہرمزان اپنا قلعہ اور شہر کا دفاع تیار کر چکا تھا۔ کمک بروقت ابو موسیٰؓ تک پہنچ گئی تھی۔

○

ہرمزان کے پاس بہت بڑی فوج تھی جس کے بل بوتے پر اس نے شہر میں محصور ہو کر لڑنا بہتر نہ سمجھا۔ اس کی بجائے باہر نکل کر حملہ کیا۔

ابو موسیٰؓ نے دائیں پہلو پر براءؓ بن مالک کو رکھا اور بائیں پہلو پر براء بن عازب انصاری کو رکھا۔ یہ دونوں سالار دلیری اور شجاعت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ مجاہدینِ اسلام کی تعداد دشمن کی نسبت نصف تھی لیکن انہوں نے ہرمزان کی حملہ آور فوج کو پیچھے دھکیل دیا۔

آخر ہرمزان کی فوج کچھ تو کٹ مری اور باقی شہر کے کھلے دروازوں میں داخل ہونے لگی۔ مسلمان تعاقب میں تھے۔ ہرمزان کی دلیری کا یہ عالم کہ جرنیل ہوتے ہوئے وہ سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ اسے سب سے پہلے قلعے میں چلے جانا چاہئے تھا لیکن وہ قلعے کے دروازے پر کھڑا رہا۔

سالار براءؓ بن مالک دروازے تک پہنچ گئے اور ان کا سامنا ہرمزان سے ہُوا۔ دونوں میں تیغ زنی ہوئی۔ آخر ہرمزان نے براءؓ کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد اپنے ایک اور سالار مخزاةؓ بن ثور آگے بڑھے اور ہرمزان نے ان کا راستہ روک لیا۔ یہ سالار نامی گرامی شہ سوار اور تیغ زن تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہرمزان نے براءؓ کو قتل کر دیا ہے۔ وہ انتقام لینے کو آگے بڑھے اور ہرمزان پر جھپٹے لیکن ہرمزان نے تیغ زنی کے وہ مظاہرے کئے کہ مخزاةؓ بن ثور کو چکرا دیا۔ اسلام کے یہ شہ سوار سالار تیغ زنی میں کم نہ تھے لیکن ہرمزان نے انہیں بھی شہید کر دیا۔

ہرمزان اپنی باقی ماندہ فوج کو قلعے کے اندر لے جانے میں کامیاب ہو گیا اور شہر کے دروازے پھر بند ہو گئے۔ تاریخ کے مطابق پیچھے یعنی شہر کے باہر ایرانی فوج کی ایک ہزار سے زائد لاشیں پڑی تھیں اور چھ سو ایرانی فوجیوں کو پکڑ لیا گیا تھا۔

اس کے بعد ہرمزان نے باہر آ کر لڑائی نہ لڑی اور قلعہ بند ہو کر لڑتا رہا۔ دن پر دن گزرتے جا رہے تھے اور پھر مہینے گزرنے لگے۔ ہرمزان نے شہر کا دفاع ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔

ایک روز مجاہدین اس محصور شہر کے ایک ایرانی شہری کو پکڑ لائے۔ وہ ضد کر رہا تھا کہ اسے مجاہدین اپنے سپہ سالار سے ملوا دیں۔ آخر اسے ابو موسیٰؓ کے پاس لے گئے۔

اس ایرانی نے بتایا کہ وہ ایک ایسے راستے سے باہر نکلا ہے جس کا عام شہریوں کو علم نہیں۔ اس نے کہا کہ وہ ابو موسیٰؓ کو شہر میں داخل ہونے کے لئے یہ راستہ بتا سکتا ہے اور اس کے عوض وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے خاندان کے ایک سو افراد کی جان بخشی کی جائے اور اس کے خاندان کی کسی لڑکی کو اپنے قبضے میں نہ لیا جائے۔

سپہ سالار ابو موسیٰؓ نے اسے کہا کہ مسلمانوں کا کردار ہی یہی ہے کہ وہ کسی لڑکی کو اپنے قبضے میں نہیں لیا کرتے اور جو عورتیں مسلمانوں کے پاس آتی ہیں وہ ایک اور صورتِ حال ہوتی ہے پھر ابو موسیٰؓ نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ کامیابی کی صورت میں نہ صرف اس کے خاندان کے ایک سو افراد اپنی حفاظت میں لے لیں گے بلکہ اس کے اپنے کنبے کی کفالت بھی اپنے ذمے لے لیں گے۔

اس آدمی نے کہا کہ پہلے اس کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیجا جائے جسے وہ شہر سے واقف کرا دے گا۔ ابو موسیٰؓ نے ایک بڑے ہی دلیر اور عقلمند مجاہد اسرس بن عوف شیبانی کو اس کے ساتھ کر دیا۔

اس ایرانی نے کہا کہ اسرس کو نوکروں یعنی غلاموں والا لباس پہنایا جائے تا کہ شہر میں کوئی اسے پہچان نہ سکے کہ یہ مسلمان ہے۔ اسے فوراً وہ لباس پہنایا گیا اور حلیہ تبدیل کر دیا گیا۔ ایرانی اسرس کو اسی رات اپنے ساتھ لے گیا۔

اس علاقے میں دریا کی کئی شاخیں نکلتی تھیں جنہیں نہریں کہا جاتا تھا۔ جب تستر کا یہ قلعہ تعمیر ہُوا تھا تو اُس وقت کے بادشاہ نے ایسے تعمیر کروایا کہ ایک نہر اس کے بالکل قریب سے گزرتی تھی۔ اس نہر سے ایک شاخ نکال کر اس طرح شہر کے نیچے سے

گذاری گئی تھی کہ کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ کے نیچے سے ایک نہر گزرتی ہے۔ یہ نہر ایک سرنگ میں سے گذاری گئی تھی۔ قریب سے دیکھنے والوں کو یہی پتہ چلتا تھا کہ یہ نہر زمین کے نیچے شہر کے اندر جاتی ہے۔ شہر کے اندر اس میں سے چشمے نکالے گئے تھے۔

○

اسرس اس ایرانی شہری کی رہنمائی میں کچھ دور سے نہر میں اترا اور ایرانی اسے شہر کے اندر لے گیا۔ جہاں سے ابھرنا تھا وہاں سے دونوں باہر آئے۔ ایرانی اس مجاہد کو اپنے گھر لے گیا' کپڑے خشک کرائے اور پھر اس کا حلیہ غلاموں جیسا بنایا۔ اس کے سر پر کمبل ڈالا اور کہا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے شہر میں گھومے پھرے۔

ایرانی نے اسرس کو دن کے وقت شاہی محل دکھایا اور دوسری تمام اہم جگہیں دکھائیں' دروازوں کے اندر پہرے کا انتظام تھا وہ دکھایا اور پھر اسے دیوار پر بھی لے گیا جہاں بُرجوں میں ایرانی فوجی موجود تھے۔ پھر اسے ساری دیوار پر گھمایا پھرایا۔ اسرس نے فوجی اہمیت کی تمام جگہیں دیکھ لیں اور واپس اس ایرانی کے گھر آ گیا۔

تاریخ میں آیا ہے کہ یہ ایرانی عقل و ہوش والا آدمی لگتا تھا۔ اس نے اسرس سے کہا کہ صرف دو سو آدمی یہ شہر لے سکتے ہیں۔ اسرس کا اندازہ بھی یہی تھا۔

رات کے وقت اسرس جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے باہر چلا گیا اور اپنے سپہ سالار ابو موسیٰؓ کو بتایا کہ وہ کیا دیکھ آیا ہے اور یہ بھی کہا کہ صرف دو سو بہت ہی دلیر اور پھرتیلے مجاہدین دے دیئے جائیں تو وہ اس اتنے بڑے شہر کو فتح کر سکتا ہے۔ سپہ سالار ابو موسیٰؓ نے دو سو مجاہدین منتخب کئے اور انہیں اسرس کے حوالے کر دیا۔ اسرس نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا کہ شہر میں کس طرح داخل ہونا ہے اور اندر جا کر کیا کرنا ہے۔

اگلی رات مجاہدین کا یہ جیش اسرس کی قیادت میں چل پڑا اور اسرس انہیں اُسی راستے سے اندر لے گیا جس راستے سے وہ خود گیا تھا۔

ان دو سو مجاہدین نے دروازے کے اندر جتنے پہرہ دار موجود تھے قتل کر ڈالے اور پھر اوپر بُرجوں میں چلے گئے۔ وہ ایسی احتیاط سے گئے تھے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکا کہ شہر کے اندر پہرے دار مارے جا رہے ہیں۔ بُرجوں کے اندر ہی مجاہدین نے بکھر کر بہت سے ایرانی فوجیوں کو مار ڈالا پھر ان مجاہدین نے جو پہرہ داروں کو مارنے کے بعد دروازوں پر موجود رہے تھے' دروازے کھول دیئے۔ ایک بُرج پر ایک مجاہد جا چڑھا اور

بڑی بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

ابو موسیٰؓ اسی اشارے کے منتظر تھے۔ انہوں نے شہر پر ہلہ بولنے کا حکم دیا۔ لشکر سیلاب کی طرح دروازوں پر ٹوٹ پڑا اور اندر داخل ہو گیا۔ ایرانی تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان پر یہ آفت نازل ہو سکتی ہے۔ وہ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ان کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔

یورپی مؤرخ بٹلر لکھتا ہے کہ ہرمزان اور اس کے سرداروں نے فوجیوں اور دیگر لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ مسلمان جس شہر کو فتح کرتے ہیں وہاں کی لڑکیوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کر کے اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں۔ بٹلر کہتا ہے کہ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو کئی ایک لوگوں نے اپنی جوان بیٹیوں کو قتل کر کے نہر میں پھینکنا شروع کر دیا۔ مجاہدین کو جلدی پتہ چل گیا۔ انہوں نے لڑکیوں کا یہ قتلِ عام فوراً رکوا دیا۔

اُس وقت ہرمزان اپنے محل میں تھا۔ وہ وہاں سے بھاگا اور ایک بُرج میں جا پہنچا۔ بٹلر نے لکھا ہے کہ ہرمزان نے اپنے ماتحت جرنیلوں اور مشیروں سے کہا — "معلوم ہوتا ہے عربوں کو کسی نے نہر والا خفیہ راستہ بتا دیا ہے اور یہ ہمارا کوئی اپنا ہی آدمی ہو سکتا ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کا ستارہ عروج پر ہے اور ہمارا ستارہ ڈوب چکا ہے"۔

یہ واقعہ تاریخ کے دامن میں ڈالنے والے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شہریوں میں تو قیامت بپا ہو گئی۔ انہیں یہ تو معلوم ہی نہ تھا کہ دروازے کس طرح کھلے ہیں۔ شہریوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہرمزان لوگوں کو یہ یقین دلاتا رہا ہے کہ یہ شہر اور اس کا قلعہ ناقابلِ تسخیر ہے لیکن ہرمزان نے خود ہی دروازے کھلوا دیئے ہیں .... شہریوں کا رَدِّعمل یہ تھا کہ انہوں نے ہرمزان اور اپنی فوج کے خلاف باتیں شروع کر دیں اور کہا کہ وہ ہرمزان کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کریں گے۔

کسی نے اسی رَدِّعمل کے تحت مجاہدینِ اسلام کو بتا دیا کہ ہرمزان فلاں بُرج میں موجود ہے۔ مجاہدین وہاں سے اسے گرفتار کرنے کو گئے تو ہرمزان سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کمان اور کندھے کے ساتھ ترکش بندھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک تیر کمان میں ڈال رکھا تھا۔ رات گزر گئی تھی اور اب دن روشن ہو چکا تھا۔ ہرمزان کو للکار کر کہا

گیا کہ وہ اپنے آپ کو مجاہدین کے حوالے کر دے۔

"میری ترکش میں ایک سو تیر ہیں" — تاریخ میں اس کے یہ الفاظ آئے ہیں جو اس نے مجاہدین سے کہے تھے — "جب تک میرے پاس ایک تیر بھی باقی رہے گا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے' یہ بھی سوچ لو کہ میرا کوئی تیر کبھی خطا نہیں گیا۔ اپنے ایک سو آدمی مجھ سے مروا کر مجھے گرفتار کرو گے تو تمہیں کوئی خوشی تو نہیں ہو گی!"

سپہ سالار ابو موسیٰؓ کو اطلاع دے دی گئی۔ وہ بھی آ گئے انہوں نے بھی اسے کہا کہ وہ کمان اور ترکش پھینک دے۔

"میں جانتا ہوں کہ لڑتے ہوئے پکڑا گیا تو تم مجھے قتل کر دو گے" — ہرمزان نے کہا — "میرے سامنے ایک راستہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ صلح کر لوں اور اپنا آپ تمہارے حوالے کر دوں لیکن میں کچھ اور چاہتا ہوں"۔

"تم کچھ اور چاہنے کے حق سے محروم ہو چکے ہو" — ابو موسیٰؓ نے کہا — "یہ شہر اب ہمارا ہے لیکن یہ دکھانے کے لئے کہ مسلمان کا کردار کیا ہے' میں تم سے پوچھتا ہوں کیا چاہتے ہو!"

"مجھے اپنے خلیفہ عمرؓ تک پہنچا دو" — ہرمزان نے کہا — "وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک چاہیں کریں۔ مرنے سے پہلے میں تمہارے خلیفہ سے ملنا چاہتا ہوں"۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے احکام کچھ ایسے تھے جن کی خلاف ورزی کی جرأت کوئی بڑے سے بڑا سپہ سالار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں ایک حکم یہ تھا کہ دشمن کا کوئی آدمی امیرالمومنین سے ملنے کی خواہش کرے تو اس کی خواہش پوری کی جائے۔ ہرمزان تو بہت بڑی شخصیت تھا اور وہ قوت اور اقتدار کا سردار تھا۔ سپہ سالار ابو موسیٰؓ نے اسے کہا کہ اس کی یہ خواہش فوراً پوری کی جائے گی۔ ہرمزان کو غالباً یہ معلوم تھا کہ مسلمان اپنی زبان کے پکے ہوتے ہیں اور وعدہ پورا کرتے ہیں۔ اس نے ابو موسیٰؓ کی بات سنتے ہی اپنی کمان اور ترکش ابو موسیٰؓ کے آگے پھینک دی۔ جنگی قاعدے اور قانون کے مطابق ابو موسیٰؓ کے حکم سے ہرمزان کے ہاتھ رسّی سے پیٹھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ تھا آخر جنگی قیدی تھا۔

ابو موسیٰؓ نے اپنے لشکر کے دو ذمہ دار افراد' انسؓ بن مالک اور احنفؓ بن قیس کو یہ فرض سونپا کہ وہ ہرمزان کو اسی طرح قیدی کی حیثیت سے مدینہ امیرالمومنین کے

پاس لے جائیں۔ ہرمزان کی یہ خواہش بھی منظور کر لی گئی کہ وہ اپنی شاہی پوشاک اور دیگر ساز و سامان بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔

اس شہر سے جو مالِ غنیمت حاصل ہُوا تھا اس میں سے بیت المال کا حصہ الگ کر کے انسؓ اور احنفؓ کے حوالے کر دیا گیا کہ یہ بھی مدینہ اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ اس طرح ان کے ساتھ اونٹوں کا اچھا خاصا قافلہ تیار ہو گیا۔ اونٹوں پر مالِ غنیمت اور ہرمزان کا ساز و سامان تھا۔



یہ قافلہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو ہرمزان نے قافلہ رکوا لیا اور اس نے اپنا جو حلیہ بدلا اس کی تفصیل تاریخ میں ان الفاظ میں آتی ہے:

"ہرمزان نے زرکار پوشاک زیبِ بدن کی' موتیوں اور جواہر سے مرصع تاج جو آذین کے لقب سے مشہور تھا' سر پر رکھا اور خالص سونے کا عصائے شاہی جس میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے ہاتھ میں لیا کہ حضرت عمرؓ اور اسلامی دارالخلافہ کے باشندے وہ شان و شوکت دیکھیں جو امراء عجم کا شعار ہے"۔

یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہُوا تو لوگ حیرت و استعجاب سے ہرمزان کو دیکھنے لگے۔ اس کی پوشاک اور زیب و زیبائش مدینہ کے لوگوں کے لئے بالکل ہی نئی چیز تھی۔ اسے حضرت عمرؓ کے گھر کی طرف لے جا رہے تھے تو تماشائیوں میں سے کسی نے کہا کہ حضرت عمرؓ اس وقت مسجد میں ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ کوفہ سے کوئی وفد آیا تھا جو امیرالمومنین سے مسجد میں ملاقات کر کے چلا گیا ہے لیکن امیرالمومنین ابھی مسجد میں ہی ہیں۔

انسؓ اور احنفؓ ہرمزان کو مسجد میں لے گئے لیکن مسجد بالکل خالی تھی۔ تاریخ میں آیا ہے کہ تین چار لڑکوں نے ایک طرف اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ حضرت عمرؓ مسجد کے ایک کونے میں سوئے ہوئے ہیں۔ ہُوا یوں تھا کہ کوفہ کا وفد چلا گیا تو حضرت عمرؓ نے جو چغہ پہن رکھا تھا وہی تہہ کر کے مسجد کے ایک کونے میں جا کر سر کے نیچے رکھا اور سو گئے۔

ہرمزان کے جوتے باہر اتروا لئے گئے اور اسے مسجد کے اندر لے گئے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بڑی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ انسؓ اور احنفؓ ہرمزان کو ساتھ لئے

الگ بیٹھ گئے تاکہ حضرت عمرؓ کی آنکھ نہ کھلے۔

مشہور تاریخ نویس علامہ تبریزی اور ابنِ کثیر نے اس ملاقات کی تفصیلات لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسجد میں کچھ اور لوگ بھی آنے لگے اور بیٹھتے چلے گئے۔ آخر مسجد میں اتنے لوگ آ بیٹھے کہ کسی اور کے کھڑا ہونے کی بھی گنجائش نہ رہی۔ اس طرح خاموشی برقرار نہ رکھی جا سکی اور حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔

چونکہ حضرت عمرؓ اور ہرمزان کے مابین گفتگو ہونی تھی اس لئے ایک ترجمان موجود تھا۔ یہ ترجمان مشہور صحابی حضرت حجرہؓ بن شعبہ تھے۔ ہرمزان کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ جو بات کرنا چاہے حضرت حجرہؓ کے ساتھ کرے اور یہ اس کی بات عربی زبان میں امیرالمومنین تک پہنچائیں گے۔ ابھی امیرالمومنین حضرت عمرؓ سوئے ہوئے تھے تو ہرمزان کچھ حیران سا ہو رہا تھا کہ ان کا خلیفہ کہاں ہے اور نہ جانے کب آئے۔

"تمہارا خلیفہ عمرؓ کہاں ہے؟" — ہرمزان نے حجرہؓ بن شعبہ سے پوچھا۔

"وہ تمہارے سامنے سوئے ہوئے ہیں" — حجرہ نے فارسی زبان میں جواب دیا۔

ہرمزان کے چہرے پر حیرت کا بڑا گہرا تاثر آ گیا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بعد سر اٹھایا۔ حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا پھر حجرہؓ بن شعبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یقین نہیں آتا یہ تمہارا خلیفہ ہے" — ہرمزان نے کہا — "میں نے کوئی دربان نہیں دیکھا اور کوئی محافظ پیادہ یا سوار دستہ مسجد کے باہر نظر نہیں آیا۔ یہاں تو پورا محافظ دستہ ہونا چاہئے تھا"۔

"ہمارے خلیفہ کا محافظ اللہ ہے" — حجرہؓ نے مسکرا کر جواب دیا — "ہمارے ہاں دربان اور محافظ اس طرح نہیں ہوتے کہ خلیفہ جہاں جائیں وہ ان کے ساتھ ساتھ رہیں"۔

اس ایرانی جرنیل ہرمزان نے وہ الفاظ کہے جو آج تک تاریخ کے دامن میں موجود ہیں۔ اس نے کہا — "اس شخص کو پیغمبر ہونا چاہئے تھا اور اگر یہ پیغمبر نہیں تو اس کے اعمال و افعال پیغمبروں جیسے ہی ہیں"۔

مسجد لوگوں سے بھر گئی تھی جنہیں خاموش نہ رکھا جا سکا اور ہرمزان نے بھی باتیں شروع کر دیں تھیں جن سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ انسؓ اور احنفؓ کو دیکھ کر بڑی تیزی سے اٹھے۔ وہ ایران کے محاذ کی پوزیشن معلوم کرنا چاہتے تھے لیکن ایک

بادشاہوں جیسا آدمی ان کے ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے انسؓ اور احنفؓ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ ایرانی فوج کا بہت بڑا سپہ سالار ہے" — انسؓ بن مالک نے حضرت عمرؓ کو بتایا — "شاہی خاندان کا فرد ہے"۔

امیرالمومنین کو بتایا گیا کہ اسے کس طرح پکڑا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا کہ یہ امیرالمومنین سے ملنے کی خواہش رکھتا تھا۔

"میں جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں" — حضرت عمرؓ نے ہرمزان کے طمطراق کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا — "میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اسلام کے مقابلے میں ذلیل و خوار کیا ہے" — حضرت عمرؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہوئے — "مسلمانو! اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرو۔ دنیا کی ان دلفریبیوں میں نہ آؤ جس طرح ایران کا یہ شخص آیا ہوا ہے۔ یاد رکھو دنیا کے جاہ و جلال میں سوائے دھوکے کے کچھ بھی نہیں"۔

"یا امیرالمومنین!" — احنفؓ بن قیس نے کہا — "اس کی بات سن لیں، یہ آپ کی ملاقات کا خواہشمند تھا"۔

"نہیں!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "جب تک اس کے بدن پر اس لباس کا ایک دھاگہ بھی باقی ہے میں اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کروں گا۔ اسے پہلے وہ لباس پہناؤ جو ہم اور تم جیسے لوگ پہنتے ہیں"۔

حجرہؓ نے اسے بتایا کہ امیرالمومنین نے کیا حکم دیا ہے اور اسے فوری طور پر حکم کی تعمیل کرنی پڑے گی۔ اسے کھڑا کر دیا گیا اور دو آدمیوں نے اس کی شاہانہ پوشاک اتار دی اور صرف زیرِ جامہ رہنے دیا۔ ایک آدمی دوڑا گیا اور اسے پہنانے کے لئے موٹے اور بڑے ہی معمولی کپڑے کا لباس لے آیا جو ہرمزان کو پہنا دیا گیا۔

"ہرمزان!" — حضرت عمرؓ نے اسے کہا — "کیا تجھے حق اور باطل کا فرق معلوم ہُوا ہے یا نہیں؟ کیا تُو نے حکمِ الٰہی اپنی آنکھوں نہیں دیکھ لیا اور پھر اس حکم عدولی کا نتیجہ نہیں دیکھا؟"

"اے عمرؓ!" — ہرمزان نے بڑی جرأت سے کہا — "جاہلیت کے زمانے میں

بھی ہم اور تم ٹکرائے تھے اور ہم تم پر غالب آگئے تھے۔ ایسا صرف اس لئے ہُوا کہ اللہ نہ تمہاری طرف تھا نہ ہماری طرف لیکن اب اللہ تمہارے ساتھ ہو گیا ہے اور تم ہم پر غالب آگئے ہو"۔

حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر محسوس کیا کہ حجرہؓ بن شعبہ ترجمانی ٹھیک طرح نہیں کر رہے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ حجرہؓ فارسی زبان میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زیرؓ بن ثابت کو بلوایا۔ وہ فارسی بڑی اچھی سمجھتے اور روانی سے بولتے تھے۔

"تو ایک بات نہیں سمجھ سکا اے ایرانی سپہ سالار!" — حضرت عمرؓ نے کہا۔ "تم اُس جاہلیت کے زمانے میں ہم پر صرف اس لئے غالب آئے تھے کہ تیرے ہاں اتحاد تھا اور ہم پراگندہ خیال اور بکھرے ہوئے لوگ تھے۔ اب سوچ کہ تیری قوم کو ہم جو شکست پر شکست دیئے چلے جا رہے ہیں اس کا سبب کیا ہے"۔

حضرت عمرؓ کے بولنے کے انداز میں غصہ صاف نظر آرہا تھا جیسے اس شخص سے انہیں شدید نفرت ہو۔ وہ تو ہونی ہی تھی۔ اس شخص کی فوج نے ہزاروں مجاہدین اسلام کو شہید کیا تھا اور اب شکست کھا کر آیا تو بڑی شان سے شاہی لباس پہن کر آیا۔ ہرمزان تجربہ کار اور انسان شناس آدمی تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے مزاج کو دیکھ کر ان کا ارادہ سمجھ گیا۔

"اے عمرؓ!" — ہرمزان نے کہا — "میں جانتا ہوں تم مجھے قتل کر دو گے"۔

"موت سے نہ ڈرو" — حضرت عمرؓ نے کہا — "مجھے معلوم نہیں میں کیا کروں گا اور اللہ مجھ سے کیا کروائے گا"۔

ہرمزان نے پانی مانگا اور کہا کہ وہ پیاس سے مر رہا ہے۔ امیرالمومنین کے حکم سے اس کے لئے پانی لایا گیا لیکن پانی لانے والے نے غالباً یہ سوچا کہ امیرالمومنین نے اس کی شاہانہ پوشاک اتروا کر موٹے کپڑے کا لباس پہنا دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ذلیل و خوار کرنا ہے چنانچہ یہ شخص ہرمزان کے لئے ایک گھٹیا سے پیالے میں پانی لایا۔

"اے مسلمانوں کے خلیفہ!" — ہرمزان نے کہا — "اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں تو بھی اس پیالے میں پانی نہیں پیوں گا"۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے بڑے ہی اچھے پیالے میں پانی لایا گیا۔ ہرمزان پانی پینے لگا

تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"اے عمرؓ!" — ہرمزان نے کہا — "مجھے ڈر ہے کہ میں جونہی پانی پی چکوں گا مجھے قتل کر دیا جائے گا"۔

"یہ ڈر دل سے نکال دے" — حضرت عمرؓ نے کہا — "جب تک تُو پانی پی نہ لے گا تجھے قتل نہیں کیا جائے گا"۔

ہرمزان نے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر پانی پیئے بغیر پیالہ ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے بعد امیرالمومنین اور ہرمزان میں جو گفتگو ہوئی اس میں ترشی اور سخت کلامی پیدا ہو گئی۔ اس حد تک کہ احنفؓ بن قیس اور انسؓ بن مالک کو دخل اندازی کرنی پڑی۔

"میں تجھے قتل کروں گا" — حضرت عمرؓ نے کہا۔

"اے عمرؓ!" — ہرمزان نے کہا — "تُو مجھے قتل نہیں کر سکتا کیونکہ ابھی ابھی تو مجھے زندہ رہنے کا حق دے چکا ہے"۔

"تُو جھوٹ بول رہا ہے" — حضرت عمرؓ نے غصیلی آواز میں کہا — "میں تجھے جینے کا حق نہیں دے سکتا"۔

حضرت عمرؓ کا غیض و غضب دیکھ کر انسؓ بن مالک کو پھر دخل اندازی کرنی پڑی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہرمزان ان سے دھوکے میں جان کی امان پا چکا ہے۔

"تُو کیا کہہ رہا ہے انسؓ!" — حضرت عمرؓ نے سٹپٹا کر پوچھا — "میں ایسے شخص کو کس طرح جان کی امان دے سکتا ہوں جس نے ہمارے اچھے اچھے سالار قتل کر ڈالے ہیں.... میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ شخص کس دھوکے سے مجھ سے جان بخشی کروا چکا ہے"۔

"یا امیرالمومنین!" — انسؓ نے کہا — "اس نے کہا تھا کہ جونہی میں پانی پی لوں گا آپ مجھے قتل کر دیں گے۔ آپ نے کہا تھا کہ یہ جب تک پانی نہیں پی لے گا اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس نے پانی الگ رکھ دیا۔ اب یہ شخص پانی پیئے گا ہی نہیں"۔

"اے ایران کے فریب کار سپہ سالار!" — حضرت عمرؓ نے ہرمزان پر غضبناک نگاہ ڈال کر کہا — "تُو نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ خدا کی قسم میں اس لئے دھوکہ کھا گیا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ مسلمان اُگلے ہوئے الفاظ نگلا نہیں کرتا"۔

"اے خلیفۃ المسلمین!" — ہرمزان مسکرایا اور دایاں ہاتھ حضرت عمرؓ کی طرف بڑھا دیا — "میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ میں یہی مقصد لے کر یہاں آیا تھا"۔

اس طرح ایران کے ایک بہت بڑے جرنیل نے جو شاہی خاندان کا فرد بھی تھا، اسلام قبول کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت عمرؓ سے اجازت چاہی کہ وہ باقی عمر مدینہ میں گذارنا چاہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دے دی اور دو ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ دو مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہرمزان نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ اس نے یہ دھوکہ اس لئے دیا تھا کہ لوگ خصوصاً ایرانی یہ نہ کہہ سکیں کہ اس نے تلوار اور جان کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔ یہ بھی تاریخ میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ جنگی امور میں ہرمزان سے مشورے لیا کرتے تھے۔ تاریخ میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ مدینہ میں کیا کام کرتا رہا تھا۔ صرف ایک جملہ لکھا ہے کہ اس نے اسلام کی خاطر بہترین خدمات سرانجام دیں۔ بہرحال اس کا اپنا انجام بہت بُرا ہُوا۔

ہم چونکہ فتح مصر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور یہی ہمارا موضوع ہے لیکن بات ہرمزان اور حضرت عمرؓ کی چل نکلی ہے تو موزوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا واقعہ بیان کر دیا جائے۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو 26 ذوالحج 23 ہجری بروز بدھ مسجد میں ایک قاتل نے شہید کر دیا تھا۔ قاتل کا نام ابو لولو فیروز تھا اور وہ حجرہؓ بن شعبہ کا نصرانی غلام تھا۔ وہ جب پکڑا گیا تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کرلی۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ وہ ایرانی تھا اور جنگِ نہاوند میں جنگی قیدی بنایا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے یہ معلوم کرتے پھر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ کو کیا اس شخص نے کسی ذاتی عناد کی بنا پر شہید کیا ہے یا اس کے پیچھے کوئی سازش ہے۔ قاتل کا خنجر اپنے قبضے میں لے لیا گیا تھا۔ یہ عام قسم کے خنجروں جیسا نہیں تھا بلکہ اس کا دستہ درمیان میں تھا اور یہ ایک کی بجائے دو خنجر تھے۔ ایک پھل ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف۔

تاریخ کی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر نے یہ خنجر دیکھا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"خدا کی قسم، میں نے یہ خنجر پہلے دیکھا ہے" — عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر نے کہا اور ذرا چونک کر بولے — "میں نے ہرمزان کو دو آدمیوں کے ساتھ کھڑے کھُسر پھُسر

رتے دیکھا تھا۔ ایک جفینہ اور دوسرا یہ مردود قاتل ابو لولو فیروز تھا۔ مجھے دیکھ کر یہ ؤں چونک پڑے۔ جب تیزی سے اِدھر اُدھر چلنے لگے تو یہ خنجر گر پڑا جو ابو لولو نے اٹھا اور چلے گئے"۔

عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر کی یہ بات سن کر معمّر صحابہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اپنی رائے دی جس سے یہ ثابت ہُوا کہ ہرمزان اور جفینہ حضرت عمرؓ کے قتل میں ریک تھے۔ عبیداللہ بن عمرؓ نے جب ان صحابہ کرام کی باتیں اور ان کی رائے سنی تو ہوں نے تلوار اٹھائی اور غیض و غضب میں گھر سے نکل گئے۔ پہلے ہرمزان کے گھر ہنچے اور اسے باہر بلا کر کہا کہ میرے ساتھ آؤ میرا گھوڑا دیکھو۔ ہرمزان ان کے آگے گے چلا تو عبیداللہ بن عمرؓ نے ایک ہی وار سے ہرمزان کا کام تمام کر دیا۔ ہرمزان گرا روہیں مرگیا۔

وہاں سے جفینہ کے ہاں پہنچے اور اسے بلا کر قتل کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لو کے ہاں گئے جہاں اس کی ایک چھوٹی بیٹی موجود تھی انہوں نے اس لڑکی کو بھی قتل کر ا اور پھر وہ ہیجان اور جنون کے عالم میں تلوار لہراتے باہر نکلے اور بڑی بلند آواز سے ہتے گئے کہ میں کسی ایرانی اور غیر مسلم غلام کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر ان پر قابو نہ اجاتا تو وہ اپنے عظیم باپ کے خون کا بدلہ نہ جانے کتنے ہی آدمیوں کو قتل کر کے چکاتے۔

○

بات ہو رہی تھی کہ اس صورتِ حال میں جو طاعون کی وبا نے پیدا کر دی تھی، برالمومنین حضرت عمرؓ اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ رومیوں یا ایرانیوں نے حملہ ردیا تو بہت بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ مسلمان لے کی تاب ہی نہ لا سکتے اور شام سے پسپا ہو آتے۔

ابھی حضرت عمرؓ کو یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ کھلے حملے کی بجائے زمین دوز حملہ بھی سکتا ہے اور ہرقل کے ہاں اس منصوبے پر ہی غور کیا جا رہا ہے کہ شام میں عیسائی بادی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دے۔

بنیامین کے ہاں کچھ اور عیسائی بھی آ کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں بعض بنیامین لے خفیہ گروہ کے آدمی تھے اور ایک دو بن سامر کی طرح بھگوڑے یا مفرور تھے۔ ان ا دو بن سامر کے بڑے گہرے اور رازدان قسم کے دوست بن گئے تھے۔ یہ دونوں

دوست بن سامر کی طرح مذہب کے معاملے میں جنونی تھے۔ دونوں بن سامر کی ہی طرح رومیوں اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے۔

بنیامین کے پاس جو دو جاسوس بڑی لمبی رپورٹ لائے تھے ان میں سے ایک بن سامر کے ایک دوست کا گہرا رازدار دوست تھا۔ اس جاسوس نے اپنے دوست کو رازداری سے بتا دیا کہ وہ کیا خبریں لائے ہیں۔

"تو کیا شام کے عیسائی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کریں گے؟" — بن سامر کے دوست نے پوچھا۔

"نہیں!" — جاسوس نے جواب دیا — "بنیامین بغاوت کے حق میں نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس سے پہلے شام کے عیسائی بغاوت کر کے بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ ادھر ہرقل کا اسقفِ اعظم قیرس بھی بغاوت کے حق میں نہیں"۔

"کیا ہرقل شام پر حملہ نہیں کرے گا؟" — بن سامر کے دوست نے پوچھا۔

"نہیں!" — جاسوس نے جواب دیا — "ہرقل شش و پنج میں پڑا ہوا ہے"۔

"یہ لوگ مسلمانوں کو سنبھلنے کی مہلت دے رہے ہیں" — بن سامر کے دوست نے طنزیہ لہجے میں کہا — "حملہ کرنے کا یہی وقت موزوں ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان پھر طاقت پکڑ لیں گے اور مصری فوج کا وہی حال کر کے پسپا کر دیں گے جو انہوں نے پہلے کیا تھا"۔

بن سامر اور اس کے یہ دونوں دوست عقل سے کم اور جذبات سے مغلوب ہو کر زیادہ سوچا کرتے تھے۔

"بنیامین کی رائے کچھ اور بھی ہے" — جاسوس دوست نے کہا — "وہ کہتا ہے کہ شام میں بغاوت نہیں ہونی چاہئے تاکہ مسلمان وبا کے اثرات سے نکل کر تیار ہو جائیں اور مصر پر حملہ کر کے رومی فوج کو یہاں سے بھگا دیں"۔

"ایسا نہیں ہو گا" — بن سامر کے دوست نے جذباتی اور غصیلی آواز میں کہا — "اس کا مطلب یہ ہُوا کہ شام پر بھی مسلمانوں کی حکمرانی ہے اور مصر پر بھی ان کی حکمرانی قائم ہو جائے گی.... نہیں، نہیں.... ہم شام میں بغاوت کرائیں گے"۔

تینوں نے اپنا ایک منصوبہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ شام میں بغاوت کرانے کے لئے یہاں سے کچھ آدمی بھیجے جائیں گے جو وہاں خفیہ طریقے سے لوگوں کو

مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں گے۔ ان تینوں کا خیال تھا کہ یہ کام وہ بھی تو کر سکتے ہیں۔ تینوں نے ایک دوسرے کو یقین دلا دیا کہ یہ زمین دوز تخریب کاری وہ کر سکتے ہیں اور عیسائیت کی رُو سے یہ ان کا فرض ہے کہ یہ کارروائی کریں۔ ان کی عقل پر مذہبی جنون اور کٹڑپن غالب آگیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنیامین کو بتائے بغیر یہاں سے نکل جائیں اور شام جا پہنچیں۔

اینی اب بن سامر کی بیوی تھی۔ وہ بھی ان دوستوں کی ملاقاتوں میں شریک ہوتی اور ان کی باتیں سنتی رہتی تھی۔ اینی تو جوان اور بہت ہی حسین لڑکی تھی اور اس میں خاص قسم کا پھرتیلا پن اور زندہ مزاجی تھی۔ بن سامر کے ان دونوں دوستوں کے ساتھ وہ پوری طرح بے تکلف ہو گئی تھی۔ وہ بن سامر اور اس کے ان دوستوں کی ہم خیال تھی۔

بنیامین کے ہاں گھوڑے موجود رہتے تھے۔ ایک رات ان تینوں نے چار گھوڑے تیار کئے اور چپکے سے وہاں سے چل دیئے۔ بنیامین کے ہاں کوئی پہرہ دار یا سنتری پہرہ پر ہوتا نہیں تھا کہ انہیں دیکھ لیتا۔ وہ دشوار گذار ریگزار تھا۔ ایک گھوڑے پر اینی سوار تھی۔ ریت پر چلتے ہوئے گھوڑوں کی آہٹ تو سنائی ہی نہیں دیتی تھی۔



صبح تک وہ بہت دور تک پہنچ گئے۔ صبح بنیامین نے چاروں کو غیر حاضر دیکھا اور اصطبل کے چار گھوڑے کم دیکھے تو اس نے اتنا ہی کہا کہ خدا انہیں اپنی امان میں رکھے۔

اگر وہ سکندریہ چلے جاتے تو وہاں سے انہیں بحری جہاز مل جاتا جو انہیں انطاکیہ پہنچا دیتا لیکن احتیاط لازم تھی۔ یہ احتیاط بن سامر کے لئے تھی کیونکہ وہ فوج کا بھگوڑا اور مفرور قاتل تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ سفر کے دوران کہیں دیکھا اور پہچانا نہ جائے۔

وہ آبادیوں اور فوجی چوکیوں سے دور دور ویرانے میں چلے جا رہے تھے۔ بن سامر نے داڑھی خاصی بڑھالی تھی اور ایسا لباس پہن لیا تھا جیسے وہ کوئی راہب یا مذہبی پیشوا ہو۔ بن سامر چونکہ فوج میں عہدے دار رہ چکا تھا اس لئے وہ مصر میں فوج کے ساتھ بہت سے علاقوں میں گھوما پھرا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مصر کے مشرقی ساحل پر بحیرۂ احمر اور خلیج سویز پر باقاعدہ بندرگاہیں ہیں لیکن وہاں اسے دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں فوج کی موجودگی کا خطرہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ بعض جگہوں سے جہاز مل جاتے ہیں جو

باقاعدہ بندرگاہوں پر لنگر انداز نہیں ہوتے۔

تین دنوں کی مسافت کے بعد وہ بحیرۂ احمر کے شمالی ساحل پر جہاں سے خلیج سویز شروع ہوتی ہے، ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں چھوٹے بادبانی جہاز مل سکتے تھے۔ وہ گھوڑے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ جہاز میں گھوڑے لے جائے جاسکتے تھے۔ اس جگہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ تین چار دنوں تک ایک جہاز تیار ہو جائے گا۔

چوتھے پانچویں روز جہاز تیار ہو گیا۔ ان تینوں دوستوں کے پاس اتنی رقم موجود تھی جو عرب کے ساحل تک پہنچانے کے لئے کافی تھی۔ جہاز بھی اتنا بڑا تھا کہ گھوڑے بھی اس میں آگئے۔

O

اگر جہاز کو اس ساحل سے بالکل سیدھ میں عرب کے ساحل تک جانا ہوتا تو یہ فاصلہ ایک سو میل سے کچھ ہی زیادہ بنتا تھا لیکن جہاز عرب کے ساحل پر ایک دور کی بندرگاہ تک جارہا تھا اور یہ فاصلہ ساڑھے تین سو میل بنتا تھا۔ اس طرح منزل تک پہنچے کے لئے کئی دن درکار تھے۔

جہاز نے لنگر اٹھایا اور بادبان کھول دیئے۔ کچھ ہی دیر بعد بن سامر نے اپنے دوستوں کو مشورہ دیا کہ جہاز کے مسافروں کے ساتھ میل ملاقات شروع کر دیا جائے اور ان میں اگر عیسائی ہیں تو انہیں اپنے مشن کے لئے تیار کیا جائے۔ اس پروگرام کے تحت انہوں نے اُسی روز مسافروں سے ملنا شروع کر دیا۔ دو دنوں میں انہیں پتہ چل گیا کہ کتنے مسافر عیسائی اور کتنے مسلمان ہیں۔

بن سامر کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ جہاز انہیں عرب کی کسی بندگارہ پر اتارے گا اور وہاں سے شام کا سفر بڑا ہی لمبا ہو گا اور یہ سارا علاقہ ریگستانی ہے۔ اس نے عیسائیت کے نام پر اتنا لمبا سفر اور اس کی اذیتیں اور صعوبتیں ذہنی طور پر قبول کر لی تھیں اور دوستوں کو بھی بتا دیا تھا کہ سفر کتنا لمبا اور کیسا ہو گا۔ ان کے پاس گھوڑے تھے اس لئے وہ کچھ زیادہ پریشان نہ ہوئے۔

انہوں نے عیسائیوں میں سے چار پانچ سرکردہ سردار قسم کے افراد منتخب کر لئے اور ان کے قریب ہو گئے۔ اتفاق سے ان میں ایک شام کے کسی عیسائی قبیلے کا سردار تھا۔ تینوں نے ان عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔ ان مسافروں کے

ساتھ بحث مباحثہ بھی ہوتا تھا اور آخر یہ عیسائی مسافر قائل ہو گئے۔

بن سامر اور اس کے دوست ان عیسائیوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ وہ بھی اپنے طور پر شام جائیں اور عیسائی قبائل کو بغاوت پر آمادہ کریں۔

انہیں ایک اور عیسائی ملا جو ادھیڑ عمری کی اوائل عمر میں تھا۔ بن سامر اور اس کے دوستوں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ یہ شخص دانشمند لگتا ہے اور جب بولتا ہے تو اس کے انداز میں ایک تاثر ہوتا ہے جو دوسروں کو متاثر کر دیتا ہے۔ ایک روز ان تینوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے شام کے کسی شہر کا نام لیا کہ وہ وہاں کا رہنے والا ہے۔

ان تینوں نے اسے پاس بٹھا کر تبلیغ شروع کر دی اور پھر کہا کہ شام میں عیسائی بغاوت کر دیں تو کم از کم اس ملک پر عیسائیت کی حکمرانی ہو سکتی ہے۔ اس عیسائی نے ان کی تائید کی اور پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور وہ کیا کرنے آئے ہیں۔ بن سامر نے اسے بتا دیا کہ وہ اِسی مشن پر آئے ہیں اور وہاں خفیہ طور پر یہ کام کریں گے۔

اس شخص نے ان سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ ہرقل اور مقوقس اور بنیامین اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔ بن سامر نے اسے وہ ساری بات سنا دی جو جاسوس بنیامین کو سنا چکے تھے اور بن سامر کو ایک دوست کے ذریعے یہ ساری رپورٹ ملی تھی۔ اس نے ان سے اور بھی بہت سی باتیں پوچھ لیں جن میں ایک یہ تھی کہ رومی فوج کس حالت میں ہے اور اس کے جرنیل کیا کرتے ہیں۔ بن سامر خود فوجی تھا اور اس نے بنیامین کے ہاں جا کر بھی بہت سی باتیں سنی تھیں اس لئے وہ سب کچھ اس شخص کو بتا دیا۔

ایک رات بن سامر جہاز کے عرشے پر گیا۔ رات چاندنی تھی۔ عرشے پر ٹہلتے ٹہلتے یہی شخص نظر آیا۔ اسے شک ہُوا یہ وہ آدمی نہیں لیکن وہ بالکل وہی آدمی تھا۔ بن سامر نے سوچا کہ اس کی شکل و صورت سے ملتی جلتی شکل صورت کے دو آدمی بھی تو ہو سکتے ہیں لیکن اسے کچھ شک سا ہُوا۔ اس نے قریب ہو کر اس شخص کو دیکھا۔ بن سامر کو شک اس لئے ہُوا تھا کہ وہ آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ بن سامر کو اس نے بتایا تھا کہ وہ عیسائی ہے۔ وہ عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا اور دو مسافر اس کے قریب ہی نماز پڑھ رہے تھے۔

"تم تو کہتے تھے کہ مسلمان نہیں ہو" — بن سامر نے اس سے پوچھا — "لیکن تم تو نماز پڑھ رہے ہو"۔

"میں درویش آدمی ہوں" — اس نے کہا — "خدا کی عبادت فرض ہے، ضروری نہیں کہ ایک ہی طرح سے عبادت کی جائے۔ میں مسلمانوں والی نماز نہیں پڑھ رہا، میں اس طریقے سے خدا کو یاد کر رہا ہوں"۔

بن سامر کی تسلّی نہ ہوئی۔ اس نے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہ آدمی اسے ٹالتا رہا۔ آخر بن سامر وہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص عیسائی نہیں مسلمان ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا اور رائے یہ دی کہ اس قسم کے آدمی عموماً جاسوس ہُوا کرتے ہیں اور یہ شخص مسلمانوں کا جاسوس ہی معلوم ہوتا ہے۔

اگلے ہی روز انہوں نے مسافروں سے تصدیق کروائی کہ یہ شخص مسلمان ہے اور عربی ہے۔ یہ تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ جاسوس ہے۔

حقیقت یہ تھی کہ یہ آدمی مسلمان تھا اور جاسوسی کے لئے ہی مصر بھیجا گیا تھا۔ اُس رات عرشے پر جو دو آدمی اس کے قریب نماز پڑھ رہے تھے وہ اس کے ساتھی تھے۔ تفصیلات لکھنے والے تاریخ نویسوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان تینوں کو کس نے مصر بھیجا تھا۔

بن سامر کو زیادہ غصہ اس لئے آ رہا تھا کہ اس مسلمان نے اس سے بہت سی ایسی باتیں پوچھ لی تھیں جو وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ ان باتوں سے ہی بن سامر کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص جاسوس ہی ہو سکتا ہے۔

بن سامر نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ اس مسلمان مسافر نے اسے کس طرح دھوکہ دیا ہے۔ اس کے دوست بھی جذباتی اور جنونی تھے، عقل سے تو سوچتے ہی نہیں تھے، انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ رات کے وقت موقعہ دیکھ کر اس مسلمان کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔

بن سامر نے کہا کہ اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو آج رات ہی ہو جائے۔

"میرے ساتھ اس کی بڑی اچھی بات چیت ہے" — بن سامر نے کہا — "میں اسے کہوں گا کہ چلو عرشے پر چل کے بیٹھتے ہیں تو وہ فوراً چل پڑے گا۔ اسے ایسی جگہ کھڑا کریں گے جہاں کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہو گا۔ یہ کام رات کو کریں گے۔ ہم اسے سمندر میں دھکیل دیں گے۔ کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا اور جہاز آگے ہی آگے چلتا جائے

گا"۔

بن سامر اسی شام اس مسلمان جاسوس سے ملا اور بڑی بے تکلفی سے دوستانہ بات کا اظہار کیا۔ اسے کہا کہ آج رات وہ اس کے پاس بہت دیر بیٹھنا چاہتا ہے۔ مسلمان نے اس سے پوچھا کہ کوئی خاص بات ہے یا ویسے ہی اوپر جا بیٹھنے کو جی چاہتا ہے!

"میں نے بہت سوچا ہے" — بن سامر نے کہا — "میں آخر مان گیا ہوں کہ تم درویش ہو اور خدا کو راضی رکھنے کا تم نے اپنا ہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ تم عالم اور دانشور معلوم ہوتے ہو۔ مجھے اپنا شاگرد سمجھ لو اور آج رات یہ راستہ مجھے بھی سمجھا دو اور دکھاؤ۔ میں دراصل پریشان حال آدمی ہوں۔ شاید خدا مجھ سے بہت ناراض ہے۔ میں تمہیں اپنی زندگی کی داستان سنانا چاہتا ہوں"۔

"جس وقت کہو گے اوپر چلے چلیں گے" — مسلمان نے کہا — "کہو گے تو ساری رات تمہارے ساتھ اوپر بیٹھا رہوں گا"۔

بن سامر نے اس مسلمان کو وہ وقت بتایا جس وقت مسافر اپنی جگہوں پر سو جایا کرتے تھے۔ مسلمان نے یہ وقت قبول کر لیا اور کہا کہ وہ اس وقت اوپر آ جائے گا۔

بن سامر دوڑا گیا اور اپنے دوستوں کو بتایا کہ آج رات شکار خود ان کے جال میں آ جائے گا۔ اس کے دوست بہت خوش ہوئے اور اس مسلمان کو سمندر میں پھینکنے کے لئے تیار ہو گئے۔

○

اُس رات تک جہاز تقریباً آدھا سفر طے کر چکا تھا۔ مسلمان جاسوس مقررہ وقت پر عرشے پر چلا گیا۔ فوراً ہی بعد بن سامر اس کے پاس پہنچا۔ مسافر نیچے سو گئے تھے۔ عرشے پر ایک تو بن سامر تھا اور دوسرا مسلمان جاسوس اور دو تین اور آدمی الگ جنگلے کے ساتھ کھڑے چاندنی رات میں سمندر کا نظارہ کر رہے تھے۔ ایک طرف افق پر بجلی چمک رہی تھی اور صاف پتہ چلتا تھا کہ گھٹا اوپر اٹھتی آ رہی ہے۔ ہوا بالکل ساکن ہو گئی تھی اور بادبان جو ہوا سے بھرے رہتے تھے عام کپڑوں کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے جس کے زیرِ اثر جہاز کی رفتار نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

بن سامر مسلمان تک پہنچا اور دونوں جنگلہ پکڑ کر چاندنی میں چمکتے سمندر کو دیکھنے لگے اور پھر انہوں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی گھٹاؤں کو دیکھا اور دیکھتے ہی

دیکھتے گھٹاؤں نے چاند کو اپنے عقب میں لے لیا۔ بن سامر کے دونوں دوست عرشے پر آ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ بن سامر اور مسلمان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

بن سامر نے وقت کا بڑا اچھا انتخاب کیا تھا۔ گھٹاؤں نے اس کے ساتھ یہ تعاون کیا کہ چاند کو چھپا کر رات کو تاریک کر دیا۔ اب ان تینوں کے لئے مسلمان کو اٹھا کر سمندر میں پھینکنا آسان ہو گیا تھا اور دیکھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔

بن سامر کے دوست قریب پہنچے تو اچانک ہوا چل پڑی۔ سب نے محسوس کیا کہ ہوا معمول سے زیادہ ٹھنڈی ہے۔ اب چند لمحوں میں ہی ان تینوں نے اپنا شکار مار لینا تھا۔

"او بھائیو!" — انہیں کچھ دور سے للکار سنائی دی — "فوراً نیچے چلے جاؤ طوفان آ رہا ہے۔ سمندر میں جا گرو گے.... جلدی چلو یہاں سے' نیچے بھاگ جاؤ"۔

ان سب نے اُدھر دیکھا' جہاز کے دو تین ملاح دوڑتے آ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے انہیں وہاں سے چلے جانے کو کہا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹے اور آہستہ آہستہ چل پڑے۔ انہوں دیکھا کہ ملاحوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ شاید تمام ہی ملاح اوپر آ گئے تھے اور بادبانوں کے رسّے کھینچنے لگے تھے۔

فوراً ہی ہوا اور تیز ہو گئی اور اس نے طوفانی رفتار پکڑ لی۔ پھر ایسی موسلادھار بارش شروع ہو گئی کہ اوپر ٹھہرنا محال ہو گیا۔ جہاز کاغذ کی ناؤ کی طرح ڈولنے لگا اور پھر اس طرح جیسے کوئی زبردست طاقت جہاز کو اوپر اٹھا اٹھا کر سمندر کی سطح پر پٹخ رہی ہو۔

مسافر جاگ اٹھے۔ وہ تو ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ مسافر' مسلمان جاسوس اور بن سامر کے دوستوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کہاں ہیں اور دوسرے کہاں ہیں۔ سمندر کی طوفانی موجیں اوپر اٹھ اٹھ کر جہاز میں گر رہی تھیں۔

بادبان لپیٹ دیئے گئے تھے لیکن جلدی میں اچھی طرح لپیٹے نہ جا سکے اور اتنی تیز طوفانی آندھی میں پھڑپھڑانے لگے۔ اب جہاز بڑے ہی زبردست طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ کسی کو کسی کا خیال نہ رہا۔ ماؤں نے بچوں کو سینوں سے لگا لیا لیکن جب جہاز اوپر اٹھتا یا دائیں اور بائیں کو ڈولتا تو ماؤں کے لئے بچوں کو سینے سے چپکائے رکھنا ممکن نہ رہا۔ مائیں پکڑتی تھیں اور بچے بازوؤں سے گر پڑتے تھے۔ جہاز کے اندر بھی یوں لگتا تھا جیسے مسافر سمندر میں ہوں۔ جہاز میں پانی بھرتا جا رہا تھا۔

مسافر چیخ چلّا رہے تھے لیکن طوفان کی چیخیں اور زناٹے اس چیخ و پکار سے کئی گنا زیادہ بلند اور جگر پاش تھے۔ جہاز اپنے جہاز رانوں کی گرفت سے نکل گیا تھا اور اب یہ طوفانِ باد و باراں کے رحم و کرم پر تھا۔ اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کسی کا کوئی عزیز سمندر میں جا پڑا ہو۔ مسافر ایک ایک دو دو کر کے سمندر میں ڈوب رہے تھے۔

طوفان نے جہاز کو ساحل کے قریب کر دیا۔ جہاز کے اندر اتنا زیادہ پانی آ گیا تھا کہ اب کسی بھی لمحے اسے ڈوب جانا تھا۔

لمحے طوفان کی تیز و تند رفتار کے ساتھ گزرتے جا رہے تھے اور جہاز ایک طرف سے ڈوبنے لگا۔ اس کے تین چار تختے نکل گئے اور ادھر سے سمندر کی موجیں جہاز میں آئیں تو جہاز اس پہلو پر ہو گیا۔ مسافر جو ابھی تک اس امید پر جہاز میں ہی رہے کہ طوفان گزر جائے گا' سمندر میں کود گئے۔ کچھ ہی وقت بعد جہاز ڈوب گیا۔



صبح طلوع ہوئی تو آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے منڈلا رہے تھے اور ان میں ایک گونا معصومیت تھی۔ سمندر پُرسکون تھا جیسے رات کچھ ہُوا ہی نہ ہو۔ اس سمندر نے نہ جانے کتنے مسافروں اور ان کے بچوں کو اور بچوں کی ماؤں کو اپنے پیٹ میں ڈال کر ہضم کر لیا تھا۔

ساحل پر کچھ دور دور تک چند آدمی نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے پڑے تھے جیسے بے ہوش ہو گئے ہوں اور کچھ قدم گھسیٹتے جا رہے تھے۔ یہ وہ خوش قسمت تھے جو تیر کر ساحل پر پہنچ گئے تھے۔ وہ تیرنا جانتے تھے اور طوفان نے ان پر یہ کرم کیا تھا کہ جہاز کو ساحل کے تھوڑا قریب کر دیا تھا مگر جہاز جہاں تک گیا تھا وہ بھی سمندر بہت ہی گہرا اور موجیں طوفانی تھیں۔ کوئی قسمت والا تیراک ہی نکل سکتا تھا۔

دن کا پچھلا پہر تھا۔ تین آدمی آہستہ آہستہ ساحل سے خاصی دور اکٹھے چلے جا رہے تھے۔ وہ عربی معلوم ہوتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آبادی تک پہنچ جائیں گے۔ اس علاقے کی آبادیوں اور بستیوں سے واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ جدہ اور مدینہ کے درمیانی علاقے میں جا رہے ہیں۔

صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ تینوں سمندر میں سے نکل کر آئے ہیں۔ اڑھائی تین میل

گئے تو انہیں ایک آدمی یوں بیٹھا نظر آیا کہ اس نے سر اپنے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو یا کسی تکلیف میں ہو۔ یہ تینوں اس کے قریب پہنچے تو اس نے سر اٹھایا۔ اس نے ان تینوں کو باری باری دیکھا اور ایک کو پہچان لیا۔ یہ وہی مسلمان جاسوس تھا جسے بن سامر اور اس کے ساتھی سمندر میں پھینک دینے کے لئے عرشے پر گئے تھے لیکن طوفان نے ان کے ارادے کی تکمیل نہ ہونے دی۔

مسلمان جاسوس نے اسے پہچان لیا۔ وہ بِن سامر تھا۔ اس مسلمان کے ساتھ وہ جوان سال آدمی تھے جو اس کے ساتھی تھے اور جاسوسی کے مشن پر اس کے ساتھ گئے تھے۔

"تم خوش قسمت ہو بِن سامر!" — مسلمان جاسوس نے کہا — "اس طوفانی سمندر سے زندہ نکلنا خوش قسمتی نہیں تو اور کیا ہے .... تمہارے ساتھ ایک بڑی خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ کیا وہ ڈوب گئی ہے؟"

"نہیں میرے دوست!" — بن سامر نے جواب دیا — "وہ میری بیوی تھی۔ سمندر میں تو نہیں ڈوبی اس ریگستان میں ڈوب گئی ہے"۔

"میں سمجھ گیا بن سامر!" — مسلمان نے کہا — "وہ سمندر سے تو نکل آئی تھی اور یہاں آکر مر گئی ہے اور تم نے اسے دفن کر دیا ہے .... کہاں دفن کیا ہے؟"

"تم کچھ بھی نہیں سمجھے میرے بھائی!" — بن سامر نے کہا — "میں تمہیں کیا بتاؤں مجھ پر کیا گزری ہے!"

"بِن سامر!" — مسلمان نے کہا — "اب میں تمہیں اپنے متعلق صحیح بات بتاتا ہوں۔ میں عیسائی نہیں مسلمان ہوں اور میرا نام مسعود بن سہیل تکی ہے۔ تم اب میرے ملک میں ہو۔ میں اور میرے یہ دوست تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے" — مسعود بن سہیل اور اس کے دونوں ساتھی بن سامر کے پاس بیٹھ گئے۔ مسعود نے کہا — "اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو اور تم پر کیا بیتی ہے"۔

بن سامر کو یہ خیال ضرور آیا ہو گا کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے جہاز کے عرشے پر لے گئے تھے۔ مسعود کو تو ان کے اس ارادے کا علم ہی نہیں تھا لیکن بن سامر محسوس کرنے لگا کہ ان مسلمانوں سے اسے کسی اچھے سلوک کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ یہ اثرات تھے اُس عداوت کے جو اس نے اپنے ذہن میں مسلمانوں کے خلاف بٹھا رکھی

تھی۔ چونکہ مسعود بن سہیل اور اس کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی سے اس کے پاس بیٹھ گئے تھے اور اس کی بات سننا چاہتے تھے اس لئے اس نے انہیں اصل واقعہ سنا دیا۔

اس نے یوں سنایا کہ جب جہاز ڈوبنے لگا تو وہ اور اس کے دو ساتھی سمندر میں کود گئے۔ بن سامر کو سب سے زیادہ خیال اینی کا تھا۔ اس نے یہاں تک سوچ لیا تھا کہ اینی ڈوب گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ ڈوب مرے گا۔

وہ سمندر میں کود کر اینی کو پکارنے لگا۔ اینی بھی کود گئی تھی لیکن وہ سمندر میں اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر اینی کو ڈھونڈنے کے لئے تیرنے لگا۔ جلد ہی اسے نظر آ گیا کہ اس کے ایک ساتھی نے اینی کو اپنی پیٹھ پر ڈال لیا تھا اور ساحل کی طرف تیر رہا تھا۔ وہاں تو طوفان کی چیخیں اور زناٹے تھے اور بپھرے ہوئے سمندر کی اٹھتی گرتی طوفانی موجیں تھیں۔ بن سامر نے اپنے دوست کی یہ آواز سن لی کہ اینی کی فکر نہ کرو' اسے میں باہر نکال لوں گا۔

بن سامر مطمئن ہو گیا اور ساحل تک پہنچنے کے لئے سمندر سے لڑنے جھگڑنے لگا۔ وہ فوجی ہونے کی وجہ سے بڑا اچھا تیراک تھا اور اس کے ساتھی بھی تیراکی میں مہارت رکھتے تھے۔

ساحل سے کچھ دور ہی تھے۔ سمندر کی موجوں نے ان تینوں کی بہت مدد کی۔ وہ اس طرح کہ موجیں ساحل کی طرف جا رہی تھیں اور ساحل سے ٹکرا کر واپس آتی تھیں۔ اس طرح ان موجوں نے انہیں ساحل پر لے جا کر پھینک دیا لیکن ان کی جسمانی حالت اس قدر بُری ہو چکی تھی جیسے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکیں گے۔ جوان آدمی تھے' کچھ وقت بعد ان کے جسم نارمل حالت میں آنے لگے اور وہ اُس منزل کی طرف چلنے کے قابل ہو گئے جس کا انہیں ابھی پتہ ہی نہ تھا۔ ایک دو مسافر ان ہی کی طرح سمندر سے نکل آئے تھے۔ انہوں نے بن سامر کو بتایا کہ یہ عرب کا ساحل ہے اور شام بہت دور ہے۔

وہ چل پڑے اور رات آ گئی۔ انہوں نے خاصا فاصلہ طے کر لیا تھا لیکن دُور دُور تک آبادی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ رات کو وہ ایک جگہ لیٹ گئے۔ اینی بِن سامر کی بیوی تھی اس لئے یہ دونوں اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ ہٹ کر اکٹھے لیٹے۔ تھکن نے ان کے جسم توڑ دیئے تھے۔ لیٹتے ہی سو گئے۔

آدھی رات سے کچھ پہلے بن سامر کو کچھ شور اور کچھ ہلچل سنائی دی تو وہ جاگ اٹھا۔ رات چاندنی تھی اس لئے بڑی اچھی طرح کچھ دور تک نظر آجاتا تھا۔ بن سامر نے دیکھا کہ اینی اس کے پہلو سے غائب ہے اور ذرا ہی پرے اس کے دونوں ساتھی اینی کے ساتھ دست درازی کر رہے تھے۔ دست درازی بھی ایسی کہ اس کے جس دوست نے اینی کو اپنی پیٹھ پر ڈال کر طوفانی سمندر سے نکالا تھا' اس نے اینی کو نیچے گرا رکھا تھا اور اسے برہنہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کا دوسرا دوست اینی کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

بن سامر دوڑتا ہُوا وہاں تک پہنچا۔ پہلے ایک دوست کے منہ پر گھونسا مار کر پرے گرایا پھر دوسرے کو بڑی زور سے لات ماری اور اینی کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس کا تو دماغ ماؤف ہوگیا تھا کہ یہ اس کے دوست ہیں جو اس کی عزت پر مجرمانہ حملہ کر رہے ہیں۔ یہ تو مذہبی جنونی تھے' آخر انہیں ہو کیا گیا ہے!

"دور کھڑے رہو بن سامر!" — اس کے ایک دوست نے کہا — "اسے میں سمندر سے نکال کر لایا تھا اور اس دوست نے میری مدد کی تھی۔ اس لڑکی پر ہمارا اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا ہے"۔

"تم تو اسے سمندر میں ڈوب مرنے کے لئے چھوڑ آئے تھے" — دوسرے دوست نے کہا — "اب تمہارا اس پر کوئی حق نہیں"۔

بن سامر نے اینی کو اپنے پیچھے کر لیا اور ان دونوں سے کہا کہ وہ تو مذہب پرست آدمی ہیں' یہ حرکت شیطانوں والی ہے۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ وہ کس مقصد کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ اس کے دوستوں پر اس کی کوئی بات اثر نہیں کر رہی تھی۔ وہ دھمکیوں پر اتر آئے تھے۔ آخر ایک دوست نے کہا کہ وہ اینی کو صرف آج رات کے لئے ان کے حوالے کر دے۔ بن سامر کو یہ صورت قبول نہیں تھی اور ہونی بھی نہیں چاہئے تھی۔ وہ آخر اس کی بیوی تھی۔

"تم دونوں پر شیطان غالب آگیا ہے" — بن سامر نے کہا — "میں شیطان کا دماغ درست کرنے کا طریقہ جانتا ہوں"۔

بن سامر ان کی طرف بڑھا تو وہ دونوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ تینوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا ورنہ وہ لہولہان ہو جاتے اور ان میں سے کوئی قتل بھی ہو سکتا تھا۔ دونوں

دوست بن سامر پر ٹوٹ پڑے اور اس پر گھونسوں اور لاتوں کی بوچھاڑ کر دی۔

بن سامر نے دونوں کا مقابلہ کیا لیکن وہ بھی اسی جیسے جواں سال اور طاقتور تھے۔ اینی کم سن لڑکی تھی' وہ بن سامر کی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ وہ الگ کھڑی دیکھتی رہی۔ ان دونوں میں سے کسی کے پاس ہتھیار ہوتا تو وہ بن سامر کو قتل ہی کر دیتے۔

انہوں نے بن سامر پر قابو پالیا اور اسے اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوشی کی حالت میں بھی اس کے پہلوؤں میں ٹھڈ مارتے رہے تاکہ یہ اٹھنے کے قابل نہ رہے۔

بن سامر ہوش میں آیا تو اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ہڈیاں کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی ہیں۔ سر چکرا رہا تھا۔ وہ اٹھا تو پاؤں پر کھڑا رہنا محال نظر آیا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اس نے ہر طرف دیکھا۔ اس کے سامنے ریگستان پھیلا ہُوا تھا اور اینی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ جان گیا کہ اس کے دوست اس کی بیوی کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا کہ کیا کرے اور کدھر جائے۔ اس نے چلنے کی کوشش کی تو چند قدم چل کر ہی بیٹھ گیا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھ کر اس تلخ حقیقت کو ذہنی طور پر قبول کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ اس کے دوست اسے دھوکہ دے گئے ہیں اور اب اینی اسے نہیں مل سکے گی۔

اسے مسعود بن سہیل مکّی اور اس کے ساتھیوں نے ان تلخ سوچوں سے بیدار کیا۔

"مسعود بھائی!" — بن سامر نے کہا — "مجھے تم سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ میری مدد کرو گے۔ تم نے کہا تھا کہ میں تمہارے ملک میں ہوں اور تم مجھے اکیلا نہیں چھوڑو گے۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم میری ہر طرح مدد کرو گے؟ .... نہیں کرو گے .... تم جانتے ہو میں عیسائی ہوں۔ تم آخر میری مدد کیوں کرو گے!"

"میں مسلمان ہوں بن سامر!" — مسعود بن سہیل نے کہا — "میں اسلام کے احکام کا پابند ہوں۔ تمہارا مذہب جو کچھ بھی ہے' تم ایک انسان ہو اور مصیبت میں گرفتار ہو۔ اسلام مجھ پر فرض عائد کرتا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ اسلام کا یہ بھی حکم ہے کہ جو تمہاری زبان سے نکل گیا ہے وہ بھی عملاً پورا کرو۔ میں اور میرے یہ دوست تمہاری مدد کریں گے .... دراصل تمہاری بیوی اس قدر خوبصورت اور دلکش ہے کہ اس کا جسم حاصل کرنے کے لئے کوئی پارسا بھی پارسائی

سے دستبردار ہو سکتا ہے"۔

○

بن سامر اٹھا۔ اس کے دوست بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پہلے وہاں زمین دیکھی۔ وہاں لڑائی کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔ مسعود نے ایک طرف دیکھا اور اکیلا ہی اُس طرف چل پڑا۔ بن سامر کے دونوں دوستوں اور اینی کے نقوشِ پا صاف نظر آ رہے تھے۔ مسعود تجربہ کار جاسوس تھا۔ اس نے دیکھا کہ بعض جگہوں پر قدموں کے نشان ایسے ہیں جیسے اینی کو زبردستی یا گھسیٹ کر ساتھ لے جا رہے ہوں۔

کچھ دور جا کر مسعود واپس آیا اور اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ کیا دیکھ آیا ہے۔ صحرا میں نقوشِ پا کو چھپایا نہیں جا سکتا اور یہ تعاقب کرنے والوں کی بڑی ہی واضح اور قابلِ اعتماد رہنمائی کیا کرتے ہیں۔

"وہ دور نہیں گئے ہوں گے" — مسعود کے ایک ساتھی نے کہا — "دور جا سکیں گے بھی نہیں..... یہ بتاؤ بن سامر! کیا ان کے پاس پینے کو پانی ہے؟"

"نہیں!" — بن سامر نے جواب دیا — "ان کے پاس پانی کہاں سے آ سکتا تھا! ..... ہم تو سمندر سے نکل کر آئے تھے"۔

"اٹھو اور چلنے کی کوشش کرو!" — مسعود نے بن سامر سے کہا — "ہماری منزل کہیں اور ہے لیکن ہم پہلے کوشش کریں گے کہ تمہاری بیوی تمہیں واپس مل جائے"۔

بن سامر اٹھا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ اس سے ٹھیک طرح چلا نہیں جا رہا تھا۔ مسعود اور اس کے ایک ساتھی نے بن سامر کے دائیں اور بائیں ہو کر اس کے جسم کا کچھ بوجھ اپنے بازوؤں پر لے لیا اور اس طرح وہ کچھ دور تک چلا گیا۔ سورج اوپر آیا تو اس کی تپش نے اس کے جسم میں جان ڈال دی اور وہ بغیر سہارے کے چلنے لگا۔ وہ پرانا فوجی تھا۔ اس کا جسم مشقت برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے دو چار مرتبہ زخمی حالت میں بھی پیدل سفر کیا تھا۔ بہرحال وہ ان تینوں مسلمانوں کے ساتھ چلتا گیا۔

بن سامر کے دوستوں کے اور اینی کے نقوشِ پا بڑے صاف تھے۔ انہیں دیکھتے ہوئے چلتے گئے اور خاصی دور تک جا پہنچے۔ وہاں سے زمین کچھ سخت ہو گئی اور آگے کا علاقہ ایسا جو کہیں نشیب میں چلا جاتا تھا اور کہیں اوپر کو آ جاتا تھا اور اوپر ٹیلے تھے جو اس

طرح ایک دوسرے سے الگ الگ تھے کہ بھول بھلّیاں سی بن گئی تھیں۔ وہاں کوئی باقاعدہ راستہ تو تھا ہی نہیں۔ وہ بن سامر کے دوستوں کے نقوشِ پا پر جا رہے تھے۔ انہیں دیکھتے دیکھتے کافی دور نکل گئے۔

انہیں پیاس محسوس ہونے لگی لیکن انہوں نے قوّتِ برداشت سے کام لیا۔ باتیں کرتے کرتے وہ چلتے گئے اور نقوش پا کی رہنمائی میں چھوٹے بڑے ٹیلوں کی بھول بھلّیوں میں سے بھی گزر گئے۔

آگے ایک وسیع نشیب آ گیا جس کے چاروں طرف کنارے اونچی دیواروں جیسے تھے۔ اس میں بھی چھوٹے بڑے ٹیلے تھے۔ سامنے گھاٹی نظر آ رہی تھی لیکن وہ بھی دیوار جیسی ہی تھی۔ یہ چاروں چلتے گئے اور جب اس کے سامنے والے کنارے پر پہنچے تو ایک دوسرے کو سہارا دیتے اوپر چلے گئے۔ سب سے پہلے مسعود کا ایک ساتھی آگے آگے اوپر پہنچا تھا۔

"اللہ نے کرم کر دیا ہے" — اس ساتھی نے بلند آواز سے کہا — "اوپر آؤ اور دیکھو' جنّت ہماری منتظر ہے"۔

سب اوپر گئے تو انہیں بھی کھجور کے درختوں کے جھنڈ نظر آئے جو کم و بیش دو میل دور تھے۔ وہ یقیناً نخلستان تھا۔ انہوں نے تھکن کے باوجود رفتار تیز کر دی۔ سورج مغرب کی طرف چلا گیا تھا۔

نخلستان نے ان کے جسموں میں تازگی پیدا کر دی۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ نخلستان کے اردگرد اونچا بند سا بنا ہُوا تھا۔ قدرتی بند تھا جو خاصی دور تک چلا گیا تھا اور نیم دائرے یا دائرے کی شکل میں تھا۔ عرب کے لوگ نخلستانوں سے اور ان کی قدرتی شکل و صورت سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جب بند کے قریب پہنچے تو نسوانی چیخیں سنائی دیں۔

وہ سب دوڑ کر بند پر چڑھنے لگے تو بند پر اینی نمودار ہوئی اور نیچے اترنے لگی لیکن پیچھے سے دو آدمیوں نے اوپر آ کر اس کے بازو پکڑ لئے۔ یہ دونوں بن سامر کے دوست تھے۔

"یہی ہیں" — بن سامر نے کہا۔

مسعود بن سہیل مکی اور اس کے دو ساتھی دوڑ کر بند پر جا چڑھے اور اینی کو

بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف کر لیا۔ وہ دونوں بڑے غصے سے بولے کہ یہ لڑکی ان کی اپنی ہے اور اسے ان سے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ بن سامر ابھی بند چڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ اس کی بیوی ہے۔

مسعود اور اس کے ساتھیوں نے خنجر نکال لئے۔ بن سامر کے دوست خالی ہاتھ تھے۔ ان تینوں مسلمانوں نے ان دونوں سے کہا کہ وہ یہیں بیٹھ جائیں اور اگر ذرا سی بھی حرکت کی تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ وہ بیٹھ گئے۔ مسعود نے اینی کو سامنے کھڑا کر دیا۔

"اے لڑکی!" — مسعود نے اینی سے کہا — "ہمیں بتا انہوں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے"۔

اینی نے انہیں بتایا کہ گزشتہ رات یہ دونوں اسے گھسیٹ کر پرے لے گئے اور دست درازی کی تھی۔ پھر ان کی وہ حرکت سنائی جو وہ بن سامر سے سن چکے تھے۔ آخر میں اس نے بتایا کہ یہاں لا کر یہ دونوں اس کی آبرو ریزی کرتے رہے ہیں۔

مسعود بن سہیل نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا۔ ایک نے کہا کہ اس جرم کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی۔ یہ سنتے ہی بن سامر کے دونوں ساتھیوں نے منت سماجت شروع کر دی لیکن تینوں مسلمانوں نے پہلے ایک کو پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرایا اور پھر اس کی ٹانگیں اور بازو جکڑ لئے۔ مسعود نے اپنا خنجر اینی کو دے کر کہا کہ اس کے دل کے مقام پر پوری طاقت سے خنجر مارے پھر اس کا پیٹ چاک کر دے۔

اینی اس قدر غصے میں تھی کہ اس نے خنجر لے کر اس آدمی کو اسی طرح خنجر مارے جس طرح مسعود نے بتایا تھا۔ پھر انہوں نے دوسرے آدمی کو گرایا۔ اسے بھی اینی کے ہاتھوں سے قتل کروایا۔ اینی تو غصے میں جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ وہ اپنا کام کر چکی تھی لیکن اس نے ان دونوں کو باری باری بڑی تیزی سے سینوں اور پیٹ میں خنجر مارنے شروع کر دیئے پھر ان کی آنکھوں میں خنجر مارے۔ اگر اسے پکڑ نہ لیتے تو وہ خنجر مارتی ہی چلی جاتی۔ وہ بن سامر کے ساتھ لپٹ گئی اور بہت روئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے دیکھا' وہاں تو پانی ہی پانی تھا۔ وہ سب دوڑتے بند سے اترے اور پانی پینے لگے۔ وہاں کھجور کے بہت سے درخت تھے۔ اوپر دیکھا تو درختوں کو پھل لگا ہُوا تھا۔ کچھ کھجوریں گہرا بادامی رنگ اختیار کر گئی تھیں۔ زیادہ تر

ابھی کچّی تھیں۔۔۔ مسعود اور اس کے دونوں ساتھی ایک ایک درخت پر چڑھ گئے اور کھجوروں کے گچھے توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگے پھر وہ نیچے اترے' کھجوروں سے ریت صاف کرنے کے لئے کچھ دیر پانی میں ڈالیں اور پھر کھانے لگے تو کچّی کھجوریں بھی کھا گئے۔ بھوک نے انہیں بے حال کر رکھا تھا۔

○

سورج غروب ہو چلا تھا۔ انہوں نے رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ بھوک' پیاس اور اتنا زیادہ چلنے سے ان کے جسم ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ سورج غروب ہو گیا تو مسعود بن سہیل کے ایک ساتھی نے اذان دی پھر مسعود کی امامت میں دونوں ساتھیوں نے نماز مغرب ادا کی۔ بن سامر اور اینی انہیں دیکھتے رہے۔ عشاء کے وقت پھر ان میں سے ایک نے اذان دی اور مسعود نے باجماعت نماز پڑھائی اور اس کے بعد یہ تینوں اکٹھے ہی لیٹ گئے۔

بن سامر اور اینی بھی ان کے قریب لیٹنے لگے تو مسعود نے بن سامر سے کہا کہ وہ میاں بیوی ہیں اس لئے وہ ان سے دور جا کر سوئیں۔ وہ دونوں اٹھ کر ان سے کچھ دور چلے گئے۔

اینی اس قدر ڈری ہوئی تھی کہ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت بن سامر پر بھی طاری تھی۔

"کیا ان تینوں پر تمہیں اعتماد ہے؟" — اینی نے بن سامر سے پوچھا۔

"میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا" — بن سامر نے جواب دیا — "مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میرے پاس اُس وقت کوئی ہتھیار نہیں تھا جب میں سمندر میں کودا تھا۔ میں نہتّہ ہوں۔ اگر ایسا وقت آن پڑا تو ان سے خنجر چھیننے کی کوشش کروں گا"۔

"سو نہ جانا بن سامر!" — اینی نے بڑے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

بن سامر پر نیند کا غلبہ ہُوا جا رہا تھا لیکن وہ اس کوشش میں تھا کہ وہ نیند پر غالب آ جائے۔ اسے احساس تھا کہ اینی نوعمر بھی ہے اور بے حد حسین بھی۔ اگر اس کے اپنے ہم مذہب بھائی نے اینی کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا تو یہ تو مسلمان ہیں۔ ان پر بھروسہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

وہ دونوں اپنے آپ پر جبر کر کے جاگتے رہے۔ تینوں مسلمان گہری نیند سوئے

رہے۔ رات آدھی گزری ہوگی کہ نیند نے بن سامر اور اینی کو دبوچ لیا اور وہ گہری نیند سو گئے۔

اچانک ایسی آوازیں بلند ہوئیں جیسے چند آدمی آپس میں لڑ رہے ہوں اور چیخ چلّا بھی رہے ہوں۔ بن سامر اور اینی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے مسعود بن سہیل اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ اتنی گہری نیند سوئے تھے کہ جاگے ہی نہیں۔ بن سامر کی خوف زدہ نظریں نخلستان کے بند پر گئیں تو چاندنی میں اسے صحرائی لومڑیاں نظر آئیں جو اس کے دوستوں کی لاشوں پر لڑ پڑی تھیں اور ان لاشوں کو کھا رہی تھیں۔ دونوں پھر لیٹ گئے اور سو گئے۔

اب انہیں اذان کی آواز سنائی دی اور وہ جاگ اٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسعود کا ایک ساتھی بند پر کھڑا اذان دے رہا ہے اور اس کے ساتھی پانی کے قریب بیٹھے وضو کر رہے تھے۔

"سو جاؤ اینی!" — بن سامر نے کہا — "یہ تینوں نماز پڑھیں گے"۔

دونوں لیٹ گئے اور پھر گہری نیند میں چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مسعود نے بن سامر کو جگایا اور کہا کہ چلنے کا وقت ہو گیا ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ چلنا چاہتا ہے تو آ جائے۔

"میں اکیلا تو کہیں نہیں جاؤں گا" — بن سامر نے کہا — "تمہاری منزل تک تمہارا ساتھ دوں گا پھر آگے جاؤں گا"۔

"تمہیں کہاں جانا ہے؟" — مسعود نے پوچھا۔

بن سامر نے فوری جواب نہ دیا۔ اینی کی طرف دیکھا پھر سر جھکا لیا اور پھر مسعود کی طرف دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے مسعود کے سوال کا صحیح جواب معلوم ہی نہیں۔ مسعود نے اپنا سوال دہرایا تو بن سامر نے سر جھکا لیا۔

"کیا تمہیں اپنی منزل کا کچھ پتہ نہیں؟" — مسعود کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

"نہیں!" — بن سامر نے جواب دیا — "منزل کا پتہ نہیں اور اپنے مقصد کے متعلق کوئی شک نہیں"۔

"ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے" — مسعود نے کہا — "اگر چاہو تو اپنا مقصد ہی بتا دو۔ معلوم ہوتا ہے تم اس علاقے سے واقف نہیں۔ اگر تمہیں ہمارے ساتھ کی

ضرورت ہے تو ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھیں گے۔ اگر نہیں تو ہم تمہیں یہیں سے الوداع کہہ دیں گے"۔

"میں تمہارے سلوک سے اس قدر متاثر ہُوا ہوں کہ چاہتا ہوں اپنا مقصد تمہارے سامنے رکھ دوں۔ میں بڑا ہی پکا عیسائی ہوں۔ عیسائیت اور کسی کی عیسائی کے خلاف میں ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتا لیکن میرے ان دو دوستوں نے میرے عقیدے کو متزلزل کر ڈالا ہے۔ یہ دونوں بھی بڑے پکے عیسائی تھے۔ ہمارے دلوں میں دو قوموں کی نفرت بھری ہوئی تھی۔ ایک رومی دوسرے مسلمان۔ میں قبطی عیسائی ہوں اور ہمارا پیشوا بنیامین ہے"۔

"تم شاید بھول گئے ہو" — مسعود نے کہا — "جہاز میں تم مجھے عیسائی سمجھ کر اپنا یہ مقصد بتا چکے ہو۔ مجھے یاد آ گیا کہ تم شام جا رہے تھے لیکن طوفان نے تمہیں منزل سے بہت دور یہاں لا پھینکا ہے۔ تم شام کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے جا رہے تھے"۔

"ہاں!" — بن سامر نے کہا — "میں اسی مقصد کے لئے جا رہا تھا لیکن اب نہیں جاؤں گا"۔

"کیوں؟" — مسعود نے پوچھا — "اب کیوں نہیں جاؤ گے؟ اگر تمہیں یہ خطرہ نظر آ رہا ہے کہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے تو میں تمہیں اس خطرے سے آزاد کرتا ہوں۔ اپنی بیوی کو ساتھ لو اور چلے جاؤ۔ ہم مدینہ جا رہے تھے کہ طوفان نے جہاز کو ہماری بندرگاہ تک نہ پہنچنے دیا اور یہاں لے آیا۔ ہمارے ساتھ مدینہ چلو اور وہاں سے میں تمہیں شام کے راستے پر ڈال دوں گا۔ پہلے دیکھوں گا کہ تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے یا نہیں"۔

وہاں سے مدینہ بہت دور تھا۔ مسعود اور اس کے ساتھی جاسوس تھے اور انہیں ایسی تربیت دی گئی تھی کہ رات کو ستاروں اور دن کو سورج کو دیکھ کر اپنی منزل کی سمت معلوم کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ صحرا کے بھیدی تھے۔

بن سامر پر دراصل بددلی چھا گئی تھی جس سے اس کے ارادے اور مذہب کے ولولے بھی متاثر ہوئے تھے۔ مسعود اور اس کے ساتھی غالباً اس کی یہ جذباتی کیفیت سمجھ گئے تھے اسی لئے انہوں نے اس کا ان کے ساتھ چلنے پر اعتراض نہ کیا۔ اپنا ارادہ تو

بتا ہی چکا تھا۔ مسعود نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔

سفر کی اگلی رات آئی تو یہ بھی آسمان تلے بسر کرنی پڑی۔ بن سامر اینی کے ساتھ ان تینوں سے الگ لیٹ کر سویا۔ وہ رات بھی دونوں نے ڈرتے ڈرتے گذاری۔ انہیں شاید ابھی یقین نہیں آیا تھا کہ کوئی اتنے اونچے کردار کا شخص بھی ہو سکتا ہے جو ایسی خوبصورت اور دلنشین لڑکی کو نظرانداز کر دے۔ بن سامر کی مجبوری تو یہی تھی کہ وہ تنہا تھا اور اس کے ہمسفر تین آدمی تھے۔ اس کا خوف بجا تھا لیکن وہ رات بھی خیریت سے گزر گئی۔

اس کے بعد جو رات آئی وہ ایک آبادی کے قریب گزری۔ وہاں سے انہیں کھانے پینے کا سامان مل گیا جس سے ان کا باقی سفر آسان ہو گیا۔

اس کے بعد دو اور راتیں آئیں اور وہ بھی کھلے آسمان تلے گزریں۔ بن سامر کے دل سے اب خوف نکل گیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ یہ تینوں اینی کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ ہر نماز باجماعت پڑھتے اور مسعود بن سہیل مکی امامت کرتا تھا۔

مسعود کو زیادہ دلچسپی بن سامر کے ساتھ تھی۔ مسعود اسے کریدتا رہتا اور اس کے سینے میں چھپی ہوئی باتیں نکلوانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ بن سامر اب مصر، مصر کے قبطی عیسائیوں اور رومی فوج کے متعلق اس طرح باتیں کرنے لگا تھا جیسے وہ مسلمان ہو اور چاہتا ہو کہ مصر پر مسلمان فوج کشی کریں۔ اس نے مسعود کو ایک روز صاف الفاظ میں بتایا کہ رومی فوج میں اب وہ تاب و طاقت نہیں رہی جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ شام کی طویل جنگ اور شکستوں اور پسپائیوں نے اس فوج کا دم خم توڑ دیا تھا۔ بن سامر نے یہ بھی بتایا کہ اس سے مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ یہ فوج فوراً ہتھیار ڈال دے گی۔ اس کے جرنیل اس فوج کو ایک بار پھر پہلے والی رومی فوج بنا رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی خوبیاں اور اپنی فوج کی خامیاں دیکھ لی تھیں۔

آخر وہ مدینہ پہنچ گئے۔ بن سامر کے دل میں اب کوئی ایسی بات نہیں رہ گئی تھی جو اس نے ان تین مجاہدین سے چھپائی ہو۔ مدینہ پہنچے تو مسعود نے اس سے پوچھا کہ اب وہ کہاں جائے گا۔

"کہیں بھی نہیں!" — بن سامر نے جواب دیا — "میں اپنی منزل پر پہنچ گیا ہوں۔ میر ،یہاں اس ارادے سے آیا ہوں کہ مجھے اور اینی کو اسلام میں داخل کر لیں"۔

"پھر سوچ لو" — مسعود نے کہا — "تم پر کوئی جبر نہیں۔ اگر تم قبولِ اسلام نہیں کرو گے تو بھی میں تمہیں اُس ٹھکانے تک پہنچا دوں گا جہاں تم جانا چاہو گے"۔

"مسعود بھائی!" — بن سامر نے کہا — "دراصل میں تم تینوں کے کردار سے متاثر ہؤا ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ عرب کے لوگ جاہلیت میں پڑے ہوئے تھے۔ اسلام نے آ کر عربوں کو ذلّت اور پستیوں سے نکال کر انسانیت کے اونچے مقام تک پہنچایا جو میں نے عملاً دیکھ لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اینی اکیلی تمہارے ساتھ ہوتی تو بھی تم اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کرتے جو میرے ہم مذہب دوستوں نے کیا ہے"۔

مسعود اور اس کے دونوں ساتھی بن سامر اور اینی کو اپنے سالار کے پاس لے گئے اور اسے ان دونوں کے متعلق ساری بات اور پھر بن سامر کی خواہش بتائی۔ اُس دَور میں سالار امامت کے فرائض بھی سرانجام دیا کرتے تھے۔ سالار نے بن سامر اور اینی کو حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا اور اسے مسعود کے ہی حوالے کر دیا کہ وہ اسے اسلام سے واقفیت کرا دے۔

بن سامر نے مصر اور رومی فوج اور قبطی عیسائیوں کے روّیے اور ارادوں کی جو باتیں سنائی تھیں وہ مسعود نے اس سالار کو سنائیں۔ یہ بڑی قیمتی باتیں تھیں جو ظاہر ہے امیرالمومنین حضرت عمرؓ تک پہنچائی گئی ہوں گی۔

○

امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے پاس جاسوسی کا بڑا ہی عقلمند اور قابل اعتماد نظام موجود تھا۔ ایسا کہنا غلط ہو گا کہ بن سامر اتفاق سے اپنے جاسوسوں کو نہ ملتا اور وہ اپنے عیسائی دوستوں سے بددل نہ ہوتا تو اس کے سینے سے کوئی راز نہ ہی نکلتا اور حضرت عمرؓ کو پتہ ہی نہ چل سکتا کہ مصر کے حالات کیا ہیں اور ہرقل کے ارادے کیا۔ مسعود اور اس کے دو ساتھی مصر جاسوسی کے لئے ہی تو گئے تھے۔ اس سے پہلے بھی جاسوسوں کو وہاں بھیجا گیا تھا اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے طور پر مصر جاسوس بھیجے تھے کیونکہ مصر کی فتح ان کے دل و دماغ پر ہر وقت غالب رہتی تھی اور انہیں پوری امید تھی کہ ایک نہ ایک دن امیرالمومنین انہیں مصر پر فوج کشی کی اجازت دے ہی دیں گے۔

طاعون کی وبا ختم ہو چکی تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ وبا مجاہدین کے لشکر کے ایک خاصے حصے کو کھا گئی تھی۔ لشکر کی نفری پوری کی جا رہی تھی لیکن عمروؓ بن عاص

بیتاب ہوئے جا رہے تھے۔ وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ امیرالمومنین کے ساتھ انہوں نے قحط سے پہلے تفصیلی گفتگو کی تھی اور ان پر واضح کیا تھا کہ مصر کو سلطنت اسلامیہ میں شامل کرنا کیوں ضروری ہے۔ اب وبا ختم ہو گئی تو عمروؓ بن عاص نے حضرت عمرؓ کی طرف پیغام بھیجا جس میں اجازت چاہی کہ وہ مصر کی طرف پیشقدمی کریں۔

انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ مصر سے جو اطلاعیں مل رہی ہیں ان سے یہ خطرہ نظر آ رہا ہے کہ ہم نے مزید وقت ضائع کیا تو ہرقل شام پر فوج کشی کر دے گا یا تازہ اطلاعات کے مطابق شام کے عیسائی قبائل کو بغاوت پر اکسایا جائے گا۔ اگر بغاوت ہو گئی اور مجاہدین کے لشکر بغاوت ختم کرنے میں مصروف ہو گئے تو ہرقل یقیناً حملہ کرے گا اور اس کا انجام شکست ہی ہو سکتا ہے۔

تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ مصر پر حملے کے حق میں تھے لیکن وہ اپنے مصاحبوں اور صحابہ کرام سے صلاح مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کیا کرتے تھے۔ صحابہ اور دوسرے مصاحبین میں کچھ تو اس کے حق میں تھے اور زیادہ تر اس کے خلاف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مصر پر فوج کشی ملتوی ہوتی رہی اور قحط نے پھر وبا نے آن لیا۔

اب عمروؓ بن عاص نے پھر یہی مسئلہ چھیڑ دیا تو حضرت عمرؓ نے پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے اس پر غور کیا۔ انہیں بھی مصر کے تازہ حالات' ہرقل کے ارادے اور قبطی عیسائیوں کے روّیے کی مکمل اور تفصیلی اطلاعات مل چکی تھیں۔ عمروؓ بن عاص نے جو دلیل پیش کی اور جس خطرے کا اظہار کیا تھا یہ پہلے ہی حضرت عمرؓ کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ آخر انہوں نے عمروؓ بن عاص کو جواب دیا۔ پیغام لے جانے والے قاصد کا نام شریک بن عبدہ تھا۔ اُس وقت عمروؓ بن عاص قیساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ قاصد وہاں پہنچا اور پیغام دیا۔ اس میں حضرت عمرؓ نے لکھا تھا کہ طاعون نے ہمارے لشکروں کی تعداد کم کر دی ہے۔ فلسطینی مسلمانوں سے کہو کہ وہ تمہارے لشکر میں شامل ہو جائیں اور مصر کی طرف پیشقدمی کریں..... اُس دَور میں لشکر اسی طرح رضاکارانہ طور پر تیار کئے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آگے چل کر لشکریوں کو باقاعدہ فوجی بنا دیا اور ان کی تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔

عمروؓ بن عاص اسی حکم کے منتظر تھے۔ انہوں نے محاصرہ معاویہؓ بن ابی سفیان کے

سپرد کیا اور بیت المقدس جا پہنچے۔ وہ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے جلدی جلدی میں کچھ لشکر اکٹھا کر لیا اور کچھ نفری پہلے لشکر سے لے لی اور کوچ کر گئے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص کے ساتھ جو لشکر تھا اس کی تعداد ساڑھے تین ہزار تھی اور بعض نے تعداد چار ہزار لکھی ہے۔ اس لشکر میں گھوڑ سوار دستے زیادہ تھے۔

لشکر کی تیاری سے پہلے ہی عمروؓ بن عاص نے حضرت عمرؓ کے قاصد کو جوابی پیغام دے دیا تھا جس میں لکھا تھا کہ وہ فلسطین اور شام سے کمک نہیں لینا چاہتے تاکہ یہ علاقے کمزور نہ ہو جائیں۔ ان کے لئے کمک مدینہ سے بھیجی جائے جو انہیں مصر کے راستے میں ملے۔ انہیں پوری امید تھی کہ مدینہ سے انہیں اچھی خاصی کمک مل جائے گی۔ وہ جانتے تھے کہ جو لشکر وہ ساتھ لے جا رہے ہیں یہ دیارِ غیر میں جا کر لڑنے کے لئے کافی نہیں۔

عمروؓ بن عاص نے کوچ میں جلد بازی اس لئے کی تھی کہ انہیں یہ خبر مل گئی تھی کہ مدینہ میں اور ایوانِ خلافت میں جو حضرات مصر پر فوج کشی کے خلاف تھے وہ پہلے سے زیادہ سرگرم ہو گئے ہیں اور حضرت عمرؓ کا گھیراؤ کر کے انہیں قائل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ اپنا حکم واپس لے لیں۔ ان میں سرِفہرست حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ وہ کوئی معمولی حیثیت اور عام سی عقل و دانش کے فرد نہیں تھے۔ ان کا ایک مقام تھا جسے حضرت عمرؓ بڑے ہی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ عمروؓ بن عاص کو یہ خدشہ نظر آیا کہ ایسا نہ ہو کہ امیرالمومنین ان سے متاثر ہو کر مصر پر فوج کشی ملتوی کر دیں۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ عمروؓ بن عاص کو مدینہ کی یہ خبر کس نے دی تھی۔ غالب خیال یہ ہے کہ یہ خبر دینے والا حضرت عمرؓ کا قاصد شریک بن عبدہ ہی ہے۔ مدینہ سے وہی آیا تھا اور اسے بہتر معلوم تھا کہ ایوانِ خلافت میں کیا ہو رہا ہے۔

معروف مؤرخ ابن عبدالحکم نے چند ایک مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص کا یہ اندیشہ غلط نہیں تھا۔ انہیں جو خبر ملی تھی وہ صحیح تھی۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کو پتہ چلا تو دوڑے دوڑے حضرت عمرؓ کے ہاں پہنچے اور ان سے تصدیق کرائی کہ انہوں نے واقعی یہ حکم عمروؓ بن عاص کو دے دیا ہے۔

"خدا کی قسم امیرالمومنین! تُو ایسی غلطی کرنے والا آدمی تو نہ تھا" — حضرت عثمانؓ نے کہا — "تیرا حکم غلط ہے اور جسے تُو نے حکم بھیجا ہے وہ آدمی بھی ٹھیک نہیں"۔

حضرت عمرؓ نے چونک کر حضرت عثمانؓ کو ایسی نظروں سے دیکھا جن میں حیرت تھی اور یہ سوال بھی کہ عمروؓ بن عاص جیسے سپہ سالار کو کہہ رہے ہیں کہ ٹھیک آدمی نہیں۔

"خدا کی قسم عمرؓ!" — حضرت عثمانؓ نے کہا — "عمروؓ بن عاص سے میری کوئی عداوت نہیں۔ وہ نڈر اور بے دھڑک خطرے مول لینے والا سالار ہے۔ خالدؓ بن ولید کی طرح وہ اپنے آپ کو اور پورے لشکر کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ یہ تو ایک وجہ ہے کہ اسے اجازت نہیں دینی چاہئے تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عمروؓ دولت مند خاندان کا فرد ہے۔ اس میں اقتدار کی طلب موجود ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مصر کے حالات کا صحیح اندازہ نہیں کیا گیا اور وہ جو لشکر لے کر گیا ہے وہ کافی نہیں۔ اس لشکر میں وہ مجاہدین بھی ہیں جنہوں نے فتح پہ فتح حاصل کر کے رومیوں کو شام سے بے دخل کیا ہے۔ اب تُو نے اور عمروؓ بن عاص نے ان فاتحین کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے"۔

حضرت عمرؓ ایسی شش و پنج میں پڑ گئے جو ان کی فطرت کے مطابق نہیں تھی۔ وہ تو بڑے ہی صاف ذہن سے فیصلے کیا کرتے تھے لیکن انہیں یہ سوچ پریشان کرنے لگی کہ حضرت عثمانؓ جیسی شخصیت کی رائے نہ مانی تو یہ ناراض ہو جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ کے علاوہ ان ہی کی حیثیت کے چند حضرات اور بھی تھے جو مصر پر فوج کشی کو ایک خطرہ سمجھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ پریشان ہو گئے۔ ایسی صورتِ حال پہلی بار پیدا ہوئی تھی کہ ان کی شدید مخالفت ہوئی اور انہیں یہ احساس بھی ہُوا کہ انہوں نے ان تمام حضرات سے آخری بار صلاح مشورہ کے بغیر یہ حکم بھیج دیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے بڑی گہری غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ عمروؓ بن عاص کو واپس بلا لیا جائے۔ انہوں نے (تاریخ کے مطابق) پیغام میں یہ الفاظ لکھے — "اگر تجھے میرا یہ خط مصر کی سرحد پار کرنے سے پہلے مل جائے تو وہیں سے واپس بیت المقدس چلے جاؤ' اور اگر تم مصر کی سرحد میں داخل ہو چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو' میں تمہارے لئے کمک بھیج دوں گا"۔

حضرت عمرؓ نے یہ پیغام اپنے قاصد شریک بن عبدہ کو دیا اور کہا کہ وہ کم سے کم

ے اور جس قدر تیز جا سکتا ہے جائے اور پیغام عمروؓ بن عاص تک پہنچا دے۔

O

جس وقت قاصد عمروؓ بن عاص تک پہنچا' وہ رفح کے مقام پر تھے۔ انہوں نے
ں قدمی بڑی سست رفتار سے کی تھی اور وہ سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔
ں سست رفتاری کی وجہ یہ تھی کہ عمروؓ بن عاص مدینہ کی کمک کے منتظر تھے جو انہیں
ن تھا کہ آ جائے گی۔ کمک کے آ جانے کے بعد وہ پیش قدمی کی رفتار تیز کرنا چاہتے
ے۔

یہاں تاریخ میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ جب قاصد عمروؓ بن عاص تک پہنچا
ر اس نے بتایا کہ امیرالمومنین کا پیغام لایا ہے تو عمروؓ بن عاص نے پیغام لے تو لیا پڑھا
ں۔ اس کی بجائے وہ چلتے گئے اور قاصد سے مدینہ کی باتیں اور خبریں پوچھتے رہے۔
ر وہ رفح سے بہت آگے نکل گئے اور ایک گاؤں آ گیا۔ عمروؓ بن عاص نے گاؤں
وں سے پوچھا کہ یہ کس ملک کا گاؤں ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ مصر کا گاؤں ہے۔ عمروؓ
ن عاص نے اب پیغام کھول کر پڑھا۔ اپنے ماتحت سالاروں کو بلا کر یہ پیغام سنایا اور کہا
ہ امیرالمومنین نے یہ حکم دیا ہے کہ مصر میں داخل ہو چکے ہو تو پیش قدمی جاری
کھو۔ تم سب دیکھ رہے ہو کہ ہم مصر میں داخل ہو چکے ہیں لہٰذا پیش قدمی جاری رہے
ی۔

انہوں نے قاصد کو پیغام کا جواب لکھ کر دیا کہ ان کا لشکر مصر کی سرحد سے آگے
ں گیا ہے اس لئے کمک فوراً بھیجی جائے۔ انہوں نے قاصد کو ہی گواہ بنا لیا کہ لشکر مصر
ی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے ماتحت سالاروں سے کہا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ کمک
ی بجائے قاصد آیا ہے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ واپسی کا حکم آیا ہے۔ انہیں حضرت عمرؓ کی
رت اور ان کے احکام کا اندازہ تھا۔ کسی طرح انہوں نے محسوس کر لیا کہ حضرت عمرؓ
ے نہیں کہ ایک حکم دے کر اس کی منسوخی کا حکم بھی بھیج دیں' انہوں نے ضرور لکھا
گا کہ مصر میں داخل ہو گئے ہو تو پھر پیچھے نہ آنا آگے ہی بڑھنا۔ عمروؓ بن عاص کا یہ
ل صحیح نکلا۔

اس سے آگے ان کے سامنے مصر کا ایک مشہور مقام عریش تھا۔ یہ درمیانہ درجے

کا شہر تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اس شہر کو محاصرے میں لینا چاہا لیکن وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں رومی فوج کا ایک سپاہی بھی نہیں تھا۔ مجاہدین نے شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔

اس سے آگے 70 میل دور مصر کا اتنا ہی بڑا ایک اور شہر فرما تھا۔ عمروؓ بن عاص بہت ہی خوش تھے کہ انہوں نے رومیوں کو بے خبری میں آن لیا ہے اور وہ اگلا شہر بھی اسی طرح فتح کر لیں گے۔ انہوں نے ایسی پریشانی کا اظہار کیا ہی نہیں کہ کمک ابھی نہیں پہنچی لیکن یہ عمروؓ بن عاص کی خوش فہمی تھی۔ ان کا لشکر جونہی مصر کی سرحد میں داخل ہُوا تھا مصر میں مقوقس اور جرنیل اطربون کو اطلاع مل گئی تھی۔

مصر کے حکمران مقوقس نے یہ بہتر سمجھا کہ مسلمانوں کے لشکر کو اور آگے آنے دیا جائے۔ اس نے اطربون سے مشورہ کیا کہ عریش سے فرما تک 70 میل لمبا چوڑا صحرا ہے مسلمانوں کو صحرا میں شکست نہیں دی جا سکتی۔ انہیں آگے آنے دیا جائے۔

اطربون نے مقوقس کا مشورہ قبول کر لیا اور بڑی تیزی سے یہ کارروائی کی کہ عریش سے اپنی تمام فوج نکال کر 70 میل پیچھے فرما کے شہر میں اکٹھی کر لی اور اس شہر کا دفاع اور زیادہ مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

عمروؓ بن عاص اس خوش فہمی میں ناکافی لشکر کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے کہ اگلے شہر میں بھی مزاحمت نہیں ملے گی اور وہ امیرالمومنین کے مخالفین کو غلط ثابت کر دیں گے مگر انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ رومیوں نے ان کے لئے پھندہ تیار کر رکھا ہے۔

عمروؓ بن عاص کا لشکر مصر کے شہر فرما کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ انہوں نے مصر کا ایک شہر عریش بغیر مزاحمت لے لیا تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تو تھے کہ اگلا شہر فرما بھی اسی طرح آسانی سے لے لیں گے لیکن وہ بہت ہی محتاط ہو کر پیش قدمی کر رہے تھے۔ احتیاط تو لازمی شرط تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے ساتھ لشکر تھا ہی کیا۔ تین ساڑھے تین ہزار نفری ان کے ساتھ تھی۔ پیش قدمی کی رفتار ذرا کم اس امید پر رکھی کہ مدینہ سے کمک پہنچ جائے پھر یہ وجہ تھی کہ عمروؓ بن عاص جیسے ہوش مند اور تجربہ کار سالار یہ عنصر تو نظرانداز کر ہی نہیں سکتے تھے کہ رومی فوج مقابلے میں آئے گی ہی نہیں۔

وہ سب صحرائی علاقہ تھا۔ مجاہدین اسلام کا لشکر اونٹوں کی طرح بڑے آرام سے اور اطمینان سے چلا جا رہا تھا جیسے اس کے نیچے ہموار اور بڑی پکی زمین ہو۔ رومی حکمران مقوقس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ صحرا میں مسلمانوں کو شکست دینا کوئی آسان کام نہیں۔

پہلا پڑاؤ کیا گیا۔ مدینہ سے کمک تو نہ آئی، حلب سے حدید بن مومن خزرج اپنی بیوی شارینا کے ساتھ آن پہنچا اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص سے ملا۔

اگلے روز مدینہ سے ایک اور تجربہ کار جاسوس مسعود بن سہیل مکّی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ فہد بن سامر تھا اور اس کی بیوی اینی بھی اس کے ساتھ تھی۔ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ بن سامر اور اینی نے اسلام قبول کیا تھا تو بن سامر کا نام فہد بن سامر رکھا گیا تھا لیکن اینی نے اپنا نام اینی ہی پسند کیا تھا۔

مسعود بن سہیل مکی کو مدینہ سے امیرالمومنین نے بھیجا تھا۔ وہ مصر سے اچھی طرح واقف تھا اور جاسوسی کے لئے وہاں کچھ عرصہ گذار آیا تھا۔ فہد بن سامر مدینہ میں ہی تھا

اور وہ رضاکارانہ مسعود کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اسے کسی سے حکم لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اینی پیچھے اکیلی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے وہ بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ فہد بن سامر کو قبولِ اسلام کے بعد مدینہ میں رکھا گیا اور اس کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا لیکن ابھی اسے کوئی کام نہیں دیا جا رہا تھا کیونکہ ابھی دیکھنا تھا کہ وہ قابلِ اعتماد بھی ہے یا نہیں۔ وہ فراغت سے بہت ہی پریشان تھا اور اس نے کئی بار کہا تھا کہ وہ رومیوں کے خلاف میدانِ جنگ میں جانا چاہتا ہے اور اگر اسے جاسوسی اور تخریب کاری کا کام دیا جائے تو وہ کامیابی سے کر سکتا ہے۔ مصر سے تو وہ بہت ہی اچھی طرح واقف تھا اور جس علاقے میں سپہ سالار عمروؓ بن عاص جا رہے تھے' اس سے تو وہ پوری طرح واقف تھا۔ اس نے مسعود کو جاتے دیکھا اور کسی کو بتائے بغیر اینی کو ساتھ لیا اور مسعود کے ساتھ چل پڑا۔ وہاں گھوڑوں کی اور دیگر ساز و سامان کی کمی نہیں تھی۔ اُس نے دو گھوڑے لے لئے اور اس طرح مسعود' فہد اور اینی مدینہ سے رخصت ہو گئے۔ انہوں نے کم سے کم پڑاؤ کئے اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس جا پہنچے۔

کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ مسعود اور فہد مدینہ سے عمروؓ بن عاص کے پاس گئے تھے تو کیا وہ کوئی ایسی خبر یا اطلاع لے کر گئے تھے یا نہیں کہ مدینہ سے کمک آ رہی ہے یا نہیں۔ تاریخ کی تحریروں سے اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ فرما تک پہنچے تک مدینہ سے کمک نہیں آئی تھی اور اگر نہیں آئی تھی تو اس کی کوئی وجہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص ایک امیر تاجر خاندان کے فرد تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے وہ اکثر تجارت کے سلسلے میں مصر جاتے رہتے تھے اور یہ واقعہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک یہودی شماس کی جان بچائی تھی اور وہ عمروؓ بن عاص کو مصر کے دارالحکومت سکندریہ لے گیا تھا۔ سکندریہ کی شان و شوکت' جاہ و جلال اور شاہانہ رونقیں دیکھ کر عمروؓ بن عاص ایسے متاثر ہوئے تھے کہ مصر ان کے ذہن میں نقش ہو کے رہ گیا تھا۔ وہ مصر سے اور خصوصاً شمالی مصر سے تو کُلی واقفیت رکھتے تھے۔ مصر کے لوگوں کو بھی وہ جانتے تھے۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کیا اور شام اور فلسطین میں فنِ حرب و ضرب اور سپہ سالاری کا نیا ریکارڈ قائم کیا اور پھر امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو قائل کرنے لگے کہ مصر ہر قیمت پر سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہونا چاہئے اور مصر پر فوج

کشی کی قیادت انہیں دی جائے۔ آخر انہیں اجازت مل گئی۔ وہ مصر سے واقف تو تھے لیکن پھر بھی انہیں جاسوسوں کی ضرورت تھی۔ مصر پر فوج کشی سے پہلے وہ اپنے طور پر مصر جاسوس بھیجتے رہتے تھے اور انہوں نے قبطی عیسائیوں کے اسقفِ اعظم بنیامین کے ساتھ بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعے رابطہ قائم کر لیا تھا۔

اب مسعود اور حدید جیسے جاسوس جو بڑے ہی دلیر چھاپہ مار اور تخریب کار بھی تھے' ان تک پہنچ گئے تو انہیں جاسوسی کا مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہوتا نظر آنے لگا۔ عمروؓ بن عاص ان دونوں کی ذہانت اور کارکردگی سے پوری طرح آشنا تھے' فہد بن سامران کے لئے بالکل ہی نیا آدمی تھا۔ مسعود نے انہیں فہد کے متعلق بتایا اور فہد نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو عمروؓ بن عاص مطمئن ہو گئے۔ فہد دعویٰ کرتا تھا کہ جتنی کامیاب جاسوسی اور تخریب کاری وہ کر سکتا ہے اتنا کوئی عربی جاسوس نہیں کر سکتا۔

○

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے ماتحت سالاروں کو پاس بٹھا کر ان تینوں جاسوسوں کو صورتِ حال تفصیل سے بتائی۔ انہوں نے کہا کہ فرما تک اُن کے جاسوس ہو آئے ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ فرما میں رومی فوج کی تعداد ہمارے لشکر سے دوگنی ہے۔ عمروؓ بن عاص نے مزید وضاحت یا تصدیق کے لئے مسعود بن سہیل مکّی کو فرما بھیج دیا تھا۔ انہون بتایا کہ دو جاسوس بنیامین کے پاس بھی چلے گئے ہیں اور بنیامین سے یہ بات کریں گے کہ قبطی عیسائی مسلمانوں کے خلاف نہ لڑیں اور درپردہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کریں۔

"تم دیکھ رہے ہو" ۔۔۔ عمروؓ بن عاص نے کہا ۔۔۔ "میرے ساتھ لشکر کتنا تھوڑا ہے۔ محاصرے کے لئے میرے پاس سامان بھی پورا نہیں۔ پھر بھی میں اتنا ہی لشکر لے کر اتنی دور آ گیا ہوں اور کمک ابھی پہنچی نہیں۔ میں نے اپنے لئے یہ مشکل پیدا کر لی ہے کہ خود ہی امیرالمومنین سے فوج کشی کی اجازت مانگی تھی اور انہیں قائل کر لیا تھا۔ میں ہر قیمت پر کامیاب ہونا چاہتا ہوں"۔

"ہمیں کامیاب ہونا ہے" ۔۔۔ ایک سالار نے کہا ۔۔۔ "اگر ہم ناکام رہے تو صرف ہمیں شرمندگی کا سامنا نہیں ہو گا بلکہ امیرالمومنین اپنے اُن مصاحبوں کے سامنے شرمسار ہوں گے جو ابھی تک انہیں روک رہے ہیں کہ مصر پر ابھی فوج کشی نہ کریں

ورنہ نقصان اٹھائیں گے"۔

"مصر کی فتح اور شکست میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "اگر میں ناکام ہو گیا تو پھر میں زندہ مدینہ میں داخل نہیں ہوں گا۔ زندہ وہاں چلا گیا تو مصر پر حملے کے مخالفین کا سامنا نہیں کر سکوں گا جن میں بزرگ صحابی عثمانؓ بن عفان بھی شامل ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے تمہیں روکا نہیں تھا کہ ایسا نہ کرو!
.... تم سب دیکھ رہے ہو کہ ہم اتنی دور نکل آئے ہیں کہ ہمارے پاس رسد کا کوئی انتظام نہیں۔ میں اللہ کے نام پر آیا ہوں اور اس یقین کے ساتھ آیا ہوں کہ اللہ مدد کرے گا' شرط یہ ہے کہ ارادہ مضبوط اور نیک ہو۔ ہمارے لئے کوئی نہ کوئی راستہ کھل جائے گا"۔

"کیا آپ نے کوئی راستہ سوچا ہے؟" — فہد بن سامر نے پوچھا۔

"ہاں' سوچا ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "اور یہ راستہ تم اور حدید کھول سکتے ہو .... سب سے پہلے ہمیں رسد چاہئے .... اناج اور مویشی .... یہ ہم اس طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ لشکر میں سے کچھ نفری اُس علاقے میں بھیجی جائے جہاں اناج کے ذخیرے موجود ہیں۔ یہ نفری ٹولیوں میں بٹ کر ہر اُس گاؤں پر حملہ کرے جہاں اناج اور مویشی موجود ہیں۔ صرف اناج اور مویشی لائے جائیں لیکن اس طرح میرے لشکر کی نفری کم ہو جائے گی"۔

"پھر دعا کریں کمک آ جائے" — ایک سالار نے کہا — "کمک کا انتظار کر لیا جائے"۔

"میں انتظار نہ کروں تو بہتر ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "اب جبکہ ہمارے دشمن کو پتہ چل چکا ہے کہ ہم اس کے ملک میں داخل ہو کر ایک شہر لے بھی چکے ہیں تو وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر ہمارے مقابلے میں آئے گا۔ ہمارا انتظار دشمن کو تیاری کا بہت وقت دے دے گا۔ میں ایک اور ذریعہ پیدا کر سکتا ہوں"۔

معروف یورپی تاریخ نویس بٹلر نے یہ ذریعہ تفصیل سے لکھا ہے اور مسلمان تاریخ دانوں نے بھی اسے اچھی طرح واضح کیا ہے۔ ذریعہ یہ تھا کہ جہاں یہ صحرا ختم ہونا شروع ہوتا تھا وہاں سے سبزہ زار کا آغاز ہوتا تھا۔ اس درمیانی علاقے میں آبادیوں سے دُور دُور بدّو قبائل رہتے تھے جو کسی حد تک خانہ بدوش تھے۔ وہ ظاہری طور پر عیسائی

تھے لیکن عیسائیت میں انہوں نے کچھ اپنے عقائد اور توہمات شامل کر رکھے تھے۔ ان کی اپنی ایک معاشرت تھی اور ان کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ تھا کہ وہ خونخوار قسم کے جنگجو تھے اور فنِ حرب و ضرب کو بھی سمجھتے تھے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے یوں سوچا تھا کہ یہ بدّو قبائل ہاتھ میں آ جائیں تو انہیں ساتھ ملا کر اناج اور مویشیوں کی فراہمی کا کام ان کے سپرد کیا جائے تو وہ خوش اسلوبی سے کر لیں گے۔ مویشیوں سے مراد بھیڑ' بکری' گائے اور اونٹ تھا۔ انہیں ذبح کر کے لشکر کو کھلانا تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے جونہی ان بدّو قبائل کا ذکر کیا' فہد بن سامر چونک پڑا اور ایک ہاتھ اٹھا کر سپہ سالار کو چپ کرا دیا۔ لگتا تھا کہ اسے کوئی بات یاد آ گئی ہے۔

"سپہ سالار!" — فہد بن سامر نے کہا — "آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ ارادہ نیک ہو اور اس میں خوشنودی اللہ کی ہو تو کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ میں رومی فوج میں ان علاقوں میں رہا ہوں اور ان لوگوں کے رسم و رواج اور مذہبی عقائد سے واقف ہوں۔ پانچ چھ دنوں بعد چاند کی تیسری تاریخ ہو گی۔ اس موسم میں سال میں ایک بار چاند کی تیسری تاریخ کی رات یہ لوگ ایک تقریب منایا کرتے ہیں۔ میں اور حدید اُس رات وہاں جائیں گے"۔



مقوقس اور رومیوں کا مشہور و معروف جرنیل اطربون سکندریہ میں تھا۔ انہیں ان کے جاسوس روز بروز کی اطلاعیں پہنچا رہے تھے۔ جاسوسوں نے انہیں بتا دیا تھا کہ مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی ہے اور کمک کا دُور دُور تک نام و نشان نہیں۔

مقوقس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کو تھوڑی سی لڑائی میں ہی ختم کر دے گا اور یہ لشکر لڑائی سے پہلے ہی بھوک سے مر جائے گا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ ہو سکتا ہے مسلمان لڑنے کی بجائے ہتھیار ڈال دیں اور کہیں کہ ہمیں کھانے کے لئے کچھ دے دو۔

اس کے جاسوسوں نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ رسد بہت کم ہے جو فرما پہنچنے تک پوری نہیں ہو گی۔ مقوقس نے یہ اطلاع ملتے ہی اُن دیہاتی علاقوں میں جہاں سے کھانے کے لئے اناج اور مویشیوں کی فراہمی ہوتی تھی' اپنی فوج اس حکم کے ساتھ بھیج دی تھی کہ ہر گاؤں میں فوج موجود رہے اور مسلمان اگر اناج کی لُوٹ مار کے

لئے آئیں تو انہیں وہیں ختم کر دیں۔ اس طرح مقوقس اور اطربون نے مسلمانوں کو بھوکا مارنے کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا۔

مقوقس نے ایک حکم تو پہلے ہی دے دیا تھا جس کے تحت عریش سے ساری رومی فوج نکل آئی تھی اور فرما چلی گئی تھی۔ مقوقس نے یہ اہتمام اس خیال سے کیا تھا کہ مسلمان اور آگے چلے آئیں اور راستہ اتنا لمبا ہو جائے کہ ان تک کمک اور رسد بروقت پہنچ ہی نہ سکے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے لئے بڑی ہی خطرناک اور روح کُش صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے مدینہ کو ایک قاصد اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ کمک جس قدر جلدی ہو سکے بھیج دی جائے اور وہ کمک کا انتظار نہیں کریں گے۔

مسعود بن سہیل کی شتربانوں کے بھیس میں فرما چلا گیا تھا اور واپس بھی آ گیا تھا۔ وہ اونٹ پر گیا تھا۔ صحرائی علاقے میں اونٹ کی رفتار بہت ہی تیز تھی۔ وہ سپہ سالار کے لئے یہ خبر لایا کہ مقوقس اور اطربون خود فرما میں نہیں آئیں گے اور انہوں نے اپنی فوج کو یہ حکم بھیجا ہے کہ محاصرے میں نہیں رہنا ہے بلکہ بار بار باہر نکل کر مسلمانوں پر حملے کرنا تاکہ ان کا جانی نقصان ہوتا رہے۔ مقوقس نے کہا تھا کہ مسلمانوں کا جو بھی جانی نقصان ہو گا اسے وہ پورا نہیں کر سکیں گے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرما شہر کے متعلق کچھ بات ہو جائے۔ فرما مصر کا ایک مشہور شہر تھا۔ فرعونوں کے زمانے میں اس کا نام پلوز تھا۔ زمانے گزرتے گئے اور مصر قبطیوں کے زیرِ تسلط آ گیا تو پلوز کا نام پرمون رکھ دیا گیا۔ پھر آگے چل کر کسی دور میں اس کا نام فرما رکھ دیا گیا۔

جس علاقے میں فرما واقعہ تھا وہاں دریائے نیل جا کر سات شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ ایک شاخ کا نام جسے اُس وقت نہر کہا جاتا تھا' پلوزی تھا۔ اسی لئے اس شہر کا نام پلوز رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ہر شاخ کا ایک نام تھا۔ ان شاخوں کی تشریح ضروری معلوم نہیں ہوتی' ضروری بات ذہن میں رکھنے والی یہ ہے کہ یہ تمام علاقہ سرسبز اور زرخیز تھا اور یہ بحیرۂ روم کے تقریباً کنارے پر تھا۔ آج بھی یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہے اور وہاں پھلوں کے بے انداز باغات ہیں اور اسی وجہ سے یہ علاقہ اُس وقت بھی گنجان آباد تھا اور آسودہ حال بھی تھا۔ لوگوں کے مکانوں کے اردگرد باغیچے بنے ہوئے تھے جو لوگوں کو مختلف

پھل دیتے تھے اور یہاں کے انگور تو بہت ہی مشہور تھے۔ چونکہ یہاں انگور افراط سے ہوتے تھے اس لئے یہاں شراب بھی بنتی تھی۔

فرما کا شہر ایک پہاڑی پر آباد کیا گیا تھا اور اس کی حفاظت اور دفاع کا انتظام صرف یہ نہیں تھا کہ ایک طرف قلعہ اور سارے شہر کے اردگرد ایک مضبوط دیوار ہوتی۔ دیوار تو تھی لیکن شہر کو متعدد قلعہ بندیوں سے محفوظ کیا گیا تھا۔ اس طرح اس شہر کی تسخیر تقریباً ناممکن بنا دی گئی تھی۔ ایک تو قلعہ بندیاں زیادہ تھیں اور دوسرے یہ پہاڑی پر آباد تھا۔ یہ محاصرہ کرنے والوں کے لئے بڑی زبردست مشکل پیدا کر دی گئی تھی۔



مصری بدّو اپنے علاقے میں دُور دُور تک پھیل ہوئے تھے۔ فرما سے دور اور عام راستوں سے ہٹ کر ایک علاقہ تھا جو ریگستانی بھی تھا اور اس میں کہیں کہیں سبزہ بھی تھا۔ وہاں صحرا ختم ہونے لگتا تھا اور سرسبز و شاداب علاقہ شروع ہوتا تھا۔ اس علاقے میں ایک جگہ ایسی تھی جو وسیع نشیب تھا۔ اس کے اردگرد جو کنارے تھے وہ اونچے بند کی شکل میں تھے۔ برسات کے دنوں میں اس نشیبی جگہ پانی جمع ہو جاتا تھا اور دو تین مہینوں بعد پانی خشک ہو جاتا اور پیچھے ہری بھری گھاس چھوڑ جاتا تھا۔ اس میں چند ایک درخت بھی تھے اور کہیں کہیں زمین ذرا سی اُبھری ہوئی اور اونچے نیچے ٹیلے بھی تھے لیکن بہت کم۔

اس جگہ کو بدّوؤں نے بہت خوبصورت بنا رکھا تھا اور اسے وہ اپنا ایک طرح کا مقدّس نشیب سمجھتے تھے۔ یہ ساری باتیں فہد بن سامر سے معلوم ہوئی تھیں۔ اس کے قریب ہی کہیں بدّوؤں کے مذہبی پیشوا اور ایک دو سردار رہتے تھے۔

رات کا وقت تھا اور چاند کی تیسری تاریخ تھی۔ کم و بیش تین ہزار بدّو دائرے میں اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے اور درمیان میں بہت سی جگہ خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اس خالی جگہ کے وسط میں ایک قوی ہیکل بیل ایک کھونٹا گاڑ کر رسے سے باندھا ہُوا تھا۔ اس کے خمیدہ سینگ مختلف رنگوں سے سجائے گئے تھے۔ اس پر سبز رنگ کا کپڑا ڈالا گیا تھا جس میں چمک سی تھی۔ ہوا سے یہ کپڑا ہلتا تھا تو مشعلوں کے شعلوں کی روشنی میں اس کپڑے پر چمک کی لہریں اٹھتی اور ہلتی نظر آتی تھیں۔ بیل کے کھروں پر کوئی چمک دار چیز مل گئی تھی۔ بیل کے گلے میں صحرائی پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔

بیس بائیس جوان اور جواں سال لڑکیاں جو ایک ہی جیسے لباس میں ملبوس تھیں بیل کے اردگرد دائرے میں رقص کر رہی تھیں۔ وہ ملبوس تو تھیں لیکن پوری طرح مستور نہیں تھیں۔ ڈھول' دف اور دو شہنائیاں بج رہی تھیں۔ لڑکیوں کا یہ رقص اچھل کود جیسا نہیں تھا اور غیر منظم بھی نہیں تھا۔ ہر ادا اور ہر حرکت ایک ہی جیسی تھی' کوئی لڑکی دوسریوں سے الگ تھلگ ذرا سی بھی حرکت نہیں کرتی تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے یہ لڑکیاں ایک زنجیر سے بندھی ہیں اور زنجیر کسی غیر مرئی قوت کے ہاتھ میں ہے۔ نہ رقص بے ہنگم تھا نہ سازوں کا غل غپاڑہ تھا۔ سُر ایک خوابناک سی دُھن الاپ رہے تھے اور رقص وجد آفریں تھا۔ صحرا کی خنک رات مخمور ہوئی جا رہی تھی۔ تین ہزار بدّوؤں پر سکوت طاری تھا جیسے وہ محوِ خواب ہوں۔

بیل کے اردگرد چند ایک چکر پورے کر کے ایک لڑکی رقص کی اداؤں کے ساتھ بل کھاتی لہراتی دائرے سے نکل کر بیل کے سامنے چلی گئی اور بیل کا منہ چوم کر پھر لڑکیوں کے دائرے میں چلی گئی۔ اس کے پیچھے آنے والی لڑکی نے بھی ایسے ہی کیا اور تمام لڑکیوں نے ایسے ہی بیل کا منہ چوما۔ دائرہ ایک قطار بن گیا اور لڑکیاں ایک دوسرے کے پیچھے وہاں سے چلی گئیں۔

جو جگہ رقص کے لئے خالی چھوڑی گئی تھی' اس کے اردگرد پانچ بڑی مشعلیں جل رہی تھیں۔ تیسری کا چاند واپس افق میں چلا گیا تھا اور رات تاریک ہو گئی تھی۔

آخری لڑکی تاریکی میں گم ہو گئی تو سازوں کی سُر تال تیز قدم ہو گئی اور شہنائیوں کی دُھن اِس تیز تھاپ کے مطابق بدل گئی۔ یہ فوجی اور جنگی سی دُھن تھی جو خون کو گرماتی تھی۔ ایک طرف سے ایک ہی جیسے لباس میں ملبوس کم و بیش بیس بدّو تاریکی سے ایک قطار میں مشعلوں کی روشنی میں آئے اور لڑکیوں کی طرح بیل کے اردگرد دائرے میں رقص کرنے لگے۔ وہ دائرے میں ناچتے اور چلتے جاتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کی کوئی ذرا سی بھی جنبش دوسروں سے مختلف نہیں تھی۔

یہ مردانہ ناچ تھا جسے جنگی کہا جائے تو زیادہ صحیح ہو گا۔ ناچنے والوں کے ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال تھی۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں چرخیوں کی طرح اتنی تیز گھوم رہی تھیں کہ ایک ایک تلوار کئی کئی تلواریں لگتی تھیں۔ ڈھول اور دف کی تھاپ تیز ہوتی گئی اور ناچ میں جوش و خروش بڑھتا گیا۔ تماشائیوں کا ہجوم

سُر تال پر قوالوں کی طرح تالیاں بجا رہا تھا۔ اس ناچ نے ایسا تاثر پیدا کر دیا کہ دیکھنے والوں کے جسم بیٹھے بیٹھے تھرکنے لگے تھے۔

خون کو گرما دینے والا یہ ناچ محض دکھاوے کا جنگی نہیں تھا۔ یہ لوگ تھے ہی جنگجو اور یہ ناچ ان کے جنگی کلچر کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہ بدّو قبائل سرکشی کی حد تک آزاد خیال تھے۔ ہرقل نے کسی وقت انہیں اپنی فوج میں لینا چاہا تھا لیکن ان کے سرداروں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ البتہ سرداروں نے ہرقل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ انہوں نے کبھی محسوس کیا کہ اس کی فوج کو بدّوؤں کی مدد کی ضرورت ہے تو بدّو پہنچ جائیں گے لیکن وہ مصر سے باہر جا کر نہیں لڑیں گے۔



ناچنے والے ان بدّوؤں میں دو کی تلواریں دوسری تلواروں سے مختلف تھیں۔ ان دونوں کی تلواریں چوڑی اور وزنی تھیں۔ یہ دونوں بدّو ناچتے ناچتے دائرے سے نکل آئے۔ ایک بیل کی گردن کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔ باقی بدّو محوِ رقص رہے۔ اُدھر سے ناچنے والی دو لڑکیاں دوڑی آئیں۔ دونوں نے پیتل کا ایک خاصا بڑا تھال اٹھا رکھا تھا۔

چوڑی تلوار والے بدّو نے تلوار بلند کی اور پوری طاقت سے تلوار بیل کی گردن پر سر کے قریب ماری اور آدھی گردن کاٹ دی۔ اس کے فوراً بعد دوسری طرف کھڑے بدّو نے بیل کی آدھی کٹی گردن پر بڑی ہی زوردار تلوار مار کر سر صاف الگ کر دیا۔ دو لڑکیوں نے تھال اِدھر اُدھر سے پکڑ رکھا تھا۔ بیل کا سر اس پر گرا۔

بیل ایک پہلو کو گر رہا تھا۔ ناچنے والے دو آدمی دوڑے آئے۔ انہوں نے مٹی کی ایک چوڑی پرات اٹھا رکھی تھی۔ اس کے کنارے بالشت بھر اونچے تھے۔ بیل گرا تو انہوں نے یہ پرات بیل کی کٹی ہوئی گردن کے نیچے رکھ دی اور گردن کو مضبوطی سے پکڑ لیا کیونکہ بیل تڑپ رہا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ خون کا ایک بھی قطرہ ضائع نہ ہو۔ ناچتے ہوئے بدّوؤں کا ناچ بند ہو گیا اور سب نے تڑپتے ہوئے بیل کو قابو میں لے لیا۔

بیل کا خون ایک تبرّک تھا جسے انہوں نے پانی سے بھرے ہوئے مٹکوں میں ملانا اور بدّوؤں نے بچوں' بوڑھوں' مریضوں اور عورتوں کو پلانے کے لئے پیالے بھر بھر کر

اپنے ساتھ لے جانا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اس خون ملے پانی سے لاعلاج امراض کے مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں اور دودھ دینے والے مویشیوں کو ایک ایک گھونٹ پلا دو تو زیادہ دُودھ دینے لگتے ہیں اور مویشی اُن چمگادڑوں سے محفوظ رہتے ہیں جو راتوں کو ان کا خون پیتے اور انہیں مار ڈالتے ہیں۔ یہ پانی گھر میں رکھا ہُوا ہو تو گھر میں بدروح نہیں آتی اور گھر والے ناری مخلوق سے بچے رہتے ہیں۔

جس وقت بَیل گردن کٹ جانے سے گرنے لگا تھا تو تمام بدّو اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہاتھ آسمان کی طرف کر کے فلک شگاف نعرے لگائے تھے۔ بیل گرا اور اس کا خون چوڑے برتن میں گرنے لگا تو ان کا مذہبی پیشوا اٹھا اور بیل کی طرف چلا۔ لوگ خاموش ہو گئے۔

"مقدس بیل کا خون مبارک ہو" — کچھ دُور سے کسی کی آواز آئی — "تمہاری قربانی قبول ہو گئی ہے۔ خدا کی آواز سنو جو سورج کو گرمی اور چاند ستاروں کو روشنی دیتا ہے"۔

مذہبی پیشوا جہاں تھا وہیں رک گیا اور اُس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ اس کے پاس بدوؤں کے جو تین چار سردار بیٹھے ہوئے تھے' وہ اب اُس کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ بھی اُدھر دیکھنے لگے۔ بدّوؤں کا یہ سارا اجتماع بھی اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔

جدھر سے یہ آواز آئی تھی اُدھر اِس نشیبی جگہ کا کنارہ قریب ہی تھا۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اس لئے زمین میں گڑھے ہوئے لمبے ڈنڈوں والی مشعلوں کی روشنی اُس کنارے تک نہیں پہنچتی تھی۔ مذہبی پیشوا نے اُس طرف کھڑے لوگوں کو بیٹھ جانے یا آگے سے ہٹ جانے کو کہا۔

لوگ روشنی کے آگے سے ہٹے تو ڈھلانی کنارے پر ایک آدمی کھڑا نظر آنے لگا جس کا چہرہ ٹھیک طرح پہچانا نہیں جاتا تھا کیونکہ وہاں تک مشعلوں کی روشنی مدھم ہو جاتی تھی۔ وہ ایک سفید ہیولہ سا لگتا تھا۔ دو ڈنڈے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ایک اس کے دائیں اور دوسرا بائیں طرف کنارے میں گڑھا ہُوا تھا۔ دونوں کے اوپر والے سروں پر اتنے کپڑے لپٹے ہوئے تھے کہ ان کی چوڑائی ایک ایک بالشت ہو گئی تھی۔ یہ مشعلیں تھیں جو ابھی جلائی نہیں گئی تھیں۔

اس آدمی کے سر پر پگڑی تھی اور اس پر رومال ڈالا ہُوا تھا جو اس کے شانوں پر بھی

پھیلا ہُوا تھا۔ شانے سے چُغہ شروع ہوتا تھا جو اس کے ٹخنوں تک چلا گیا تھا۔ سر پر پڑا رومال بھی سفید اور چغہ بھی آسمان پر چمکتے ستاروں جیسا سفید تھا۔ اس نے دونوں بازو آگے اور ذرا دائیں اور بائیں پھیلا رکھے تھے۔

کوئی قریب جا کے دیکھتا تو اسے پتہ چلتا کہ وہ ان ہی جیسا اللہ کا بندہ تھا۔ اُس کی داڑھی کالی' گھنی اور لمبی تھی۔ وہاں کسی میں' ان کے مذہبی پیشوا میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ قریب جا کر دیکھتا یہ ہے کون۔ یہ توہم پرست لوگ تھے۔ ذہنوں میں وسعت نہیں تھی۔ سوچوں میں گہرائی نہیں تھی۔ زمین کی جو چیز عجوبہ اور ان کی سمجھ سے بالا ہوتی وہ ان کی نگاہ میں عالم بالا کی مخلوق میں سے ہوتی تھی۔ یہ آدمی ان کے لئے کوئی روحانی یا آسمانی چیز تھی۔ اُسے وہ بدروح یا جن بھوت نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ اس کا لباس سفید براق تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق انسانوں کو نقصان پہنچانے والی چیزیں سیاہ لباس میں ملبوس یا بے لباس ہوتی ہیں۔ سب دور کھڑے دیکھتے رہے اور سناٹا ایسا جیسے وہاں کوئی ذی روح تھا ہی نہیں۔

"مت ڈرو" — کنارے پر کھڑے آدمی نے بلند آواز سے کہا — "تم جیسا انسان ہوں۔ خدا نے بھیجا ہے۔ خدا کا پیغام لایا ہوں' تمہارے لئے روشنی لایا ہوں"۔

پہلے اس کے دائیں طرف والی مشعل اپنے آپ ہی جل اٹھی پھر بائیں طرف والی مشعل جلی۔ یہ مشعلیں اس آدمی نے نہیں جلائی تھیں نہ انہیں کوئی اور آدمی جلاتا نظر آیا تھا۔ یہ سفید پوش سیاہ ریش کھڑا رہا تھا۔ مشعلیں جلانے کے لئے کوئی اور آدمی اوپر نہیں آیا تھا۔ بلاشک وشبہ مشعلیں اپنے آپ جلی تھیں۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا کہ بدّوؤں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ ان کے سرداروں اور مذہبی پیشوا پر بھی کچھ ایسا ہی اثر ہُوا۔

"خدا کا پیغام خدا کے بھیجے ہوئے ایلچی سے سنو" — چغے میں ملبوس آدمی نے کہا۔

وہ اس قدر آہستہ آہستہ کنارے سے نشیب کی طرف اترنے لگا جیسے اس کا پاؤں اٹھ نہ رہا ہو اور وہ نیچے کو سرک رہا ہو۔ اس کے دائیں اور بائیں جلتی مشعلوں کے شعلوں کا رقص اس آدمی کو اور ہی زیادہ پُراسرار بنا رہا تھا۔ وہ نہایت ہی آہستہ آہستہ نیچے کو سرکنے لگا اور جہاں وہ کھڑا تھا وہاں ایک نوجوان لڑکی کا سراپا اُبھرنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے لڑکی اس آدمی کے وجود میں سے اُبھر رہی ہو۔

یہ لڑکی اس زمین کی مخلوق معلوم ہوتی ہی نہیں تھی۔ چہرہ ایسا حسین اور ایسا

معصوم جوان بدّوؤں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ چہرے کا رنگ سپیدی اور لطیف سی سرخی کی آمیزش تھا۔ کھلے ہوئے ریشمی بال شانوں اور سینے پر بکھرے ہوئے اور بازو ننگے تھے۔ گردن لمبوتری اور جسم ایک ہی کپڑے میں مستور تھا۔

"تمہاری قربانی قبول ہو گئی ہے" — لڑکی نے بازو پھیلا کر کہا — "خبردار رہو۔ خون کا طوفان آ رہا ہے۔ تمہارے دُودھ والے جانوروں کو اڑا اور بہالے جائے گا۔ تم سے بہت سے اُڑ جائیں گے۔ خدا تمہیں بچالے گا لیکن خدا کے حکم کی تعمیل کرنا۔ کل تمہارے پاس تین آدمی آئیں گے۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ اونٹوں پر آئیں گے۔ خدا نے انہیں اشارہ دے دیا ہے۔ وہ جو کہیں اسے خدا کا پیغام سمجھنا ورنہ نیل کا خون ضائع جائے گا اور تمہاری تباہی کو کوئی نہیں روک سکے گا.... تم تک خدا کا پیغام پہنچ گیا ہے۔ میں آسمان کو واپس خدا کے پاس جا رہی ہوں"۔

چغے والا آدمی جو لڑکی کے آگے ڈھلان پر کھڑا تھا آہستہ آہستہ اُلٹے قدم اوپر جانے لگا۔ لڑکی اس کے پیچھے یا اس کے وجود میں گم ہوتی گئی اور آدمی کنارے پر دو مشعلوں کے درمیان جا رکا۔

"یہ مشعلیں ساری رات یہاں جلتی رہیں گی" — اس آدمی نے کہا — "یہ خدا کی روشنی ہے۔ کل صبح یہ اکھاڑ کر اپنے پاس رکھ لینا۔ یہ صرف قربانی کی رات جلایا کرنا۔ ہم جا رہے ہیں۔ صبح تک اِدھر کوئی نہ آئے۔ کوئی آیا تو اُس پر آسمانی بجلی گرے گی"۔

وہ پیچھے ہٹا اور اُلٹے قدم پچھلی ڈھلان اس طرح اتر گیا جیسے غائب ہو گیا ہو۔ مشعلیں وہیں جلتی رہیں۔ بدّوؤں کے ہجوم پر سنّاٹا طاری رہا۔

"مت ڈرو" — مذہبی پیشوا نے سکوت توڑا — "یہ خدائی اشارہ ہے۔ خوش قسمت ہے وہ قوم جسے ایسے مقدّس اشارے ملتے ہیں۔ جشن مناؤ۔ کل جو آدمی آئیں گے ان سے خدا کی کچھ اور باتیں معلوم ہوں گی"۔

○

یہ سب کیا تھا!.... کیا اس میں کچھ حقیقت بھی تھی؟.... کچھ بھی نہیں۔ یہ عربوں کی ذہانت اور دماغی صلاحیت کا کمال تھا۔ یہ حقیقت متعصب ذہن کے یورپی مبصرین اور مفکرّین نے بھی تسلیم کی اور اس کی مثالیں پیش کی ہیں کہ عرب کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی تخلیقی صلاحیتیں عطا کی ہیں جو دنیا کے کسی دوسرے خطےّ کے لوگوں کے حصے

میں نہیں آئیں۔

فہد بن سامر نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتایا تھا کہ کچھ دنوں بعد مصری بدّو اپنی ایک تقریب منعقد کریں گے جو وہ اس ماہ ہر سال چاند کی تیسری رات منعقد کیا کرتے ہیں۔ نئے چاند کے طلوع کو ابھی کچھ دن باقی تھے۔ فہد بن سامر، مسعود بن سہیل مکی اور حدید بن مومن خزرج نے سر جوڑے اور اس مسئلے پر غور کرنے لگے کہ ان بدّوؤں کو باتوں سے قائل کرنا کہ ہمارے ساتھ ہو جائیں ممکن نہیں پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

مسعود اور حدید عرب کے بدّوؤں کو تو جانتے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ مصری بدّو بہت ہی مختلف ہیں اور ان کی خصلت کچھ اپنی سی ہی ہے۔ یہ انہیں فہد نے بتایا تھا۔ ہرقل نے انہیں قتلِ عام کی اور پھر مصر سے نکال دینے کی بھی دھمکیاں دی تھیں کہ وہ رومی فوج میں شامل ہو جائیں۔ بدّو کسی بھی دھمکی سے نہیں ڈرے تھے۔ پھر ہرقل نے انہیں طرح طرح کے لالچ دیئے تھے لیکن بدّو ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ہرقل جیسا جابر اور فرعون ذہنیت کا بادشاہ چپ ہو گیا تھا۔ جانتا تھا کہ فوج سے انہیں تہہ تیغ کرنے کی کوشش کی تو صحرا میں فوج کے لئے مصیبت کھڑی کر دیں گے۔

اب عمروؓ بن عاص کو ان بدّوؤں کی ضرورت محسوس ہوئی تو فہد بن سامر نے انہیں بتایا کہ یہ لوگ باتوں سے بھی نہیں مانیں گے اور لاتوں سے بھی نہیں، کوئی اور ہی ڈھنگ سوچنا پڑے گا۔ فہد ان بدّوؤں کی معاشرت، ان کے مذہب اور عقیدوں سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ بنیادی طور پر یہ توہّم پرست ہیں اور ان میں صرف یہی ایک کمزوری ہے جسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فہد مصری تھا۔ مسعود اور حدید ریگزارِ عرب کی پیداوار تھے۔ انہوں نے ایک ناٹک سوچ لیا۔ یوں تو شارینا بھی حسین تھی لیکن جو تازگی اور معصومیت اینی میں تھی وہ شارینا کے چہرے پر نہیں تھی۔ اینی کی عمر ابھی سترہ سال ہوئی تھی۔ چنانچہ آسمان سے خدا کا پیغام لانے والی حور کا کام اینی کو دیا گیا۔

مسعود اور حدید جاسوس تھے اس لئے انہوں نے مختلف لباس اور بہروپ اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس ناٹک کے لئے ایک ایسا تیر انداز منتخب کر لیا جس کا تیر کبھی خطا نہیں گیا تھا۔ کمان کو پورا کھینچ کر تیر چھوڑا جائے تو نشانے پر لگ ہی جاتا ہے لیکن کمان کو تھوڑا سا کھینچ کر قریب کے نشانے پر پھینکا جائے تو مشکل سے ہی

نشانے پر لگتا ہے۔ یہ کام کوئی بڑا ہی ماہر تیرانداز کر سکتا تھا۔ ایسا ایک تیرانداز مل گیا۔

چونکہ یہ ناٹک چاند کی تیسری رات کھیلنا تھا اور تیسری رات کو چار پانچ ہی دن رہ گئے تھے اس لئے انہوں نے بڑی تیزی سے ریہرسل کر لی اور اگلے روز فہد کی رہنمائی میں یہ پارٹی روانہ ہو گئی۔ چونکہ علاقہ صحرائی تھا اس لئے گھوڑوں کی بجائے وہ اونٹوں پر گئے۔ دو دنوں کی مسافت تھی۔ فہد انہیں ایسے علاقے میں لے گیا جو دشوار گذار تھا۔ اُدھر سے کوئی نہیں گزرتا تھا اور چھپنے کے لئے وہ جگہ اچھی تھی اور اُس نشیبی جگہ کے قریب بھی تھی جہاں بدّوؤں کا اجتماع تھا۔

چاند کی تیسری رات کو سب اس جگہ پہنچ گئے جہاں بدّو تقریب کے لئے اکٹھے ہو چکے تھے۔ انہیں وہاں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیکھنے والے تقریب میں مگن ہو گئے تھے اور دوسری وجہ یہ کہ وہ جگہ نشیبی تھی اور اس کے کنارے اونچے تھے۔ چھپنے والی جگہ سے تقریب والی جگہ تک وہ پیدل گئے تھے۔ اگر وہ اونٹوں پر جاتے تو اونٹ خاموشی توڑ سکتے تھے۔ تیسری کا چاند اوپر آکر واپس چلا گیا تھا اس لئے رات تاریک ہو گئی تھی۔

پہلے مسعود بن سہیل کی دونوں مشعلیں اٹھائے اس طرح کنارے کے اوپر گیا کہ کھڑا ہونے کی بجائے صرف سر اوپر کر کے بدّوؤں کے اجتماع کو دیکھا۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ کوئی بھی اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب لڑکیوں کا رقص شروع ہُوا تھا۔ مسعود نے دونوں مشعلوں کے ڈنڈے بڑے آرام سے کنارے پر گاڑ دیئے۔ مشعلوں کے کپڑے تیل میں بھگو لئے گئے تھے۔ مسعود سفید چغے میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر پگڑی اور پگڑی کے اوپر سفید رومال تھا۔ فہد نے اسے بتایا تھا کہ وہ اُس وقت مشعلوں کے درمیان کھڑا ہو کر بولے گا جب بیل کی گردن کٹ چکی ہو گی۔ فہد نے کبھی یہ تقریب دیکھی تھی اس لئے وہ صحیح راہنمائی کر رہا تھا۔

سب نے باری باری اوپر آکر بدّوؤں کا تماشہ دیکھا۔ ان کے ساتھ اینی بھی تھی اور تیرانداز بھی۔ اینی اس حلئے میں تھی جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لڑکیوں کے رقص کے بعد مردوں کا ناچ شروع ہُوا اور جب دو بدّو بیل کی گردن کاٹنے کے لئے اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے تو اس وقت فہد نے مسعود سے کہا کہ وہ دونوں مشعلوں کے درمیان کھڑا ہو جائے اور وہ الفاظ کہے جو پہلے طے ہو چکے تھے اور اس کی مشق بھی کی گئی تھی۔

مسعود جب کنارے پر کھڑا ہو گیا تو اینی اس کی پیٹھ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ مسعود نے اپنا رول بڑی کامیابی سے پورا کیا اور مشعلیں اپنے آپ جل اُٹھیں۔ مشعلیں دراصل تیرانداز نے جلائی تھیں۔ وہ اس طرح کہ اس کے پاس فلیتے والے تیر تھے۔ کنارے کی اوٹ میں اس نے دو تیروں کو باری باری آگ لگائی اور کمان کو کھینچا اور تھوڑی سی کمان کھینچ کر تیر اس طرح چھوڑے کہ وہ مشعل کے جلنے والے سرے پر لگے اور مشعلیں جل اٹھیں۔ یہ اس تیرانداز کا کمال تھا۔

اس کے بعد مسعود کنارے کی اندرونی ڈھلان پر آہستہ آہستہ اترنے لگا تو اینی کھڑی رہی۔ وہ یوں نظر آتی تھی جیسے اس کے وجود میں سے اُبھر رہی ہو۔ یہ مشعلوں کی تھرکتی ہوئی آگ اور نظر کا فریب تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ بدّو توہّم پرست تھے اور توہّم پرستی کی یہی لعنت ہوتی ہے کہ انسان حقیقت کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔

پھر مسعود الٹے قدم کنارے پر چلا گیا اور اینی جو اس کی اوٹ میں چھپ گئی تھی مسعود کی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی باہر والے کنارے سے سرکتی چلی گئی۔ مسعود بھی اس کے ساتھ گیا۔ اس طرح ان سب نے بدّوؤں کی توہّم پرستی' پسماندگی اور سادگی کو نہایت چابک دستی سے استعمال کیا اور ان سب پر اور مذہبی پیشوا پر بھی ایسا پُراسرار تاثر پیدا کر دیا کہ انہیں شک تک نہ ہُوا کہ یہ سب ایک فریب تھا جس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ مذہبی پیشوا اور سرداروں نے بھی مان لیا کہ یہ آسمانی مخلوق تھی۔

جاسوسوں کی یہ جماعت صحرا میں اُسی جگہ چلی گئی جہاں یہ سب پہلے چھپے رہے تھے۔ تیرانداز سے کہا گیا کہ وہ اینی اور شارینا کو واپس پڑاؤ میں لے جائے۔ انہیں اُسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ مسعود نے اپنا رات والا لباس بدل لیا تھا اور اس نے' فہد اور حدید نے جنگی لباس پہن لیا تھا۔



اگلے روز بدّوؤں کا مذہبی پیشوا اور چار پانچ سردار اس نشیبی جگہ کے اوپر کھڑے بیتابی سے ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ تین شترسواروں کے منتظر تھے۔ گذشتہ رات آسمانی حُور نے کہا تھا کہ تین آدمی اُن کے پاس اونٹوں پر سوار آئیں گے۔ بہت سے بدّو دُور دُور کھڑے ان ہی تین شترسواروں کی راہ دیکھ رہے تھے۔

آخر تین شترسوار دور سے آتے نظر آئے جن کا رخ اِدھر ہی تھا۔ کئی ایک بیتاب سی آوازیں سنائی دیں — "وہ آ رہے ہیں .... تین ہی ہیں .... وہ آ گئے .... وہی ہوں

گے" — بدّو ان شتر سواروں کو بھی آسمانی مخلوق ہی سمجھ رہے تھے۔

وہ شتر سوار مسعود، حدید اور فہد تھے۔ دیکھ لیا کہ بدّو ان کے انتظار میں کھڑے ہیں، انہوں نے اونٹ دوڑا دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بدوؤں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اونٹوں کو بٹھا کر نہ اترے بلکہ کھڑے اونٹوں سے کود آئے۔ پیشوا اور بدّوؤں کے سردار ان کے استقبال کے لئے تیزی سے آگے بڑھے۔ استقبال پُر تپاک تھا۔

"ہم تمہارے ہی منتظر تھے" — پیشوا نے کہا — "ہمیں یقین ہے کہ تم وہی ہو جس کا خدائی پیغام ہمیں گذشتہ رات ایک حُور کی زبانی ملا ہے۔ کیا انہوں نے ہی تمہیں ہمارے پاس بھیجا ہے؟ انہوں نے تمہاری نشانی بتائی تھی کہ تم اونٹوں پر سوار ہو گے"۔

"ہم نہیں جانتے تمہیں کیسا پیغام ملا ہے" — مسعود نے کہا — "ہمیں ہمارے سپہ سالار نے بھیجا ہے۔ اسے خواب میں خدا کی طرف سے یہ اشارہ ملا تھا کہ اس صحرا میں ایک مخلوق رہتی ہے جس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ جاؤ اور اس مخلوق کو اپنے ساتھ ملا لو اور اس کے نیک و بد اور نفع نقصان کی ذمہ داری اپنے سر لے لو.... سپہ سالار نے خواب میں تمہاری جو نشانیاں دیکھی تھیں وہ ہمیں بتائیں اور ہم تمہارے پاس آ گئے ہیں۔ یہ جگہ بالکل ویسی ہی ہے جیسی سپہ سالار نے خواب میں دیکھی تھی اور تمہاری صورتیں بھی ویسی ہی ہیں"۔

ایک بوڑھے سردار نے ان تینوں کو تفصیل سے سنایا کہ گذشتہ رات انہوں نے کیا دیکھا ہے اور کس طرح ان تک خدا کا پیغام پہنچا ہے۔

"ہمیں کچھ پتہ نہیں گذشتہ رات تم نے کیا دیکھا ہے" — مسعود نے کہا — "ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے سپہ سالار کو خدائی پیغام ملا ہے تو وہ تمہیں بھی ملا ہو گا۔ کیوں نہ ہم کہیں بیٹھ کر بات کریں"۔

قریب ہی مذہبی پیشوا کا خیمہ تھا جو چمڑے سے بنایا گیا تھا اور اتنا کشادہ تھا کہ کئی آدمی اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ پیشوا ان تینوں کو اور سرداروں کو اپنے خیمے میں لے گیا اور بٹھایا۔ اس نے ان تین مسلمانوں سے پوچھا کہ ان کا سپہ سالار کہاں ہے۔

مسعود نے انہیں بتایا کہ ان کا سپہ سالار کہاں ہے اور اس کا لشکر عریش کا شہر فتح کر چکا ہے اور اب لشکر آگے بڑھ رہا ہے لیکن ابھی پڑاؤ میں خیمہ زن ہے۔

"کیا تم لوگ مسلمان ہو؟" — ایک سردار نے پوچھا۔

"ہاں!" — مسعود نے جواب دیا — "ہم مسلمان ہیں.... پہلے یہ بتاؤ کہ مسلمانوں کے متعلق تمہارا خیال ہے"۔

بدّوؤں کے بوڑھے سردار نے جو جواب دیا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ مشہور تاریخ نویس ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ بوڑھے سردار نے کہا — "حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں نہ جانے کیا طاقت ہے کہ تھوڑی سی تعداد میں وہ بڑے سے بڑے لشکر کو میدان سے بھگا دیتے ہیں اور جس طرف بھی رخ کریں کامیابی ان ہی کے حصے میں آتی ہے"۔

"اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں" — مسعود نے کہا — "یہ خدائی طاقت ہے جو صرف انہیں ہی عطا ہوتی ہے جن کے دلوں میں انسانوں کی محبت ہو اور وہ کمزوروں پر ہاتھ نہ اٹھائیں اور وہ دوسروں کے مذہب اور عقیدوں میں دخل نہ دیں اور کسی کمزور اور نادار کو اپنا محتاج اور غلام نہ بنائیں"۔

مذہبی پیشوا غالباً خدائی طاقت کی مزید تشریح اور وضاحت چاہتا تھا۔ مسعود ہی زیادہ تر بول رہا تھا کیونکہ وہ تین افراد کی جماعت کا امیر تھا۔ اس کے ساتھی اسلامی اصول کی پابندی کر رہے تھے کہ دو آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو امیر تسلیم کیا جائے۔ مسعود اپنے دونوں ساتھیوں فہد اور حدید کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اس نے عرب کے قحط کا ذکر کیا اور بدّوؤں کو بتایا کہ ہزارہا لوگ بھوک سے مرنے پر آ گئے تھے اور کچھ مر بھی گئے تھے لیکن امیرالمومنین نے کس طرح انتظامات کئے اور لوگوں کو فاقہ کشی سے بچا لیا۔ پھر مسعود نے طاعون کا ذکر کیا اور کہا کہ پچیس ہزار جانیں تلف ہو گئیں اور مسلمانوں کی آدھی فوج طاعون کی نظر ہو گئی۔

"تم اس پر غور کرو" — مسعود نے یہ ساری تفصیلات سنا کر کہا — "اگر طاعون کے دوران ہرقل شام پر حملہ کر دیتا تو وہ مسلمانوں کی بچی ہوئی آدھی فوج کو شکست دے کر شام واپس لے سکتا تھا لیکن یہ خدائی طاقت تھی کہ ہرقل کو حملے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ ہمارے سپہ سالاروں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ وہ اس خوفناک بیماری سے بچنے کے لئے مدینہ کو بھاگ جائیں۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ رہے اور بیمار بھی ہوئے اور فوت بھی ہو گئے"۔

مسعود دراصل انہیں یہ بات ذہن نشین کرا رہا تھا کہ مسلمانوں کے ہاں مساوات

ہے اور بنی نوع انسان کی محبت۔ چونکہ یہ اوصاف خدا کو عزیز ہیں اس لئے خدا نے مسلمانوں کو وہ طاقت دی ہے جسے ہم خدائی طاقت کہتے ہیں۔ اسی طاقت سے مسلمانوں نے قحط کو شکست دی اور پھر طاعون کی وبا کو شکست دی اور ہمت نہ ہاری اور آج مسلمان مصر میں داخل ہو گئے ہیں اور عریش جیسا شہر لے چکے ہیں۔

"ہمیں اتنی سی بات بتا دو" — مذہبی پیشوا نے پوچھا — "تم ہمارے لئے کیا پیغام لائے ہو اور ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

"تمہارے لئے پیغام بڑا صاف اور فائدے مند ہے" — مسعود نے کہا — "اپنے تمام قبیلوں کے اُن آدمیوں کو جو لڑنے کے قابل ہیں ہمارے سپہ سالار کے پاس بھیج دو اور اس کی سپہ سالاری کو قبول کر لو.... ہمیں معلوم ہے کہ شہنشاہ ہرقل نے بھی کسی وقت تمہیں یہی بات کہی تھی کہ اپنے قبیلوں کے جوانوں کو رومی فوج میں شامل کر دو اور تم لوگوں نے انکار کر دیا تھا"۔

"تم نے ٹھیک سنا تھا" — مذہبی پیشوا نے کہا — "لیکن تمہاری باتیں سن کر اور اس سے پہلے بھی ہم نے مسلمانوں کے جو متعلق سنا تھا' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم میں اور ہرقل میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ہرقل کا کیا اعتبار جس نے اپنا مذہب ہی اپنی بادشاہی کے ماتحت لے لیا ہے اور اس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے مذہب کو جو نہیں مانا اسے اس نے قتل کروا دیا۔ اس نے ہمیں دھمکیاں دے کر فوج میں ہمارے نوجوانوں کو شامل ہونے کو کہا تھا۔ تم کوئی دھمکی لے کر نہیں آئے اس لئے ہم تمہاری بات سنیں گے اور پھر ہم تمہیں مایوس نہیں جانے دیں گے"۔

اختصار کے ساتھ یہ بات بیان کی جائے تو یہ معاملہ یوں آگے بڑھا کہ ان بدّوؤں کے ساتھ استدلال کے زور پر بات کی جاتی اور بحث و مباحثہ ہوتا تو یہ بدّو کبھی قائل نہ ہوتے۔ وہ گذشتہ رات کے اس پیغام سے متاثر تھے جو وہ سمجھتے تھے کہ واقعی خدا کی طرف سے آیا ہے۔ انہوں نے کوئی بحث اور تکرار نہ کی' کچھ ضروری باتیں پوچھیں اور فیصلہ سنا دیا کہ وہ اپنے جوانوں کو فوری طور پر مسلمان سپہ سالار کی اطاعت میں دے دیں گے۔

مسعود نے انہیں بتایا کہ ان کے جوانوں کو اتنا مالِ غنیمت ملے گا کہ تمام قبیلے مالا مال ہو جائیں گے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ مسلمانوں کے ہاں ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ فوج میں

اونچے رُتبوں اور اعلیٰ عہدوں والے مالِ غنیمت میں سے زیادہ حصہ وصول کرتے ہوں اور سپاہیوں کو برائے نام کچھ دے دیا جاتا ہو۔ مسعود نے انہیں یہ بھی کہا کہ انہیں اگر خدا کی طرف سے براہِ راست کوئی پیغام مل جائے تو وہ اس کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کریں ورنہ ان کے مویشی ہلاک ہو جائیں گے اور ان کے بچے پُراسرار امراض کا شکار ہو کر مرجائیں گے تاآنکہ ان کی نسل ختم ہو جائے گی۔

کچھ ضروری امور طے کر کے مسعود' فہد اور حدید وہاں سے رخصت ہو آئے۔



یہ تینوں بڑی لمبی مسافت طے کر کے واپس پڑاؤ میں پہنچے اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بڑی مسرت سے یہ خوشخبری سنائی کہ بدّو ان کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے آ رہے ہیں۔

عمروؓ بن عاص جو پریشانی کے عالم میں تھے' یہ خوشخبری سن کر کھل اٹھے اور انہوں نے ان تینوں کو خراجِ تحسین پیش کیا کہ وہ بہت بڑا کارنامہ کر آئے ہیں لیکن ان جاسوسوں نے جب انہیں یہ بتایا کہ انہوں نے بدّوؤں کو کس طرح راضی کیا ہے تو عمروؓ بن عاص کا کھلا ہُوا چہرہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا اور ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"جنگ میں دشمن کو دھوکے دیئے جاتے ہیں" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "لیکن یہ دھوکے میدانِ جنگ میں دشمن کی فوج کو دیئے جاتے ہیں۔ اسے جنگی چال کہا جاتا ہے لیکن لوگوں کو دھوکہ دینا قابلِ تحسین نہیں۔ ایک تو تم نے مجھے پریشانی سے نجات دلا دی ہے اور اس کے ساتھ ہی میرے کندھوں پر ایسا بوجھ ڈال دیا ہے جس سے معلوم نہیں میں نجات حاصل کر بھی سکوں گا یا نہیں"۔

"ہمیں بتائیں قابلِ احترام سپہ سالار" — حدید نے کہا — "ہم آپ کو اس بوجھ سے بھی نجات دلا دیں گے۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم پھر بدّوؤں کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ وہ ہمارے لشکر میں نہ آئیں۔ یہ بتائیں کہ ہم نے اگر اسلامی اصول توڑا ہے تو اس کا ازالہ کس طرح ہو گا"۔

"یہ بات میں اپنے سالاروں اور ان کے ماتحت عہدیداروں کو بتاؤں گا" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "ان بدّوؤں کو اگر دھوکہ دے کر لائے ہو تو ان کے حقوق کا بھی

خیال رکھنا پڑے گا۔ ان کے مذہب اور دیگر عقیدوں میں ذرا سی بھی دخل اندازی نہ کرنا اور انہیں جاہل اور پسماندہ بھی نہ سمجھنا۔ یہ میں دیکھوں گا کہ مال غنیمت میں سے انہیں پورا پورا حصہ ملے۔ اگر یہ لوگ سرکش ہیں تو ہمیں ان کی سرکشی کا بھی احترام کرنا ہوگا۔ اس سرکشی کو وہ اپنا قومی وقار سمجھتے ہیں۔ ان کے وقار کا تحفظ کرنا ہوگا"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بدّوؤں کے متعلق یہ ساری باتیں بتائیں اور حکم جاری کیا کہ ان بدّوؤں کو اپنے مجاہدین سے زیادہ احترام دیا جائے۔ عمروؓ بن عاص نے یہ بھی کہا کہ اسلام اسی وجہ سے توہّم پرستی کے خلاف ہے کہ توہّم پرست کو بڑی آسانی سے دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔ ایک اللہ کا' واحدہ لا شریک کا تصور توہّم پرستی کو ختم کردیتا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے یہ بھی کہا کہ ہم ان پسماندہ اور توہم پرست بدّوؤں کو اسلام میں لانے کی کوشش کریں گے لیکن ابھی نہیں۔

"کوشش کی ضرورت ہی نہیں ہوگی" ۔۔۔ ایک سالار نے کہا ۔۔۔ "انہیں جب احترام ملے گا' اہمیت ملے گی اور جب یہ ہمارا حسنِ سلوک دیکھیں گے تو خود ہی اسلام میں آجائیں گے"۔

عمروؓ بن عاص نے سالاروں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر کے طے کرلیا کہ ان بدّوؤں کو کس طرح استعمال کیا جائے گا۔

○

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ بدّوؤں کا لشکر اُسی دن سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس پہنچ گیا تھا یا کتنے عرصے بعد پہنچا تھا۔ بہرحال یہ واقعہ ہے کہ بدّوؤں کا لشکر عمروؓ بن عاص کے پاس پہنچ گیا تھا۔ بعض مؤرخوں نے اس کی تعداد دو ہزار اور بعض نے تقریباً تین ہزار لکھی ہے۔

اگر یہ تعداد دس بارہ ہزار بھی ہوتی تو عمروؓ بن عاص جیسے بیدار مغز سپہ سالار خوش نہ ہوتے۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالاروں میں یہی بنیادی خوبی تھی کہ وہ ہجوم میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان کا اصول یہ رہا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو لیکن اس میں جذبہ اور تنظیم ہو انہوں نے یہ تجربے کر کے دیکھے تھے' ساری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالا تھا اور آج تک تاریخ ان کی کامیابیوں کی داستانیں سنا رہی ہے۔

ہجوم کی مثالیں بھی اُس وقت موجود تھیں۔ کسریٰ ایران کے لشکر کی تعداد ہر محاذ پر

ایک لاکھ بیس ہزار رہی تھی لیکن صرف چالیس ہزار مجاہدینِ اسلام نے اس لشکر کو ہر محاذ پر شکست دی اور کسریٰ کی شہنشاہیت کا نام و نشان نہ رہنے دیا۔ شام میں ہرقل کے لشکر کی تعداد ہر جگہ ایک لاکھ اور اس سے کچھ زیادہ رہی ہے لیکن پانچ پانچ دس دس ہزار مجاہدینِ اسلام نے انہیں شام جیسے وسیع و عریض ملک سے بے دخل کر کے مصر کی طرف دھکیل دیا۔ ہرقل کی آدھی سے زیادہ فوج مجاہدین کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹ گئی اور رومیوں کی لاشیں مجاہدین کے گھوڑوں کے قدموں تلے روندی گئی تھیں۔ عمروؓ بن عاص بدّوؤں کے لشکر کو دیکھ کر یقیناً خوش تو ہوئے ہوں گے لیکن انہوں نے سب سے پہلے یہ دیکھا کہ ان لوگوں میں صلاحیت کتنی ہے اور ڈسپلن کتنا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ فطرتاً سرکش ہوں اور میدانِ جنگ میں اپنے کمانداروں کے ہاتھوں سے نکل کر اپنی ہی لڑائی شروع کردیں۔

عمروؓ بن عاص کی سب سے زیادہ ضرورت رسد کی تھی۔ یہ ضرورت انہیں کچھ پریشان کررہی تھی۔ مخبروں اور جاسوسوں نے انہیں بتادیا تھا کہ ہر گاؤں میں رومی فوج پہنچ گئی ہے اور اس فوج کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ دیہاتی مسلمانوں کو اناج وغیرہ نہ دے سکیں۔ عمروؓ بن عاص کے لئے فائدے مند نہ تھا کہ وہ اپنے لشکر کی کچھ نفری دیہات میں بھیج دیتے کہ اناج اکٹھا کریں۔ وہاں تو لڑائی کا امکان بھی تھا اور لشکر میں اتنی نفری نہیں تھی کہ جو لڑتی بھی اور اناج بھی لاتی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں سے صلاح مشورہ کیا تو یہ طے پایا کہ اس مقصد کے لئے بدّوؤں کو استعمال کیا جائے۔ بدّوؤں کے وہ سردار بھی ساتھ آئے تھے جو ابھی لڑنے کی عمر میں تھے۔ عمروؓ بن عاص نے بدّوؤں کو متعدد جیشوں میں تقسیم کر کے ہر جیش کا ایک کماندار انہی میں سے مقرر کردیا اور اس کماندار پر اپنے لشکر کا ایک عہدے دار لگادیا۔

عمروؓ بن عاص نے بدّوؤں کے سرداروں کو اپنے پاس بٹھا کر کچھ ہدایت دیں اور بتایا کہ پیش قدمی کرتے ہوئے لشکر کے لئے رسد کتنی ضروری ہوتی ہے۔ اگر اناج اور خوراک کی دیگر اشیاء کی کمی ہوجائے تو لشکر لڑنے کے قابل نہیں رہتا اور دشمن اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسی اور بھی کچھ باتیں کر کے عمروؓ بن عاص نے بدّو سرداروں کو بتایا کہ رسد اکٹھی کرنا ان کا کام ہے۔ رسد میں اناج شامل تھا اور وہ

مویشی جو مسلمانوں کے کھانے کے لئے حلال تھے۔

یہ اتفاق کی بات تھی یا شاید یہ کام بدّوؤں کی فطرت کے عین مطابق تھا' ان کے سرداروں نے یہ ذمہ داری بڑی خوشی سے قبول کرلی اور عمروؓ بن عاص کو یقین دلایا کہ وہ مجاہدین کے لشکر کو رسد کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔

"لیکن ایک بات دماغ میں بٹھالو" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "اناج اور مویشی لانے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اناج اور مویشی لائے جائیں۔ کوئی اور لُوٹ مار نہیں ہو گی اور کسی عورت کی طرف غلط نظر سے دیکھا بھی نہیں جائے گا۔ ہم یہ چھوٹے چھوٹے گاؤں نہیں بلکہ بڑے بڑے شہر فتح کرنے نکلے ہیں۔ اصل خزانے ان شہروں سے ملیں گے جن میں سے تمہیں پورا پورا حصہ ملے گا.... یہ بھی سوچ لو کہ ہر گاؤں میں رومی فوجی موجود ہیں جو تمہارا مقابلہ کریں گے۔ کسی رومی فوجی کو زندہ نہیں چھوڑنا اور گاؤں کے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھانا"۔

ان بدّوؤں سے ایک فائدہ یہ بھی ملا کہ وہ ہر گاؤں سے واقف تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ زیادہ اناج کون کون سے گاؤں سے مل سکتا ہے۔ جن بدّوؤں کے پاس گھوڑے نہیں تھے انہیں گھوڑے دیئے گئے اور بعض کو اونٹ دے دیئے گئے۔ ان کے تمام جیش دیہاتی علاقوں کی طرف کوچ کر گئے۔



عمروؓ بن عاص کا رسد والا مسئلہ حل تو نہیں ہُوا تھا لیکن اس کا انتظام ہو گیا تھا اور امید بندھ گئی تھی کہ لشکر بھوکا نہیں رہے گا۔ انہوں نے کوچ کا حکم دے دیا۔ وہ جانتے تھے کہ پیش قدمی میں جتنی تاخیر ہو رہی ہے اتنی ہی دشمن کو تیاری کی مہلت مل رہی ہے لیکن وہاں احتیاط لازمی تھی کہ لشکر میں کوئی کمزوری اور کمی نہ رہ جائے۔ پیش قدمی کی رفتار ابھی سست ہی رکھی گئی کیونکہ رسد کی صورتِ حال ابھی مبہم تھی۔

دن بھر کے سفر کے بعد رات عارضی پڑاؤ کیا گیا۔ فجر کی نماز کے فوراً بعد لشکر پھر کوچ کر گیا۔ صحرا ختم ہوتا جا رہا تھا اور کہیں کہیں سبزہ اور درخت نظر آنے لگے تھے۔

وہ دن بھی گزر گیا اور لشکر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں صحرا کے آثار ختم ہو گئے تھے اور اس جگہ ہریالی زیادہ تھی۔ تھوڑی ہی دور ایک چشمہ مل گیا جہاں سے مجاہدین نے پانی کے مشکیزے بھر لئے اور گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی پانی پلا دیا گیا۔ اس طرح

مشکلات میں کمی شروع ہو گئی۔

رات آدھی گزر گئی تھی جب سنتریوں نے لشکر کو جگا دیا۔ ہڑبونگ بپا ہو گئی۔ رات کی خاموشی میں ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے دشمن کی فوج گھوڑے سرپٹ دوڑاتی حملے کے لئے آ رہی ہو۔ مجاہدین بڑی تیزی سے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے لشکر کو مقابلے کی ترتیب میں کر دیا۔ حملے کا خطرہ تو ہر لمحے موجود تھا۔ وہ دشمن کا ملک تھا۔ دشمن کوئی بھی چال چل سکتا تھا۔

گھوڑوں کا یہ طوفان قریب آیا تو کچھ ایسا شور اور ایسے نعرے سنائی دیئے جو رومی فوج کے نہیں ہو سکتے تھے۔ سپہ سالار نے مشعلیں جلانے کا حکم دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار مشعلیں جل اٹھیں اور جب آنے والے گھوڑے قریب آئے تو پتہ چلا کہ وہ بدّوؤں کے دو جیش ہیں۔

بدّوؤں کے تمام جیشوں کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ جب واپس آئیں تو لشکر انہیں کسی اگلے پڑاؤ میں ملے گا۔ چنانچہ یہ دو جیش پچھلے پڑاؤ کی طرف جانے کی بجائے آگے آ گئے تھے۔

ان جیشوں کے کئی ایک بدّو ان کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ پیچھے رسد کے ساتھ آ رہے تھے جو انہوں نے دیہات کے ایک علاقے سے اکٹھی کر لی تھی۔ وہ رسد جب آگے آئی تو مجاہدینِ اسلام نے مسرّت کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ بے شمار گائیں تھیں' بھیڑیں اور بکریاں تھیں' اونٹ اور بیل بھی تھے۔ اناج کی بوریاں ان ہی بیلوں اور اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ کچھ گاڑیاں بھی تھیں جو گائیں کھینچ آ رہی تھیں۔

یہ صرف چار یا پانچ گاؤں تھے جن پر بدّوؤں نے شب خون مارا تو رومی فوجی بیدار ہو گئے لیکن انہیں مقابلے کی تیاری کا موقع ہی نہ ملا۔ بدّوؤں نے ان سب کو کاٹ کر پھینک دیا اور پھر دیہاتیوں سے کہا کہ وہ خود ہی اناج اور اپنے مویشی باہر ایک جگہ اکٹھے کر دیں اور انہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ دیہاتیوں میں مزاحمت کی کہاں جرأت تھی' انہوں نے اناج اور مویشی بدّوؤں کے حوالے کر دیئے۔ بدّوؤں نے انہیں پہلے ہی یقین دلا دیا تھا کہ ان کے گھروں کو لوٹا نہیں جائے گا اور کسی عورت پر بُری نظر نہیں رکھی جائے گی نہ عورت پر ہاتھ اٹھایا جائے گا۔

ہر جیش کے ساتھ ایک ایک مسلمان کمانڈار تھا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے حکم

کے مطابق ان تمام دیہاتیوں سے جن سے اناج اور مویشی لئے گئے تھے' کہا گیا کہ یہ اناج وغیرہ بدّو اپنے لئے نہیں لے جا رہے بلکہ یہ مسلمانوں کے لشکر کے لئے ہے۔ کمانداروں نے ان لوگوں پر واضح کر دیا کہ مسلمان مصر کو فتح کرنے کے لئے آئے ہیں اور اگر انہوں نے مصر فتح کر لیا تو ان لوگوں کو اس اناج اور ان کے مویشیوں کا پورا صلہ دیا جائے گا اور اگر انہوں نے رومی فوج کی مدد کی اور مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شامل ہوئے تو پھر انہیں دشمن سمجھ کر ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو دشمن مفتوح دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

فرما اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص کا رسد کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ بدّوؤں کے دوسرے جیش بھی مویشی اور اناج لاتے رہے اور اس قدر رسد اکٹھی ہو گئی جو ایک عرصہ تک کافی تھی۔ بدّوؤں نے ایک اور مسئلہ بھی حل کر دیا۔ وہ یہ تھا کہ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ قابلِ اعتماد لوگ ہیں اور ان کی صحیح رہنمائی کی جائے تو وہ ہر اچھی بُری صورتِ حال میں قابلِ اعتماد رہیں گے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اس پڑاؤ سے کوچ کیا اور ایک پڑاؤ اور کیا۔ عریش سے فرما تک کا فاصلہ صرف ستر میل تھا۔ اس سفر میں اتنے زیادہ پڑاؤ کرنے کی ضرورت نہیں تھی' مجاہدین کے لشکر تو بڑی تیز پیش قدمی کیا کرتے تھے لیکن عمروؓ بن عاص دانستہ زیادہ پڑاؤ کر رہے تھے۔ اب ان کا آخری پڑاؤ تھا اور یہاں سے سیدھا فرما پہنچنا اور اس تاریخی شہر کو محاصرے میں لینا تھا۔

اس آخری پڑاؤ میں انہوں نے لشکر کی تنظیم نو کی اور سالاروں کو ترتیب و تنظیم اچھی طرح ذہن نشین کرا دی۔ بدّوؤں کے تمام جیش واپس آ گئے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے سالاروں سے صلح مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بدّوؤں کے یہ جیش توڑ دیئے جائیں اور بدّوؤں کو لشکر میں شامل کر دیا جائے۔ مطلب یہ تھا کہ بدّوؤں کے الگ دستے نہ بنیں کیونکہ وہ بہرحال غیر مسلم تھے اور کسی بھی وقت رومی عیسائیوں کے زیر اثر آ سکتے تھے۔ اس خطرے کو اسی طرح ختم کیا جا سکتا تھا کہ بدوؤں کو سارے لشکر میں بکھیر دیا جائے.... ایسا ہی کر دیا گیا۔

ایسی ضرورت کم ہی محسوس ہوتی تھی کہ لڑائی سے پہلے مجاہدینِ اسلام کو گرمانے اور بھڑکانے کے لئے جوشیلی تقریر کی جائے لیکن کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہو ہی جاتی

تھی کہ مجاہدین کو بتانا ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ جو جنگی مہم سر کرنے جا رہے ہیں وہ کوئی سہل مہم نہیں اور دشمن زیادہ طاقتور ہے اور مقابلے کے لئے تیار بھی ہے اور نہ جانے اس نے اور کیا کچھ دفاعی انتظامات کر رکھے ہیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے ضروری سمجھا کہ لشکر کو خبردار کر دیں کہ وہ کس خطرے میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے تمام لشکر کو جس میں بدّو بھی شامل تھے ایک جگہ اکٹھا کیا اور اس لشکر سے خطاب کیا۔ تاریخ میں ان کا مکمل خطاب نہیں ملتا' مؤرخوں نے کچھ اہم اقتباسات لکھے ہیں۔

ایلفریڈ بٹلر نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص نے اپنے لشکر سے کہا:

"ہم مصر کو جانے والے اُس راستے پر جا رہے ہیں جو ایک قدیم ترین راستہ ہے۔ ہمارے پیغمبر دنیائے عرب سے اسی راستے سے مصر آئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا خاندان اسی راستے مصر پہنچا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی راستے سے فرعون کے جادوگروں کے منہ پھیر کر اور ان کے دانت کھٹے کر کے مصر سے دنیائے عرب کو گئے تھے۔ یہی دریائے نیل تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو راستہ دے دیا تھا اور جب ان کے تعاقب میں آنے والا فرعون رعمیسس دوم نیل میں اترا تو نیل نے راستہ بند کر دیا اور فرعون ڈوب مرا تھا۔ یہ ایک مقدس راستہ ہے۔ یہ ہمارے پیغمبروں کا راستہ ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہم کوئی ملک فتح کرنے آئے ہیں۔ یہ ہماری اپنی سرزمین ہے۔ اس ملک میں صرف اللہ کی حکمرانی چلے گی اور یہ حکمرانی تم قائم کرو گے' انشاء اللہ....

"اس راستے کے تقدس کا اندازہ اس سے کرو کہ مصر اور افریقہ سے حج کو جانے والے مسلمان اسی راستے سے جاتے ہیں۔ یہ راستہ مسلمانوں کے لئے ہی نہیں عیسائیوں کے لئے بھی مقدّس ہے۔ عیسائی اسی راستے سے بیت المقدس جاتے اور آتے ہیں۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا راستہ ہے لیکن مصر میں ایک بادشاہ نے عیسائیت کا چہرہ مسخ کر ڈالا ہے اور اس نے اپنی عیسائیت بنا دی ہے اور یہ عیسائیت لوگوں سے منوانے کے لئے اس نے سچّی عیسائیت کے ماننے والے ہزارہا لوگوں کو قتل کیا ہے۔ ہم ان عیسائیوں کو ہرقل کی عیسائیت' بربّیت اور ظلم و تشدّد سے نجات دلانے آئے

ہیں"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے عیسائیت کا ذکر غالباً اس لئے ضروری سمجھا تھا کہ ان کے ساتھ بدّوؤں کا جو لشکر تھا' بے شک توہم پرست ہی سہی لیکن بنیادی طور پر وہ عیسائی تھے۔ ان کے خون کو گرمانا اور رومیوں کے خلاف بھڑکانا ضروری تھا۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ جب عمروؓ بن عاص امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو مصر پر فوج کشی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو انہوں نے امیرالمومنین سے خاص طور پر عیسائیوں پر ہرقل کے ظلم و تشدّد کا اور قتل و غارت کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ عیسائی چونکہ اہلِ کتاب ہیں اور اہلِ کتاب پر کوئی بادشاہ یا کوئی قوم ظلم کر رہی ہو اور ان کا کوئی مددگار اور پُرسانِ حال نہ ہو تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انہیں درندہ صفت بادشاہ سے نجات دلائیں۔

عمروؓ بن عاص بڑے ہی دانشمند سپہ سالار تھے۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ صحیح عیسائیت کا اسقفِ اعظم بنیامین اگر میدانِ جنگ میں عملی طور پر مددگار اور معاون نہ ہُوا تو درپردہ ضرور معاونت کرے گا۔

اس کے بعد عمروؓ بن عاص نے لشکر کو فرما کا محلِ وقوع بتایا اور یہ بھی کہ یہ قلعہ بند شہر میدان میں نہیں بلکہ ایک چٹانی قسم کی پہاڑی پر آباد ہے اور اس کے اردگرد صرف شہرپناہ ہی نہیں بلکہ ایک بڑے قلعے کے علاوہ شہر کے اردگرد چھوٹی چھوٹی قلعہ بندیاں ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ فرما میں جو رومی فوج ہے اس کی تعداد اپنے لشکر سے تین یا چار گنا زیادہ ہے۔ یہ بھی بتایا کہ اپنے پاس محاصرہ کرنے کا پورا سامان بھی نہیں۔ اس خطرے سے بھی لشکر کو آگاہ کیا کہ رومی محاصرے کے عقب سے بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ مشہور مسلمان تاریخ نویسوں مقریزی اور ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ یہ ساری باتیں سنا کر عمروؓ بن عاص نے لشکر سے یوں خطاب کیا:

"مجاہدینِ اسلام! یہ نہ سوچنا کہ ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور ہمارے پاس ساز و سامان کی بھی کمی ہے۔ کیا ہم ہر محاذ پر تھوڑے نہیں رہے؟ کیا تم نے شام میں ان ہی رومیوں کے ایک ایک لاکھ لشکر کو اتنی ہی تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے شکستوں پر شکستیں نہیں دیں؟ کیا تم نے انہی رومیوں کو شام میں کاٹا اور وہاں سے بھگایا نہیں؟ ان پر ابھی تک تمہاری دہشت طاری ہے۔ ہم ہر محاذ پر صرف اس لئے فتح یاب ہوئے ہیں

کہ اللہ ہمارے ساتھ تھا۔ اللہ اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جس نے میری اور میرے رسولؐ کی اطاعت کی اور میرے راستے پر جہاد کیا اسے ہم نے تھوڑی تعداد میں بھی اور تمام کمزوریوں کے ہوتے ہوئے بھی دشمن پر غالب کیا ہے۔ دشمن کو خوف زدہ کرو' اس سے خوفزدہ ہونا نہیں۔ اگر ہم نے یہ صرف ایک شہر فرما لے لیا تو یوں سمجھیں کہ دشمن پر ایک بار پھر غلبہ پالیا اور اس کے نتیجے میں مصر اسلامی سلطنت میں آجائے گا"۔

○

عمروؓ بن عاص نے عریش پر قبضہ کرتے ہی دو جاسوسوں کو بنیامین کے ساتھ بات کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ پچھلے ایک باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ بنیامین آبادیوں سے بہت دور ایک دشوار گذار صحرائی علاقے میں چھپا ہُوا تھا اور وہیں اس نے گرجا تعمیر کر لیا تھا۔ پہلے دو جاسوس اس کے ساتھ بات چیت کر آئے تھے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب مصر پر فوج کشی کی صرف باتیں ہو رہی تھیں اور امیرالمومنین نے ابھی عمروؓ بن عاص کو مصر پر حملے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اب عمروؓ بن عاص نے ضروری سمجھا کہ بنیامین کے ساتھ آخری اور حتمی بات ہو جائے۔

وہ دونوں جاسوس بنیامین سے مل کر واپس آگئے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے بنیامین کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ رومی فوج میں مصر کے جو قبطی عیسائی ہیں وہ لڑیں نہیں اور اپنی فوج کو دھوکہ دیں۔ دوسری بات یہ کہ دوسرے قبطی عیسائی فوج کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون نہ کریں اور ہو سکے تو ہرقل کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں۔

بنیامین دوراندیش آدمی تھا اور غیر معمولی ذہانت کا حامل بھی تھا۔ اس نے ان دو مجاہدین کو زبانی پیغام دیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لوگوں کو بغاوت پر بالکل نہیں اکسائے گا۔ اس نے وجہ یہ بتائی کہ ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ فتح ہرقل کی ہو گی یا عمروؓ بن عاص کی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان شکست کھا جائیں اور ادھر عیسائیوں نے بغاوت کر رکھی ہو تو ہرقل کسی ایک بھی قبطی عیسائی کو زندہ نہیں چھوڑے گا اور ان کے بچوں تک کو قتل کروا دے گا۔ بنیامین نے یہ بھی کہا تھا کہ لوگوں کو اکسانے کی ضرورت ہی نہیں۔ لوگ اُس ظلم و تشدد کو اور درندگی کو کبھی نہیں بھولیں گے جو ہرقل کے حکم سے ان کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ اپنے بیٹوں کو فوج میں نہیں جانے دیں گے اور اگر ہرقل نے

جبری طور پر قبطی عیسائیوں کے بیٹوں کو فوج میں بھرتی کرنے کا حکم دیا تو تمام جواں سال قبطی گھروں سے نکل کر صحراؤں میں جا چھپیں گے۔

بنیامین نے یہ بھی کہا تھا کہ جو قبطی عیسائی فوج میں ہیں انہیں بھی کچھ کہنا غیر ضروری ہے۔ وہ رومیوں کے خلاف اس قدر جلے بیٹھے ہیں کہ وہ جانیں قربان کر دینے والی لڑائی لڑیں گے ہی نہیں۔ بات مختصر کی جائے تو بنیامین نے جو جواب بھیجا تھا اس کا لب لباب یہ تھا کہ قبطیوں کا رویّہ مسلمانوں کے حق میں ہو نہ ہو' ہرقل اور اس کی فوج کے بالکل ہی خلاف ہو گا اور اسے خاصا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس جواب سے سپہ سالار عمروؓ بن عاص مطمئن ہو گئے۔

دو یورپی مؤرخوں نے تاریخ کے چھوٹے چھوٹے واقعات ذرا تفصیل سے لکھے ہیں۔ انہوں نے سکندریہ کی ایک میٹنگ کا ذکر کیا ہے جس میں ایک مقوقس تھا' دوسرا جرنیل اطربون اور تیسرا سرکاری عیسائیت کا اسقفِ اعظم قیرس تھا۔ مقوقس نے کہا کہ اس نے فرما کا دفاع اتنا مضبوط کر دیا ہے اور ایسے احکام بھیج دیئے ہیں کہ مسلمان اسے فتح نہیں کر سکیں گے لیکن مقوقس قبطی عیسائیوں کے متعلق پریشان تھا۔

"اسقفِ اعظم!" — مقوقس نے قیرس سے پوچھا — "کیا آپ عیسائیوں میں وہ جذبہ پیدا کر سکتے ہیں جو مسلمانوں میں ہے؟"

"نہیں!" — قیرس نے دو ٹوک جواب دیا — "کیا تم نہیں جانتے کہ قبطی عیسائی مجھے ہرقل کا قصائی کہتے ہیں؟ میرے ہاتھوں ان عیسائیوں کا جو خون بہایا گیا ہے وہ خون مجھے عیسائی بخش تو نہیں دیں گے۔ قاتل کو مقتول کے لواحقین سے رحم کی توقع رکھنی ہی نہیں چاہئے۔ میں ان لوگوں کا سامنا کرنے کے بھی قابل نہیں"۔

ان تینوں کے درمیان کچھ دیر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ مقوقس اور اطربون قیرس کو بار بار کہتے تھے کہ وہ مختلف شہروں میں جائے اور لوگوں کو گرجوں میں بلا کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکائے لیکن قیرس مان نہیں رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اسے لوگوں نے نہیں بلکہ شہنشاہ ہرقل نے اسقفِ اعظم بنایا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ لوگ اسے سرکاری جلاّد کی حیثیت سے پہچانتے ہیں مگر اسے مذہبی پیشوا نہیں سمجھتے۔

آخر یہ طے پایا کہ مقوقس اگلے روز لوگوں کو اور فوج کو بھی گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھا کر کے خطاب کرے۔ اگر یہ خطاب لوگوں نے قبول کر لیا تو مقوقس بڑے بڑے

شہروں میں جا کر خطاب کرے گا۔

"میں خطاب کی ضرورت تو نہیں سمجھتا تھا" — اطربون نے کہا — "میں نے فوج کو جس طرح تیار کیا ہے اس سے امید ہے کہ فوج ٹھیک طرح لڑے گی لیکن میں مسلمانوں کو بھی جانتا ہوں کہ وہ کس بے جگری سے لڑتے ہیں۔ ہماری فوج کا جانی نقصان زیادہ ہو گا۔ شام میں ہمیں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ نفری کی کمی پوری کرنے کے لئے ہمیں مزید جوانوں کی ضرورت ہو گی۔ اس کا ایک طریقہ ہے کہ بڑا ہی جوشیلا اور جذباتی خطاب کر کے لوگوں کو فوج میں آنے پر اکسایا جائے"۔

○

سکندریہ شہر اور اردگرد کے دیہاتی علاقے میں جہاں جہاں تک سوار ہرکارے پہنچ سکتے تھے یہ اعلان کروایا گیا کہ کل فلاں وقت فرمانروائے مصر مقوقس خطاب کرے گا اور کچھ نہایت ضروری باتیں بھی بتائے گا.... دیہات کے لوگ جوق در جوق پہنچنے لگے۔

مقوقس کا خطاب کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔ دیہات کے لوگوں کو ابھی تو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ مسلمانوں کا لشکر مصر میں داخل ہو چکا ہے اور اس نے شہر عریش لے بھی لیا ہے اور بڑی ہی شدید جنگ تیزی سے بڑھی آرہی ہے۔

شاہی حکم کی تعمیل بڑی ہی تیزی سے ہو جایا کرتی تھی۔ گھوڑ دوڑ کے میدان میں ایک چبوترہ بنا دیا گیا اور مقررہ وقت سے پہلے فوج وہاں آگئی اور لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہوتا جا رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنے وسیع و عریض میدان میں کھڑا ہونے کی جگہ بھی نہ رہی۔

مقوقس شاہی بگھی میں شاہانہ انداز سے اس میدان میں آیا اور چبوترے پر جا کھڑا ہوا۔ محافظ دستے کے گھوڑ سوار اس کے آگے' دائیں' بائیں اور پیچھے ایک ترتیب سے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت ضرورت یہ تھی اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ مقوقس شاہانہ طور طریقہ اختیار نہ کرتا اور مسلمانوں کی طرح ایک عام آدمی کی حیثیت سے آتا اور چبوترے پر کھڑا ہو کر یہ تاثر دیتا کہ وہ انہی میں سے ہے لیکن شہنشاہیت کا نشہ ایسا تھا جو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں اترتا تھا۔ مقوقس نے فوج پر اور پھر دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہجوم پر نگاہ ڈالی تو شہنشاہیت کا نشہ اور بھی تیز ہو گیا ہو گا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ

شہنشاہ تو ہرقل ہی تھا لیکن مقوقس کو اس نے مصر کا باج گذار فرمانروا بنا رکھا تھا۔ مقوقس لوگوں پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہرقل سے کم حیثیت والا ہے۔

"بہادر رومیو اور غیرت مند مصریو!" ـــ مقوقس نے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر کہا ـــ "مسلمان اب تمہارے گھر میں آن پہنچے ہیں۔ وہ اس خوش فہمی میں آئے ہیں کہ تمہیں یہاں بھی شکست دے لیں گے۔ انہوں نے شہر عریش پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ انہوں نے یہ شہر لڑ کر نہیں لیا بلکہ ہم نے وہاں سے اپنی فوج پہلے ہی نکال لی تھی تاکہ مسلمان یہ شہر لے لیں۔ یہ ہم نے سوچ سمجھ کر چال چلی ہے کہ مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آگے آئیں اور ہم انہیں پھندے میں پھنسا لیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی واپس نہ جا سکے۔ وہ اب شہر فرما کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ موت انہیں بڑی تیزی سے ہمارے پھندے میں لا رہی ہے"۔

اس کے بعد اس نے اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا اور عیسائی فوج کو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور فوج کہا پھر یہ کہا کہ دنیا میں صرف ایک مذہب کی حکمرانی ہو گی اور وہ مذہب عیسائیت ہو گا۔

"لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہو گا کہ تم عیسائیت کا تحفظ کرو" ـــ مقوقس نے کہا ـــ "آج ملک اور مذہب قربانی مانگ رہے ہیں۔ اگر تم نے شام کی طرح مصر بھی مسلمانوں کو دے دیا تو عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہاں مسلمانوں کی حکمرانی ہو گی۔ وہ بزدل اور بے وقار تھے جو شام جیسا بڑا ملک مسلمانوں کے ناپاک قدموں میں پھینک کر بھاگ آئے۔ مصری اتنے بزدل نہیں ہو سکتے۔ میں جانتا ہوں تمہاری تلواریں مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہیں۔ مسلمان آ رہے ہیں، اپنی تلواروں کی پیاس بجھا لو، شام کی شکست کا انتقام دل کھول کر لو"۔

مقوقس کی تقریر جوشیلی ہوتی چلی گئی اور پھر اس نے جذباتی رنگ اختیار کر لیا لیکن مقوقس نے یہ دیکھا کہ تقریر سننے والے جوش و خروش کا ذرا سا بھی اظہار نہیں کر رہے تھے۔ ایسی تقریر اور ایسے خطاب کے دوران لوگ نعرے لگایا کرتے تھے لیکن وہاں سننے والے ہجوم پر خاموشی طاری تھی۔

مقوقس نے آخر میں یہ کہا کہ شام میں ہمارا شہنشاہ ہرقل اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور انہیں بڑی آسانی سے شکست دی جا سکے گی

لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا۔ مقوقس نے اس کی وجوہات بیان کیں اور اس فوج کے خلاف باتیں کیں جس نے شام میں شکست کھائی تھی اور کہا کہ وہ نئی فوج تیار کرنا چاہتا ہے جس کے لئے جذبے والے اور مضبوط دل والے جوانوں کی ضرورت ہے۔ اس نے اور زیادہ جوشیلی، اشتعال انگیز اور جذباتی باتیں کر کے جوانوں کو اکسانے کی کوشش کی کہ وہ فوراً فوج میں شامل ہو جائیں۔

مقوقس غالباً انسانی فطرت کا یہ پہلو نظرانداز کر رہا تھا کہ انسانوں پر جبراً حکومت کی جا سکتی ہے لیکن ان سے جبراً کوئی قربانی نہیں لی جا سکتی۔ مقوقس نے دیکھا کہ اس کی اس اشتعال انگیز دعوت کے جواب میں بھی ہجوم خاموش رہا۔ جرنیل اطربون بھی وہیں تھا۔ اس نے مقوقس کو اشارہ کیا کہ وہ تقریر روک دے۔ مقوقس نے یہ اشارہ سمجھتے ہوئے بھی اپنی زبان کا جادو جاری رکھا اور ایک بار پھر عیسائیت کا نام لیا۔

"صرف ایک بات بتا دیں" ـــ ہجوم میں سے ایک بڑی ہی بلند آواز اٹھی ـــ "آپ کون سی عیسائیت کی بات کر رہے ہیں.... شاہ ہرقل اور قیرس کی عیسائیت کی یا اسقفِ اعظم بنیامین کی عیسائیت کی؟"

مقوقس پر خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہ اس سوال پر بوکھلا گیا ہو۔ وہ آخر شاہی خاندان کا فرد تھا، اسے غصہ آ گیا لیکن غصے کا اظہار نہ کیا۔ اطربون نے اسے کہا کہ قبطیوں کا رویّہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔

"دیکھو یہ آدمی کون ہے" ـــ مقوقس نے حکم کے لہجے میں کہا ـــ "اس کے اس سوال سے میری کم، تمہاری اور شاہ ہرقل کی زیادہ توہین ہوئی ہے۔ اس شخص کو گرفتار کر کے سزا دی جائے"۔

"نہیں!" ـــ اطربون نے کہا ـــ "چاہتا میں بھی یہی ہوں کہ اس شخص کو عبرتناک سزا دی جائے لیکن صورتِ حال کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنا رویّہ نرم رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سخت رویّہ اختیار کریں تو قبطی سرکش اور باغی ہو جائیں"۔

مقوقس اور اطربون وہاں سے غصے اور شرمندگی کے عالم میں چلے گئے۔ مقوقس نے فوری طور پر دو کام کئے۔ ایک یہ کہ ایک قاصد ہرقل کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ مسلمان فرما کے قریب پہنچنے والے ہیں اور قبطی عیسائیوں کا رویّہ مخالفانہ لگتا ہے۔ مقوقس نے ہرقل سے یہ درخواست کی تھی کہ اسے بتایا جائے کہ کیا کرے۔

مقوقس نے دوسرا کام یہ کیا کہ بڑی ہی تیزی سے اُن فوجی دستوں کو فرما روانہ کر دیا جن میں رومی عیسائی اکثریت میں تھے اور قبطی عیسائی بہت ہی کم یا نہ ہونے کے برابر تھے۔ ان دستوں کو حکم دیا گیا کہ انتہائی تیزی سے فرما پہنچیں اور وہاں جو دستے موجود ہیں ان میں قبطی دستے بھی ہیں۔ ان سب کو واپس سکندریہ بھیج دیا جائے۔ مقوقس کو یہ خطرہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ فرما میں قبطی عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو وہ اتنا اہم اور قلعہ بند شہر مسلمانوں کو دے دیں گے۔

ہرقل بزنطیہ میں تھا۔ بزنطیہ بہت دور تھا' قاصد کو جانے اور آنے میں کئی دن درکار تھے۔ اُدھر سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا لشکر فرما کے قریب پہنچ گیا تھا۔

O

مجاہدین اسلام کے لشکر کو ہدف تک پہنچنے میں کچھ دن اور لگ گئے۔ اس دوران سکندریہ سے مقوقس کی بھیجی رومی فوج کے دستے فرما پہنچ گئے اور قبطی عیسائیوں کے دستے وہاں سے نکال دیئے گئے۔ اس طرح فرما کا دفاع مزید مستحکم ہو گیا تھا۔

مجاہدین نے فرما کو محاصرے میں لے تو لیا لیکن شہر پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے شہر کے اردگرد جگہ بہت تنگ تھی۔ اس کا مسلمانوں کو یہ نقصان ہو رہا تھا کہ شہر کی دیواروں اور قلعوں سے جو تیر آتے تھے وہ مسلمانوں کو زد میں آسانی سے لے لیتے تھے۔ یہ پہاڑی بجائے خود اس شہر کا ایک قدرتی دفاعی انتظام تھا۔

مجاہدین نے اپنی روایتی شجاعت اور بے جگری کا یہ مظاہرہ کئی بار کیا کہ دوڑ کر دروازوں تک پہنچے اور دروازے توڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ دروازے بہت مضبوط تھے اور اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آتی تھیں۔ کئی مجاہدین دروازوں پر شہید اور شدید زخمی ہو گئے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس لشکر کے پاس محاصرے کا پورا سامان نہیں تھا۔ منجنیقیں نہیں تھیں' کمندیں پھینکنے والے رسّے نہیں تھے اور رسّوں والی سیڑھیاں بھی نہیں تھیں۔ قلعہ سر کرنے میں تو مسلمان خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ کمندیں پھینک کر بھی دیواروں پر چڑھ جایا کرتے اور جانیں قربان کر دیا کرتے تھے لیکن ان کے پاس ایسا کوئی سامان تھا ہی نہیں۔

مقوقس نے پہلے ہی اپنے دفاعی دستوں کو حکم دے رکھا تھا کہ مسلمانوں کی نفری تھوڑی ہے اور اسے بھگانے اور مارنے کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ ایک ایک دو دو

دستے باہر بھیج کر ان پر حملے کریں اور واپس قلعے میں آ جایا کریں۔

ایک دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ محاصرہ ایک مہینہ رہا۔ بعض نے محاصرے کی مدت دو مہینے لکھی ہے۔ محاصرے کا صحیح عرصہ کہیں بھی نہیں لکھا' قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ زیادہ لمبا نہیں ہُوا تھا کیونکہ قلعے کی فوج نے باہر نکل نکل کر مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ مسلمانوں کی مجبوری یہ تھی کہ پہاڑی کے اوپر ان کے لئے لڑنے کی جگہ اتنی تھوڑی تھی کہ سالار کوئی پینترا نہیں بدل سکتے تھے نہ کوئی چال چلنے کی پوزیشن میں تھے۔ ان پر جب اندر سے حملہ آتا تھا تو وہ پیچھے ہٹتے اور پہاڑی کی ڈھلان انہیں قدم جمانے نہیں دیتی تھی۔ وہ مجبوراً پہاڑی سے اتر آتے تھے۔ رومی فوجی نیچے نہیں آتے تھے' وہ اوپر سے ہی واپس بڑی تیزی سے قلعے کے اندر چلے جاتے اور دروازے بند ہو جاتے تھے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اس قسم کی لڑائیاں لڑنے کا خاص تجربہ تھا۔ انہوں نے اس تجربے کے مطابق ایک پلان بنا لیا اور اپنے لشکر کا کچھ حصہ اس پلان میں شامل کیا اور اس حصے کے سالار کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اب اندر سے حملہ آئے تو اسے کیا کرنا ہے۔

ایک روز قلعے کے ایک طرف کے دو دروازے کھلے اور رومی فوج رُکے ہوئے سیلاب کی طرح بڑی ہی تیزی اور شدت سے باہر نکلی اور اس طرف کے مجاہدین پر ہلّہ بول دیا۔ جس سالار کو عمروؓ بن عاص نے اپنا پلان دیا تھا' وہ شہر کے ایک پہلو میں تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے حرکت کی اور اپنے دستے ساتھ لے کر دیوار کے ساتھ ساتھ آیا تھا تاکہ دروازوں پر قبضہ کر لیا جائے لیکن رومی زیادہ تیز نکلے۔ انہوں نے دیکھ لیا اور فوراً واپس ہوئے لیکن مسلمانوں نے پھر بھی انہیں روک لیا۔ اب جو رومی فوج حملے کے لئے نکلی تھی اس کی تعداد پہلے حملوں سے خاصی زیادہ تھی۔

اب چونکہ مسلمان پہاڑی سے اترنے کی بجائے دیوار کے ساتھ تھے اس لئے انہوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن ان کی تعداد رومیوں کی نسبت بہت ہی کم تھی۔ بڑا ہی خونریز معرکہ لڑا گیا۔ بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے۔ رومی بھی بے شمار مارے گئے لیکن تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ مجاہدین پر غالب آ گئے اور دروازوں میں داخل ہو کر اندر چلے گئے اور دروازے بند ہو گئے۔

مجاہدین کے لشکر کی نفری اور کم ہو گئی۔ شہر کا دفاعی انتظام ایسا مستحکم تھا کہ شہر کے باہر جو درخت تھے وہ سب کاٹ دیئے گئے تھے تاکہ محاصرہ کرنے والے درختوں پر چڑھ کر دیوار پر تیراندازی نہ کر سکیں۔ عمروؓ بن عاص اور ان کے سالاروں کے لئے وہ صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی جس میں بڑے بڑے نامور جرنیل بھی مایوس ہو جایا کرتے ہیں لیکن سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے سالاروں سے کہا کہ مایوسی جیسا گناہ نہ کرنا' انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم یہیں ہار گئے تو ایوانِ خلافت میں ہماری کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی.... عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو ایک اور پلان دیا اور کہا کہ اس پلان میں یہ امکان موجود ہے کہ ہمارا آدھا لشکر یہیں ختم ہو جائے لیکن فتح یقینی ہو گی۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ عجیب بات ہے کہ اتنے اہم شہر کے دفاعی دستوں کی کمان لینے کے لئے نہ مقوقس فرما آیا نہ اطربون۔ تاریخ میں اُس جرنیل کا نام نہیں ملتا جو اس شہر کا کمانڈر تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' مقوقس کے احکام کے مطابق چل رہا تھا۔ یہ احکام اور پلان اسے محاصرے سے پہلے ہی ذہن نشین کرا دیئے گئے تھے۔

اس پلان کے مطابق اس نے زیادہ دستوں سے حملہ کروایا تھا۔ اب پلان کے فیصلہ کُن حصے پر عمل کرنا تھا۔ رومی جرنیل نے آدھی سے زیادہ فوج حملے کے لئے مختلف دروازوں سے باہر نکال دی۔ یہ دستے پہلی کامیابیوں سے بہت خوش تھے اور انہیں اب بھی کامیابی یقینی نظر آ رہی تھی۔ ان کی نفری بھی اب بہت زیادہ تھی اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی دلیر ہو گئے تھے۔

اس کثیر نفری نے محاصرے پر حملہ کیا تو عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو جو پلان دیا تھا' اس کے مطابق مجاہدین لڑنے کی بجائے پہاڑی سے اس طرح اترنے لگے جیسے ڈر کر بھاگ نکلے ہوں۔ رومی پہلی کامیابیوں کے نشے سے سرشار ان کے پیچھے آئے۔ عمروؓ بن عاص نے اس مقصد کے لئے کچھ دستے ریزرو میں رکھے تھے۔

جونہی رومی پہاڑی کی ڈھلان پر آئے' مجاہدین کے ریزرو دستے تیزی سے حرکت کر کے ان کے عقب میں یعنی شہر کی دیوار اور رومیوں کے درمیان پہنچ گئے اور رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ ایک دستہ یا غالباً کچھ نفری کھلے دروازوں میں سے قلعے کے اندر چلی گئی۔ اس طرف کے رومی پھندے میں آ گئے۔ پہاڑی سے اتر جانے والے مجاہدین

پھر پہاڑی چڑھنے لگے اور انہوں نے رومیوں کو جو کاٹنا شروع کیا تو ان کے زخمی اور ان کی لاشیں لڑھکتی ہوئی نیچے ہی نیچے جانے لگیں۔

یہ چال شہر کے صرف ایک طرف ہی نہ چلی گئی بلکہ ایک اور پہلو پر یہی صورتِ حال پیدا ہوئی تو مجاہدین نے وہاں بھی رومیوں کے عقب میں جا کر ان پر ہلّہ بولا اور کچھ مجاہدین قلعے کے اندر چلے گئے۔

رومی اس صورتِ حال کے لئے بالکل ہی تیار نہ تھے۔ وہ تو پہلی کامیابیوں کو ذہن میں رکھے ہوئے اب بھی کامیابی کی ہی توقع لئے ہوئے تھے۔ اندر گئے ہوئے مجاہدین کو لڑائی تو لڑنی پڑی لیکن انہوں نے باقی دروازے بھی کھول دیئے۔ رومیوں کی زیادہ تر نفری شہر سے باہر مجاہدین کی تلواروں سے کٹ رہی تھی۔

جانی نقصان تو مجاہدین کا بھی ہو رہا تھا لیکن ہر مجاہد اس لڑائی کو اپنی ذاتی لڑائی سمجھ کر لڑ رہا تھا۔ مرنے والوں میں زیادہ تعداد بدّوؤں کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ایسی جنگ کبھی نہیں لڑی تھی پھر بھی انہوں نے رومیوں کو بہت ہی جانی نقصان پہنچایا۔

شہر اس حالت میں فتح ہو گیا کہ شہر کے اندر اور باہر اس قدر خون تھا جیسے خون کا مینہ برس گیا ہو۔ چھوٹی چھوٹی قلعہ بندیاں' بُرجیاں اور بُرج اتنے زیادہ تھے کہ بھول بھلیّاں سی بنی ہوئی تھیں اور شک تھا کہ رومی جرنیل اور ماتحت افسران کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے شہریوں کو حکم دیا کہ تمام قلعہ بندیاں گرا دیں۔ کچھ مجاہدین کو ان کے ساتھ لگا دیا۔ شک صحیح نکلا' رومی جرنیل ایک بُرج کے کونے میں دبکا بیٹھا مل گیا اسے گرفتار کر لیا گیا۔

فرما کی فتح مکمل ہو گئی اور مالِ غنیمت اکٹھا کیا جانے لگا.... تاریخ نویس بٹلر اور دو اور یورپی تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ تاریخ ہمیشہ حیران رہے گی کہ اتنے تھوڑے مسلمانوں نے اتنا مضبوط قلعہ آخر کس طرح فتح کر لیا تھا۔

فرما

کی فتح کو غیر مسلم مؤرخوں نے حیرت انگیز کہا ہے لیکن اہلِ دین و ایمان کے لئے اس میں حیرت والی کوئی بات نہیں تھی۔ تاریخ اسلام ایسی معجزہ نما فتوحات سے بھری پڑی ہے۔ سالاروں کے دلوں میں ایسا کوئی لالچ نہیں تھا کہ رومی جرنیلوں کے محلات میں سے زروجواہرات کے خزانے ملیں گے اور دیگر مالِ غنیمت کا بھی کوئی شمار نہیں ہوگا نہ ہی مجاہدین کے دلوں میں کوئی ایسی خواہش تھی۔ وہ اللہ کے نام پر اس فوج کشی کو جہادِ فی سبیل اللہ جان کر گئے تھے۔ ان کے عزائم ذاتی نہیں' دینی اور ملّی تھے۔

اس سے بڑھ کر اور معجزہ کیا ہو سکتا تھا کہ ایران اور روم جیسی بڑی جنگی طاقتوں کو جنہیں تاریخ نے ناقابلِ تسخیر کہا ہے' کچل اور مسل کر الگ پھینک دیا گیا تھا اور وہاں آج بھی اسلام کا پرچم بڑے فخر اور شان و شوکت سے لہراتا ہے۔

چونکہ فرما کی فتح غیر مسلم مؤرخوں کے لئے حیرت ناک تھی اس لئے انہوں نے اس کے کچھ اسباب گھڑ لئے اور تاریخ کے دامن میں ڈال دیئے تھے۔ مثلاً ایک یہ کہ اتنے تھوڑے سے مسلمان اتنی بڑی اور طاقتور فوج سے فرما کا قلعہ بند شہر نہیں لے سکتے تھے' وہ اس لئے فاتح کہلائے کہ بنیامین کے حکم سے قبطی عیسائی جو رومی فوج میں تھے لڑے ہی نہیں تھے اور ان میں سے کچھ اپنی ہی فوج کے دشمن ہو گئے اور قتل و غارت کی۔ دوسرا جواز یہ پیش کیا گیا کہ ہرقل کی سرکاری عیسائیت کا اسقفِ اعظم قیرس درپردہ ہرقل کے خلاف ہو گیا تھا اور اس نے بھی مسلمان سپہ سالار کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔ پھر یہ کہ تمام مصری بدّو مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

ان غیر مسلم مؤرخوں کی لکھی ہوئی تاریخیں آگے چل کر پڑھی جائیں تو یہ خود اپنی

ہی من گھڑت باتوں کی تردید کرتے نظر آتے ہیں۔ اتنی سی بات درست ہے کہ بنیامین نے قبطی عیسائیوں کو یہ ہدایت پہنچا دی تھی کہ وہ جانوں کی بازی لگا کر نہ لڑیں لیکن رومیوں کو یہ پتہ نہ چلنے دیں کہ وہ دل و جان سے اس لڑائی میں شامل نہیں۔ تاریخ میں یہ اعداد و شمار بھی ملتے ہیں کہ رومی فوج میں قبطی عیسائیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی جو اگر باغی ہو بھی جاتی تو اس سے رومیوں کو جنگی لحاظ سے کوئی نقصان نہ ہوتا۔

باقی رہی بات ہرقل کے اسقفِ اعظم قیرس کی' تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ قیرس کا سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ساتھ کوئی رابطہ ہُوا ہی نہیں تھا نہ ہی عمروؓ بن عاص کو یہ توقع تھی کہ وہ قیرس کو بھی اپنا ہمنوا اور مددگار بنا سکیں گے۔ قیرس اور ہرقل کے درمیان کوئی اور اختلاف ہو سکتا تھا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جہاں تک مصر کے دفاع کا تعلق تھا ہرقل اور قیرس ایک محاذ پر متحد اور متفق تھے۔

یہ صحیح ہے کہ بدّو مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے اور انہیں جس دانشمندی سے استعمال کیا گیا تھا' وہ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے لیکن جہاں تک لڑائی کا تعلق تھا' بدّوؤں کو ٹھیک طرح لڑایا نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ جنگجو ہی سہی' ایک منظم لشکر اور منظم فوج میں جا کر لڑنے کا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بدّوؤں کا جانی نقصان زیادہ ہُوا تھا۔



یہ بھی صحیح ہے کہ رومی فوج میں زیادہ تعداد اُن فوجیوں کی تھی جو شام سے شکست کھا کر بھاگے اور زخمی بھی ہوئے تھے۔ ان پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی وہ ابھی تک موجود تھی۔ مقوقس نے نئی فوج تیار کی تھی لیکن پرانے فوجیوں نے نئی فوج کے ذہن میں یہ حقیقت ڈال دی تھی کہ' مسلمان کس طرح بے جگری سے لڑتے ہیں' جانیں قربان کر دیتے ہیں' پیچھے نہیں ہٹتے۔ پرانے فوجیوں نے نئے فوجیوں کو یہ بھی بتایا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا ہر فرد لڑائی کو ذاتی لڑائی سمجھ کر لڑتا ہے۔

اس دہشت کے علاوہ رومی فوج مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے بھی متاثر تھی۔ خصوصاً غیر فوجی عیسائی تو مسلمانوں کے کردار اور حسنِ سلوک سے بہت ہی متاثر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان ظالموں کی طرح لڑتے ہیں لیکن فتح کے بعد مفتوحہ لوگوں کے لئے رحمت کے فرشتے بن جاتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا غیر مسلم مؤرخوں کی لکھی ہوئی تاریخوں

میں بھی ملتا ہے کہ مسلمان صرف جسموں کو ہی تہہ تیغ نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں کو فتح کر لیتے اور مفتوحہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ وجہ یہ کہ وہ نہتوں اور عورتوں اور کمزوروں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے نہ لُوٹ مار کرتے نہ یہ کہ عورتوں پر ٹوٹ پڑتے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ رومیوں میں قومی جذبہ اور وقار نہیں تھا۔ سب کچھ تھا لیکن انہیں مارا تو شہنشاہیت نے مارا۔ یہاں ایک رومی لڑکی کا واقعہ سامنے آتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رومیوں میں قومی جذبہ اور وقار کس قدر زیادہ موجود تھا۔ اس لڑکی کا نام نوشیا تھا اور وہ اُس جرنیل کی بیٹی تھی جو فرما کی دفاعی رومی فوج کا کمانڈر تھا۔ تاریخ میں اس جرنیل کا نام نہیں ملتا۔ اس جرنیل کی اس بیٹی نے تاریخ کا وہ باب لکھ ڈالا تھا جو صرف اُن تاریخ نویسوں کے ہاں ملتا ہے جنہوں نے کچھ پس منظر کے واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

اس جرنیل کا تعلق ہرقل کے شاہی خاندان کے ساتھ تھا۔ نوشیا کی عمر اُس وقت بائیس تیئس سال تھی اور ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ فوج کا ہی ایک جواں سال رومی عہدے دار تھا جس کے ساتھ نوشیا کی منگنی ہو چکی تھی۔ یہ عہدے دار بھی شاہی خاندان کا فرد تھا۔ یہ سب لوگ نوشیا کو نوشی کہتے تھے۔

ہم اس داستان کو کچھ دن پیچھے اُس وقت پر لے جا رہے ہیں جب مسلمان فرما کے قلعے میں داخل ہو رہے تھے۔ قلعے کے باہر بھی اور اب قلعے کے اندر بھی خونریز جنگ لڑی جا رہی تھی۔ یہ فرما کا فیصلہ کن معرکہ تھا۔ نوشی کا جرنیل باپ اس وقت دیوار پر کھڑا یہ خونریز معرکہ دیکھ رہا تھا اور وہ یقیناً محسوس کر رہا ہو گا کہ مسلمان فرما فتح کر چکے ہیں اور اس کی فوج ہاری ہوئی لڑائی لڑ رہی ہے۔ لڑائی کی صورتِ حال یہ تھی کہ رومی اب قلعے کے دفاع کے لئے نہیں بلکہ اپنی اپنی جان کے دفاع کے لئے لڑ رہے تھے۔ وہ بُری طرح کٹ رہے تھے۔

جرنیل نے دیوار سے پہلے تو باہر دیکھا پھر اندر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا ایک ماتحت اس کے پاس آن کھڑا ہوا اور جرنیل سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں کو اندر آنے دیا جائے اور اپنی فوج باہر رہے اور پھر مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔ وہ کہتا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور ان پر قابو پانا ایسا مشکل نہیں جسے ہم ناممکن کہیں۔

"میں شام سے آیا ہوں" — رومی جرنیل نے ہاری ہوئی سی مسکراہٹ سے کہا — "میں نے ان مسلمانوں کو لڑتے دیکھا ہے اور لڑا بھی ہوں۔ تم انہیں کم تعداد والے کہہ رہے ہو۔ یہی کم تعداد ان کی اصل طاقت ہے۔ کیا تم اس صورتِ حال میں اپنی فوج کو اپنے حکم کا پابند کر سکتے ہو؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہمارے فوجی جانیں بچانے کے لئے لڑ رہے ہیں لیکن بھاگنے کے راستے بھی دیکھ رہے ہیں.... بدّو غداری کر گئے ہیں"۔

"تو پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے؟" — ماتحت عہدے دار نے پوچھا۔

"میری طرف سے تمہیں اجازت ہے" — جرنیل نے کہا — "لڑنا چاہتے ہو تو لڑو بھاگنا ہے تو بھاگ جاؤ"۔

"مجھے ایسا بزدل بھی تو نہ سمجھیں" — ماتحت نے کہا — "آپ نے کہہ دیا ہے کہ بھاگو تو کیا میں بھاگ اٹھوں گا؟ آخر دم تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا"۔

اس ماتحت نے شہر کے اندر کا منظر دیکھا تو وہیں کھڑے کھڑے اپنے قریبی سپاہیوں کو للکار کر کہا کہ مسلمان اندر آ گئے ہیں اور یہیں سے منہ اندر کی طرف کر لو اور مسلمانوں کو تیروں کا نشانہ بناؤ.... جس رومی سپاہی نے بھی یہ حکم سنا وہ گھوم کر شہر کے اندر مسلمانوں پر تیر برسانے لگا۔

شہر میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ لوگ گھروں سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے اور فوجی لڑ رہے تھے اور کچھ شہریوں میں مل کر بھاگ رہے تھے۔ مسلمان اعلان کر رہے تھے کہ کوئی شہری گھر چھوڑ کر نہ بھاگے، گھروں میں رہو، کوئی مسلمان کسی گھر میں داخل نہیں ہو گا نہ لُوٹ مار ہو گی نہ کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا جائے گا۔

"یہ بدبخت مسلمان ہمارے لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں" — ماتحت نے جرنیل سے کہا — "یہ جانتے ہیں کہ بھاگنے والے لوگ سونا چاندی اور رقمیں اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ان کی نظر ان ہی چیزوں پر ہے"۔

"دھوکا نہیں دے رہے" — جرنیل نے کہا — "یہی ان مسلمانوں میں خوبی ہے۔ مفتوحہ شہر میں کسی گھر میں داخل نہیں ہوتے، کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ یہی خوبی ہماری فوج میں بھی ہوتی تو نہ یہ شام سے بھاگتی نہ آج اتنا مضبوط قلعہ بند شہر ان کے حوالے کر دیتی۔ ہمارے فوجی تو اپنے ہی لوگوں کے گھروں میں گھس کر لُوٹ مار

شروع کر دیتے ہیں"۔

اتنے میں مجاہدین دیوار پر آ گئے اور ان تیر اندازوں پر ٹوٹ پڑے جو نیچے شہر کے اندر مجاہدین پر تیر چلا رہے تھے۔ جرنیل ایک طرف کو بھاگ اٹھا۔ اس کا لباس اس کی بڑی واضح پہچان تھی کہ یہ شخص جرنیل ہے۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ زندہ دیوار سے اتر جائے گا اور اگر زندہ اتر بھی گیا تو مسلمانوں کے قیدی کی حیثیت سے اترے گا لیکن دیوار پر جو اس کے سپاہیوں میں ہڑبونگ اور افراتفری پیدا ہو گئی تھی' اس سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ جھکا جھکا چلتا دیوار سے اتر ہی گیا۔

نیچے بھی وہی خونریزی کا اور بھاگ دوڑ کا عالم تھا۔ جرنیل کو اپنا آپ بچانا مشکل نظر آ رہا تھا لیکن اس کی خوش قسمتی یہ تھی کہ قریب ہی ایک گلی تھی جس میں وہ چلا گیا اور پہلے ہی مکان کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے بڑی زور سے دستک دی لیکن دروازہ نہ کھلا۔ گھر والوں کو یہ خوف آیا ہو گا کہ یہ مسلمان ہیں جو اندر آ کر ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو فاتحین مفتوحہ لوگوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جرنیل نے اپنا نام لے کر کہا دروازہ فوراً کھولو۔ دروازہ ذرا سا کھلا جس میں سے جرنیل کو ایک آنکھ نظر آئی۔ جرنیل نے دروازے کو زور سے دھکیلا اور اندر چلا گیا۔ وہ ایک آدمی تھا جس نے ایک کواڑ ذرا سا کھول کر باہر جھانکا تھا۔ دروازہ فوراً بند ہو گیا۔ اس آدمی نے اپنے جرنیل کو پہچان لیا اور پوچھا کہ لڑائی کی صورتِ حال کیا ہے۔

جرنیل نے صورتِ حال بتانے کی بجائے ہانپتے کانپتے لہجے میں کہا کہ اسے فوراً اپنے کپڑے دے دیں۔ وہ آدمی جرنیل کے اس انداز سے ہی سمجھ گیا ہو گا کہ لڑائی کی صورتِ حال کیا ہے۔ صورتِ حال اچھی ہوتی تو یہ جرنیل اس طرح گھبراہٹ اور خوف زدگی کی حالت میں ایک عام گھر میں نہ جا گھستا پھر بھی وہ آدمی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"سنا نہیں تم نے؟" — جرنیل نے حکم اور رعب کے لہجے میں کہا — "مجھے اپنے کپڑے اور چُغہ دے دو..... مجھے پہچانتے نہیں تم؟ تمہارا جرنیل ہوں"۔

"پہچانتا ہوں" — اس آدمی نے طنزیہ سے لہجے میں کہا — "لیکن ایک غریب آدمی کے کپڑے پہن کر آپ کو کون پہچانے گا؟"

وہ آخر جرنیل تھا اور شاہی خاندان کا فرد تھا اور جلدی میں بھی تھا اس لئے اس نے اس شخص کی طنزیہ کلامی کا جواب زبان سے دینے کی بجائے تلوار نکالی اور اپنا حکم دُہرایا۔ کمرے سے ایک عورت نکل آئی۔ شاید اس شخص کی بیوی تھی۔ اسے کہنے لگی کہ یہ جو مانگتا ہے اسے فوراً دے دو۔

جرنیل نے اس شخص کے دیئے ہوئے کپڑے اپنے پہنے ہوئے لباس پر ہی چڑھا لئے۔ ایک غریبانہ سا چغہ بھی پہنا جو اس کے کندھوں سے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ میلی اور خستہ حالت ایک چادر تھی جو اس نے اپنے سر پر لپیٹ لی اور کچھ لٹکالی۔ اب وہ جرنیل نہیں بلکہ ایک غریب آدمی تھا۔ باہر نکلتے ہوئے وہ صحن سے گزرا تو ایک ٹیڑھی میڑھی لاٹھی سی پڑی نظر آئی۔ اس نے لاٹھی اٹھالی اور ذرا سا کبڑا ہو کر اور لاٹھی ٹیک کر چلنے لگا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر رکا اور مڑ کر دیکھا۔

"اتنا مت ڈرو" — اس نے گھر کے اس آدمی اور اس کی بیوی سے کہا — "دروازہ کھلا رہا تو بھی کوئی خطرہ نہیں۔ مسلمان گھروں میں داخل نہیں ہوتے اور وہ لُوٹ مار نہیں کرتے"۔

"تم جاؤ" — اس شخص نے کہا — "اب ہم جانیں مسلمان جانیں۔ میں تمہاری جرنیلی سے نہیں تمہاری تلوار سے ڈر گیا تھا۔ اگر تمہیں ہماری بیٹیوں کا خیال نہیں تو اپنی ہی بیٹی کا خیال کیا ہوتا اور لڑتے ہوئے مرجاتے..... جاؤ' اب تمہیں کوئی نہیں پہچان سکے گا"۔

اگر اسے بھاگنے کی جلدی نہ ہوتی تو وہ غریب سے ایک آدمی کی یہ گستاخی معاف نہ کرتا اور اس کا سر اس کے بدن سے جدا کر دیتا لیکن اس نے اس آدمی کو قہر اور غضب کی نگاہوں سے دیکھا اور باہر نکل گیا۔



رومی فوج کا یہ جرنیل لاٹھی ٹیکتا ذرا جھکا ہُوا آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ شہر کی گلیوں میں اسے اپنی فوج کے سپاہی بھاگتے دوڑتے جانیں بچاتے نظر آ رہے تھے۔ مسلمان بھی ان کے قریب سے گزرے اور اس نے ان کی خون آلود تلواریں دیکھیں۔ چار پانچ مرتبہ ایسے ہُوا کہ وہ گلی کا موڑ مڑ رہا تھا کہ گھروں سے بھاگنے والے آدمی اس سے ٹکرائے اور بھاگ گئے۔

اسے دو تین مسلمان نظر آئے جو بڑی ہی بلند آواز سے اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ لوگ گھروں کے اندر رہیں' بھاگیں نہیں' کسی گھر میں کوئی لوٹ مار کے لئے داخل

نہیں ہو گا۔ ایک مسلمان کہتا پھر رہا تھا کہ باہر نہ نکلنا' بڑی زبردست لڑائی ہو رہی ہے' گھوڑوں تلے آ کر مارے جاؤ گے.... پھر بھی شہریوں میں افراتفری بپا تھی اور کچھ لوگوں نے دروازے اندر سے بند کر لئے تھے۔

جرنیل بہت جلدی میں تھا لیکن ڈر سے تیز نہیں چلتا تھا کہ پہچانا جائے گا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسے بوڑھا اور کمزور یا بیمار سمجھ کر نظرانداز کر دیں گے۔ اس کا گھر شہر سے الگ تھلگ تھا۔ وہ گھر نہیں ایک محل تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں خاصا وقت گزر گیا۔ اسے یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ اس کے گھر والے بروقت نکل نہ گئے تو پکڑے جائیں گے۔ زیادہ خیال بیٹی کا تھا جو نوجوان اور غیر شادی شدہ تھی۔ وہ بہت ہی زیادہ خوبصورت بھی تھی۔

وہ گھر کے قریب پہنچا تو اسے ایسے آثار نظر آنے لگے جیسے محل کے مکین بھاگ گئے ہوں۔ مسلمان گھوڑ سوار محل کے احاطے میں داخل ہو رہے تھے۔ کچھ محل کے اندر چلے گئے تھے۔ وہ احاطے کے باہر والے گیٹ پر جا رکا اور اس محل کو حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگا جس میں وہ شاہی خاندان کا جرنیل تھا لیکن اب اس محل کے در و دیوار جیسے اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ ایک مسلمان محل میں سے نکلا اور بلند آواز سے کہا کہ سب بھاگ گئے ہیں' محل بالکل خالی ہے۔ جرنیل وہیں کھڑا رہا۔ اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اس کے گھر کے تمام افراد نکل گئے ہیں۔

وہ وہیں کھڑا اپنے محل کو دیکھتا رہا۔ تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ اس کے سینے پر کیسے کیسے سانپ اور کیسے کیسے زہریلے ناگ لوٹے ہوں گے۔ وہ اس شہر کا حاکم اور جرنیل نہیں بلکہ بادشاہ تھا۔ یہاں کے لوگوں کی قسمت اس اکیلے شخص کے ہاتھ میں تھی اور وہ ان کا روزی رساں بنا ہوا تھا۔ اس محل میں اس نے جو عیش و عشرت کی تھی وہ بھی اسے یاد آئی ہو گی۔ محل کے سامنے بڑا ہی خوبصورت باغ تھا۔ اس باغ میں اور اس محل میں اس نے معصوم نوجوانیاں اور ان کی عصمتیں پامال کی تھیں۔ آج اسے اپنی بیٹی کا غم کھا رہا تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ یہاں سے نکل گئی تھی یا کسی فاتح کے ہاتھ چڑھ گئی ہے۔

"سپہ سالار آ رہے ہیں" — اسے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لشکرِ مجاہدین کے فاتح سپہ سالار عمروؓ بن عاص آ رہے

تھے۔ ان کے پیچھے چند ایک گھوڑ سوار محافظ تھے۔ اس رومی جرنیل نے ایک بار پھر محل کی طرف دیکھا۔ یہاں تو اس کے محافظوں کا ایک دستہ چاک و چوبند اور ہر دم تیار موجود رہا کرتا تھا لیکن اب ان کا نام و نشان نہ تھا۔

اس نے وہاں سے کھسک جانے کی یا بھاگ نکلنے کی سوچی ہی نہیں۔ عمروؓ بن عاص اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جرنیل نے اپنا آپ چھپائے رکھنے کے لئے یوں کیا کہ عمروؓ بن عاص کا گھوڑا اس کے قریب آیا تو اس نے جھک کر اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ سپہ سالار اور ان کے محافظ ان کے قریب سے گزر گئے اور محل میں جا داخل ہوئے۔

"یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو" — رومی جرنیل کے کانوں میں ہلکی سی آواز پڑی۔

اس نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ایک بوڑھی عورت اس کے پاس کھڑی تھی۔ وہ اس بڑھیا کو نہیں جانتا تھا۔ اس کے کسی ملازم کی ماں تھی جس نے اسے اس غریبانہ بہروپ میں بھی پہچان لیا تھا۔ اس نے جرنیل کو بتایا کہ اس کے گھر کے تمام افراد اُسی وقت نکل گئے تھے جس وقت انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ مسلمان کھلے دروازوں سے شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ شہر کے دو دروازے خاص طور پر چھوٹے بنوائے گئے تھے اور یہ بہت ہی مضبوط تھے۔ ان دونوں دروازوں کی چابیاں شاہی محافظ دستے کے کمانڈر کے پاس رہتی تھیں۔ یہ دروازے فوج کے اندر یا باہر آنے جانے کے لئے استعمال نہیں ہوتے تھے۔ یہ کبھی بھی نہیں کھلے تھے۔ یہ دروازے شاہی خاندان کے لئے مخصوص تھے لیکن انہیں بند اور مقفّل ہی رکھا جاتا تھا۔ ان کا استعمال یہی تھا جو اب کیا گیا یعنی یہ شاہی خاندان کے فرار کے لئے مخصوص تھے۔ بڑھیا نے جرنیل کو بتایا کہ جب مسلمان شہر میں داخل ہو رہے تھے اُس وقت ان دونوں میں سے ایک دروازہ کھلوایا گیا اور تمام افراد اس سے نکل گئے۔ اس طرف کوئی لڑائی نہیں تھی۔

"اور میری بیٹی؟"

"وہ بھی ساتھ ہی گئی ہے" — بڑھیا نے جواب دیا — "آپ کی بیٹی کا منگیتر آ گیا تھا۔ وہی سب کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ آپ بھی چلے جائیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ پہچانے جائیں پھر مسلمان آپ کو گرفتار کر لیں گے"۔

"وہ اپنے ساتھ گھوڑوں پر کچھ سامان لے کر گئے ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں!" — بڑھیا نے جواب دیا" — اتنی مہلت ہی نہیں تھی کہ قیمتی چیزیں اکٹھی کر سکتے"۔

جرنیل نے اب جو محل کی طرف دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے ایک تیر اس کے دل میں اتر گیا ہو۔ اُسے معلوم تھا کہ اس محل میں زر و جواہرات کا کتنا خزانہ موجود تھا۔

"آپ بہت مغموم نظر آتے ہیں" — بڑھیا نے کہا — "آپ کی جان سلامت ہے' خاندان کا ہر فرد زندہ نکل گیا ہے۔ آپ بھی چلے جائیں اور تیار ہو کر واپس آئیں' اس شہر پر حملہ کریں اور یہ شہر آپ کا ہی ہو گا"۔

جرنیل کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ آ گئی۔ اسے بڑھیا کی یہ بات اچھی لگی لیکن وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں سے وہ شہر واپس لینا عموماً ممکن نہیں ہوتا جو وہ فتح کر لیتے ہیں .... وہ وہاں سے ہٹا اور محل پر الوداعی نگاہیں ڈالتا چلا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا خاندان کہاں گیا ہے۔ کم و بیش تیس میل دور ایک اور بڑا شہر تھا جس کا اُس دور میں نام بلبیس ہُوا کرتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے خاندان کے افراد کس راستے سے گئے ہوں گے۔ وہ اس چھوٹے سے دروازے سے نکلا جو شاہی خاندان کے فرار کے لئے مخصوص تھا۔ اس طرف سے کوئی حملہ آور نہیں آ سکتا تھا کیونکہ دیوار کے ساتھ ہی پہاڑی کی ڈھلان تھی جس پر بڑا ہی تنگ راستہ تھا۔ یہ راستہ اتنا ہی تھا کہ ایک آدمی یا ایک گھوڑا اس راستے سے چڑھ یا اتر سکتا تھا۔ اس طرف کوئی لڑائی نہیں تھی' بالکل خاموشی تھی۔ وہ نیچے چلا گیا۔ زخمی ہو ہو کر گرنے والے رومی گھوڑ سواروں کے گھوڑے بھاگتے دوڑتے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ جرنل نے دیکھا کہ تین چار گھوڑے اس پہاڑی سے نیچے چلے گئے تھے جس پہاڑی پر فرما کا شہر آباد تھا۔ اس نے ایک گھوڑا پکڑا' اس پر سوار ہُوا اور ایڑ لگا دی۔

یہ تمام علاقہ سرسبز تھا اور جنگل کہیں کہیں گھنا بھی تھا اور چھوٹی بڑی پہاڑیاں بھی تھیں۔ وہاں جا کر انسان اور گھوڑے گم ہو جاتے تھے۔

○

اس رومی جرنیل نے خاصی دور جا کر گھوڑا روکا اور جو غریبانہ کپڑے اس نے اپنے جنگی لباس پر پہنے تھے وہ اتار کر پھینک دیئے اور آگے کو چل پڑا۔ اب اسے پکڑے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر علاقہ میدانی ہوتا تو وہ بہت دور نکل گیا ہوتا لیکن پہاڑی

علاقے میں اسے دائیں بائیں بہت مڑنا پڑتا تھا اس لئے وقت زیادہ گزر رہا تھا اور فاصلہ کم طے ہو رہا تھا۔ اتنے میں سورج غروب ہو گیا۔

پیچھے فرما میں اس کے محل سے تمام مالِ غنیمت برآمد کر کے اکٹھا کر لیا گیا تھا۔ وہ تو زر و جواہرات کا ایک خزانہ تھا۔ دیگر ساز و سامان اور کپڑے وغیرہ بھی بیش قیمت تھے۔ مجاہدین نے بھاگ دوڑ کر شہریوں میں امن و امان قائم کر دیا۔ بدّوؤں پر خاص طور پر نظر رکھی گئی تھی کہ وہ کسی شہری کے گھر میں داخل نہ ہوں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ کونسی اشیاء ہوتی ہیں جنہیں مالِ غنیمت میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ اشیاء کہاں کہاں ہوتی ہیں۔

رومی جرنیل سورج غروب ہونے کے بعد بھی رکا نہیں۔ اس نے گھوڑے کی رفتار خاصی تیز رکھی تھی اور اسے امید تھی کہ اپنے خاندان کو راستے میں ہی جا لے گا .... اور اس نے انہیں راستے میں ہی جا لیا۔ وہ جگہ بڑی خوبصورت اور خوش نما تھی جہاں اس کا خاندان کچھ دیر کے لئے رک گیا تھا۔ وہ سب لوگ گھوڑوں پر گئے تھے۔ وہ جگہ فرما سے دس گیارہ میل دور تھی۔ گھوڑوں کے ہنہنانے سے ان لوگوں کی نشاندہی ہوئی تھی۔ جرنیل اپنے خاندان سے جا ملا اور اس نے سب سے پہلے اپنی نوجوان بیٹی کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہے" — جرنیل کی بیوی نے کہا — "پاگل پن میں کہیں غائب ہو گئی ہے"۔

جرنیل پہلے تو سُن ہو کر رہ گیا اور خاندان کے ہر فرد پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ یک لخت جرنیل نے گرج کر کہا کہ اسے صحیح بات بتائی جائے پھر اس نے اپنی بیٹی کے منگیتر کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ جرنیل کو بڑھیا نے بتایا تھا کہ نوشی کا منگیتر آ گیا تھا اور وہ سب کو ساتھ لے گیا ہے۔

نوشی کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ اپنے شاہی وقار کے متعلق بہت ہی جذباتی اور حسّاس تھی۔ جرنیل کی یہی ایک بیٹی جوان ہوئی تھی' دو بیٹے اس سے ابھی چھوٹے تھے۔ جرنیل نے اپنی اس بیٹی نوشی کو جنگی تربیت دینے کے لئے ایک استاد مقرر کر رکھا تھا جس نے اس لڑکی کو شہسوار بنا دیا تھا پھر اسے تیغ زنی' برچھی بازی اور تیر اندازی کی ایسی تربیت دی تھی کہ وہ تجربہ کار فوجی کی طرح دشمن کے مقابلے میں اتر سکتی تھی۔ نوشی تھی تو نوجوان اور بڑی ہی خوبصورت لڑکی لیکن اس نے اپنے آپ میں

مردانہ صفات پیدا کر لی تھیں اور اس کی فطرت جنگجو مردوں جیسی ہو گئی تھی۔ اپنے باپ سے اکثر کہا کرتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں ملک شام کو رومی سلطنت میں شامل کر لے گی۔

اس کا جو استاد تھا' اس نے نوشی کے دل میں مسلمانوں کے خلاف ایسی نفرت بھر دی تھی کہ وہ مسلمانوں کا نام سنتے ہی اس نفرت کا اظہار کرنے لگتی تھی۔ اس کے اس جرنیل باپ کے دوغلے پن کا یہ حال تھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کے حسنِ اخلاق کی تعریفیں کیا کرتا تھا لیکن اپنی اولاد کے دلوں میں اس نے مسلمانوں کا تاثر کچھ ایسا پیدا کر دیا تھا جیسے اس سے زیادہ کوئی اور حقیر اور قابلِ نفرت قوم ہو ہی نہیں سکتی۔ مسلمانوں نے رومیوں سے شام چھین کر انہیں مصر کی طرف بھگا دیا تو نوشی کی جذباتی حالت ایسی ہو گئی جیسے وہ ہر اُس مسلمان کو قتل کر دے گی جو اس کے سامنے آئے گا۔ اب مسلمانوں نے اسے پورے خاندان سمیت فرما سے بھی بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور وہ اپنا محل اور زر جواہرات کا انبار وہیں چھوڑ کر بھاگ نکلی۔

جرنیل کو بتایا گیا کہ فرما سے نکلتے ہی نوشی بگڑ گئی تھی۔ کہتی تھی کہ یہ تھوڑے سے مسلمان کبھی فرما فتح نہیں کر سکتے تھے' یہ کامیابی انہیں صرف اس لئے حاصل ہوئی ہے کہ بدّو ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ یہ بات اسے فرما پر حملے سے پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی لیکن اس نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اب اس کے منگیتر نے بتایا کہ بدّو مسلمانوں کے ساتھ نہ ہوتے تو ان مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ واپس نہ جا سکتا تھا۔

نوشی کی ماں نے جرنیل کو جو بات سنائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ محل کا ایک ادھیڑ عمر ملازم مصری بدّو تھا اور عیسائی تھا۔ نوشی کو یہ بدّو اتنا اچھا لگتا تھا کہ اسے اس نے اپنا خاص معتمد ملازم بنا لیا تھا۔ اس بدّو ملازم کا ایک جوان بیٹا بدّوؤں کے اس لشکر میں چلا گیا تھا جو مسلمانوں سے جا ملا تھا۔ اس بیٹے نے اپنے باپ کو تفصیل سے بتایا تھا کہ بدّو کس طرح مسلمانوں کے پاس گئے تھے۔ اس نے بتایا تھا کہ آسمان سے فرشتے اترے تھے اور انہوں نے خدا کا پیغام دیا تھا۔

بیٹے کا تو یہ حال کہ وہ مسلمانوں سے جا ملا لیکن باپ کٹر عیسائی تھا اور مسلمانوں کا ویسا ہی دشمن جیسی نوشی تھی۔ یہ ایک ہم خیالی بھی تھی جس کی وجہ سے یہ ملازم نوشی کو

اچھا لگتا تھا۔

اب مسلمانوں نے فرما بھی فتح کر لیا تو اس ملازم نے نوشی کو بتایا کہ بدّو اپنی قوم اور مذہب سے غداری نہ کرتے تو مسلمان اتنا مضبوط قلعہ بند شہر کبھی فتح نہ کر سکتے۔ نوشی تو جل اٹھی اور اس ملازم نے جلتی پر تیل چھڑکا۔

یہ خاندان جب فرما سے نکلا تو نوشی نے اس بدّو ملازم سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ اس ملازم کو بھی نوشی سے کچھ ایسا پیار ہو گیا تھا کہ وہ ساتھ چل پڑا اور اب نوشی کے ساتھ وہ بھی لاپتہ ہو گیا تھا۔

رومی جرنیل نے جب اپنی بیوی کی زبانی یہ بات سنی تو اس نے فوراً کہا کہ یہ بدّو بھی غداری کر گیا ہے۔ جرنیل کا مطلب یہ تھا کہ وہ نوشی کو ورغلا کر اپنے ساتھ لے گیا ہے اور مسلمانوں کے پاس جا کر لڑکی سالار کے حوالے کر دے گا اور اس کے عوض مالِ غنیمت وصول کر لے گا۔

جرنیل کا یہ شک محض ایک وہم تھا۔ اصل بات جو بعد میں معلوم ہوئی وہ یوں تھی کہ لڑکی نے فرما سے نکلتے ہی کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ ان بدّوؤں کے ہاں جائے گی جو ابھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملے اور ان کے سرداروں سے کہے گی کہ وہ کسی طرح غدار بدّوؤں کو واپس لائیں۔ یہ مہم کوئی آسان مہم نہیں تھی۔ نوشی شاید اپنے آپ کو شاہی خاندان کی لڑکی اور بدّوؤں کو اپنی رعایا سمجھ کر حکم چلانا چاہتی تھی لیکن بعد میں یہ راز کھلا کہ اس بدّو ملازم نے اسے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ ایک ایسے بدّو کے پاس لے جائے گا جس کے ہاتھ میں غیبی طاقت ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ شخص کوئی جادو چلانے کا علم رکھتا تھا اور لوگ اس سے غیب کا اور آنے والے وقت کا حال پوچھنے جاتے تھے اور وہ پُراسرار بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا۔

بدّو ملازم نے نوشی کو یقین دلایا تھا کہ یہ شخص جسے سب جادوگر کہتے ہیں' اگر حکم دے دے یا بدّوؤں کو ڈرا دے تو کوئی اور بدّو مسلمانوں کے لشکر میں شامل نہیں ہو گا اور جو شامل ہو چکے ہیں وہ واپس آ جائیں گے۔

نوشی کی ماں نے جرنیل کو بتایا کہ نوشی کی جذباتی حالت بہت ہی بُری ہو گئی تھی اور وہ فرما سے کچھ دور آ کر گھوڑا روک لیتی اور کہتی کہ وہ جا رہی ہے۔ اسے زبردستی آگے لے جاتے تھے۔ وہ علاقہ ایسا تھا کہ چٹانوں اور ٹیکریوں کی وجہ سے ہر چند قدم بعد دائیں

یا بائیں مُڑنا پڑتا تھا اور جگہ اتنی تنگ تھی کہ گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے قطار کی صورت میں ہی چلائے جا سکتے تھے۔ نوشی کی کوشش یہ تھی کہ وہ سب سے آخر میں رہے۔

خاصی دور آکر ایسی جگہ آگئی کہ پیچھے والے کو اپنے آگے جانے والے گھوڑے کی بھی خبر نہیں رہتی تھی۔ یہ قافلہ اصل راستے سے ہٹ کر دشوار گزار راستے سے جا رہا تھا تاکہ مسلمان تعاقب میں آئیں تو انہیں کچھ نہ ملے۔

ایک جگہ ذرا کشادہ آئی تو دیکھا نوشی اس قافلے کے ساتھ نہیں تھی اور بدّو ملازم بھی نہیں تھا۔

نوشی کے منگیتر نے کہا کہ وہ اس کے پیچھے جا رہا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا انتظار نہ کیا جائے' سب چلتے چلیں کیونکہ ہو سکتا ہے نوشی اسے نہ ملے اور وہ اسے ڈھونڈ کر ساتھ لے ہی آئے گا۔ اس طرح جرنیل کا خاندان بلبیس کی طرف بڑھتا گیا اور منگیتر نوشی کے پیچھے چلا گیا۔

جرنیل غصے سے اٹھ کھڑا ہُوا۔ کہنے لگا کہ وہ بھی اس کے پیچھے جاتا ہے لیکن بیوی نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا کہ اتنا وقت گزر چکا ہے اب اس کے پیچھے جانا محض حماقت ہے۔

"مجھے اس کے پیچھے نہیں جانا چاہئے" — جرنیل نے کہا — "مجھے فوراً بلبیس پہنچنا ہے ورنہ وہاں فوج میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ میں شکست کھا کر کہیں اور فرار ہو گیا ہوں۔ اپنی بیٹی کے متعلق یہ پریشانی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ چڑھ جائے گی اور کوئی عربی بدّو اسے اپنی بیوی یا داشتہ بنا لے گا۔ یہ ڈر بھی ہے کہ یہ مصری بدّو ہی لڑکی کو اپنے قبضے میں رکھ لے گا"۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی" — جرنیل کی بیوی نے کہا — "لڑکی پاگل ہو چکی ہے۔ وہ آ بھی گئی تو اس کا دماغ ٹھکانے نہیں آئے گا۔ میں اسے بتاتی رہتی تھی کہ عقل پر جذبات کو غالب کرنے والے تباہی کی طرف ہی جایا کرتے ہیں لیکن میں نے دیکھا کہ لڑکی جذبات کے رنگ میں سوچتی تھی اور عقل استعمال نہیں کرتی تھی۔ ہم نے بھی کبھی خیال نہ کیا کہ اس کا یہ ملازم بھی اور استاد بھی اسے بڑی گھٹیا اور جذباتی کہانیاں سناتے رہتے تھے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ لڑکی میں قومی وقار اور جنگی جذبہ ہے جو سلطنتِ

روم کو مضبوط بنائے گا"۔

O

بدّو ملازم دیانت دار تھا یا بددیانت' یہ ایک الگ بات ہے' اسے یہ معلوم تھا کہ بدّوؤں کا علاقہ کون سا ہے اور جس کے پاس وہ نوشی کو لے جا رہا ہے وہ کہاں رہتا ہے۔ یہ بدّو نہایت اچھا رہنما تھا کیونکہ وہ خود بدّو تھا اور اپنے علاقے سے پوری طرح واقف تھا۔

بدّوؤں کا علاقہ دور دور تک پھیلا ہُوا تھا۔ ایک تو وہ علاقہ تھا جہاں کے بدّو مسلمانوں کے ساتھ جا ملے تھے اور ایک علاقہ فرما سے ذرا آگے اور الگ ہٹ کر تھا جو زیادہ سرسبز اور شاداب تھا۔ یہاں بھی بدّو رہتے تھے۔

اس سرسبز و شاداب علاقے کے بدّو صحرائی بدوؤں سے یعنی اُن بدّوؤں سے جو مسلمانوں کے پاس چلے گئے تھے' کچھ مختلف تھے۔ تھے تو یہ بھی توہم پرست لیکن ان کے عقائد دوسروں سے مختلف تھے۔ یہ بھی عیسائی تھے لیکن انہیں ایک اور ہی فرقے کے عیسائی کہا جا سکتا ہے۔

اصل خطرے والی بات یہ تھی کہ بدّو ملازم کوئی دانشمند اور دور اندیش آدمی نہیں تھا۔ وہ نوشی کی وفاداری کی وجہ سے اس کا ساتھ دے رہا تھا' اسے مسلمانوں کے خلاف کہانیاں سنا سکتا تھا لیکن کوئی دانشمندانہ مشورہ دینے کے قابل نہیں تھا۔ نوشی پر تو جذبات ہی غالب تھے اور وہ اگر پوری طرح پاگل نہیں ہو گئی تھی تو نیم پاگل ضرور ہو گئی تھی۔ عمر بھی تو جوانی کی تھی جب جذبات ہی ذہن پر غالب آتے ہیں۔

سورج اوپر آگیا تو نوشی اپنے ملازم کی راہنمائی میں بدّوؤں کے علاقے میں داخل ہو گئی۔

انہیں اپنے پیچھے دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیئے۔ دونوں نے پیچھے دیکھا۔ ایک گھوڑ سوار ان کی طرف گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا۔ وہاں جنگل تو گھنا تھا لیکن کوئی ایسی ٹیکری یا چٹان یا کوئی اوٹ نہیں تھی کہ وہ چھپ جاتے۔ اس سوار نے انہیں دیکھ بھی لیا تھا اس لئے وہ چلتے گئے اور نوشی نے ملازم سے کہا کہ یہ جو کوئی بھی ہے اسے نہیں بتانا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور اگر خطرہ ہُوا تو اس سوار کو دونوں مل کر قتل کر دیں گے۔ ان دونوں کے پاس تلواریں بھی تھیں اور خنجر بھی۔

گھوڑسوار قریب آگیا۔ نوشی کو اس کی پکار سنائی دی۔

"نوشی!" — گھوڑسوار نے پکارا — "رک جاؤ' میں تمہارے پیچھے آیا ہوں"۔

نوشی نے گھوڑا روک لیا اور پیچھے دیکھا۔ اس کا منگیتر آرہا تھا۔

"کہاں جارہی ہو نوشی؟" — منگیتر نے پوچھا۔

"ہرقل کی غیرت کو جگانے کے لئے" — نوشی نے جواب دیا — "اگر اس کی غیرت نہ جاگی تو روم کے وقار کو ہمیشہ کے لئے دفن کرآؤں گی"۔

منگیتر جس کے نام کا کچھ علم نہیں' نوشی کی اتنی سی بات سے سمجھ گیا کہ یہ لڑکی دماغی طور پر ٹھیک نہیں رہی۔ اس نے اپنا گھوڑا نوشی کے گھوڑے کے آگے کر کے اس گھوڑے کی لگام پکڑلی اور بولا کہ میرے ساتھ واپس چلو۔

"میرے راستے کی رکاوٹ نہ بنو" — نوشی نے تلوار نکال کر کہا — "میں تم سے بھی توقع رکھتی ہوں کہ میرا ساتھ دو گے' ساتھ کی بجائے تم رکاوٹ بن رہے ہو۔ میں تمہیں مسلمانوں سے بدتر دشمن سمجھوں گی.... میرے راستے سے ہٹ جاؤ"۔

"میں تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دیتا ہوں" — منگیتر نے کہا — "تم پر زبردستی نہیں کروں گا۔ میں بھی رومی ہوں' مرنہیں گیا...."

"میرے دل میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں" — نوشی نے کہا — "لیکن میں اس دل سے سلطنتِ روم کی محبت نہیں نکال سکتی۔ میری پہلی محبت روم ہے۔ اس کے بعد تم ہو۔ اگر تم میرا ساتھ دیتے ہو تو میرے ساتھ آؤ۔ اگر نہیں تو تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے"۔

"مجھے آخر مرنا ہی ہے" — منگیتر نے کہا — "لیکن میں روم کی آن پر کسی مسلمان کے ہاتھوں مرنا زیادہ پسند کروں گا.... میں جانتا ہوں تم بدّوؤں کے سرداروں سے ملنے جارہی ہو لیکن یہ کام ایک عورت کا نہیں' یہ جرنیلوں کی سطح کا معاملہ ہے۔ یہ بدّو تمہیں کم سن لڑکی سمجھ کر ٹال دیں گے"۔

"کون سے مردوں کی بات کر رہے ہو؟" — نوشی نے طنزیہ سے لہجے میں کہا — "ہرقل کی؟.... مقوقس کی؟.... اس اطربون کی جو اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیادہ بہادر اور دانشمند جرنیل سمجھتا ہے؟.... کہاں ہیں وہ سب؟ سب اپنی اپنی جگہوں پر آرام سے بیٹھے عیش و عشرت میں پڑے ہیں اور میرے باپ کو آگے کر رکھا ہے۔

میرے باپ نے مقوقس اور اطربون کو اطلاع بھیج دی تھی کہ تین چار ہزار بدّو مسلمانوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور یہ بدّو دیہات میں جا کر اناج اکٹھا کر کے مسلمانوں کو دے رہے ہیں لیکن کسی نے نہ سوچا کہ اس کا کوئی تدارک کیا جائے۔ اب یہ کام میں کروں گی"۔

"سلطنتِ روم فرما پر ختم نہیں ہو جاتی نوشی!" — منگیتر نے کہا — "یہ آخری قلعہ ہے جو مسلمانوں نے فتح کرلیا ہے۔ اس سے آگے ان کے لئے موت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہمارے جاسوس انہیں بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو کوئی کمک نہیں مل رہی۔ فرما میں ان کا جانی نقصان اچھا خاصا ہُوا ہے اور بدّو زیادہ مارے گئے ہیں۔ ان کی طاقت کم ہوتی جارہی ہے۔ ان کی کمک کے لئے راستہ اور لمبا ہو گیا ہے۔ ہم نے انتظام کرلیا ہے کہ ان کی کمک آئی تو اسے راستے میں ہی روک کر ختم نہ کیا جاسکا تو اسے اتنا کمزور ضرور کردیں گے کہ بیکار ہو کر رہ جائے گی"۔

"تم اگر جرنیل ہوتے تو شاید میں تمہاری یہ بات مان لیتی" — نوشی نے کہا — "تم چھوٹے سے عہدے دار ہو۔ سنی سنائی باتیں کرتے ہو لیکن بالائی سطح پر مجھے کوئی ایسی سرگرمی نظر نہیں آرہی۔ میں ان مصری بدّوؤں کو مسلمانوں سے الگ کرنا چاہتی ہوں۔ نہ ہوئے تو ابھی ہزاروں بدّو موجود ہیں جو نہ ہمارے ساتھ ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے ساتھ۔ میں انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتی ہوں۔ ان کی ایک الگ فوج تیار کروں گی اور پھر میں مسلمانوں کا راستہ روکوں گی۔ یہ میرا عزم ہے اور اس پر میں تمہاری محبت کو بڑی آسانی سے قربان کر سکتی ہوں"۔

اُس دَور کی تاریخ کا ذرا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس رومی لڑکی کا یہ عزم عجیب نہیں لگتا۔ اُس دَور میں کئی ایسے جنگی واقعات ملتے ہیں جن میں فوج کی قیادت کسی عورت نے کی اور بڑے بڑے لشکروں کے منہ موڑ دیئے تھے۔ رومیوں میں فوجی جذبہ موجود تھا اور وہ بلاشک وشبہ جنگجو بھی تھے۔ ان میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ ان کی قیادت پر شہنشاہیت غالب تھی جس نے اپنی فوج کو یہ تاثر دے رکھا تھا کہ وہ بادشاہ اور جرنیلوں کی غلام ہے یا یہ کہ تنخواہ دار ملازم ہے۔ اس فوج میں جہاد نام کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ یہ فوج لڑتی ہی نہیں تھی۔ رومی تو فطرتاً جنگجو تھے اور ان کے پیچھے شجاعت اور جنگجو ہی کی بڑی لمبی تاریخ تھی۔

یہاں بات عورت کی ہو رہی ہے۔ عورت نے متعدد جنگوں کی قیادت کی ہے اور کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ یہ دیکھتے ہوئے نوشی کی بات عجیب نہیں لگتی لیکن اس میں کمزوری یہ تھی کہ نوجوانی کی عمر میں تھی اور اس کی سوچوں پر جذباتیت غالب تھی۔ دوسری کمزوری یہ کہ وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت اور بڑی ہی دلکش لڑکی تھی اور بدوؤں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس کے جذبے سے متاثر ہوں گے یا اس کے حُسن سے.... حُسن سے متاثر ہونے میں بہت بڑا خطرہ چھپا ہُوا تھا۔

○

منگیتر نے دیکھ لیا کہ نوشی کو زبردستی پیچھے نہیں لے جایا جا سکتا اور وہ کوئی استدلال قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہی۔ منگیتر اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو آمادہ کر ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنی حسین اور نوجوان لڑکی کو بدّوؤں کے پاس جانے دے۔

اس نے اس ادھیڑ عمر بدّو ملازم سے پوچھا کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے جو ملازم نوشی کے ساتھ جا رہا تھا۔

"مجھ پر کوئی الزام نہیں آنا چاہئے" — ملازم نے ڈرے سہمے ہوئے غلامانہ لہجے میں کہا — "شہزادی کے ساتھ آپ نے خود بات کر کے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے آپ کی بات ماننے کی بجائے تلوار نکال لی ہے۔ خود ہی سوچیں کہ میں ان کے ساتھ آنے سے کس طرح انکار کر سکتا تھا"۔

منگیتر نے ملازم کو ڈانٹ کر کہا کہ وہ اس کے اس سوال کا جواب دے کہ وہ نوشی کو کہاں لے جا رہا ہے۔

"ہامون کے پاس!" — ملازم نے جواب دیا۔

"کون ہے ہامون؟" — منگیتر نے پوچھا۔

"اسے سب جادوگر کہتے ہیں" — ملازم بدّو نے جواب دیا — "وہ جادوگر ہے یا نہیں، میں یہ جانتا ہوں کہ اس کے پاس غیب کا کوئی علم ہے جس سے وہ ہر اُس سوال کا جواب دے دیتا ہے جس کا جواب کہیں سے بھی نہیں مل سکتا خواہ یہ سوال آنے والے وقت کے متعلق ہی ہو۔ اس کی اس غیبی طاقت کی وجہ سے تمام بدّو اس کی ہر بات مانتے ہیں۔ ہمارے صرف مذہبی پیشوا ہیں جو ہامون کو اچھا نہیں سمجھتے۔ کچھ سردار ایسے ہیں جو ہامون کی بات مانتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو مذہبی پیشواؤں کا ساتھ دیتے ہیں۔ میں

انہیں ہامون کے پاس لے جا رہا ہوں۔ یہ اچھا ہے کہ آپ بھی آ گئے ہیں۔ آپ ساتھ چلیں اور خود ہامون کے ساتھ بات کریں"۔

"ہامون کیا کرے گا؟" — منگیتر نے پوچھا۔

"میں یہ بات شہزادی کو پہلے ہی بتا چکا ہوں" — ملازم نے جواب دیا — "سب سے پہلے تو وہ دیکھے گا کہ شہزادی کا مطلب پورا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ بات بننے والی نہ ہوئی تو وہ صاف بتا دے گا کہ شہزادی یہیں سے واپس چلی جائے"۔

"مجھے امید ہے وہ بات بنا دے گا" — نوشی نے کہا — "اور اگر اس کے پاس واقعی جادو ہے تو وہ میرا مطلب پورا کر دے گا"

منگیتر نے اس ادھیڑ عمر بدّو ملازم سے کچھ اور سوال و جواب کئے تو اسے ملازم کی باتیں کچھ کچّی کچّی سی لگیں اور محسوس کیا کہ یہ شخص توہم پرست ہے اور نوشی کو اس جادوگر کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی شعبدہ باز ہو۔ بدّوؤں میں کچھ ایسے آدمی موجود تھے جو دراصل شعبدہ باز تھے اور لوگ انہیں خدا کے ایلچی سمجھتے تھے۔

منگیتر نے نوشی کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے قومی جذبے کو یوں رسوا نہ کرے اور واپس چلی جائے۔ نوشی اس کے ہاتھ آ ہی نہیں رہی تھی۔

منگیتر نے ایک بار پھر نوشی کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور اسے پیچھے کو موڑنے لگا۔ نوشی گھوڑے سے کود گئی اور تلوار لہرا کر منگیتر کو للکارا کہ وہ گھوڑے سے اتر آئے۔ منگیتر گھوڑے سے تو اتر آیا لیکن تلوار نہ نکالی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ تلوار نکال کر نوشی کے مقابلے میں آ جاتا۔ وہ نوشی کے قریب گیا تو نوشی نے تلوار دائیں بائیں ہوا میں بڑی زور سے مار کر اس کی نوک منگیتر کے سینے پر رکھ دی۔

"تلوار نکالو" — نوشی نے کہا — "مجھ سے دور رہو"

"یہ تلوار میرے سینے میں اتار دو" — منگیتر نے کہا — "پھر جہاں جی چاہے چلی جانا۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا"۔

بدّو ملازم ان کے درمیان آ گیا۔ نوشی اسے ڈانٹنے اور دھمکانے لگی کہ وہ درمیان سے ہٹ جائے لیکن وہ ہٹ نہیں رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ نوشی پر ایسی کیفیت طاری ہے کہ اپنے منگیتر کے سینے میں تلوار اتار ہی دے گی۔ نوشی منگیتر کو مقابلے کے لئے للکار رہی تھی لیکن منگیتر تلوار نیام سے نکال ہی نہیں رہا تھا۔ ملازم نے ایک طرف ہو کر

نوشی کے تلوار والے ہاتھ کی کلائی پکڑلی۔ وہ کلائی چھڑانے لگی تو منگیتر کو اس پر قابو پانے کا موقع مل گیا۔ اس نے پیچھے ہو کر نوشی کی کمر میں بازو ڈالے اور اسے جکڑ لیا۔ نوشی آزاد ہونے کو تڑپنے لگی۔

"چھوڑ دو اسے!" — ایک آواز گرجی۔

تینوں بے حس و حرکت ہو گئے اور جہاں تھے وہیں رہے۔ پھر آہستہ آہستہ سیدھے ہو کر اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی۔

○

وہ ایک گھوڑ سوار تھا۔ کالی داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ عمر پینتیس سال کے لگ بھگ اور وہ تومند دراز قد آدمی تھا۔ اس کا لباس ایسا تھا جیسا بدّوؤں کے سردار اور سرکردہ افراد پہنا کرتے تھے۔ اس کی وجاہت ایسی تھی کہ دیکھنے والے پر اثر انداز ہوتی تھی۔

اس کی شخصیت نوشی اور اس کے منگیتر پر کچھ ایسی اثر انداز ہوئی کہ نوشی نے تلوار نیچے کرلی اور اسے کچھ حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے منگیتر پر بھی ایسا ہی اثر ہُوا تھا۔ وہ بھی چپ چاپ اس شخص کو دیکھنے لگا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ ان دونوں پر اس شخص کا رعب طاری ہو گیا ہے۔ بدّو بےچارا تو تھا ہی ملازم اس لئے وہ الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

گھوڑ سوار ان کے قریب آیا اور ان کے اردگرد خاموشی سے گھوما اور انہیں دیکھتا رہا۔ آخر اس نے گھوڑا روکا اور نوشی سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔

نوشی جیسے اچانک بیدار ہو گئی ہو۔ اس نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا کہ وہ ایک جرنیل کی بیٹی ہے اور اس کا تعلق ہرقل کے شاہی خاندان سے ہے۔

"یہ میرا منگیتر ہے" — نوشی نے جواب دیا — "یہ فوج میں عہدے دار ہے اور یہ ہمارا ملازم ہے"۔

"مجھے تمہارے معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں ہونا چاہئے" — اس شخص نے گھوڑا روک کر کہا — "لیکن میں نے کچھ اور دیکھا تھا۔ میں اس لئے دخل دے رہا ہوں کہ تم لوگ میرے علاقے میں ہو اور میرا فرض ہے کہ جو کوئی مصیبت میں ہو اس کی مدد کروں.... اے لڑکی! تم شاہی خاندان کی لڑکی ہو یا کسی غریب آدمی کی بیٹی، مجھے

اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم پر یہ دونوں زبردستی کر رہے تھے۔ کیا تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے؟"

"ہو سکتا ہے تم میری کچھ مدد کر سکو" — نوشی نے کہا — "یہ دونوں مجھ پر ویسی زبردستی نہیں کر رہے تھے جو تم سمجھ رہے ہو۔ یہ مجھے واپس اپنے ماں باپ کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ میرے دشمن نہیں"۔

"پہلے میری بات کا جواب دو" — نوشی کے منگیتر نے اس آدمی سے پوچھا — "تم کون ہو؟.... میں تمہیں اس قابل سمجھتا ہوں کہ تمہاری عزت کروں۔ میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں کہ تم اس لڑکی کی مدد کے لئے رک گئے ہو"۔

"کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم بیٹھ کر اور آرام سے بات کریں؟" — اس آدمی نے کہا۔

یہ تینوں اور وہ آدمی اپنے گھوڑے کھلے چھوڑ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔

"میرا نام سیلی نوش ہے" — اس اجنبی نے کہا — "میں اصلاً مصری بدّو ہوں اور عیسائیت میرا مذہب ہے۔ میں اپنے قبیلے کا سردار تو نہیں ہوں لیکن تمام قبیلوں کے سردار میری عزت اس طرح کرتے ہیں جیسے میں سب کا سردار ہوں"۔

"تم کس کے وفادار ہو؟" — نوشی نے پوچھا — "اپنے بدّوؤں کے یا شاہ روم کے؟"

"شاہ روم کو میں اپنا بادشاہ سمجھتا ہوں" — سیلی نوش نے جواب دیا — "یہ نہ سمجھنا کہ تم نے کہا ہے کہ تم شاہی خاندان کی لڑکی ہو تو میں نے تمہارے ڈر سے اپنی وفاداری بتائی ہے۔ میں شاہِ روم ہرقل کا وفادار ہوں اور اس کی عیسائیت کو مانتا ہوں"۔

"میں نہیں مانتی" — نوشی نے کہا — "تم شاہِ روم کے وفادار ہوتے تو تمہارے قبیلے کے تمام جوان آدمی شاہ روم کی فوج میں ہوتے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں نے عریش کے بعد فرما پر بھی قبضہ کر لیا ہے؟.... میں تمہیں یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ فرما کی فوج کی کمان میرے باپ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بھی سن لو کہ میں اپنے باپ اور اپنے اس منگیتر کو بزدل اور بھگوڑا سمجھتی ہوں"۔

"میں نے اپنی وفاداری کی بات کی ہے" — سیلی نوش نے کہا — "بدّوؤں کے قبائل کی اپنی اپنی سوچ ہے۔ بہت عرصہ پہلے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ فوج میں شامل ہو جائیں لیکن بدّوؤں نے انکار کر دیا۔ وہ آزاد لوگ ہیں، کسی کا حکم نہیں مانتے۔ انہیں تم

اپنے راستے پر چلانا چاہو گی تو اس طریقے سے بات کرو گی جو ان کے دلوں کو اچھی لگے گی۔ اگر انہیں اپنی رعایا سمجھ کر مویشیوں کی طرح ہانکنا چاہو گی تو وہ تمہارے پیچھے نہیں چلیں گے"۔

"کیا تمہیں معلوم ہے" — نوشی نے پوچھا — "کہ ساڑھے تین چار ہزار بدّو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں ....."

"مجھے معلوم ہے" — سیلی نوش نے نوشی کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "کوئی ایسے آدمی پیدا کرو جو مسلمانوں کی طرح بات کرنا جانتے ہوں اور ان کا رویّہ مسلمانوں جیسا ہو ..... پہلے یہ بتاؤ تم کہنا کیا چاہتی ہو پھر یہ بتاؤ کہ تمہارا یہ منگیتر بات کیوں نہیں کرتا!"

"یہ بھی بات کرے گا" — نوشی نے اپنے منگیتر کے متعلق کہا — "پہلے مجھ سے سن لو کہ میں کیا چاہتی ہوں ..... میں بدّوؤں کی ایک فوج بنانا چاہتی ہوں۔ میرا یہ ملازم مجھے اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہ انہی بدّوؤں کے ایک قبیلے کا فرد ہے۔ یہ مجھے ایک جادوگر ہامون کے پاس لے جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ بدّو اسے مانتے ہیں۔ کیا اس مسئلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟"

"میں ہامون کو جانتا ہوں" — سیلی نوش نے کہا — "کہو گی تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میں اس لئے تمہارے ساتھ چلوں گا کہ میری وفاداری رومیوں سے ہے"۔

نوشی نے سیلی نوش کے ساتھ وہ ساری باتیں کیں جو وہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ اور پھر منگیتر کے ساتھ اور بدّو ملازم کے ساتھ بھی کر چکی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ کس طرح اس ملازم کو ساتھ لے کر اپنے خاندان سے نظر بچا کر الگ ہوئی اور چھپتی چھپاتی اس طرف آ گئی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ منگیتر کس طرح اس کے پیچھے آیا اور یہاں آ کر اسے آن لیا۔

"یہ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں" — نوشی نے کہا — "یہ بیچارہ تو میرا ملازم ہے اس لئے میرا ساتھ دے رہا ہے لیکن منگیتر مجھے واپس لے جانے آیا تھا۔ میں سلطنت روم کی آن پر اپنی محبت ہی نہیں اپنی جان بھی قربان کر دوں گی۔ تم سوچو ملک شام ہم سے چھن گیا ہے اور مسلمان مصر کا دوسرا بڑا شہر بھی ہم سے لے چکے ہیں۔ ہم جب تک قومی جذبے کی شدت سے پاگل نہیں ہو جائیں گے ان مسلمانوں کو جو دراصل عرب

کے بدّو ہیں، پیچھے نہیں دھکیل سکیں گے۔ ان سے ہمیں ملک شام بھی لینا ہے"۔

"آفرین!" — سیلی نوش نے کہا — "تمہارے اس جذبے کی قدر صرف میں کر سکتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ بدّوؤں کی ایک فوج تیار ہو جائے گی لیکن پہلے ہامون کے ساتھ بات کرنی ہو گی"۔

"میں پہلے زبردستی والی بات صاف کر دوں" — نوشی نے کہا — "میرے قومی جذبے کی شدت کا یہ عالم ہے کہ میں نے تلوار نکال لی تھی اور تم نہ آ جاتے تو میں منگیتر کو قتل کر دیتی یا اس کے ہاتھوں قتل ہو جاتی۔ ان دونوں نے مجھ سے تلوار چھیننے کے لئے مجھے جکڑ لیا تھا اور تم آ گئے"۔

"دیکھ شہزادی!" — سیلی نوش نے کہا — "ان کا تم پر یہ جبر غلط نہیں تھا۔ جس کام کے لئے تم آئی ہو یہ تم جیسی ایک لڑکی کے بس کی بات نہیں۔ تمہاری عمر اور تمہارا حسن ایسا ہے کہ ہمارے کسی مذہبی پیشوا کی نیّت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ قبیلوں کے سردار آسمان سے اُترے ہوئے فرشتے نہیں ..... اب تمہارا منگیتر بھی آ گیا ہے اور میں بھی آ گیا ہوں۔ میں جا تو کہیں اور رہا تھا لیکن مجھ میں بھی وہ جذبہ ہے جو تمہیں پاگل کئے ہوئے ہے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا"۔

"کام دو ہیں" — نوشی نے کہا — "ایک یہ کہ ان بدّوؤں کو رومی فوج میں لانا ہے اور دوسرا کام یہ کہ جو بدّو مسلمانوں کے پاس چلے گئے ہیں انہیں مسلمانوں کے خلاف بدظن کر کے واپس لانا ہے"۔

"یہ دوسرا کام آسان نہیں" — سیلی نوش نے کہا — "اس کے لئے ہمیں اپنے کچھ آدمی وہاں بھیجنے پڑیں گے جو یہ ظاہر کریں گے کہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے آئے ہیں اور وہ مسلمانوں کے کردار سے بہت ہی متاثر ہیں۔ پھر یہ آدمی درپردہ ایسے حالات پیدا کر لیں گے جو بدّوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بدظن کریں گے"۔

اس کے بعد سیلی نوش نے ایسی دانشمندانہ باتیں کیں کہ نوشی اور اس کا منگیتر اس سے پوری طرح متاثر ہو گئے اور منگیتر نے نوشی کو واپس لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور سیلی نوش کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا۔

"تم فوج میں عہدے دار ہو اور شاہی خاندان کے فرد بھی ہو" — سیلی نوش نے

نوشی کے منگیتر سے کہا — "تم وہ باتیں بھی جانتے ہو گے جو فوج کے بعض بڑے افسروں کو بھی معلوم نہیں ہوتیں۔ میں تم سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ عریش کے بعد مسلمانوں نے فرما جیسا شہر بھی فتح کر لیا ہے جس کے متعلق اب تک یہی سنا جا رہا تھا کہ اس شہر کو کوئی طاقت فتح نہیں کر سکتی کیونکہ یہ پہاڑی پر آباد کیا گیا ہے، اور اس کی ایک نہیں کئی قلعہ بندیاں ہیں۔ یہ بھی سنا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے اور اگر تین ساڑھے تین ہزار بدّو ان سے جا ملے ہیں پھر بھی رومی فوج اتنی زیادہ ہے کہ مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی فوج رومی فوج کے سائے میں گم ہو جاتی ہے!"

"اس شکست کی ایک وجہ ہے" — منگیتر نے کہا — "مقوقس اور اطربون نے یہ سوچا ہے کہ مسلمانوں کو اور آگے آنے دیا جائے۔ اس سے یہ حملہ آور اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ مصر کو فتح کر لینا کوئی مشکل کام نہیں...."

نوشی کے منگیتر نے وہ تمام وجوہات تفصیل سے بیان کیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس نے ایک بات یہ بھی بتائی کہ رومی فوج کو ایک ذمہ داری یہ بھی سونپی گئی ہے کہ وہ قبطی عیسائیوں پر نظر رکھے کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ بغاوت کر دیں گے۔ اس طرح رومی فوج سارے ملک میں بکھر گئی ہے جو ایک کمزوری ہے۔

"اس سے آگے بلبیس ایک اور بڑا شہر ہے" — سیلی نوش نے کہا — "کیا اس شہر کا دفاع بھی کمزور رکھا جائے گا تاکہ مسلمان اور آگے آ جائیں؟"

"شاید نہیں!" — منگیتر نے جواب دیا — "جہاں تک میں جانتا ہوں، بلبیس مسلمانوں کے لئے ایک پھندہ ہو گا جس میں وہ آ کر نکل نہیں سکیں گے۔ وہاں مقوقس یا اطربون فوج کی قیادت سنبھالے گا.... مسلمانوں کو پیچھے سے کمک نہیں مل رہی۔ وجہ معلوم نہیں۔ ہم مدینہ تک اپنے جاسوس بھیج رہے ہیں جو وہاں کی کمزوریاں بھی بتائیں گے"۔

نوشی کا منگیتر سیلی نوش سے اس قدر متاثر ہو گیا تھا کہ اس نے کچھ گہرے راز کی فوجی باتیں بھی اسے بتا دیں۔ سیلی نوش کا انداز ایسا تھا جیسے وہ جنگی اور سیاسی امور کو بڑی اچھی طرح سمجھتا ہے۔

بہت سی باتیں کہہ سن کر سیلی نوش نے انہیں کہا کہ چلو اب ہامون کے پاس چلتے

ہیں۔ اب انہیں بدّو ملازم کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن ہامون کا ٹھکانہ صحیح طور پر اسے ہی معلوم تھا۔

○

ہامون کے ٹھکانے تک پہنچتے شام ہو گئی۔ وہ بڑے جانوروں کی کھالوں کا بنا ہُوا خیمہ تھا جو عام قسم کے خیموں سے دوگنا کشادہ تھا۔ خیمے کے باہر ایک آدمی بیٹھا ہُوا تھا جس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا، آنکھیں لال سرخ اور دانت زردی مائل تھے۔ اس کے چہرے پر کراہت اور نحوست کا تاثر تھا جسے چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے سر کے بال شانوں تک آئے ہوئے تھے اور اس نے سر پر بڑا ہی میلا اور بد رنگ سا کپڑا باندھ رکھا تھا۔ دو آدمی اس کے پاؤں میں بیٹھے اس کی ٹانگیں دبا رہے تھے۔ یہ تھا وہ شخص ہامون جو ان بدّوؤں کا پیر و مُرشد بنا ہُوا تھا۔

سیلی نوش، نوشی، اس کا منگیتر اور بدّو ملازم اس کے سامنے گئے اور رک گئے۔ بدّو ملازم نے جھک کر اسے سلام کیا۔ ہامون نے انہیں اس طرح دیکھا جیسے وہ خود نہیں بلکہ یہ چاروں حقیر اور قابلِ نفرت انسان ہوں۔

"اے ہامون!" — سیلی نوش نے کہا — "میں تیرے لئے مہمان لایا ہوں۔ یہ کوئی عام لوگ نہیں بلکہ یہ شاہی خاندان کے لوگ ہیں۔ یہ لڑکی شہزادی ہے اور یہ اس کا منگیتر ہے اور یہ فوج میں عہدے دار ہے اور یہ شخص ان کا ملازم ہے"۔

ہامون نے ہاتھ سے اشارہ کیا جو یہ تھا کہ زمین پر بیٹھ جاؤ۔ اس کے انداز میں شاہی خاندان کا ذرا سا بھی احترام معلوم نہیں ہوتا تھا۔ چاروں زمین پر بیٹھ گئے۔

"کوئی بادشاہ ہو یا بھکاری، یہاں آ کر سب ایک ہوتے ہیں" — ہامون نے جھومتی ہوئی سی آواز میں کہا — "ہرقل بادشاہ ہے لیکن رومی بادشاہی کا رس صحراؤں کی ریت نے چوس لیا ہے.... کہاں ہے ہرقل؟.... اس نے اپنی شہزادی کو کیوں بھیجا ہے؟"

"ہم سے پوچھ ہامون!" — سیلی نوش نے کہا — "ہم یہی معلوم کرنے آئے ہیں کہ رومی بادشاہی کو ریت کے ذرّوں نے چوس لیا ہے اور باقی جو رہ گئی ہے کیا وہ نیل کے دریا میں ڈوب تو نہ جائے گی؟"

"ریت کی آندھی جو عرب سے اٹھی ہے وہ نیل تک پہنچ رہی ہے" — ہامون نے کہا — "ہرقل بزنطیہ میں بیٹھا حکم چلا رہا ہے، مقوقس اور اطربون اسکندریہ میں بیٹھے

اپنی تباہی کا تماشا دیکھ رہے ہیں‘ پھر اس آندھی کو کون روکے گا؟“

”تُو روکے گا ہامون!“ — سیلی نوش نے کہا — ”ہم تیرے پاس یہی فریاد لے کر آئے ہیں.... جو بات تُو نے کہی ہے کہ سب دور بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں یہی بات اس شہزادی کے دل میں ہے اور اس کے دل کو جلا رہی ہے۔ یہ اپنی ایک فوج بنانا چاہتی ہے جس میں اس علاقے کے بدّو شامل ہوں گے..... ذرا غیب کے پردوں کے پیچھے جھانک اور بتا کہ اس میں اس شہزادی کو کامیابی ہوگی یا نہیں یا سلطنتِ روم کے لئے ان سیاہ پردوں کے پیچھے کیا ہے!؟“

”جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے“ — ہامون نے مخمور سی آواز میں کہا — ”کبھی تو میرا حال ایسا ہو جاتا ہے کہ کچھ جاننا چاہتا ہوں تو کچھ سراغ نہیں ملتا۔ زمین بھی چپ اور آسمان بھی چپ رہتا ہے۔ بعض پردے سفید ہوتے ہیں۔ اٹھاؤ تو ان کے پیچھے ساری فضا اور ہر چیز سیاہ کالی ہوتی ہے اور بعض پردے سیاہ کالے ہوتے ہیں‘ ہٹاؤ تو ان کے پیچھے صبح کے دودھ جیسے سفید اجالے نظر آتے ہیں.... اندر چلو“۔

ہامون اٹھا اور خیمے کے اندر چلا گیا۔ سیلی نوش‘ نوشی اور اس کا منگیتر بھی اس کے پیچھے خیمے میں چلے گئے اور سب کے بعد بدّو ملازم بھی جھکا جھکا سا خیمے میں گیا اور اپنے آقاؤں کے پیچھے زمین پر بیٹھ گیا۔ ان چاروں نے خیمے میں نگاہیں دوڑائیں تو انہیں یوں لگا جیسے کسی بڑے ہی پُراسرار اور ڈراؤنے ماحول میں آ گئے ہوں جس کا اس زمین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تاثر یہ پیدا ہوتا تھا جیسے یہ خیمہ نہ زمین پر ہے نہ آسمان پر بلکہ زمین اور آسمان کے درمیان پھیلے ہوئے خلا میں معلق ہے اور یہ ان جیسے انسانوں کا ٹھکانہ نہیں۔

یہ ہامون کی دنیا تھی۔ خیمے میں پانچ چھ خشک انسانی کھوپڑیاں لٹک رہی تھیں۔ خیمے کے کچھ حصے میں ہامون نے زمین پر گدّا رکھ کر اپنے بیٹھنے کی جگہ بنا رکھی تھی۔ دو انسانی کھوپڑیاں اور بازوؤں کی تین چار ہڈیاں وہاں بھی رکھی تھیں اور کچھ اور سامان بھی تھا اور سب سے زیادہ خوفناک چیز ایک سیاہ کالا ناگ تھا جو کھلی ہوئی ٹوکری سے باہر نکل رہا تھا۔

ہامون اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ ٹوکری سے نکلتا ہُوا ناگ اس کی گود میں سے گزرنے لگا لیکن آگے جانے کی بجائے اس نے پھن پھیلا دیا اور اس کی گود میں جھومنے لگا۔ ہامون

کے دائیں طرف ایک کالا پردہ لٹک رہا تھا۔ ہامون نے یہ پردہ ایک چھڑی سے دھکیل کر ہٹا دیا اور اس کے پیچھے سے جو چیز برآمد ہوئی وہ دیکھ کر نوشی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ انسانی ہڈیوں کا مکمل ڈھانچہ تھا۔

”مت ڈر شہزادی!“ — ہامون نے کہا — ”کبھی تیرا بھی یہ حسین و جمیل جسم اسی حالت میں لوگوں کے سامنے آئے گا اور دیکھنے والے سوچیں گے یہ کون تھا؟ وہ خود ہی اپنے آپ کو جواب دیں گے کہ یہ کوئی انسان ہی تھا.... یہ ڈھانچہ مجھے میرے استاد نے دیا تھا اور میرے استاد کو اس کے استاد نے دیا تھا اور روایت یہ چلی آ رہی ہے کہ یہ کبھی مصر کی ملکہ ہُوا کرتی تھی۔ اس کا شغل میلہ یہ تھا کہ ایک تو انسانوں کو قتل کروا کر ان کے تڑپنے کا‘ خون بہنے کا اور آخری سانس نکل جانے کا تماشا دیکھا کرتی تھی۔ پھر اس کا ایک شغل اور بھی تھا۔ کسی غلام کو ساری رات اپنے ساتھ رکھتی اور صبح اسے خنجر دے کر کہتی کہ اس سے اپنا پیٹ اس طرح چاک کر لو کہ سب کچھ باہر آ جائے۔ غُلام اس حکم کی تعمیل کرتا اور ملکہ کی تفریحِ طبع کا ذریعہ بنتا تھا۔ آخر یہ اپنے ایک غلام کے ہی ہاتھوں اس انجام کو پہنچی۔ اس غلام نے ساری رات ملکہ کے ساتھ گزاری‘ لطف اندوز ہُوا اور صبح جب ملکہ نے اسے اپنا خنجر دے کر کہا کہ اپنا پیٹ چاک کر لو تو غلام نے خنجر لیا اور ملکہ کا پیٹ چاک کر دیا۔ اس کے پیٹ سے سب کچھ باہر آ گیا اور غلام اسے تڑپتا دیکھ کر قہقہے لگاتا رہا۔ ملکہ تڑپ تڑپ کر مر گئی تو غلام نے اپنا پیٹ چاک کر لیا.... آج اس ملکہ کو دیکھ لو“ — اس نے اس ڈھانچے کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا — ”میں نے بڑی مشکل سے اس کی روح کا سراغ لگایا ہے اور کبھی کبھی اس کی روح کو بلایا کرتا ہوں“۔

ہامون کی یہ بات سننے والے تین آدمی اور ایک نوجوان لڑکی تھی۔ ان پر ایسا تاثر چھا گیا جیسے ان کی روحیں ان کے جسموں سے نکل گئی ہوں اور پیچھے گوشت پوست کے اکڑے ہوئے جسم رہ گئے ہوں۔ ایک تو بات ایسی تھی اور دوسرے ہامون کے سنانے کا انداز ایسا تھا کہ سننے والوں پر بڑا ہی عجیب تاثر پیدا ہوتا تھا۔

”ایک بات بتاؤ گے ہامون!“ — نوشی نے دل مضبوط کر کے پوچھا — ”اس ملکہ کی روح کے ساتھ تمہاری کیا باتیں ہوتی ہیں!؟“

”بڑی لمبی باتیں ہوتی ہیں“ — ہامون نے کہا — ”ابھی میں تمہیں اس قابل نہیں

سمجھتا کہ ایک روح کی باتیں تمہیں سناؤں۔ سناؤں گا ضرور!.... تمہارے کام آئیں گی۔ اگر تم شہزادی ہو تو ملکہ بھی بن سکتی ہو۔ اس ملکہ کی روح نے مجھے بتایا تھا کہ ملکہ اتنی زیادہ خوبصورت تھی کہ اس کے حکم سے اپنا پیٹ اپنے ہاتھوں چاک کرنے والے فخر محسوس کرتے تھے کہ وہ اس ملکہ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ وہ تم جیسی ہی خوبصورت ہو گی۔ کوئی عورت ملکہ بھی اور تجھ جیسی حسین بھی ہو وہ اپنے آپ کو دیوی سمجھ کر خدا کو بھول جاتی ہے لیکن خدا اپنے کسی بندے کو نہیں بھولتا اور ہر بندے کے وہ اعمال بھی دیکھتا ہے جو بندہ اپنے آپ سے بھی چھپاتا پھرتا ہے۔ آج کا ہرقل کل ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گا.... لمبی باتیں ہیں، بڑی لمبی باتیں.... تم اپنی بات کرو"۔

سیلی نوش نے نوشی کی ساری بات ہامون کو سنائی اور پھر اسے یاد دلایا کہ وہ بتائے کہ یہ لڑکی کامیاب ہو گی یا نہیں اور کامیابی نظر نہ آئے تو کیا کوئی ایسی صورت پیدا کی جا سکتی ہے کہ اسے کامیابی حاصل ہو؟

○

اُس وقت تک اتنا لمبا کالا ناگ ہامون کی گردن کے گرد ایک چکر لپیٹ چکا تھا اور اس کا منہ دوسرے کندھے پر تھا۔ ناگ نے ہامون کے اشارے پر منہ اٹھا کر پھن پھیلا دیا جو اتنا ہی چوڑا ہو گیا جتنا چوڑا ہامون کا چہرہ تھا۔ اب تو ہامون اور ہی زیادہ خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ ناگ کا باقی حصہ ہامون کی گود میں اکٹھا ہو گیا تھا اور کنڈلی مارنے کے انداز سے حرکت کر رہا تھا۔

ہامون نے ہاتھ لمبا کر کے ایک ڈنڈا اٹھایا جو کم و بیش دو فٹ لمبا اور دو اڑھائی انچ موٹا تھا۔ اس پر مختلف رنگوں کا کپڑا لپیٹا ہوا تھا اور اس کے ایک سرے پر مختلف پرندوں کے رنگ برنگے پر بندھے ہوئے تھے۔ ہامون نے اوپر دیکھنا شروع کر دیا۔ ذرا ہی دیر بعد اس کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے ڈنڈا اوپر کر دیا اور ڈنڈا بھی لرزنے لگا۔ یہ لرزہ یا رعشہ بڑھتا گیا اور ہامون آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔

وہ جب کھڑا ہو گیا تو اس کا جسم اتنی زور سے لرزنے لگا جیسے یہ شخص گر پڑے گا اور شاید زندہ نہ رہ سکے۔ اس کا سر پیچھے ہی پیچھے ہوتا جا رہا تھا اور اس طرح اس کا منہ پوری طرح آسمان کی طرف ہو گیا۔ ناگ اس کی گردن سے لپٹا ہوا تھا۔

ہامون نے دوسرے ہاتھ سے ناگ اپنی گردن سے الگ کرنا شروع کر دیا اور اس کا

جسم پہلے سے زیادہ کانپنے لگا۔ ہامون نے اس قدر زیادہ لرزتے ہوئے ہاتھ سے نہ جانے کس طرح ناگ کو پکڑ لیا اور اسے اپنے پیچھے ایک کالے کپڑے پر رکھ دیا۔ ناگ نے کچھ دیر اِدھر اُدھر رینگ کر سر اٹھایا اور پھن پھیلا دیا۔

"ہٹا دے پردہ!" — ہامون نے منہ اور زیادہ اوپر کر کے بڑی بلند آواز میں کہا — "دکھا دے جو کچھ بھی ہے.... ہٹا دے پردہ!"

اس کے جسم نے اور ہی زیادہ تھرکنا اور لرزنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ وہ اپنا سر بڑی زور زور سے کبھی دائیں کبھی بائیں اور کبھی آگے اور پیچھے مارتا تھا۔ اس نے کچھ اور بھی کہا جو کوئی بھی نہ سمجھ سکا نہ یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ کون سی زبان ہے۔ اب تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کوئی اور ہی غیر مرئی طاقت ہے جس نے ہامون کے بدن پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ طاقت اس کے جسم کو توڑ پھوڑ کر پھینک دے گی۔ دیکھنے والوں پر خوف طاری ہُوا جا رہا تھا۔

خاصی دیر بعد ہامون کا جسم سکون میں آنے لگا۔ تھرکنا کم ہوتا گیا پھر رعشہ سا رہ گیا اور آخر جسم ساکن ہو گیا۔

ہامون کے چہرے اور کچھ حرکات سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ ابھی نارمل حالت میں نہیں آیا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دور کی کوئی چیز دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کبھی وہ ڈنڈے کو زور زور سے ہلاتا اور اسے ہوا میں اس طرح مارتا جیسے کسی آدمی یا جانور کو ڈنڈا مارا جاتا ہے۔ وہ بڑی تیزی سے پیچھے کو مڑا۔ اس کا ناگ سیاہ کپڑے پر ادھر ادھر رینگ رہا تھا۔

اس نے ڈنڈا سر سے اوپر کیا اور اس طرح اوپر سے نیچے کو مارا جیسے وہ ناگ کو مارنا چاہتا ہو۔ اب ہامون کی پیٹھ ان لوگوں کی طرف تھی۔ اس نے ڈنڈے سے سانپ کو چھیڑا تو سانپ نے پھن پھیلا لیا۔

"بتا تُو نے کیا دیکھا ہے!" — ہامون نے ناگ سے پوچھا — "جلدی .... صحیح بول!"

"سب کچھ تاریک ہے" — یہ آواز ہامون کی نہیں تھی بلکہ کسی چھوٹے سے بچے کی تھی یا کسی بوڑھی عورت کی۔

سیلی نوش، نوشی، اس کے منگیتر اور بدّو ملازم نے حیرت سے ایک دوسرے کی

طرف دیکھا۔

"پھر دیکھ!" — ہامون نے ناگ سے کہا — "میں نے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ جو تو دیکھ سکتا ہے وہ میں نہیں دیکھ سکتا.... پھر دیکھ!"

ہامون بار بار ڈنڈے کا وہ سرا جس پر پرندوں کے رنگ برنگ پر بندھے ہوئے تھے ناگ کے پھن کے قریب لے جا کر زور زور سے ہلاتا تھا اور اسی زوردار طریقے سے ناگ پھن دائیں بائیں ہلاتا اور کبھی پیچھے لے جا کر ڈنڈے پر جھپٹتا تھا۔

"تاریکی میں ایک مدھم سی کرن نظر آتی ہے" — پھر اسی بچے یا بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی جو پہلے بھی سنائی دی تھی۔

ہامون نے دو تین مرتبہ پھر ناگ سے کچھ ایسے ہی سوالات پوچھے اور اسے جواب بچے یا بوڑھی عورت کی زبان سے ملے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ڈنڈا بڑی زور زور سے ہوا میں مارنے لگا۔ وہ اچھلتا بھی تھا اور اس کی حرکتیں پاگلوں جیسی تھیں۔

وہ اکڑوں بیٹھ گیا اور اب اس کا منہ ان لوگوں کی طرف تھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور خاصی دیر بعد سر اٹھایا اور نوشی کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا پھر اٹھا اور نوشی کے سر سے ایک بال اکھاڑ لیا۔ واپس اپنی جگہ گیا۔ قریب پڑی ایک انسانی کھوپڑی اٹھا کر اپنے سامنے رکھی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر نوشی کے بال پر پھونک ماری اور بال کھوپڑی کے سر پر رکھ دیا۔

"تمہیں دو تین دن یہاں رہنا پڑے گا" — ہامون نے انہیں کہا — "ہو سکتا ہے ایک دو دن زیادہ رکنا پڑے۔ پورا جواب نہیں مل رہا۔ مل جائے گا۔ کامیابی صاف طور پر نظر نہیں آ رہی۔ میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا.... تمہارے رہنے کا انتظام موجود ہے۔ میں نے مہمانوں کے لئے خیمے لگا رکھے تھے۔ تمہیں پورا آرام ملے گا اور کھانے پینے کا انتظام بھی موجود ہے۔ شاہی محل والا آرام نہیں ملے گا' زمین پر سونا پڑے گا.... اب جاؤ باہر دو آدمی موجود ہیں' انہیں کہو' وہ تمہیں مہمانوں والے خیموں میں لے جائیں گے۔

ہامون کے خیمے میں بڑے دیئے جل رہے تھے جن کی پیلی اور لرزتی روشنی میں ہامون پہلے سے زیادہ ڈراؤنا اور پُراسرار نظر آ رہا تھا۔ وہ چاروں اٹھے اور خیمے سے نکل گئے۔ باہر جو دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے' وہ انہیں ایک طرف لے گئے۔ تقریباً ایک سو

قدم دور ایک سرسبز ٹیکری تھی جس کے قریب تین چار خیمے لگے ہوئے تھے۔ ان آدمیوں نے انہیں بتایا کہ یہ مہمانوں کے خیمے ہیں اور ان میں اپنا ٹھکانا بنالیں۔ دونوں آدمی یہ کہہ کر چلے گئے کہ وہ ان کے لئے کھانا لائیں گے۔

○

اگلی صبح ہامون نے چاروں کو اپنے خیمے میں بلایا اور پھر ویسی ہی حرکتیں کیں جیسی اس نے گذشتہ رات کی تھیں۔ اس روز تو وہ بالکل ہی پاگل ہو گیا تھا اور نظر یہ آتا تھا کہ ہوش و حواس میں نہیں آ سکے گا۔ اسی کیفیت میں اس نے اپنے ناگ سے کچھ سوال پوچھے اور اسے اسی بچے یا بوڑھی عورت کی آواز میں جواب ملے۔ ایک بار اس نے غصے کی حالت میں ناگ کی گردن پکڑی اور اس کا منہ اپنے منہ میں ڈال کر زور زور سے جھنجھوڑا اور پھر اسے منہ سے نکال دیا۔

دو اڑھائی گھنٹے بعد اس نے ان چاروں سے کہا کہ وہ چلے جائیں اور سورج غروب ہونے کے بعد آئیں۔

وہ شام کے بعد ہامون کے خیمے میں گئے۔ اس شام خیمے میں دو کی بجائے چار دیئے جل رہے تھے۔ ہامون نے انہیں وہیں بٹھایا جہاں پہلے بٹھایا کرتا تھا۔ ہامون خود ان کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہی ڈنڈا اس کے قریب پڑا تھا جس پر رنگا رنگ کپڑے لپٹے ہوئے تھے اور ایک سرے پر پرندوں کے رنگ برنگ پر بندھے ہوئے تھے۔ اس نے ڈنڈا اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی چاروں دیئے بجھ گئے۔

ہامون نے کسی اجنبی زبان میں بڑے غصے میں کچھ کہا اور ڈنڈا زمین پر مارا۔ پہلے ایک دیا جلا۔ ہامون نے اسی زبان میں کوئی لفظ بولا تو دوسرا دیا جل اٹھا۔ اسی طرح باقی دو دیئے بھی باری باری جل اٹھے۔ پھر ہامون نے وہی حرکتیں شروع کر دیں لیکن اب اس کا انداز کچھ مختلف تھا۔

اس نے کہا کہ نوشی وہیں بیٹھی رہے اور باقی تینوں باہر نکل جائیں۔ تینوں آدمی خیمے سے نکل گئے اور خیمے کے پردے گر پڑے۔

کوئی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہامون نے تینوں کو پکارا اور اندر بلایا۔ تینوں اندر چلے گئے۔

"یہ سارا معاملہ اس لڑکی کا ہے" — ہامون نے کہا — "مجھے اشارہ بھی مل گیا ہے

اور استاد کی روح نے بھی بتایا ہے کہ ایسی بات ہے ہی نہیں کہ یہ لڑکی جو چاہتی ہے اس میں فوراً کامیاب ہو جائے گی۔ میں نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ میں اپنی ذمہ داری پوری کروں گا لیکن اس لڑکی کو اپنے عمل میں شامل کرنا پڑے گا۔ وہ میں تمہاری موجودگی میں بھی کر سکتا ہوں لیکن نہیں کروں گا کیونکہ تم اس لڑکی کو اس حالت میں دیکھو گے تو کہو گے کہ یہ تو پاگل ہو گئی ہے اور پھر ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ منگیتر لڑکی کو گھسیٹ کر باہر لے جائے۔ اگر اس کام میں کسی نے دخل اندازی کی تو اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا لیکن یہ ناگ مجھے اور اس لڑکی کو بھی ڈس لے گا اور ہمیں مرنے میں ایک دو لمحے ہی لگیں گے"۔

"ہمیں تجھ پر اعتماد ہے" — سیلی نوش نے کہا — "ہم میں سے کوئی بھی دخل نہیں دے گا لیکن یہ کام ہو جانا چاہئے۔ یہ لڑکی اور اس کا یہ منگیتر شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سے جو انعام مانگو گے تمہیں دے دیں گے"۔

"مجھے کوئی انعام نہیں چاہئے" — ہامون نے کہا — "میری یہ دنیا جو تم خیمے کے اندر دیکھ رہے ہو' آباد رہنے دی جائے تو میرے لئے یہی انعام کافی ہے"۔

اُس رات نوشی کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ نوشی جو پہلے اتنا زیادہ بولتی تھی آج اس پر خاموشی طاری ہے اور وہ گہری سوچ میں چلی جاتی ہے۔ اس سے کسی نے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ سب جانتے تھے کہ وہ قومی جذبے کے معاملے میں کتنی حسّاس ہے اور سلطنت روم کی عظمت کو وہ اپنی ذاتی عزت اور آبرو سمجھتی ہے اور چونکہ اسے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا اس لئے پریشان رہنے لگی ہے۔

○

ایک اور دن گزر گیا اور پھر ایک رات آئی۔ وہ رات آدھی گزر گئی تھی۔ چاند نے زمین پر چاندنی بکھیر رکھی تھی۔ سیلی نوش کی ویسے ہی آنکھ کھلی اور وہ خیمے سے نکلا کیونکہ کچھ گھبراہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ باہر ذرا بیٹھ کر پھر آکر سو جائے گا۔ وہ باہر نکلا تو اسے یوں نظر آیا جیسے کچھ دور درخت کے ساتھ کوئی بیٹھا ہُوا ہے۔

سیلی نوش کی فطرت میں تجسّس کچھ زیادہ پایا جاتا تھا۔ اس کا ایک مظاہرہ تو اس نے یہ کیا تھا کہ نوشی کے منگیتر اور ملازم کو اس نے نوشی سے گتھم گتھا دیکھا تو ان سے جا

پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور جب نوشی نے ساری بات واضح کی تو اس کے ساتھ چل پڑا کہ دیکھیں ہامون کیا کرتا ہے۔ اس رات اس نے کسی کو درخت کے تنے کے ساتھ لگ کر بیٹھے دیکھا تو اس کی طرف چل پڑا حالانکہ وہ گہری نیند سے اٹھا تھا اور نیند اس پر غالب آرہی تھی۔

وہاں جا کر دیکھا تو وہ نوشی تھی جو اکیلی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی بیٹھی تھی۔ سیلی نوش کو اپنے پاس دیکھ کر وہ چونکی نہیں بلکہ اس نے اطمینان کا اظہار کیا کہ سیلی نوش اس کے پاس آگیا ہے۔ اس نے سیلی نوش کو اپنے پاس بٹھالیا۔ سیلی نوش نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیوں آبیٹھی ہے۔

"میں نہیں جانتی تم کیسے آدمی ہو" — نوشی نے کہا — "میرے لئے یہ یقین کر لینا مشکل ہے کہ میں تمہیں اعتماد میں لوں یا نہ لوں"۔

"میرے ماتھے پر کچھ بھی نہیں لکھا" — سیلی نوش نے کہا — "اتنا تو سوچ سکتی ہو کہ میں کہیں اور جا رہا تھا اور تمہاری باتیں سنیں تو تمہارے ساتھ یہاں تک آگیا۔ میرے گھر والے ڈھونڈ رہے ہوں گے کہ میں کہاں غائب ہو گیا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تم مجھے اعتماد میں لو؟..... کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا منگیتر تمہارے اعتماد کا آدمی ہے؟"

"نہیں!" — نوشی نے کہا — "اس سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ اب میں تنہا ہوں۔ میرے پاس گھوڑا ہے' خیال آتا ہے یہاں سے بھاگ جاؤں"۔

"نوشی!" — سیلی نوش نے کہا — "اب تو میں پوچھ کر ہی رہوں گا کہ وہ کیا بات ہے جس نے تمہیں اپنے منگیتر سے بھی بدظن کر دیا ہے!"

"پھر ایک وعدہ کرو" — نوشی نے کہا — "میں تمہارے ساتھ جو بات بھی کروں گی وہ میرے منگیتر کو نہیں بتاؤ گے اور میرے ملازم کو بھی اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے"۔

سیلی نوش نے اسے یقین دلانے کے لئے کہ وہ اس کی بات کو اپنے دل میں دفن کر دے گا' بہت کچھ کہا اور اسے بات کرنے پر آمادہ کر لیا۔

"مجھے اس ہامون جادوگر سے بچاؤ" — نوشی نے کہا — "اس نے مجھے اپنے پاس تنہا بٹھا کر تم تینوں کو باہر نکال دیا تھا۔ اس نے اپنے اوپر کچھ اور ہی کیفیت طاری کر لی۔

کبھی میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر میری آنکھوں میں جھانکتا اور ایک بار یہ اپنا منہ میرے منہ کے اتنی قریب لے آیا کہ اس کی پیشانی میری پیشانی کے ساتھ لگ گئی۔ اس کے منہ سے مجھے جو بدبو آئی اس سے معلوم نہیں میں بے ہوش کیوں نہ ہو گئی۔ اس کی سانسیں اتنی گرم کہ میرے چہرے پر جلن محسوس ہونے لگی۔ اچھا ہُوا کہ اس نے اپنا منہ جلدی پیچھے کرلیا۔ پھر اس نے کچھ عجیب و غریب حرکتیں کیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں.....

"پھر یہ اپنے ناگ کے پاس جا بیٹھا اور میری طرف پیٹھ کرلی۔ اس نے ناگ سے کچھ پوچھنا شروع کر دیا۔ مجھے تو یوں پتہ چل رہا تھا جیسے ناگ اسے جواب دے رہا ہے۔ آواز ویسی ہی تھی جو تم نے بھی سنی ہے۔ آخر ناگ نے اسی باریک اور کانپتی سی آواز میں کہا کہ یہ لڑکی تھوڑی سی قربانی دے دے تو یہ ملکہ بنے گی اور وہ سب کچھ پائے گی جو یہ چاہتی ہے.....

"ناگ سے کچھ اور باتیں کر کے اس نے منہ میری طرف کیا اور مجھے اپنے قریب بلایا۔ میں اس کے سامنے بالکل قریب جا بیٹھی۔ اس نے اپنے ہی انداز اور لہجے میں کچھ اور باتیں کیں اور آخر بات کو یہاں پر لے آیا کہ میں اس کے ساتھ بالکل برہنہ ہو کر ایک رات گذاروں تو میرا عزم تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اس نے کہا کہ مجھے تمہارے اس حسُن اور اس دلکش جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن اس غیبی طاقت کا جس کے قبضے میں مئیں ہوں حکم ہے کہ تم دونوں کے جسم ایک ہو جائیں اور دونوں کی روحیں اوپر جائیں پھر ہر مشکل آسان ہو جائے گی اور ہر ارادہ پورا ہو گا"۔

"میں جان گیا ہوں" — سیلی نوش نے کہا — "یہ شخص جو چاہتا ہے وہ میں سمجھ گیا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال اور کیا ارادہ ہے"۔

"تمہیں یاد ہو گا میں پہلے کیا کہتی رہی ہوں" — نوشی نے کہا — "میں یہ کہتی رہی اور اب بھی کہوں گی کہ میں سلطنتِ روم کی عظمت پر اپنی جان قربان کر دوں گی لیکن سیلی نوش! میں عصمت قربان نہیں کر سکتی۔ میں اپنی آبرو کو اپنے منگیتر کی امانت سمجھتی ہوں۔ میرا مذہب اجازت نہیں دیتا کہ اپنی عصمت کسی کو دے دوں خواہ وہ میرا ملک ہی کیوں نہ ہو۔ اگر گناہ ہی کرنا ہے تو کیا اس بدبودار اور منحوس اور مکروہ آدمی کے ساتھ کیا جائے؟"

"کیا تم نے اپنے منگیتر کو نہیں بتایا؟" — سیلی نوش نے پوچھا۔

"بتایا ہے" — نوشی نے جواب دیا — "لیکن وہ بے غیرت اور لالچی نکلا۔ اس نے کہا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کوئی حرج نہیں، اس شخص کے ساتھ ایک رات بسر کرلو پھر تم ملکہ ہو گی اور میں بادشاہ ہوں گا۔ میں نے منگیتر کو بتا دیا تھا کہ ہامون نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے ہرقل مصر کا بہت بڑا حصہ دے دے گا جہاں میری بادشاہی ہو گی۔ یہ بات منگیتر کو بتائی تو وہ میرے پیچھے پڑ گیا کہ میں ہامون کی یہ بات پوری کر دوں۔ آج شام جب ہم ہامون کے خیمے سے یہاں آئے تو منگیتر کے ساتھ میری لڑائی ہو گئی۔ ہم دونوں نے اپنا خیمہ الگ رکھا تھا کہ راز و نیاز اور پیار و محبت کی باتیں کیا کریں گے لیکن وہ بالکل ہی کچھ اور نکلا.... تم بتاؤ سیلی نوش! میں بھاگ جاؤں یا اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لوں!"

"اپنی جان کیوں لے لو؟" — سیلی نوش نے کہا — "دنیا اس منگیتر پر ختم نہیں ہو جاتی۔ میں تمہیں اب بتاتا ہوں جو میں تین چار روز پہلے سے محسوس کر رہا ہوں۔ کسی وقت میں بھی ہامون کی کرامات کو مانتا تھا لیکن اب نہیں۔ میں دیکھتا رہا ہوں کہ اس کی نظر صرف تم پر رہتی تھی۔ تم ہو بھی اتنی زیادہ خوبصورت اور اتنی دلکش کہ پروہت اور پیشوا بھی اپنی حیثیت اور اپنا مذہب بھول جائیں۔ یہ شخص ہامون مجھے صرف شعبدہ باز لگتا ہے۔ وہ جو دیئے اپنے آپ ہی بجھ گئے اور جل اٹھے تھے' یہ ایک شعبدہ بازی ہے۔ اب تم نے اس سے سارا پردہ ہی اٹھا دیا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ میں تمہیں ہامون سے بچاؤں۔ میں تمہیں بچاؤں گا"۔

"کیا کرو گے؟" — نوشی نے پوچھا۔

"یہ مت پوچھو" — سیلی نوش نے کہا — "یہ بتا دیتا ہوں کہ تم اپنی جان نہیں لو گی بلکہ ہامون کی جان لی جائے گی۔ اس کی جان کس طرح لی جائے گی' یہ میں تمہیں بتاؤں گا اور تم نے وہی کرنا ہے جو میں کہوں گا"۔

"مجھے ابھی بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے" — نوشی نے بیتابی سے کہا — "تم شاید نہیں سمجھ سکے کہ میں کیسی پریشان کن صورتِ حال میں پھنس گئی ہوں۔ میں نے تمہیں اپنے منگیتر کی ذہنی حالت نہیں بتائی۔ وہ تو مرنے مارنے پر اُترا ہُوا ہے۔ کہتا ہے ہامون کی فرمائش پوری کرو"۔

"کرنا یہ ہے" — سیلی نوش نے کہا — "آج رات ہامون کے خیمے میں چلی جانا۔ اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم رضامند نہیں ہو"۔

"مجھے مشکل میں نہ ڈالو سیلی نوش!" — نوشی نے کہا — "وہ فوراً مجھے برہنہ ہو جانے کو کہے گا۔ وہ پہلے ہی مجھے بتا چکا ہے کہ میں اس کے پاس جاؤں گی تو وہ کیا کرے گا"۔

"وہ کہے بھی تو برہنہ نہ ہونا" — سیلی نوش نے کہا — "ہو سکتا ہے وہ زبردستی تمہارے کپڑے اتارے گا لیکن گھبرانا نہیں، تمہارا جسم ننگا نہیں ہو گا"۔

ایک طرف تو نوشی اس قدر جرأت منداور جوش و جذبے والی تھی کہ صرف ایک ملازم کو ساتھ لے کر فرما سے چل پڑی اور دشت و جبل سے گزرتی اَن دیکھے اجنبی بدّوؤں کے علاقے میں جا پہنچی تھی اور اب اس کا یہ حال کہ دل پر خوف طاری تھا اور وہ مدد اور پناہیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ سیلی نوش کو اس نے اپنا ہمراز اور ہمدرد تو بنا لیا تھا لیکن اسے پوری طرح یقین نہیں آیا تھا کہ سیلی نوش اس کے حق میں مخلص ہے لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ڈھونڈنے والی بات تھی، اس نے یہ خطرہ مول لے لیا کہ ایک ایسے شخص کو اعتماد میں لے لیا جو بدّو تھا اور ہامون کی جادوگری کو مانتا تھا۔ یہ شخص سیلی نوش اسے دھوکہ دے سکتا تھا اور یہ خطرہ بھی کہ نوشی پر اس کی بھی نیت خراب ہو سکتی تھی۔ مختصر یہ کہ نوشی کا لاپتہ ہو جانا صاف نظر آ رہا تھا۔

نوشی وہاں سے اٹھی اور اپنے خیمے کی طرف چل دی۔ نوشی اور اس کے منگیتر کا خیمہ سیلی نوش کے خیمے کے قریب ہی تھا لیکن نوشی ذرا چکر کاٹ کر اپنے خیمے کی طرف جا رہی تھی۔ سیلی نوش سیدھا اپنے خیمے میں آ گیا۔

نوشی نے ابھی آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک اس کا منگیتر اس کے سامنے آ گیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو نوشی کو غائب پایا اور اس کے پیچھے خیمے سے نکل گیا تھا۔ رات چاندنی تھی اس لئے اس نے نوشی کو سیلی نوش کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔

"آدھی رات کے وقت اس بدّو کے پاس کیوں گئی تھی؟" — منگیتر نے حکم کے لہجے میں پوچھا۔

نوشی نے اسے صحیح بات بتا دی اور کہا کہ وہ اپنی آبرو قربان نہیں کرے گی۔

"یہ بات تم دن کے وقت بھی اس کے ساتھ کر سکتی تھیں" — منگیتر نے کہا —

"تم ان بدّوؤں کی ملکہ بننا چاہتی ہو اور اس کے لئے یہ بدّو سیلی نوش تمہیں موزوں آدمی نظر آیا ہے"۔

نوشی پہلے ہی پریشانی اور تذبذب میں مبتلا تھی، منگیتر کی یہ بات سن کر اور اس کا تحکمانہ انداز دیکھ کر جل اٹھی اور اس کے دل سے اس منگیتر کی محبت نکلنے لگی۔

"میں جہاں جاؤں گی وہاں شہزادی اور ملکہ ہی ہوں گی" — نوشی نے کہا — "شاہ ہرقل کا خاندان میری پہچان ہے۔ اس خاندان کے ساتھ تمہارا تعلق بہت دور کا ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں دھتکار بھی سکتی ہوں لیکن یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنا روّیہ درست کر لو اور مجھ پر گھٹیا الزام نہ لگاؤ"۔

دونوں کی جذباتی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ ایک دوسرے کی غلط فہمیاں دور کر کے صلح جوئی کی بات کریں۔ نوشی کے الفاظ سن کر اور اس کا انداز دیکھ کر منگیتر آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے اس قسم کی دھمکی دے دی کہ وہ سیلی نوش کو قتل کر دے گا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ بدّو ان کی رعایا ہیں۔

نوشی خود سر اور باغی فطرت کی شہزادی تھی۔ اس نے منگیتر کی دھمکی کو چیلنج سمجھ لیا اور کہا کہ وہ سیلی نوش کو قتل نہیں کرے گا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سیلی نوش کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

نوشی نے منگیتر کو اس سے آگے بولنے کا موقع ہی نہ دیا اور وہاں سے تیز قدم چل پڑی۔ اپنے خیمے تک پہنچی تو سیلی نوش اپنے خیمے کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے نوشی سے پوچھا کہ وہ اتنی دیر بعد کیوں آئی ہے۔ نوشی نے اسے بتا دیا کہ وہ کیوں دیر سے آئی ہے اور منگیتر کے ساتھ اس کی جو باتیں ہوئی تھیں سنا دیں۔

"تم دو بڑے وزنی پتھروں کے درمیان آ گئی ہو نوشی!" — سیلی نوش نے کہا — "اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا۔ کل رات ہامون کے خیمے میں چلی جانا۔ باقی کام میرا ہے"۔

نوشی ابھی سیلی نوش کے ساتھ باتیں کر ہی رہی تھی کہ اس کا منگیتر آ گیا اور نوشی کو حکم دیا کہ وہ اپنے خیمے میں آئے۔ وہ شاید بھول گیا تھا کہ نوشی کس قدر سرکش اور خود سر لڑکی ہے۔

"میں تمہارے حکم کی پابند نہیں" — نوشی نے کہا — "اپنی ذات کے متعلق فیصلے خود کرنے کی عقل اور ہمت رکھتی ہوں۔ میں اس خیمے میں نہیں جاؤں گی۔ میں سیلی

نوش کے خیمے میں جا رہی ہوں"۔

"نہیں نوشی!" — سیلی نوش نے کہا — "میں یہ صورتِ حال قبول نہیں کروں گا" — پھر سیلی نوش نے نوشی کے منگیتر سے کہا — "غلط فہمی میں نہ پڑو شہزادے! یہ دیکھو تم کہاں ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔ اپنے مقصد کو سامنے رکھو۔ یہ وقت ذاتی اور جذباتی باتوں کا نہیں"۔

"تو خاموش رہ بڈھو!" — منگیتر نے شاہی رعب سے کہا — "اسے اپنے پاس رکھ لے پھر اس کا نتیجہ دیکھ لینا"۔

"آجاؤ نوشی!" — سیلی نوش نے نوشی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف کرتے ہوئے کہا — "اس لڑکے کا دماغ چل گیا ہے' تم ہوش میں ہو۔ میرے خیمے میں آجاؤ ورنہ تم دونوں باقی رات لڑتے جھگڑتے گذار دو گے"۔

نوشی سیلی نوش کے ساتھ اس کے خیمے میں چلی گئی۔ اس کا منگیتر جلتا بھڑکتا اپنے خیمے میں گیا اور بستر پر جا بیٹھا۔ وہ سیلی نوش کو اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔

"میں اب اس شخص کو اپنا منگیتر نہیں سمجھوں گی" — خیمے میں نوشی سیلی نوش سے کہہ رہی تھی — "میں سلطنتِ روم کی عظمت کو بحال کرنا چاہتی ہوں اور مسلمانوں کو شکست دے کر ان کا نام ونشان مٹا دینا میری زندگی کا مقصد ہے لیکن یہ جسے مَیں منگیتر بنا بیٹھی تھی صرف میرے حسن اور نوجوانی اور اس جسم کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں کہ میں کتنی خوبصورت اور دلکش ہوں۔ اپنے اس جسم کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں"۔

اگلا روز اس طرح گزرا کہ کچھ وقت ہامون کے خیمے میں گئے اور اس کا وہی پاگل پن' تھرکنا' تڑپنا اور ناگ کے ساتھ باتیں کرنا دیکھا۔ سیلی نوش نے نوشی اور اس کے منگیتر میں صلح صفائی کرانے کی بہت کوشش کی لیکن منگیتر پہلے سے زیادہ بھڑکا اور بپھرا ہُوا تھا۔ نوشی نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ رات ہامون کے خیمے میں جائے گی۔ یہ سن کر اس کا منگیتر کچھ ٹھنڈا ہو گیا۔

○

رات گہری ہوئی تو نوشی ہامون کے خیمے کی طرف چل پڑی۔ ہامون نے سب کو بتایا تھا کہ صرف نوشی اس کے پاس آئے گی اور باقی سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں رہیں

گے۔

نوشی ہامون کے خیمے میں پہنچی تو اس نے نوشی کو اپنے سامنے بٹھالیا۔ سامنے بھی ایسا بٹھایا کہ دونوں کے گھٹنے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ ہامون نے نوشی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے کے قریب کیا۔ نوشی نے اس سے آزاد ہونے کی کوشش تو نہ کی لیکن نفرت کی ایک لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔

صاف پتہ چلتا تھا کہ ہامون بُری طرح نشے میں ہے۔ اس نے کھڑے ہو کر وہ ڈنڈا جو اس نے اپنے پاس رکھا ہُوا تھا' اٹھایا اور ناچنے کودنے لگا پھر اس نے نوشی کو کھڑا ہونے کو کہا۔ نوشی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمام کپڑے اتار دو" — ہامون نے نوشی سے کہا — "اس طرح برہنہ ہو جاؤ جس طرح تم پیدا ہوئی تھیں.... یہ جسم کچھ بھی نہیں۔ مجھے تمہاری روح چاہئے۔ اپنی روح مجھے دے دو.... اتار دو یہ کپڑے"۔

"نہیں!" — نوشی نے کہا — "اگر تمہیں صرف روح چاہئے تو یہ تم جسم کو ننگا کئے بغیر لے سکتے ہو۔ میں کپڑے نہیں اتاروں گی"۔

ہامون نے نوشی پر اپنا طلسم طاری کرنے کے لئے کچھ اوٹ پٹانگ سی حرکتیں کیں اور کچھ شعبدہ بھی آزمایا لیکن نوشی نے کپڑے اتارنے سے صاف انکار کر دیا۔

ہامون نے پہلے کی طرح ڈنڈا ہاتھ میں لے کر ناچنا کودنا اور عجیب عجیب حرکتیں کرنا شروع کر دیا۔ نوشی کھڑی دیکھتی رہی۔ ناچتے کودتے ہوئے ہامون نوشی کے قریب گیا اور گریبان سے اس کی قمیض پر ہاتھ رکھا اور اتنی زور کا جھٹکا دیا کہ قمیض گریبان سے دامن تک پھٹ گئی۔ نوشی نے مزاحمت کی اور اپنے آپ کو بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہامون آخر مرد تھا۔ اس نے نوشی کے کپڑے یوں نوچنے شروع کر دیئے جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو چیر پھاڑ رہا ہو۔

نوشی ابھی نیم برہنہ ہی ہوئی تھی کہ ہامون کے پاؤں زمین سے اوپر اٹھے اور دوسرے لمحے وہ فرش پر پیٹھ کے بل گرا ہُوا تھا۔ اس نے دیکھا۔ اس کے سر پر سیلی نوش کھڑا تھا۔ سیلی نوش نے بڑی تیزی سے خیمے میں داخل ہو کر ہامون کو دبوچا' اوپر اٹھایا اور زمین پر بڑی زور سے پٹخ دیا تھا۔

سیلی نوش نے ہامون کو اتنی زور سے پٹخا تھا کہ وہ فوراً اٹھ نہ سکا۔ سیلی نوش نے اپنا

پاؤں ہامون کے پیٹ پر رکھ کر دبایا اور بجلی کی سرعت سے نیام سے تلوار نکالی اور اس کی نوک ہامون کی شہہ رگ پر رکھ کر ذرا سا دباؤ ڈالا۔ ہامون نے پہلے تو سیلی نوش کو ڈرایا کہ وہ اپنے جنوں بھوتوں کو بلا کر اس کی بوٹی بوٹی باہر بکھیر دے گا لیکن سیلی نوش پر کچھ اثر نہ ہُوا۔

"وہی آ کر تمہیں مجھ سے چھڑائیں گے" — سیلی نوش نے کہا اور اپنا پاؤں ہامون کے پیٹ پر اور زیادہ دبایا اور تلوار کی نوک اس کی شہہ رگ میں چبھو دی۔ ہامون تڑپ رہا تھا۔

"اب دیکھ کون کسے قتل کرتا ہے" — سیلی نوش نے کہا — "تیرے زندہ رہنے کی ایک ہی صورت ہے' اپنی اصلیت بتا دے اور اپنی زبان سے کہہ دے کہ یہ سب شعبدہ بازی اور فریب کاری ہے"۔

ہامون نے پھر بھی سیلی نوش کو ڈرانے کے لئے کچھ باتیں کیں جو بڑی خوفناک دھمکیاں تھیں لیکن سیلی نوش اس کا کوئی اثر قبول کر ہی نہیں رہا تھا۔

"اپنی غیبی طاقت استعمال کر" — سیلی نوش نے کہا — "تیرے ہاتھ میں کوئی طاقت ہوتی تو اب تک مجھ پر جوابی وار کر چکا ہوتا۔ تُو اس لڑکی کی عزت کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا۔ فوراً بول"۔

سیلی نوش نے تلوار کی نوک اتنی سی اور دبا دی کہ ہامون کی شہہ رگ سے ذرا سا خون پھوٹ آیا۔

"تلوار ہٹا لے" — ہامون نے کہا — "ایک وعدہ کر کہ کسی اور کو نہیں بتائے گا۔ اس لڑکی سے بھی کہہ دے کہ زبان بند رکھے"۔

سیلی نوش نے تلوار کی نوک اس کی شہہ رگ سے اٹھا لی لیکن وہاں سے تلوار ہٹائی نہیں۔ اپنا ایک پاؤں اس کے پیٹ پر ہی رکھا' ذرا سا دباؤ کم کر دیا۔ پھر سیلی نوش نے اسے یقین دلایا کہ اس کا راز کسی کو معلوم نہیں ہو گا اور یہ لڑکی تو یہاں سے چلی ہی جائے گی۔ یہ بھی سوچ لے کہ یہ شاہی خاندان کی لڑکی ہے۔ اگر تُو نے جھوٹ بولا تو یہ تجھے بہت ہی بُری موت مروائے گی لیکن اس سے پہلے میری تلوار تیری شہہ رگ کاٹ چکی ہو گی۔

"تُو ٹھیک سمجھا ہے" — ہامون نے کہا — "میں صرف جادو کے کرتب دکھا سکتا

ہوں اور یہ صرف شعبدہ بازی ہے۔ میں جو اچھل کود اور دوسری حرکتیں کرتا ہوں ان کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ مجھ سے متاثر بھی ہوں اور خوف زدہ بھی۔ مجھے کیا ملتا ہے؟.... قبیلوں کے سردار بھی یہاں آ کر میرے قدموں بیٹھتے ہیں۔ مجھے عیش و عشرت کا سامان مہیّا کرتے ہیں۔ جب بھی میں ایک لڑکی کی فرمائش کرتا ہوں تو کوئی نہ کوئی سردار چُن کر ایک خوبصورت لڑکی میرے پاس بھیج دیتا ہے"۔

"تُو ناگ سے سوال پوچھتا تھا" — سیلی نوش نے پوچھا — "کیا ناگ جواب دیتا تھا یا وہ باریک اور کانپتی ہوئی آواز کس کی تھی؟"

"وہ میری ہی بدلی ہوئی آواز تھی" — ہامون نے جواب دیا — "یہ کوئی دیکھتا ہی نہیں کہ اُس وقت میری پیٹھ خیمے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف ہوتی ہے اور منہ ناگ کی طرف۔ کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ باریک اور کانپتی ہوئی آواز میری ہوتی ہے"۔

"اور وہ جو دیئے بجھ کر اپنے آپ ہی جل اٹھتے تھے؟"

"یہ میری شعبدہ بازی ہے" — ہامون نے جواب دیا — "میں ایسے کئی اور کرتب دکھا سکتا ہوں۔ میں خوبصورت لڑکیوں کا شکاری ہوں۔ یہ لڑکی ایسی ہے کہ میں سب کچھ بھول گیا اور اس لڑکی کو حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تم نہ آ جاتے تو میرا ارادہ پورا ہو جاتا"۔

"تُو غلط سمجھا ہے" — سیلی نوش نے کہا — "اس لڑکی نے مجھے کل بتا دیا تھا کہ تُو کیا چاہتا ہے۔ یہ لڑکی اپنی آبرو دینے پر کسی قیمت پر رضامند نہیں تھی اور اس نے مجھے کہا کہ میں اسے تجھ سے بچا لوں۔ اسے آج میں نے بھیجا اور خیمے کے پاس کھڑا رہا اور پردے سے اندر دیکھتا رہا اور عین موقعے پر تجھے پکڑ لیا"۔

"میں حیران ہوں تم نے ایسا کیوں کیا!" — ہامون نے کہا — "اس کی عزت کا خیال تو اس کے منگیتر کو ہونا چاہئے تھا لیکن اس نے تم سے الگ ہو کر اور میرے پاس آ کر کہا تھا کہ اس لڑکی کو ایک چھوڑ دو راتیں اپنے پاس رکھو لیکن اپنا یہ وعدہ پورا کرو کہ تم اسے ملکہ اور مجھے بادشاہ بنا دو گے اور شہنشاہ ہرقل ہمیں مصر کا کچھ حصہ دے دے گا جہاں ہماری بادشاہی ہو گی"۔

سیلی نوش نے لڑکی کی طرف اور لڑکی نے سیلی نوش کی طرف دیکھا۔

"میں تجھے جینے کا حق نہیں دے سکتا" — سیلی نوش نے کہا — "تو سیدھے اور بے سمجھ لوگوں کے ساتھ فریب کاری کر رہا ہے اور ان کی بیٹیوں کی عزت کے ساتھ کھیل رہا ہے"۔

یہ کہہ کر سیلی نوش نے تلوار کی نوک ہامون کی شہہ رگ پر رکھ کر اتنا دباؤ ڈالا کہ تلوار ہامون کی گردن میں سے گزر کر زمین میں چلی گئی۔ سیلی نوش نے تلوار نکالی اور ایک بار پھر شہہ رگ میں نوک اتار کر تلوار اپنی طرف کھینچی اور گردن میں لمبا کٹ دے دیا۔ اپنا پاؤں ہامون کے پیٹ سے ہٹایا اور پیچھے ہٹ آیا۔ ہامون ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگا اور اس کی گردن سے خون کا فوارہ پھوٹ آیا۔

"چلو نوشی!" — سیلی نوش نے تلوار نیام میں ڈال کر کہا — "اسے تڑپ تڑپ کر مرنے دو"۔

سیلی نوش اور نوشی خیمے سے نکل آئے۔



"میں منگیتر کے پاس نہیں جانا چاہتی" — باہر آکر نوشی نے کہا — "تم بتاؤ میں کیا کروں .... یہ تو تم جانتے ہو میں اس طرف کیوں آئی تھی۔ یہاں معاملہ ہی کچھ اور ہو گیا۔ تم تو میرے ساتھ رہ نہیں سکتے۔ ملازم میری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ منگیتر کو میں نے دیکھ لیا ہے کہ اسے میرے عزم اور میرے جذبے کا کوئی احساس نہیں۔ اسے میرے حسن اور جسم کے ساتھ دلچسپی ہے۔ یہ مجھے گمراہ اور خراب کر سکتا ہے' میرا ساتھ نہیں دے سکتا"۔

"میری بات مانو!" — سیلی نوش نے کہا — "جو عزم لے کر آئی تھیں اس میں تم کامیاب نہیں ہو سکو گی۔ وہ بدّو جو مسلمانوں کے ساتھ جا ملے ہیں وہ کچھ اور قسم کے لوگ ہیں۔ یہ بدّو ان سے مختلف ہیں' ان سے دور ہی رہو تو اچھا ہے۔ تم واپس چلی جاؤ"۔

"کیا تم میرے ساتھ چل سکتے ہو؟" — نوشی نے کہا — "میں اتنا ڈر گئی ہوں کہ اکیلے جاتے خوف آتا ہے۔ تم چلو' میں تمہیں اتنا انعام دلاؤں گی کہ حیران رہ جاؤ گے"۔

"میں نے تمہیں اس شیطان سے کسی لالچ میں آکر نہیں بچایا" — سیلی نوش نے

کہا — "یہ میرا ذاتی اخلاق ہے اور اسے میں اپنا فرض سمجھتا تھا۔ تمہیں تمہارے باپ تک پہنچانے جاؤں گا تو بھی اپنا فرض سمجھ کر جاؤں گا"۔

"تو پھر ابھی چلے چلتے ہیں" — نوشی نے کہا — "میرے منگیتر کو بھی پتہ نہ چلے اور میرے ملازم کو بھی۔ میں ذرا اُدھر جا کر رک جاتی ہوں' تم اپنا اور میرا گھوڑا لے آؤ"۔

سیلی نوش واپس ہامون کے خیمے میں گیا۔ ہامون بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان آنکھوں سے زندگی کی چمک ختم ہو چکی تھی۔ سیلی نوش نے اسے حقارت سے دیکھا اور خیمے سے نکل آیا۔ اس نے نوشی سے کہا کہ وہ کچھ دور جا کر اس کا انتظار کرے۔ وہ خود اپنے خیمے میں چلا گیا۔

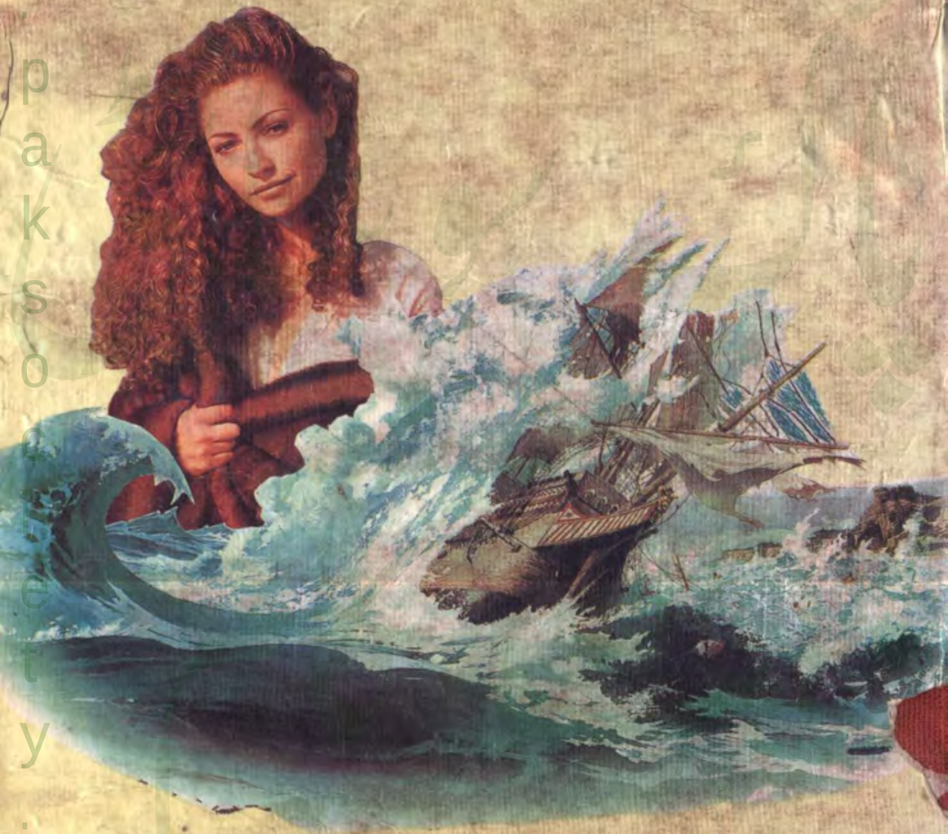
سیلی نوش اور بدّو ملازم ایک ہی خیمے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ گھوڑے خیموں سے کچھ دور بندھے رہتے تھے اور ان کی زینیں خیموں میں رکھی ہوئی تھیں۔ سیلی نوش نے اپنے خیمے میں جا کر ملازم کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ سیلی نوش نے اپنی اور ملازم کی زین اٹھائی۔ دو زینوں کا وزن زیادہ تھا لیکن سیلی نوش نے یہ وزن اٹھا لیا اور دبے پاؤں خیمے سے نکل گیا۔ گھوڑوں تک پہنچا' اپنے اور ایک اور گھوڑے پر زین کسی' اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ وہ اُس جگہ جا پہنچا جہاں نوشی اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

نوشی گھوڑے پر سوار ہوئی اور دونوں چل پڑے۔

...اور نیل بہتا رہا

دوسرا اور آخری حصہ

عنایت اللہ



فتحِ مصر — فرعونوں کی پُراسراریت، نیل کے توہمات

پیش لفظ

آپ نے "…. اور نیل بہتا رہا" کا پہلا حصہ پڑھ لیا ہے۔ معلوم نہیں میری یہ کاوش آپ کو متاثر کر سکی ہے یا نہیں لیکن آپ نے یہ تو ضرور ہی محسوس کیا ہو گا کہ فتحِ مصر ایک معجزے سے کم نہ تھی۔ معجزے تو آپ کو آگے چل کے نظر آئیں گے۔ ہر لمحہ گمان ہوتا ہے کہ مجاہدینِ اسلام یہ قلعہ سر نہیں کر سکیں گے یا اس میدانِ جنگ سے مجاہدین کے قدم اکھڑ جائیں گے پھر ان کی ایسی پسپائی شروع ہو جائے گی کہ سرزمینِ مصر پر ان کے کہیں قدم جم نہ سکیں گے لیکن چشمِ فلک کچھ اور ہی تماشہ دیکھتی ہے۔ مجاہدینِ اسلام وہ قلعے بھی سر کر لیتے ہیں جو بلاشک وشبہ ناقابلِ تسخیر تھے۔

مجاہدین کی اِن جنگی کامیابیوں اور برق رفتار پیش قدمی کی تاریخ لکھنے اور ہم تک پہنچانے والے یورپی مؤرخ صاف بوکھلائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ تو جیسے تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتے کہ مسلسل لڑائیوں کے تھکے ہوئے چند ہزار مجاہدین نے چھ اور سات گنا زیادہ رومی فوج کو بھاگ اٹھنے یا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اِن غیر مُسلم مؤرخوں نے رومی فوج کی حمایت میں جھوٹ بولے ہیں اور مجاہدین کی اِن معجزہ نما فتوحات کو محض اتفاقیہ کامیابیاں کہا ہے۔ ان کا یہ بے بنیاد استدلال پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ دروغ گوئی سے شکست فتح میں تو نہیں بدل سکتی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مجاہدین نے آخر پورے مصر پر تسلط حاصل کر لیا اور رومی لشکر بحیرۂ روم کے اُس پار بزنطیہ جا پہنچا۔

معجزے اپنے آپ ہی نہیں ہو جایا کرتے۔ ان کے پیچھے اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور اللہ کا کرم صرف اُن کو عطا ہوتا ہے جو اللہ کی راہ پر قربانیاں دیتے ہیں۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ اور فاتح مصر حضرت عمروؓ بن عاص کے دلوں میں اقتدار کی اور ملک گیری کی

ہوس نہیں تھی۔ وہ اللہ کا پیغام لے کر گئے تھے۔ ہر قلعے کی فتح کے بعد ان کے قدموں میں زر و جواہرات کا انبار لگا ہوتا تھا لیکن ان کے دلوں میں اللہ کا نام تھا۔ پھر معجزے کیوں نہ ہوتے!

اس کے برعکس قیصر روم شہنشاہ ہرقل اپنے آپ کو مخلوقِ خدا کا خدا سمجھتا تھا۔ اس نے عیسائیت کا چہرہ ہی مسخ کر ڈالا اور اپنی عیسائیت رائج کر دی تھی۔ اللہ نے اس قوم پر بھی کتاب اتاری تھی۔ ہرقل نے اس کتاب میں بھی اپنی ضرورت کے مطابق ترامیم کر ڈالیں اور پھر جس عیسائی نے اس کا یہ مذہب قبول نہ کیا اُسے قتل کر دیا گیا۔

میرے اس ناول میں آپ کو ایسے واقعات ملیں گے کہ ہرقل نے کس طرح بڑے پادریوں تک کو اذیتیں دے دے کر مارا تھا۔ ہرقل دراصل اپنی رعایا کے لئے فرعون بن گیا تھا جبکہ مسلمانوں کے دلوں میں بنی نوع انسان کی محبت رچی بسی ہوئی تھی۔ وہ قبولِ اسلام کی دعوت اور کچھ مراعات دیتے تھے اور انکار کرنے والوں کو قتل نہیں کرتے تھے نہ انہیں حقوقِ انسانی سے محروم رکھتے تھے۔

ہرقل کی فرعونیت اور عیسائیت کا چہرہ مسخ کرنے کی وجہ سے اس کے اپنے محل میں اور اس کی رعایا میں بڑے سنسنی خیز اور بڑے ہی دلچسپ ڈرامائی واقعات نے جنم لیا۔ ہرقل پر دراصل اللہ کی لعنتیں برس رہی تھیں۔

آپ یہ تمام واقعات اس کتاب میں پڑھیں گے اور کچھ واقعات توہم پرستی کے بھی ہیں۔ دریائے نیل کے ساتھ بھی لوگوں نے توہمات وابستہ کر رکھے تھے۔ مسلمانوں نے آ کر یہ توہمات ختم کئے تھے لیکن وعظ کے ذریعے نہیں نہ ہی جبر و تشدد سے بلکہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے بڑے دلچسپ طریقے سے اس توہم پرستی کو لوگوں کے ذہنوں سے نکالا تھا۔

میں نے "....اور نیل بہتا رہا" کی پہلی جلد کے پیش لفظ میں کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس ناول میں بہت سی دلچسپیاں پیدا کی ہیں لیکن تاریخی واقعات اور تسلسل کو ذرا سا بھی مسخ نہیں ہونے دیا۔ دراصل فتح مصر کی کہانی ہے ہی دلچسپیوں سے بھرپور۔ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اپنا تاثر خود پیدا کرے گی۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

"بات کرو سیلی نوش!" — نوشی نے کہا — "چپ نہ رہو۔ تمہاری خاموشی مجھے ڈرا رہی ہے"۔

"میں تو تمہیں بہت ہی دلیر اور نڈر لڑکی سمجھتا تھا نوشی!" — سیلی نوش نے کہا — "تمہیں جس کا ڈر تھا اُسے تمہارے سامنے قتل کر آیا ہوں۔ اس سے تم بچ کر نکل آئی ہو۔ اپنے منگیتر کا تمہیں ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ وہ تمہارا منگیتر ہے دشمن نہیں۔ جتنی دیر میں اسے پتہ چلتا ہے کہ تم لاپتہ ہو، ہم دور پہنچ چکے ہوں گے۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ ہم کس طرف نکل گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے اسے یہ شک ہو کہ میں تمہیں زبردستی یا ورغلا کر اپنے ساتھ لے گیا ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو وہ بدوؤں کے خیموں اور جھونپڑوں میں ہمیں ڈھونڈتا پھرے گا"۔

"پہلے تو وہ ہامون جادوگر کے خیمے میں جائے گا" — نوشی نے کہا — "خون میں ڈوبی ہوئی اس کی لاش دیکھے گا تو اسے شک نہیں یقین ہو جائے گا کہ تم ہامون کو قتل کر کے مجھے اپنے ساتھ لے گئے ہو"۔

"وہ ہمارے پیچھے نہیں آئے گا" — سیلی نوش نے کہا — "ویسے بھی اس سے نہ ڈرو۔ باقی رہا میں، مجھ سے تمہارا ڈرنا بجا ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے تمہارے دل سے اپنا ڈر نکال سکوں۔ یہ ڈر اُس وقت تمہارے دل سے نکلے گا جب میں تمہیں تمہارے ماں باپ تک پہنچا دوں گا"۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا سیلی نوش!" — نوشی نے کہا — "اب پھر کہتی ہوں کہ مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو گے تو بے بہا انعام دلواؤں گی۔ تم حیران رہ جاؤ گے .... ایک کام اور کرنا۔ میرے ماں باپ کو یہ سارا واقعہ سنانا۔ میں نے سنایا تو شاید یقین نہ

کریں۔ اس منگیتر کے متعلق بھی بتانا کہ یہ کس نیّت کا آدمی ہے اور اس نے اپنی نیّت کا اظہار کس طرح کیا تھا"۔

"یہ تو بتاؤں گا ہی نوشی!" — سیلی نوش نے کہا — "لیکن بار بار انعام کا نام نہ لو۔ مجھے کوئی انعام نہیں چاہئے..... میں نے اپنا انعام وصول کر لیا ہے اور..... "

"کیا کہا؟" — نوشی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا — "کیا تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ تم نے مجھے انعام کے طور پر وصول کر لیا ہے؟ کیا تم مجھے میرے ماں باپ کے پاس نہیں لے جا رہے؟"

"بیوقوف لڑکی" — سیلی نوش نے کہا — "میری پوری بات تو سُن لو..... میں بدّو نہیں ہوں نوشی! اور میں عیسائی بھی نہیں"۔

"پھر کیا ہو؟"

"مسلمان!" — سیلی نوش نے جواب دیا — "میں مصری نہیں عربی ہوں اور میرا نام سیلی نوش نہیں عباس بن طلحہ ہے۔ تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ میں جب تمہیں تمہارے ٹھکانے پر پہنچا دوں گا تو بتانا کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں اور ان کا کردار کیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں ہی ایک اچھا مسلمان ہوں، میری جگہ کوئی اور مسلمان ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا جو میں نے کیا ہے۔ یہ ہمارے مذہب کا حکم ہے جسے ہم اللہ اور رسولؐ کا حکم سمجھتے ہیں"۔

نوشی کی حیرت زدگی کا یہ عالم کہ اس نے گھوڑا روک لیا اور عباس بن طلحہ کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کسی اور ہی جہان کی مخلوق ہو۔ عباس کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نوشی اُس کے ساتھ نہیں تو اس نے گھوم کے دیکھا۔ نوشی گھوڑا روک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر حیرت زدگی اور تذبذب کا تاثر تھا۔ عباس کو غالباً یہ توقع تھی کہ نوشی فوراً یقین کر لے گی کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمانوں کے متعلق اس کی رائے بدل جائے گی اور بے اختیار کہہ اٹھے گی کہ مسلمان تو بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔

"رک کیوں گئیں نوشی؟" — عباس نے گھوڑا اس کی طرف موڑ کر کہا — "اس میں حیران ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان بہت ہی اچھے لوگ ہُوا کرتے ہیں"۔

نوشی کا ردِ عمل کچھ اور ہی تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگام اس طرح کھینچ رکھی

تھی کہ گھوڑا آہستہ آہستہ اُلٹے قدم چل رہا تھا اور نوشی اس طرح دائیں بائیں دیکھ رہی تھی جیسے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ عباس اس سے ابھی کچھ دُور ہی تھا کہ نوشی نے گھوڑا ایک طرف موڑ لیا۔

اب تو کوئی شک ہی نہیں رہ گیا تھا کہ نوشی بھاگ نکلنے کا ارادہ کر چکی ہے۔ عباس نے اپنے گھوڑے کو چھیڑا اور تیزی سے گھوڑا نوشی کے گھوڑے کے آگے کر دیا۔ نوشی کا چہرہ غصے سے تمتا رہا تھا۔ اس نے باگ کو زور سے ایک طرف جھٹکا دے کر گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگائی۔

"میرے راستے سے ہٹ جا عرب کے بدّو!" — نوشی نے دانت پیس کر کہا — "میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔

"ہوش میں آؤ نوشی!" — عباس نے کہا — "کیا سمجھ بیٹھی ہو تم؟"

"دُور رہ فریب کار!" — نوشی نے تلوار نیام سے نکال لی اور للکار کر بولی — "تیرا خیال ہو گا کہ یہ شاہی خاندان کی شہزادی ہے اور شوقیہ تلوار اٹھائے پھرتی ہے۔ تلوار نکالو، پہلے مجھے قتل کرو پھر میری لاش کے ساتھ کھیلتے رہنا لیکن مجھے آسانی سے قتل نہیں کر سکو گے"۔

"میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا نوشی!"

"میں تیرے دھوکے میں آؤں گی ہی نہیں؟" — نوشی نے کہا — "میں مان ہی نہیں سکتی کہ مسلمان اعتماد کے قابل ہوتے ہیں..... تو مسلمان بھی نہیں عیسائی بھی نہیں، تو اگر عربی ہی ہے تو صحرائی قزاق ہو گا..... تلوار نکال، تجھے افسوس نہ رہے کہ میں نے تجھے مقابلے کا موقع نہیں دیا تھا"۔

"تمہارے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں نوشی!" — عباس نے کہا — "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر اپنی راہ لگ سکتا ہوں۔ میں اپنے ایک فرض کو نظرانداز کر رہا ہوں لیکن ایک مسلمان ہو کر ایک نوجوان لڑکی کو اس بیابان میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کوئی قزاق ہی آ نکلے۔ وہ تمہیں میری طرح نیک نیتی اور احترام سے اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا"۔

نوشی اتنی بپھری ہوئی تھی کہ عباس کا اثر قبول کر ہی نہیں رہی تھی اور اسے تلوار لہرا لہرا کر للکارتی تھی۔ عباس نے آخر تلوار نکالی اور اُس کے گھوڑے کے قدموں میں

پھینک دی۔ پھر کمربند سے خنجر نکالا اور وہ بھی پھینک دیا۔ پھر کچھ ایسی باتیں کیں کہ نوشی کا غصہ ٹھنڈا ہونے لگا۔

"میرے دو سوالوں کا جواب دو" — نوشی نے پوچھا — "تم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تم نے کون سا انعام وصول کر لیا ہے؟"

"میں جاسوس ہوں" — عباس نے جواب دیا — "میں بہت آگے جاسوسی کے لئے گیا تھا' اب واپس اپنے لشکر میں جا رہا تھا.... انعام یہ وصول کیا ہے کہ تم سے اور تمہارے منگیتر سے مجھے بڑی قیمتی معلومات ملی ہیں۔ یہ تو میں پہلے سے ہی جانتا تھا کہ تمہاری فوج کیوں پیچھے ہٹتی جا رہی ہے' اب تم نے اس کی تصدیق کر دی ہے جو مجھے معلوم ہُوا تھا اور تم سے اور تمہارے منگیتر سے دو تین نئی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ اسے میں اپنے لئے اور اپنے لشکر کے لئے بہت بڑا انعام سمجھتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے یہ بھی بہت بڑا انعام ہے کہ اس ہامون جادوگر کو قتل کر دیا ہے۔ اسلام اس توہم پرستی اور پیشین گوئیوں کو نہیں مانتا۔ آنے والے وقت کے راز صرف اللہ جانتا ہے اور وہی ہے جو بگڑے کام سنوارتا ہے۔ ہامون نے سیدھے سادے اور پسماندہ لوگوں کو محض فریب کاری سے اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ تمہارے ساتھ مجھے اس کے سوا کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ایک شیطان تمہیں دھوکہ دے کر بے آبرو کرنا چاہتا تھا اور مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا کہ تمہیں اس سے بچاؤں"۔

"تم مجھے میرے باپ تک پہنچانے چلے ہو" — نوشی نے کہا — "کیا تم میرے باپ کو یہ بتانا چاہو گے کہ تم اصل میں کون ہو اور کیا ہو؟.... میرا خیال ہے تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری اصلیت اپنے باپ سے چھپائے رکھوں گی۔ کیا یہ انعام نہیں ہو گا؟ میرا باپ تمہیں گرفتار کر لے گا۔ قتل بھی کروا سکتا ہے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی"۔

"میں تمہارے باپ تک پہنچوں گا ہی نہیں نوشی!" — عباس نے کہا — "مجھے کوئی لالچ اور کوئی ترغیب نہ دو نہ مجھے ڈرانے کی کوشش کرو۔ تمہیں بلبیس شہر کے باہر چھوڑ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دوں گا اور جب تک تم اپنے باپ تک پہنچو گی میں بڑی دور نکل گیا ہوں گا.... میں تمہیں پھر کہتا ہوں ہوش میں آؤ' تمہارے وہم نے ہمارے درمیان ایسی صورت پیدا کر دی ہے جیسے تم مجھ سے آزاد ہونا چاہتی ہو اور میں تمہیں

ورغلا کر اغوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس وہم سے نجات نہیں پا سکو گی تو جاؤ' یہ میرا راستہ ہے اور وہ تمہارا راستہ ہے"۔

روم کے شاہی خاندان کی اس لڑکی پر اب ایسی خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہو یا وہم سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں ہو۔

"گھوڑے سے اُترو" — عباس نے کہا — "میری تلوار اور خنجر اٹھاؤ اور اپنے پاس رکھو اور میرے ساتھ چل پڑو"۔

نوشی عباس کے چہرے پر نظریں جمائے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر گھوڑے سے اتری' عباس کی تلوار اور اس کا خنجر اٹھایا اور یہ دونوں ہتھیار کسی کو پیش کرنے کے انداز سے ہاتھوں پر رکھے' عباس کے پاس گئی اور دونوں ہتھیار اس کی طرف کر دیئے۔ عباس نے اسے کہا کہ وہ تلوار اور خنجر اپنے پاس رکھے لیکن نوشی نے کچھ کہنے کی بجائے سر ہلایا کہ وہ اپنے پاس نہیں رکھے گی۔ عباس نے ہتھیار لے لئے اور نوشی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر اس نے عباس کو سر سے اشارہ کیا کہ چلو۔ دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو بلبیس کی طرف چل پڑے۔



"تمہارے شاہی خاندان میں شارینا نام کی ایک لڑکی ہُوا کرتی تھی" — عباس نے پوچھا — "تم اسے جانتی ہو گی!"

"جانتی ہوں" — نوشی نے کہا — "وہ ہرقل کی بیٹی تھی۔ وہ تو کچھ عرصہ ہُوا ایسی غائب ہوئی کہ اس کا کچھ بھی پتہ نہ چلا.... تم اسے کس طرح جانتے ہو؟"

"اس طرح کہ وہ ہمارے پاس ہے" — عباس نے جواب دیا — "ہم میں سے کسی نے اسے اغوا نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے' اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میرے ایک دوست کے ساتھ آ گئی تھی اور اب اس کی بیوی ہے۔ میرا یہ دوست میری طرح جاسوس ہے۔ وہ جاسوسی کے لئے گیا تھا' شارینا سے ملاقات ہوئی اور دِلی محبت نے دونوں کو ایک کر دیا"۔

"میں اُس وقت لڑکپن کی عمر میں تھی" — نوشی نے کہا — "اس کے ساتھ تو میری گہری دوستی تھی۔ بڑی اچھی لڑکی تھی۔ کیا وہ تمہارے ہاں خوش رہتی ہے؟"

"میں تمہیں بتاؤں گا تو تم مانو گی نہیں" — عباس نے جواب دیا — "خود جا کر

دیکھو تو تمہیں یقین آئے گا کہ وہ کتنی خوش ہے۔ وہ واقعی بہت اچھی خاتون ہے.... میں اتنا ہی کہوں گا کہ وہ تو بھول ہی گئی ہے کہ روم کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ ہمارے ہاں فضا ہی کچھ ایسی ہے اور ماحول ایسا جس میں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں، محبت اور خلوص ہے"۔

کچھ دور تک شارینا کی باتیں ہوتی رہیں اور نوشی بڑی دلچسپی سے پوچھتی رہی کہ مسلمانوں کے ہاں عورت کے لئے معاشرتی اور دیگر حالات کیسے ہیں۔ عباس اسے بتاتا گیا۔

"معلوم نہیں دل میں یہ بات کیوں آتی ہے" — نوشی نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا — "کچھ ایسی خواہش ابھر رہی ہے کہ تمہارے ساتھ ہی چلی چلوں.... کچھ ایسا لگتا ہے جیسے تم سے جدا ہو کر مجھے دلی افسوس ہو گا۔ اس بدبخت منگیتر نے میرا دل مسل ڈالا ہے اور میں کچھ اور ہی سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ یہ بات بھی دل میں کھٹکنے لگی ہے کہ میرے شاہی خاندان میں عزت، غیرت اور حمیت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ شاہی خاندان میں بدکاری ایک جائز رواج کی طرح چلتی ہے۔ مجھے تم نے دیکھ لیا ہے کہ اپنی عصمت کی خاطر اس بدّو جادوگر کو تمہارے ہاتھوں مروایا اور اب تمہارے مقابلے میں تلوار نکال لی تھی"۔

"میں نے تمہارے متعلق ایسی کوئی بات سوچی ہی نہیں" — عباس نے کہا — "اور میں ایسی بات سوچوں گا بھی نہیں۔ تم جو سوچنا چاہتی ہو سوچتی رہو۔ میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کروں گا"۔

"ایک سوچ اور آتی ہے" — نوشی نے کہا — "تمہارے ساتھ تو چلی چلوں لیکن معلوم نہیں تمہارا خاندان کیسا ہے.... میرا مطلب یہ ہے کہ...."

"میں تمہارا مطلب جان گیا ہوں" — عباس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "تم یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح شاہی خاندان کا فرد ہوں یا میرے خاندان کی حیثیت کیا ہے۔ اگر میں کہہ دوں کہ میں بہت ہی امیر کبیر خاندان کا فرد ہوں تو تم میرے ساتھ چل پڑو گی ورنہ نہیں"۔

نوشی ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ عباس بن طلحہ ٹھیک سمجھا ہے۔

"تم سن کر شاید حیران ہو گی نوشی!" — عباس نے کہا — "اسلام میں کوئی شاہی خاندان نہیں ہوتا۔ ہم جنہیں اپنا حکمران بناتے ہیں وہ بھی شاہی خاندان کے نہیں ہوتے۔ ہم سب ایک ہیں اور سب کے حقوق اور سب کی حیثیت مساوی ہے۔ اگر ہمارے خلیفہ ہمارے لشکر میں آ جائیں تو تم مانو گی ہی نہیں کہ یہ شخص ایک فاتح قوم کا سب سے بڑا سردار ہے۔ تم کہو گی کہ یہ تو بالکل عام سا آدمی ہے۔ اسلام میں بادشاہ اور رعایا کا کوئی تصور نہیں۔ بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی ہمارا ایمان ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے اُس شیطان سے نہیں بچایا کہ تم بڑی خوبصورت اور شاہی خاندان کی لڑکی ہو بلکہ اس لئے کہ تم مجبور اور بے سہارا لڑکی ہو اور جذبات میں آ کر غلط اور پُرخطر راستے پر چل نکلی تھیں"۔

"تو کیا مسلمانوں کے متعلق جو کچھ سنتی رہی ہوں وہ غلط ہے؟" — نوشی نے کہا — "میں نے سنا ہے کہ مسلمان لٹیرے اور وحشی لوگ ہیں"۔

"مجھ سے نہ پوچھو" — عباس نے کہا — "ہم نے مصر کے دو بڑے شہر عریش اور فرما فتح کئے ہیں۔ ان کے درمیان اور اردگرد بے شمار گاؤں ہیں۔ وہاں جا کر عیسائیوں سے پوچھنا کہ فاتح مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہے۔ تمہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے گا.... میں شاہی خاندان کا ہی فرد ہوں اور تم میرے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا کیونکہ تم میرے ہاتھ میں ایک امانت ہو.... اپنے ماں باپ کی امانت.... میرے مذہب کا حکم ہے کہ امانت اُن تک پہنچاؤ جن کی ملکیت ہے"۔

○

"ٹھہرو" — عباس نے گھوڑے کی باگ کھینچ کر کہا — "گھوڑے کے ٹاپ سن رہی ہو؟"

نوشی نے بھی اپنے گھوڑے کی باگ کھینچی اور کان کھڑے کئے۔ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ بڑی ہی دور کی آواز کی طرح سنائی دے رہے تھے۔ وہ گھوڑ سوار کوئی بھی ہو سکتا تھا لیکن ان دونوں کو خطرہ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ نوشی کے منگیتر کو جب پتہ چلے گا کہ نوشی اور سیلی نوش غائب ہیں تو وہ ان کے تعاقب میں ضرور آئے گا۔ یہ گھوڑ سوار نوشی کا منگیتر ہو سکتا تھا، اور وہ کوئی بدّو بھی ہو سکتا تھا۔ کسی نے دیکھ لیا ہو گا کہ ہامون مرا پڑا

ہے اور سیلی نوش نوشی، کے ساتھ لاپتہ ہے۔ قتل کا شک بلکہ یقین انہی پر ہو سکتا تھا لہٰذا کوئی بدّو ان کے تعاقب میں آ رہا ہو گا۔

گھوڑے کے ٹاپ اب واضح ہو گئے تھے اور لگتا تھا جیسے گھوڑا انہی کی طرف آ رہا ہے۔ وہ دونوں مُڑ مُڑ کر دیکھتے چلتے ہی گئے۔

گھوڑا خاصی تیز دوڑتا آ رہا تھا۔ ان دونوں کی رفتار معمولی تھی۔ پورا چاند اوپر آ گیا تھا اور جنگل کی چاندنی پہلے سے زیادہ شفاف ہو گئی تھی۔ اب جو انہوں نے پیچھے دیکھا تو انہیں گھوڑا نظر آنے لگا۔ وہ رُک گئے۔ وہ گھوڑ سوار کوئی عام مسافر ہوتا تو معمول کی چال چلتا لیکن وہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بالکل قریب آ گیا۔

"نوشی!" — گھوڑ سوار نے للکار کر کہا — "اتنی آسانی سے نہیں جا سکو گی .... تلوار نکال لے او بدّو! پھر نہ کہنا کہ میں نے تجھے مقابلے کی مہلت نہیں دی تھی"۔

وہ نوشی کا منگیتر ہی تھا۔ وہ تلوار لہراتا آ رہا تھا۔ اس نے گھوڑا روکا اور عباس کو للکار کر گھوڑا عباس اور نوشی کے اردگرد آہستہ آہستہ دوڑانے لگا۔

"میں تجھے موقع دیتا ہوں اے رومی!" — عباس بن طلحہ نے کہا — "میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا' اسے اس کے ماں باپ کے پاس لے جا رہا ہوں"۔

"جھوٹے بدّو!" — منگیتر نے کہا — "میں جانتا ہوں تُو اسے کہاں لے جا رہا ہے"۔

نوشی نے عباس سے کہا کہ وہ تلوار نکال لے اور اس کے ساتھ کوئی بات نہ کرے۔ نوشی نے اپنی تلوار نکال لی۔ منگیتر نے کچھ ایسی ناروا باتیں کہہ دیں کہ عباس کو تلوار نکالنی ہی پڑی ورنہ عباس کی کوشش یہ تھی کہ لڑنے تک نوبت نہ آئے مگر منگیتر غصے سے باؤلا ہُوا جا رہا تھا اور بڑھ بڑھ کر تلوار عباس کے آگے لہراتا تھا۔ آخر عباس اور نوشی کے منگیتر میں تیغ زنی شروع ہو گئی۔ دونوں اپنے گھوڑوں کو گھما پھرا کر اور پینترے بدل بدل کر ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے' وار روک بھی رہے تھے۔ دونوں ماہر تیغ زن تھے۔ تلواریں ٹکراتیں اور جسموں سے دور رہتی تھیں۔

نوشی بھی تلوار لہرا کر منگیتر پر حملہ آور ہوئی لیکن عباس نے اسے ڈانٹ کر پیچھے کر دیا اور کہا کہ ایک کے مقابلے میں دو تلواروں کا آنا بزدلی ہے .... ان کی لڑائی تیز اور تیز تر ہوتی چلی گئی۔ نوشی اس قدر غصے میں بپھری ہوئی تھی کہ وہ اس لڑائی سے الگ رہ نہ

سکی۔ بار بار درمیان میں آتی تھی لیکن دو مردوں کی لڑائی میں اس کی دخل اندازی کامیاب نہیں ہوتی تھی۔ عباس بار بار اسے پیچھے رہنے کو کہتا تھا۔

"آنے دے آگے اِسے!" — منگیتر نے غضب ناک آواز میں کہا — "اسے میری ہی تلوار سے مرنا ہے۔ تم دونوں زندہ نہیں جا سکو گے"۔

"تم پیچھے ہٹ جاؤ عباس!" — نوشی نے کہا — "یہ میرے ہاتھوں مرنا چاہتا ہے"۔

"پیچھے رہ نوشی!" — عباس نے گرج کر کہا — "میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں"۔

منگیتر گھوڑا ایک طرف لے گیا اور ان دونوں کے اردگرد دوڑانے لگا۔

"کیا نام لیا ہے اس کا؟" — منگیتر نے پوچھا۔

"عباس بن طلحہ!" — عباس نے کہا — "میرا نام سیلی نوش نہیں' میں مسلمان ہوں"۔

"ہاہا!" — منگیتر نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا — "میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے"۔

اب منگیتر قہر اور غضب سے عباس پر حملہ آور ہُوا لیکن عباس کی تلوار منگیتر کے پہلو میں اُتر گئی۔ عباس نے تلوار کھینچ کر اس کی گردن پر ایسا وار کیا کہ آدھی گردن کاٹ دی۔ منگیتر گھوڑے سے ایک طرف گر پڑا۔

"چلو نوشی!" — عباس نے کہا — "میں نے اسے زندہ رہنے کا بہت موقع دیا تھا لیکن اسے اسی انجام کو پہنچنا تھا"۔

نوشی کی طرف سے عباس کو کوئی جواب نہ ملا جیسے نوشی وہاں تھی ہی نہیں۔ عباس نے اُدھر دیکھا جدھر نوشی کو ہونا چاہئے تھا لیکن اُدھر نوشی کا گھوڑا کھڑا تھا اور نوشی گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں تھی۔ عباس کو نوشی زمین پر گری نظر آئی۔ عباس کود کر گھوڑے سے اترا اور نوشی تک پہنچا۔ نوشی کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔

عباس نوشی کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا کہ یہ کیا ہُوا ہے۔ نوشی درد سے کراہتی اتنا ہی کہہ سکی کہ بدبخت مرتے مرتے تلوار میرے سینے میں اتار گیا ہے۔ یہ نوشی کے آخری الفاظ تھے اور اس کا سرا ایک طرف ڈھلک گیا۔

عباس کو پتہ ہی نہیں چل سکا تھا کہ نوشی کو اس کے منگیتر نے کس وقت اور کس طرح تلوار ماری تھی۔ اسی لئے عباس بار بار نوشی سے کہتا تھا کہ وہ دور رہے۔ نوشی کسی وقت اتنی قریب آ گئی تھی کہ اس کا منگیتر اس پر وار کر گیا۔

عباس بن طلحہ نے دونوں کی لاشیں وہیں چھوڑیں‘ ان کے گھوڑوں کی باگیں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھیں اور چل پڑا۔ وہ اتنی اچھی نسل کے گھوڑے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ذرا سا بھی افسوس نہ ہُوا کہ اتنی خوبصورت لڑکی ماری گئی ہے‘ اسے اطمینان ہُوا کہ اللہ نے اسے اس فرض سے جو اس نے خود ہی اپنے لئے پیدا کر لیا تھا‘ جلدی ہی سبکدوش کر دیا ہے اور اس نے امانت میں خیانت نہیں کی۔

○

اُسی رات کی بات ہے کہ سیلی نوش اور نوشی بدّوؤں کے جادوگر ہامون کو قتل کر کے‘ بدّو ملازم اور منگیتر کو سوتا چھوڑ کر وہاں سے چل پڑے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ منگیتر اور ملازم کو پتہ نہیں چلا کہ یہ دونوں یہاں سے چلے گئے ہیں۔ دونوں کچھ دور نکل آئے تھے۔

منگیتر کو موت اس طرف لے آئی تھی ورنہ نوشی کو اور عباس کو خیمے سے غائب پا کر وہ ان کی تلاش میں کسی اور طرف چل پڑا تھا۔ پھر وہ اس طرف کیوں آ گیا؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ منگیتر کو عباس کے ہاتھوں ہی قتل ہونا تھا اور اصل جواب بھی مل گیا۔ وہ اس طرح کہ جب عباس نوشی اور اس کے منگیتر کی لاشیں وہیں چھوڑ کر اور ان کے گھوڑے ساتھ لے کر ذرا ہی دور گیا تھا کہ اسے اُسی طرف سے جس طرف سے منگیتر آیا تھا‘ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ عباس نے یوں نہ کیا کہ اِدھر اُدھر ہو کر یا کہیں چھپ کر دیکھتا کہ اب کون آ رہا ہے۔ اس نے گھوڑا وہیں روک لیا اور آنے والے گھوڑ سوار کا انتظار کرنے لگا۔

گھوڑے کے ٹاپ بلند اور قریب تر آتے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد شفاف چاندنی میں اسے گھوڑا اور گھوڑ سوار کا ہیولہ نظر آنے لگا۔ وہ کوئی اکیلا آدمی تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے۔ عباس نے اپنا ایک ہاتھ تلوار کے دستے پر رکھ لیا۔ وہ کوئی بدّو ہی ہو سکتا تھا۔

وہ گھوڑ سوار اُس جگہ رک گیا جہاں نوشی اور اس کے منگیتر کی لاشیں پڑی تھیں۔

وہ گھوڑے سے اترا اور دونوں لاشوں کے پاس بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا۔ چاندنی تو بڑی صاف تھی لیکن اتنی دور سے چہرہ نہیں پہچانا جاتا تھا۔ عباس کو یوں لگا جیسے وہ نوشی کا بدّو ملازم ہے۔ عباس اس کی طرف چل پڑا۔ وہ بدّو ملازم ہی تھا جو عباس کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہُوا۔ عباس گھوڑے سے اترا اور اس کے پاس چلا گیا۔ اس ملازم سے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ایک اس لئے کہ وہ ملازم تھا اور دوسرے اس لئے کہ وہ بدّو تھا۔

”یہ کیا ہُوا ہے“ — بدّو ملازم نے ڈھیلی سی آواز سے پوچھا۔

”اس بدقسمت کو موت اِدھر لے آئی تھی“ — عباس نے کہا — ”اور تمہاری یہ شہزادی اسی منگیتر کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے۔ یہ شخص میری تلوار سے مارا گیا ہے.... کیا تم ان کے پیچھے آئے ہو؟“

”میں شہزادی کے پیچھے آیا تھا“ — ملازم نے جواب دیا — ”بڑی اچھی شہزادی تھی‘ مجھے ملازم سمجھتی ہی نہیں تھی“ — اس کے آنسو نکل آئے۔

بدّو ملازم نے عباس بن طلحہ کو بتایا کہ منگیتر کس طرح اس طرف آ گیا تھا۔ ہُوا یوں تھا کہ جب عباس اپنے خیمے سے دو زینیں اٹھا کر نکل رہا تھا تو اس ملازم کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ چونکہ چھوٹی حیثیت کا آدمی تھا اس لئے عباس سے یہ پوچھنے کی جرأت نہ کی کہ وہ زینیں کہاں لے جا رہا ہے لیکن یوں کیا کہ جب عباس نکل گیا تو ملازم نے اٹھ کر اسے دیکھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

ملازم نے عباس کو گھوڑوں پر زینیں کستے دیکھا پھر عباس اور نوشی کو گھوڑوں پر سوار ہوتے دیکھا اور پھر یہ دیکھا کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اس نے یہ جرأت بھی نہ کی کہ نوشی کے منگیتر کو بتاتا کہ عباس اور نوشی کہیں چلے گئے ہیں۔ وہ اپنے خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔

خاصا وقت گزر گیا تو بدّو ملازم نے نوشی کے منگیتر کو دیکھا کہ وہ خیمے سے نکل کر چند قدم آگے جا رکا تھا اور ہامون کے خیمے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ذرا دیر وہاں رک کر منگیتر ہامون کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ اس وقت ملازم اپنے خیمے سے باہر آیا اور منگیتر کو دیکھنے لگا۔ اُس وقت بھی اس نے یہ ہمت نہ کی کہ منگیتر کو بتا دے کہ وہ دونوں تو کہیں چلے گئے ہیں۔

کچھ وقت بعد منگیتر دوڑتا ہُوا اپنے خیمے کی طرف آیا۔ اُس وقت ملازم آگے ہُوا اور پوچھا کہ وہ کیوں دوڑا آ رہا ہے۔ منگیتر نے اسے بتایا کہ ہامون مرا پڑا ہے اور وہ بدّو (عباس) اور نوشی کہیں بھی نظر نہیں آ رہے۔

"تم ضرور جانتے ہو گے کہ بدّو کہاں رہتے ہیں" — نوشی کے منگیتر نے ملازم سے کہا — "وہ بدّو ہامون کو قتل کر کے نوشی کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ وہ یقیناً اسے اپنے گھر لے گیا ہے۔ تم آؤ اور میرے ساتھ چلو اور مجھے بتاؤ کہ یہ بدّو کہاں کہاں رہتے ہیں۔ ان کے سردار سے مجھے ملواؤ"۔

ملازم ابھی اسے کچھ بتا ہی نہیں سکا تھا کہ منگیتر دوڑتا اپنے خیمے میں گیا اور زین اٹھا لایا۔ اس نے ملازم سے کہا کہ فوراً اپنی زین اٹھالائے اور گھوڑا تیار کرے۔

ملازم نے اسے بتایا کہ سیلی نوش اور نوشی اس طرف نہیں گئے جدھر بدّو رہتے ہیں' وہ فرما یا بلبیس کی طرف گئے ہیں۔

"یہ بدّو سیلی نوش نہ فرما جائے گا نہ بلبیس" — نوشی کے منگیتر نے قہر بھری آواز میں کہا — "تم یہ بتاؤ کیا اس طرف بھی بدّوؤں کے کوئی قبیلے رہتے ہیں؟"

"بہت دور جا کر راستہ دائیں کو مڑتا ہے" — ملازم نے جواب دیا — "یہ راستہ خاصا آگے جا کر پھر دائیں کو مڑتا ہے اور کچھ اور آگے جا کر ایک علاقہ آتا ہے جس میں بدّوؤں کے دو قبیلے رہتے ہیں"۔

"کیا تم سیلی نوش کو جانتے ہو؟" — منگیتر نے پوچھا — "وہ کون سے قبیلے کا سردار ہے؟"

"نہیں!" — ملازم نے جواب دیا — "میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ مجھے کچھ ایسا شک بھی ہوتا ہے کہ یہ شخص بدّو ہے ہی نہیں"۔

"مجھے بھی یہی شک ہے" — منگیتر نے کہا — "وہ لڑکی کو لے اُڑا ہے.... تم بھی میرے ساتھ چلو"۔

ملازم نے غلامانہ انداز سے بات کرتے ہوئے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ گھوڑا اتنی تیز نہیں دوڑا سکتا اور اگر کہیں لڑنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ لڑ بھی نہیں سکے گا.... نوشی کا منگیتر اس قدر غصے میں اور ایسی جلدی میں تھا کہ ملازم کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کیا' گھوڑے پر سوار ہُوا اور گھوڑا دوڑا دیا۔

ملازم نے عباس کو بتایا کہ نوشی کا منگیتر تو چل پڑا لیکن وہ خود وہاں زیادہ دیر رک نہ سکا۔ اس نے سوچا کہ اب اپنے ہی گھر چلا جائے اور واپس بلبیس نہ جائے وہ شاہی محل کی سیاست سے تنگ آ گیا تھا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے قبیلے کی طرف چلنے لگا تو اسے نوشی کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو نوشی واپس بلبیس چلی جائے تو پھر وہ اپنے دو چار فوجی اس کے قبیلے میں بھیج کر اسے گرفتار کروا کے بلا لے گی۔ اصل بات یہ تھی کہ بدّو ملازم کوئی فیصلہ کر ہی نہ سکا اور بلبیس کی طرف چل پڑا۔

اس نے راستے میں نوشی اور اس کے منگیتر کی لاشیں دیکھیں تو وہ وہیں رک گیا۔ عباس نے اسے سنایا کہ یہ دونوں کس طرح مرے ہیں پھر اسے کہا کہ وہ بلبیس جائے تو نوشی کے ماں باپ کو بتائے کہ کیا واقعہ ہُوا تھا لیکن ملازم نے کہا کہ اب تو وہ اپنے قبیلے میں ہی جائے گا کیونکہ اسے ڈر ہے کہ وہ بلبیس گیا تو نوشی کا جرنیل باپ غصے میں اسے ہی قتل کر دے گا۔

یہ مسئلہ عباس بن طلحہ کا نہیں تھا۔ نوشی کے والدین کو اطلاع ملتی نہ ملتی' یہ بدّو ملازم بلبیس جاتا یا اپنے قبیلے میں چلا جاتا' عباس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ عباس فرما کی طرف چل پڑا۔



عباس بن طلحہ ڈیڑھ یا دو دنوں کی مسافت کے بعد فرما پہنچا اور سیدھا سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس گیا۔ عباس عمروؓ بن عاص کے جاسوسی کے اس نظام کا ایک بڑا ہی قابل اور دانشمند فرد تھا جو انہوں نے سارے مصر میں ایک جال کی طرح پھیلا دیا تھا۔ عباس ایک مہینے اور کچھ دنوں بعد جاسوسی کا مشن پورا کر کے واپس آیا تھا۔

"کوئی نئی خبر لائے ہو!" — عمروؓ بن عاص نے عباس سے پوچھا۔

عباس نے اپنی جاسوسی کی پوری رپورٹ سپہ سالار کو پیش کی اور آخر میں نوشی اور ہامون کا واقعہ سنایا۔ کوئی ایک بھی بات چھپائی نہیں اور ذرا ذرا سی تفصیل سنا ڈالی۔ سپہ سالار نے عباس کو ہلکی سی سرزنش کی کہ وہ خواہ مخواہ دوسروں کے مسائل میں اپنی ٹانگ جا اڑاتا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ لڑکی کے منگیتر کی بجائے وہ منگیتر کے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔

"میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا سپہ سالار!" — عباس نے کہا — "میں نے جب لڑکی

کی زبانی سنا کہ وہ ان بدّوؤں کو رومی فوج میں شامل کرنے آئی ہے اور اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ بدّوؤں کا جو لشکر مسلمانوں سے جا ملا ہے اسے ورغلا کر مسلمانوں سے ہٹایا جائے تو میں نے اپنا فرض سمجھا کہ اپنی شناخت بدل کر ان کے ساتھ ہو لوں۔ یہ دیکھنا بہت ہی ضروری تھا کہ یہ لوگ کیا کارروائی کرتے ہیں اور انہیں کچھ کامیابی حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ ہمارے لئے یہ معاملہ بڑا ہی اہم اور نازک تھا....

"اس ہامون جادوگر کو میں نے ایک تو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کی آبرو ریزی کرنا چاہتا تھا جو اس کے لئے رضامند نہیں تھی اور اس سے نفرت کرتی تھی۔ اسے قتل کرنے کا دوسرا جواز یہ تھا کہ مجھے پتہ چلا کہ بدّوؤں کے سرداروں پر اس کا ایسا اثر ہے کہ وہ اس کے اشاروں پر چلتے ہیں، میں نے سوچا کہ ایسا نہ ہو جائے کہ یہ شخص اس لڑکی کو حاصل کرنے کی خاطر سرداروں سے کہہ دے کہ وہ اپنا ایک لشکر تیار کر کے رومی فوج کو دے دیں۔ میں نے ہامون کو قتل کر کے یہ خطرہ ہی ختم کر دیا۔ پھر شاہی خاندان کی یہ لڑکی بھی ماری گئی اور اس کا منگیتر بھی۔ اب ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ اس علاقے کے بدّو رومیوں سے جا ملیں گے اور ہمارے پاس آئے ہوئے بدّو ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گے....

"یہ بھی دیکھیں سپہ سالار! ان دونوں سے کتنی اہم معلومات مل گئی ہیں۔ بعض معلومات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ مقوقس اور اطربون آپس میں متفق نہیں کہ وہ مصر کا دفاع کس طرح کریں۔ مقوقس محتاط رویّہ اختیار کرنا چاہتا ہے اور اطربون لڑنے کے حق میں ہے۔ اس رومی لڑکی نے مجھے بتایا تھا کہ ہرقل نے ان دونوں کو پورے اختیارات دے دیئے ہیں لیکن یہ بھی کہا ہے کہ قبطی عیسائیوں پر نظر رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بغاوت کر دیں۔ اس صورت میں مصر کو مسلمانوں سے بچانا ممکن نہیں رہے گا....

"لڑکی شاہی خاندان کی تھی اس لئے میں نے اس کی ہر بات قابلِ اعتماد سمجھی۔ وہ ہرقل کے خلاف نفرت کا اظہار کرتی اور کہتی تھی کہ وہ ہمت ہار بیٹھا ہے۔ شام کی شکست نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ وہ شاید اس لئے مصر سے دور رہنا چاہتا ہے کہ ایک اور شکست کا داغ اس کے ماتھے پر نہ لگے"۔

"یہ بدّو ہمارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے؟" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "انہیں ہم

نے فرما کا مالِ غنیمت اُسی حساب سے دیا ہے جس حساب سے ہم نے اپنے لشکر میں تقسیم کیا ہے۔ وہ بہت ہی خوش ہیں"۔

"آخری فیصلہ تو آپ کو ہی کرنا ہے سپہ سالار!" — عباس بن طلحہ نے مشورہ دیا — "میں جو کچھ دیکھ آیا ہوں، اس کے پیشِ نظر میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کو کمک کا انتظار نہیں کرنا چاہئے اور فوراً پیشقدمی کر کے بلبیس پہنچنا چاہئے۔ رومیوں کو سنبھلنے اور دم لینے کا موقع نہ دیں۔ انہیں سوچنے کی مہلت نہ دیں"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہُوا کرتی تھی۔ وہ غیر معمولی طور پر دانشمند اور جرأت مند تھے۔ ان میں خالدؓ بن ولید والی صفات پائی جاتی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ عمروؓ بن عاص کو مصر پر حملے کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ یہ خالدؓ بن ولید کی طرح بے خطر اور بے دھڑک ایسے خطروں میں کود جاتے ہیں جہاں مجاہدین کے پورے لشکر کی ہلاکت صاف نظر آنے لگتی ہے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کمک کے انتظار میں وقت ضائع کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے پہلے ہی لشکر کو تیاری کی حالت میں رکھا ہُوا تھا اور اپنے ماتحت سالاروں اور کمانداروں سے کہہ دیا تھا کہ وہ دشمن کے تعاقب میں رہیں اور اسے دم نہ لینے دیں۔

O

جب نوشی بدّوؤں کے علاقے میں چلی گئی تھی، اس کا شکست خوردہ جرنیل باپ بلبیس پہنچا اور فرما کی شکست کی خبر سنائی تو وہاں موت کا سکوت طاری ہو گیا۔ اس کی فوج کے بکھرے ہوئے سپاہی جب ایک ایک دو دو کر کے بلبیس پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری کی ایسی باتیں سنائیں کہ بلبیس میں جو فوج تھی، اس پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ دو یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی فوج میں یہ بات پھیل گئی اور سپاہیوں کی زبان پر چڑھ گئی کہ مسلمانوں کی فوج کی تعداد بہت ہی تھوڑی نظر آتی ہے لیکن جب لڑائی شروع ہوتی ہے تو ان کی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہُوا کہ مسلمانوں میں کوئی پُراسرار اور غیبی طاقت ہے ورنہ انسان اس طرح نہیں لڑ سکتے۔

دموں نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو رومی فوج کی یہ کیفیت بھی بتا رکھی تھی۔ یہ اُس جذبۂ جہاد کا کرشمہ تھا جس سے مجاہدین سرشار تھے اور انہوں نے اپنا تعلق براہِ راست اللہ کے ساتھ جوڑ رکھا تھا۔

فتح اور شکست کے فیصلے میدان جنگ میں ہی ہُوا کرتے ہیں اور تاریخ ان فوجوں اور ان کے جرنیلوں کی ہی کہانیاں سناتی ہے جو میدانِ جنگ میں لڑتے ہیں لیکن جنگ کے پسِ پردہ کچھ اور ڈرامے بھی ہوتے ہیں جو آنے والی نسلوں تک کم ہی پہنچتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی انفرادی کہانیاں ہوتی ہیں جو میدانِ جنگ سے دور ایسا کردار ادا کرتے ہیں جو فتح یا شکست پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن ایسے کردار تاریخ سے متعارف نہیں ہوتے۔ کبھی کوئی اُس دور کا وقائع نگار تاریخی نوعیت کے احوال و کوائف اکٹھے کرتے ہوئے کسی ایسے گمنام کردار سے متعارف ہو گیا تو اس نے پردوں کے پیچھے کی ایک کہانی تاریخ کے دامن میں پوری تفصیل سے ڈال دی۔

اِن میں غدار بھی ہوتے ہیں اور نوشی اور عباس بن طلحہ جیسے وہ کردار بھی جو جذبوں سے سرشار ہو کر کسی دنیاوی لالچ کے طلبگار نہیں ہوتے۔ نوشی ایسی ہی ایک لڑکی تھی جسے قومی جذبے نے دیوانہ بنا ڈالا تھا لیکن وہ آخر انسان تھی اور نوجوان۔ ایسی کہانیاں اگلی نسلوں تک سینہ بہ سینہ پہنچتی ہیں یا کوئی وقائع نگار تفصیل سے ایسے واقعات بیان کر کے نئی روایت آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر جاتا ہے۔

آیئے مدینہ چلتے اور دیکھتے ہیں کہ وہاں سے ابھی تک سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو کمک کیوں نہیں بھیجی گئی تھی .... عمروؓ بن عاص امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو جنگی صورتِ حال سے قاصدوں کے ذریعے آگاہ رکھتے تھے اور ہر بدلتی صورت تفصیل سے لکھوا کر بھیجتے تھے۔ تیز رفتار اور بڑی ہی سخت جان قسم کے قاصد تھے جنہیں اس کام کی خصوصی تربیت دی گئی تھی۔

نقشے پر مصر اور مدینہ کا فاصلہ دیکھیں۔ بڑا ہی زیادہ فاصلہ ہے۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اُس دَور میں گھوڑے کی پیٹھ پر یہ فاصلہ ایک مہینے میں طے ہوتا تھا یا اس سے زیادہ دن لگتے تھے لیکن تیز رفتار قاصد چند دنوں میں یہ فاصلہ طے کر لیا کرتے تھے۔ یہ راستہ اُن علاقوں میں سے گزرتا تھا جو مجاہدینِ اسلام نے سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لئے تھے۔ قاصد خشکی کے راستے بحیرۂ قلزم پھر بحیرۂ احمر کے کنارے کنارے مدینہ تک

آتے جاتے تھے۔ تمام راستے میں چوکیاں بنا دی گئی تھیں جن میں نہایت اعلیٰ نسل کے تازہ دم گھوڑے تیار رکھے جاتے تھے۔ قاصد تھکے ہوئے گھوڑوں کو چوکی پر چھوڑتے اور تازہ دم گھوڑے پر سفر جاری رکھتے تھے۔ کہیں کہیں وہ کھانے پینے اور ذرا سا ستانے کے لئے رک جاتے تھے لیکن کیا دن اور کیا رات' وہ گھوڑے کی پیٹھ پر مسلسل سفر میں رہتے تھے۔ اس طرح پیغام رسانی کا نظام صحیح معنوں میں برق رفتار بنا دیا گیا تھا۔

○

ہر چند روز کے بعد عمروؓ بن عاص کا قاصد مدینہ پہنچتا اور تازہ صورتِ حال کا پیغام امیرالمومنین تک پہنچاتا تھا۔ تاریخ کے مطابق ہر پیغام میں عمروؓ بن عاص کمک کے لئے لکھتے تھے لیکن انہوں نے ایسی بات کبھی نہیں لکھی تھی کہ انہیں کمک نہ ملی تو وہ پیش قدمی روک دیں گے اور یہ جنگی مہم آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ ان کا ہر پیغام حوصلہ افزا ہوتا تھا جیسے انہیں کسی بھی قسم کی مایوسی نہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ اس قسم کے حوصلہ افزا پیغامات کو دیکھ کر کمک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تر توجہ مصر پر ہی مرکوز تھی کیونکہ عمروؓ بن عاص بہت ہی تھوڑی نفری لے کر ایسی صورتِ حال میں مصر چلے گئے تھے کہ امیرالمومنین کے اہم ترین اور بزرگ مشیر اس مہم جوئی کے خلاف تھے۔ خود حضرت عمرؓ نے بہت ہی سوچ بچار کے بعد عمروؓ بن عاصؓ کو مصر پر لشکر کشی کی اجازت دی تھی۔ حضرت عمرؓ یقیناً سوچتے ہوں گے کہ مصر میں ناکامی ہوئی تو انہیں مصاحبوں اور مشیروں کے آگے شرمسار ہونا پڑے گا کہ منع کرنے کے باوجود مجاہدین کے لشکر کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیا گیا تھا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصر پر لشکر کشی کے سب سے بڑے مخالف بزرگ صحابی حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ اس مخالفت میں وہ حضرت عمرؓ سے ناراضگی تک بھی پہنچ گئے تھے لیکن اب وہی حضرت عمرؓ پر زور دے رہے تھے کہ عمروؓ بن عاص کو کمک بھیجی جائے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ کمک میں تاخیر ہو رہی تھی۔ تاریخ نویسوں نے اس سوال پر قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہیں اور لے دے کی ہے۔ اس طرح کچھ وجوہات سامنے آ گئی ہیں۔

یہ خاص طور پر پیشِ نظر رکھیں کہ اُس دَور کے مشیر اور دیگر سرکردہ افراد جن سے

امیرالمومنین مشورے طلب کیا کرتے تھے' ہمارے آج کے سیاسی لیڈروں جیسے نہیں تھے۔ ان کے ہاں اپنی انا کا کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں' ان کے پیشِ نظر دین اور ملّت کا سود و زیاں رہتا تھا۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ معلوم کر لیتے کہ امیرالمومنینؓ کیا چاہتے ہیں اور پھر ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ مخالفین اپنی مخالفت کو برحق ثابت کرنے کے لئے اُس کام میں بھی روڑے اٹکاتے جو دین اور سلطنتِ اسلامیہ کے لئے بہتر ہوتا تھا۔ وہ سب اپنے آپ کو سربراہِ مملکت کے آگے نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے آگے جواب دہ سمجھتے تھے۔ پہلے حضرت عثمانؓ بن عفان کمک بھیجنے پر زور دے رہے تھے پھر دوسرے مخالفین نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یوں تنہا نہ چھوڑا جائے۔ سب جانتے تھے کہ عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید کی طرح خطرے مول لینے والے سپہ سالار ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پورے لشکر کو جانوں کے خطرے میں ڈال دیں۔

آخر ایک روز امیرالمومنین نے فجر کی نماز کے بعد سب کو روک لیا اور کمک کے مسئلے پر بات شروع کی۔ حضرت عمرؓ بڑے ہی اثر انگیز انداز سے اور دلوں کو موہ لینے والے الفاظ میں بات کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایسا نہ کہا کہ آج مخالفین بھی کمک بھیجنے پر زور دے رہے ہیں۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اچھی نیّتوں کا اجر بہت اچھا دیا کرتا ہے۔ پھر انہوں نے کمک کی تاخیر کی وجوہات بیان کیں جو مختصراً یوں ہیں کہ عراق سے کسریٰ ایران کو بے دخل کر دیا گیا تھا لیکن اُن کی حالت اُس شیر جیسی تھی جو بُری طرح زخمی ہو چکا ہو لیکن ابھی مرا نہ ہو۔ خطرہ تھا کہ زخمی شیر آخری حملہ ضرور کرے گا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر عراق کے محاذ سے کوئی نفری نکالی نہیں جا سکتی تھی۔

اُدھر پورے کا پورا ملک شام سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا تھا لیکن طاعون کی وبا مجاہدین کے لشکر کا تقریباً تیسرا حصہ چاٹ گئی تھی اور بہت سے نامور سپہ سالار دنیا سے اٹھ گئے تھے۔ اس قدرتی آفت کی پیدا کردہ کمی کو پورا کرنا تھا' اس میں مزید کمی نہیں کی جا سکتی تھی۔

پھر حضرت عمرؓ نے ایک وجہ یہ بتائی کہ انہیں یقین ہے کہ عمروؓ بن عاص عریش کو فتح کر چکے ہیں اور زیادہ سے زیادہ آگے بڑھے تو فرما تک جائیں گے اور وہاں کمک کا انتظار کر کے آگے بڑھیں گے۔ حضرت عمرؓ کو پہلے عمروؓ بن عاص نے یہ پیغام بھیج دیا تھا

کہ بدّوؤں کا ایک لشکر ان کے ساتھ آن ملا ہے جس نے رسد کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور اب یہ لشکر لڑائی میں بھی شامل ہو گا۔ حضرت عمرؓ کو اس پیغام سے تسلی ہو گئی تھی کہ کمک کی ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ اُس روز انہوں نے اور سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو تو اللہ کس طرح مدد کرتا ہے۔ کسی کو توقع تھی ہی نہیں کہ غیر مسلم بدّوؤں کی اتنی زیادہ نفری مجاہدین سے آن ملے گی اور رسد اور کچھ اور ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ پھر فرما کی فتح کی اطلاع بھی آ گئی۔ امیرالمومنین نے کہا کہ اسی کمک سے اتنا بڑا شہر فتح کر لیا گیا ہے اور اب عمروؓ بن عاصؓ مدینہ کی کمک کے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے۔

مسجد میں جو حضرات موجود تھے' ان میں سے بعض نے کچھ مشورے دیئے اور اس مسئلے پر کچھ باتیں ہوئیں' آخر سب مطمئن ہو گئے۔



چند ہی دن گزرے تھے کہ فرما سے عمروؓ بن عاص کا ایک اور پیغام آ گیا۔ پچھلے پیغام میں انہوں نے صرف فتح کی اطلاع دی تھی۔ اب انہوں نے تفصیلات لکھ کر بھیجی تھیں جن میں یہ بتایا کہ اپنا کتنا جانی نقصان ہُوا ہے اور بدّو کتنے مارے گئے ہیں۔ ان تفصیلات میں ایسے شدید زخمیوں کا بھی ذکر تھا جو ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصے کے لئے لڑائی کے قابل نہیں رہے تھے۔ فرما کی فتح نے جانوں کی قربانی خاصی زیادہ لی تھی۔ بدّو اس لئے زیادہ مارے گئے تھے کہ انہیں کسی منظم لشکر کے ساتھ رہ کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ عمروؓ بن عاص نے لکھا کہ اللہ کی طرف سے انہیں کمک مل گئی تھی لیکن اب اپنے لشکر اور بدّوؤں کی اس کمک کی تعداد اتنی رہ گئی ہے کہ کمک کی شدید ضرورت ہے۔

عمروؓ بن عاص نے یہ بھی لکھا کہ وہ اگلی صبح بلبیس کی طرف کُوچ کر رہے ہیں....

اس اطلاع نے امیرالمومنین کو پریشان کر دیا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اتنے تھوڑے لشکر کے ساتھ بلبیس کو محاصرے میں لینا کس قدر بڑا خطرہ ہے۔ عمروؓ بن عاص نے اتنی جلدی پیش قدمی کے فیصلے کا جواز بھی لکھا تھا۔ ہم یہ جواز پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی رومیوں کو سنبھلنے اور سوچنے کا موقع نہ دیا جائے اور انہیں یہ تاثر بھی نہ ملے کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ اس جواز سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رومیوں

کی چال یہ ہے کہ مسلمان مصر میں اور زیادہ اندر آ جائیں اور پھر انہیں گھیرے میں لے لیا جائے اور عقب سے رسد اور کمک کے راستے بند کر دیئے جائیں لیکن دشمن کی چالوں سے صرف واقف ہو جانا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ان چالوں کو بے کار کرنے کے لئے کوئی نئی چال سوچنی پڑتی ہے۔ عمروؓ بن عاص دشمن کی چال اور نیّت کو سمجھ کر ہی فرما سے کُوچ کر رہے تھے اور جلدی سے جلدی بلبیس پہنچنا چاہتے تھے لیکن سوال یہ تھا کہ ان کے ساتھ مجاہدین کی جو تعداد تھی' کیا وہ بلبیس کو فتح کرنے کے لئے کافی تھی؟.....

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو لشکر تھا اس کی نفری رومیوں کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی۔ بعض مؤرخوں نے یہ تعداد چار ہزار لکھی ہے' بعض نے کچھ کم بعض نے ذرا زیادہ لکھی ہے۔ ان سب کی بتائی ہوئی تعداد پر غور کیا جائے تو اندازہ یہ ہے کہ بدّوؤں کو ملا کر لشکر کی تعداد پانچ ہزار سے چند سو زیادہ تھی۔

لشکر کو باقاعدہ فوج کی حیثیت حضرت عمرؓ نے ہی دی تھی' باقاعدہ تنخواہیں اور مراعات مقرر کی تھیں لیکن مصر پر فوج کشی کے وقت تک یہ تبدیلی نہیں لائی گئی تھی۔ لوگ رضاکارانہ طور پر لشکروں میں شامل ہوتے تھے۔ اب حضرت عمرؓ نے شدت سے محسوس کیا کہ عمروؓ بن عاص کے لئے کمک بھجوانی ہے تو انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو اُس وقت رائج تھا۔ وہ یہ کہ مسجد میں اعلان کیا گیا کہ مصر کے لئے کم از کم چار ہزار تعداد کا لشکر بھیجنا ہے اور لوگ آگے آئیں۔

مشہور و معروف مؤرخ ابن الحکم نے چند ایک مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر پہلے ہی ایک صحابی پر تھی جن کا نام گرامی زبیرؓ بن العوام تھا۔ جنگ کا بہت تجربہ رکھتے تھے اور قیادت کی مہارت میں خاصے مشہور تھے۔ زبیرؓ بن العوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

ایک روایت تو یہ ہے کہ امیرالمومنین کی نظر ان پر تھی لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سے عمروؓ بن عاص مصر میں داخل ہوئے تھے' زبیرؓ نے چند مرتبہ یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں مصر عمروؓ بن عاص کے لشکر میں بھیجا جائے۔ تاریخ میں یہ ذکر نہیں کہ انہیں کیوں نہ بھیجا گیا۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے انہیں ریزور میں رکھا ہو گا کہ جہاں صورتِ حال بہت ہی مخدوش ہو جائے' زبیرؓ کو وہاں بھیجا جائے۔ بہرحال اب حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا۔

"ابو عبداللہ!" — امیرالمومنین نے زبیرؓ کو ان کے دوسرے نام سے مخاطب ہو کر پوچھا — "کیا تُو مصر کی امارت کا خواہش مند ہے؟"

"نہیں امیرالمومنین!" — زبیرؓ بن العوام نے جواب دیا — "مجھے امارت کی ضرورت ہے نہ خواہش۔ اگر آپ مجھے کسی محاذ پر بھیجنا چاہتے ہیں تو میں جہاد اور مجاہدین کی اعانت کے لئے جاؤں گا' دل میں کوئی لالچ لے کر نہیں۔ میں جانتا ہوں آپ مجھے مصر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں سن چکا ہوں کہ مصر کے لئے کمک تیار ہو رہی ہے۔ میں جاؤں گا اور جب دیکھوں گا کہ عمروؓ بن عاص نے مصر فتح کر لیا ہے تو اس کے کسی کام میں دخل نہیں دوں گا اور اسے امارت کے رتبے پر دیکھ کر روحانی مسرت کا اظہار کروں گا"۔

اُس وقت کے عربی معاشرے میں زبیرؓ بن العوام کو جو حیثیت حاصل تھی اس کا مختصر سا ذکر ہو جائے تو بے محل نہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پھوپھی زاد بھائی اور صحابی ہونا ہی ان کی عظمت کی بہت بڑی دلیل تھی لیکن انہیں اس سے زیادہ عظمت عطا ہوئی تھیں۔ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل تھے اور جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت ہوئی تو اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہ شرف زبیرؓ کو ہی حاصل تھا کہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر بار جان کی بازی لگا کر لڑے۔

جنگِ خندق میں ضرورت محسوس ہوئی کہ عیسائیوں کے دو قبیلوں کے متعلق معلوم کیا جائے کہ وہ اہلِ قریش کا ساتھ دے رہے ہیں یا نہیں اور اگر ان کا ساتھ دے رہے ہیں تو ان کی کتنی نفری ہے اور کب کمک کے طور پر آ رہی ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا جس کے لئے زبیرؓ بن العوام نے اپنے آپ کو پیش کیا اور دشمن کے اندر جا کر صحیح خبر لے آئے۔ پھر ایک اور موقع پر بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جاسوسی کی ضرورت محسوس کی تو آپؐ کو رضاکار ڈھونڈنے پڑے۔ یہ بھی بڑا ہی پُرخطر کام تھا۔ اس کے لئے بھی زبیرؓ بن العوام نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر دشمن کی بستیوں میں گئے اور صحیح خبریں لے آئے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا — "ہر نبی

کا ایک حواری ہوتا ہے۔ زبیرؓ بن العوام میرا حواری ہے"۔

اس سے زیادہ عظیم اور مقدس خراجِ تحسین اور کیا ہو سکتا ہے.... فتح مکہ کے دن مجاہدین کے لشکر میں تین عَلَم تھے جن میں سے ایک زبیرؓ بن العوام کے ہاتھ میں تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن خطاب بھی زبیرؓ بن العوام سے خصوصی عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے اوصاف تھے کہ کوئی ایک بار ان سے متعارف ہو جاتا تو ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور جس لشکر کی قیادت انہیں دی جاتی وہ لشکر ان کے اشاروں پر جانیں قربان کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے زبیرؓ بن العوام کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ مصر کے لئے کمک تیار کریں۔ زبیرؓ پہلے ہی بے تاب تھے کہ انہیں جہاد کی کوئی ذمہ داری سونپی جائے۔ انہوں نے اُسی روز اس کام کی ابتدا کر دی۔ یہ کام ایک یا دو دنوں میں ہونے والا نہیں تھا۔ زبیرؓ نے دن رات ایک کر دیا اور لوگوں کو اکٹھا کرنے لگے۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ انہوں نے کمک کتنے دنوں میں اکٹھی کر لی۔ البتہ یہ بالکل واضح ہے کہ جو کمک انہوں نے تیار کی اس کی تعداد چار ہزار تھی۔

یہ کمک حضرت عمرؓ کو پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس چار ہزار نفری کے ایک ایک مجاہد کو دیکھا اور پھر اسے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر ہر حصے کا الگ سالار مقرر کیا۔ ہر سالار کے ماتحت ایک ایک ہزار مجاہدین تھے۔ ان میں ایک تھے زبیرؓ بن العوام، دوسرے عبادہؓ بن الصامت، تیسرے تھے مقدادؓ بن اسود سلمی اور چوتھے تھے خارجہؓ بن حذافہ۔ ان چاروں کی سپہ سالاری کی ذمہ داری زبیرؓ بن العوام کو دی گئی۔

کمک کی تعداد کے متعلق تاریخ میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کمک کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ مستند اور محتاط تاریخ لکھنے والے مؤرخوں نے جن میں بٹلر بھی شامل ہے، صحیح بات لکھی ہے اور بتایا ہے کہ یہ غلط فہمی کیوں کر پیدا ہوئی۔

یہ غلط فہمی امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے الفاظ سے پیدا ہوئی ہے۔ انہوں نے اس کمک کے ساتھ جو تحریری پیغام عمروؓ بن عاص کو بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ تھے ــــ "میں تمہارے لئے چار ہزار مجاہدین بھیج رہا ہوں۔ ایک ایک ہزار مجاہدین پر ایک ایک سالار مقرر کر دیا ہے۔ یہ سالار جنگ لڑنے اور لڑانے کی اتنی مہارت اور اتنا جذبہ رکھتے ہیں

کہ یوں سمجھو کہ ایک ایک سالار ایک ایک ہزار مجاہدین کے برابر ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ میں تمہیں بارہ ہزار سرفروش مجاہدین بھیج رہا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ بارہ ہزار جانباز دشمن سے مغلوب نہیں ہو سکتے، دشمن کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو"۔

اس تحریر سے کچھ تاریخ نویس یہ سمجھ بیٹھے کہ کمک کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ صحیح تعداد چار ہزار تھی۔ صحیح طور پر نہیں لکھا جا سکتا کہ یہ کمک کتنے دنوں بعد عمروؓ بن عاص تک پہنچی۔ وہ تو تیز رفتار قاصد تھے جو حیران کن رفتار سے اتنا زیادہ فاصلہ چار پانچ دنوں میں طے کر لیا کرتے تھے۔ یہ پورا لشکر تھا جو اتنی تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتا تھا۔

جب یہ کمک نماز فجر کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئی تو امیرالمومنین، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ اور تقریباً تمام بزرگ صحابہ کرام اس کمک کے ساتھ مدینہ سے دور تک گئے اور پھر ایک جگہ رک کر مجاہدین کو الوداع کہی۔ سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ مدینہ کی منڈیروں پر عورتیں دامن پھیلائے کھڑی مجاہدین کے لئے دعائیں کر رہی تھیں۔

○

آخر ایک روز سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کمک کا انتظار کئے بغیر لشکر کو بلبیس کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ کوچ فجر کی نماز کے بعد ہُوا تھا اور یہ فروری 640ء کا پہلا ہفتہ تھا۔

ایک روز پہلے عمروؓ بن عاص نے ایک پیغام مدینہ امیرالمومنین کی طرف بھیج دیا تھا جس میں انہوں نے ایک تو بلبیس کی طرف پیش قدمی کی اطلاع لکھی اور دیگر امور کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ اب کمک کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے.... ہم اس پیغام کا پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

عمروؓ بن عاص نے ایک روز پہلے لشکر سے خطاب کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار انہوں نے لشکر سے خطاب کیا اور بتایا تھا کہ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے لئے مصر کتنا اہم ہے۔ مصر کو انہوں نے پیغمبروں کی سرزمین کہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جس راستے پر وہ مصر فتح کرنے جا رہے ہیں، یہ پیغمبروں کا راستہ ہے۔ اس راستے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جا چکے ہیں۔ اس راستے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی گئے تھے۔ اب عمروؓ بن

عاص نے جو لشکر سے خطاب کیا اس میں انہوں نے کہا کہ ہم جس شہر بلبیس کو فتح کرنے جا رہے ہیں وہ فرما سے زیادہ اہم اور قیمتی شہر ہے اور رومی یہ شہر ہم سے بچانے کے لئے بے دریغ جانوں کی قربانیاں دیں گے لیکن اللہ کا حکم ہے کہ ہم یہ شہر ہر قیمت پر فتح کریں۔

انہوں نے لشکر کو جذباتی الفاظ سے بھڑکایا نہیں اور انہیں سبز باغ نہیں دکھائے نہ ایسا تاثر دیا کہ رومی بلبیس کو پلیٹ پر رکھ کر انہیں پیش کر دیں گے۔ انہوں نے حقیقت بیان کی اور جن دشواریوں کا سامنا تھا وہ من و عن بیان کر دیں۔ انہوں نے بتایا کہ اپنی تعداد بہت تھوڑی ہے اور دشمن کی جنگی طاقت کئی گنا زیادہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ عریش اور فرما کی فتح ہمارے لئے صرف اس لئے آسان تھی کہ رومی ہمیں دھوکہ دے کر مصر میں کچھ اور آگے لانا چاہتے تھے۔ ہم اور آگے آگئے ہیں اور مزید آگے جا رہے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ بلبیس ایک پھندہ ہے جس میں رومی ہمیں پھنسا کر ہمیشہ کے لئے بے کار کر دینا چاہتے ہیں۔

"مت بھولو کہ تمہارا براہِ راست تعلق اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ہے" ۔۔۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کہا ۔۔۔ "تم اللہ کے حکم سے اللہ کے راستے پر جا رہے ہو۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور ہمارا دشمن ہمیں شکست دے کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہمارا ایمان غلط ہے اور یہ کسی انسان نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ ہمیں کفّار پر ثابت کرنا ہے کہ ہم دینِ الٰہی کے پیرو کار ہیں اور اپنے ساتھ یہی دین لائے ہیں جو ایک رسولؐ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور اس کے ساتھ اللہ کا یہ حکم کہ یہ دین اللہ کے ہر بندے تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہمیں سمندروں کا سینہ چیرنا ہے' پہاڑوں کے جگر چاک کرنے ہیں اور دشت و جبل کو اپنے قدموں تلے روندنا ہے"۔

اس کے بعد عمروؓ بن عاص نے لشکر کو تمام حقائق سے آگاہ کیا اور انہیں ٹھوس قسم کی ہدایات دیں۔ انہوں نے لشکر کو پیش قدمی کے دوران جس طرح تقسیم کیا اور جس ترتیب سے لشکر کو پیش قدمی کرنی تھی وہ سب لشکر کو بتایا اور اچھی طرح ذہن نشین کرایا کہ یہ تقسیم اور یہ ترتیب کیوں کی گئی ہے۔

پیش قدمی کے دوران لشکر کی تقسیم اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے ہراول دستہ تھا اور اس دستے سے بہت آگے چند ایک مجاہدین مقامی کسانوں اور محنت کشوں کے

بھیس میں بکھرے ہوئے جا رہے تھے۔ وہ جاسوس تھے اور دیکھ بھال کرتے جا رہے تھے۔ کچھ دستے ہراول سے دور پیچھے تھے' ان کے دائیں اور بائیں خاصے فاصلے پر ایک ایک دستہ جا رہا تھا اور ایک دو دستے عقب میں آ رہے تھے۔ مطلب یہ کہ لشکر ایک مسلح قافلے کی صورت میں نہیں جا رہا تھا۔

یہ ترتیب یہ سوچ کر کی گئی تھی کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اچھی طرح معلوم تھا کہ رومی جرنیل انہیں اُس مقام پر لے آئے ہیں جہاں وہ کسی بھی وقت لشکر پر پیش قدمی کے دوران بہت زیادہ نفری سے دائیں اور بائیں سے یا عقب سے حملہ کر سکتے ہیں۔ جاسوسوں نے سپہ سالار کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ رومی مجاہدین کے لشکر کو پہلے آگے لا کر اور پھر گھیرے میں لے کر مارنا چاہتے ہیں۔

عمروؓ بن عاص روایتی لڑائیاں لڑانے والے سپہ سالار نہیں تھے۔ وہ دشمن کی شاطرانہ چالوں کو سمجھتے تھے اور ایسی ہی چالیں چلنے کی مہارت رکھتے تھے۔ دشمن کی نیّت کو اور اُن چالوں کا توڑ کرنے کو جو ابھی دشمن کے ذہن میں ہوتی تھیں' عمروؓ بن عاص نے جاسوسی کا اتنا کارگر نظام قائم کر دیا تھا کہ ان کے جاسوس تو جیسے دشمن کے پیٹ میں اُتر کر خبر لے آتے تھے۔

یہ مسافت بڑی طویل تھی اور دشوار گذار بھی۔ دشوار گذار اس لئے کہ اس علاقے میں آ کر دریائے نیل کئی ایک شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ بعض نہریں تو زیادہ چوڑی نہیں تھیں اور یہ عام نہروں جیسی ہی تھیں لیکن بعض شاخیں دریاؤں جیسی تھیں۔ پانی کی افراط کی وجہ سے علاقے میں دلدل تھی اور درختوں کی بہتات تھی اور کچھ علاقہ پہاڑی اور غیر ہموار بھی تھا۔ نیل کی ان شاخوں کو عبور کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ سب سے بڑا اور خطرناک مسئلہ تو یہ تھا کہ رومی فوج اسی علاقے میں انہیں گھیرے میں لے سکتی تھی۔

تاریخ کے مطابق' راستے میں ایک بڑا ہی قدیم قصبہ آیا جس کا نام مجدل ہُوا کرتا تھا۔ اس قصبے میں جا کر دیکھا۔ رومی فوج کا کوئی ایک سپاہی بھی نظر نہ آیا۔ عمروؓ بن عاص نے اس قصبے کے قریب پڑاؤ کیا اور قصبے کے سرکردہ افراد کو بلا کر پوری تفتیش کی کہ یہاں کبھی رومی فوج کی کچھ نفری رہی ہے یا نہیں اور رومیوں نے شہر کے لوگوں کو کوئی فوجی اور جنگی نوعیت کی بات بتائی ہے یا نہیں۔

معلوم ہُوا کہ اس قصبے میں کبھی فوج نہیں آئی اور کبھی انہیں فوج کی طرف سے کوئی ہدایت یا کوئی حکم دیا بھی نہیں گیا۔ ان سرکردہ افراد نے عمروؓ بن عاص کو یقین دلایا کہ وہ رومی فوج کے ساتھ تعاون سے انکار کی جرأت تو نہیں کر سکتے لیکن تعاون سے گریز ضرور کریں گے۔

عمروؓ بن عاص نے انہیں کہا کہ قصبے کا کوئی آدمی قصبے سے باہر نہ جائے اور کوئی آدمی بلبیس کی طرف جاتا نظر آیا تو دُور سے اسے تیر کا نشانہ بنا لیا جائے گا۔ عمروؓ بن عاص کا مطلب یہ تھا کہ رومیوں کو قبل از وقت اطلاع نہ پہنچ سکے کہ اسلامی لشکر آ رہا ہے اور اس کا رخ کس طرف ہے۔

عمروؓ بن عاص نے ان سرکردہ افراد سے یہ بھی کہا کہ لوگوں کو یقین دلا دیں کہ اب اس شہر کو اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی عملداری میں سمجھیں اور انہیں بتائیں کہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور اس لشکر کا کوئی ایک بھی فرد کسی گھر میں داخل نہیں ہو گا۔

تاریخ میں عمروؓ بن عاص کے لشکر کی اس پیش قدمی کا پورا راستہ بتایا گیا ہے جو دیکھو تو احساس ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین صحیح معنوں میں اللہ کے سرفروش تھے۔ وہ تو اتنی تھوڑی تعداد میں بڑے ہی طاقتور دشمن کے گھر میں داخل ہو چلے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دشمن کی تلواروں سے کٹتے دیکھا تھا لیکن ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کے چہرے پر گھبراہٹ یا خوف کا ذرا سا بھی تاثر ہو۔

مجدل سے بہت دور جا کر ایک [illegible] موجود ہے اور اس کا نام قنطرہ ہے۔ ہراول سے بہت آگے آگے جانے والے جاسوس بہت پہلے اس بستی تک پہنچ گئے اور ان میں سے ایک واپس آیا اور ہراول دستے کو بتایا کہ اس شہر جیسی بستی میں رومی فوج کی کچھ تعداد موجود ہے جو اتنی تھوڑی نہیں کہ بھاگ جائے گی۔

ہراول دستے کے سالار نے سپہ سالار کو اطلاع بھجوا دی اور خود اپنے دستے کو ساتھ لے کر بستی کو گھیرے میں لینے کے لئے چلا گیا۔

عمروؓ بن عاص کو اطلاع پہنچی تو انہوں نے درمیان والے دستوں میں سے ایک دستہ آگے بھیج دیا۔ یہ کوئی قلعہ بند شہر نہیں تھا۔

رومی فوجی شہر سے باہر آ گئے۔ مجاہدین ان پر حملہ آور ہوئے اور رومی فوجی کچھ تو کٹ مرے اور باقی بستی کے اندر چلے گئے۔ مجاہدین نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور سب کو ختم کر دیا۔ تاریخ میں اسے معمولی سی مزاحمت لکھا گیا ہے لیکن ہم اسے معمولی مزاحمت نہیں کہیں گے کیونکہ عمروؓ بن عاص نے کمک کے بغیر وہاں تک جا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ لشکر کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور وہ یوں سمجھیں کہ ایک شیر کے جبڑوں میں چلے گئے تھے۔ بزرگ صحابہ کرام اسی لئے امیرالمومنین سے کہتے تھے کہ عمروؓ بن عاص کو مصر پر لشکر کشی کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ یہ یقینی ہلاکت کا خطرہ بھی مول لے لیا کرتے ہیں۔

عمروؓ بن عاص اُس مقام تک پہنچ گئے تھے بلکہ آگے نکل گئے تھے جہاں سے واپسی ممکن ہی نہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایسے سپہ سالار تھے جو خطرے تو مول لے لیا کرتے تھے لیکن ہر پہلو پر غور کر لیتے اور ایک خطرے کے اندر چھپے ہوئے خطروں کو بھانپ اور ناپ تول لیا کرتے تھے۔ اب وہ جو بلبیس کی طرف جا رہے تھے تو ان کی نظر صرف بلبیس پر یا ان کے ذہن میں بلبیس کا محاصرہ ہی نہیں تھا بلکہ انہوں نے اور بھی بہت کچھ سوچ لیا تھا جو اپنے ماتحت سالاروں کو کچھ پہلے بتا دیا تھا اور باقی اب بتایا۔

"آگے کی بجائے اپنی نظریں پیچھے زیادہ رکھنا" — عمروؓ بن عاص نے بلبیس کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے اپنے سالاروں سے کہا تھا — "رومی اتنے بھی کم عقل نہیں کہ ایک شہر میں محصور ہو کر ہی لڑتے رہیں گے' وہ عقب سے یقیناً حملہ کریں گے۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ بلبیس کے اندر کی فوج ہمارا مقابلہ اس طرح نہیں کرے گی جس طرح فرما میں کیا تھا"۔

ایسی ہی کچھ اور ہدایات دے کر عمروؓ بن عاص نے پیش قدمی کا حکم دے دیا اور اسی شام بلبیس تک جا پہنچے اور رات ہی رات شہر کو محاصرے میں لے لیا۔ عمروؓ بن عاص جب شہر کے اردگرد محاصرے کو دیکھ رہے تھے تو وہ ہر سالار' عہدے دار اور ہر کماندار سے یہ کہتے گئے کہ یہ مت بھولنا کہ اب تمہارا مقابلہ روم کے بڑے ہی چالاک اور شاطر جرنیل اطربون سے ہے۔

O

عمروؓ بن عاص کو جاسوسوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اطربون بلبیس میں موجود نہیں۔

وہاں دو جرنیل تھے جن میں ایک نوشی کا باپ تھا جو فرما سے شکست کھا کر بھاگا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو بتادیا تھا اور کہا تھا کہ اب اور زیادہ چوکنے رہیں۔

اُس وقت مصر کا فرمانروا مقوقس اور اطربون کسی اور مقام پر تھے جس کا تاریخ میں نام نہیں آیا۔ یورپی مؤرخ ایلفریڈ بٹلر لکھتا ہے کہ جب مقوقس اور اطربون کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے بلبیس کا محاصرہ کر لیا ہے تو دونوں چونک اٹھے اور ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت اتفاق سے وہ اکٹھے بیٹھے اسی پلان پر باتیں کر رہے تھے جو انہوں نے مسلمانوں کو گھیر کر مارنے کے لئے تیار کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دونوں کو توقع ہی نہیں تھی کہ مسلمان اتنی تیزی سے ایسا دشوار گذار اور لمبا راستہ طے کر لیں گے۔

"ہم ابھی تیار نہیں" — مقوقس نے کہا — "ہمیں کوئی ایسی چال چلنی پڑے گی کہ وقت حاصل کریں اور مسلمانوں کو بلبیس کے باہر ہی الجھائے رکھیں"۔

"ہم بالکل تیار ہیں" — اطربون نے کہا — "ہم اب یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ مسلمان بلبیس پر بھی قابض ہو جائیں۔ میں اب انہیں مزید مہلت دینے کے حق میں نہیں"۔

"عریش اور فرما کے بعد میں انہیں بلبیس کسی قیمت پر نہیں لینے دوں گا" — مقوقس نے کہا — "لیکن ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ ہمیں کچھ وقت حاصل کرنا پڑے گا"۔

تاریخ کے مطابق' ان کے درمیان جتنی بھی گفتگو ہوئی اس میں یہ تاثر بڑا ہی واضح تھا کہ ان میں اختلافِ رائے ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی جھکنا نہیں چاہتا۔ مقوقس کی حیثیت اطربون سے اونچی تھی۔ مقوقس مصر کا فرمانروا تھا اور اطربون ایک جرنیل۔ آخر مقوقس کی مانی گئی۔ اس نے یہ تجویز پیش کی کہ پادریوں کا ایک وفد مسلمانوں کے سپہ سالار کی طرف بھیجا جائے جو یہ مذاکرات کریں کہ مسلمان مصر سے نکل جائیں اور بتائیں کہ وہ کن شرائط پر مصر سے نکلیں گے۔

اطربون نے کہا کہ وہ اگر یہ شرط پیش کر بیٹھے کہ انہوں نے مصر کا جو علاقہ فتح کر لیا ہے' وہ اپنی عمل داری میں رکھیں گے اور اس سے آگے پیش قدمی نہیں کریں گے تو کیا ہم مان لیں گے؟ اطربون نے یہ بھی کہا کہ مسلمان یہ شرط بھی پیش کر سکتے ہیں کہ بلبیس

انہیں دے دیا جائے۔

"میں انہیں مصر کی ایک بالشت زمین بھی نہیں دوں گا" — مقوقس نے کہا — "میں انہیں ایک چکر میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ مجھے پادریوں کا وفد ان کے پاس بھیج لینے دو۔ تم فوج تیار کرو.... اور اطربون! ان بدبخت قبطی عیسائیوں کو مت بھولو۔ میں ان کے اسقف بنیامین کو بھی اپنے جال میں لانے کی سوچ رہا ہوں"۔

آخر ان دونوں میں طے یہ پایا کہ پادریوں کا وفد مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس بھیجا جائے۔ اُسی وقت چار یا غالباً چھ بزرگ پادریوں کی طرف آدمی دوڑا دیئے گئے کہ وہ فوراً مقوقس کے پاس پہنچیں۔

ہرقل کی سرکاری عیسائیت کا اسقفِ اعظم قیرس تھا۔ اگر پادریوں کا ہی وفد بھیجنا تھا تو اس میں قیرس کی شمولیت لازمی تھی لیکن قیرس کو نہ بلایا گیا۔ تاریخ میں ایسے کچھ اشارے ملتے ہیں کہ ہرقل اور قیرس میں کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اُس وقت قیرس سکندریہ میں تھا۔ ہرقل ابھی تک بزنطیہ میں بیٹھا حکم بھیج رہا تھا جو مقوقس اور اطربون کے لئے محض بے کار اور بے بنیاد تھے۔

مقوقس کے متعلق ہم ایک بات دوہرانا چاہیں گے۔ یہ بات پوری تفصیل سے اس داستان کے آٹھویں باب میں پیش کی گئی ہے۔ بات یہ تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مقوقس کو قبولِ اسلام کے لئے ایک پیغام بھیجا تھا جو حضرت حاطبؓ لے کر گئے تھے۔ مقوقس نے اس پیغام کا جواب خلافِ توقع نہایت احترام سے دیا تھا۔

اس نے حضرت حاطبؓ کے ساتھ جو باتیں کی تھیں ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ آنحضورؐ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے پیشین گوئی کی تھی کہ آنحضورؐ کی زندگی کے بعد مسلمان مصر کے میدان پر قابض ہو جائیں گے۔

یہاں یہ واقعہ دوہرانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لئے دو نوخیز لڑکیاں تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ ان میں سے ایک (حضرت ماریہؓ) آنحضورؐ کی ازواجِ مطہرات میں شامل ہوئی تھیں۔ آنحضورؐ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ قبطیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک روا رکھنا کیونکہ ان کے ساتھ تمہاری رشتہ داری بن گئی ہے۔

محاصرے کا ساتواں آٹھواں روز تھا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اطلاع دی گئی کہ

مصری پادریوں کا ایک وفد ان سے ملنے آیا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے وفد کو اسی وقت خیمے میں بلوالیا اور احترام سے وفد کا استقبال کیا۔ چونکہ یہ وفد مذہبی پیشواؤں کا تھا اس لئے وفد کے لیڈر نے مذہب کے حوالے سے بات کی اور امن و امان اور بنی نوع انسان سے محبت کرنے کے موضوع پر وعظ دے ڈالا۔

عمروؓ بن عاص نے یہ وعظ تحمل اور بردباری سے سنا اور کہا کہ ان کا اپنا مذہب یہی تعلیم دیتا ہے لیکن وہ بتائیں کہ ان کے آنے کا مقصد کیا ہے۔ پادری نے وہ بات کہی جو مقوقس نے اسے بتائی تھی۔ یعنی یہ کہ مسلمان یہیں سے واپس اپنے ملک میں چلے جائیں اور اگر ان کی کوئی شرط ہے تو وہ بتائیں۔

"میری اپنی کوئی ذاتی شرط نہیں" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "ہم اپنے مذہب کے اصولوں کے پابند ہیں اس لئے میں وہ شرط پیش کروں گا جو اسلام نے ہمیں بتائی ہے .... اسلامی اصول یہ ہے کہ میں آپ کو اور آپ کے حکمرانوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جتنے بھی لوگ اسلام قبول کرلیں گے ان میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ وہ ہماری قوم کے افراد ہوں گے۔ اسلام نے بنی نوع انسان میں مساوات قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا اور لوگ رعایا نہیں کہلاتے۔ آپ کے جو لوگ اسلام قبول نہیں کریں گے' ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا لیکن ان سے ہم جزیہ وصول کریں گے۔ ان کے ساتھ بھی ہمارا سلوک اور رویّہ ویسا ہی ہو گا جیسا مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام قبول نہ کرنے والوں کے بھی مال و اموال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار ہم ہوں گے اور ان کی تمام ضروریات ہم پوری کریں گے"۔

یہ بات قابلِ فہم ہے کہ وفد نے یہ شرط قبول نہ کی اور عمروؓ بن عاص کو قائل کرنے لگے کہ وہ خونریزی یہیں روک دیں اور واپس چلے جائیں۔ مقوقس کے کہنے کے مطابق پادریوں نے کچھ زر و جواہرات کی پیشکش بھی کی لیکن عمروؓ بن عاص نے کہا کہ اسلام کے جذبۂ جہاد میں ہوسِ ملک گیری نہیں ہوتی نہ شاہی خزانوں کے ہاتھ آنے کے خواب دیکھے جاتے ہیں۔

عمروؓ بن عاص جانتے تھے کہ یہ مذاکرات کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ کسی بھی قیمت پر وہ مقوقس کی یہ شرط نہیں مان سکتے تھے کہ مسلمان مصر سے نکل جائیں۔ عمروؓ

بن عاص نے از راہِ مذاق پادریوں کے وفد سے کہا کہ ان کی مصریوں کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے اس لئے مصر پر عربوں کا خاصا حق ہے۔

پادری سمجھ گئے کہ اس مسلمان سپہ سالار کا اشارہ کس طرف ہے۔ اشارہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر گئے تھے تو مصر کے بادشاہ نے انہیں ایک لڑکی پیش کی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کرلی اور اس کا نام ہاجرہ رکھا تھا۔ ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ پھر اس رشتے کا اشارہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف بھی تھا۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مقوقس نے آنحضور کو دو لڑکیوں کا تحفہ بھیجا تھا جن میں سے ایک آنحضورؐ کی زوجہ بنی۔

"ہم یہ رشتہ داری نہیں بھول سکتے" ــــ وفد کے بڑے پادری نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ "لیکن اس قسم کی رشتہ داری کو صرف کوئی پیغمبر ہی زندہ کر سکتا ہے"۔

"کیا ہم ایک دوسرے کا وقت ضائع نہیں کر رہے؟" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "ہماری بات چیت یہاں پر ختم ہوتی ہے کہ ہم کسی بھی شرط پر مصر سے واپس نہیں جائیں گے۔ مسلمان جانے کے لئے نہیں آئے' ایک پیغام لائے ہیں جو انہیں قبول ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہو گا"۔

عمروؓ بن عاص نے اس سے آگے کوئی اور بات سننے یا کہنے سے انکار کر دیا۔ مقوقس نے اس وفد سے کہا تھا کہ وہ کچھ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ پوری فوج کو تیار کرکے مسلمانوں کو گھیرا جائے۔

"ہمیں کچھ وقت دیں" ــــ وفد کے لیڈر نے کہا ــــ "میں فرمانروائے مصر کے ساتھ بات کرلوں اور پھر آپ کو جواب دینے آؤں گا"۔

"یہ بھی سوچ لینا" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "مجھے دھوکہ نہیں دے سکو گے۔ میں صرف تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ مجھے اسلام کی شرط کے مطابق جواب نہ ملا تو وہ خونریزی ہو گی جسے آپ روکنا چاہتے ہیں"۔

تاریخ میں آیا ہے کہ اس گفت و شنید کے بعد پادریوں نے مہلت میں اضافے کی درخواست کی۔ وہ زیادہ دنوں کی مہلت چاہتے تھے لیکن عمروؓ بن عاص نے تین کی بجائے مہلت پانچ دن کردی.... پادری پھر آنے کا وعدہ کرکے چلے گئے۔

پادریوں کا وفد واپس مقوقس سے جاکر ملا اور اسے بتایا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار

کے ساتھ کیا مذاکرات ہوئے ہیں۔ مقوقس بہت زیادہ دنوں کی مہلت کی توقع رکھتا تھا لیکن پادریوں نے اسے بتایا کہ سپہ سالار پانچ دنوں سے زیادہ مہلت دینے پر راضی نہیں ہُوا تو مقوقس گہری سوچ میں کھو گیا۔

"میرے لئے پانچ دن بہت ہیں" — اطربون نے بڑی جوشیلی آواز میں کہا — "میں ان پانچ دنوں میں اچھی خاصی فوج تیار کرلوں گا اور مسلمانوں پر حملہ کروں گا۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو پسپا کر کے ہی دم لوں گا"۔

بلبیس کے محصور لوگوں کے متعلق ایک اطلاع مقوقس کو پہنچی۔ وہ یہ تھی کہ اندر لوگ بہت پریشان ہیں۔ ان کے حوصلے ٹوٹ چکے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کرلیا جائے۔

بلبیس میں وہ لوگ بھی تھے جو عریش اور فرما سے بھاگ کر یہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ مسلمانوں نے ان کی فوج کو کس طرح کاٹا اور بھگایا تھا۔ ایک طرف تو ان لوگوں پر مسلمانوں کی دہشت طاری تھی اور اس کے ساتھ ہی عریش اور فرما سے آئے ہوئے لوگ بلبیس کے لوگوں کو بتاتے تھے کہ اپنی فوج کو لڑنے نہ دیں اور اگر فوج لڑتی ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہ کریں۔ وہ اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ مسلمان شہریوں کے لئے ذرا سی بھی پریشانی پیدا نہیں کرتے بلکہ ان کے جان و مال اور عزت آبرو کی حفاظت کرتے ہیں لیکن شہری اگر اپنی فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور انہیں جانی نقصان پہنچائیں تو پھر مسلمانوں کی شرائط بڑی سخت ہوتی ہیں۔

مقوقس نے دو پادریوں کو یہ کہہ کر بلبیس بھیجا کہ وہ اندر جا کر لوگوں کو بتائیں کہ وہ ڈریں نہیں اور ان کے امن و امان کی ضمانت فرمانروائے مصر اپنے ذمے لیتا ہے اور یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مار بھگائے گا.... پادری گئے اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص سے ملے اور شہر کے اندر جانے کی اجازت چاہی۔

عمروؓ بن عاص نے ان سے پوچھا کہ اندر جانے سے ان کا مقصد کیا ہے۔ پادریوں نے یہ جھوٹ بولا کہ وہ لوگوں کو قائل کرنے جا رہے ہیں کہ اسلام قبول کرلیں تو وہ عافیت سے رہیں گے۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں اجازت دے دی۔ دونوں پادری شہر کے بڑے دروازے تک گئے اور ان کے لئے دروازہ ذرا سا کھلا' دونوں اندر گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

پادریوں کو توقع تھی کہ وہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کریں گے تو لوگ اپنی فوج کے شانہ بشانہ شہر کے دفاع میں لڑیں گے لیکن انہوں نے لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے یہ بات شروع ہی کی تھی کہ لوگوں نے شور و غل بپا کر دیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ بعض آوازیں ایسی بھی آئیں جن میں رومی فوج کے خلاف طنز اور ناپسندیدگی تھی۔ یہ آوازیں کہتی تھیں کہ اپنی فوج نے مسلمانوں کو روکا ہی کہاں ہے۔ یہ فوج پورا ملک شام مسلمانوں کو دے آئی ہے اور اب مسلمانوں نے اس فوج کو لہولہان کر کے اس سے مصر کے دو قلعے لے لئے ہیں۔

پادریوں نے لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانے کی بہت کوشش کی کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی شہر چھوٹا یا بڑا' بغیر لڑے دشمن کے حوالے کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی فوج کو لڑنے کا موقع دیں اور اس فوج کی پشت پناہی کریں تاکہ مسلمانوں کو مار بھگایا جائے لیکن لوگوں کا شور و غل روکا نہ جاسکا اور یہ بات طے شدہ سمجھ لی گئی کہ شہر کے لوگ اپنی فوج کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں۔

پادریوں نے واپس جا کر جب مقوقس اور اطربون کو بتایا کہ بلبیس شہر کے لوگوں کا ردِ عمل اور ان کا مطالبہ کیا ہے تو اطربون بھڑک اٹھا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی فوج کو اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ مقوقس نے پھر بھی اطربون کو روکا اور کہا کہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی کہ مسلمانوں کو واپس جانے پر آمادہ کر لیا جائے گا۔ اطربون خاموش رہا لیکن اس کی خاموشی بتاتی تھی کہ وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔

اطربون تاریخ کا ایک نامور جرنیل تھا۔ اس نے مقوقس سے حکم لئے بغیر اور اسے بتائے بغیر بارہ ہزار نفری کی فوج تیار کر لی اور ایک روز بلبیس کی طرف کُوچ کر گیا۔ مقوقس کو پتہ چلا لیکن اس نے اطربون کو روکنے کی جرأت نہ کی۔ بلبیس وہاں سے کوئی زیادہ دور نہیں تھا۔



ایک صبح فجر کی اذان دی جاچکی تھی اور مجاہدین کا لشکر نماز کی تیاری کر رہا تھا کہ ہزاروں دوڑتے گھوڑوں کا طوفان آگیا۔ یہ اطربون کی بارہ ہزار گھوڑ سواروں کی فوج تھی جو مجاہدین پر عقب سے حملے کے لئے آگئی تھی۔ اطربون نے وقت بڑا اچھا دیکھا

تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت مسلمان نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں گے یا نماز کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔ اس نے ٹھیک سوچا تھا کہ مسلمان حملہ روکنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور جتنی دیر میں وہ تیار ہوتے ہیں اتنی دیر میں اس کے بارہ ہزار گھوڑ سوار ان پر غالب آجائیں گے اور انہیں ان کے خون میں ڈبو دیں گے۔

اطربون نے مجاہدین کو بے خبری میں آلینے میں کوئی کسر چھوڑی تو نہیں تھی لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں اور دیگر ذمہ دار افراد کو پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ عقب سے یا پہلوؤں سے ان پر حملہ ضرور ہو گا اور وہ ہروقت چوکنّے اور تیار رہیں۔ اطربون کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مجاہدین کو خاص طور پر حکم دیا گیا تھا کہ نماز کے وقت اپنی تلواریں' برچھیاں' کمانیں اور ترکش اپنے ساتھ رکھا کریں اور گھوڑے ہروقت تیار رہیں۔ عمروؓ بن عاص وہ سپہ سالار تھے جو ایسا لگتا تھا جیسے ہوا میں دشمن کی بُو پا لیتے ہیں اور اس بُو سے دشمن کے ارادے بھانپ لیتے ہیں۔

بدّوؤں کو ملا کر مجاہدین کی تعداد پانچ ہزار سے ذرا ہی زیادہ تھی۔ فرما میں مجاہدین کی شہادت کچھ زیادہ ہی ہوئی تھی اور شدید زخمیوں کی بھی کمی نہ تھی جو بلبیس میں لڑنے کے قابل نہیں تھے اور بدّو نا تجربہ کاری کی وجہ سے خاصی تعداد میں مارے گئے تھے۔ اتنے جانی نقصان کے بعد بدّوؤں کا حوصلہ ٹوٹ جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ ہُوا بلکہ ان کے حوصلے میں پہلے سے زیادہ تازگی اور غضب پیدا ہو گیا۔ فرما کے مالِ غنیمت میں سے ہر بدّو کو اتنا حصہ دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے خلوص اور فیاضی کے متعلق ان کے دلوں میں ذرا سا بھی شک نہیں رہا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ دشمن کی تعداد کتنی ہے اور اس میں سوار کتنے اور پیادے کتنے ہیں۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ رومیوں کی یہ ساری فوج گھوڑ سوار ہے۔ اس اچانک حملے کے لئے عمروؓ بن عاص نے پہلے ہی ہدایات دے رکھی تھیں اور یہ بھی بتا رکھا تھا کہ حملے کی صورت میں لشکر کی ترتیب کیا ہو گی اور کون سے دستے محفوظہ (ریزرو) میں ہوں گے۔ اب وہ اچانک حملہ آ گیا تھا جو مجاہدین کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ ہر کوئی پلک جھپکتے اپنے اپنے ہتھیار سے مسلح ہو گیا اور سوار دوڑتے ہوئے گئے اور گھوڑوں کی پیٹھوں پر جا چڑھے اور اُس

ترتیب میں ہو گئے جو انہیں پہلے ہی بتا دی گئی تھی۔ سالاروں کو اس معاملے میں ذرا سی بھی مشکل پیش نہ آئی۔

عمروؓ بن عاص نے ایک بندوست اور بھی کر رکھا تھا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ عقب سے حملہ ہُوا تو ہو سکتا ہے شہر کے اندر سے بھی فوج باہر آجائے اور اس صورت میں مجاہدین کا لشکر گھیرے میں آجائے گا اور پھر بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ عمروؓ بن عاص نے ریزرو دستے کو یہ ہدایت پہلے ہی دے دی تھی کہ ایسی صورت پیدا ہو گئی تو آدھی ریزرو فورس فوراً شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ عمروؓ بن عاص کو یہ توقع تھی کہ لشکر کی کچھ ہی تعداد شہر میں چلی گئی تو اندر ایسی بدامنی اور افراتفری پیدا ہو جائے گی کہ رومی لڑنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اطربون کی بارہ ہزار سوار فوج مجاہدین پر جب آن پڑی تو وہ دیکھ نہ سکا کہ مجاہدین کی خاصی تعداد دائیں اور بائیں کی طرف نکل گئی ہے۔ ابھی سحر کی تاریکی تھی۔ معرکہ تو بڑا گھمسان کا تھا اور نظر یہی آتا تھا کہ اتنی زیادہ فوج مجاہدین کو کاٹ پھینکے گی لیکن اطربون گھوڑ سواروں پر دائیں اور بائیں پہلوؤں سے بیک وقت حملے ہو گئے۔ اس طرح رومیوں کے حملے کی جو شدت تھی وہ وہیں ختم ہو گئی اور سواروں کو جان کے لالے پڑ گئے۔

تعداد کے تناسب کو دیکھا جاتا تو شکست مجاہدین کے حصے میں آتی تھی لیکن جو جذبہ مجاہدین میں تھا وہ رومیوں میں کم ہی دیکھنے میں آتا تھا۔ مجاہدین کو احساس تھا کہ انہیں تعداد کی کمی جذبے اور حوصلے کے استحکام سے پوری کرنی ہے اور پھر یہ اعتقاد کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔

عمروؓ بن عاص دیکھتے رہے کہ ابھی شہر کے دروازے کھلیں گے اور اندر کی فوج باہر آئے گی یا ہو سکتا اطربون کی فوج اندر جانا چاہے لیکن کوئی دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔

عمروؓ بن عاص اور دیگر سالاروں نے صورتِ حال کو اپنے قابو میں کر لیا اور قدم جما لئے۔ مجاہدین کے نعروں میں ایسا جوش و خروش تھا جو رومی سواروں پر بُری طرح اثرانداز ہو رہا تھا۔ دن آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ رومی پیچھے ہٹنے لگے۔ عمروؓ بن عاص نے فوراً اپنے ماتحت سالاروں کو پیغام بھیجے کہ پیچھے ہٹتے ہوئے رومیوں کے تعاقب میں نہ جائیں۔ کچھ دیر بعد اطربون کی یہ فوج لاشوں کی اچھی خاصی تعداد اور زخمی چھوڑ کر

پیچھے ہٹ گئی اور مجاہدین کو پھر ترتیب میں کر لیا گیا۔

○

باقی دن لاشیں اٹھانے میں گزر گیا اور جو شدید زخمی تھے انہیں بھی اٹھا کر لے آئے اور لشکر کے ساتھ جو خواتین تھیں انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال شروع کر دی۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے جاسوس یہ دیکھنے کے لئے بھیج دیئے کہ اطربون کی فوج کہاں ہے۔ میدانِ جنگ میں صاف نظر آ رہا تھا کہ رومیوں کی اموات خاصی زیادہ ہوئی ہیں۔

شام کے بعد جاسوسوں نے بتایا کہ تین چار میل دُور اطربون کی فوج نے پڑاؤ کر لیا ہے اور خیمے بھی لگا لئے ہیں۔ عمروؓ بن عاص نے اُسی رات کے لئے ایک اور بندوبست کر لیا جو یہ تھا کہ شب خون مارنے والے جانبازوں کا ایک دستہ تیار کیا جس کی نفری چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔

آدھی رات کے بعد دن بھر کے تھکے ہوئے رومی سوار خیموں میں بڑی گہری نیند سو رہے تھے کہ ان پر آگ برسنے لگی۔ یہ ایک طرح کی مشعلیں تھیں جو شب خون مارنے والے مجاہدین دوڑتے گھوڑوں سے رومیوں کے خیموں پر پھینک رہے تھے۔ یہ صرف چالیس پچاس جانبازوں کا شب خون تھا۔ رومی اپنے گھوڑوں کو خشک گھاس کھلایا کرتے تھے جو وہ ساتھ لائے تھے۔ کسی جانباز نے ایک مشعل گھاس کے درمیان پھینک دی اور خشک گھاس جل اٹھی۔ یہ آگ بڑی تیزی سے پھیلنے لگی۔

گھوڑوں نے قیامت کا شور و غل بپا کر دیا اور وہ رسّیاں تڑا تڑا کر بھاگنے لگے۔ ادھر خیمے تو چند ایک ہی جلے تھے لیکن سارے لشکر میں اودھم بپا ہو گیا۔ مشعلیں کوئی زیادہ نہیں پھینکی گئی تھیں' چند ایک ہی تھیں لیکن رات کو خیموں اور خشک گھاس کے اٹھتے شعلوں نے بڑا ہی دہشت ناک منظر بنا دیا تھا۔ جانبازوں نے رومیوں کو نیند سے جاگ کر خیموں سے نکلتے اور بھاگتے دوڑتے دیکھا تو سرپٹ گھوڑے دوڑاتے دو دو تین تین رومیوں کو برچھیوں اور تلواروں سے گھائل کرتے دوڑتے ہی چلے گئے اور اس طرح رومیوں کا خاصا نقصان کر کے واپس آ گئے۔

عمروؓ بن عاص نے جانبازوں کا ایک پورا دستہ تیار کر رکھا تھا جسے آگ پھیلانے اور شب خون مارنے کی خاص طور پر ٹریننگ دی گئی تھی۔

اگلے روز اطربون حملہ کرنے کے قابل نہ رہا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس شب خون میں رومیوں کا جانی نقصان کوئی ایسا زیادہ تو نہ تھا کہ وہ اگلے روز حملے کرنے کے قابل نہ رہتے لیکن ہُوا یہ کہ اطربون کی ساری فوج پر مسلمانوں کی ایسی دہشت نظر آتی تھی جسے اطربون نے خاص طور پر محسوس کیا اور اس روز حملہ ملتوی کر دیا۔

عمروؓ بن عاص نے بلبیس کے محاصرے کو برقرار رکھا اور نظر رکھی کہ کوئی دروازہ کھلے گا اور فوج باہر آئے گی لیکن ایسا نہ ہُوا۔ عمروؓ بن عاص نے شہر پر حملے کی ذرا سی بھی کارروائی نہ کی۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ لڑائی اطربون کی سوار فوج کے ساتھ جاری رہے گی اور اس کے بعد شہر کی فوج باہر آئے گی یا کوئی اور صورتِ حال پیدا ہو گی۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بلبیس کی یہ لڑائی پورا ایک مہینہ جاری رہی۔ اس کا انداز ایسا ہی رہا جیسا پہلے روز تھا۔ اطربون اپنے سواروں سے حملہ آور ہوتا تھا اور مسلمان نہایت اچھی ترتیب میں آ کر اس لشکر کا مقابلہ کرتے اور پہلوؤں سے اس پر حملہ آور ہو کر اس کا اچھا خاصا جانی نقصان کر دیتے۔

عمروؓ بن عاص نے دو دو چار چار راتوں کے وقفے سے رومیوں کے کیمپ پر شب خونوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ رومی رات کو پہرہ تو بہت کڑا کرتے تھے لیکن شب خون مارنے والے جانباز پھر بھی اپنا کام کر آتے تھے۔ اس طرح رومیوں کو خاصا نقصان پہنچتا رہا اور ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہُوا کہ رومی سواروں کے حوصلے مجروح ہو گئے اور ان میں جوش و خروش بہت ہی کم رہ گیا۔

○

مدینہ میں کمک تیار ہو کر بمشکل چلی ہی تھی۔ یہ کمک بلبیس کی لڑائی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسے پہنچتے ایک مہینہ بھی لگ سکتا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اللہ کی آس پر لڑائی جاری رکھی۔ رومیوں کا جانی نقصان تو بہت ہُوا تھا لیکن مجاہدین کا اور بدّوؤں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ بدّوؤں کا حوصلہ قائم تھا اور مجاہدین کے جوش و خروش اور ایمان کی قوّت میں ذرا سی بھی کمزوری نہیں آئی تھی۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جسم تو جیسے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے لیکن روحیں تر و تازہ تھیں اور وہ روحانی قوّت سے لڑ رہے تھے۔

اطربون کو یہ سہولت حاصل تھی کہ اسے کمک مل سکتی تھی لیکن اس سوال کا جواب کسی مؤرخ نے نہیں دیا کہ اس نے کمک کیوں نہ منگوائی یا مقوقس نے کمک کیوں نہ بھیجی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ بلبیس شہر کے اندر فوج موجود تھی جو ابھی تک لڑائی میں شامل نہیں ہوئی تھی اور تازہ دم تھی۔

مورخوں نے بلبیس کی اس لڑائی کو بہت ہی خونریز لڑائی لکھا ہے۔ مجاہدین کا لشکر شہیدوں اور زخمیوں کی وجہ سے بڑی تیزی سے خطرناک حد تک کم ہوتا جا رہا تھا لیکن عمروؓ بن عاص یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مہینے کے آخر میں رومی سواروں کا جو حملہ آیا اس میں جوش و خروش بھی کم تھا اور تعداد بھی کم تھی اور اطربون اپنی فوج کے سب سے آگے تھے۔

شب خون مارنے والے مجاہدین نے اطربون کا پرچم دیکھ لیا۔ اطربون اکیلا نہیں تھا بلکہ اپنے گھوڑ سوار محافظوں کے حصار میں تھا۔ تاریخ میں ان چار جانباز مجاہدین کے نام نہیں ملتے جنھوں نے اللہ کا نام لے کر عزم کر لیا کہ آج اطربون کو گرا لیں گے، اگر وہ بچ نکلا تو اس کا پرچم تو ضرور ہی گرائیں گے۔ وہ چاروں اطربون کے گھوڑ سوار محافظوں کے حصار تک جا پہنچے اور بڑی ہی بے جگری سے محافظوں سے لڑے اور ان میں سے تین مجاہدین شہید ہو گئے لیکن چوتھے مجاہد نے زخمی ہو کر بھی اطربون کو جا لیا اور ایک ہی وار میں اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی گھوڑے سے گرا اور شہید ہو گیا۔

اُدھر بلبیس شہر کے دو تین دروازے کھل گئے اور اندر والی رومی فوج باہر آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی باہر والی رومی فوج میں ایک آواز جو بڑی ہی بلند تھی ساری فوج میں گھوم گئی — "اطربون مارا گیا ہے..... اطربون کا پرچم گر پڑا ہے"۔

رومی فوج شاید اسی آواز کے انتظار میں تھی۔ رومیوں کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ یہ آواز بلبیس سے باہر آنے والی فوج نے بھی سن لی۔ مجاہدین کے حوصلے تو اس طرح اور بلند ہو گئے جیسے آگ مزید بھڑک اٹھی ہو۔ انہوں نے اللہ کے اور فتح کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

عمروؓ بن عاص نے ریزرو دستے کو پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ جونہی شہر کے دروازے کھلیں یہ دستہ دروازوں پر ٹوٹ پڑے اور اندر چلا جائے۔ اس دستے نے اس

حکم پر عمل کیا اور مجاہدین کی خاصی نفری لڑتی لڑتی شہر میں داخل ہو گئی۔

اُدھر رومی سوار سرپٹ بھاگ اٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر بلبیس کی جو فوج باہر آئی تھی وہ بھی شہر کے اندر آنے کی بجائے بڑی بُری تتر بتر ہو کر گھوڑ سواروں کے پیچھے دوڑتی چلی گئی۔

مجاہدین کا لشکر شہر میں داخل ہو گیا اور شہر کے اندر (تاریخ کے مطابق) تین ہزار اچھے بھلے رومی فوجیوں نے مجاہدین آگے ہتھیار ڈال دیئے اور قید قبول کر لی۔ باہر اطربون کی لاش اٹھانے والا بھی کوئی نہ تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اطربون کوئی عام سی قسم کا جرنیل نہ تھا۔ اس کی جنگی فہم و فراست اور دشمن کو دھوکہ دینے کی صلاحیت، میدانِ جنگ میں مکاری اور چالبازی کو تاریخ آج بھی یاد کرتی ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ بھی اطربون کی ان پُرخطر خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔

جب فلسطین میں رومی اور مسلمان برسرِپیکار تھے تو اُس وقت بیت المقدس کو مسلمانوں سے بچائے رکھنے کی ذمہ داری اطربون کے سپرد تھی۔ ہرقل کہا کرتا تھا کہ اطربون ہے تو فلسطین بھی اپنا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کرنے کے لئے عمروؓ بن عاص کو بھیجا تھا۔ امیرالمومنین اس سپہ سالار کی خوبیوں اور صلاحیت سے آگاہ تھے اور انہیں توقع تھی کہ اطربون کا مقابلہ صرف عمروؓ بن عاص کر سکتے ہیں۔ انہوں نے جب عمروؓ بن عاص کو اطربون کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا تو یہ تاریخی الفاظ کہے تھے — "میں نے عرب کے اطربون کو روم کے اطربون سے ٹکرا دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس کا کیا نتیجہ سامنے آتا ہے"۔

اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا تھا کہ عمروؓ بن عاص نے بیت المقدس فتح کر لیا اور اطربون بھاگ گیا تھا۔

اب روم کا وہی اطربون عمروؓ بن عاص کے جانبازوں کے ہاتھوں مارا گیا اور بلبیس کی فتح نے عرب کے اطربون کے قدم چومے۔

سلطنتِ روم کا بادشاہ ہرقل جو اپنے دَور میں طاقت اور دہشت کا ایک نام تھا بزنطیہ میں بیٹھا تھا۔ بزنطیہ (آج کا استنبول) مصر سے بہت دور تھا۔ درمیان میں وسیع و عریض بحیرۂ روم حائل تھا اور خاصا فاصلہ خشکی کا بھی تھا۔ اس مخدوش صورتِ حال میں جو مسلمانوں نے اس کے لئے مصر میں پیدا کر دی تھی' اسے مصر میں ہونا چاہئے تھا لیکن وہ بزنطیہ میں بیٹھا مقوقس کے نام حکم بھیج رہا تھا۔

ابھی اسے یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ عمروؓ بن عاص کے لشکر نے بلبیس کا مضبوط قلعہ بھی فتح کر لیا ہے اور روم کا نامور جرنیل اطربون مارا گیا ہے۔ کچھ دن پہلے اس تک ابھی یہ اطلاع پہنچی تھی کہ مسلمانوں نے فرما فتح کر لیا ہے۔ اس اطلاع نے اسے آگ بگولہ کر دیا تھا۔ اس نے مقوقس اور اطربون کے نام ایک پیغام لکھا اور اُسی وقت قاصد کو روانہ کر دیا تھا۔

"اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ مصر مسلمانوں کو دے ہی دینا ہے تو فوراً دے دو" — ہرقل نے پیغام میں لکھا — "اپنی فوج کو کیوں مرواتے ہو' تم نے شکست قبول ہی کر لی ہے تو یہ خون خرابہ بند کر دو۔ شاید تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے درمیان میرے اپنے جاسوس موجود ہیں جو مجھے ہر خبر اور ہر اطلاع بھیج رہے ہیں۔ تم نے مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس پادریوں کا وفد بھیج کر کوئی اچھا اقدام نہیں کیا۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ تم اپنی کمزوری کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہیں یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ مسلمان تعداد میں کتنے تھوڑے ہیں اور وہ اپنے وطن سے بہت دور ہیں جہاں سے انہیں رسد اور کمک بروقت نہیں پہنچ سکتی۔ دوسری طرف تم یہ سوچے بیٹھے ہو کہ مسلمان اور آگے آ جائیں اور تم انہیں گھیر کر ختم کر دو لیکن مسلمان قلعے فتح کرتے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں

نے مصر کے بدوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ یہ تمہاری نااہلی ہے....

"میں جانتا ہوں تم قبطی عیسائی ہو اور قیرس کو اسقفِ اعظم نہیں مانتے۔ میں تمہارے اس اعتقاد کو قبول کر لیتا ہوں لیکن یہ قبول نہیں کروں گا کہ تم سلطنتِ روم کی عظمت کو بھول جاؤ اور اپنی ہی سلطنت سے بے وفائی کرو۔ اطربون اور تھیوڈور جیسے جرنیل تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے لیکن تمہارا ان سے اختلاف ہے۔ اطربون لڑنا چاہتا ہے اور تم مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کرنے کے خواہشمند ہو۔ مجھے قیرس کی وفاداری پر بھی شک ہے۔ میں نے اسے اسقفِ اعظم بنایا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا روّیہ اور اپنی سوچیں تبدیل کر لو۔ اگر مجھے تمہاری طرف سے اطمینان نہ ہُوا تو میں مصر آ جاؤں گا پھر میں تمہیں یہ حق بھی نہیں دوں گا کہ اپنی صفائی میں کچھ کہو۔ اطربون کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو اور اسے مسلمانوں کے مقابلے میں جانے دو۔ اب میں کسی اچھی خبر کا انتظار کروں گا"۔

○

تاریخ یہ داستان اس طرح سناتی ہے کہ ہرقل کا یہ پیغام اُس وقت مقوقس کے ہاتھ میں پہنچا جب اس کے سامنے اطربون کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ لاش کچھ ہی دیر پہلے اس کے پاس پہنچی تھی۔ اُس وقت مقوقس بابلیون میں تھا جو بلبیس سے آگے ایک بڑا ہی مضبوط اور رومیوں کے دعوے کے مطابق ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا.... اُس دَور میں یہ رواج تھا کہ کوئی جرنیل لڑائی میں مارا جاتا تو سربراہِ سلطنت حکم دیتا تھا کہ اس جرنیل کی لاش لائی جائے۔ جرنیل کی لاش کا میدانِ جنگ میں پڑا رہنا پوری سلطنت کی توہین سمجھا جاتا تھا۔ مقوقس نے اپنی شکست خوردہ فوج کو ایسا حکم نہیں دیا تھا کہ اطربون کی لاش اٹھا کر لے آئیں۔ شکست کھا کر بھاگنے والے فوجیوں کے تو ہوش ہی ٹھکانے نہیں تھے کہ وہ اپنے جرنیل کی لاش اٹھا لاتے۔ انہیں تو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

پھر اس رومی جرنیل کی لاش مقوقس کے پاس کس طرح پہنچ گئی؟

یہ مسلمانوں کی طنز کا ایک انداز تھا۔ مسلمانوں نے رومیوں کا مذاق اُڑایا تھا.... بلبیس سے رومی فوج جس طرح بوکھلا کر اور تتر بتر ہو کر بھاگی تھی' اس حالت میں کسی کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے کہ وہ یہ بھی دیکھتے کہ روم کے اتنے نامور جرنیل کی لاش

کہاں پڑی ہے اور کیا وہ واقعی مارا گیا ہے یا یہ شوروغل مسلمانوں نے دھوکہ دینے کے لئے بپا کر دیا تھا کہ اطربون کا پرچم گر پڑا ہے اور وہ مارا گیا ہے۔ لڑائی ختم ہونے کے فوراً بعد میدانِ جنگ کی کیفیت بھگدڑ اور نفسانفسی کے عالم جیسی ہو جاتی تھی۔ گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد میں کچھ دُور تک نظر کام نہیں کرتی تھی۔ بھاگنے والے لاشوں اور بے ہوش زخمیوں سے ٹھوکریں کھاتے اور گرتے تھے۔ زمین خون سے اس طرح لال ہو جاتی تھی جیسے خون کا مینہ برسا ہو۔ زخمیوں کا کراہنا جگر پاش ہوتا تھا۔ دوست اور دشمن کی تمیز ختم ہو جاتی تھی۔ شہریوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا الگ ہوتی تھی۔ وہ بھاگ بھی رہے ہوتے اور اُن عزیزوں کو بھی ڈھونڈتے پھرتے تھے جو لڑائی میں شامل تھے۔

اطربون کی لاش اس طرح ملی کہ مجاہدین کی بیویاں، بہنیں یا بیٹیاں جو لشکر کے ساتھ تھیں، رومی فوج کی پسپائی کے فوراً بعد میدانِ جنگ میں دوڑتی ہوئی پھیل گئیں۔ زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر پیچھے لانے، انہیں مرہم پٹی کی جگہ تک پہنچانے اور پانی پلانے کی ذمہ داری ان خواتین نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ یہ مسلمانوں کا دستور بھی تھا۔ ان خواتین میں شارینا بھی تھی جو اپنے خاوند حدید کے ساتھ تھی اور اَینی بھی تھی جو فہد بن سامر کی بیوی تھی۔ پہلے تفصیلی ذکر آ چکا ہے کہ حدید اور فہد بن سامر تجربہ کار جاسوس تھے اور آج کے کمانڈو آپریشن کا تجربہ بھی رکھتے تھے۔

شارینا اپنے زخمیوں کو رومیوں کی لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اسے ایک رومی کی لاش کا چہرہ شناسا معلوم ہُوا۔ لباس سے وہ کوئی سپاہی نہیں بلکہ اونچے رُتبے والا جرنیل لگتا تھا۔ لاش کا چہرہ خون اور مٹی سے لتھڑا ہُوا تھا۔ شارینا کو اس لاش کے ساتھ یہ دلچسپی تھی کہ وہ ہرقل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی، اس لئے رومی فوج کے جرنیلوں سے واقف تھی۔ اس نے لاش کے کپڑوں سے ہی لاش کے چہرے سے خون اور مٹی ہٹائی تو چونک کر پیچھے ہٹ گئی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو کہ یہ رومی بھی مارا جا سکتا ہے.... وہ رومی جرنیل اطربون کی لاش تھی۔

اطربون کو تو شارینا ہی اچھی طرح جانتی اور پہچانتی تھی۔ اطربون ایسا جابر جرنیل تھا کہ ہرقل جیسا جابر اور ظالم بادشاہ بھی اس کے آگے جھکا جھکا رہتا تھا۔ اطربون عیش و عشرت کا بھی دلدادہ تھا اور اپنا حق سمجھتا تھا کہ کوئی خوبصورت اور جوان عورت خواہ وہ شاہی خاندان کی ہی کیوں نہ ہوتی اسے ایک دو راتوں کے لئے اپنے ہاں لے جائے۔

شارینا کی ماں بڑی حسین عورت ہُوا کرتی تھی۔ شارینا اُس وقت تیرہ چودہ برس کی کمسن لڑکی تھی جب اطربون اس کی ماں کو بھی اپنے گھر لے جایا کرتا تھا حالانکہ شارینا کی ماں ہرقل کی بیویوں میں سے ایک تھی لیکن یہ عورت اطربون کی دوستی سے بہت خوش تھی۔ شارینا کو اچھی طرح یاد تھا کہ اطربون کی نظر اس پر بھی تھی لیکن کم سنی کی وجہ سے اطربون سے بچی رہی تھی۔ اطربون نے کئی بار اس کے گھر آ کر اسے اپنی گود میں بٹھایا تھا اور شارینا اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بچی سمجھ کر پیار نہیں کرتا بلکہ یہ بڑی بُری نیّت سے اس پر ڈورے ڈال رہا ہے۔

اب اسی اطربون کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھی اور کوئی اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے اپنے سپاہی بھاگتے ہوئے اس کی لاش کو روند گئے تھے۔ شارینا اٹھ کھڑی ہوئی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اسے اینی نظر آئی جو ایک زخمی مجاہد کا سر اپنی گود میں رکھے اسے پانی پلا رہی تھی۔ پانی پلا کر اٹھی تو اس نے شارینا کی طرف دیکھا جو اس سے کوئی زیادہ دور نہیں تھی۔

اینی دوڑتی ہوئی شارینا کے پاس گئی اور اسے بتایا کہ وہ زخمی اٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اینی نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس زخمی مجاہد کو پانی پلا چکی ہے اور اس نے دیکھ لیا ہے کہ زخم ایسے ہیں کہ وہ زندہ رہے گا لیکن اسے جلدی پیچھے پہنچانا ہے۔ شارینا کو اس کام کا بہت تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ اطربون کی لاش سے ہٹنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو دو تین مجاہدین لاشوں اور زخمیوں کو دیکھتے پھرتے نظر آئے۔ شارینا دوڑتی ان تک گئی اور انہیں وہ زخمی مجاہد دکھایا اور کہا کہ اسے اٹھا کر پیچھے لے جائیں۔ مجاہدین زخمی کی طرف گئے اور شارینا واپس اطربون کی لاش پر چلی گئی۔

"شارینا!" — اینی نے اطربون کی لاش کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا — "یہ رومی فوج کا بڑا جرنیل لگتا ہے۔ میں نے اسے دو بار دیکھا تھا۔ ہمارے گاؤں کے قریب سے گزرا تھا اور دوسری بار گاؤں میں کچھ دیر کے لئے رکا بھی اور گاؤں والوں کو ڈرا دھمکا بھی رہا تھا۔ یہ چلا گیا تو سب کہتے تھے کہ بڑا زبردست جرنیل ہے اور اس کا نام اطربون ہے"۔

"یہ وہی ہے" — شارینا نے کہا — "تم دوڑ کر جاؤ، حدید اور فہد کو بلا لاؤ۔ مسعود کہیں نظر آ جائے تو اسے بھی ساتھ لے آنا"۔

یہ مسعود بن سہیل مکّی تھا جو جاسوسی اور دیگر زمین دوز کارروائیوں میں خصوصی

مہارت رکھتا تھا۔ اینی تو اس مجاہد کو اپنا پیرو مرشد مانتی تھی۔ وہ دوڑتی گئی اور اسے حدید مل گیا۔ اینی نے اسے بتایا کہ رومی جرنیل اطربون کی لاش ایک جگہ پڑی ہے اور شارینا اسے' فہد اور مسعود کو بلا رہی ہے۔

حدید نے اپنا کام چھوڑا اور فہد اور مسعود کو دوڑ دوڑ کر ڈھونڈا اور پھر تینوں شارینا تک پہنچے۔ شارینا نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ یہ دیکھو روم کا وہ جرنیل جسے لوگ ہرقل سے بھی اونچا سمجھتے تھے اور جو یہ عزم لے کر آیا تھا کہ مسلمانوں کو مصر سے مار بھگائے گا۔

ان تینوں جاسوس مجاہدین کے لئے یہ کوئی نئی خبر نہیں تھی کہ اطربون مارا گیا ہے۔ یہ تو وہ پہلے ہی سن چکے تھے اور رومی فوج کی پسپائی کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے جرنیل کا پرچم گر پڑا اور جرنیل بھی گر کر مر گیا تھا۔

"کیا ہمیں یہ لاش دکھانے کو بلایا ہے؟" — حدید نے شارینا سے پوچھا۔

"میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے" — شارینا نے کہا — "یہ کیسا رہے گا کہ ہم یہ لاش مقوقس کو تحفے کے طور پر بھیج دیں!"

حدید نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور تینوں کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا جیسے انہیں یہ تجویز اچھی لگی ہو۔ سوال یہ تھا کہ لاش مقوقس کے پاس کس طرح بھیجی جائے۔ تینوں نے اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات کیا اور ایک ترکیب سامنے آ گئی۔

اس شکست میں بے شمار رومی فوجی کٹ مرے تھے' بہت سے بھاگ نکلے تھے اور تین ہزار رومی فوجیوں نے قلعے کے اندر ہتھیار ڈال دیئے اور جنگی قیدی بن گئے تھے۔ حدید وغیرہ جب اطربون کی لاش پر کھڑے تھے اُس وقت ہتھیار ڈالنے کا سلسلہ جاری تھا۔ کچھ رومی جو قلعے میں رہ گئے تھے' بھاگ نکلنے کی کوشش میں اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔ حدید' فہد اور مسعود ایسے دو رومیوں کو پکڑ لانے کے لئے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ انہیں کسی سپاہی کی نہیں بلکہ کسی عہدیدار کی تلاش تھی یعنی جو شخص ذمہ دار ہو..... انہیں زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑی۔ وہ جس طرح کے دو فوجی چاہتے تھے ویسے ہی مل گئے۔ ایک اچھے رتبے والا عہدے دار تھا جو زخمی تھا لیکن ایسا زخمی نہیں کہ چلنے پھرنے یا گھوڑ سواری سے معذور ہوتا۔ زخم معمولی تھے۔ دوسرا فوجی کم رتبے والا تھا اور جسمانی لحاظ سے بالکل ٹھیک تھا۔ دو مجاہدین اسے پکڑ کر قلعے کی طرف لا رہے تھے۔ وہ بھاگنے کی

کوشش میں کہیں چھپا ہُوا تھا۔ حدید اور اس کے ساتھیوں نے ان مجاہدین سے یہ رومی لے لیا اور کہا کہ وہ اسے قلعے میں لے جائیں گے اور چونکہ وہ تینوں جاسوس ہیں اس لئے اس سے کچھ باتیں معلوم کریں گے۔

"تم دونوں ہماری بات غور سے سن لو" — مسعود بن سہیل مکیؓ نے ان رومیوں سے کہا — "یہ دیکھو تمہارے سپہ سالار اطربون کی لاش ہے۔ ہم تمہیں تین گھوڑے دیں گے۔ دو تمہارے لئے اور ایک پر یہ لاش ڈال کر لے جانے کے لئے..... ہم تمہیں قید سے آزاد کرتے ہیں۔ تمہیں یہ کام کرنا ہے کہ یہ لاش مصر کے فرمانروا مقوقس کو دینی ہے۔ میں تمہارے زخموں کی مرہم پٹی کروا کے بھیجوں گا۔ مقوقس کو ہمارا یہ پیغام دینا کہ جنہیں تم عرب کے بدّو کہا کرتے ہو' انہوں نے یہ لاش تحفے کے طور پر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ اسے دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ مقوقس کو یہ بھی کہنا کہ اپنے فوجی افسروں کو بتائے کہ اس نے اطربون کو روکا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہ جائے لیکن اطربون نے اس کی نہ سنی اور بڑے جوش و خروش سے بلبیس چلا گیا تھا۔ ہمارے مقابلے میں جو آئے گا وہ اسی انجام کو پہنچے گا۔ مقوقس کو یہ بھی کہنا کہ ہرقل کو ضرور بتائے کہ اطربون کی لاش مسلمانوں نے تحفے اور عبرت کے طور پر بھیجی ہے"۔

"یہ بھی سن لو" — حدید نے کہا — "ہم صرف اس کام کے لئے تمہیں قید سے آزاد کر رہے ہیں۔ اگر تمہیں قید میں رکھیں گے تو تم غلام بنا لئے جاؤ گے اور تمہاری باقی عمر دن رات محنت اور مشقت کرتے گزرے گی اور ذلت میں پڑے رہو گے۔ یہ لاش سیدھی مقوقس تک لے جاؤ اور اسے ہمارے پیغام کا ایک ایک لفظ پہنچاؤ۔ ہم تم دونوں کو اچھی طرح یاد رکھیں گے۔ ہم نے جس طرح یہ قلعے فتح کر لئے ہیں اسی طرح اگلے قلعے بھی فتح کر لیں گے اور ہمیں پتہ چل گیا کہ تم نے لاش مقوقس تک نہیں پہنچائی تھی اور ہمارا پیغام نہیں دیا تھا تو تمہیں ایسی موت ماریں گے کہ دیکھنے والے کانپنے لگیں گے"۔

"تم لوگ شاید نہیں سمجھے" — رومی عہدے دار نے کہا — "یہ تو ہمارے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے کہ تم ہمیں آزاد کر کے واپس بھیج رہے ہو لیکن یہ ہمارے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ ہم اپنے ایک جرنیل کی لاش ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ہم تمہارا پیغام فرمانروا مقوقس تک لفظ بہ لفظ پہنچائیں گے اور لاش اس کے حوالے کر کے اس سے داد

و تحسین حاصل کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی انعام بھی دے دے"۔

ان تینوں مجاہدین نے رومی عہدے دار کی مرہم پٹی کروادی اور دونوں رومیوں کو ایک ایک گھوڑا دیا۔ تیسرا گھوڑا لاش کے لئے دیا جس پر دونوں نے اطربون کی لاش ڈال لی۔ لاش کا سرایک طرف اور ٹانگیں دوسری طرف تھیں۔ وہاں گھوڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مرے ہوئے رومیوں کے گھوڑے اِدھر اُدھر کھڑے تھے اور جو گھوڑے زخمی تھے ابھی تک بھاگ دوڑ رہے تھے .... دونوں رومی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ تینوں جاسوس مجاہدین کچھ دور تک ان کے ساتھ گئے تاکہ کوئی انہیں پکڑ نہ لے۔

ایک روایت یہ ہے کہ اطربون کی لاش سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی اجازت لے کر بھیجی گئی تھی۔ ایک عربی مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ لاش ایک یا دو نائب سالاروں کی تجویز کے مطابق بھیجی گئی تھی اور سپہ سالار کو بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ لاش ان تین جاسوسوں نے بھجوا دی تھی اور سپہ سالار کو بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عمروؓ بن عاص ایک عظیم سپہ سالار تھے۔ ان کی عظمت کو دیکھتے ہوئے تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے عظیم انسان نے اس طرح کی حرکت کی ہو گی۔ ایسی حرکت کوئی گناہ تو نہیں تھا لیکن اتنی بڑی شخصیت کے لئے یہ بڑی چھوٹی سی حرکت تھی۔ بہرحال اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اطربون کی لاش مقوقس کو بابلیون بھیجی گئی تھی۔

O

مقوقس کی جذباتی حالت کا اندازہ اس کے سوا کون کر سکتا تھا جسے ایک اطلاع تو یہ ملی کہ مسلمانوں نے بلبیس کا قلعہ بھی سر کر لیا ہے اور رومی فوج بڑی بُری حالت میں ہزاروں سپاہی مروا کر اور قید میں دے کر پسپا ہو آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اطربون جسے وہ اپنا دایاں بازو سمجھتا تھا' مارا گیا ہے۔ مقوقس کی حکمران شخصیت پر سب سے بڑی ضرب تو اس پیغام نے لگائی جو مسلمانوں نے اسے بھیجا تھا۔ اس پیغام میں بڑی ہی توہین آمیز طنز تھی جسے مقوقس نے ایک چیلنج سمجھ لیا لیکن فوری طور پر وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ہرقل کا قاصد بزنطیہ سے آن پہنچا اور اس نے مقوقس کو

ہرقل کا تحریری پیغام دیا۔ ایک تو یہ پیغام ہی ایسا تھا کہ مقوقس برہم ہو گیا' دوسرے یہ کہ اس کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جس میں ایسی کوئی بھی بات جلتی پر تیل کا کام کر سکتی تھی۔ یہ کام ہرقل کے پیغام نے کر دیا اور مقوقس ہرقل کے خلاف مشتعل ہو گیا۔

اطربون کی موت مقوقس کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اطربون کی موت نے رومی فوج کے حوصلے اور زیادہ پست اور مسلمانوں کے لشکر کے حوصلے اور زیادہ مستحکم اور تر و تازہ کر دیئے ہوں گے۔

تاریخ میں یہ تو واضح نہیں کہ اُس وقت قیرس کہاں تھا' یہ پتہ ملتا ہے کہ مقوقس نے اسے اطلاع بھجوائی اور وہ فوراً پہنچ گیا۔ مقوقس نے اسے ہرقل کا پیغام پڑھنے کو دیا۔ قیرس جوں جوں پیغام پڑھتا جا رہا تھا اس کی جذباتی کیفیت ویسی ہی ہوتی جا رہی تھی جیسی مقوقس کی ہو چکی تھی۔ پیغام میں ہرقل نے قیرس کی وفاداری پر شک کا اظہار کیا تھا۔ اس سے تو قیرس جل اٹھا۔

بعض غیر مسلم تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ مصر میں مسلمانوں کی فتح کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہرقل اور قیرس میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور قیرس نے درپردہ مسلمانوں کی مدد کی تھی۔

یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ ہرقل کا پیغام پڑھ کر مقوقس اور قیرس کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ان تاریخ نویسوں کی تحریر کی تردید کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہرقل اور قیرس میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا لیکن ایسا نہیں ہُوا کہ قیرس نے ہرقل کو مسلمانوں سے شکست دلوانے کے لئے درپردہ ہتھکنڈے شروع کر دیئے ہوں بلکہ اس نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے اپنا ایک الگ محاذ کھولنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

"ہمارا بادشاہ ہرقل بزنطیہ میں بیٹھا باتیں بنا رہا ہے"۔۔۔ مقوقس نے قیرس سے کہا ۔۔۔ "باتیں بھی یوں بنا رہا ہے جیسے اس نے کبھی مسلمانوں کو شکستِ فاش دی ہو اور مسلمان اس کے نام سے بھی دبکتے ہوں۔ مسلمانوں کی تعداد اُس وقت بھی تھوڑی تھی جب انہوں نے ہرقل کو ملک شام سے دھکیلنا اور لہولہان کرنا شروع کیا تھا اور آخر اسے شام سے نکال ہی باہر کیا۔ آج مجھے سبق دے رہا ہے کہ ہمت نہ ہارو"۔

"میں جانتا ہوں حقیقت کیا ہے"۔۔۔ قیرس نے کہا۔۔۔ "ہرقل صرف اس وجہ سے مصر میں نہیں آتا کہ وہ مسلمانوں سے ڈرتا ہے۔ اس نے ملک شام میں ہر محاذ پر

مسلمانوں سے شکست کھائی ہے۔ اس کے دل و دماغ پر شکست نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے مصر ہاتھ سے جاتا نظر آ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شکست کی سیاہی کسی اور کے منہ پر ملی جائے۔ اگر آج مسلمان پسپائی اختیار کر لیں تو ہرقل دوڑتا ہوا یہاں آ پہنچے گا اور فتح کا سہرا اپنے سر باندھ لے گا۔ اس نے عیسائیت کا چہرہ مسخ کیا اور مجھے اختیارات دے دیئے کہ میں اس کی عیسائیت کو لوگوں میں رائج کروں اور جو نہیں مانتا اسے قتل کروا دوں اور اس کا خاندان ہی اجاڑ کر رکھ دوں۔ میں نے یہ حکم مانا اور اپنی رعایا کا خون خرابہ کیا۔ میں نے بارہا اسے کہا تھا کہ اپنی رعایا کو اپنا دشمن نہ بناؤ لیکن ہرقل بادشاہ ہے' وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ جسے چاہے اسے زندگی اور جسے چاہے موت دے دے"۔

"جن لوگوں پر مظالم توڑے گئے اور جنہوں نے ہرقل کی عیسائیت قبول نہیں کی وہ آج اپنی ہی فوج کے ساتھ تعاون کرنے سے انکاری ہیں"۔ مقوقس نے کہا۔ "مجھے شک ہے کہ قبطی عیسائی درپردہ مسلمانوں کی مدد کر رہے ہوں گے اسقفِ اعظم! کوئی ایسا طریقہ سوچیں کہ قبطیوں کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ اپنے دل میں رومی فوج کی عداوت رکھ لینا کوئی بات نہیں لیکن اپنے ملک کے دشمن کی پشت پناہی کرنا بڑا ہی خطرناک اور شرمناک کام ہے..... اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں کہ قبطیوں کو کس طرح اپنے ساتھ ملایا جائے۔ ہمیں مسلمانوں کو مصر سے نکالنا ہے یا ایک ایک مسلمان کو مصر میں ہی قتل کر دینا ہے۔ انہوں نے اطربون کی لاش کے ساتھ جو پیغام بھیجا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ انہوں نے میری غیرت کو للکارا ہے۔ میں ان سے عبرتناک انتقام لوں گا"۔

"میں خود یہی چاہتا ہوں"۔ قیرس نے کہا۔ "لیکن بنیامین کو ساتھ لئے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ قبطی صرف بنیامین کا حکم مانتے ہیں۔ وہ خود تو قوس کے صحرا میں روپوش ہے لیکن اس نے ایسا نظام بنا رکھا ہے کہ اس کا حکم دور دراز علاقوں کے ہر قبطی عیسائی کے گھر میں پہنچ جاتا ہے وہ سامنے آئے تو میں اس سے معافی مانگ لوں گا اور اسی کو اسقفِ اعظم بنا رہنے دوں گا اور خود اس رتبے سے دستبردار ہو جاؤں گا"۔

"میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے"۔ مقوقس نے کہا۔ "میں کسی بھی روز اسے گرفتار کروا سکتا تھا لیکن اس لئے خاموش رہا کہ ذاتی طور پر مجھے اس کے ساتھ دلچسپی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ قبطیوں کے باغی ہو جانے کا خطرہ تھا"۔

مقوقس اور قیرس اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے اور انہوں نے اطربون کے بعد دوسرے بڑے نامور جرنیل تھیوڈور کو بھی بلا لیا اور یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھا اور اسے کہا کہ وہ اپنی رائے دے۔ وہ بھی ان کا ہم خیال نکلا۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہرقل کو سلطنت کی بادشاہی سے معزول کر دیا جائے۔

"معزول نہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے"۔ مقوقس نے مشتعل لہجے میں کہا۔ "معزول کرنے کی صورت میں خدشہ یہ ہے کہ فوج دو حصوں میں بٹ جائے گی اور خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ایسا ہوا تو مسلمان بڑے آرام سے پورے مصر پر قابض ہو جائیں گے۔ سلطنتِ روم کی بقا اسی میں ہے کہ ہرقل کو راستے سے ہٹا دیا جائے"۔

مقوقس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہرقل کو قتل کروا دیا جائے اور پھر قبطی عیسائیوں کو ساتھ ملایا جائے اور پھر مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دی جا سکتی ہے۔ بات آخر وہیں پر جا رکی کہ بنیامین کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔

مقوقس نے اسی وقت اپنے ایک خاص آدمی کو بلایا اور اسے کچھ ہدایات دیں اور کہا کہ وہ قوس کے صحرا میں چلا جائے جہاں قبطیوں نے اپنا ایک مرکز بنا رکھا ہے۔ یہ آدمی اپنے آپ کو قبطی عیسائی ظاہر کرے اور بنیامین تک پہنچے۔ بنیامین اسے مل جائے تو اپنا آپ اس پر بے نقاب کر دے اور کہے کہ مقوقس اور قیرس اسے ملنا چاہتے ہیں اور دونوں ہرقل کی بنائی ہوئی عیسائیت کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔

"ہو سکتا ہے بنیامین کسی شک میں پڑ جائے اور بات نہ مانے"۔ مقوقس نے کہا۔ "اسے یقین دلانا اور قائل کرنا ہے کہ وہ بے خوف و خطر آ جائے اور اگر وہ گرفتاری کا خطرہ محسوس کر رہا ہے تو قیرس اس کے پاس آ جائے گا اور قیرس اکیلا ہو گا۔ اس کے ساتھ فوج نہیں ہو گی"۔

اس طرح ضروری ہدایات لے کر یہ آدمی اس جگہ کو روانہ ہو گیا جہاں بنیامین روپوشی کی حالت میں رہتا تھا۔

مصر کے فرمانروا' مصر کے اسقفِ اعظم اور رومی فوج کے ایک نامور جرنیل کے دلوں میں روم کے بادشاہ ہرقل کی مخالفت پیدا ہو چکی تھی جو اتنی شدید تھی کہ عداوت تک پہنچ رہی تھی۔ ان تینوں کی برہمی کی وجہ بڑی صاف تھی۔ یہ وہی ہرقل تھا جو کم

تعداد مسلمانوں سے شکست پہ شکست کھا کر شام کا پورا ملک انہیں دے آیا تھا اور اب بزنطیہ سے یوں حکم بھیج رہا تھا جیسے یہ تینوں بزدل ہوں اور حوصلہ ہار بیٹھے ہوں۔ استقفِ اعظم اور جرنیل تھیوڈور نے مقوقس سے کہا کہ وہ ابھی ہرقل کے نام پیغام لکھے جس میں ایک اطلاع تو بلبیس کی شکست اور اطربون کی موت کی ہو گی اور اس کے بعد اس کے پیغام کا ایسا جواب دے جیسے اینٹ کے جواب میں پتھر پھینکا جاتا ہے۔

مقوقس تو اور ہی زیادہ مشتعل اور برہم تھا۔ اس نے اُسی وقت اپنے ہاتھ سے پیغام لکھنا شروع کر دیا۔ قیرس اور تھیوڈور اسے مشورے دیتے رہے اور اس طرح تینوں نے مل کر جو پیغام لکھا وہ کچھ یوں تھا:

"شہنشاہِ روم ہرقل کے نام جس کی سلامتی اور فتح کے لئے ہم سب دعا گو رہتے ہیں۔ آپ کا پیغام اُس وقت ملا جس وقت میں بابلیون میں اطربون کی لاش کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو صدمہ پہنچا رہا ہوں لیکن یہ بُری خبر آپ سے چھپائی تو نہیں جا سکتی۔ اطربون نے مسلمانوں کے لشکر پر اُس وقت حملہ کیا تھا جب مسلمانوں نے بلبیس کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ پورا ایک مہینہ لڑائی جاری رہی اور آخر اطربون مارا گیا اور اپنی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے ہماری فوج کو بہت جانی نقصان پہنچایا ہے اور بہت سے فوجیوں نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اطربون کی لاش ہماری اپنی فوج کے آدمی اپنے طور پر نہیں لائے بلکہ ہُوا یوں ہے کہ لاش مسلمانوں نے بڑے ہی توہین آمیز پیغام کے ساتھ بھیجی ہے۔ میں آپ کے پیغام کا جواب اس حالت میں دے رہا ہوں کہ ساتھ والے کمرے میں اطربون کی لاش پڑی ہوئی ہے.....

"آپ کے پیغام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مجھے بڑا ہی کمزور اور بزدل آدمی سمجھتے ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ جو صلح کرنی چاہی تھی وہ کسی کمزوری کے تحت نہیں چاہی تھی بلکہ اپنے احوال و کوائف دیکھ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں فوج کو نہ مرواؤں اور مصر مسلمانوں کو دے دوں۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ اپنی فوج کو خون خرابے سے بچالوں اور مسلمان فرما سے ہی واپس چلے جائیں۔ میں نے اطربون کو حملے سے روکا تھا۔ بہت کچھ سوچ کر روکا تھا لیکن اطربون نے میرا حکم نہ مانا اور مجھے بتائے بغیر فوج لے کر بلبیس چلا گیا اور پھر وہی ہُوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ مسلمانوں

نے اطربون کی فوج کا جم کر مقابلہ کیا اور پھر اطربون کی فوج کی خیمہ گاہ پر ہر دوسری تیسری رات ایسے شب خون مارے کہ ہماری فوج کا ایک نقصان تو جانی ہُوا اور دوسرا نقصان ذہنی تھا۔ وہ یہ کہ ہماری فوج پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی۔ شکست کی وجہ یہی تھی....

"آپ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے اور میں اتنی زیادہ فوج ہوتے ہوئے بھی انہیں شکست نہیں دے سکتا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ وہی تھوڑی تعداد کے مسلمان ہیں جنہوں نے آپ کو اور آپ کی فوج کو شام کے ملک سے نکال باہر پھینکا تھا۔ شام سے ہماری جو بچی کھچی فوج مصر آئی تھی' اس پر مسلمانوں کی بے خوفی بے جگری آسیب کی طرح سوار ہو گئی تھی۔ ان شکست خوردہ فوجیوں نے مصر آ کر ساری فوج کو یہ تاثر دیا کہ مسلمان انسان نہیں جنّات ہیں جن کے مقابلے میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ اس طرح ہماری فوج کا جذبہ مجروح ہُوا اور ہماری فوج کی شکست کا باعث یہی ہے۔ میں یہ کہنے کی گستاخی کروں گا کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں بلکہ آپ پر عائد ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بحیرۂ روم کے اُس پار جا کر سب کچھ بھول گئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کس طرح جانوں کی بازی لگا کر لڑتے ہیں۔ یہ جذبہ ہماری فوج میں پیدا ہو ہی نہیں سکا.....

"میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آپ نے استقفِ اعظم قیرس کے ہاتھوں آپ کی عیسائیت کو نہ ماننے والوں پر جو ظلم و تشدد کروایا تھا' آج مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔ مصر میں قبطی عیسائیوں کی آبادی لاکھوں تک پہنچتی ہے لیکن وہ ہماری فوج میں شامل ہوتے ہی نہیں۔ استقفِ اعظم قیرس بھی اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں۔ آپ نے ان کی وفاداری پر جس شک کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں۔ وہ اس رعایا سے تعاون کس طرح حاصل کر سکتے ہیں جس رعایا کے لئے وہ جلّاد بنا دیئے گئے تھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ مصر کے بدّو ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں سے جا ملے ہیں۔ غور کریں کہ وہ ہمارے ساتھ کیوں نہ ملے اور حملہ آوروں کے ساتھ کیوں چلے گئے۔ ان تک ہم نے بھی رسائی حاصل کی تھی لیکن انہوں نے ہمیں دھتکار دیا اور وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ آزاد ہیں اور کسی کے حکم سے ہم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ہمارے مقابلے میں انہوں نے مسلمانوں کو پسند کیا اور ایک لشکر کی صورت میں مسلمانوں کے لشکر میں چلے گئے....

"میں آپ کو یہ اطمنان دلاتا ہوں کہ قبطی عیسائیوں کو ساتھ ملانے کی پوری پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ میں نے بنیامین کی طرف اپنا ایک ایلچی بھیج دیا ہے اور اسے اپنے ہاں بلوایا ہے۔ اسقفِ اعظم قیرس نے اپنے روّیے میں لچک پیدا کرلی ہے۔ اگر بنیامین آگیا تو میں قیرس اور بنیامین کے اختلافات ختم کرا دوں گا اور پھر بنیامین کو قائل کروں گا کہ وہ قبطی عیسائیوں کا ایک لشکر تیار کر کے رومی فوج کے ساتھ آجائے تاکہ عرب کے ان مسلمانوں کو مصر سے نکالا جائے۔ اگر آپ کو میرے یہ الفاظ مطمئن نہ کر سکیں تو ہمارے پاس آجائیں اور لڑائی کی نگرانی خود کریں۔ میں آپ کو یہ یقین بھی دلاتا ہوں کہ ہم میں سے کسی نے بھی ہمت نہیں ہاری اور ہمارے حوصلے مضبوط ہیں"۔

مقوقس نے یہ پیغام سربمہر کر کے ایک قاصد کو دیا اور ہدایت یہ دی کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ بزنطیہ پہنچے اور یہ پیغام ہرقل کے ہاتھ میں دے دے۔

○

ہم پھر واپس بلبیس چلتے ہیں جہاں شہر کے اندر اور باہر لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور شدید زخمی بے ہوش پڑے تھے اور جو ہوش میں تھے وہ اپنے آپ کو گھسیٹ رہے تھے کہ عافیت کے کسی مقام تک پہنچ جائیں۔ مسلمان خواتین زخمیوں کو پانی پلا پلا کر اٹھا رہی تھیں۔ زمین کا وسیع و عریض خطّہ خون سے سیراب ہُوا جا رہا تھا۔

یہیں سے اطربون کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ اس کی لاش مقوقس کو بھجوا کر شارینا اور اینی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھیں۔ حدید' فہد اور مسعود وہاں سے چلے گئے تھے۔ بہت سی مسلمان خواتین زخمیوں کو اٹھا رہی تھیں اور انہیں مرہم پٹی کے لئے لے جا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ مجاہدین بھی تھے جو اُن زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر پیچھے لے جا رہے تھے جو بے ہوش تھے یا کھڑا ہونے کے قابل نہیں تھے۔

کسی بھی خاتون کے چہرے پر ایسا نقاب نہیں تھا کہ وہ پہچانی نہ جا سکتی لیکن ایک خاتون نے اپنا چہرہ اس طرح نقاب میں چھپا رکھا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ وہ زخمیوں اور لاشوں کو دیکھتی چلی جا رہی تھی اور اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ وہاں مجاہدین بھی اور ان کی خواتین بھی اتنی مصروف تھیں کہ انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ زخمیوں کو اٹھانے کی جلدی اس لئے تھی کہ کوئی زخمی خون زیادہ بہہ جانے سے شہید نہ ہو جائے۔

شارینا اور اینی مل کر ایک زخمی کو اٹھا رہی تھیں۔ زخمی مجاہد اٹھا اور دونوں لڑکیاں اسے سہارا دے کر لے جانے لگیں تو زخمی نے انہیں روک دیا اور کہا کہ وہ خود اپنے سہارے پیچھے چلا جائے گا۔ شارینا نے دیکھا کہ اس زخمی سے اچھی طرح چلا نہیں جا رہا تھا۔ شارینا نے اسے کہا کہ وہ اپنے آپ پر جبر نہ کرے اور اس کا سہارا لے لے۔ اینی بھی زخمی کے دوسرے پہلو سے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور اپنا ایک بازو زخمی کی کمر میں ڈال دیا۔

"نہ میری بہنو!" مجاہد نے شارینا اور اینی سے الگ ہو کر اور مسکرا کر کہا — "ہمیں سہاروں کا عادی نہ بناؤ۔ ہم سہاروں کے بل پر چلنے پھرنے لگے تو پھر مصر کون فتح کرے گا؟ .... تم جاؤ اور بے ہوش پڑے ہوئے زخمیوں کو اٹھاؤ' مجھے اللہ کا سہارا بہت ہے"۔

زخمی چلا گیا۔ شارینا اور اینی دوسرے زخمیوں کو ڈھونڈنے چل پڑیں۔ زخمیوں کی کربناک آوازوں اور زخمی گھوڑوں کے بھاگنے دوڑنے کے دھماکوں اور میدانِ جنگ کی دیگر آوازوں اور آہٹوں میں شارینا کو یوں لگا جیسے اسے کسی عورت نے پکارا ہو۔ شارینا نے رک کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے ایک خاتون نظر آئی جس نے چہرہ نقاب میں ڈھانپ رکھا تھا اور صرف آنکھیں ننگی تھیں۔

"شارینا!" — اس لڑکی نے قریب آ کر کہا — "تمہیں پہچاننے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ کیا تم شارینا نہیں ہو؟"

"ہاں' میں شارینا ہی ہوں" — شارینا نے کہا — "چہرے سے نقاب تو ہٹاؤ کہ میں بھی دیکھ سکوں تم کون ہو۔ تم نے میری زبان میں بات کی ہے۔ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟"

"نہیں!" — اس لڑکی نے کہا — "میں اربیلا ہوں۔ ہم دونوں ایک دوسری کو بھول نہیں سکتیں"۔

"او ہو' اربیلا!" — شارینا نے اربیلا کو اپنے بازوؤں میں لے کر بڑی تیزی سے کہا — "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟ جلدی بولو' تمہارا یہاں اکیلے پھرتے رہنا ٹھیک نہیں"۔

"وہ بدکار اطربون مجھے ساتھ لے آیا تھا" — اربیلا نے کہا — "سنا ہے وہ مارا گیا

ہے۔ اس خبر سے میں بہت ہی خوش ہوں۔ یہاں ایک فوجی افسر روباش کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ اطربون کی کہیں لاش نظر آئے تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ میں آزاد ہو گئی ہوں۔ اس کی لاش کے منہ پر تھوکوں گی“۔

اربیلا نے شارینا کو بتایا کہ اسے اطربون اپنے ساتھ داشتہ بنا کر لایا تھا۔ وہ ایک جواں سال فوجی افسر روباش کو دل و جان سے چاہتی تھی اور روباش اس پر فدا ہُوا جاتا تھا۔ ان کی شادی ہو سکتی تھی اور ہو بھی جاتی لیکن اربیلا پر اطربون کی نظر پڑ گئی اور اس نے اپنے ناجائز اختیارات استعمال کرتے ہوئے اربیلا کو داشتہ بنا لیا اور اس کے ماں باپ کو کچھ نقد معاوضہ دیا اور ساتھ ہی بہت بُرے نتائج کی دھمکیاں دے کر ان پر دہشت بھی طاری کر دی۔ اربیلا کے ماں باپ پہلے ہی دہشت زدہ رہتے تھے کیونکہ وہ ہرقل کی بنائی ہوئی عیسائیت کو نہیں مانتے تھے اور قبطی عیسائی تھے۔ انہوں نے قبطی عیسائیوں کو قتل ہوتے یا زیرِ عتاب آتے دیکھا تھا۔ دل پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہے۔

یہ پانچ چھ مہینے پہلے کی بات تھی۔ اربیلا اطربون کی قید میں بہت روئی چیخی مگر اطربون نے اس پر تشدد کر کے اپنے قبضے میں ہی رکھا۔ پھر بھی اربیلا دو تین مرتبہ اپنے محبوب روباش سے ملی۔ ایک بار اطربون کو پتہ چل گیا تو اس نے اربیلا کو مارا پیٹا اور روباش کے خلاف بھی کارروائی کی۔ روباش چونکہ فوجی افسر تھا اور اس کا کوئی دُور کا تعلق شاہی خاندان سے بھی بنتا تھا اس لئے اطربون اس کے خلاف کوئی سنگین یا شدید کارروائی نہ کر سکا لیکن اسے معاف کرنے پر بھی راضی نہ ہُوا۔ اُس وقت روباش سکندریہ میں تھا۔ اطربون نے روباش کو سکندریہ سے بلا کر اُن فوجی دستوں میں شامل کر دیا جو فرما اور بلبیس کے قلعوں میں تھے۔ یہ اس توقع پر کیا کہ روباش لڑائی میں مارا جائے گا۔

اب اطربون بارہ ہزار فوج لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے آیا تو اربیلا کو بھی ساتھ لے آیا۔ اربیلا کے علاوہ ایک اور لڑکی بھی اس کے ساتھ تھی۔ مسلمان تو اپنی بیویوں‘ بہنوں یا بیٹیوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن رومی فوج کے افسر داشتاؤں کو محاذ پر لے جاتے تھے۔ اطربون تو عورت کا دلدادہ تھا۔ اربیلا کو کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ روباش بلبیس کے قلعے میں ہے۔ اربیلا نے شارینا کو بتایا کہ اطربون کی دوسری داشتہ اس کا ساتھ دیتی تو شاید دونوں مل کر اطربون کو زہر پلا دیتیں یا کسی طرح اسے قتل کر دیتیں لیکن دوسری

داشتہ بہت خوش تھی کہ وہ اتنے بڑے جرنیل کی داشتہ ہے۔ اربیلا یہی کر سکتی تھی کہ اطربون کے مارے جانے کی دعائیں کرتی رہی جو وہ کرتی ہی رہتی تھی۔ آخر اس کے کانوں میں بلبیس کے آخری معرکے کے دوران یہ آواز پڑی کہ اطربون مارا گیا ہے۔ رومی فوج کی خیمہ گاہ بلبیس کے میدانِ جنگ سے دو تین میل دُور تھی۔ وہاں جو رومی ملازمین وغیرہ تھے وہ سب وہیں سے بھاگ گئے۔ اطربون کی دوسری داشتہ بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔ اربیلا اطربون کے خیمے میں ہی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی خوش قسمت ہو گئی ہے کہ اطربون مارا گیا ہے۔

بہت دیر بعد وہ خیمے سے نکلی تو اس نے دیکھا کہ وہ اتنی بڑی خیمہ گاہ میں اکیلی ہے۔ وہاں کوئی گھوڑا بھی نہیں تھا کہ وہ اس پر سوار ہو کر بھاگ جاتی۔ اس نے بھاگ جانے کا پکا ارادہ کیا بھی نہیں تھا۔ اطربون کی موت سے بے خبر بلبیس کی طرف چل پڑی۔ وہ روباش کی تلاش میں جا رہی تھی۔ وہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھتی پھر رہی تھی کہ اسے شارینا نظر آ گئی۔ شارینا جب اپنی ماں کے ساتھ ہرقل کے محل میں رہتی تھی اُس وقت اربیلا شارینا کے پاس آتی اور کچھ دیر دونوں لڑکیاں ہنستی کھیلتی رہتی تھیں۔

”اندازہ کرو شارینا!“ — اربیلا نے کہا — ”میری محبت دیکھو۔ میں نے روباش کی تلاش میں یہ بھی نہ سوچا کہ مسلمانوں نے مجھے پکڑ لیا تو میرے ساتھ کیسا بُرا سلوک ہو گا“۔

”نہیں اربیلا!“ — شارینا نے کہا — ”خطرہ صرف یہ تھا کہ تم پکڑی جاتیں لیکن مسلمانوں کے ہاں ایسا کوئی خطرہ نہیں جو تم ذہن میں لئے پھرتی ہو۔ مسلمان دشمن کی جن عورتوں کو قیدی بناتے ہیں انہیں پیچھے بھیج دیا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو‘ کسی عورت کو داشتہ نہیں بنا سکتا۔ اسے باقاعدہ نکاح کے بعد بیوی بنا سکتا ہے اور قیدی عورتوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ تم پکڑی جاتیں تو تمہیں نقصان صرف یہ ہوتا کہ روباش کو نہیں ڈھونڈ سکتی تھیں.... میں سوچتی ہوں تم روباش کو کہاں کہاں ڈھونڈتی پھرو گی“۔

”کیا تم میری کوئی مدد نہیں کر سکو گی شارینا؟“ — اربیلا نے روتے ہوئے کہا —

”یہ تو میں نے تم سے پوچھا ہی نہیں کہ تم یہاں کس حیثیت میں ہو اور کیا تم میری کچھ مدد کر بھی سکتی ہو یا نہیں!“

"میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں" — شارینا نے کہا — "میں نے یہاں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور جس کے ساتھ آئی تھی اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ میں تم پر شرط عائد نہیں کر رہی' مشورہ دے رہی ہوں کہ تمہارے ساتھ روباش کو تلاش کروں گی۔ اگر وہ زندہ مل گیا تو تم دونوں اسلام قبول کر لینا اور تمہاری شادی ہو جائے گی"۔

شارینا نے اربیلا کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں اور رومیوں میں کیا فرق ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمانوں کے ہاں کوئی خاندان شاہی خاندان نہیں ہوتا۔ خلیفہ اور سپہ سالار بھی اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور اعلیٰ نسل نہیں سمجھتے .... اربیلا نے یہ باتیں سنیں تو کہا کہ یہ شرط ہے یا مشورہ' روباش مل جائے تو دونوں اسلام قبول کر لیں گے۔

شارینا ایپی کو وہیں چھوڑ کر اربیلا کو ساتھ لئے قلعے کے اندر چلی گئی۔ وہ سب سے پہلے اُن رومی فوجیوں کو دیکھنا چاہتی تھی جو ہتھیار ڈال رہے تھے۔



بڑی مضبوط' چوڑی اور اونچی دیواروں کے حصار میں بلبیس کا شہر آباد تھا۔ ان دیواروں کے اندر بھی جگہ جگہ لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں بے ہوش زخمی بھی تھے۔ شارینا کو معلوم تھا کہ ہتھیار کہاں ڈلوائے جا رہے ہوں گے۔ اندر ایک بڑا وسیع و عریض میدان تھا۔ شارینا سب سے پہلے قیدیوں کو دیکھنا چاہتی تھی۔

شارینا اور اربیلا اس میدان سے ابھی کچھ دور ہی تھیں کہ انہیں رومی فوجیوں کی ایک ٹولی آتی نظر آئی۔ تعداد میں وہ پچیس تیس ہوں گے۔ تین چار مجاہدین انہیں ہانک کر میدان کی طرف لا رہے تھے۔ یہ ٹولی ان دونوں کے قریب سے گزری تو اچانک اربیلا چلائی — "روباش!" — وہ اس ٹولی کی طرف دوڑ پڑی۔ روباش اسی ٹولی میں تھا۔ شارینا بھی اس کے پیچھے دوڑی گئی۔ روباش نے اربیلا کو دیکھا تو ٹولی میں سے نکل آیا۔

"اوئے رومی!" — ایک مجاہد نے روباش کو ڈانٹ کر کہا — "کدھر چل پڑے!.... اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہو۔ تم قیدی ہو"۔

اگر یہ مجاہد روباش کو دھکیل کر پھر ٹولی میں شامل نہ کر دیتا تو روباش کو پتہ ہی نہ چلتا کہ مجاہد نے کیا کہا تھا کیونکہ مجاہد عربی بول رہا تھا اور روباش یہ زبان نہیں سمجھتا تھا۔ شارینا نے اربیلا کو وہیں روک لیا اور کہا کہ وہ چہرے پر پہلے کی طرح نقاب ڈال لے۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟" — مجاہد نے ان دونوں سے کہا — "دوسری عورتوں کے ساتھ جا کر اپنا کام کرو۔ یہاں تماشا دیکھنے کے لئے مت رکو"۔

شارینا نے اربیلا کو ساتھ لیا اور فوراً وہاں سے چل پڑی اور بڑی تیزی سے چلتی ہوئی شہر سے نکل گئی۔ معلوم نہیں اس مجاہد نے ان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ رومی فوج کا ایک افسر انہیں دیکھ کر ان کی طرف کیوں چل پڑا تھا۔ شارینا یہ خطرہ محسوس کرتی ہی رہی کہ روباش سے پوچھا جائے گا کہ وہ ان لڑکیوں کی طرف کیوں جا رہا تھا۔ شارینا اربیلا کو ساتھ لئے بڑی ہی تیز چلتی اپنے خاوند حدید کے پاس پہنچی۔

اس نے اربیلا کو حدید سے متعارف کروایا اور وہ ساری بات سنائی جو اربیلا نے اسے سنائی تھی۔ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے روباش کو قیدیوں میں دیکھا ہے۔ اگر اسے رہائی مل جائے تو یہ دونوں اسلام قبول کر لیں گے .... حدید نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔

حدید اور اس کے ساتھی جاسوسی کے نظام کے مجاہدین تھے' ان کا سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا۔ یہ مسئلہ سپہ سالار کا تھا اور وہی اس کا آخری فیصلہ دے سکتے تھے۔ اُس وقت سپہ سالار کو ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ شہر ابھی فتح ہُوا تھا۔ سپہ سالار نہ جانے کہاں کہاں گھوم پھر رہے تھے۔ انہیں شہر کا نظم و نسق بحال کرنا تھا اور ہر طرف کی رپورٹیں لینی تھیں اور سب سے زیادہ نازک اور اہم کام سرکاری مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کا تھا۔ یہ بھی دیکھنا تھا کہ شہریوں کو کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو اور لوٹ مار بھی نہ ہو۔ مجاہدین تو لوٹ مار کو گناہ سمجھتے تھے لیکن ان کے ساتھ مصری بدّو تھے جو اس افراتفری اور نفسانفسی میں اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کا موقع نکال سکتے تھے۔

حدید شارینا اور اربیلا کو ساتھ لئے سپہ سالار کی تلاش میں چل پڑا۔ تلاشِ بسیار کے بعد سپہ سالار مل گئے لیکن ایسی حالت میں کہ وہ شہر کے چند ایک سرکردہ افراد اور اپنے دو نائب سالاروں کے ساتھ مصروف تھے۔ انتظار میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں کوئی مسجد تو تھی نہیں' ایک مجاہد نے باہر کھڑے ہو کر اذان دی اور وہیں سب باجماعت نماز کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنی سرگرمیاں ملتوی کر دیں اور امامت کے لئے آ گئے۔

یہ موقع اچھا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی حدید سپہ سالار سے ملا اور انہیں اربیلا

اور روباش کے متعلق ساری بات سنائی۔ سپہ سالار نے حکم دے دیا کہ روباش نام کے رومی افسر کو قیدیوں میں سے نکال کر ان کے خیمے میں پیش کیا جائے۔

○

عمروؓ بن عاص نماز کے بہت دیر بعد اپنے خیمے میں آئے تو روباش وہاں موجود تھا۔ حدید، شارینا اور اربیلا بھی تھیں۔ عمروؓ بن عاص نے چاروں کو خیمے میں بٹھایا اور پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ سب سے پہلے اربیلا نے بات شروع کی اور وہ ایسی روئی کہ اس کے لئے بولنا دشوار ہو گیا۔ اپنے آپ کو سنبھال کر اس نے وہی بات سنائی جو وہ شارینا کو سنا چکی تھی۔

"اب تم چاہتی کیا ہو!" — عمروؓ بن عاص نے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب مجھ سے سنیں" — روباش نے کہا — "اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں مظلوم انسان ہوں اور مجھے رہائی چاہئے تو یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ میں اُس ملک میں واپس نہیں جانا چاہتا جس ملک میں کسی کی عزت اور آبرو ہی محفوظ نہ ہو اور ایک جرنیل اپنا قانون چلاتا پھرے۔ ہرقل وہ بادشاہ ہے جس نے اپنا ہی مذہب رائج کر دیا ہے اور بزورِ شمشیر لوگوں کو اپنے مذہب میں لا رہا ہے۔ میں نے مسلمانوں کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ اگر یہ سب صحیح ہے تو میں آپ کا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ اربیلا کی بھی یہی خواہش ہے۔ میں تجربہ کار فوجی افسر ہوں۔ میری خدمات آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔ اگر آپ نے مجھے قید میں ہی رکھنا ہے تو سوچ لیں کہ آپ ایک قیمتی انسان کو ضائع کر رہے ہیں۔ میں رومی عیسائی ہوں لیکن رومی حکمرانوں سے انتقام لینے کو بے تاب ہوں"۔

عمروؓ بن عاص اتنی آسانی سے کسی غیر کی باتوں میں آنے والے سپہ سالار نہیں تھے۔ انہوں نے روباش کے ساتھ ایسی گفتگو کی جس سے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ یہ رومی افسر قابلِ اعتماد ہے یا نہیں۔ شارینا نے سپہ سالار کو یہ بتایا کہ وہ اربیلا کو بچپن سے جانتی ہے اور اخلاقی لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

خاصی لمبی اور بامقصد گفتگو کے بعد عمروؓ بن عاص نے فیصلہ دے دیا کہ روباش اور اربیلا کو حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا جائے۔ اس طرح روباش اور اربیلا نے عمروؓ بن عاص کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی عمروؓ بن عاص نے اسلامی اصول کے

مطابق دونوں کا نکاح پڑھوا دیا۔ سپہ سالار نے یہ حکم بھی دیا کہ ان دونوں کو اسلامی اصولوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے اور انہیں نماز پڑھنی سکھا دی جائے.... ایسا حکم دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ نظام موجود تھا جو نومُسلموں کی تعلیم و تربیت کرتا تھا۔ مسلمان جس بستی کو فتح کرتے تھے وہاں کئی لوگ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ فوراً ہی ان کی تعلیم و تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق شروع ہو جاتی تھی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص مصر سے تو واقف تھے لیکن وہ اُس وقت مصر کئی بار آئے تھے جب انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور وہ تجارت کے سلسلے میں آیا کرتے تھے۔ وہ سب سے زیادہ سکندریہ سے متاثر تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر ایک باب میں آ چکا ہے۔

اب عمروؓ بن عاص جس خطے میں پیش قدمی کر رہے تھے، اس سے بھی وہ واقف تھے لیکن اتنا نہیں جتنا اب ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے اُس وقت مصر کو کسی اور نگاہ سے دیکھا تھا۔ اب وہ اس علاقے کو جنگی نگاہ سے دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے اپنے جاسوس انہیں معلومات تو فراہم کر رہے تھے لیکن انہیں وہ غالباً کافی نہیں سمجھتے تھے۔ اب رومی فوج کا ایک افسران کے ہاتھ آ گیا تھا۔ صحیح اور مکمل معلومات تو اس سے مل سکتی تھیں.... انہوں نے روباش کا نام فاروق اور اربیلا کا نام فاطمہ رکھا تھا۔

"تم فوج کے افسر ہو فاروق!" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "تم ایک آدھ دستے کی قیادت کرنے والے ہو اور تجربہ بھی رکھتے ہو لیکن ابھی میں تمہیں کسی دستے کی کمان نہیں دوں گا۔ تم تھوڑا ہی عرصہ میرے جاسوسی نظام میں رہو گے۔ تمہیں شب خون مارنے کے لئے بھی بھیجا جائے گا۔ میں تمہیں نہایت اہم فرد سمجھتا ہوں۔ ابھی میری ضرورت یہ ہے کہ مجھے دریائے نیل تک اور اس سے کچھ آگے کی معلومات مل جائیں۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آگے دو تین اور قلعے ہیں لیکن جنگی نقطۂ نگاہ سے میں ان قلعوں کے احوال و کوائف معلوم کرنا چاہتا ہوں"۔

"مجھ سے بہتر اور کون آپ کو یہ باتیں بتا سکتا ہے!" — فاروق نے کہا — "یہاں سے آپ پیش قدمی کریں گے تو تھوڑی دور جا کر صحرا آ جائے گا۔ اس سے آگے اس قدر سرسبز و شاداب اور خوشنما علاقہ آ جائے گا جو شاید آپ نے پہلے کہیں نہیں دیکھا ہو

گا۔ نیل کے کنارے پر ایک شہر اُم دنین آباد ہے جو بڑا مضبوط قلعہ بند شہر ہے۔ اس کے بالکل قریب دریا کا گھاٹ ہے جہاں کشتیاں بھی کھڑی رہتی ہیں اور درمیانہ درجے کے بادبانی جہاز بھی ہیں۔ فرعونوں نے اپنے زمانے میں اس شہر کو اپنا دارالحکومت بھی بنایا تھا۔ دراصل مصر کا دفاعی نظام یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کی جرأت اور آپ کے جذبے کا بڑا ہی سخت امتحان انہی قلعوں پر ہو گا۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ آپ کے ساتھ جو لشکر ہے' اس کی تعداد بہت کم ہے۔ اس قلعے کے اندر جو رومی فوج ہے اس کی تعداد آپ کے لشکر سے بہت زیادہ ہے....

"اس قلعے میں اور آگے آنے والے ہر قلعے میں جو رومی فوج ہے اس میں ایک ایسی کمزوری ہے جو آپ کو فائدہ دے سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اس فوج پر آپ کا ایسا رعب طاری ہے کہ جب آپ کی فوج سے نعرے بلند ہوتے ہیں تو رومی فوج کے ہر سپاہی کے چہرے پر خوف اور بزدلی کا تاثر آ جاتا ہے۔ آپ نے بلبیس فتح کیا ہے۔ اس فتح میں آپ کے ہاتھ ایک اتنا بڑا قلعہ بند شہر اور بے شمار مالِ غنیمت ہی نہیں آیا بلکہ آپ کی فوج ایک دہشت بن کر رومی فوج پر طاری ہو گئی ہے۔ وہ جو رومی فوجی بلبیس سے بھاگ گئے ہیں وہ جہاں بھی جائیں گے وہاں آپ کا رعب طاری کرتے جائیں گے۔ مختصر یہ کہ جو جذبہ آپ کے لشکر میں ہے وہ رومی فوج میں نہیں....

"اُم دنین کے جنوب میں چند میل دور بابلیون کا بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے۔ میں آپ کو پُورے خلوص سے مشورہ دیتا ہوں کہ اس قلعے کو سر کرنے کے لئے یہ لشکر نہ لے جائیں کیونکہ یہ بہت ہی کم ہے اور شہر کے اندر اتنی زیادہ فوج ہے کہ اس نے باہر آکر آپ کے لشکر پر حملہ کر دیا تو آپ کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ اس قلعے کی دیواروں پر پتھر پھینکنے والی منجنیقیں بھی نصب ہیں۔ یہ آپ کے لشکر کو بہت نقصان پہنچائیں گی۔ اس قلعے کی دیواریں بہت ہی چوڑی اور پتھریلی ہیں۔ ان میں آپ شگاف نہیں ڈال سکیں گے۔ یہ فرعونوں کا تعمیر کیا ہُوا قلعہ ہے جسے رومیوں نے آکر اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ رومی اسے ناقابلِ تسخیر قرار دیتے ہیں جو غلط نہیں....

"دریا کے پار فیوم ایک اور قلعہ بند شہر ہے۔ یہ بھی مضبوطی کے لحاظ سے کچھ کم نہیں۔ جب تک آپ اُم دنین اور بابلیون کو فتح نہ کر لیں آپ فیوم تک پہنچ ہی نہیں سکیں گے کیونکہ آپ فیوم پر سیدھے چلے جائیں گے تو بابلیون کے اندر اتنی فوج ہے

جس کا کچھ حصہ فیوم کا محاصرہ توڑنے کے لئے آپ پر عقب سے حملہ کر دے گی۔ اگر آپ کو کمک مل جائے تو پھر آپ بابلیون تک کا خطرہ مول لے سکتے ہیں.... اس تمام علاقے کی اہمیت کا اندازہ اس سے کریں کہ فرعونوں کے اہرام اسی علاقے میں ہیں اور ابوالہول کا مجسمہ بھی اسی علاقے میں ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ جس نے یہ وسیع و عریض علاقہ لے لیا اس نے پورا مصر فتح کر لیا۔ ہمیں مقوقس اور اطربون نے اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا کہ اُم دنین' بابلیون اور فیوم تک اگر مسلمان پہنچ گئے تو یہ رومیوں کے لئے زندگی اور موت کی جنگ ہو گی۔ اگر رومی ہار گئے تو ان کا مصر میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا اور ہرقل نے شام سے نکلتے وقت کہا تھا' اے ملک شام' الوداع' اب ہم کبھی واپس نہیں آ سکیں گے۔ اگر آپ یہ جنگ جیت گئے تو ہرقل مصر کے ساحل پر کھڑا ہو کر یہی الفاظ کہے گا' الوداع اے مصر' اب ہم کبھی یہاں نہیں آ سکیں گے"۔

عمروؓ بن عاص فاروق کی یہ تفصیلات غور سے سنتے رہے اور کچھ سوال بھی کرتے گئے۔ اس طرح اس علاقے کا بڑا ہی واضح اور شفاف نقشہ ان کے سامنے آ گیا۔ پھر انہوں نے فاروق سے پوچھا کہ قبطی عیسائیوں کا رویہ کیا ہے اور کیا ایسا امکان موجود ہے کہ وہ ہرقل کے خلاف بغاوت کر دیں گے؟

"کبھی ان پر بھروسہ نہ کریں" — فاروق نے کہا — "یہ صحیح ہے کہ قبطی عیسائی جنگ کے دوران رومی فوج کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے لیکن بنیامین بڑا دانشمند اور دور اندیش آدمی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اس نے ہرقل کو ناراض کر دیا اور فتح اسی کی ہوئی تو مصر میں کسی قبطی عیسائی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے علاوہ ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس بھی بڑا دانشمند اور ہوشیار آدمی ہے۔ وہ ایسی چال چلے گا کہ قبطی عیسائیوں کو اپنا گرویدہ بنا لے گا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ قیرس اور بنیامین کی سیاست بازی کو سمجھیں اور قبطیوں پر بھروسہ نہ کریں۔ بھروسہ اسی لشکر پر کریں جو اس وقت آپ کے پاس ہے۔ یہ تھوڑا ہے خواہ زیادہ ہے' یہ آپ کی اپنی طاقت ہے' یہی آپ کے کام آئے گی"۔

○

مدینہ سے چلی ہوئی کمک ابھی تک عمروؓ بن عاص تک نہیں پہنچی تھی۔ عمروؓ بن عاص نے بلبیس کی فتح کی پہلی ہی رات امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوا کر کہ

انہوں نے ایک اور قلعہ فتح کر لیا ہے اور اب کمک کے بغیر آگے ایک قدم بھی اٹھانا ایسے خطرے میں کود جانے کے مترادف ہو گا جس میں پورے لشکر کی ہلاکت کا امکان زیادہ ہے' قاصد کو مدینہ کے لئے دوڑا دیا تھا۔ عمروؓ بن عاص کو ابھی یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ کمک مدینہ سے چل پڑی ہے۔

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد عمروؓ بن عاص نے اپنے نائب سالاروں اور ان سے چھوٹے عہدے داروں کو بلایا۔ یہ ایک اہم اجلاس تھا۔

"میرے رفیقو!" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "مجھے احساس ہے کہ میں تم سب کو بہت بڑے امتحان میں ڈال رہا ہوں لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ اپنے لشکر کی جسمانی حالت کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس کے باوجود میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہاں سے ہمیں فوراً پیش قدمی کرنی چاہئے اور ہم آگے آنے والے کسی قلعے کو محاصرے میں لے لیں۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی یہ بھی سوچ رہا ہو کہ مصر پر فوج کشی کے مخالفین نے جن میں بزرگ صحابی عثمانؓ بن عفان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں' کہا تھا کہ میں اندھا دھند خطروں میں کود پڑتا ہوں اور میں پورے لشکر کو کسی انجانے خطرے میں ڈال کر مروا دوں گا۔ میرے مخالفین نے غلط نہیں کہا تھا لیکن میں اندھا دھند کوئی خطرہ قبول نہیں کرتا۔ میں سوچ سمجھ کر اور ہر پہلو کو سامنے رکھ کر خطرے میں داخل ہُوا کرتا ہوں"۔

"اے سپہ سالار!" — ایک سالار نے کہا — "اس وقت ہمارا سامنا اُن مخالفین سے نہیں جو مصر پر حملے کے خلاف تھے۔ ہمارا سامنا رومی فوج سے ہے جو آگے آنے والے قلعوں میں موجود ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ اس دشمن کی بات کریں؟"

"تُو نے میرے دل سے بوجھ اتار دیا ہے میرے رفیق!" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "میرا مطلب یہ ہے کہ رومی فوج کو دم لینے اور سنبھلنے کی مہلت نہ دی جائے۔ اگر ہم یہیں بیٹھے کمک کا انتظار کرتے رہے تو رومیوں کو یہ تاثر ملے گا کہ ہم آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہے اور ہم قلیل تعداد ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد رومی فوج سے خائف ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم یہاں بیٹھے رہے تو کسی بھی وقت رومی فوج آکر بلبیس کو محاصرے میں لے لے گی اور ہمارے لئے رسد رک جائے گی۔ یہ سوچ لو کہ رومی فوج کے لئے پیچھے ہٹنے کو پورا مصر پڑا ہے مگر ہم مات کھا گئے تو ہمارا کوئی ٹھکانہ

نہیں ہو گا نہ کہیں پناہ ملے گی۔ میں رومی فوج پر اپنے لشکر کی دہشت اور اس کا رعب برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اتنا بھی تاثر نہیں دینا چاہتا کہ ہم تھک گئے ہیں اور کچھ دن ستا کر اگلا قدم اٹھائیں گے"۔

"کیا ہمیں کمک کی توقع رکھنی چاہئے یا نہیں؟" — ایک سالار نے پوچھا۔

"کمک آرہی ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "ایسا سوچو ہی نہیں کہ کمک نہیں آئے گی۔ کیا تم سب امیرالمومنین سے واقف نہیں؟ وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑیں گے.... میرا ارادہ اور فیصلہ یہ ہے کہ ہم آگے بڑھ کر اُمِ دنین کو محاصرے میں لے لیں گے اور اپنی پوری طاقت صرف کر کے یہ قلعہ سر کریں گے۔ اگر ہم اللہ کی مدد سے کامیاب ہو گئے تو اس گھاٹ پر کھڑے تمام جہاز اور کشتیاں ہماری ہوں گی پھر ہمیں دریائے نیل پار کرنے کی کوئی دشواری نہیں ہو گی"۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حالات کا اور احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ عمروؓ بن عاص پیش قدمی کا خطرہ مول نہ لیتے اور بلبیس میں ہی کمک کا انتظار کرتے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ باری پر بھروسہ رکھنے والے اور خطروں میں کود جانے والے سپہ سالار تھے۔ انہیں اپنے آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے فیصلوں کے خلاف کسی کی کوئی بات نہیں سنتے تھے۔

سالاروں اور عہدیداروں نے کچھ مشورے دیئے۔ عمروؓ بن عاص نے کچھ مشورے قبول کئے اور کچھ رَد کئے اور آخر یہ پلان بنا کہ فوری طور پر پیشقدمی کی جائے۔



اُدھر مقوقس نے اُمِ دنین اور بابلیون میں مزید فوج بھیج دی تھی۔ اس سے پہلے مقوقس اس خوش فہمی میں مبتلا رہا تھا کہ مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی ہے اور اتنی تھوڑی نفری کسی بھی قلعے کو فتح کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اس خوش فہمی کے زیر اثر اس نے یہ پھندہ تیار کیا تھا کہ مسلمانوں کو اور آگے آنے دیا جائے اور پھر انہیں نرغے میں لے کر بالکل ہی نیست و نابود کر دیا جائے گا لیکن جو ہُوا وہ اس کی توقعات کے بالکل الٹ تھا۔ مسلمانوں نے بلبیس جیسا ہر لحاظ سے مضبوط قلعہ بھی لے لیا اور اطربون جیسے جرنیل کو مار بھی ڈالا۔

اطربون کی لاش نے اور ہرقل کے پیغام نے مقوقس کو خوش فہمیوں سے نکال دیا تھا۔ ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس بھی اس کے ساتھ مل گیا تھا اور قیرس نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ بنیامین کو بھی راضی کر لے گا اور قبطی عیسائیوں کو اپنے محاذ پر لے آئے گا۔ اب مقوقس کی سوچیں بدل گئی تھیں۔ اس نے ان دو قلعہ بند شہروں کو ناقابلِ تسخیر بنانے کے لئے نئی تیار کی ہوئی فوج استعمال کی۔ اُم دنین میں بھی اس نے فوج میں اضافہ کر دیا لیکن اس کی زیادہ توجہ بابلیون پر تھی۔ اسے احساس تھا کہ بابلیون ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مصر کو مسلمانوں سے بچانا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

اس نے بابلیون میں فوج میں جو اضافہ کیا تھا وہ صرف اس شہر کے دفاع کے لئے ہی نہیں تھا بلکہ مقوقس کا پلان یہ تھا کہ مسلمان جدھر بھی حملہ کریں گے، وہ بابلیون سے کچھ دستے نکال کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرے گا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو نو مسلم فاروق نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آگے دفاعی نظام کیسا ہے۔ اس نے عمروؓ بن عاص کو بابلیون سے خبردار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود عمروؓ بن عاص اسی علاقے میں جا رہے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے صرف ایک دن انتظار کیا اور وہ بھی اس لئے کہ بلبیس شہر کا نظم ونسق اور دیگر امور بحال کرنے کے انتظامات کرنے تھے۔ اگلے ہی روز نمازِ فجر کے بعد انہوں نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ پیشقدمی سے پہلے انہوں نے لشکر سے انتہائی مختصر خطاب کیا۔ اس خطاب کے الفاظ کچھ مختلف ہوں گے، اس کا لب لباب یہ تھا کہ اللہ کا حکم ہے کہ تمہارے دین کا دشمن جب بھاگ اٹھے تو اس کے تعاقب میں جاؤ اور اس کا ٹھکانہ بھی تباہ کر دو۔ مجھے احساس ہے کہ ہماری نفری بہت تھوڑی ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کمک آ رہی ہے۔ مدینہ سے کمک شاید کچھ دیر سے پہنچے لیکن اللہ نے فرشتوں کی کمک تمہارے ساتھ کر دی ہے۔ میں تمہیں جس خطرے میں لے جا رہا ہوں وہاں تم میرے حکم سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حکم سے لڑو گے۔ یاد رکھنا اسلام کے مجاہدو، کہ ہم یہاں پٹ گئے تو ہمیں کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ یہاں کی زمین، یہاں کے پیڑ اور پتھر اور یہاں کی ریت کے ذرّے بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔

مقوقس بابلیون میں آ گیا تھا۔ اسے مسلمانوں کی پیشقدمی کی اطلاعیں تواتر سے مل رہی تھیں۔ مجاہدین جب ام دنین کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے توجہ نہیں کی تھی

کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک دو ایک مسافر آ جا رہے تھے۔ ظاہری طور پر وہ بے ضرر سے لوگ معلوم ہوتے تھے لیکن وہ مقوقس کے جاسوس تھے جو مجاہدین کے لشکر کو دیکھ رہے تھے کہ اس کا رخ کس طرف ہے اور اس کی نفری کتنی کچھ ہے۔

مجاہدین کی نفری تو اور ہی زیادہ کم ہو گئی تھی۔ بلبیس کی لڑائی میں مجاہدین شہید بھی ہوئے اور شدید زخمی بھی ہوئے تھے۔ معمولی طور پر زخمی ہونے والے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں کہا گیا تھا کہ وہ ابھی لشکر کے ساتھ نہ جائیں اور اس وقت آگے آئیں جب ان کے زخم ٹھیک ہو جائیں گے لیکن انہوں نے لشکر کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور یہ تاثر دیا کہ وہ لڑنے کے قابل ہیں اور پیچھے نہیں رہیں گے۔

نفری میں مزید کمی اس لئے بھی ہوئی تھی کہ مجاہدین کی کچھ تعداد بلبیس میں رکھنی تھی۔ شہریوں میں نظم ونسق بحال کرنے کے علاوہ کئی اور سرکاری امور تھے جن کی دیکھ بھال ضروری تھی۔ وہاں تین ہزار رومی قیدی بھی تھے۔ ان پر بھی کچھ نفری مقرر کر دی گئی تھی۔

یہ واضح نہیں کہ مجاہدین کا لشکر کتنے دنوں بعد اُم دنین پہنچا۔ یہ شہر کوئی زیادہ دور بھی نہیں تھا کہ کئی دن لگ جاتے بہرحال لشکر اُم دنین پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کے دو چار جاسوس پہلے ہی اس شہر میں موجود تھے۔ لشکر ابھی شہر کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ یہ جاسوس شہر سے نکل آئے کیونکہ محاصرے کی صورت میں دروازے بند ہو جانے کی وجہ سے وہ باہر نہیں آ سکتے تھے۔ انہیں سپہ سالار کو ضروری اطلاعات و معلومات دینی تھیں۔ عمروؓ بن عاص کو بتایا کہ شہر میں رسد اور پانی کی کمی ہے اور یہ دونوں چیزیں باہر سے اندر جاتی ہیں۔ عمروؓ بن عاص کے لئے یہ اطلاع بڑی ہی اہم تھی۔ انہوں نے رسد کے راستے بند کر دیئے اور پانی بھی روک لیا۔

عمروؓ بن عاص کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ جب اُم دنین کو محاصرے میں لیں گے تو بابلیون سے فوج نکل کر محاصرے پر حملہ کرے گی۔ عمروؓ بن عاص کے ساتھ لشکر پہلے ہی کم تھا جو محاصرے کے لئے بھی کافی نہیں تھا لیکن اسی کم لشکر میں سے انہیں ایسا انتظام بھی کرنا تھا کہ عقب سے حملہ آئے تو اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس طرح انہیں محاصرہ کر کے دونوں طرف نظر رکھنی پڑی۔

تقریباً تمام مستند مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہر وقت توقع تھی کہ مقوقس بابلیون سے کچھ دستے نکال کر مسلمانوں پر حملہ کرے گا لیکن وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ اس نے یہ کارروائی کیوں نہ کی۔ بابلیون اُم دنین کے جنوب میں چند میل دُور تھا۔ تاریخ میں صحیح فاصلہ نہیں لکھا' غالباً دس اور پندرہ میل کے درمیان تھا۔

مشہور غیر مسلم مؤرخ ایلفریڈ بٹلر نے لکھا ہے کہ بابلیون سے مقوقس نے فوج نہیں نکالی تھی جس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ اس کے پیشِ نظر اطربون کا انجام تھا۔ اطربون نے بلبیس کے محاصرے کے دوران عقب سے جا کر مسلمانوں پر حملے کئے تھے لیکن مارا گیا۔ مقوقس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو کھلے میدان میں شکست نہیں دی جا سکتی۔ اسے اپنی فوج کے مورال کا بھی اندازہ تھا۔ تاریخ میں آیا ہے کہ رومی فوج اسی پر حیران رہ گئی تھی کہ مسلمانوں نے اتنی تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی اُم دنین کو آ کر محاصرے میں لے لیا ہے۔



اُم دنین میں جو رومی فوج تھی اس نے وہی مخصوص انداز اختیار کیا جو فرما اور بلبیس کے دفاع میں دیکھا گیا تھا۔ وہ یہ کہ دو تین دنوں کے وقفے سے شہر کے دو تین دروازے کھلتے' رومی فوج کے کچھ دستے باہر آتے اور محاصرے پر حملہ کرتے لیکن جم کر لڑنے کی بجائے واپس چلے جاتے اور شہر کے دروازے پھر بند ہو جاتے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام لشکر سے کہا کہ جب اندر سے فوج نکلے تو آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ نہ کیا جائے یا یہ کہ جم کر مقابلہ نہ کیا جائے اور زیادہ تیراندازی کی جائے۔ دراصل عمروؓ بن عاص اپنی نفری کو بچانے کی کوشش میں تھے۔ وہ بہت بڑے خطرے میں کود تو آئے تھے لیکن انہوں نے اپنا دماغ حاضر رکھا ہُوا تھا اور پوری احتیاط اور جنگی تدبر سے کام لے رہے تھے۔ ان کا تیراندازی والا طریقہ خاصا کامیاب رہا۔ اندر سے دستے باہر آتے تو تیرانداز مجاہدین پیچھے ہٹتے ہوئے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیتے۔ اس طرح ہر بار رومی اپنے کئی ایک سوار باہر ہی پھینک کر واپس چلے جاتے تھے۔

ایسے تین چار حملے ہی اندر سے آئے ہوں گے کہ ایک عربی گھوڑسوار آیا اور اس نے عمروؓ بن عاص کو اطلاع دی کہ کمک کا کچھ حصہ ایک دو دنوں تک پہنچ رہا ہے۔ عمرو

بن عاص نے یہ خبر تمام لشکر کو سنا دی کہ کمک آ رہی ہے۔ یہ سن کر مجاہدین کے لشکر میں نئے حوصلے اور تروتازگی کی لہر دوڑ گئی۔

معروف مصری تاریخ دان محمد حسنین ہیکل نے مختلف مؤرخوں کے حوالوں سے کمک کے متعلق جو تفصیلات لکھی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ پوری کی پوری چار ہزار کی کمک اکٹھی نہیں پہنچی تھی' یہ دو حصوں میں آئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کمک کے دونوں حصوں میں کچھ زیادہ ہی فاصلہ تھا۔ دوسرا حصہ بہت دنوں بعد پہنچا تھا۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں حصوں کی الگ الگ نفری کیا تھی۔ ساری کمک کی نفری چار ہزار تھی۔ یہ کمک تقریباً ساری گھوڑسوار تھی۔

دو تین دنوں بعد کمک کا پہلا حصہ پہنچ گیا۔ شہر کی دیواروں پر کھڑے رُومی فوجیوں نے جب کمک کو آتے دیکھا تو ان پر مایوسی اور مردنی چھا گئی۔ ان پر یہ اثر ہُوا کہ انہوں نے باہر نکل کر حملوں کا سلسلہ بہت ہی کم کر دیا۔ ان حملوں میں وہ پہلے ہی مسلمان تیراندازوں سے خاصا جانی نقصان اٹھا چکے تھے اور ان کے بہت سے گھوڑے مجاہدین کے ہاتھ لگے تھے۔

محاصرے کو ایک مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ محاصرے کی صورت میں اندر سے کوئی اطلاع نہیں مل سکتی تھی کہ رسد اور پانی کی کیفیت کیا ہے۔ یہ عمروؓ بن عاص کا اندازہ تھا کہ اب تک شہر میں اور فوج کے لئے رسد اور پانی کی خاصی کمی واقع ہو چکی ہو گی اور یہ رومیوں کے لئے بڑا تلخ اور پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہو گا۔

ایک روز سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں سے کہا کہ بیک وقت قلعے پر ہلّہ بول دیا جائے اور دروازے توڑنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خطرناک اور دلیرانہ اقدام اندھا دھند نہیں کیا جاتا تھا۔ تیراندازوں کو اتنے فاصلے پر جانے کو کہا گیا جہاں سے وہ دیواروں پر کھڑے رومی فوجیوں کو تیروں کی زد میں لے سکتے تھے۔ بابلیون سے فوج کے آنے کا خطرہ بھی تھا۔ اس کی قبل از وقت اطلاع دینے کا یہ اہتمام کیا گیا کہ اپنے جاسوس بابلیون کے راستے پر بھیج دیئے گئے کہ جونہی اُدھر سے دستے آئیں فوراً اطلاع دی جائے۔ اس کے علاوہ عمروؓ بن عاص نے تین چار چھاپہ مار ٹولیاں بھی بھیج دیں۔ ان ٹولیوں کو گھات میں بٹھانا تھا اور اس صورت میں کہ بابلیون سے فوج آ رہی ہے' اس پر دائیں بائیں سے حملے کر کے نقصان پہنچانا تھا۔ ان چھاپہ مار ٹولیوں میں حدید'

فہد، مسعود اور نومسلم فاروق خاص طور پر شامل تھے۔ یہ سب چھاپہ مارنے اور شب خون مارنے کا خصوصی تجربہ رکھتے تھے۔

اللہ کے نام لیواؤں کو اللہ کی مدد حاصل تھی۔ اِدھر عمروؓ بن عاص نے قلعے پر ہلّہ بولنے کا حکم دیا اُدھر شہر کے دو تین دروازے کھلے اور رومی فوج روکے ہوئے سیلاب کی طرح حملہ کرنے کو باہر نکلنے لگی۔ تمام فوج ایک ہی بار تو باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ دروازوں میں سے دو دو تین تین گھوڑے نکل رہے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے اپنی سکیم کے مطابق پورے لشکر کو ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔

تاریخوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ اس ہلّے میں عمروؓ بن عاص سب سے آگے تھے۔

رومی سوار جو باہر آ چکے تھے وہ شہر کی دیوار اور مجاہدین کے تیز و تند سیلاب کی طرح بڑھتے ہوئے ریلے کے درمیان کچلے گئے اور جو رومی ابھی باہر نکل رہے تھے وہ دروازوں میں سے ہی واپس اندر جانے لگے۔ مجاہدین نے انہیں دروازے بند کرنے کی مہلت نہ دی اور ان کے پیچھے شہر میں داخل ہو گئے لیکن وہ یقینی موت کے خطرے میں چلے گئے تھے کیونکہ ان کی تعداد کم تھی۔ تمام مجاہدین اکٹھے اندر نہیں جا سکتے تھے۔

تیراندازوں نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں اور دیواروں کے اوپر کھڑے رومی فوجیوں پر تیروں کی بوچھاڑیں شروع کر دیں۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص خود صدر دروازے پر جا پہنچے اور کلہاڑا لے کر پہلی ضرب انہوں نے اپنے ہاتھوں دروازے پر لگائی۔ کسی مجاہد نے ان کے ہاتھوں سے کلہاڑا لے لیا اور مجاہدین نے دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ توڑ ڈالا۔

اس موقع پر وہ دہشت کام آئی جو رومی فوج پر پہلے ہی طاری تھی۔ اب مجاہدین نے جو دلیرانہ ہلّہ بولا تھا اس سے اس دہشت میں اضافہ ہو گیا اور شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔ شہریوں میں افراتفری کا بپا ہو جانا قابلِ فہم تھا۔ فوجیوں میں بھی بھاگ نکلنے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ رومی فوج میں یہ پہلے ہی مشہور ہو چکا تھا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی پُراسرار طاقت ہے کہ وہ کتنے ہی تھوڑے کیوں نہ ہوں کئی گنا زیادہ طاقتور دشمن کو زیر کر لیتے ہیں۔ اب یہ فوجی مسلمانوں کی بے جگری اور بے خوفی دیکھ رہے تھے۔

اگر رومی فوجی ہمت اور حوصلہ ہارنے کی بجائے دروازوں کے سامنے قدم جما کر

کھڑے ہو جاتے تو وہ اندر آتے ہوئے مجاہدین کو دروازوں میں ہی کاٹ پھینکتے لیکن وہ ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے حکم دیا کہ کسی شہری مرد اور عورت پر ہاتھ نہیں اٹھانا اور کسی فوجی کو زندہ نہیں رہنے دینا۔ سپہ سالار نے ایسے الفاظ کہے تو نہیں تھے لیکن ان کا مطلب صاف تھا کہ وہ کوئی قیدی نہیں لیں گے، سب کو ختم کر دیا جائے۔ خاصا وقت رومیوں کا قتلِ عام جاری رہا۔ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد کئی رومی فوجی چھپے ہوئے باہر نکلے یا ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے۔ ان پر عمروؓ بن عاص کو رحم آ گیا اور حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے۔

عمروؓ بن عاص نے دیوار پر جا کر اُن مجاہدین کو دیکھا جنہیں باہر اس مقصد کے لئے چھوڑ آئے تھے کہ بابلیون کی طرف سے رومی فوج آ جائے تو اسے باہر ہی روک لے ..... باہر خیروعافیت تھی۔ کوئی رومی دستہ حملے کے لئے نہیں آیا تھا۔

بٹلر نے چند عربی مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ یہ ہلّہ خود مجاہدین کے لئے اتنا خطرناک تھا کہ اسے خودکش حملہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ خطرناک بھی ایسا کہ بعض مجاہدین آگے بڑھنے سے گھبرانے لگے۔ ان کے انداز اور رویّے میں کوتاہی اور گریز صاف نظر آ رہا تھا۔ بٹلر لکھتا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو مجاہدین پر جبر کرنا پڑا اور سارے لشکر میں گھوم پھر کر غصے کی حالت میں حکم دیا کہ آگے بڑھو۔ ایک مجاہد نے کہا کہ ہم لوہے کے بنے ہوئے نہیں۔ عمروؓ بن عاص نے اس مجاہد کو بڑے ہی سخت الفاظ کہے۔

تاریخ دان محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ تاریخ میں ایسی کسی روایت کا اشارہ نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کسی اور جنگ میں ایسا ہُوا ہو، اُم دنین کی لڑائی میں ایسا بالکل نہیں ہُوا، البتہ یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ کچھ صحابہ کرام بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ عمروؓ بن عاص کو پوری طرح احساس تھا کہ وہ اپنے لشکر کو یقینی ہلاکت میں جھونک رہے ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام سے یہ الفاظ کہے — ”آپ میرے ساتھ ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل ہمیں فتح عطا فرمائے گا“۔

صحابہ کرام نے یہ الفاظ سنے تو وہ عمروؓ بن عاص کے ساتھ سب سے آگے اس ہلّے کے لئے پورے جوش و خروش سے بڑھے۔ انہیں دیکھ کر پورے لشکر میں نیا ہی جوش پیدا ہو گیا اور یہ اسی جوش کا اثر تھا کہ اُم دنین جیسا مستحکم قلعہ جس میں فوج کوئی

تھوڑی نہیں تھی، مٹھی بھر مجاہدین نے فتح کر لیا۔ اُس وقت مقوقس بابلیون میں تھا۔
تاریخ حیران ہے کہ اُمِ دنین میں اس کی فوج کا قتلِ عام ہو رہا تھا اور وہ بابلیون میں اتنی زیادہ فوج لے کر بیٹھا رہا، حالانکہ اس کی دفاعی سکیم یہی تھی کہ اُمِ دنین پر حملہ ہُوا تو وہ بابلیون سے فوج بھیج کر اس حملے کو ناکام بنا دے گا۔

اُمِ دنین سے بھاگے ہوئے کچھ رومی بابلیون پہنچے اور انہوں نے مقوقس کو بتایا کہ اُمِ دنین میں کیا ہُوا ہے۔ ایک تو اُمِ دنین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور دوسرا صدمہ یہ کہ وہاں جو فوج تھی اس کی اکثریت کٹ مری ہے اور وہی فوجی بچے تھے جو کہیں چھپ گئے تھے اور اب وہ جنگی قیدی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رومی فوج کی اتنی زیادہ نفری ختم ہی ہو گئی تھی۔

تاریخ میں آیا ہے کہ جب مقوقس کو یہ اطلاع پہنچی تو اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ منہ کچھ زیادہ کھل گیا اور آنکھیں ٹھہری سی گئیں جیسے اسے توقع ہی نہیں تھی کہ مسلمان اُمِ دنین کو فتح کر لیں گے۔ اس کا دماغ تو شاید سوچنے سے ہی معذور ہو گیا۔ اگر وہ حوصلہ قائم رکھتا اور ٹھنڈے دل سے سوچتا تو اس کے پاس اتنی فوج تھی کہ وہ فوراً جا کر اُمِ دنین کو محاصرے میں لے لیتا۔ قلعہ فتح ہوتا یا نہ ہوتا، اسے یہ فائدہ تو ضرور ملتا کہ مسلمان اُمِ دنین میں ہی قید ہو کر بیٹھے رہتے۔

اُمِ دنین سے کچھ اور فوجی اور شہری بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بابلیون پہنچے تو انہوں نے وہاں کی فوج کو مجاہدین اسلام کی بے خوفی کی ایسی باتیں سنائیں جنہوں نے سب کو حیرت زدہ اور وحشت زدہ بھی کر دیا۔ فوجی خوفزدہ تو یہ سن کر ہوئے کہ مسلمانوں نے رومی فوج کا کوئی ایک بھی افسر اور سپاہی زندہ نہیں رہنے دیا تھا۔ وہاں سے بھاگ کر آنے والے بعض فوجیوں نے یہ الفاظ کہے کہ مسلمان جنّوں اور بھوتوں کی طرح قلعے میں داخل ہوئے تھے۔ انہیں انسانوں کے روپ میں دیکھ کر بھی کوئی رومی یقین سے نہیں کہتا تھا کہ یہ انسان ہیں.... آج کے علمِ نفسیات کی زبان میں یوں کہنا چاہئے کہ مجاہدین اسلام نے رومی فوج پر نفسیاتی فتح پائی تھی اور ایسی فتح ایمان والے اور اپنے اللہ پر یقین رکھنے والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

مقوقس ابھی اُمِ دنین کا صدمہ برداشت کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اسے ایک جاسوس نے یہ خبر سنائی کہ مسلمان دریائے نیل پار کر کے اہرام کے علاقے میں

سے آگے کو گزر گئے ہیں.... یہ سارا علاقہ لق و دق صحرا تھا۔ مقوقس کو پہلی حیرت تو اس پر ہوئی کہ ان مسلمانوں نے دریا کس طرح عبور کر لیا ہے۔ پھر وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ جا کہاں رہے ہیں۔ تاریخی تحریروں کے مطابق اُس وقت مقوقس کے ساتھ اطربون کے بعد نامور جرنیل تھیوڈور تھا۔ ویسے بھی یہ جرنیل مقوقس کا منظورِ نظر تھا۔ یہ دونوں اس مسئلے پر بات کرنے لگے کہ مسلمانوں کا اگلا ہدف کیا ہے۔

کیا مسلمان سکندریہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں؟.... دونوں نے اس سوال پر بحث مباحثہ کیا اور اس رائے پر متفق ہوئے کہ مسلمانوں کا یہ سپہ سالار ایسی خطرناک حماقت نہیں کرے گا۔ اس وقت تک مقوقس اور تھیوڈور عمروؓ بن عاص کے لڑنے کا انداز اور ان کی جنگی پالیسیوں اور چالوں کو سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت جاسوس دوڑا دیئے کہ وہ جا کر دیکھیں کہ مسلمانوں کا رخ کس طرف ہے۔

جلد ہی پتہ چل گیا کہ مسلمانوں کا رخ فیوم کی طرف ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ عمروؓ بن عاص کا اگلا ہدف فیوم تھا۔ فیوم ایک بڑی بستی بھی تھی اور اس علاقے کو فیوم ہی کہتے تھے۔ وہ تھا تو صحرا لیکن اناج اور مویشیوں کی وہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ عمروؓ بن عاص کو اپنے لشکر کے لئے رسد اور گوشت کی ضرورت تھی۔

مسلمانوں کا نیل کو عبور کر جانا مقوقس کے لئے باعثِ حیرت تھا۔ یہ مسلمانوں کی مستعدی اور چابک دستی کی ایک واضح مثال تھی۔ انہوں نے اُمِ دنین فتح کیا تو دو یا تین دن شہر کا نظام بحال کرنے میں گذارے اور لشکر کو ذرا سا بھی ستانے نہ دیا اُمِ دنین ایک دریائی گھاٹ تھی جسے بعض نے پتن لکھا ہے اور بعض مؤرخوں نے بندرگاہ کہا ہے۔

اس بندرگاہ پر بہت سے چھوٹے اور درمیانہ درجہ بادبانی جہاز کھڑے تھے اور چھوٹی بڑی کشتیوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ اُمِ دنین کی لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی جب عمروؓ بن عاص نے مجاہدین کا ایک چھوٹا سا دستہ بندرگاہ پر بھیج دیا تھا کہ وہاں سے کوئی جہاز اور کوئی کشتی نکل نہ جائے اور ان کے ملاح وہاں موجود رہیں۔ اس طرح انہوں نے کشتیوں اور جہازوں کے پورے بیڑے پر قبضہ کر لیا تھا۔

دو ہی دنوں بعد، لشکر کو آرام کی مہلت دیئے بغیر عمروؓ بن عاص نے مکمل خاموشی سے رات کے وقت کشتیوں اور جہازوں میں سوار کیا اور نیل پار کر لیا۔ جہاز اور کشتیاں

اسی کنارے پر لنگر انداز رہیں۔ ادھر جاسوسوں نے مقوقس کو صحیح خبر دے دی کہ مسلمان فیوم کے علاقے میں جا رہے ہیں۔ مقوقس نے یہ دفاعی انتظام کیا کہ کچھ دستے اس علاقے میں بھیج دیئے۔ وہ صحرا ہموار یا میدانی قسم کا نہیں تھا۔ اس میں گہرے اور وسیع نشیب بھی تھے' ٹیلے اور گھاٹیاں بھی تھیں اور اس طرح چھپنے کا بہترین قدرتی انتظام تھا کہ چھاپہ مار بڑی آسانی سے گھات لگا سکتے تھے۔

مقوقس نے اپنے دستے بھیج تو دیئے لیکن انہیں سختی سے کہا کہ مسلمانوں کے آمنے سامنے صحرا میں نہ آنا کیونکہ صحرا کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ مقوقس کے الفاظ یہ تھے کہ عرب کے مسلمان ریگستان کی پیداوار ہیں اور جہاں کہیں یہ کسی ریگستان میں چلے جاتے ہیں وہاں ان کی جسمانی اور روحانی قوتیں پوری طرح بیدار ہو جاتی ہیں۔

○

مجاہدین کے لشکر کے ساتھ مصری بدّو بھی تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ جب مجاہدین کے لشکر میں آئے تھے تو ان سے یہ کام لیا گیا تھا کہ بستیوں کی طرف چلے جائیں اور چھاپے اور شب خون مار کر اناج اور مویشی اکٹھے کریں اور وہ لشکر کے لئے لائیں۔ ان بدّوؤں نے بڑی خوش اسلوبی اور بڑی کامیابی سے یہ کام کیا تھا۔ انہوں نے لشکر کے لئے اور اپنے لئے خوراک کی کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے لڑنے کے علاوہ اپنا یہ فرض کئی بار ادا کیا اور لشکر کی ضرورت پوری کرتے رہے۔

عمروؓ بن عاص جب فیوم کے علاقے میں گئے اُس وقت بھی لشکر کو رسد کی ضرورت تھی۔ بدّو اس کام میں مہارت حاصل کر چکے تھے اس لئے سپہ سالار نے یہ کام انہی کو سونپا.... بدّو ٹولیوں میں بٹ کر صحرائی بستیوں کی طرف چلے گئے۔ یہ بستیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور وہاں جا کر صحرا ختم ہو جاتا تھا اور زمین زرخیز تھی۔ وہاں گھروں میں اناج بھی تھا اور بھیڑ بکریاں اور مویشی بھی افراط سے تھے۔

بدّو اب بھی بستیوں پر چھاپے یا شب خون ہی مارتے تھے لیکن پہلے کی طرح نہیں بلکہ اب کوشش کرتے تھے کہ ان کے ہاتھوں کوئی قتل یا زخمی نہ ہو۔ وہاں جا کر اعلان کر دیتے کہ لشکر کے لئے اناج اور مویشیوں کی ضرورت ہے۔ اگر لوگ خود ہی یہ چیزیں مہیا نہیں کریں گے تو گھر گھر کی تلاشی لے کر آخری دانہ بھی اٹھا لیا جائے گا اور کوئی ایک

بھی مویشی پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا۔ بدّو ان لوگوں کو یہ یقین بھی دلاتے تھے کہ یہ مسلمانوں کا لشکر ہے جسے فتح حاصل ہو گی اور مصر کی حکومت ان کے ہاتھ آ گئی تو وہ ان دیہاتیوں کی کایا پلٹ دیں گے۔ ہر کسی کو پورے حقوق ملیں گے اور یہ مسلمان رومی بادشاہوں جیسے بادشاہ نہیں' کسی کا حق چھینتے نہیں۔ بدّو یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمان ایک ایک دانے اور ایک ایک جانور کی قیمت ادا کریں گے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بدّوؤں نے اناج اور دیگر اشیاء خوردنی کے انبار لگا دیئے اور بھیڑ بکریاں اور مویشی اس قدر اکٹھے کر لئے جو بہت دنوں کے لئے کافی تھے۔

ان بدّوؤں سے ایک فائدہ تو یہ پہنچا کہ وہ خوراک اکٹھی کرنے کے ماہر ہو گئے تھے اور پھر لڑتے بھی تھے۔ اب انہیں باقاعدہ ترتیب اور تنظیم میں لڑنا آ گیا تھا۔ فیوم کے علاقے میں جا کر ان بدّوؤں سے ایک فائدہ اور حاصل ہُوا۔ وہ یہ تھا کہ جس علاقے سے یہ بدّو خوراک اور مویشی لا رہے تھے اس علاقے میں بھی ان ہی جیسے مصری بدّو بھی رہتے تھے۔ چونکہ یہ ایک ہی نسل کے تھے اس لئے یہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے تھے۔

بدّوؤں کی ایک چھاپہ مار ٹولی کسی بستی میں گئی تو وہاں کچھ بدّو رہتے تھے۔ انہوں نے ان بدوؤں سے پوچھا کہ وہ کیوں یہ ڈاکہ زنی کر رہے ہیں۔ لشکر والے بدّوؤں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ وہ ڈاکو نہیں بلکہ عرب کے مسلمانوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور یہ مسلمان مصر کو فتح کر لیں گے۔

"چونکہ تم بھی ہم جیسے بدّو ہو اس لئے ہم تمہیں خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں" —فیوم کے بدّوؤں کے ایک آدمی نے انہیں کہا— "اس بستی میں تو تم آ گئے ہو' اس سے آگے نہ جانا۔ آگے رومی فوج آ گئی ہے جس کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔ تمہاری یہ چند آدمیوں کی ٹولی ایک ہی ہلّے میں رگڑی جائے گی"۔

عمروؓ بن عاص کے لشکر کے بدّوؤں نے ان بدّوؤں سے پوری تفصیل معلوم کر لی کہ رومی فوج یہاں سے کتنی دُور ہے اور وہ آگے بڑھ رہی ہے یا اس کا انداز کیا ہے.... یہ معلومات لے کر ان بدّوؤں نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتایا۔ عمروؓ بن عاص رومی فوج کی آمد سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ اس علاقے میں انہوں نے اپنا کوئی ایک بھی جاسوس نہیں بھیجا تھا کیونکہ انہیں توقع ہی نہیں تھی کہ رومی فوج اس طرف آئے

گی۔ اب انہیں فوج کی اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر کو وہیں سے واپسی کا حکم دے دیا۔ وہ اس رومی فوج سے ٹکر لینا ہی نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہ بے مقصد لڑائی ہوتی۔ یہی طاقت عمروؓ بن عاص کسی قلعہ بند شہر پر استعمال کرنا زیادہ بہتر اور سُود مند سمجھتے تھے۔ پھر یوں ہُوا کہ مجاہدین کا لشکر ایک جگہ عارضی پڑاؤ کئے ہوئے تھا جو ضروری سمجھا گیا۔ وہ تین بدّو اس پڑاؤ کے قریب سے گزرے۔ انہوں نے مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بدّو دیکھے تو وہ بھی رک گئے۔ لشکر والے بدّو انہیں مہمان کے طور پر پڑاؤ میں لے آئے اور ان کی کچھ خاطرمدارات کی۔

ان بدّوؤں نے بھی پوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے اور وہ یعنی بدّو اس کے ساتھ کیوں ہیں۔ لشکر والے بدّوؤں نے انہیں وہی تفصیل سنا دی جو وہ پہلے ایک بستی میں بدّوؤں کو سنا چکے تھے۔

"ایک بات غور سے سن لو" — ایک بدّو مہمان نے کہا — "رومی فوج کا ایک زیادہ نفری والا دستہ تمہاری طرف آ رہا ہے۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ وہ سیدھا نہیں آ رہا بلکہ صحرا کی گہرائیوں میں چھپتا چھپاتا اور لمبے چوڑے ٹیلوں کی اوٹ کے پیچھے پیچھے بڑھا آ رہا ہے تاکہ تمہارے لشکر پر بے خبری میں حملہ کر سکے"۔

لشکر کے بدّو ان بدّو مہمانوں کو ایک سالار کے پاس لے گئے جس نے ان بدّوؤں سے رومی فوج کے اس دستے کے متعلق تفصیلات معلوم کیں۔ انہوں نے یہاں تک بتا دیا کہ اس دستے کے ساتھ ایک جرنیل ہے جس کا نام حنّا ہے اور وہ علاقے کا مشہور جرنیل ہے اور لوگ اس سے بہت ڈرتے ہیں۔

سالار نے یہ اطلاع پوری تفصیل سے سپہ سالار عمروؓ بن عاص تک پہنچائی۔ عمروؓ بن عاص نے اُسی وقت لشکر کو واپسی کے لئے کوچ کا حکم دے دیا لیکن لشکر کا ایک دستہ الگ کر لیا۔ اسے ایک سالار کی قیادت میں دے کر کچھ خصوصی ہدایات دیں۔ باقی لشکر واپسی کو روانہ ہو گیا اور یہ الگ کیا ہُوا دستہ اُس طرف چلا گیا جس طرف بدّوؤں نے بتایا تھا کہ رومی دستہ چھپ چھپ کر آ رہا ہے۔

اس مسلمان دستے نے ایک خاص چھپاؤ والی جگہ جا گھات لگائی۔ سارا دستہ ایک ہی جگہ اکٹھا نہ رہا بلکہ تین چار حصوں میں بٹ کر ٹیلوں اور گہرے گہرے نشیبوں میں چھپ گیا۔ رومی دستہ جس کی نفری مسلمانوں کے دستے سے دوگنی تھی' اس طرف آ رہا

تھا اور اس سے بے خبر کہ وہ ایک پھندے میں آ رہا ہے۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے رومی دستہ عین گھات میں آ گیا اور اس پر ہر طرف سے قیامت ٹوٹ پڑی۔ پیشتر اس کے کہ رومی جرنیل حنّا سمجھ پاتا کہ یہ کیا ہُوا ہے' وہ مارا جا چکا تھا۔ اس کے دستے کا کوئی ایک بھی فرد مجاہدین نے زندہ نہ چھوڑا۔ وہ جو مجاہدین پر بے خبری میں شب خون مارنا چاہتے تھے مجاہدین کی گھات میں آ کر مارے گئے اور فیوم کے صحرا کی ریت ان کا خون چوسنے لگی۔

○

کسی قریبی بستی کے مکینوں نے بابلیون جا کر مقوقس کو اطلاع دی کہ اس کا بھیجا ہُوا دستہ مارا گیا ہے اور جرنیل حنّا بھی زندہ نہیں رہا۔ مقوقس کے پاؤں تلے سے تو جیسے زمین ہی نکل گئی ہو۔ اُسے معلوم تھا کہ ہرقل حنا کی موت کو مشکل سے ہی برداشت کرے گا کیونکہ حنّا اطربون جیسا ہی قابل اور کایاں جرنیل تھا۔ مقوقس کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب ہرقل کو بزنطیہ حنّا کی موت کی اطلاع ملی تو وہ پہلا سوال یہ کرے گا کہ اس کے جواب میں کیا کارروائی کی گئی تھی۔

ہرقل کے عتاب سے بچنے کے لئے مقوقس نے مجاہدین کے لشکر پر جوابی حملہ کرنے کے لئے اچھی خاصی فوج بھیج دی۔ یہ فوج جب اس مقام تک پہنچی جہاں حنّا اور اس کا دستہ مارا گیا تھا تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر دُور نکل گیا تھا اور نیل کے کنارے پر جا پہنچا تھا۔ تاریخ میں اس رومی جرنیل کا نام نہیں ملتا جو اِس رومی فوج کا کمانڈر تھا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان دُور نکل گئے ہیں تو وہ اپنی فوج کو وہیں سے واپس لے گیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی مسلمانوں سے صحرا میں لڑنے سے ڈرتے تھے۔ ان کے سامنے شام کا تجربہ تھا۔ یہ جرنیل اسی ڈر سے اپنی فوج واپس لے گیا تھا لیکن مقوقس کو یہ جواز پیش کیا کہ مسلمان اسے دیکھتے ہی بھاگ اٹھے تھے اور نیل تک جا پہنچے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ حقیقت یہ تھی کہ یہ جرنیل اور باقی فوجی بھی بہت خوش تھے کہ صحرا میں مسلمانوں سے ٹکر نہ ہوئی اور وہ زندہ واپس آ گئے ہیں۔

مستند مؤرخ اور بعد کے تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ اصل واقعہ یہ تھا کہ عمروؓ بن عاص وہاں لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے اور ذرا سا بھی وقت ضائع کئے بغیر نیل کے مشرقی کنارے پر اُم دنین تک پہنچنے کی فکر میں تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ایک قاصد نے انہیں صحرا

میں آکر اطلاع دی تھی کہ کمک کا باقی حصہ بھی پہنچ گیا ہے لیکن یہ کمک اُم دنین نہیں پہنچی بلکہ ایک اور مقام ہلیو بولیس کے مقام پر خیمہ زن ہو گئی ہے۔

عمروؓ بن عاص یہ سوچ کر بڑی تیزی سے کمک تک پہنچنے کی کوشش میں تھے کہ ایسا نہ ہو کہ کمک ان کے پیچھے فیوم کے علاقے تک پہنچنے کے لئے دریا عبور کرنے کی کوشش کرے اور مقوقس بابلیون سے فوج بھیج کر اس پر حملہ کر دے۔ مقوقس کی کوشش یہی ہونی چاہئے تھی کہ کمک لشکر تک نہ پہنچ سکے۔ عمروؓ بن عاص دوراندیش اور باریک بین سپہ سالار تھا۔ پیشتر اس کے کہ کمک ان کی طرف روانہ ہوتی وہ کمک تک پہنچنے کی کوشش میں تھے۔ رومی کمک پر حملہ کر دیتے تو صورتِ حال بڑی ہی مخدوش ہو جاتی۔

بحری جہاز اور کشتیاں نیل کے مغربی کنارے پر موجود تھیں۔ عمروؓ بن عاص نے لشکر کو ان پر سوار کیا اور پورا لشکر خیر و عافیت سے دریا پار کر گیا۔ عمروؓ بن عاص اُم دنین جانے کی بجائے ہلیو بولیس جا پہنچے اور کمک سے مل گئے۔ اس کمک کے سپہ سالار زبیرؓ بن العوام تھے جن کا تفصیلی ذکر پہلے آ چکا ہے۔

وہ مؤرخین جو جنگی امور کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے' اپنی تحریروں میں حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ مقوقس نے بابلیون میں اتنی زیادہ فوج رکھی ہوئی تھی لیکن نہایت اچھے موقعے ملنے کے باوجود اس فوج کو استعمال نہ کیا۔ معروف غیر مسلم تاریخ دان ا یلفریڈ بٹلر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے دو مرتبہ نیل عبور کیا۔ ایک بار اُم دنین سے فیوم کی طرف گئے اور دوسری بار اس طرف سے واپس مشرقی کنارے پر آئے۔ یہ موقع تھا کہ مقوقس عین دریا میں اس لشکر پر حملہ کر دیتا۔ اس کی فوج دریا کے دونوں کناروں پر کھڑی ہو کر تیر اور برچھیاں پھینکتی تو مسلمانوں کے لشکر کے لئے بڑی ہی مہلک مشکل پیدا ہو جاتی۔

بٹلر نے آگے چل کر لکھا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دریا پار کر کے فیوم کے صحرا میں چلا گیا تھا۔ اس وقت اُم دنین میں مسلمانوں کی نفری بہت ہی تھوڑی تھی۔ مقوقس اس وقت اُم دنین کو محاصرے میں لے کر ہلّہ بول دیتا تو وہ اُم دنین پر دوبارہ قبضہ کر سکتا تھا۔

بٹلر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی کمک آئی اور بابلیون میں اس کی خبر تک نہ پہنچی۔ خبر ضرور پہنچی ہو گی لیکن مقوقس اور جرنیل تھیوڈور نے کمک پر حملہ نہ کیا اور یہ

موقع ضائع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رومی فوج بابلیون شہر کی دیواروں کے اندر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی اور وہیں دبکی رہنا چاہتی تھی جبکہ مسلمانوں کے حوصلے اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کمک تک پہنچے۔ وہاں قدیم عمارات کے کھنڈر تھے۔ عمروؓ بن عاص نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور زبیرؓ بن العوام سے مل کر اگلے اقدام کے متعلق سوچنے لگے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ ہرقل کو جب اطلاع پہنچی کہ اُس کا منظورِ نظر جرنیل حنّا مارا گیا ہے تو اسے اتنا صدمہ ہُوا کہ اس کے آنسو پھوٹ پڑے۔ اس نے حکم بھیجا کہ حنّا کی لاش اس کے پاس بزنطیہ بھیجی جائے۔ یہ حکم مقوقس تک پہنچا تو اس نے تابوت سے لاش نکلوا کر اسے حنوط کیا اور بزنطیہ روانہ کر دی۔

ہرقل نے جب حنّا کی لاش دیکھی تو اُس نے بلند اور غصیلی آواز میں عہد کیا کہ میں مصر کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے اپنی تمام تر جنگی طاقت استعمال کروں گا اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے دم لوں گا۔

ہیلو بولیس کے جن کھنڈرات میں عمرو بن عاصؓ مدینہ سے آئی ہوئی کمک سے جا ملے تھے وہ کھنڈرات کا ہی شہر تھا۔ کوئی ایک بھی مکان صحیح و سلامت کھڑا نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں صحرائی لومڑیوں، سانپوں، بچھوؤں، اُلوؤں اور چمگادڑوں کا بسیرا تھا۔ کھنڈرات بتاتے تھے کہ یہ عالی شان عمارتوں اور پُرشکوہ مکانوں کا شہر ہُوا کرتا تھا۔ اس شہر کا شمار مصر کے چند ایک عظیم شہروں میں ہوتا تھا۔

ہیلوبولیس یونانی لفظ ہے۔ اس شہر کا یہ نام کسی قدیم دور میں یونانیوں نے رکھا تھا۔ اس کے بعد مصر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے بادشاہ کی جھولی میں گرتا چلا آیا۔ اور ان فاتحین میں سے کسی نے ہیلوبولیس کا نام عین الشمس رکھ دیا جو آگے چل کر عین شمس بن گیا۔ اب اس شہر میں کوئی آبادی نہیں تھی۔ صدیوں بعد جن انسانوں نے ان ہیبت ناک کھنڈرات میں جا ڈیرے ڈالے، وہ عرب کے یہ مجاہدین تھے اور ان کے ساتھ مصری بدّو تھے۔ انہیں بھی وہاں عارضی قیام کرنا تھا۔

پہلی رات جب لشکر گہری نیند سویا ہُوا تھا تو گشتی پہرے پر پھرنے والے ایک مجاہد نے ایک کھنڈر سے ہلکی ہلکی روشنی آتی دیکھی۔ اسے معلوم تھا کہ اپنا کوئی مجاہد اندر نہیں ہوگا۔ ہوتا بھی تو آدھی رات کے وقت روشنی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جنگ کے دوران سب سے زیادہ خطرہ دشمن کے جاسوسوں کا ہوتا تھا۔ جاسوس عام کسانوں کے روپ میں اور کبھی اپاہج فقیروں کے روپ میں بھی لشکر کے کیمپ میں آ جاتے اور جو دیکھنا ہوتا وہ دیکھ لیا کرتے تھے۔ اسی شک کی بنا پر اس مجاہد نے اندر جا کر دیکھنا ضروری سمجھا۔

صحرا کی شفاف چاندنی میں کھنڈر کچھ زیادہ ہی ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ مجاہد سنتری

نے ہر طرف گھوم پھر کر اندر جانے کا ایک راستہ دیکھ لیا۔ یہ غلام گردش سی تھی جو اوپر سے ڈھکی ہوئی تھی اس لئے اندر تاریکی تھی۔ مجاہد آہستہ آہستہ اندر گیا تو اسے محسوس ہونے لگا جیسے چھت میں کوئی انسان بیٹھے بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ یہ بدروحیں ہی ہو سکتی تھیں۔ ایک خوف سا تھا جو مجاہد کے دل پر چھا گیا لیکن مجاہدینِ اسلام کی فتح مندی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ خوف پر چھا جایا کرتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ اس کی رہنمائی بڑی ہی مدھم سی روشنی کر رہی تھی جو اندر سے آ رہی تھی۔

کسی ایسی چیز سے مجاہد کو ٹھوکر لگی کہ اچانک تیز و تند آندھی سی آ گئی۔ اتنی بلند اور ہیبت ناک پھڑپھڑاہٹ سنائی دی کہ مجاہد دیوار کے ساتھ جا لگا۔ اب وہ خوف پر قابو نہ پا سکا۔ یہ آندھی یا طوفان نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ یقیناً بدروحیں تھیں جنہوں نے یہ دھماکہ خیز طوفانی آوازیں پیدا کی تھیں۔ مجاہد نے ہوا کے جھونکے بھی محسوس کئے۔ اس نے باہر کی طرف دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ یہ تو بڑے پروں والے چمگادڑ ہیں جو چھت اور دیواروں کے ساتھ چپکے ہوئے تھے اور یہ ان کا مسکن ہے۔ ان کے پروں نے اتنی ہوا دی تھی کہ مجاہد اسے طوفانی ہوا کے تھپیڑے سمجھتا رہا۔

وہ اٹھا اور جھکا جھکا آگے بڑھا۔ اس نے اندر کی روشنی کا بھید معلوم کرنے کو اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔ ایک جگہ سے چھت گری ہوئی تھی اور وہاں سے چاندنی کی کرنیں اندر آ رہی تھیں لیکن اور آگے سے جو زرد روشنی آ رہی تھی وہ چاندنی کی سپیدی میں گڈمڈ نہیں ہو سکتی تھی۔ مجاہد گری ہوئی چھت کے ملبے پر چڑھا اور جب آگے گیا تو ایک دروازہ نظر آیا جس کے کواڑ نہیں تھے۔ مجاہد اس دروازے میں داخل ہُوا تو یہ ایک کشادہ کمرہ تھا جس کی دیواریں بتا رہی تھیں کہ یہ کبھی شاہانہ عمارت ہُوا کرتی تھی اور یہاں کسی بادشاہ نے عمر گزاری ہے۔

کمرہ زرد پیلی روشنی میں ٹھیک طرح نظر آ رہا تھا۔ ایک کونے میں کوئی شخص ہاتھ جوڑے بیٹھا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے سامنے چھوٹی سی مشعل جل رہی تھی۔ اس کے قریب کچھ سامان جو روزمرہ کی زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے، پڑا تھا۔ اس شخص کے کپڑے میلے سے رنگ کے تھے اور وہ سر سے ننگا تھا۔ اس کے دودھ جیسے سفید بال کندھوں پر آ گئے تھے اور سر کی چوٹی پر کوئی بال نہیں تھا۔ چوٹی ہتھیلی کی طرح صاف

تھی۔ مجاہد دبے پاؤں چلتا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس شخص نے آہستہ آہستہ سر مجاہد کی طرف گھمایا اور سر سے اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔

"مجھے معلوم تھا تم آؤ گے"— اس بوڑھے نے بڑھاپے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا— "میں عرب کے ان مہمانوں کے انتظار میں تھا.... تم آ گئے .... تمہیں آنا ہی تھا"۔

"پہلے یہ بتا میرے بزرگ محترم!"— مجاہد نے پوچھا— "کیا تُو زندہ ہے یا جو اس دنیا سے اٹھ گئے ان میں سے کسی کی روح ہے؟ میں تجھے بدروح نہیں روح کہہ رہا ہوں۔ روح پاک ہوتی ہے اور تیرا چہرہ بتا رہا ہے کہ تیرا وجود بدی سے پاک ہے"۔

"ابھی زندہ ہوں"— بوڑھے نے کہا— "بڑی مدت بعد میری زبان حرکت میں آئی ہے۔ میں کسی سے نہیں بولتا' کوئی میرے ساتھ بات نہیں کرتا"۔

"کیا یہاں کوئی اور آیا کرتا ہے؟"— مجاہد نے پوچھا۔

"ہاں!"— بوڑھے نے رعشہ گیر آواز میں جواب دیا— "یہاں سے تھوڑی تھوڑی دور دو گاؤں ہیں وہاں سے تیسرے چوتھے روز ایک دو آدمی آتے ہیں اور کچھ کھانے پینے کے لئے دے جاتے ہیں"۔

"اے بزرگ!"— مجاہد نے کہا— "تو اُن کے پاس ہی کیوں نہیں چلا جاتا؟ یہاں اکیلے پڑا کیا کر رہا ہے؟"

"عبادت!"— بوڑھے نے جواب دیا— "خاک و خون کی دنیا سے تعلق توڑ کر یہاں بیٹھا ہوں۔ بہت آئے' سب رخصت ہو گئے۔ اب تیرا لشکر آیا ہے"۔

"کیا میرا لشکر بھی رخصت ہو جائے گا؟"— مجاہد نے پوچھا۔

"نہیں!"— بوڑھے نے کہا— "تیرا لشکر رخصت ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ اُنہیں رخصت کرنے کے لئے آیا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو انسانوں کا بادشاہ سمجھ لیا تھا۔ فرعون خدا بن گئے تھے۔ کہاں ہیں وہ؟.... سب رخصت ہو گئے"۔

کمرے میں ہلکی ہلکی چڑچڑ اور دھیمی دھیمی پھڑپھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ مجاہد نے اوپر اور ہر طرف دیکھا۔ چمگادڑ واپس آ کر چھتوں میں بیٹھ رہے تھے۔ کچھ آوازیں غلام گردش سے بھی آ رہی تھیں۔ فضا بڑی ہی پُراسرار تھی اور بار بار یہی خیال آتا تھا کہ یہاں مرے ہوئے لوگوں کی روحیں رہتی ہیں۔ مجاہد اس سفید ریش ضعیف العمر سے

کوئی اور بات کرنے ہی والا تھا کہ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور خوف کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ اس لئے کہ اسے سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک سیاہ کالا سانپ رینگتا نظر آیا جس کا رخ ان کی طرف نہیں بلکہ دوسری طرف تھا۔

"وہ دیکھو سانپ!"— مجاہد نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں ہر روز دیکھتا ہوں"— بوڑھے نے لاتعلق سے لہجے میں کہا— "ہم اکٹھے رہتے ہیں۔ یہ سانپ صرف اُس انسان کو ڈستا ہے جو انسان خود سانپ بن جاتا ہے۔ یہاں ایک ہی نہیں تین چار سانپ رہتے ہیں۔ میں نے ان پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میں انسان ہوں اور انسان کسی کو ڈسا نہیں کرتے۔ ہر انسان اپنے وجود میں سانپ کا زہر لئے پھرتا ہے.... پیار کر پیارٹے گا.... اب بتا' تیرے لشکر کا سردار کہاں ہے؟!"

"کیا تو اُسے ملنا چاہے گا؟"— مجاہد نے پوچھا اور کچھ سوچ کر کہا— "تجھے اس سے ملنا ہی ہو گا۔ ہمارے لشکر کا سردار نہیں سپہ سالار ہوتا ہے۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں تجھے اپنے سپہ سالار کے پاس لے جاؤں۔ ہمارا لشکر یہاں قیام کئے ہوئے ہے۔ ہم کسی پر شک تو نہیں کیا کرتے لیکن شک رفع کر لینا ضروری سمجھتے ہیں میں تجھ جیسے بزرگ پر بھی شک نہیں کروں گا لیکن بظاہر بے ضرر اور بے کار سے آدمی دراصل دشمن کی آنکھ اور کان ہُوا کرتے ہیں.... کیا تُو میرے سپہ سالار کے پاس جائے گا؟"

"میری ایک بات سمجھنے کی کوشش کر بیٹا!"— بوڑھے نے کہا— "اگر تیرا سپہ سالار فرعون جیسا ہے یا فارس کے آتش پرست بادشاہوں جیسا ہے یا رومی ہرقل جیسا بادشاہ ہے تو وہ تجھے حکم دے گا کہ اس بوڑھے کو گھسیٹ کر پیش کرو' وہ یہاں ہمارے درمیان بیٹھا کیا کر رہا ہے.... اور اگر وہ اُس جیسا سردار ہے جس کا مجھے ایک صدی سے انتظار ہے تو جا اسے بتا اور وہ خود میرے پاس آئے گا.... جا' اسے بتا کہ وہ تیرے ہی انتظار میں بیٹھا ہے"۔

بوڑھے کی اس بات سے اور یہ بات کہنے کے انداز سے مجاہد کچھ ایسا مرعوب ہُوا کہ اس کے دل میں تقدس سا پیدا ہو گیا۔ اسے شک پھر بھی رہا لیکن اس کا تقدس اس شک پر حاوی ہو گیا۔ وہ اٹھا اور باہر کو چل پڑا۔



مجاہد جب باہر شفاف چاندنی میں نکلا تو اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ روحوں

کے دیس میں چلا گیا تھا۔ اس ہیبت ناک کھنڈر کا اس پر جو خوف طاری ہُوا تھا وہ کھنڈر کے اندر ہی نکل گیا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا جیسے یہ سفید ریش جھُریوں بھرے چہرے والا بزرگ اس دنیا کا زندہ انسان نہیں۔ چونکہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے اندر گیا تھا اس لئے اس نے اس شک کو فراموش نہ کیا کہ اس بوڑھے کے پاس گاؤں کے جو آدمی آتے ہیں ان میں کوئی جاسوس ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس نے اپنی گشت کا وقت پورا کیا اور اپنے کماندار کو جگا کر بتایا کہ اس کھنڈر میں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے اور اس کے پاس گاؤں کے کچھ لوگ آتے ہیں۔ مجاہد نے کماندار کو بوڑھے کی کچھ باتیں بھی سنائیں۔

فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ کھنڈرات کے اس شہر میں اذان کی مقدس آواز اٹھی اور کھنڈروں میں سے صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اللہ کی آواز کھنڈروں میں سے گھوم پھر کر روحوں کو بھی بیدار کر رہی ہو اور مصر کے اس صحرا میں پھیلتی چلی جا رہی ہو۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے امامت کے فرائض ادا کئے۔ نماز کے بعد کماندار نے اپنے دستے کے سالار کو رات کے مجاہد کی رپورٹ سنائی اور سالار نے عمروؓ بن عاص تک یہ بات پہنچا دی۔ اتنی دور پردیس میں ذرا ذرا سا شک بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے رات کی گشتی ڈیوٹی والے مجاہد کو طلب کیا اور اسے کہا کہ وہ پوری بات سنائے۔

مجاہد نے بوڑھے کا ایک ایک لفظ اپنے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو سنایا اور اُس وقت اس کے جو اپنے تاثرات تھے وہ بھی بیان کئے۔ عمروؓ بن عاص نے جب بوڑھے کے یہ الفاظ سنے کہ تیرا سردار فرعون اور ہرقل جیسا بادشاہ نہ ہُوا تو وہ خود میرے پاس آئے گا' عمروؓ بن عاص نے کہا کہ میں ابھی اس کے پاس چلوں گا۔

"مجھے وہاں لے چل" ـــ عمروؓ بن عاص نے رات والے مجاہد سے کہا اور سالار سے کہا ـــ "اس بوڑھے کے لئے کچھ کھانے کا سامان ساتھ لے چلو"۔

کچھ ہی دیر بعد عمروؓ بن عاص کمک کے سالار زبیرؓ بن العوام کے ساتھ مجاہد کی رہنمائی میں اس کھنڈر میں داخل ہو رہے تھے جس میں وہ بوڑھا بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ ان کے پیچھے دو مجاہد بوڑھے کے لئے دودھ اور کھانے کی کچھ اشیاء اٹھائے چلے جا رہے

تھے۔

جب سپہ سالار بوڑھے کے کمرے میں داخل ہوئے اُس وقت بوڑھا لاٹھی کے سہارے کمرے میں یوں ٹہل رہا تھا کہ بڑی مشکل سے پاؤں گھسیٹتا اور آگے رکھتا تھا۔ صبح کا اجالا دوبے کواڑ کھڑکیوں میں سے اندر آ رہا تھا لیکن چھوٹی سی مشعل پھر بھی جل رہی تھی.... بوڑھا اس پارٹی کو دیکھ کر رک گیا۔

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو" ـــ عمروؓ بن عاص نے بوڑھے سے کہا ـــ "تُو نہ کہتا تو بھی میں تیرے پاس آ جاتا"۔

"تُو بادشاہ معلوم نہیں ہوتا" ـــ بوڑھے نے رک کر کہا ـــ "مصر کی مٹی تیرے قدموں کی منتظر تھی.... آجا.... میرے پاس اس زمین پر بیٹھ جا"۔

بوڑھا قدم گھسیٹتا وہاں تک جا پہنچا جہاں وہ رات بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے اپنے پاس زمین پر ہاتھ مارا جو عمروؓ بن عاص کے لئے اشارہ تھا کہ یہاں بیٹھ جاؤ۔ عمروؓ بن عاص نے اشارہ کیا تو مجاہدین آگے بڑھے اور دودھ اور کھانے پینے کی چیزیں بوڑھے کے آگے رکھ دیں۔ پھر عمروؓ بن عاص اور زبیرؓ بن العوام اس کے پاس بیٹھ گئے۔ مجاہدین پیچھے ہٹ کر کچھ دور جا بیٹھے۔

"پہلے اپنے بارے میں کچھ بتا" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "تُو کب سے یہاں پڑا ہے؟ کیا کر رہا ہے اور تیرے پاس کون آتا ہے؟"

"پہلے مجھے اُس کا شکر ادا کرنے دے جس نے مجھے زندہ رکھنے کے لئے یہ نعمتیں تیرے ہاتھ بھیجی ہیں" ـــ بوڑھے نے کہا ـــ "پھر تجھے پہلے اس شہر کے عروج و زوال کی بات سناؤں گا کہ تُو عبرت حاصل کرے کہ ایک طاقت اور ہے جو نظر نہیں آتی اور وہی طاقت انسان کو بلندیوں تک پہنچا کر پستیوں میں پھینک دیتی ہے لیکن ہر کسی کو نہیں۔ میں نے رات تیرے اس آدمی سے کہا تھا کہ وہ فرعون کہاں ہیں جو خدا بن بیٹھے تھے۔ سن سپہ سالار! تُو نے اس زمین کا احترام کیا تو آسمان کی بلندی تک پہنچے گا اور اگر تُو نے یہ کہا کہ تُو خود ہی آسمان کی بلندی تک پہنچ گیا ہے تو اس زمین کے نیچے جا کر گم ہو جائے گا"۔

"تُو عبادت کس کی کرتا ہے؟" ـــ عمروؓ بن عاص نے بوڑھے کا مذہب اور عقیدے معلوم کرنے کے لئے پوچھا۔

"اپنی!" — بوڑھے نے جواب دیا — "میں اپنی ذات کی عبادت کرتا ہوں.... حیران مت ہو سپہ سالار!.... تو اُسے خدا کہہ لے' کچھ کہہ لے' جو کچھ بھی ہے وہ میری اپنی ذات میں ہے۔ اپنی ذات سے یہ مراد نہیں کہ سب مجھے لائق عبادت سمجھیں۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ کیا تو میرے اس عقیدے کو پسند نہیں کرے گا کہ میں کسی بُت کی عبادت نہیں کرتا؟ میں آگ کی عبادت نہیں کرتا اور میں نے اپنا کوئی خدا نہیں بنا رکھا لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ مذہب ابھی تک میرے سامنے نہیں آیا جو مجھے یہ بتائے کہ عبادت کے لائق کون ہے۔ اتنا جانتا ہوں کہ وہ خدا ہے یا جو کوئی بھی ہے وہ بندوں کو نظر نہیں آتا۔ نظر آنا بھی نہیں چاہیے"۔

"مجھ سے سُن وہ کون ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "ہمیں اسی نظر نہ آنے والے خدا نے بھیجا ہے کہ جاؤ میرے بندوں کو گمراہی سے نکالو اور انہیں بتاؤ کہ میں اپنے ہر بندے کی ذات میں موجود رہتا ہوں اور یہ بھی بتاؤ کہ سدا بادشاہی میری ہے' کسی بندے کی نہیں اور بندہ بندوں کو غلام نہیں بنا سکتا"۔

"یقین ہو چلا ہے کہ میں تیرے ہی انتظار میں زندہ ہوں" — بوڑھے نے کہا — "میں نہیں' مصر کی مٹی تیرے انتظار میں تھی لیکن مت سوچنا کہ تیری ذات کا انتظار تھا۔ اپنے آپ کو اُس خدا کا قاصد سمجھ اور اس نے جو پیغام دے کر تجھے بھیجا ہے اس پر دھیان رکھ اور گمان میں نہ رہنا کہ اب کوئی موسیٰؑ نہیں آئے گا۔ فرعون کو موسیٰؑ نے نیل میں ڈبویا تھا۔ فرعون کو نہیں بلکہ فرعونیت کو۔ اپنے آپ کو موسیٰ سمجھ کہ مصر سے فرعونیت ابھی گئی نہیں"۔

"تیری عمر کتنی ہو گی اے بزرگ!" — عمروؓ بن عاص نے پوچھا۔

"عمر کی مت پوچھ" — بوڑھے نے جواب دیا — "لگتا ہے کہ یہ دنیا وجود میں آئی تھی تو میں بھی اس کے ساتھ آگیا تھا اور اُسی وقت دنیا سے رخصت ہوں گا جب یہ دنیا رخصت ہو جائے گی.... جہاں تک یاد کام کرتی ہے میری عمر ایک سو سال سے بیس پچیس سال اوپر ہو گی۔ بڑی بڑی بستیاں بستے اور اجڑتے دیکھی ہیں"۔

عمروؓ بن عاص اور تمام مسلمان جوتش اور نجوم یا کسی بھی ایسے علم کی پیش گوئیوں کے قائل نہیں تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ غیب کا حال احوال صرف اللہ جانتا ہے پھر بھی کسی خیال سے عمروؓ بن عاص نے اس بوڑھے سے پوچھا' کیا وہ پیش گوئی کرنے کا علم رکھتا

ہے؟

"نہیں اے سپہ سالار!" — بوڑھے نے جواب دیا — "میرے پاس ایسا کوئی علم نہیں۔ دنیا دیکھی ہے اور وہی کہتا ہوں جو دیکھا ہے اور دیکھ رہا ہوں۔ گمراہ کو دیکھ کر کون پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ یہ شخص تباہی کے گڑھے میں گرے گا اور جن کے اعمال نیک اور بنی نوع انسان کی محبت کے حامل ہوتے ہیں ان کے متعلق کوئی بھی شخص پیش گوئی کر سکتا ہے کہ یہ شخص بلندیوں کی طرف جا رہا ہے.... میں سمجھتا ہوں تو نے یہ کیوں پوچھا ہے.... میں تجھے پہلے ہی اس سوال کا جواب دے چکا ہوں۔ تیرا یہاں میرے پاس آنا اور اس مٹی پر میرے ساتھ بیٹھنا اس امر کی دلیل ہے کہ فتح تیری ہو گی۔ اور تو نے اسے اپنی ذاتی فتح سمجھ کر خود ہی انعام حاصل کرنے کی کوشش کی تو پھر پیش گوئی الٹ جائے گی"۔

○

"اس شہر کے بارے میں کچھ بتا" — عمروؓ بن عاص نے پوچھا۔

"آہ' یہ شہر!" — بوڑھے نے کہا — "یہ شہر عظمت کی یادگار بھی ہے اور عبرت کا نشان بھی!.... لگتا ہے جیسے یہ شہر فرعونوں نے میری آنکھوں کے سامنے آباد کیا تھا اور اس شہر کی عمارتوں اور شاہانہ مکانوں میں اپنی پوری شہنشاہیت اور قدرت کا تمام تر حسن سمو دیا تھا۔ انہوں نے اس شہر کا نام مدینتہ الشمس رکھا تھا۔ مجھے اس شہر کے جوبن اور عروج کا قصہ میرے آباؤ اجداد نے اور انہیں ان کے اباؤ اجداد نے سنایا تھا۔ میرے باپ دادا مذہبی پیشوا تھے اور مذہبی پیشوائی مجھے ورثے میں ملی ہے لیکن آگے چل کر میں عقیدوں میں الجھ گیا اور کچھ عرصہ تو یوں گزرا کہ سمجھ نہ سکا کہ عبادت کروں تو کس کی کروں.... یہ میرا ذاتی معاملہ ہے' میں تجھے اس شہر کی داستان سنا رہا ہوں....

"جانے دے اس بات کو کہ یونانی یہاں کب اور کیسے آئے' میں صرف یہ بتاتا ہوں کہ یہ شہر مختلف علوم کا مرکز بن گیا تھا۔ یونان کے مشہور فلسفی افلاطون' ارسطو اور سقراط اسی شہر میں آکر علم و فضل سے فیض یاب ہوئے تھے۔ انہوں نے فلسفے اور ہیئت کی تعلیم یہیں سے حاصل کی تھی۔ عجیب بات سن' فرعونوں کا زوال شروع ہوا تو اس شہر کا عروج شروع ہو گیا۔ فرعونیت پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس شہر میں مختلف مذہبوں اور مذہبی عقیدوں کی عبادت گاہیں ابھرنے لگیں۔ مینار اور گنبد نظر آنے لگے اور ان

سے شہر کے حسن میں اضافہ ہو گیا۔ مختلف مذہبی شخصیتوں نے یہاں کے مدرسوں سے تعلیم پائی تھی اور سارے مصر میں اور ارد گرد کے ممالک میں پھیلائی....

"فارس کے آتش پرستوں نے یہاں اپنے آتش کدے بنائے لیکن رومیوں نے آ کر انہیں مصر سے بے دخل کر دیا اور اپنے ساتھ عیسائیت لائے۔ اہلِ مصر نے عیسائیت قبول کرنی شروع کر دی اور آتش کدوں اور دیگر عبادت گاہوں کی جگہ گرجے ابھرنے لگے....

"یہاں سے اس شہر کی تقدیر اُلٹے پاؤں چل پڑی۔ وجہ یہ ہو گئی کہ یہاں جو بھی عقیدہ پھیلا وہ لوگوں نے متاثر ہو کر قبول کر لیا تھا لیکن رومیوں نے یہاں بزورِ شمشیر عیسائیت پھیلائی۔ آج بھی دیکھ لے، یہ مت سمجھ کہ میں یہاں اس کھنڈر میں بیٹھا ہوں اور مجھے باہر کی کوئی خبر نہیں۔ پل پل کی خبر مجھ تک پہنچتی ہے.... آج بھی دیکھ لے، رومی بادشاہ ہرقل نے اپنی ہی عیسائیت کا چہرہ مسخ کر ڈالا ہے اور ایسے ظلم و ستم سے اسے پھیلا رہا ہے کہ سنو تو جگر کانپ اٹھتا ہے۔ ہزاروں لوگ ہرقل کی عیسائیت کو قبول نہ کرنے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں....

"رومیوں نے یہاں آتے ہی اس شہر سے عبادت گاہوں کو اجاڑنا شروع کر دیا تھا۔ بڑے خوبصورت بُت اور حسین مورتیاں اٹھا کر لے گئے۔ کیا تُو مانے گا کہ انہیں کوئی مینار اچھا لگا تو وہ سالم کا سالم اکھاڑ کر لے گئے۔ بے انداز کتابیں جو علوم کا خزانہ تھا، یہاں سے اٹھالیں، کچھ جلائیں اور کچھ روم بھیج دیں مختصر یہ کہ انہیں یہاں جو کچھ بھی اچھا لگا وہ اٹھایا اور بحیرۂ روم سے پار روم بھیج دیا۔ یوں کہہ لے کہ رومیوں نے اس اتنے حسین اور عظیم شہر کا وہی حال کر دیا جو گدھ اور لومڑیاں مردار کا کیا کرتی ہیں....

"انہوں نے علوم کا یہ سرچشمہ بند کر دیا تو اس شہر کی رونقیں ہی ماند پڑ گئیں۔ باہر سے علم کے شیدائیوں نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ یونانیوں نے اس شہر کا نام ہیلو پولیس رکھا تھا لیکن رومیوں نے اس کا نام بدل کر عین الشمس رکھ دیا۔ اب لوگ اسے عین شمس کے کھنڈر کہتے ہیں۔ آج دیکھ اس شہر کی زنگ آلود دیواریں، جھکی ہوئی چھتیں اور دیمک کے کھائے ہوئے کواڑوں والے دروازے اس شہر کی عظمت پر آنسو بہا رہے ہیں۔ میں تجھے اس شہر کی نہیں بلکہ بادشاہوں کے عروج و زوال کی بات سنا رہا ہوں....

"اس داستان سے میں نے عرق نکالا ہے اور اس کے زیرِ اثر کبھی کا پیش گوئی کر رہا ہوں کہ ایک لشکر آ رہا ہے جو طوفانِ باد و باراں کی طرح سب کچھ اڑا اور بہا لے جائے گا اور ایک نئی دنیا وجود میں آئے گی۔ عروج اُسی کو حاصل ہو گا جو ایک ایسا عقیدہ لائے گا جو کسی انسان کی تخلیق نہیں ہو گا بلکہ اُس کی تخلیق ہو گا جو انسانوں کا خالق ہے۔ تیرا لشکر طوفانِ باد و باراں کی طرح یہاں پہنچا ہے۔ میں سب کچھ سن چکا ہوں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں تیرے پاس طاقت ہے ہی نہیں لیکن سوچ، تُو نے شاید سوچا بھی ہو گا کہ تیرے ساتھ کوئی ایسی قوت ہے جو رومیوں کی جنگی قوت کو روندتی تجھے یہاں تک لے آئی ہے لیکن ان کامیابیوں سے اس خوش فہمی میں نہ پڑ جانا کہ اب تو فتح ہی فتح ہے۔ کسی بھی قلعے کو اپنا سمجھ جب تو اُپنا جھنڈا اس پر گاڑ دے گا۔ یہ مت سوچ کہ یہ قلعہ تُو بس اپنے ہاتھ آیا کہ آیا۔ یہ بھی یاد رکھ کہ تُو آیا نہیں بھیجا گیا ہے"۔

"جس نے مجھے بھیجا ہے اسے ہم اللہ کہتے ہیں" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "ہم دنیا کی جاہ و حشمت کے لئے نہیں لڑتے، ہم اللہ کی خوشنودی کے لئے اور اس کا پیغام ساری دنیا میں پہنچانے کے لئے لڑتے ہیں ہمارا نصب العین ہے بنی نوع انسان کی نجات"۔

"جا، فتح تیری ہے!"

سپہ سالار عمروؓ بن عاص اور سالار زبیرؓ بن العوام وہاں سے اٹھے۔ سپہ سالار نے حکم دیا کہ جب تک ان کا لشکر ان کھنڈرات میں ہے، اس بزرگ کا کھانا ہمارے ذمے ہو گا۔

○

اُدھر بابلیون میں مقوقس کے ہاں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس نے تو یہ پلان بنایا تھا کہ مسلمان اور آگے آ جائیں تو انہیں گھیرے میں لے کر ختم کر دیا جائے لیکن اس کا یہ پلان بُری طرح ناکام ہُوا اور اطربون جیسا جرنیل مارا گیا۔ سب سے بڑا نقصان تو یہ ہُوا کہ رومی فوج کو اتنا جانی نقصان اٹھانا پڑا جس کی مقوقس کو توقع نہیں تھی، اور اس کے ساتھ نقصان یہ کہ جو فوج زندہ تھی اس کا لڑنے کا جذبہ بُری طرح مجروح ہو گیا تھا۔

اس فوج میں وہ دستے بھی تھے جو شام میں مسلمانوں سے نہیں لڑے تھے۔ شام سے بھاگ کر آنے والے فوجیوں نے انہیں بتایا تھا کہ مسلمان کس بے جگری اور بے

خوفی سے لڑتے ہیں۔ اب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا تو انہیں یقین آیا کہ مسلمان تو اس سے زیادہ نڈر اور بے خوف ہیں جتنا انہیں بتایا گیا تھا۔ ذہنی طور پر یہ فوج شکست قبول کر چکی تھی۔

مقوقس پر دوسری چوٹ یہ پڑی تھی کہ ہرقل نے اسے مسلمانوں کی فتوحات کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے بڑا سخت پیغام بھیجا تھا۔ اس پیغام کے جواب میں مقوقس نے ہرقل کو ایسا ہی پیغام بھیجا اور اس پر شام کی شکست کی طنز بھی کی تھی۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ (مؤرخوں کے مطابق) ہرقل اور مقوقس کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کدورت پیدا ہو گئی تھی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقوقس نے ہرقل کے بنائے ہوئے اسقفِ اعظم قیرس کے مشورے سے اپنا ایک خاص آدمی قبطی عیسائیوں کے اسقفِ اعظم بنیامین کی طرف اس درخواست کے ساتھ بھیجا تھا کہ بنیامین قیرس سے ملے اور مسلمانوں کی پسپائی کا کوئی بندوبست کیا جائے۔

مقوقس کا یہ آدمی بنیامین تک پہنچ گیا تھا اس نے مقوقس اور قیرس کی ہدایات کے مطابق بنیامین کو تفصیل سے سُنایا کہ ہرقل نے مقوقس اور قیرس پر کیا الزام عائد کئے ہیں اور یہ دونوں ہرقل کے خلاف ہو گئے ہیں۔ پھر اس آدمی نے بنیامین کو یقین دلایا کہ قیرس نے اسے نیک نیتی سے بلایا ہے اور ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ یہ بھی بتایا کہ ان کی ملاقات کی خبر ہرقل کو نہیں ملے گی کیونکہ اس ملاقات کا واحد مقصد عیسائیت کا تحفظ اور فروغ ہے اور مسلمانوں کا راستہ روکنا بھی مقصود ہے۔

بنیامین اصل عیسائیت پر قربان ہُوا جا رہا تھا اور اصل عیسائیت کو ہی بحال کرنا چاہتا تھا۔ اصل عیسائیت پر اس نے اپنا ایک بھائی قربان کر دیا تھا۔ بنیامین مقوقس کے اس آدمی کے ساتھ ہی آ گیا اور جب مسلمانوں کا لشکر اُم دنین کی طرف بڑھ رہا تھا' بنیامین بابلیون میں قیرس اور مقوقس کے پاس پہنچ گیا۔

مقوقس اور قیرس نے اس کا استقبال بڑے ہی خلوص سے کیا اور اسے پہلا یقین یہ دلایا کہ یہ ملاقات خفیہ ہو گی اور اگر بنیامین نے اس ملاقات کو ناکام کیا تو بھی اسے بحفاظت واپس بھیج دیا جائے گا۔ بنیامین اور قیرس کی یہ ملاقات تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فتح کا باعث یہ تھا کہ قبطی عیسائی

ان کے ساتھ مل گئے تھے اور ان قبطیوں نے رومی فوج کو زمین دوز طریقوں سے بھی نقصان پہنچایا تھا۔ یہ محض بے بنیاد بات ہے۔ مصر میں مجاہدینِ اسلام کو اللہ کے سوا کسی کی مدد حاصل نہیں تھی۔

بنیامین جب بابلیون پہنچا تو مقوقس نے قیرس سے کہا کہ وہ دونوں الگ بیٹھ کر بات کریں اور اس میں وہ خود دخل انداز نہیں ہو گا۔ مقوقس اور قیرس کا مقصد یہ تھا کہ قبطی عیسائی رومی فوج کے ساتھ ہو جائیں۔ قیرس نے بنیامین کے آگے یہی مقصد رکھا اور کہا کہ عیسائیت کو بچانا اور اسلام کا راستہ روکنا ہے۔

بنیامین زیادہ زور اس بات پر دیتا تھا کہ جب تک ہرقل زندہ ہے وہ اپنی عیسائیت سے دستبردار نہیں ہو گا نہ کسی کو دستبردار ہونے دے گا۔ قیرس نے اسے بتایا کہ ہرقل اب اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔ مقوقس نے یہاں تک کہا کہ ہرقل نے بے جا دخل اندازی کی تو اسے مجبور کر دیا جائے گا کہ وہ مصر سے دستبردار ہو جائے اور اپنی عیسائیت کو سنبھال کر رکھے۔

مقوقس نے ان دونوں مذہبی پیشواؤں کو الگ بیٹھ کر بات کرنے کو کہہ دیا لیکن انہیں یہ نہ بتایا کہ وہ خود کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے ہرقل کو بلبیس کے قلعے کی فتح کی خبر سنا دی تھی اور پھر یہ خبر سنائی کہ مسلمان نیل تک پہنچ گئے ہیں اور اطربون کے بعد اس کا ایک اور منظورِ نظر جرنیل حنّا بھی مارا گیا ہے۔ مقوقس کو معلوم تھا کہ ہرقل کا ردِ عمل کیا ہو گا۔ مقوقس کو یہ بھی شکایت تھی کہ ہرقل بزنطیہ سے مصر کے لئے امدادی فوج نہیں بھیج رہا۔ اتنی شکستوں کے بعد مقوقس کو یہ توقع تھی کہ ہرقل اسے مصر کی فرمانروائی سے معزول کر دے گا۔ اس کے علاوہ مقوقس کو ہرقل سے توقع تھی کہ قبطیوں کو اپنا دشمن بنائے رکھے گا اور اپنی عیسائیت کو نہیں چھوڑے گا اور اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت قبطی بنیامین کے اشارے پر بغاوت کر دیں گے۔

بنیامین اور قیرس الگ بیٹھے گفت و شنید کر رہے تھے۔ مقوقس نے اپنے جرنیل تھیوڈور کو بلا لیا اور اپنے خاص کمرے میں جا بیٹھا۔ تھیوڈور کے ساتھ مقوقس کی رازداری تھی۔ اب بازی تھیوڈور کے سر تھی۔ وہ اور مقوقس مزید شکست کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

"تھیوڈور!" — مقوقس نے کہا — "بنیامین اور قیرس کو میں نے الگ بٹھا دیا ہے

لیکن میں سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب تک ہرقل ہمارے سروں پر موجود ہے' ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے اور ایک روز مسلمان سارے مصر پر چھا جائیں گے اور ہرقل اس کا الزام ہمارے منہ پر تھوپ دے گا"۔

"میں ساری صورتِ حال سے واقف ہوں" — تھیوڈور نے کہا — "یہ بتائیں کہ اس کا حل کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

"ہرقل کو معزول کر دیں" — مقوقس نے کہا — "لیکن یہاں اس کے حامی فوج میں موجود ہیں۔ وہ ہم دونوں کو یا مجھے قتل کر دا دیں گے۔ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ ہم ہرقل کو قتل کروا دیں"۔

جرنیل تھیوڈور نے سر جھکا لیا جیسے گہری سوچ میں کھو گیا ہو۔ مقوقس اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ آخر تھیوڈور نے سر اٹھایا اور آہستہ آہستہ سر اوپر نیچے ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مقوقس سے اتفاق کرتا ہے۔

"کام خطرناک تو ہے لیکن آسان نہیں" — تھیوڈور نے کہا — "اس کے سوا کوئی چارہ کار رہ بھی نہیں گیا..... کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ اس کا انتظام کیا ہو گا؟"

"میں انتظام کر چکا ہوں" — مقوقس نے کہا — "دو آدمی تیار کر لئے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک ایسی خوبصورت اور ہوشیار لڑکی جائے گی کہ اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہرقل نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہو گی۔ یہ لڑکی میں تحفے کے طور پر ہرقل کو بھیج رہا ہوں۔ اسے میرے اپنے دو قابلِ اعتماد آدمی لے جائیں گے۔ اس کام کے لئے میں نے انہیں ایک خزانہ پیش کیا ہے"۔

"کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟" — تھیوڈور نے پوچھا — "ظاہر ہے لڑکی کم سن ہو گی۔ وہاں جا کر ڈر ہی نہ جائے"۔

"قتل خنجر یا تلوار سے تو نہیں کرنا" — مقوقس نے کہا — "ہرقل کی شراب میں زہر ملانا ہے جو یہ لڑکی آسانی سے ملا دے گی۔ میں نے لڑکی کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ ہرقل کس طرح شراب پیتا ہے اور اس دوران کیا کرتا ہے اور لڑکی کس طرح موقع پیدا کر کے ذرا سا زہر اس کے گلاس میں ڈال دے۔ زہر اتنا تیز ہے کہ اس کے چند ذرے شراب میں پڑ گئے تو کام کر دیں گے"۔

"احتیاط تو آپ کریں گے ہی" — تھیوڈور نے کہا — "ایک احتیاط سب سے زیادہ

ضروری ہے۔ یہ جو دو آدمی ساتھ جا رہے ہیں' انہیں کوئی پہچان نہ سکے"۔

مقوقس نے اسے بتایا کہ اس نے یہ احتیاط خاص طور پر پیشِ نظر رکھی ہے۔ انہیں وہ نہایت معمولی قسم کے لوگوں کے لباس میں بھیج رہا تھا۔ لڑکی کو بھی کسی غریب آدمی کی بیٹی کے لباس میں بھیجنا تھا اور چہرے پر نقاب رکھنا تھا..... مقوقس نہ جانے کب سے ہرقل کے قتل کا پلان بنا رہا تھا اور اب اس نے عمل در آمد کا پکا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے تھیوڈور کو بتایا کہ دونوں آدمیوں اور اس لڑکی کو وہ دو بار ریہرسل کروا چکا ہے۔ تھیوڈور نے اس کی تائید ہی نہ کی بلکہ حوصلہ افزائی بھی کی۔

اس کے بعد دونوں نے بائبل پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا کہ وہ اس راز کو راز ہی رکھیں گے اور ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیں گے۔

ادھر بنیامین اور قیرس عیسائیت کے نام پر مسلمانوں کے خلاف متفق ہو گئے۔ بنیامین صرف ہرقل کی ضمانت چاہتا تھا۔ مقوقس نے اسے یقین دلایا کہ ہرقل اس اقدام کو پسند کرے گا۔ مقوقس نے یہ بھی کہا کہ ہرقل کو عیسائیت سے زیادہ اپنی سلطنت پیاری ہے۔ اسے مصر چاہئے مذہب نہیں۔ قیرس تو پہلے ہی بنیامین کو یقین دلا چکا تھا۔ تھیوڈور کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ مقوقس کس بنیاد پر ہرقل کی ضمانت دے رہا ہے۔ وہ تو ہرقل کو اس دنیا سے ہی اٹھا رہا تھا۔

بنیامین یہ وعدہ کر کے رخصت ہُوا کہ وہ اپنے مشیروں کو اس فیصلے سے آگاہ کر دے گا اور پھر قبطی فوج میں شامل ہو جائیں گے۔ وہ فوج میں شامل ہوں یا نہ ہوں' بغاوت نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے ساتھ ذرا سا بھی تعاون نہیں کریں گے۔



مجاہدینِ اسلام کا لشکر عین شمس کے کھنڈرات میں قیام کئے ہوئے تھا۔ کمک پہنچ گئی تھی اور اب سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو آگے بڑھنا تھا۔ وہ زیادہ دیر انتظار کرنے والے سپہ سالار نہیں تھے لیکن لشکر میں زخمیوں کی تعداد کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ ان کی مرہم پٹی ہو رہی تھی اور توقع تھی کہ کچھ دنوں تک یہ لڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔ غور و خوض کر کے یہ بھی طے کرنا تھا کہ اگلا قدم کدھر اٹھایا جائے۔

عین شمس کے کھنڈرات کا شہر ذرا بلندی پر تھا اور دفاعی لحاظ سے یہ موزوں تھا۔ دشمن اچانک حملہ کر دیتا تو اس شہر کی بلندی فائدہ دے سکتی تھی۔ کے علاوہ وہاں پانی

کثرت سے موجود تھا جس کے ختم ہونے کا امکان نہیں تھا۔ اشیاء خوردنی کی ایسی افراط کہ خوراک کی قلت کا خطرہ تھا ہی نہیں۔

ایک روز عمروؓ بن عاص نے زبیرؓ بن العوام اور دوسرے تمام سالاروں کو طلب کیا۔

"میرے رفیقو!" — عمروؓ بن عاص نے سالاروں سے کہا — "اب بابلیون کا قلعہ بند شہر ہمارے سامنے ہے لیکن وہاں جو رومی فوج ہے اس کا کوئی شمار ہی نہیں۔ ایک تو مفتوحہ قلعوں سے بھاگے ہوئے فوجی بابلیون میں جا پہنچے ہیں اور دوسرے یہ کہ مقوقس اپنی زیادہ سے زیادہ فوج اس شہر میں لے آیا ہے۔ ظاہر ہے اس شہر کا محاصرہ کرنا ہوگا.... اگر اللہ میری دعا قبول فرمالے تو رومی باہر آکر کھلے صحرا میں لڑیں۔ دعا کرو میرے بھائیو! اللہ کوئی ایسی صورت پیدا کردے کہ رومیوں کو قلعے سے باہر لے آئے"۔

"اللہ نے ہمیں مایوس تو کہیں بھی نہیں کیا" — زبیرؓ بن العوام نے کہا — "اگر ہمارے لئے رومیوں کا باہر آکر لڑنا بہتر ہُوا تو اللہ یہ صورت بھی پیدا کردے گا"۔

"یہ بات بھی دل میں بٹھالو میرے رفیقو!" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "اب ہم مصر کی فتح و شکست کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوگئے ہیں۔ اب ہم کہیں بھی پٹ گئے تو ہماری منزل اگلا جہان ہوگی یا ملک شام..... میں اپنے اسی اصول کا پابند رہوں گا کہ کہیں بیٹھے دشمن کا انتظار نہ کرتے رہیں۔ دشمن کے سر پر سوار رہیں۔ اس اصول نے ہمیں ہر معرکے میں کامیاب کیا ہے"۔

ادھر بابلیون میں مقوقس اور تھیوڈور دو تین جرنیلوں کو بٹھائے مسلمانوں کو پسپا کرنے کی سکیم بنا رہے تھے۔ مقوقس کہہ رہا تھا کہ ان عربوں نے بابلیون بھی لے لیا تو پھر ان کے کہیں بھی پاؤں نہیں جم سکیں گے۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے کسی جگہ کہا تھا کہ ہم کہیں سے پسپا ہوئے تو یاد رکھو دشمن ملک میں ہمیں کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی اور بھاگنے کی کوئی جگہ بھی نہیں ہوگی لیکن بابلیون میں مقوقس یہی الفاظ اپنے جرنیلوں سے کہہ رہا تھا کہ ہم بابلیون سے اکھڑ گئے تو پھر سارے مصر میں ہمیں کہیں بھی جم کر لڑنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ خود اپنے لوگ ہمیں اپنے گھروں میں پناہ نہیں دیں گے۔

"میں مسلمانوں کی چال سمجھ گیا ہوں" — جرنیل تھیوڈور نے کہا — "افسوس ہے

اطربون جیسا تجربہ کار جرنیل نہ سمجھ سکا..... عربوں کا سپہ سالار پہلے حملے سے ہی اس اصول پر کاربند چلا آ رہا ہے کہ اپنی تعداد کو نہ دیکھو اور حملہ کرنے میں زیادہ دیر نہ کرو۔ ایک جگہ بیٹھے نہ رہو اور دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑو کہ وہ اس حملے کو غیر متوقع سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ہر معرکے میں کامیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ادھر ہم ہیں کہ قلعہ بند ہو کر دشمن کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ محاصرے میں ہمارا طریقۂ جنگ یہ رہا ہے کہ ایک ایک دو دو دستے باہر نکال کر عربوں پر حملہ کرتے ہیں۔ عرب ہماری یہ چال سمجھ گئے ہیں اور انہوں نے جو فائدہ اٹھایا ہے وہ آپ سب کے سامنے ہے"۔

"تم جو چاہتے ہو وہ بیان کرو" — مقوقس نے کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم قلعہ بند ہو کر نہ لڑیں" — تھیوڈور نے کہا — "ہم عربوں کو اتنی مہلت دیں ہی نہیں کہ وہ آکر بابلیون کا محاصرہ کرلیں۔ ان کے سپہ سالار کا ایک اصول یہ ہے کہ دشمن کے سر چڑھے رہو تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ دل چھوڑ بیٹھے اور حوصلہ ہار بیٹھے ہیں۔ یہی اصول میں آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے شاید سنا نہیں کہ مصر کے لوگ ہمیں بزدل اور کمزور کہنے لگے ہیں جو قلعوں کی دیواروں کی پناہ میں بیٹھ کر اپنا دفاع کرتے ہیں..... اب ہمیں باہر جا کر مسلمانوں کو للکارنا چاہئے"۔

یہی دعا سپہ سالار عمروؓ بن عاص مانگ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے دو تین جاسوس بابلیون بھیج رکھے تھے جو دوسرے مفتوحہ شہروں سے بھاگے ہوئے شہریوں کے بہروپ میں وہاں گئے تھے۔ اللہ ان کی دعا قبول کر رہا تھا۔ مقوقس نے کہا کہ فوج کو شہر سے باہر کھلی جنگ کے لئے تیار کیا جائے اور کوئی پہلو کمزور نہ رہ جائے۔



دو ہی دن گزرے ہوں گے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے فیصلہ سنا دیا کہ کل صبح بعد از نماز فجر بابلیون کی طرف کوچ ہوگا اور اس شہر کو محاصرے میں لیا جائے گا۔ یہ توقع ہی نہیں تھی کہ رومی قلعے سے باہر آکر لڑیں گے..... ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک جاسوس بابلیون سے آ گیا۔ اس نے عمروؓ بن عاص کو یہ خبر سنائی کہ رومی باہر آکر لڑیں گے۔ جاسوس نے بابلیون کی فوج کو کھلی لڑائی کی مشق کرتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر وہاں بنائے ہوئے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا تھا کہ اب مقوقس اور تھیوڈور محاصرے میں نہیں آئیں گے بلکہ بابلیون سے دور آکر مجاہدینِ اسلام کو للکاریں گے۔

عمروؓ بن عاص نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو طلب کیا اور خوشخبری کے انداز سے یہ خبر سنائی۔ تمام سالار یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ انہیں پوری امید تھی کہ رومیوں کو میدان کی کھلی جنگ میں ٹکنے نہیں دیں گے۔ عمروؓ بن عاص نے سب سے پہلے تو اُس جگہ کا انتخاب کیا جہاں انہوں نے رومیوں کو لا کر لڑانا تھا پھر انہوں نے سالاروں کو لڑائی کی ترتیب سمجھادی۔ یہ بھی کہا کہ پیشتر اس کے کہ رومی شہر سے نکل کر کسی اور جگہ للکاریں' فوراً کوچ کر کے اپنی پسند کے میدان میں پہنچا جائے۔ رومی مجبور ہو جائیں گے کہ وہاں آئیں۔

عشاء کی نماز کے وقت بابلیون سے ایک اور جاسوس آگیا جس نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یہ اطلاع دی کہ آج دوپہر رومی فوج شہر سے نکل آئی ہے اور اس کا رخ عین شمس کی طرف ہے۔ اس جاسوس نے رومی فوج کی تعداد بھی بتائی جو مجاہدین کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی۔

عشاء کی نماز کی امامت کروا کے اٹھ کھڑے ہوئے اور مجاہدین سے یوں خطاب کیا کہ پہلی بار رومی کھلے میدان میں آ رہے ہیں اور ان کی تعداد ہم سے بہت ہی زیادہ ہے۔ تم نے کبھی تعداد کی پرواہ نہیں کی۔ کیا یہ ہمارا ایمان نہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جس نے اتنی کم تعداد کے باوجود ہمیں نیل تک پہنچا دیا ہے؟ اسلام کے مجاہدو میں ایک بات پہلے کئی بار کہہ چکا ہوں وہی بات اب بھی کہوں گا۔ اگر میدانِ جنگ سے ہمارے قدم اکھڑ گئے تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔ ہمارا تو نام و نشان مٹ ہی جائے گا' مصر میں اسلام کے لئے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے۔

اس خطاب کے بعد عمروؓ بن عاص نے کہا کہ صبح نمازِ فجر کے فوراً بعد کوچ ہو گا۔ یہ تو انہوں نے رات کو ہی لشکر کو بتا دیا تھا کہ رومی فوج باہر نکل آئی ہے اور اب اس کا ارادہ کھلے میدان میں لڑنے کا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ عمروؓ بن عاص کی جنگی پالیسی اور چالیں خالدؓ بن ولید کے عین مطابق تھیں۔ انتہائی خوف ناک خطرے مول لینے میں یہ دونوں تاریخ ساز سپہ سالار ایک جیسے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے فوج کی ترتیب سالاروں کو سمجھا دینے کے علاوہ ایک اقدام یہ کیا کہ پانچ پانچ سو جانبازوں کے دو دستے الگ کر دیئے۔ ایک دستے کے قائد

خارجہؓ بن حذفہ اور دوسرے کے مقدادؓ بن اسود تھے۔ یہ صحابی تھے اور کمک کے ساتھ ایک ایک دستے کے سالار کی حیثیت سے آئے تھے۔

عین شمس اور بابلیون کے درمیانی علاقے میں کچھ علاقہ پہاڑی تھا جس میں بڑے بڑے کشادہ غار بھی تھے۔ اس علاقے کو بنو وائل کہتے تھے۔ ایک جانباز دستے کو بنو وائل کے غاروں کی طرف روانہ کر دیا گیا اور دوسرے کو اُم دنین کے قریب ایک پہاڑی سلسلے میں جا کر چھپ جانے کو بھیج دیا گیا۔ ان دونوں دستوں کو رات کو ہی روانہ کر دیا گیا تھا تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے۔

نماز فجر کے فوراً بعد باقی لشکر نے کوچ کیا۔ آج اس علاقے کو عباسیہ کہتے ہیں جہاں یہ لشکر جا پہنچا۔ اُس دور میں یہ وسیع و عریض میدان ریگستانی ہُوا کرتا تھا۔ حسبِ معمول جاسوس مختلف بہروپوں میں آگے بھیج دیئے گئے تھے۔

ادھر رومیوں نے اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے جنہوں نے تھیوڈور کو جا کر اطلاع دی کہ مسلمانوں کا لشکر عباسیہ کی طرف آ رہا ہے۔ تھیوڈور یہ خبر سن کر بہت ہی خوش ہُوا۔ اس نے اپنے ساتھی جرنیلوں کو بتایا کہ اسے توقع یہ تھی کہ مسلمان عین شمس کے کھنڈروں سے باہر نہیں آئیں گے اور انہیں مار بھگانے میں مشکل پیش آئے گی۔ تھیوڈور نے اپنی فوج کو وہیں روک لیا۔

"سلطنتِ روم کے جانبازو!" — تھیوڈور نے بڑی بلند اور جوشیلی آواز میں اپنی فوج سے خطاب کیا — "تمہارا دشمن آج تک تمہیں بزدل اور کمزور سمجھتا رہا ہے۔ آج وہ تمہارے سامنے آ کر لڑنے آ رہا ہے۔ اس کی تعداد تمہاری تعداد کے نصف بھی نہیں۔ آج ثابت کر کے دکھا دو کہ بزدل کون ہے۔ اگر تم اس میدان سے پیچھے ہٹ گئے تو پھر اتنے زرخیز اور خزانوں سے بھرے ہوئے ملک سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔ سلطنتِ روم بحیرۂ روم کے پار سکڑ جائے گی۔ پھر تمہاری قسمت میں مسلمانوں کی غلامی یا بحیرۂ روم میں ڈوب مرنا لکھ دیا جائے گا۔ آج قسم کھا لو کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو کاٹ کر اس ریگستان میں پھینک دو گے"۔

تاریخ میں آیا ہے کہ تمام فوج نے بلند آواز میں خدا کے نام پر قسم کھائی کہ وہ فتح حاصل کریں گے ورنہ جانیں دے دیں گے۔

○

میدانِ جنگ عین شمس اور بابلیون سے دور نہ تھا۔ سورج جب سر پر آیا اُس وقت دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہو چکی تھیں۔ عمروؓ بن عاص درمیان والے دستوں کے سامنے گھوڑے پر سوار تھے۔ اُدھر تھیوڈور بھی اپنی درمیان والی فوج کے سامنے گھوڑے پر سوار تھا۔

عمروؓ بن عاص کے کہنے پر ان کا ایک محافظ سوار آگے بڑھا اور بلند آواز سے رومیوں سے کہا کہ حملے میں پہل تم کرو تاکہ تمہیں افسوس نہ رہے کہ عرب کے مسلمانوں نے تمہیں موقع نہیں دیا تھا۔

عمروؓ بن عاص کے اس محافظ نے اپنا اعلان ختم کیا ہی تھا کہ تھیوڈور نے حملے کا حکم دے دیا۔ عمروؓ بن عاص کی پہلے دی ہوئی ہدایات کے مطابق پہلوؤں والے دستے اور زیادہ دائیں اور بائیں کو چلے گئے۔ سپہ سالار نے دیکھ لیا تھا کہ رومی ایک ہجوم کی مانند ہلّہ بول رہے ہیں۔ یہ انہیں پہلے ہی توقع تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے مجاہدین کو ہدایات دے رکھی تھیں۔

جب مجاہدین کے پہلوؤں والے دستے اور زیادہ باہر کو ہو گئے تو اس کے مطابق رومی سواروں کو بھی پھیلنا پڑا۔ عمروؓ بن عاص یہی چاہتے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے بڑھتے ہوئے رومیوں کا سامنا کیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے دستوں سے کہا کہ لڑتے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا تاکہ دشمن اور آگے آجائے۔

تاریخ میں اس لڑائی کو معرکۂ عین شمس کہا گیا ہے اور یہ بھی کہ مصر کی لڑائیوں میں یہ معرکہ سب سے زیادہ خون ریز اور تیز تھا۔ چونکہ وہ ایسا ریگزار تھا جس میں ریت کے ساتھ مٹی بھی تھی اس لئے اس قدر زیادہ گرد اٹھی کہ دونوں طرفوں کے آدمی اس میں چھپ گئے اور دوست اور دشمن کی پہچان محال ہو گئی۔

مجاہدین کے جو دستے دائیں اور بائیں پھیل گئے تھے انہیں ان کے سالار دشمن کے پہلوؤں میں لے گئے اور پہلوؤں سے حملہ کیا۔ اس سے دشمن کے سپاہی کٹنے اور گرنے لگے اور دوسرا فائدہ یہ ہُوا کہ رومی دونوں پہلوؤں کے دباؤ سے اندر کو اکٹھے ہونے لگے جس سے ان کے لئے پینترے بدلنے کی جگہ نہ رہی۔ ان کے گھوڑے آگے پیچھے سے اور دائیں بائیں سے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے تھے۔

کثیر تعداد دشمن کو ایسی ہی چال سے بے بس کیا جا سکتا تھا۔ وہ تو عمروؓ بن عاص کی

جنگی فہم و فراست نے کر دیا لیکن دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ مجاہدین پر حاوی ہوتے نظر آنے لگے۔ تھیوڈور بڑی اچھی چالیں چل رہا تھا اور اس کے احکام بڑی تیزی سے دوسرے جرنیلوں تک پہنچ رہے تھے۔

اپنی فوج کو یوں سکڑتا اور بے بس ہوتا دیکھ کر تھیوڈور نے فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور پھر پھیلا دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ رومی فوجیوں نے جو قسم کھائی تھی وہ پوری کر کے ہی رہیں گے۔ تھیوڈور نے فوج کو پیچھے ہٹا کر پھر جو حملہ کیا وہ کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجاہدین کے پھیلاؤ کے مطابق اپنے دستوں کو پھیلا دیا تھا۔

گرد و غبار میں چھپا ہُوا سورج آگے چلا گیا اور مغرب کی طرف نیچے جانے لگا۔ اُس وقت مجاہدین نے اپنے سالاروں کی قیادت میں پھر وہ پوزیشن حاصل کر لی تھی کہ رومی فوج پھر اندر کی طرف سکڑ سمٹ گئی۔ اس وقت اس فوج پر عقب سے قیامت ٹوٹ پڑی۔

یہ بنو وائل کے غاروں میں چھپا ہُوا منتخب جانبازوں کا پانچ سو کا دستہ تھا جو وہاں اشارے کا منتظر تھا۔ سپہ سالار نے ان کی طرف قاصد دوڑا دیا اور اس دستے کے سالار نے پیغام ملتے ہی عقب سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔

رومی یہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کا کوئی اور لشکر ہے جو عقب سے آ گیا ہے۔ رومی فوجیوں پر جو دہشت پہلے ہی طاری تھی اور جسے تھیوڈور کے خطاب نے اور قسم نے دبا لیا تھا' وہ پھر اُبھر آئی اور فوجیوں کے دلوں کو گرفت میں لے لیا۔

رومی فوجی بوکھلا اٹھے اور ہجوم کی صورت میں لڑائی سے نکل کر اُم دنین کی طرف بھاگنے لگے۔ رومی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا تھا اور ان کی ترتیب ٹوٹ گئی تھی۔ وہ ڈری ہوئی بھیڑوں کی طرح اُم دنین کی طرف نکلے۔

جونہی وہ پہاڑی کے قریب سے گزرے تو اس پہاڑی کے غاروں میں سے جانباز مجاہدین کا دوسرا پانچ سو کا دستہ نکلا اور ان رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اب رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کا ایک نہیں بلکہ تین لشکر ہیں۔ رومیوں کی کوئی ترتیب رہی نہیں تھی اور وہ جرنیلوں کے قابو سے نکل گئے تھے۔ وہ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ اپنے دفاع میں بھی نہ لڑے۔ وہ صرف پسپا ہونے اور زندہ نکل جانے کی کوشش میں تھے۔ جانباز مجاہدین نے ان کا ایسا قتلِ عام کیا کہ شاید ہی کوئی

رومی زندہ نکلا ہو گا۔ یہ خالدؓ بن ولید کی ایک خصوصی چال تھی جس سے وہ اس رومی فوج سے زیادہ تعداد کی فوج کو بھی بے بس کر کے ختم کر دیا کرتے تھے۔

بھاگنے والے بہت سے فوجی واپس قلعہ بابلیون میں جاپناہ گزین ہوئے لیکن بابلیون کے اندر جو فوج تھی' اس نے بھاگ کر آنے والوں کو دیکھا پھر سنا کہ مجاہدین نے کس طرح رومی فوجیوں کو کاٹا ہے تو وہ قلعہ بابلیون سے بھاگ اٹھے۔ دریائے نیل کے کنارے بے شمار کشتیاں فوج کے استعمال کے لئے بندھی رہتی تھیں۔ بھگوڑے فوجی ان کشتیوں پر جاچڑھے اور ملاحوں کو ڈرا کر کشتیاں کھلوالیں اور دریا پار کر گئے۔

مقوقس بابلیون میں تھا۔ وہ اپنی فوج کا یہ حشر دیکھ رہا تھا لیکن اس کی بے بسی اور کسمپرسی کا یہ عالم کہ اس نفسا نفسی اور کھلبلی پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ اگر وہ فوجیوں کی اس ذہنی کیفیت میں انہیں روکتا تو وہ فوجیوں کے ہاتھوں قتل بھی ہو سکتا تھا۔

عمروؓ بن عاص بابلیون پر حملہ کرتے تو شاید یہ قلعہ بھی لے لیتے لیکن جاسوسوں نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ فوج باہر بھیج کر خاصے دستے بابلیون میں ہی تیار رکھے گئے تھے۔ یہ مقوقس اور تھیوڈور کی احتیاطی تدبیر تھی۔ انہیں احساس تھا کہ ان کی فوج پسپا بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مسلمانوں کا بابلیون پر حملہ متوقع ہو سکتا تھا اس لئے انہوں نے بابلیون میں اچھی خاصی فوج دفاع میں رکھی ہوئی تھی۔ عمروؓ بن عاص نے بہتر سمجھا کہ بابلیون پر طاقت صرف کرنے کی بجائے باہر جو رومی فوج خوف زدگی کے عالم میں بھاگتی اور پناہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہے' اسے ختم کر لیا جائے۔

کئی ایک مؤرخوں نے لکھا ہے کہ متعدد فوجی افسر سکندریہ کو بھاگ گئے تھے۔ رومی فوج جو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ مری تھی' اس کی تعداد کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھی۔ صرف یہ لکھا ہے کہ جانی نقصان کا کوئی شمار نہ تھا۔

مجاہدین اسلام نے ایک دو اور قلعے بغیر لڑے لے لئے لیکن ان کی اصل فتح یہ تھی کہ رومیوں کی تمام تر فوج پر مجاہدین کی دہشت طاری ہو گئی تھی اور اب یہ فوج کچھ عرصے کے لئے لڑنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

○

اب تو ہرقل نے مقوقس کو بخشنا ہی نہیں تھا۔ شہروں اور قلعوں کی بات الگ تھی' مسلمانوں نے اب جو فتح حاصل کی تھی اس سے انہیں نیل کے دونوں کناروں کا قبضہ مل

گیا تھا۔ مقوقس نے تو ہرقل کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ عرب کے ان بدوؤں کو نیل تک پہنچنے ہی نہیں دے گا۔ معرکۂ عین شمس سے رومی فوج جس طرح تتر بتر ہو کر بھاگی' اس سے فیوم کا تمام علاقہ خالی رہ گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے آگے بڑھ کر اس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔

فیوم کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے۔ یہ علاقہ اس قدر وسیع و عریض تھا کہ اسے مصر کے ایک صوبے کی حیثیت حاصل تھی۔ عمروؓ بن عاص کے حکم سے اس صوبے کے بڑے شہروں میں مسلمانوں کے عمال پہنچ گئے اور انہوں نے ان لوگوں سے وہ ٹیکس وصول کرنے شروع کر دیئے جو ان پر عائد تھے۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ لوگوں پر بھی مسلمانوں کا ایسا رعب بیٹھ گیا تھا کہ انہوں نے بلا چون و چرا ٹیکس ادا کرنے شروع کر دیئے۔ تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ فاتح مسلمان رومی فوج کے افسروں اور دیگر حاکموں کو پکڑ کر زنجیروں میں باندھ دیتے اور پھر اپنے سپہ سالار کے سامنے لے جاتے ہیں اور سپہ سالار انہیں سزا دیتا ہے۔ اس صوبے میں جو مسلمان عمال حاکم مقرر کئے گئے انہیں عمروؓ بن عاص نے بڑی سختی سے حکم دیا تھا کہ لوگوں کی حیثیت دیکھ کر اس کے مطابق ٹیکس وصول کریں اور کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے۔

ہرقل تک اس شکست کی خبر پہنچانا مقوقس کا فرض تھا اور مقوقس کو معلوم تھا کہ ہرقل کا ردِ عمل بڑا ہی شدید ہو گا۔ یہ تو مقوقس دیکھ چکا تھا کہ ہرقل اپنی شام کی شکست اور وہاں سے پسپائی پر پردہ ڈالنے کے لئے تمام تر الزام مقوقس کے منہ پر تھوپ رہا ہے۔ مقوقس نے ہرقل کے نام پیغام لکھوایا اور ایک قاصد کو دے کر بزنطیہ کو روانہ کر دیا۔

مقوقس کو اب ہرقل کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اس نے ہرقل کے قتل کا بڑا پکا انتظام کر دیا تھا۔ اسے امید تھی کہ اس پیغام سے پہلے ہرقل اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہو گا۔ اس کے تیار کئے ہوئے دو آدمی لڑکی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے تھے۔



یہ دو آدمی لڑکی کو ساتھ لئے سکندریہ پہنچے۔ انہیں بحری جہاز وہاں سے ہی مل سکتا تھا۔ انہوں نے معمولی سے آدمیوں جیسے کپڑے پہن رکھے تھے اور لڑکی کو غریبانہ اور

میلا سا لباس پہنایا گیا تھا۔ اس کا سر اور چہرہ اس طرح ڈھکا ہُوا تھا کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ سکندریہ پہنچے تو پتہ چلا کہ بحری جہاز دو دنوں بعد روانہ ہو رہا ہے۔ وہ ایک سرائے میں رک گئے۔

یہ سرائے بندرگاہ کے بالکل قریب تھی اور یہاں عام طور پر وہی لوگ ٹھہرا کرتے تھے جنہیں بحری جہاز کی روانگی کا انتظار ہوتا تھا۔ جب ایک جہاز تیار ہو جاتا تھا۔ بحری جہاز کا کپتان خود یا اس کا کوئی آدمی سرائے میں آ کر اعلان کرتا تھا کہ جہاز کل فلاں وقت روانہ ہو رہا ہے۔ جہازوں کے کپتان اور عملے کے آدمی اسی سرائے میں آ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔

بزنطیہ کی طرف والے بحیرۂ روم کے ساحل تک جانے والا بحری جہاز تیار ہو رہا تھا۔ ایک دن پہلے اس جہاز کا کپتان سرائے میں آیا۔ وہ دیکھنے آیا تھا کہ یہاں کتنے مسافر ہیں۔ مسافروں کو پتہ چلا کہ جہاز کا کپتان آیا ہے تو سب باہر نکل آئے۔

اتفاق سے کپتان نے اس لڑکی کو دیکھ لیا۔ معلوم نہیں اس نے لڑکی کو کیسے اور کہاں دیکھا' اس وقت لڑکی کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ کپتان لڑکی کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ یہ لڑکی بھی جا رہی ہے۔

اُس زمانے میں جہازوں کے کپتان جہازوں میں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھا کرتے تھے اور عموماً یہ لوگ بڑے ہی بدکار بلکہ مجرمانہ ذہنیت کے ہوتے تھے۔ اس کپتان نے اس لڑکی پر بُری نظر رکھ لی۔

کپتان چلا گیا تو کچھ دیر بعد اس جہاز ایک اور آدمی سرائے میں آیا اور جانے والے مسافروں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ ان دو آدمیوں سے ملا جو لڑکی کو لے جا رہے تھے۔ ان کے پاس وہ ویسے ہی رک گیا تھا اور اس طرح باتیں کیں جیسے یہ ملاقات ویسے ہی ہو گئی ہو لیکن وہ کپتان کا بھیجا ہُوا آدمی تھا اور یہ اہتمام اس لڑکی کو پھانسنے کے لئے تھا۔

جہاز کے اس آدمی نے ان دونوں سے پوچھا کہ ان کے ساتھ یہ لڑکی کون ہے اور کیوں آئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ان کے ساتھ جہاز میں جائے گی۔ جہاز کے آدمی نے کہا کہ اس عمر کی لڑکی جہاز میں نہیں جا سکتی یا یہ کہ وہ اس جہاز میں نہیں جا سکتی' کسی اور جہاز میں جا سکتی ہے لیکن اگلا جہاز ایک مہینے سے زیادہ دنوں بعد جائے گا۔

یہ سن کر دونوں آدمی پریشان ہو گئے۔ انہیں تو بہت جلدی جانا تھا۔ انہیں اس

سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ فرمانروائے مصر مقوقس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں نہ ہی انہیں ہرقل کے ساتھ دشمنی تھی کہ اسے قتل کرنا ہی تھا بلکہ ان کی دلچسپی اُس کثیر رقم اور بیش بہا انعام میں تھی جو مقوقس نے انہیں پیش کیا تھا۔ وہ اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ کرنا چاہتے ہی نہیں تھے۔ انہیں خدشہ نظر آتا تھا کہ دیر ہو گئی تو مقوقس اپنا یہ ارادہ بدل سکتا ہے ---- انہوں نے جہاز کے اس آدمی کو رشوت پیش کی اور کہا کہ کسی طرح وہ اس لڑکی کو جہاز میں لے چلے۔

"بہت ہی مشکل کام ہے" ــ جہاز کے آدمی نے اپنی رشوت کا بھاؤ چڑھانے کے لئے کہا ــ "اسے مردانہ لباس پہنا کر لے جایا تو جا سکتا ہے لیکن اتنے لمبے سفر میں اسے کپتان سے چھپا کر رکھنا بڑا ہی خطرناک ہو گا۔ کپتان اتنا سخت اور ظالم آدمی ہے کہ لڑکی کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گا"۔

ان آدمیوں نے رشوت میں اضافہ کر دیا اور منت سماجت الگ کی اور کہا کہ جہاز میں اسے چھپائے رکھنے کا کام بھی وہی کرے۔ ان دونوں آدمیوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ کسی سے پوچھ ہی لیتے کہ یہ لڑکی کیوں نہیں جا سکتی یا یہ کہ یہ کس کا حکم ہے۔ ان کی عقل پر وہ خزانہ سوار تھا جو مقوقس نے انہیں پیش کیا تھا۔

آخر جہاز کے اس آدمی نے منہ مانگی رشوت لے کر ان آدمیوں سے کہا کہ اپنا کوئی لباس نکالو۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے لباس لڑکی کو پہنایا پھر اس کا سر اور چہرے کا کچھ حصہ اس طرح ڈھانپ دیا جس طرح لوگ صحرائی سفر میں یا ویسے ہی ڈھانپا کرتے تھے۔ اچھی طرح جائزہ لے کر جہاز کے آدمی نے فیصلہ سنایا کہ اب یہ نہیں پہچانی جا سکے گی۔

"لیکن میں تمہیں بتا دیتا ہوں" ــ جہاز کے آدمی نے کہا ــ "میں لڑکی کو جہاز میں چھپائے رکھنے کی پوری کوشش کروں گا لیکن کپتان کو پتہ چل گیا یا اس نے لڑکی کو دیکھ لیا تو پھر میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ کپتان کو راضی کرنا اور اس کی سزا سے بچنا تمہارا کام ہو گا"۔



اگلے روز مسافر بندرگاہ پر جا کر جہاز میں سوار ہونے لگے۔ یہ دونوں آدمی لڑکی کو مردانہ لباس میں ساتھ لئے سوار ہو گئے۔ جہاز کے کسی آدمی نے دیکھا تک نہیں۔

کرایہ وصول کرنے والے نے کرایہ وصول کر لیا۔ یہ خاصا بڑا جہاز تھا۔ مسافروں کے لئے دو منزلہ جگہ تھی۔ ایک طرف جہاز کا سامان پڑا تھا اور اضافی بادبان بھی لپیٹے رکھے تھے۔

جب مسافر اپنا اپنا ٹھکانہ کر رہے تھے اور اپنا سامان بھی رکھ رہے تھے' اُس وقت جہاز کے اس آدمی نے جس نے رشوت لی تھی' آ کر لڑکی کو ساتھ لیا اور جہاں بادبان رکھے تھے وہاں ایک ذرا گہری جگہ بٹھا دیا اور ایک بادبان کا کچھ حصہ اس کے اوپر کر دیا۔

وہ کوئی سیدھی سادی دیہاتی لڑکی نہیں تھی کہ بھیڑ بکری بنی رہتی کہ جہاں باندھ دیا وہیں بندھی رہی۔ وہ بڑی ہی عیّار اور مکّار طوائف زادی تھی۔ اس کم عمری میں ہی کایاں اور گھاگ مردوں کو انگلیوں پر نچا سکتی تھی۔ اس کا کارگر ہتھیار حسن تھا اور کم عمری اور پھر وہ تربیت تھی جو ماں نے اسے دی تھی۔ اس نے جہاز کے اس آدمی سے پوچھا کہ جہاز کتنے دنوں بعد منزل پر پہنچے گا۔

"دس بارہ دن لگنے چاہئیں" — اس آدمی نے جواب دیا — "لیکن اس کا انحصار ہواؤں پر ہے۔ ہوا موافق اور تیز ملی تو جہاز بھی تیز جائے گا۔ اگر ہوا میں زور ہی نہ ہُوا تو پندرہ سے بیس دن بھی لگ سکتے ہیں' اور اگر طوفان آ گیا تو پھر جہاز کو طوفان نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دے"۔

"تو کیا میں اتنے دن یہیں چھپی بیٹھی رہوں گی؟" — لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں!" — جہاز کے آدمی نے کہا — "پہلی بات تو یہ ہے کہ تم پہچانی ہی نہیں جا سکو گی اس لئے تمہیں ہر وقت چھپے رہنے کی ضرورت نہیں ہو گی یہ تو تمہیں جگہ بتانے کے لئے بٹھایا ہے کہ چھپنے کی صورت میں یہاں چھپنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کپتان ہر وقت باہر تو نہیں پھرتا رہتا' دن کے وقت کچھ دیر سو جاتا ہے۔ اُس وقت میں تمہیں یہاں سے نکال کر عرشے پر بھیج دیا کروں گا۔ بے خطر گھومتی پھرتی رہنا"۔

لڑکی کو وہاں بٹھا کر یہ آدمی سیدھا کپتان کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اس کا شکار آ گیا ہے پھر کپتان کو وہ جگہ بتائی جہاں اس نے لڑکی کو چھپایا تھا۔ کپتان نے خوش ہو کر اس آدمی کو کچھ انعام دیا۔

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اور عملے نے بادبان کھول دیئے۔ کپتان جہاز کو کنٹرول کرنے والی جگہ جا کھڑا ہُوا اور پہیئے کو پکڑ لیا۔ جہاز بندرگاہ سے ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف

روانہ ہو گیا۔

جب سورج سارا دن گزر جانے کے بعد سمندر میں ڈوب رہا تھا اُس وقت خشکی کا کہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ جدھر نگاہ جاتی سمندر ہی سمندر نظر آتا تھا۔

لڑکی دن بھر کے دوران تین مرتبہ باہر نکلی اور عرشے پر سمندر کے نظارے سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ یہ اس کا پہلا سمندری سفر تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بھی جا کر بیٹھی رہی تھی۔ جہاز کا وہ آدمی آ گیا اور لڑکی سے کہا کہ کھانا کھا کر وہ فوراً اپنے چھپنے کی جگہ چلی جائے اور رات وہیں گزارے۔ اس آدمی نے تسلی دی کہ پکڑے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔

اپنے آدمیوں کے ساتھ کھانا کھا کر لڑکی چھپنے والی جگہ چلی گئی اور کچھ دیر بعد سو گئی۔

○

رات کو جب مسافر گہری نیند سو گئے اور جہاز کے عملے کے وہی آدمی بیدار تھے جنہیں بیدار رہنا تھا' اُس وقت کپتان اپنے کیبن سے نکلا اور سیدھا اُس جگہ پہنچا جہاں لڑکی لپیٹے ہوئے بادبانوں میں چھپی سو رہی تھی۔ کپتان نے لڑکی کے پاؤں کو ہلکی سی ٹھوکر مار کر جگایا۔ لڑکی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کون ہو تم؟" — کپتان نے بڑے رعب سے پوچھا — "یہاں کیوں سو رہے ہو؟"

"میں جہاز کا مسافر ہوں" — لڑکی نے جواب دیا — "یہاں کھڑا تھا تو میری آنکھ لگ گئی"۔

کپتان نے لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے سر کا کپڑا اتار دیا۔ لڑکی کے لپیٹے ہوئے لمبے بال کھل گئے اور شانوں اور پیٹھ پر بکھر گئے۔ اس کا لباس تو مردانہ تھا لیکن وہ اپنی آواز کو مردانہ نہیں بنا سکتی تھی۔

"مجھے دھوکہ دے رہی ہو؟" — کپتان نے غصیلی آواز میں کہا اور اسے باہر گھسیٹ کر کہا — "اکیلی ہو یا کوئی آدمی ساتھ ہے؟"

کپتان کو معلوم تھا کہ اس کے ساتھ دو آدمی ہیں لیکن وہ ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے کچھ بھی معلوم نہیں اور وہ ویسے ہی اس طرف آ نکلا تھا۔ لڑکی نے بتا دیا کہ اس کے

ساتھ دو آدمی ہیں۔ یہ نہ بتایا کہ جہاز کے ہی ایک آدمی نے اسے کرائے کے علاوہ رشوت لے کر مردانہ لباس میں جہاز میں سوار کرایا تھا۔

"میں تمہیں سمندر میں پھینک دوں گا"۔ — کپتان نے لڑکی کو ایک جھٹکے سے اپنے قریب کرلیا۔

لڑکی اپنے حسن و جوانی سے واقف تھی اور وہ مردوں کی کمزوری سے بھی آگاہ تھی۔ کپتان نے اسے جب جھٹکے سے اپنے قریب کیا تو وہ دانستہ کپتان کے سینے سے جا لگی اور اپنا ایک بازو کپتان کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر اپنا ایک گال کپتان کے گال سے لگا دیا۔

"مجھے روشنی میں لے جا کر دیکھو" — لڑکی نے کہا — "اتنی قیمتی چیز کوئی پاگل ہی سمندر میں پھینکتا ہو گا"۔

کپتان تو آیا ہی اسے اپنے کیبن میں لے جانے کے لئے تھا۔ وہ لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے کیبن میں لے گیا۔ اس نے اس لڑکی کو سرائے میں دیکھا تھا لیکن کچھ دور سے صرف چہرہ دیکھا تھا۔ اب اسے دیکھا اور اس کے ریشمی چمک دار بال دیکھے تو کپتان کو پتہ چلا کہ یہ تو بہت ہی قیمتی چیز ہے اور ایسی لڑکیاں عموماً کسی بادشاہ کے حرم میں ہی دیکھی جاتی ہیں۔ لڑکی ذرا سی بھی گھبرائی ہوئی نہیں تھی۔

"دیکھ لڑکی!" — کپتان نے کہا — "یہ عمر مرنے والی نہیں۔ یہ خطرہ میں مول لیتا ہوں۔ اس سفر میں تم میرے اس کمرے میں رہو گی۔ تیرے لئے میں شہنشاہ ہرقل کا قانون توڑ رہا ہوں"۔

کپتان نے شراب نکالی۔ خود بھی پینے لگا اور لڑکی کو بھی دی۔ لڑکی نے بلا تکلف پینی شروع کر دی.... لڑکی نے وہ رات کپتان کے کمرے میں گزاری۔

صبح کپتان لڑکی کے دونوں ساتھیوں سے ملا اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کہا کہ انہوں نے اسے دھوکہ دیا ہے لیکن لڑکی اتنی بھولی بھالی اور معصوم ہے کہ اسے اس پر ترس آ گیا ہے ورنہ اگلی بندرگاہ پر جا کر انہیں گرفتار کر لیا جاتا اور سزا ملتی۔ پھر اس نے کہا کہ لڑکی کو خود چھپا کر رکھے گا۔ دونوں آدمی چپ رہے۔ انہیں کوئی غم نہ تھا کہ لڑکی جہاز میں کہاں رہتی ہے۔

تین چار دن لڑکی کپتان کے ساتھ رہی۔ اس نے مردانہ لباس اتار دیا تھا۔ کپتان

اسے نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا کھلاتا تھا اور رات شراب بھی پلاتا تھا۔ لڑکی کپتان کے ساتھ پوری طرح بے تکلف ہو گئی۔ وہ تکلف اور حجاب والی لڑکی تھی ہی نہیں۔

تین چار دنوں بعد ایک رات لڑکی کچھ زیادہ ہی شراب پی گئی۔ ادھیڑ عمر کپتان زندہ دل اور خوش گوار طبیعت آدمی تھا۔ اس نے ایسی فضا پیدا کر دی اور اس کے ساتھ شراب نے اپنا رنگ دکھایا کہ لڑکی آپے سے باہر ہو گئی۔ کپتان نے اسے اپنے ساتھ لگاتے اور کچھ بے ہودہ حرکتیں کرتے ہوئے کہا کہ تم جیسی حسین لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تم نے میرا صرف حسن دیکھا ہے"۔ — لڑکی نے مخمور آواز میں کہا — "جب سنو گے کہ ہرقل قتل ہو گیا ہے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ میں صرف حسین ہی نہیں بلکہ جس کی چاہوں جان لے سکتی ہوں خواہ وہ کسریٰ روم ہرقل ہی ہو"۔

کپتان قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی نے یہ بات مذاق میں کی ہے۔ لڑکی اس کے قہقہے پر سنجیدہ ہو گئی۔

"کیا سمجھتے ہو میں مذاق کر رہی ہوں؟" — لڑکی نے کہا — "میں ہرقل کو زہر پلانے جا رہی ہوں۔ یہ جو دو آدمی میرے ساتھ ہیں یہ میرے محافظ ہیں۔ میں واپس مصر پہنچوں گی تو پھر میرے پاس آ کر وہ خزانہ دیکھ لینا جو مصر کا حکمران مجھے دے گا"۔

یہ بات سن کر کپتان کچھ سنجیدہ ہوا۔ تھا تو وہ بھی شراب کے نشے میں لیکن اس ادھیڑ عمری میں آ کر شراب اس کی عقل پر حاوی نہیں ہو سکتی تھی۔ لڑکی عیّار اور مکار ہی سہی لیکن نوجوانی کی عمر میں وہ پختہ کار نہیں ہو سکتی تھی اور شراب کا اس کی عقل پر حاوی ہو جانا قدرتی تھا۔ نوعمری کی وجہ سے وہ راز فاش کرنے پر اتر آئی تھی اور فخر محسوس کر رہی تھی۔ کپتان نے محسوس کیا کہ لڑکی یہ بات شراب کے نشے میں نہیں کہہ رہی بلکہ کوئی بات ضرور ہے۔ اس نے ذرا بہتر طریقے سے یہ راز لینا چاہا۔

"ہرقل کو کوئی نہیں قتل کر سکتا" — کپتان نے کہا — "میں خود چاہتا ہوں کہ ہرقل کو قتل کر دیا جائے لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں نہ میں ہرقل تک پہنچ سکتا ہوں"۔

"میں ہرقل تک پہنچنے کے لئے جا رہی ہوں" — لڑکی نے کہا — "اور دیکھنا میں کس طرح پہنچتی ہوں"۔

"کس طرح؟" — کپتان نے پوچھا۔

"تم نے سرائے میں مجھے غریبوں جیسے کپڑوں میں دیکھا تھا" — لڑکی نے کہا۔ "میرا اصل لباس میرے سامان میں ہے۔ وہ لباس دیکھو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ میں کس حیثیت اور معیار کی لڑکی ہوں۔ میرے ساتھ جو دو آدمی ہیں ان کو بھی پہنے ہوئے کپڑوں سے نہ دیکھنا۔ یہ کوئی معمولی سے آدمی نہیں' یہ مقوقس کے خاص اعتماد کے آدمی ہیں۔ ہم غریبانہ کپڑے پہن کر اس لئے جا رہے ہیں کہ کسی کی نظر ہماری طرف نہ اٹھے"۔

"لیکن میں سوچتا ہوں" — کپتان نے کہا — "تم ہرقل تک پہنچو گی کس طرح!؟"

"نہایت آسانی سے پہنچ جاؤں گی" — لڑکی نے جواب دیا — "یہ دو آدمی مجھے مقوقس کی طرف سے تحفے کے طور پر ہرقل کو پیش کریں گے۔ مقوقس نے مجھے ہرقل کی عادات بتادی ہیں۔ میں اس کی شراب میں تھوڑا سا زہر ملا دوں گی"۔

"زہر کہاں سے لاؤ گی؟" — کپتان نے پوچھا۔

"ساتھ لے جا رہی ہوں" — لڑکی نے جواب دیا — "زہر ہمارے سامان میں ہے"۔

اس طرح لڑکی نے نوعمری کی نادانی اور شراب کی زیادتی کے زیر اثر اس قدر خطرناک راز فاش کر دیا۔ کپتان نے مزید باتیں کرید کر یقین کر لیا کہ لڑکی زیادہ پی جانے کی وجہ سے بے معنی باتیں نہیں کر رہی بلکہ اس کے اندر سے صحیح بات نکل رہی ہے۔

اس لڑکی اور اس کے ساتھ کے دونوں آدمیوں کی بدقسمتی اور ہرقل کی خوش بختی کہ یہ کپتان رومی تھا اور ہرقل کے مداحوں میں سے تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو بھی کپتان نے انعام و اکرام کے لالچ میں فیصلہ کر لیا جو یہ تھا کہ وہ ہرقل تک پہنچے گا اور اسے بتائے گا کہ اس لڑکی کو مقوقس نے تمہیں زہر دینے کے لئے بھیجا ہے۔ اس نے اگلی صبح باہر نکلتے ہی ان دونوں آدمیوں کو بلایا اور پھر اپنے عملے کے دو چار آدمی بلائے' انہیں کہا کہ ان دونوں آدمیوں کو لے جاؤ اور ان کے ہاتھ ہتھکڑیوں میں باندھ دو اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو۔ جہاز میں ایسے ایک دو کمرے بنے ہوئے تھے جن میں عملے کے ان آدمیوں کو بند کیا جاتا تھا جو جہاز میں کوئی جرم کرتے تھے۔ دونوں آدمیوں کو وہاں لے جا کر بند کر دیا گیا۔

کپتان نے پہلے تو یہ سوچا تھا کہ لڑکی کو بھی قید میں ڈال دے لیکن پھر سوچ آگئی کہ

ہرقل کے سامنے جا کر یہ تینوں کہہ دیں گے کہ کپتان جھوٹ بول رہا ہے اور یہ زہر اس نے خود ان کے سامان میں رکھا ہے۔ وجہ یہ بتائیں گے کہ کپتان اس لڑکی کو اپنے کمرے میں رکھنا چاہتا تھا اور یہ آدمی اپنی "بہن" کو اس ذلت سے بچانے کی فکر میں تھے.... مختصر یہ کہ کپتان نے سوچ لیا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی بھی کہانی گھڑ سکتے ہیں۔

اس نے بہتر یہ سمجھا کہ لڑکی کو ہاتھ میں لے لے اور لڑکی اپنی زبان سے بتائے کہ اسے مقوقس نے بھیجا ہے اور کام یہ سونپا ہے۔ اس سوچ کے مطابق کپتان نے لڑکی کے ساتھ اور زیادہ محبت اور مرّوت شروع کر دی۔ وہ بڑا کایاں اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اس کے سامنے لڑکی کی چالاکیاں اور فریب کاریاں دم توڑ گئیں۔ کپتان نے لڑکی کا دل جیت لیا اور اسے ہم خیال بنا لیا۔ اس میں چھ سات دن تو لگ گئے لیکن اسے کامیابی پوری طرح حاصل ہو گئی۔ کپتان نے لڑکی کو خاص طور پر یقین دلایا تھا کہ وہ اسے ہرقل سے اتنا انعام دلا دے گا کہ مقوقس کے انعام کو بھول جائے گی۔ اگر لڑکی چاہے تو ہرقل اس کے ساتھ شادی کر کے اپنی چہیتی ملکہ بھی بنا لے گا۔ یہ ایسا خوبصورت خواب تھا جو کپتان نے اسے دکھایا تو لڑکی اس کے آگے ڈھیر ہو گئی۔ اس نے لڑکی کو تیار کر لیا کہ وہ ہرقل کے آگے یہ سارا بیان دے دے گی۔

پھر جہاز بحیرۂ روم کی بندرگاہ سے جا لگا۔ اتنے بڑے بحری جہازوں کے کپتانوں کو کسی حد تک قانونی اختیارات حاصل ہوتے تھے جو آج بھی ہیں۔ اس کپتان نے دونوں آدمیوں کو قید سے نکالا اور اپنے چار آدمی ساتھ لئے پھر سواری کا انتظام کیا اور اپنی دیگر جہاز کی مصروفیت سے فارغ ہو کر بزنطیہ کی طرف سفر کا قصد کیا۔

وہاں سے بزنطیہ بہت ہی دور تھا۔ راستے میں دو پڑاؤ تو کرنے ہی پڑتے تھے۔

کپتان نے ان کا سامان اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ لڑکی نے اسے زہر کی پڑیا سامان میں سے نکال کر دکھائی تھی جو کپتان نے دیکھ کر پھر سامان میں رکھ دی تھی۔ دونوں آدمیوں کو جب قید سے نکالا گیا تو انہیں بدستور زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھا رہنے دیا گیا۔ وہ کپتان کی منتیں کرتے تھے کہ انہیں چھوڑ دے اور وہ لڑکی کو بھی یہیں چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے لیکن کپتان بڑا ہی سخت طبیعت آدمی تھا اور پھر ہرقل سے انعام ملنے کی توقع تھی۔ کچھ اور انعام ملتا یا نہ ملتا یہی کافی تھا کہ وہ کسریٰ روم شاہ ہرقل کا منظورِ نظر بن جاتا۔

کپتان نے دو گھوڑا گاڑیوں کا انتظام کر لیا۔ ایک میں وہ لڑکی کو لے کر بیٹھا دوسری میں دونوں آدمیوں کو اور اپنے چار مسلح محافظوں کو بٹھایا۔ اس طرح بزنطیہ کی طرف سفر شروع ہُوا۔

○

وہ چوتھے روز بزنطیہ پہنچے اور کپتان سیدھا ہرقل کے محل میں گیا اور اندر اطلاع بھجوائی کہ فلاں نام کے بحری جہاز کا کپتان بڑے ہی ضروری کام سے آیا ہے۔ ہرقل کو اطلاع بھجوائی گئی تو جواب آیا کہ ابھی ابھی مصر سے قاصد کوئی ضروری پیغام لے کر آیا ہے۔ کپتان کو یہ بھی بتایا گیا کہ جب وہ اندر جائے تو ذرا سنبھل کر بات کرے کیونکہ شاہ ہرقل یہ پیغام پڑھ کر غصے میں آیا ہُوا ہے۔

ہرقل کو غصے میں آنا ہی تھا کیونکہ یہ مقوقس کا پیغام تھا جس میں اس نے ہرقل کو اطلاع دی تھی کہ عین شمس کے میدان میں لڑائی ہوئی ہے اور اپنی کتنی فوج ماری گئی اور مسلمانوں کو کیا کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں جن میں قابل ذکر یہ ہے کہ مسلمان نیل کے دونوں کناروں پر قابض ہو گئے ہیں اور کشتیوں کا پورا بیڑا ان کے قبضے میں چلا گیا ہے۔

بہت دیر بعد کپتان کو اندر بلایا گیا۔ ہرقل نے اسے دیکھتے ہی گرج کر پوچھا' تم کیا لینے آئے ہو!.... کیا تمہارا جہاز ڈوب گیا ہے اور تمہیں نیا جہاز بنوا دوں؟

"نہیں کسریٰ روم!" — کپتان نے کہا — "میں کچھ لینے نہیں بلکہ دینے آیا ہوں۔ میرا جہاز سلامت ہے' میں سلطنتِ روم کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے آیا ہوں"۔

"تو پھر جلدی بولو" — ہرقل نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"فرمانروائے مصر مقوقس نے آپ کے لئے ایک بڑی ہی حسین اور نوخیز لڑکی تحفے کے طور پر بھیجی ہے" — کپتان نے کہا — "لیکن یہ لڑکی آپ کی موت کا بڑا ہی دل کش فرشتہ بن کر آئی ہے۔ اپنے حسن اور دل کش جسم کے ساتھ آپ کے لئے زہر کی پڑیا بھی لائی ہے۔ حکم ہو تو اس لڑکی اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دو آدمیوں کو پیش کروں!"

"فوراً حاضر کرو" — ہرقل نے حکم دیا۔

کپتان باہر نکلا اور لڑکی کو اندر لے گیا۔ اب لڑکی اپنے اُس لباس میں تھی جو وہ پہنا

کرتی تھی۔ ہرقل نے اسے دیکھا تو کچھ دیر دیکھتا ہی رہ گیا۔ ہر بادشاہ کی طرح وہ ایسی ہی لڑکیوں کا دلدادہ تھا۔

"کسریٰ روم کو سناؤ تمہیں کس نے اور کیوں بھیجا ہے" — کپتان نے لڑکی سے کہا۔

لڑکی نے ذرا ذرا سی تفصیلات کے ساتھ ہرقل کو پوری بات سنا دی کہ اسے مقوقس نے کس کے ذریعے طلب کیا اور اسے کیا کام سونپا تھا اور کیا انعام پیش کیا تھا۔

"ان دونوں کو حاضر کرو" — ہرقل نے عتاب سے کہا۔

دو آدمی پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں' اندر آئے۔

"کیا تم اس لڑکی کے محافظ بن کر آئے ہو؟" — ہرقل نے پوچھا اور ساتھ ہی کہا — "جھوٹ بولو گے اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرو گے تو میں سر قلم کروا دوں گا.... اب جواب دو"۔

دونوں آدمیوں نے اپنے سروں کو اوپر نیچے جنبش دے کر اقرار کیا کہ وہ اس لڑکی کے محافظ بن کر آئے تھے۔ مقصد یہ بیان کیا کہ اس لڑکی نے ہرقل کو زہر دینا تھا۔

ہرقل پہلے ہی غصے میں تھا۔ مقوقس نے شکست کا پیغام دے کر اسے آگ بگولہ بنا ڈالا تھا۔ ویسے بھی وہ فرعونی ذہن کا بادشاہ تھا۔ کسی پر رحم کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

"شہنشاہِ روم!" — ان دونوں میں ایک آدمی نے رندھی ہوئی آواز میں عرض کی — "ہم مقوقس کا حکم ٹال نہیں سکتے تھے۔ ٹالتے تو وہ ہمیں جلّاد کے حوالے کر دیتا۔ اِدھر آپ ہمارے سر قلم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جان بخشی کی عرض کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ واپس مصر نہیں جائیں گے"۔

"تم میری جان لینے آئے تھے" — ہرقل نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لا کر کہا — "اور میں تمہاری جان بخشی کر دوں۔ میں جانتا ہوں تم انعام کے لالچ میں مجھے زہر دلوانے آئے تھے"۔

ہرقل نے تالی بجائی اور باہر سے ایک محافظ دوڑتا اندر آیا۔ ہرقل نے اسے کہا کہ ان دونوں آدمیوں کو اور اس لڑکی کو بھی لے جاؤ اور جلّاد کے حوالے کر دو۔ ان کی لاشیں کہیں دور پھینک دینا۔

یہ حکم سن کر لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ کپتان اٹھ کھڑا ہُوا اور ہرقل سے استدعا کی کہ

اس لڑکی نے تو یہ راز مجھے دے دیا تھا اسے بخش دیا جائے۔

"یہ ایک خوبصورت ناگن ہے"— ہرقل نے کہا— "اس نے مقوقس سے انعام لے کر مجھے زہر دینے کا وعدہ کیا اور اُسے دھوکا دیا۔ یہ اس قابل ہے کہ میں اسے اپنے حرم میں رکھ لوں لیکن یہ کسی بھی وقت مجھے دھوکہ دے سکتی ہے..... لے جاؤ انہیں"۔

پلک جھپکتے تین محافظ اندر آئے اور تینوں کو پکڑ کر اور گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ لڑکی کی چیخ و پکار سنائی دیتی رہی جو دھیمی ہوتے ہوتے دور نکل گئی۔ ان کے سر قلم کرنے کے لئے جلّاد تیار تھا۔

"تم نے میری جان بچائی ہے"— ہرقل نے کہا اور پوچھا— "کیوں؟"

"اس لئے کہ میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں"— کپتان نے کہا— "میں نے بڑی استادی سے اس لڑکی سے یہ راز لیا تھا"۔

"میں تمہیں اپنی جان کی قیمت دوں گا"— ہرقل نے کہا اور پھر تالی بجائی۔

ایک آدمی اندر آیا تو ہرقل نے کسی کا نام لے کر کہا اسے فوراً بلاؤ..... وہ شخص فوراً آ گیا جو شاید اس کا وزیر یا کوئی ایسا ہی بڑا حاکم تھا۔ ہرقل نے اسے کہا کہ اس کپتان کو اتنا انعام دے دو۔ وہ حاکم کپتان کو اپنے ساتھ لے گیا۔

ہرقل کی اس ذہنی اور جذباتی کیفیت میں یہی توقع رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اسی وقت مصر حکم بھیجے گا کہ مقوقس کو معزول کر کے قید میں ڈال دیا جائے یا یہ کہ مقوقس کو فوراً بزنطیہ بھیجا جائے۔ ہرقل جیسے فرعون بادشاہ سے یہ توقع ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ مقوقس کی یہ حرکت معاف کر دے گا لیکن ایک رومی وقائع نگار کے حوالے سے تاریخ دان ابن الحکم نے لکھا ہے کہ ہرقل گہری سوچ میں کھو گیا اور پھر اس نے اپنے دو تین مشیروں اور ایک دو جرنیلوں کو طلب کیا۔ سب آ گئے تو ہرقل نے انہیں یہ ساری بات سنائی۔ سب پر سناٹا طاری ہو گیا۔

"مجھے مشورہ دو"— ہرقل نے کہا— "مجھے کیا کرنا چاہئے!"

"اس جرم کی سزا موت سے کم کیا ہو گی!"— ایک مشیر نے کہا۔

باقی سب نے اس کی تائید کی۔ پھر انہوں نے باری باری مقوقس کے خلاف زہر اگلا اور یہ مشورہ متفقہ طور پر پیش کیا کہ مقوقس کو یہاں پابجولاں لا کر سر عام قتل کیا جائے۔

"نہیں!"— ہرقل نے خلاف توقع کہا— "موت کوئی سزا نہیں۔ میں اس شخص کو

زندہ رکھوں گا اور اسے ذلیل و خوار کر کے ملک بدر کروں گا۔ یہ سزا موت سے زیادہ بُری ہے کہ آدمی ذلت و خواری میں زندہ رہے۔ اسے فرمانروائی سے ہٹا کر بھکاری بنا دوں گا تا کہ جو لوگ اس کے دربار میں سجدے کرتے تھے وہ اسے دیکھیں اور منہ پھیر لیں..... وہ ایسے حالات خود ہی پیدا کرتا چلا جا رہا ہے کہ عربوں کے ہاتھوں مارا جائے گا یا اسے جنگی قیدی بنا کر قتل کر دیں گے یا وہ خود ہی مجھے موقع دے گا کہ میں اسے ملک بدر کر دوں.....

"تم دیکھ رہے ہو کہ وہ شکست پر شکست کھائے جا رہا ہے۔ آدھی فوج مروا چکا ہے۔ مسلمان دریائے نیل کے دونوں کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ میں اسے بخشوں گا نہیں اور اسے پتہ بھی نہیں چلنے دوں گا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے میرے قتل کا انتظام کیا تھا"۔

مقوقس بابلیون میں بیٹھا ہرقل کی موت کی خبر کا انتظار کر رہا تھا اور مسلمانوں کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص اپنے لشکر کے ساتھ مصر پر چھاتے چلے جا رہے تھے۔ مقوقس کو صرف یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ بنیامین کے کہنے پر قبطی عیسائی رومی فوج میں شامل ہونے لگے تھے۔

مقوقس اور اس کا جرنیل تھیوڈور قلعہ بابلیون میں بیٹھے ہرقل کی موت کی اطلاع کا انتظار بڑی ہی بے تابی سے کر رہے تھے۔ ان کے اندازے کے مطابق اتنے دن گزر گئے تھے کہ اب تک اطلاع آ جانی چاہئے تھی۔ دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے اور ان دونوں کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔

ان دونوں نے یہاں تک سوچ رکھا تھا کہ حالات سازگار ہوئے تو ہرقل کی موت کی اطلاع کے فوراً بعد مصر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں گے۔ یہ دونوں دراصل قبطی عیسائی تھے' انہوں نے ہرقل کی عیسائیت کو قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا یہ عقیدہ ہرقل نے صرف اس لئے برداشت کر لیا تھا کہ مقوقس مصر کا فرمانروا تھا اور جرنیل تھیوڈور اطربون کے بعد دوسرا بڑا ہی قابل اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ اس حیثیت کے علاوہ ہرقل کو معلوم تھا کہ تھیوڈور کو مصر کے قبطی عیسائیوں میں خصوصی مقبولیت حاصل ہے۔ ہرقل مقوقس اور تھیوڈور کی دوستی سے بھی آگاہ تھا۔ ان دونوں کی ناراضگی سے ہرقل ڈرتا تھا۔

اب تو بہت ہی زیادہ دن گزر گئے تھے۔ ان دونوں کو شک ہونے لگا کہ ان کی سازش ناکام ہو گئی ہے۔

"یہ مت بھولیں" — تھیوڈور نے کہا — "جس لڑکی کو ہم نے اتنی خطرناک مہم پر بھیجا ہے وہ اصل میں ایک طوائف زادی ہے۔ مجھے شک ہے کہ اسے ہرقل کا حرم پسند آ گیا ہے اور چونکہ وہ نوعمر اور بہت ہی خوبصورت ہے اس لئے ہرقل اس پر فریفتہ ہُوا جا رہا ہو گا اور لڑکی اس دھوکے میں آ گئی ہو گی کہ روم اور مصر کا بادشاہ ہمیشہ کے لئے اس کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور اب وہ ملکہ بنے گی"۔

"یہ شک مجھے بھی ہوتا ہے" — مقوقس نے کہا — "لیکن یہ خیال بھی آتا ہے کہ لڑکی کو موقع ہی نہیں ملا ہو گا"۔

دونوں نے اس مسئلے پر غور کرنا شروع کیا تو اس فیصلے پر پہنچے کہ اپنا کوئی جاسوس سکندریہ بھیجا جائے جو یہ معلوم کرے کہ ایک لڑکی دو آدمیوں کے ساتھ کس جہاز پر اور کب بحیرۂ روم کے پار جانے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ تھیوڈور نے اس یقین کا اظہار کیا کہ لڑکی نے ان کا راز فاش نہیں کیا...... اگر ایسا ہوتا تو اب تک مقوقس اور تھیوڈور ہرقل کے قیدی ہوتے یا اب تک انہیں جلاّد کے حوالے کیا جا چکا ہوتا۔

جب یہ طے کر لیا کہ کوئی جاسوس استعمال کیا جائے تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ ایسا کون سا جاسوس ہے جسے اعتماد میں لیا جا سکتا ہے۔ جاسوس بھی ایسا درکار تھا جو بزنطیہ میں ہرقل کے محل کے اندر کے حالات بھی معلوم کرنے کی اہلیت اور اثر و رسوخ رکھتا ہو۔ ایک تو عام قسم کے جاسوس تھے اور دوسرا گروہ ان جاسوسوں کے افسروں کا تھا۔ بادشاہ اور جرنیل وغیرہ جاسوس افسروں کے ساتھ دوستی کا ماحول پیدا کئے رکھتے تھے۔ مقوقس اور تھیوڈور نے سوچ سوچ کر ایک افسر کو منتخب کر لیا۔ وہ بھی درپردہ قبطی عیسائی تھا۔ ان دونوں نے اس جاسوس افسر کو بلایا۔ دونوں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ اس جاسوس کو کیا بتانا ہے۔

انہوں نے اس جاسوس کو یہ بتایا کہ ایک لڑکی کو بزنطیہ جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ ہرقل مصر کی مخدوش صورتِ حال جانتے ہوئے بھی کمک کیوں نہیں بھیج رہا اور کیا وہ کمک بھیجے گا بھی یا نہیں۔ جاسوس کو یہ بھی بتایا گیا کہ لڑکی کے ساتھ دو آدمی بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے لڑکی کو ہرقل کے پیش کرنا تھا اور یہ کہنا تھا کہ یہ مقوقس نے بطور تحفہ بھیجی ہے۔

جاسوس افسر کے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ مقوقس ہرقل کی جاسوسی کر رہا تھا۔ جاسوس جانتا تھا کہ ہرقل نے اپنے جاسوس مصر میں بھیج رکھے ہیں جو یہ دیکھتے رہتے اور ہرقل کو پیغام اور اطلاعیں بھیجتے ہیں کہ مقوقس اور جرنیل یہاں کیا کر رہے ہیں اور ان کی نیّت اور ان کے ارادے کیا ہیں۔ اگر مقوقس اور تھیوڈور ہرقل کی نیت اور ارادے معلوم کرنا چاہتے تھے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ جاسوس نے کہا کہ یہ کام اگر اسے بتایا جاتا تو وہ بہتر طریقے سے کسی تجربہ کار جاسوس سے کروا لیتا۔

"اگر ہمارا یہ کام نہیں ہُوا تو کوئی افسوس نہیں" — مقوقس نے کہا — "خطرہ یہ نظر آتا ہے کہ لڑکی نے ہرقل کے ہاں جاکر اور محل کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر راز ہی فاش نہ کر دیا ہو.... ہمارے دونوں آدمیوں کو تو واپس آ جانا چاہئے تھا"۔

جاسوس کو ہر ایک بات اچھی طرح سمجھا دی گئی اور اسے کہا گیا کہ وہ سکندریہ جاکر معلوم کرے اور اگر اسے پتہ چل جائے کہ لڑکی اور یہ دو آدمی فلاں دن اور فلاں جہاز سے گئے تھے تو جاسوس بزنطیہ چلا جائے اور وہاں سے ان کا سراغ لگائے۔ جاسوس کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ دونوں آدمی اور لڑکی کس لباس میں اور کس حلئے میں گئی تھی۔

جاسوس اُسی شام بابلیون نے سکندریہ روانہ ہو گیا۔



یہ جاسوس جو اچھی خاصی حیثیت کا افسر تھا' بادبانی کشتی کے ذریعے سکندریہ پہنچا۔ کشتی ہی اسے پہنچانے کا تیز ذریعہ تھا۔ دریائے نیل کا بہاؤ اُسی طرف تھا اور کشتی بادبانی تھی۔ سکندریہ میں ایک ہی ایسی بڑی سرائے تھی جہاں بحیرۂ روم کے پار جانے والے مسافر جہاز کی روانگی تک رکا کرتے تھے۔ جاسوس مسافر کے بھیس میں اسی سرائے میں ٹھہرا۔

جاسوس کو بتا دیا گیا تھا کہ لڑکی اور وہ دو آدمی کن دنوں سکندریہ پہنچے تھے۔ جاسوس نے سکندریہ کی سرائے میں سرائے کے مالک اور نوکروں وغیرہ سے پوچھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑا ہی قابل اور تجربہ کار جاسوس تھا۔ اسے ہر کسی سے یہی ایک جواب ملا کہ اس سرائے میں تو مسافر آتے جاتے ہی رہتے ہیں اور کئی ایک کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ کسی کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں تھا کہ کوئی خاص قسم کی لڑکی خاص قسم کے آدمیوں کے ساتھ یہاں ٹھہری تھی۔

آخر ایک ذہین سے نوکر کو کچھ یاد آ گیا۔ جاسوس نے اس کے ساتھ کچھ باتیں کیں اور اسے ان تینوں کا لباس اور حلیہ بتایا تو نوکر نے کہا کہ اگر یہی لڑکی تھی تو اسے اس نے دیکھا تھا۔

نوکر نے کہا کہ وہ حیران اس لئے ہُوا تھا کہ وہ لباس سے تو بالکل معمولی سے لوگ لگتے تھے لیکن انہوں نے سرائے میں الگ کمرہ لیا تھا۔ وہاں تو اچھے اچھے لوگ آتے اور دو چار دن گذارنے کے لئے بڑے کمرے میں رہتے تھے تاکہ خرچ زیادہ نہ ہو۔ یہ تینوں

یعنی دو آدمی اور ایک لڑکی ایسے کمرے میں ٹھہرے تھے جو امیر کبیر لوگوں کے لئے ہی بنائے گئے تھے۔ نوکر ان کے ساتھ کمرے تک گیا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ چند مرتبہ کمرے میں کھانا لے کر گیا اور ایک بار لڑکی جو ہر وقت چہرے پر نقاب رکھتی تھی' بے خیالی میں نقاب ہٹا بیٹھی اور نوکر کی نظر اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ تو بہت ہی حسین لڑکی تھی۔

مختصر یہ کہ جاسوس کو بہت حد تک یقین ہو گیا کہ نوکر نے اسی لڑکی کو دیکھا تھا اور اس کے ساتھ وہی دو آدمی تھے جنہیں مقوقس اور تھیوڈور نے لڑکی کے ساتھ بھیجا تھا۔

جاسوس کو پتہ چل گیا کہ وہ دو تین دن رک کر فلاں جہاز سے گئے تھے۔ اسے جہاز کا نام بھی معلوم ہو گیا اور جہاز کے کپتان کا نام بھی۔

جاسوس نے بزنطیہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسرے مسافروں کو تو اگلے جہاز کا انتظار کرنا پڑتا تھا لیکن اس جاسوس کے لئے سرکاری انتظام کر دیا گیا تھا۔ بڑی بادبانی کشتیاں تیار رہتی تھیں۔ جاسوس نے بندرگاہ پر جاکر اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر جا رہا ہے اور اسے فوراً بحیرۂ روم عبور کرایا جائے۔ اسے اُسی وقت ایک کشتی دے دی گئی جس میں تربیت یافتہ ملاح موجود تھے۔



جاسوس بزنطیہ پہنچا اور وہاں جاسوسی کے محکمے کے جو افسر تھے انہیں ملا۔ وہ اسے بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ اس نے انہیں بتایا کہ اسے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کے دو تین جاسوس یہاں آ گئے ہیں۔ وہ انہیں پکڑنے کے لئے آیا ہے۔

ان افسروں کے ساتھ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ قدرتی بات تھی کہ وہاں کے افسروں نے اس سے مصر کی جنگی صورتِ حال کے متعلق پوچھا۔ جاسوس نے کہا کہ شاہ ہرقل نے قبطی عیسائیوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے تھے اس کا نتیجہ اب یہ سامنے آ رہا ہے کہ قبطی نہ فوج کو تعاون دیتے ہیں نہ اپنے ملک کے دفاع کے لئے کچھ کرتے ہیں حالانکہ ان کے اسقفِ اعظم بنیامین نے انہیں کہہ دیا ہے کہ وہ اسلام کے اس طوفان کو روکنے میں اپنی فوج کی مدد کریں۔

جاسوسی کے محکمے کے یہ سارے افسر رومی تھے۔ انہیں بجا طور پر افسوس ہو رہا تھا کہ مصر سلطنتِ روم سے نکلتا نظر آ رہا ہے۔ انہوں نے ہرقل کے ظلم و ستم اور قتل و

غارت گری کی باتیں شروع کر دیں۔ باتوں باتوں میں ایک نے کہا کہ ڈیڑھ دو مہینے گزرے ہرقل نے ایک نوخیز اور خوبصورت لڑکی کو اور اس کے ساتھ دو آدمیوں کو جلّاد کے حوالے کر کے ان کے سر قلم کروا دیئے ہیں۔ کسی کو بھی معلوم نہیں وجہ کیا تھی۔

مقوقس کے جاسوس نے یہ سنا تو وہ چونکا اور کرید کرید کر پوچھنے لگا کہ وہ آدمی کون تھے اور لڑکی کو کہاں سے لائے تھے۔ اسے جواب ملا کہ مصر سے ایک بحری جہاز آیا تھا۔ سنا ہے اس جہاز کا کپتان ان تینوں کو لایا تھا اور اس حالت میں لایا کہ دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ ہرقل نے جہاز کے اس کپتان کو بہت سا انعام و اکرام دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ مسلمان جاسوس ہوں" — ہرقل کے ایک جاسوس افسر نے کہا۔ "اور ہو سکتا ہے وہ یہی مسلمان جاسوس ہوں جن کے پیچھے تم آئے ہو"۔

"میں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا" — ایک اور بولا — "اگر وہ جاسوس ہوتے تو شاہ ہرقل انہیں ہمارے حوالے کرتا تاکہ ہم ان سے معلوم کر سکتے کہ انہوں نے یہاں سے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں"۔

مقوقس کے جاسوس نے اور بھی کئی ایک باتیں معلوم کر لیں اور اسے یقین ہو گیا کہ یہی تھی وہ لڑکی اور یہی تھے وہ دو آدمی جنہیں مقوقس نے بھیجا تھا۔ وہ وہاں سے واپس مصر کو روانہ ہو گیا۔

کئی دنوں کی خشکی کا اور پھر سمندر کا سفر کر کے یہ جاسوس واپس مقوقس کے پاس پہنچا اور اسے ساری رپورٹ دی۔ مقوقس اور جرنیل تھیوڈور پھر بھی حیرت زدہ رہے کہ ہرقل نے ان تینوں کو قتل کیوں کروایا تھا؟..... ان دونوں کو یہ افسوس تو ہُوا کہ ان کی قتل کی سازش ناکام رہی ہے لیکن اطمینان یہ جان کر ہُوا کہ ان کا راز فاش نہیں ہُوا۔ اگر ہو جاتا تو اب تک ہرقل ان دونوں کو قتل کروا چکا ہوتا۔

مقوقس کے سامنے صرف یہی ایک مسئلہ نہیں تھا کہ ہرقل کو قتل کروانا ہے۔ اس کے دماغ پر تو عرب کے مسلمان غالب آئے ہوئے تھے جو مصر میں ہر قلعے پر قابض ہوتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے دریائے نیل بھی پار کر لیا تھا اور پھر فیوم کے پورے کا پورا صوبہ اپنی تحویل میں لے کر محصولات اور دیگر ٹیکس وصول کرنے شروع کر دیئے

تھے۔ وہ حیران ہوتا رہا تھا کہ ہرقل کمک کیوں نہیں بھیج رہا؟..... شام کی جنگ میں جب ہرقل کی فوج کٹ رہی تھی اور پیچھے ہی پیچھے ہٹتی چلی جا رہی تھی تو ہرقل نے مصر سے اچھی خاصی کمک منگوالی تھی جس کا کمانڈر اس کا اپنا بیٹا قسطنطین تھا مگر اب ہرقل نے اپنے اس بیٹے کو بزنطیہ میں بٹھا رکھا تھا۔ آخر کیوں؟ — مقوقس کو اس سوال کا جواب اس جاسوس افسر سے مل گیا۔

جاسوس نے مقوقس کو بتایا کہ وہ ہرقل کے شاہی محلات کے اندر کے احوال و کوائف بھی معلوم کر لایا ہے۔ ہرقل بوڑھا ہو گیا تھا اور اب اس کی جانشینی کا تنازعہ سر اٹھا رہا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو اس جاسوس نے بیان کی تھی۔ ہرقل کو اپنے بیٹے قسطنطین کے ساتھ بہت پیار تھا اور اسی کو اہمیت دیتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ قسطنطین جرنیل تھا اور فوج کی قیادت میں خصوصی مہارت اور اہلیت رکھتا تھا۔ ہر کسی کے ذہن میں یہی یقین تھا کہ ہرقل کا جانشین قسطنطین ہی ہو گا لیکن ایک دعویدار اور بھی تھا۔

یہ دعویدار ہرقل کی ایک اور بیوی کا بیٹا تھا۔ یہ بیوی صرف بیوی نہیں بلکہ ملکہ تھی اور ملکہ بھی ایسی کہ سلطنتِ روم پر اس کا حکم چلتا تھا بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ وہ ہرقل پر بھی اپنا حکم چلا لیا کرتی تھی۔ بہت ہی چالاک اور عیّار عورت تھی۔ اس کا نام ملکہ مرتینا تھا۔ اس کا ایک بیٹا جوان تھا جس کا نام ہرقلیوناس تھا۔ ملکہ مرتینا اپنے اس بیٹے کو ہرقل کا جانشین اور سلطنتِ روم کا وارث بنانا چاہتی تھی لیکن ہرقلیوناس، قسطنطین جیسا جنگجو طبع نہیں تھا۔ وہ محض شہزادہ تھا اور اس میں خوبی یہی تھی کہ وہ ملکہ کا بیٹا تھا۔ ملکہ اسے میدانِ جنگ سے بچائے رکھتی تھی۔ اس کا میدانِ جنگ میں جانے کا امکان ہی نہیں تھا کیونکہ وہ لڑنے والا آدمی تھا ہی نہیں۔

تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہرقل ملکہ مرتینا سے کچھ ڈرتا بھی تھا۔ شاید اس کی وجہ ہرقل کا بڑھاپا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مرتینا نے رومی فوج کے بڑے بڑے جرنیلوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا اور انہیں اس قدر عیش و عشرت کرواتی تھی کہ وہ اس کی مٹھی میں ہی رہنے کو بے تاب رہتے تھے۔ بظاہر ان جرنیلوں کی وفاداری ہرقل کے ساتھ تھی لیکن وہ ملکہ مرتینا کی خوشنودی کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

ہرقل بڑا ہی ظالم بادشاہ تھا۔ وہ چاہتا تو مرتینا کو قتل کروا سکتا تھا یا اسے غائب ہی

کروا دیتا لیکن اسے معلوم تھا کہ کسی نہ کسی طرف سے اس پر انتقامی وار پڑے گا جس سے وہ سنبھل نہیں سکے گا۔ انتقام کا خطرہ اس کے اپنے بیٹے ہرقلیوناس سے بھی تھا۔ اس صورتِ حال کو وہ خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور اس نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔

معروف مصری تاریخ دان محمد حسنین ہیکل نے یورپی اور عرب تاریخ نویسوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ ملکہ مرتینا نے پوری کوشش کر ڈالی تھی کہ ہرقل کو بڑھاپے کے بہانے تخت و تاج سے لاتعلق کر دے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ تاریخ میں تفصیلات نہیں ملتیں کہ یہ کوشش کس نوعیت کی تھی لیکن یہ واضح ہے کہ جب مصر پر مجاہدینِ اسلام نے حملہ کیا تھا' اُس وقت ملکہ مرتینا نے ہرقل پر زور دیا تھا کہ قسطنطین کو فوج دے کر فوراً مصر بھیج دے ورنہ مصر کا ہاتھ سے نکل جانا کوئی حیرت والا واقعہ نہیں ہو گا۔ مرتینا نے قسطنطین کی بہت ہی تعریفیں کی تھیں اور کہا تھا کہ مصر کو عربوں سے صرف قسطنطین بچا سکتا ہے۔

مرتینا تو چالاک اور ہوشیار تھی ہی' ہرقل بھی کچھ کم عیار نہیں تھا۔ وہ جان گیا کہ اس کی ملکہ قسطنطین کی شجاعت کے جو قصیدے سنا رہی ہے' اس میں اصل نیت یہ کار فرما ہے کہ قسطنطین مصر جائے اور مارا جائے۔ ہرقل نے کوئی جواز پیش کر کے مرتینا کی یہ بات نہ مانی۔

اس کے بعد مصر سے جنگ کی صورتِ حال کی جو بھی اطلاع گئی وہ حوصلہ شکن اور انتہائی مایوس کن تھی۔ مرتینا نے ہرقل پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ خود فوج ساتھ لے کر مصر چلا جائے ورنہ مقوقس مصر عربوں کو دے بیٹھے گا۔ یہاں بھی مرتینا کی نیت یہی تھی کہ قسطنطین نہ مرے' ہرقل ہی مارا جائے یا ہرقل مصر میں ایسا الجھ کر رہ جائے کہ مرتینا تخت پر بیٹھ کر روم کی شہنشاہیت کا دعویٰ کر دے.... ہرقل نے اس کی یہ بات بھی نہ مانی۔

مقوقس کے جاسوس نے بتایا کہ ہرقل اپنی ملکہ سے تخت اور تاج کو بچانے کے لئے اور پھر قسطنطین کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لئے نہ خود مصر آ رہا ہے نہ قسطنطین کو بھیج رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہرقل نے مصر کی تمام تر ذمہ داری مقوقس پر ڈال دی تھی.... مقوقس نے اس جاسوس افسر کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔ وہ اپنا جاسوسی کا

کام بڑی ہی خوش اسلوبی سے اور کامیابی سے جا کر پورا کر آیا تھا۔

○

ہرقل کو اب یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ مقوقس اور اس کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس بھی اس کے دشمن ہو گئے ہیں۔ مقوقس کو جب یہ یقین ہو گیا کہ ہرقل اس کی مدد کے لئے کچھ بھی نہیں کرے گا تو اس نے اپنے جرنیل تھیوڈور سے گفتگو کی۔ تھیوڈور نے اسے حتمی طور پر کہہ دیا کہ مصر کا دفاع اب ان ہی کی ذمہ داری ہے اور ہرقل کی طرف دیکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ آخر دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ ہرقل کو بدلتی ہوئی صورت حال کی اطلاع دیتے رہیں گے لیکن مصر میں اپنی پالیسی اور اپنی سہولت کے مطابق لڑیں گے اور ہرقل کا کوئی حکم نہیں مانیں گے لیکن اسے یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ اس کی حکم عدولی دانستہ کی جا رہی ہے۔ اس نے کبھی باز پرس کی تو یہ جواز پیش کریں گے کہ اس کا حکم جب مصر میں پہنچا تو یہاں کی صورتِ حال بہت ہی بدل چکی تھی۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مقوقس کا اسلام کے بارے میں روّیہ دوسرے غیر مسلم بادشاہوں کی طرح جارحانہ اور حقارت آمیز نہیں تھا۔ دینِ اسلام کے متعلق اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رسالت کے متعلق مقوقس کا اپنا ہی ایک نظریہ تھا جس کا ذکر پہلے اس داستان میں آ چکا ہے۔ یہاں مختصراً ایک بار پھر پیش کیا جا رہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک بار کسریٰ ایران' قیصرِ روم' حیرہ اور غسان کے بادشاہوں' عرب کے جنوبی علاقے کے حکمران اور فرمانروائے مصر مقوقس کے نام پیغام بھیجے تھے جن میں ان سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ کسریٰ ایران نے بڑی رعونت سے یہ پیغام پھاڑ کر اس کے پُرزے اُڑا دیئے تھے اور پیغام لے جانے والے ایلچی کی بے عزتی کر کے دربار سے نکال دیا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ کسریٰ کی سلطنت کے ٹکڑے اسی طرح بکھر جائیں گے اور یہ سلطنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔

دوسروں کا روّیہ حقارت آمیز تھا لیکن مقوقس نے آنحضورؐ کے پیغام کا باقاعدہ جواب دیا اور ایسے نظریے کا اظہار کیا تھا جس سے سب حیران رہ گئے تھے۔ اس کے پاس حضرت حاطبؓ پیغام لے کر گئے تھے۔ مقوقس نے حضرت حاطبؓ کا استقبال پورے

احترام سے کیا اور آنحضورؐ کا پیغام پوری توجہ سے پڑھا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو الگ بٹھا کر آنحضورؐ کے متعلق کچھ باتیں پوچھیں اور پھر پیغام کا جواب لکھا تھا۔

مقوقس نے پیغام میں لکھا تھا کہ میں جانتا تھا کہ ابھی ایک نبی کا آنا باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ نبی شام میں ظہور پذیر ہو گا لیکن یہ عرب کی انتہائی کٹھن اور صبر آزما زمین پر ظاہر ہُوا ہے..... مقوقس نے اپنے پیغام میں ایسا اشارہ تک نہیں دیا کہ اسے رسالت پر اعتراض ہے بلکہ اس نے یہ لکھا کہ وہ قبطی عیسائیوں سے اس بارے میں کچھ نہیں کہے گا' البتہ یہ صاف طور پر کہا کہ عرب کے مسلمان مصر کے میدانوں میں اتریں گے اور مصر پر ان کا غلبہ ہو جائے گا۔

مقوقس نے پیغام کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دو نوخیز اور خوبصورت لڑکیاں بطور تحفہ بھیجی تھیں اور ایک نہایت اعلیٰ نسل کا خچر بھی بھیجا تھا۔ آنحضورؐ نے ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل کر لیا تھا۔ یہ تھیں حضرت ماریہؓ قبطیہ۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے تھے۔

اسلام کے بارے میں ایسا قابلِ احترام روّیہ رکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ مقوقس پورا مصر یا اس کا کچھ حصہ مجاہدینِ اسلام کے حوالے کر دیتا۔ اس کے باوجود کہ اس نے خود پیش گوئی کی تھی کہ عرب کے مسلمان مصر پر غالب آ جائیں گے' وہ عرب کے مجاہدین کا مقابلہ اپنی پوری طاقت اور تمام تر وسائل کے ساتھ کرنے کو تیار تھا اور کر بھی رہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو یہی ایک پیغام دیا تھا کہ اسلام کے اس سیلاب کو روکنا ہے۔ البتہ اس نے اپنے روّیے میں یہ ایک نرم گوشہ رکھا ہُوا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح صفائی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا لیکن ساتھ یہ کہتا تھا کہ مسلمان مصر سے نکل جائیں۔

اب اس نے مسلمانوں کی اس قدر برق رفتار اور قیامت خیز پیش قدمی اور فتوحات کا سلسلہ دیکھا اور پھر ہرقل کی نیت کا اسے پتہ چلا تو اس نے تھیوڈور اور دیگر جرنیلوں سے کہہ دیا کہ اب وہ اپنی پالیسی کے مطابق لڑے گا اور جو کارروائی بہتر سمجھے گا وہی کرے گا۔

مجاہدینِ اسلام کی کامیابی صرف یہ نہیں تھی کہ وہ فتوحات حاصل کرتے بڑھے ہی چلے جا رہے تھے بلکہ ان کی فتح یہ تھی کہ ان کی قیامت خیزی نے ہرقل کے شاہی نظام میں ایسا زلزلہ بپا کر دیا تھا کہ اس کا اپنا فرمانروا مقوقس اور اس کے جرنیل اور اس کا مقرر کیا ہُوا اسقفِ اعظم اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہ ہرقل جو فرعونِ ثانی تھا' اپنے گھر میں اپنی ملکہ سے ڈرنے لگا تھا۔ اس کے گھر میں ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی کہ وہ نہ خود مصر جانے کا خطرہ مول لیتا تھا نہ اپنے بیٹے قسطنطین کو کمک دے کر بھیجتا تھا۔

تاریخ آج تک حیران ہے کہ صحیح معنوں میں مٹھی بھر مجاہدین کو ایسی کامیابیاں اور وہ بھی اتنی بڑی جنگی طاقت کے مقابلے میں کس طرح حاصل ہوئیں۔ تاریخ لکھنے والے صرف یہ لکھ گئے ہیں کہ یہ ایک معجزہ تھا لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ معجزہ بیٹھے بٹھائے تو رُونما نہیں ہو جایا کرتا۔

اللہ اپنے کرم و فضل سے صرف انہیں نوازا کرتا ہے جو اپنی جان اور اپنا مال اور اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے پیش کر دیا کرتے ہیں۔ یہ ایمان کی مضبوطی کی ایک دلیل تھی اور یہ فتح دراصل اسلام کی صداقت کی فتح تھی۔

ہرقل جس انجام کو پہنچ رہا تھا اسے اللہ کی لعنت کہا جائے تو صحیح ہو گا۔ قرآن میں کئی آیات میں آیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں پر کفّار جو ظلم و ستم کرتے ہیں' ان کفّار کا انجام بہت ہی بُرا اور قابلِ نفرت ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ جو اہلِ ایمان کفّار کے ان مظالم کا مقابلہ ثابت قدم رہ کر کریں گے' اللہ انہیں بہترین اور ہمیشہ رہنے والا اجر عطا کرے گا اور ظالموں سے انتقام لے گا۔

ہرقل اگر اسلام قبول نہ کرتا اور حضرت عیسیٰؑ کی عیسائیت کے ساتھ ہی وفادار رہتا اور اپنے دل میں بنی نوع انسان کی وہی محبت رکھتا جو حضرت عیسیٰؑ کے دل میں تھی اور جس کی تعلیم آپؑ نے عام کی تھی تو شاید ہرقل کا انجام اتنا بُرا نہ ہوتا لیکن اس نے عیسائیت کو بھی مسخ کر کے اپنا ہی ایک مذہب بنا ڈالا تھا۔ اس پر تو لعنت برسنی ہی تھی۔



مقوقس کے لئے بابلیون کے ارد گرد اور دُور دُور تک جو صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی' اس سے اس کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ اسے ہرقل کی طرف سے بھی خطرہ تھا کہ ہرقل کو پتہ چل گیا ہو گا کہ یہ لڑکی اسے قتل کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ مقوقس

نے اپنے جاسوس کی پوری رپورٹ سن کر جرنیل تھیوڈور سے کہا کہ اس جہاز کے کپتان کو اغوا کروا کر بابلیون بلایا جائے کیونکہ صحیح بات اسی سے معلوم ہو سکتی تھی چنانچہ تھیوڈور نے دو ایسے فوجی منتخب کئے جو کپتان کو اغوا کرنے کی ہمت اور مہارت رکھتے تھے۔ ان آدمیوں کو بحری جہاز کا نام اور کپتان کا نام بھی بتا دیا گیا اور بڑی سختی سے کہا گیا کہ اسے سکندریہ سے اس طرح لانا ہے کہ کسی کو شک تک نہ ہو کہ اسے کسی بُری نیّت سے اغوا کیا جا رہا ہے.... دونوں آدمی اُسی روز سکندریہ کو روانہ ہو گئے۔ مقوقس مصر کا بادشاہ تھا۔ کسی بھی بادشاہ کے لئے رعایا میں سے کسی شخص کو اغوا کروانا کوئی کام ہی نہیں تھا۔

اس بادشاہ کا اصل کام تو ایک بہت بڑا خطرہ بن کر اسے نرغے میں لئے ہوئے تھا۔ وہ قلعہ بابلیون میں تھا اور اس قلعے میں فوج کی کمی نہیں تھی لیکن اس کے لئے یہ مشکل پیدا ہو گئی تھی کہ بابلیون کے قریب سے ہی شروع ہونے والا علاقہ جو اُس دَور میں فیوم کے نام سے مشہور تھا' مجاہدین اسلام کے قبضے میں آ گیا تھا اور وہاں جو رومی فوج تھی' کچھ تو بابلیون میں جا پناہ گزین ہوئی تھی اور باقی قلعہ نقیوس میں جا بیٹھی تھی۔ مقوقس اس آس پر تکیہ کئے ہوئے تھا کہ صوبہ فیوم کے قبطی عیسائی مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور بغاوت کر دیں گے۔ مجاہدینِ اسلام نے صرف اس صوبے پر ہی نہیں بلکہ اس سے ملحقہ دوسرے صوبے کے بھی دو بڑے شہر اپنی عمل داری میں شامل کر لئے تھے۔

یہ علاقے قبطی عیسائیوں کی اکثریت کے علاقے تھے۔ مجاہدین اسلام کی تعداد اس قدر کم تھی کہ عمروؓ بن عاص نے بہت ہی تھوڑے مجاہدین کو ان مفتوحہ اور اتنے وسیع علاقوں میں چھوڑا تھا۔ ان مجاہدین کے ذمے ایک کام تو نظم و نسق صحیح رکھنا تھا اور امن و امان بھی قائم کرنا تھا اگر قبطی بغاوت کر دیتے یعنی محصولات وغیرہ کی ادائیگی سے انکار کر دیتے تو مجاہدین ان پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ ان لوگوں نے بغاوت نہ کی؟.... ان کے اسقفِ اعظم بنیامین نے تو انہیں کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے سیلاب کو روکنا ہے اور رومی فوج کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

یہاں پر وہی عظیم نام سامنے آتا ہے.... اللہ .... یہ اللہ کا کرم تھا لیکن اللہ ایسا معجزہ نُما کرم صرف اُن پر کیا کرتا ہے جو اپنے دین' اپنے ایمان اور اللہ کی راہ میں اپنے عز

کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں بنی نوع انسان کی محبت ہوتی ہے۔ یہ علاقے فتح ہوئے تھے اور رومی فوج آخری سپاہی تک بھاگ گئی تھی تو شہروں میں بھگدڑ اور افراتفری کا بپا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ فاتحین مفتوحہ لوگوں پر رحم نہیں کیا کرتے۔ لُوٹ مار ہوتی ہے۔ قتل و غارت ہوتی ہے اور جواں سال عورتوں کو فاتحین اپنی ملکیت سمجھ لیتے ہیں لیکن مسلمان فاتحین نے وہاں کے لوگوں کو حیران کر دیا۔ کتنی دلچسپ بات ہے کہ مجاہدین کے ساتھ ان کی مستورات بھی تھیں۔ ان مستورات نے وہ مہم سر کی جو بڑے بڑے لشکر بھی ذرا مشکل سے سر کیا کرتے ہیں۔

ان مستورات نے مفتوحہ بستیوں میں جا جا کر وہاں کی عورتوں اور ان کے آدمیوں کو یقین دلایا کہ وہ بھاگیں نہیں اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہیں جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں۔ مجاہدین نے کسی گھر کی طرف دیکھا تک نہیں سوائے اس کے کہ اعلان کرتے پھرے کہ کسی شخص کو بلاوجہ پریشان نہیں کیا جائے گا اور عورتیں اپنے معمول کے مطابق باہر جائیں آئیں اور فاتحین کو اپنے بھائی اور محافظ سمجھیں۔

تاریخ دان ابن الحکم اور تغری نے "النجوم الزاہرہ" میں لکھا ہے کہ مقوقس کی توقعات کے خلاف صوبہ فیوم کے لوگوں نے مسلمانوں کے احکام کی خلاف ورزی کی بجائے انہیں دل و جان سے قبول کر لیا اور ان میں ان کے اپنے ہی بزرگوں کی یہ آواز پھیلتی چلی گئی کہ آخر فتح اہلِ اسلام کی ہی ہونی تھی' اس فتح کو قبول کر لو' قبطیوں کی طرف سے یہ آواز بھی سنائی دی کہ ہرقل کی درندگی آج سے ختم ہے اور اب امن و امان کا دور شروع ہو گیا ہے۔

تو پھر یہ سب کیا تھا؟.... وہ یہ تھا کہ مجاہدین کو لوگوں کے مال و اموال اور سونے چاندی اور ان کی حسین لڑکیوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی مستورات کو ساتھ لے کر لوگوں کے دل فتح کر لئے تھے۔ انہوں نے حقوق العباد کو سامنے رکھا کیونکہ یہ حکم الٰہی تھا۔

خطرہ اُن مصری بدّوؤں کی طرف سے تھا جو مجاہدینِ اسلام کے لشکر میں شامل ہوئے تھے لیکن انہوں نے بھی کسی شہری کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کی۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں مالِ غنیمت کا پورا پورا حصہ مل جاتا تھا اور انہیں ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ مال وہی اچھا جو حلال کا ہو۔ یہ بدّو پسماندہ ذہن کے لوگ تھے اور توہّم پرست بھی۔ انہیں بات

سمجھانے کے لئے بتایا گیا کہ جو شخص لُوٹ مار کرتا ہے اور کسی کی لڑکی پر ہاتھ اٹھاتا ہے' وہ میدانِ جنگ میں مارا جاتا ہے اور اس کی لاش گِدھ اور گیدڑ کھاتے ہیں۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ہرقل جیسا فرعون بادشاہ مصر میں آتے سے کیوں ڈرتا ہے اور اسے کیوں شکست ہو رہی ہے' صرف اس لئے کہ وہ نہتّے اور کمزور لوگوں پر ظلم و ستم توڑتا تھا.... یہ ایسی دلیل تھی جو بدّوؤں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔

اب وہاں صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ رومی فوج کے دلوں میں مجاہدینِ اسلام کی دہشت اتر گئی تھی اور وہاں کے لوگوں کے دلوں میں مجاہدین کی محبت اور ان کا خلوص ایمان گھر کر گیا تھا۔ وہ تو جیسے مسلمانوں کے پیار اور ان کی شفقت کے اسیر ہو گئے تھے۔

اب سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا ہدف قلعہ بابلیون تھا جسے انہوں نے محاصرے میں لے لیا تھا لیکن اس قلعے کو سر کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا' اس لئے نہیں کہ مجاہدین کی تعداد بہت تھوڑی تھی بلکہ قلعہ بلاشک و شبہ ناقابلِ تسخیر تھا۔

عمروؓ بن عاص اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ قلعہ سر کرنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا پھر بھی انہوں نے محاصرہ کر لیا جس کی وجہ انہوں نے اپنے سالاروں کو یہ بتائی کہ محاصرہ اس لئے ضروری ہے کہ قلعے کے اندر جو فوج ہے اسے پریشانی میں مبتلا رکھا جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ رومی یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ عمروؓ بن عاص دشمن کے سر پر سوار رہنا چاہتے تھے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعے کی مضبوطی کو تھوڑا سا بیان کر دیا جائے۔ آج بھی قدیم مصر میں گھوم پھر کر دیکھیں تو قلعہ بابلیون کی چند دیواریں اور دو بُرجیاں کھڑی نظر آتی ہیں۔ ان کھنڈرات کے اندر چلے جائیں اور دھیان اللہ کی طرف کر لیں اور پھر اُن مجاہدین کو تصوّر میں لائیں جن کے دَور میں یہ قلعہ ایک بہت بڑا چیلنج بن کر شان و شوکت سے کھڑا تھا اور ان مجاہدین نے کفر کے اس چیلنج کو اللہ کا نام لے کر قبول کر لیا تھا۔ اس تصوّر سے آپ کو سرگوشیاں سی سنائی دیں گی۔ یوں جیسے ان مجاہدینِ اسلام اور رسالتؐ کے شیدائیوں کی روحیں سرگوشیوں میں داستانِ جہاد سنا رہی ہوں۔

روحوں کی سرگوشیاں وہی سن سکتا ہے جس کی اپنی روح بیدار ہو اور اس روح میں اللہ کا وجود رچا بسا ہُوا ہو۔ آج تو وہاں یہ عالم ہے کہ فرعون تو نہیں ہیں لیکن آج کے حکمرانوں میں فرعونیت زندہ و بیدار ہے۔ اللہ کا نام لینے والوں اور جہاد کی باتیں کرنے

والوں کو عسکریت پسند مسلمان یا بنیاد پرست کہہ کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور بعض کو تو قتل ہی کر دیتے ہیں۔ ویسے نام کو یہ اسلامی ملک ہے اور اس پر جو حکمران ہیں وہ بھی مسلمان ہیں مگر ان کے دلوں میں اللہ کی نہیں اسرائیل کی خوشنودی غالب ہے۔

بابلیون کا قلعہ جب چودہ صدیاں پہلے اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا تھا تو اس کی دیواریں اتنی بلند اور بُرجیاں اتنی مضبوط تھیں کہ ان تک پہنچنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کی دیواریں ساٹھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھیں۔ یہ دیواریں ایسی ٹھوس تھیں کہ ان میں شگاف ڈالا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ ان دیواروں کے اوپر جو بُرجیاں تھیں وہ مضبوطی کے علاوہ بلند بھی تھیں۔ ان کے ساتھ زینے لگے ہوئے تھے اور ان کے اوپر چڑھ کر دیکھو تو دُور دُور تک علاقہ نظر آتا تھا۔ دریائے نیل کا نظارہ تو دیکھنے والوں کو مسحور کر دیتا تھا۔

قلعے کے ایک پہلو سے نیل یوں گزرتا تھا جیسے اس طرف کی دیوار دریا میں کھڑی ہو۔ صدر دروازہ دریا کی طرف کھلتا تھا اور یہ دروازہ لوہے کا بنا ہُوا تھا یا اس پر لوہے کی چادریں جڑی گئی تھیں۔ اس طرف کشتیوں کا ایک بیڑہ ہر وقت تیار رہتا تھا۔ وہاں سے بالکل سامنے نیل بہت چوڑا ہو کر دور دور تک پھیل جاتا تھا۔ پھیلاؤ کی وجہ سے دریا کے عین وسط میں ایک وسیع خطہ خشکی کا رہ گیا تھا جہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعے کا نام قلعہ روضہ تھا۔ اس قلعے میں فوج ہر وقت موجود اور تیار رہتی تھی۔ بوقتِ ضرورت یہ فوج کشتیوں میں بیٹھ کر فوراً بابلیون میں پہنچ جاتی تھی اور محاصرہ کرنے والے اس کمک کو روک ہی نہیں سکتے تھے اور آخر ناکام رہتے تھے۔

قلعہ بابلیون میں اتنے زیادہ کنوئیں موجود تھے کہ پانی کی قلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دیوار کے باہر سے کھیت اور پھلوں کے باغات شروع ہو جاتے تھے جو قلعے کے اردگرد تھے۔ ان کی وجہ سے قلعے میں خوراک کی بھی قلت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ قلعے کو اور زیادہ مستحکم اور ناقابلِ تسخیر بنانے کے لئے کھیتوں اور باغات کے اردگرد ایک بڑی چوڑی اور گہری خندق کھدی ہوئی تھی جس میں دریا کا پانی آتا رہتا تھا۔ دریا کی طرف والے دروازے کے علاوہ ایک اور بڑا دروازہ تھا۔ وہاں رسّوں اور زنجیروں کی مدد سے ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ اپنی فوجوں کو خندق سے گزرنے کے لئے ایک پُل تھا جسے بوقتِ ضرورت خندق پر ڈال دیا جاتا تھا۔ گزرنے کے بعد یہ پُل پھر اٹھا دیا جاتا اور دشمن کے

لئے خندق عبور کرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔

بابلیون کے اندر اپنے جو جاسوس گئے ہوئے تھے، وہ محاصرے سے پہلے نکل آئے تھے۔ انہوں نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتایا تھا کہ قلعے کے اندر بہت ہی زیادہ فوج موجود ہے اور دریا کے جزیرے والے قلعے میں بھی فوج کی کمی نہیں۔ یہ ساری فوج میدانِ جنگ سے اس حالت میں بھاگی تھی کہ اس پر خوف زدگی طاری تھی لیکن فوج اتنی زیادہ تھی کہ ہجوم کی صورت میں اور قلعے کی دیواروں کی پناہ میں دفاعی جنگ لڑ سکتی تھی۔

○

مجاہدینِ اسلام نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چند دنوں بعد مقوقس کو اطلاع دی گئی کہ جہاز کے کپتان کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔ مقوقس نے اُسی وقت کپتان کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

"زندہ رہنے کا ارادہ ہے تو سچ بول دو" — مقوقس نے کپتان سے کہا — "تم ایک لڑکی اور دو آدمیوں کو سکندریہ سے بزنطیہ لے گئے تھے اور انہیں ہرقل کے پیش کیا تھا۔ ان آدمیوں کو تم نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کیوں ڈالی تھیں؟"

کپتان گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور یوں پتہ چلتا تھا جیسے اس کی زبان گنگ ہو گئی ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا جو اس کے جرم کا ثبوت تھا۔

"میں تمہیں قتل نہیں کراؤں گا" — مقوقس نے کہا — "تمہارے اتنے بڑے جہاز کو آگ لگوا دوں گا اور تمہارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کھلا چھوڑ دوں گا اور پھر بھیک مانگتے پھرنا"۔

کپتان جان گیا کہ ساری بات کھل گئی ہے۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ وہ کسی معمولی سے حاکم کے سامنے نہیں بلکہ اس ملک کے فرمانروا کے سامنے کھڑا ہے جو اسے کھڑے کھڑے قتل کروا سکتا ہے۔ وہ مقوقس کے پاؤں پر گر پڑا اور ماتھا رگڑنے لگا۔ اس نے ساری بات سنا ڈالی اور کہا کہ یہ اس نے ایک تو انعام کے لالچ سے کیا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ وہ ہرقل کے مداحوں میں سے تھا۔

مقوقس صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ ہرقل کو پتہ چل چکا ہے یا نہیں کہ اس نے ہرقل کے قتل کا انتظام کیا تھا۔ یہ اسے اس کپتان سے پتہ چل گیا لیکن مقوقس اور تھیوڈور جو

اُس وقت اس کے پاس بیٹھے تھے، حیران ہونے لگے کہ ہرقل نے اس کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی۔ کپتان کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ہرقل نے اس کی غیر حاضری میں کیا سوچا اور کیا کہا تھا۔

کپتان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے مقوقس نے اسے باہر بھیج دیا اور تھیوڈور کے ساتھ صلح مشورہ کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ اس شخص نے سچ بولا ہے اس لئے اس کی جان بخشی کر دی جائے۔

"نہیں!" — تھیوڈور نے کہا — "اسے آزاد کر دیا تو یہ سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ بزنطیہ جا کر ہرقل کو بتائے گا کہ ہم نے اس سے اندر کی بات معلوم کر لی ہے۔ اس کے بعد ہرقل ہمارے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا.... اس کپتان کا زندہ رہنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں"۔

مقوقس نے حکم دے دیا کہ اس کپتان کو جلّاد کے حوالے کر دیا جائے۔ باہر سے کپتان کی آہ و بکا سنائی دینے لگی جو دُور ہی دُور ہٹتی گئی اور جلّاد کے ہاں جا کر بالکل خاموش ہو گئی۔

○

محاصرے کے دوران ایک جاسوس مجاہد جو ابھی قلعہ بابلیون کے اندر ہی تھا، باہر نکل آیا۔ یہ اس کا ایک کارنامہ تھا جو اس نے کر دکھایا تھا۔ وہ بابلیون میں کسی مخصوص بھیس میں تھا۔ وہاں سے وہ کشتی میں دریا کے پار قلعہ روضہ تک چلا گیا۔ وہ شہر کے چند آدمیوں کے ساتھ گیا تھا۔ غالباً سرکاری طور پر قلعہ روضہ کے جزیرے میں کوئی کام تھا جس کے لئے اس مجاہد نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔

رات کے وقت یہ مجاہد چوری چھپے وہاں سے نکلا اور دریا میں اتر گیا۔ اُن دنوں دریا میں طغیانی کے آثار پائے جاتے تھے۔ ویسے بھی وہاں سے دریا خاصا چوڑا تھا جسے تیر کر پار کرنا کسی کا ہی کام ہو سکتا تھا۔ اس جاسوس مجاہد نے دریا پار کر لیا اور پھر کنارے کنارے تیرتا وہاں تک چلا گیا جہاں لشکرِ مجاہدین کا محاصرہ تھا۔ اپنے لشکر میں پہنچ کر وہ گر پڑا تھا اور کچھ دیر بعد اس کے ہوش و حواس ٹھکانے آئے تھے۔

اس نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یہ خبر دی کہ قلعے کے اندر کتنی زیادہ فوج ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ مقوقس نے اس ساری فوج کو اکٹھا کر کے خطاب کیا ہے۔

مقوقس نے اپنے اس خطاب میں اپنی فوج سے کہا تھا کہ دریا میں طغیانی شروع ہو چکی ہے اور ایک یا ڈیڑھ مہینے تک دریا میں اتنی طغیانی آ جائے گی کہ اس میں کوئی اترنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ دریا کی طرف سے قلعہ بالکل محفوظ ہو جائے گا۔ باقی اطراف خندق پانی سے اتنی بھری رہے گی کہ عرب کے یہ مسلمان اسے پار نہیں کر سکیں گے۔

مقوقس نے یہ بھی کہا کہ طغیانی مہینہ ڈیڑھ مہینہ رہے گی اور پھر اُترنے لگے گی۔ ایک مہینے تک دریا کا بہاؤ معمول پر آ جائے گا اور پھر سکندریہ سے کمک آ جائے گی۔ نیل سکندریہ کی طرف بہتا تھا۔ وہاں سے کمک دریائی راستے سے ہی آسانی سے اور کم وقت میں آ سکتی تھی لیکن طغیانی کی صورت میں کشتیاں الٹے رخ چلانا بہت ہی مشکل اور دقت طلب تھا۔ مقوقس نے کہا کہ اتنا عرصہ گزر جانے تک مسلمانوں کا حوصلہ پست ہو چکا ہو گا اور انہیں آسانی سے پسپا کیا جا سکے گا۔

جاسوس مجاہد نے یہ بھی بتایا کہ مقوقس نے اپنی فوج کو انعام کا لالچ بھی دیا ہے۔ یہ تنخواہ دار فوج تھی۔ مقوقس نے فوجیوں سے وعدہ کیا کہ مسلمانوں کو پسپا کر دیا گیا تو ہر فوجی کو تین مہینوں کی دوگنی تنخواہ دی جائے گی اور جو فوجی زیادہ بہادری کر دکھائیں گے انہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

جاسوس نے اپنی رائے یہ دی کہ فوج کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن اس فوج کا حوصلہ اتنا مضبوط نظر نہیں آتا جتنا ہونا چاہیئے۔ اس نے مزید یہ بتایا کہ جو فوجی مسلمانوں کے مقابلے میں آئے اور بھاگے تھے، وہ تو مسلمانوں کا نام سنتے ہی چپ ہو جاتے ہیں۔ رومی فوجیوں کی یہ کیفیت تاریخ میں بھی صاف الفاظ میں آئی ہے۔ وہ اپنی بزدلی اور کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے مجاہدینِ اسلام کے متعلق بڑی دہشت ناک باتیں سناتے تھے۔ ان میں سے بعض کی باتوں سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے عرب کے یہ مسلمان جنات یا بھُوت پریت ہوں۔

جاسوس مجاہد کی اس خبر کا جہاں تک تعلق تھا کہ نیل میں طغیانی آ رہی ہے، سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے لئے کوئی نئی خبر نہیں تھی۔ پھر بھی کچھ باتیں نئی معلوم ہو گئیں۔ عمروؓ بن عاص جانتے تھے کہ طغیانی کا موسم شروع ہو گیا ہے اور دریا چڑھنے لگا ہے۔ مقوقس نے کہا تھا کہ اتنے مہینوں کے انتظار سے مسلمان مایوس ہو جائیں گے

لیکن عمروؓ بن عاص نے اپنے زاویۂ نگاہ سے بات کی۔ انہوں نے محاصرے میں گھوم پھر کر جگہ جگہ مجاہدین سے خطاب کیا۔

انہوں نے مجاہدین کو دریائے نیل اور اس کی طغیانی کے متعلق وہی بات بتائی جو جاسوس نے مقوقس کی زبانی سنائی تھی۔ عمروؓ بن عاص نے کہا کہ اتنا عرصہ قلعے والوں کو کہیں سے بھی مدد نہیں ملے گی۔ اس دوران اس قلعے کی اندر کی فوج کو پریشان کئے رکھیں گے۔ اس کے بعد قلعے پر باقاعدہ یلغار کی جائے گی۔

"دینِ اسلام کے علمبردارو!" — عمروؓ بن عاص نے اس موقع پر یہ تاریخی الفاظ کہے — "یہ خندق اس سے زیادہ چوڑی اور زیادہ گہری ہوتی تو بھی تمہارا راستہ نہیں روک سکتی تھی۔ رومی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا یہ قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اسے کوئی سر نہیں کر سکتا.... اسلام کے شیدائیو! دنیا کا کوئی قلعہ تمہارے ایمان اور جذبۂ جہاد سے زیادہ مضبوط نہیں۔ اللہ کے اس فرمان کو یاد رکھو کہ کوشش تم کرو میں اس کا ثمر دوں گا، میری راہ میں حرکت تم کرو برکت میں دوں گا"۔

قلعہ بابلیون میں تھیوڈور کے علاوہ ایک مشہور جرنیل اور بھی تھا جس کا نام عربی مؤرخین نے اعیرج لکھا ہے لیکن بٹلر نے کہا ہے کہ یہ نام دراصل جارج ہے اور بگڑ کر اعیرج بنا ہے.... نیل چڑھتا جا رہا تھا۔ قلعے کے ارد گرد والی خندق پانی سے لبریز کر دی گئی تھی۔ قلعے کی دیواروں سے مجاہدین پر منجنیقوں سے پھینکے ہوئے پتھر آنے لگے۔

اس سنگ باری کے جواب میں مجاہدین نے بھی منجنیقوں سے قلعے پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ مجاہدین نے تیر دُور تک پہنچانے کے لئے بڑی کمانیں بھی تیار کر لی تھیں۔ ان کمانوں کے تیر انداز خندق کے کنارے تک چلے گئے اور وہاں سے دیواروں کے اوپر رومیوں پر تیر پھینکنے لگے۔ نیل میں طغیانی بڑھتی گئی اور ادھر ایک دوسرے پر تیر اور پتھر پھینکے جاتے رہے۔ شب و روز گزرتے چلے جا رہے تھے۔

قلعے کی دیواروں سے آنے والے پتھر تو مجاہدین کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے لیکن مجاہدین کی منجنیقوں سے نکلے ہوئے پتھر شہر کے اندر گرتے تھے، انہوں نے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ ہر گھر پر یہ خوف طاری تھا کہ ابھی پتھر ان کی چھت پر گرے گا اور چھت گر پڑے گی۔ رومی فوج کا حوصلہ پہلے ہی متزلزل تھا، پتھراؤ سے حوصلہ اور زیادہ کمزور ہونے لگا۔

ڈیڑھ پونے دو مہینے گزر گئے اور نیل میں طغیانی کے آثار ختم ہو گئے۔

○

ماہِ اکتوبر 640ء کے پہلے ہفتے کی بات ہے کہ مقوقس نے اپنی فوج اور بابلیون کے شہریوں کے حوصلے اور جذبے کا جائزہ لیا تو اسے کچھ ایسا شک ہونے لگا کہ مسلمانوں نے اگر اپنے مخصوص انداز سے قلعے پر ہلّہ بول دیا تو عین ممکن ہے کہ یہ فوج مقابلے میں ٹھہر نہ سکے اور شہر کے لوگوں میں ایسی افراتفری اور نفسانفسی پیدا ہو جائے جو اپنی فوج کے لئے رکاوٹ بن جائے۔ اس کے علاوہ مقوقس کی شروع ہی سے یہ خواہش اور کوشش تھی کہ عرب کے ان مسلمانوں کو کسی طرح قائل کیا جائے کہ وہ کچھ لے لیں اور مصر سے واپس چلے جائیں۔ اب ایک بار پھر اس کے دماغ میں یہی بات آ گئی۔

اس نے ایک خفیہ اجلاس بلایا جس میں جرنیل تھیوڈور اور جرنیل جارج شامل تھے اور اس کے علاوہ مقوقس کے صرف دو مشیر شامل کئے گئے۔

"میری بات تحمل سے سنو اور مجھے مشورہ دو" — مقوقس نے کہا۔ "اپنی فوج کو بھی تم نے دیکھ لیا ہے اور شہر کے لوگوں کی حالت بھی تم دیکھ رہے ہو۔ ہم کمک کی امید لگائے بیٹھے ہیں لیکن یہ سوچو کہ ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ کمک صرف اُس صورت میں ہمارے کام آ سکتی ہے کہ یہ کمک مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرے جو ممکن نہیں۔ نیل کے دونوں کناروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہے....

"عرب کے یہ مسلمان جب خندق عبور کرنے پر آ گئے تو عبور کر ہی لیں گے۔ کیا تم ابھی ان کے جذبے اور ہمت و استقلال سے واقف نہیں ہوئے؟ یہ بھی دیکھ لو کہ یہ مسلمان کتنی جلدی مصر کے اندر کتنی دور تک پہنچ گئے ہیں۔ میں بغیر لڑے محاصرہ اٹھوانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم ایک بار پھر ان عربوں سے صلح سمجھوتے کی بات کریں اور کہیں کہ جو کچھ مانگتے ہو لے لو اور مصر سے نکل جاؤ؟"

مؤرخوں نے لکھا ہے مقوقس نے اپنے دلائل ایسے پُر اثر انداز سے دیئے کہ اجلاس کے چاروں شرکاء نے اس کی تائید کی اور کہا کہ اس تجویز پر عمل در آمد فوراً ہو جائے تو اچھا ہے۔

"میں صرف ایک مشورہ دوں گا" — تھیوڈور نے کہا۔ "یہ اجلاس اور یہ ساری کارروائی سختی سے خفیہ رکھی جائے۔ فوج کو تو اس کا علم ہی نہیں ہونا چاہئے ورنہ فوج صلح

سمجھوتے کی آس لگا کر ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے گی"۔

جرنیل جارج نے یہ مشورہ دیا کہ مقوقس خود اس کارروائی کی قیادت کرے اور ذاتی طور پر اس کوشش میں شامل ہو.... مقوقس نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔

اس اجلاس کو خفیہ تو رکھا گیا لیکن تاریخ سے خفیہ نہ رکھا جا سکا۔ بہت سے مسلم اور غیر مسلم اور اُن کے حوالے سے بعد کے تاریخ دانوں نے یہ واقعہ پوری تفصیل سے لکھا ہے.... اسی اجلاس میں ایک مراسلہ بنام سپہ سالار عمروؓ بن عاص لکھا گیا جو مقوقس کی طرف سے تھا۔

اگلی رات کی تاریکی میں مقوقس ان دونوں جرنیلوں اور دونوں مشیروں کو ساتھ لے کر قلعے سے نکلا، کشتی میں بیٹھا اور نیل کے وسط میں جزیرے تک پہنچ گیا جہاں قلعہ روضہ تھا۔ اس قلعے میں ایک بڑا گرجا تھا جس کا پادری بھی موجود تھا۔

آدھی رات کے وقت پادری کو جگایا گیا۔ ظاہر ہے پادری بہت گھبرایا ہو گا کہ اس وقت فرمانروائے مصر اپنے جرنیلوں کے ساتھ کیوں آیا ہے۔

مقوقس نے پادری کو یہ مراسلہ دیا اور کہا کہ وہ صبح کشتی میں بیٹھے اور مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس چلا جائے اور اپنے ساتھ اپنے اعتماد کے تین چار آدمی لے جائے لیکن یہ ساری کارروائی خفیہ رکھنی ہے یعنی کسی کو پتہ نہ چلے کہ مقوقس نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو کوئی پیغام بھیجا ہے۔

تاریخ میں مقوقس کے اس مراسلے کے الفاظ آتے ہیں لیکن اس میں درخواست نہیں بلکہ دھمکی کا تاثر ہے۔ مراسلہ یوں تھا:

"تم ہمارے ملک میں یوں آگھسے ہو جیسے یہ تمہارا ملک ہو یا جیسے اس ملک کا کوئی حکمران ہی نہ ہو اور یہاں کے لوگ بھیڑ بکریاں ہوں۔ تم نے ہم پر جنگ ٹھونسی ہے اور دونوں طرف جو خون خرابہ ہُوا ہے اس کے ذمے دار تم ہو اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ ہمارے ملک میں تمہارا قیام طویل ہو گیا ہے جو ہماری برداشت سے باہر ہے۔ ہماری فوج کے مقابلے میں تم مٹھی بھر بھی نہیں ہو۔ میں خود چاہتا تھا کہ تم نیل تک پہنچ جاؤ۔ اب میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ ورنہ تمہارا کوئی ایک بھی آدمی زندہ واپس نہیں جا سکے گا....

"تم سمجھتے ہو کہ فتح پر فتح حاصل کرتے آ رہے ہو لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ان

فتوحات نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے اور تم یہ سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہے کہ اس وقت تم کہاں اور کس صورتِ حال میں بیٹھے ہو۔ دریائے نیل نے تمہیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔ سمجھ جاؤ کہ نیل بھی تمہارا دشمن ہے۔ پیشتر اس کے کہ تمہارا یہ چھوٹا سا لشکر میری اتنی بڑی فوج کے قدموں تلے روندا جائے میں تمہیں ایک موقع اور دیتا ہوں۔ اپنا کوئی ایلچی یا وفد میرے پاس بھیجو جو میرے ساتھ صلح سمجھوتے کی بات کر سکے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ یہ خون خرابہ ختم ہو جائے اور تم تباہی سے بچ جاؤ۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ اور جتنا معاوضہ مانگو گے میں دوں گا۔ تمہارے ایلچی یا وفد کا انتظار کروں گا"۔

مقوقس کو توقع تھی کہ اس کا بھیجا ہُوا پادریوں کا وفد شام سے پہلے پہلے جواب لے کر واپس آ جائے گا۔ وہ کسی لمبے سفر پر نہیں گئے تھے' دریا کی چوڑائی جتنا فاصلہ تھا۔ وفد کو دوسرے کنارے تک جانا تھا لیکن وفد اُس رات واپس نہ آیا۔ اگلا دن' اگلی رات اور اس سے اگلا دن بھی گزر گیا تب مقوقس نے کہا کہ مسلمانوں نے وفد کو قید کر لیا ہے یا قتل کر دیا ہے۔

دو دنوں بعد وفد واپس آ گیا۔ مقوقس نے پہلی بات یہ پوچھی کہ دو دن وہاں کیا کرتے رہے ہیں۔

"انہوں نے ہمیں پورے احترام سے روک کے رکھا تھا" — بڑ

"میں یہ سمجھا ہوں کہ مسلمانوں نے ہمیں صرف اس لئے رو

مسلمانوں کا حوصلہ اور عزم کی پختگی دیکھ لیں۔ ہم اپنی دلچسپی کی خاط ہے

کہ ان کا رہن سہن اور دیگر عادات و حرکا بی ہیں۔ ہم سب ناوں

قریب سے پہلی بار دیکھا ہے"۔

مقوقس نے مزید بات سننے سے پہلے کہا کہ اسے بتایا جائے

جواب دیا ہے۔ بڑے پادری نے سالار عمروؓ بن عاص کا تحریری پیغام مقوقس کے

ے دیا۔

لکھا تھا — "میں پہلے بھی ایک بار فرمانروائے مصر کو بتا چکا ہوں

کہ ہم ان بن کش قبول کر سکتے ہیں۔ چونکہ یہ شرائط میری نہیں

دینِ اسلام کی ہیں اس لئے میں ان میں ذرا سی بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ صرف تین صورتیں ہیں' کوئی سی بھی قبول کر لو' صلح سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ اسلام قبول کر لو پھر تم ہمارے بھائی ہو گے۔ تمہارے اور ہمارے حقوق یکساں ہو جائیں گے اگر یہ قبول نہیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری اطاعت قبول کرو اور ہمارا مقرر کیا ہُوا جزیہ ادا کرو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہم جنگ بندی نہیں کریں گے بلکہ لڑیں گے اور ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ اللہ کرے گا۔ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اللہ ہی ہے جس کا پیغام ہم تمہارے لئے لائے ہیں"۔

مقوقس نے عمروؓ بن عاص کا یہ جواب سب کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور حیرت کا ملا جلا تاثر آ گیا۔

"کیا تم سب سمجھے نہیں؟" — مقوقس نے کہا — "یہ اُس شخص کا جواب ہے جو صلح پر بات چیت کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ذرا دیکھو اس شخص نے کس لہجے میں خط لکھا ہے۔ یہ ایک ایسے فاتح کا خط ہے جو ہم پر اپنا حکم چلا رہا ہے۔ عربوں کی اس قوم کا غرور دیکھو۔ دولت اور زر و جواہرات کی پیش کش کو یہ لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں"۔

مقوقس نے وفد کے ارکان کی طرف دیکھا اور کچھ دیر بعد پوچھا کہ وہ دو دن مسلمانوں میں رہے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو کیسا پایا ہے۔ کیا وہ ایسی ہی رعونت سے باتیں کرتے ہیں؟

"نہیں فرمانروائے مصر!" — وفد کے سربراہ بڑے پادری نے کہا — "میں نے مسلمانوں کو ایک اجتماع کی صورت میں پہلی بار دیکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو زندگی سے زیادہ موت کو اور غرور سے زیادہ عجز و انکساری کو عزیز رکھتی ہے۔ ان کی حرکات' عادات' کردار اور گفتار میں رعونت کا نام و نشان نہیں ملتا۔ ان میں شاید کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو جسے اس دنیا سے اور اس زمین سے دلچسپی ہو۔ وہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور بیٹھتے زمین پر ہیں۔ ان میں حاکم اور ماتحت' سالار اور سپاہی میں کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ ایک جیسا کھاتے ہیں اور پھر مل کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں....

"میں نے پہلی بار مسلمانوں کو اجتماعی طور پر عبادت کرتے دیکھا ہے۔ اسے وہ نماز کہتے ہیں۔ سپہ سالار امامت کرتا ہے اور باقی سب اس کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو

جاتے ہیں۔ اس سے پہلے سب وضو کرتے ہیں اور اپنے آپ کو پاک کر کے نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر جس طرح امام کرتا ہے باقی سب اسی طرح کرتے ہیں۔ رکوع میں اکٹھے جاتے ہیں' سجدے میں اکٹھے جاتے ہیں اور اکٹھے اٹھتے ہیں۔ میں ان کے اس نظم و نسق سے بہت متاثر ہُوا ہوں۔ سالار سپاہیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ سالار سب سے آگے والی صف میں کھڑے ہوں"۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو آج تک تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔

مقوقس تو پہلے ہی مسلمانوں سے کسی حد تک متاثر تھا۔ اس نے جب بڑے پادری کی زبان سے مسلمانوں کے یہ اوصاف سنے تو وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور سب کی طرف باری باری دیکھا۔ وہ آخر مصر کا بادشاہ تھا۔ سب پر سنّاٹا طاری ہو گیا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مقوقس کیا حکم صادر کرے گا۔ اس نے جب بات کی تو سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

"قسم ہے اُس خدا کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے"۔۔۔ مقوقس نے بے اختیار کہا۔۔۔ "یہ مسلمان کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلانے کا عزم کر لیں تو ہلا سکتے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ان کا مقابلہ جنگ میں کوئی نہیں کر سکتا۔ ان میں وہ اوصاف ہیں جو ہم میں نہیں۔ اس حقیقت پر غور کرو میرے بھائیو! ان سے صلح سمجھوتہ کرنے کا یہی وقت ہے جب وہ نیل کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں۔ چند دنوں تک وہ اس خطرے سے نکل جائیں گے پھر ان سے صلح ناممکن ہو جائے گی۔ وہ صلح پر آمادہ ہی نہیں ہوں گے"۔

سب نے دیکھ لیا کہ مقوقس صلح پر ہی بات کرتا ہے۔ وہ آخر فرمانروائے مصر تھا' اگر وہ کوئی ارادہ ظاہر کر رہا تھا تو حاضرین میں کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے خلاف بولے۔ مقوقس نے ان سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اب تو اس نے بات ہی صاف کر دی کہ وہ صلح کی ایک آخری کوشش کرنا چاہتا ہے۔

"ابھی گنجائش ہے"۔۔۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا۔۔۔ "آپ نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو لکھا تھا کہ اپنے کچھ آدمی بات چیت کے لئے بھیجیں لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ سپہ سالار کو ایک اور پیغام بھیجا جائے کہ وہ اپنے نمائندے بات چیت کے لئے بھیجے؟"

سب نے اس مشورے کی تائید کی اور مقوقس نے اُسی وقت سپہ سالار عمروؓ بن

عاص کے نام پیغام لکھوایا کہ آپ نے اپنے نمائندوں کا وفد نہیں بھیجا نہ کوئی جواب دیا ہے۔ آخری فیصلے پر پہنچنے کے لئے آپ اپنا وفد فوراً بھیجیں۔ میں بے تابی سے منتظر رہوں گا۔

○

مقوقس کا یہ پیغام ایک عام سی قسم کے ایلچی کے ہاتھ عمروؓ بن عاص تک پہنچا۔ انہوں نے ایلچی کو جواب کے انتظار میں باہر بٹھا دیا اور اپنے سالاروں کو بلایا۔ انہیں مقوقس کا پیغام پڑھ کر سنایا۔

"پہلے اس پر غور کرو کہ یہ شخص صلح ہی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے"۔۔۔ عمروؓ بن عاص نے کہا۔۔۔ "میرا ایک خیال تو یہ ہے کہ مقوقس نے دیکھ لیا ہے کہ اس کی فوج حوصلے اور جذبے کے لحاظ سے لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ دوسرا خیال یہ آتا ہے کہ مقوقس صلح کی گفتگو کا دھوکہ دے کر وقت حاصل کر رہا ہے اور وقت حاصل کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس دوران اسے کمک پہنچ جائے گی۔ مجھے مشورہ دو کہ میں اپنا وفد اس کے پاس بھیجوں یا صاف انکار کر دوں۔ میں کوئی ایک بھی شرط نرم نہیں کر سکتا۔ یہ میرے بس سے باہر ہے"۔

"وقت اور مہلت ہمیں بھی درکار ہے"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔۔۔ "نیل کی طغیانی تو اُتر گئی ہے لیکن پانی جو دریا سے باہر آ گیا تھا یہ ابھی واپس نہیں گیا اور ہم پانی کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس پانی کے واپس جانے یا خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا ورنہ لڑائی کی صورت میں ہم اس زمین پر نہیں لڑ سکیں گے"۔

"اس پر غور کریں سپہ سالار!"۔۔۔ ایک اور سالار نے کہا۔۔۔ "یہ بھی تو اللہ کا حکم ہے کہ دشمن صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اسے پورا موقع دو اور صلح قبول کرو بشرطیکہ تمہارا دشمن تمہاری شرائط قبول کرتا ہے"۔

باہمی صلح و مشورے کے بعد عمروؓ بن عاص نے دس افراد کا ایک وفد مقوقس کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ اس کی قیادت ایک صحابی عبادہؓ بن صامت کے سپرد کی جو زبیرؓ ابن العوام کی قیادت میں آئی ہوئی کمک کے ایک حصے کے سالار تھے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا' جسم گٹھا ہُوا لیکن اوپر بڑھنے کی بجائے چوڑائی میں تھا اور قد دراز نہیں تھا۔

عمروؓ بن عاص نے مقوقس کے پیغام کا جواب دے کر اس کے ایلچی کو رخصت کر دیا۔ جواب یہ تھا کہ اس کا ایک وفد آ رہا ہے۔ اس کے بعد عمروؓ بن عاص نے اس وفد کے تمام ارکان کو بلایا اور عبادہؓ بن صامت کو ہدایات دیں کہ وہ کیا گفتگو کریں اور پھر انہیں وہی تین شرطیں بتائیں جو وہ پہلے مقوقس کو پیش کر چکے تھے۔ سپہ سالار نے عبادہؓ بن صامت کو بڑا سخت حکم دیا کہ ان شرائط میں ذرا سی بھی نرمی نہیں کرنی۔

اگلے روز یہ وفد مقوقس کے پاس پہنچ گیا۔ مقوقس کے اپنے مشیر اور جرنیل اس کے ساتھ تھے۔ بات عبادہؓ بن صامت نے شروع کی لیکن مقوقس نے انہیں حقارت سے دیکھا اور یہ تاثر دیا جیسے وہ خفا ہو۔

"اس سیاہ کالے آدمی کو میرے سامنے کیوں لایا گیا ہے" — مقوقس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا — "ہٹاؤ اسے میرے آگے سے اور کوئی اور آدمی بات کرے"۔

عبادہؓ بن صامت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وفد کے ایک آدمی نے کہا کہ انہیں سپہ سالار نے وفد کا قائد بنا کر بھیجا ہے' لہٰذا یہی بات کریں گے اور ہم سب کو ان پر پورا پورا اعتماد ہے۔

مقوقس نے ابھی اس بات پر اپنے ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وفد کے تمام ارکان بیک وقت بولنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ عبادہؓ بن صامت ان کے قائد ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی اور نہیں بولے گا۔ مقوقس نے جب پورے کے پورے وفد کا یہ ردِ عمل دیکھا تو اس نے ہونٹ سی لئے۔ مقوقس کا اپنا ہم مذہب تاریخ دان بٹلر لکھتا ہے کہ مقوقس اس قسم کی اوچھی بات کرنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اس نے بڑی ہی اوچھی بات کہہ دی جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے اس نمائندہ وفد میں اختلاف پیدا کرنا چاہتا تھا۔ شاید یہ بھی دیکھنا چاہتا ہو کہ مسلمانوں میں نظم و نسق کس حد تک ہے اور یہ لوگ اپنے سپہ سالار کے حکم کے سو فی صد پابند رہتے ہیں یا نہیں۔ آخر اس نے عبادہؓ بن صامت کو سر سے اشارہ کیا کہ وہ بات کرے۔

"فرمانروائے مصر!" — عبادہؓ بن صامت نے بات شروع کی — "ہم مسلمان ہیں اور اسلام کے احکام کے پابند۔ اسلام کسی کے چہرے کا رنگ اور لباس دیکھ کر اسے برتر یا کمتر قرار دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس دنیا کے لہو و لعب کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہماری روحانی دلچسپی آخرت کے ساتھ ہے اور دنیا میں ہمارا فریضۂ جہاد فی سبیل

اللہ ہے۔ کوئی لالچ اور خزانوں کے پہاڑ بھی ہمیں اس راستے سے نہیں ہٹا سکتے.... آپ نے ہمیں بلایا ہے۔ ہم آپ کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ پہلے اپنا مدعا بیان کریں"۔

"میں اپنا مدعا تمہارے سپہ سالار کو لکھ چکا ہوں" — مقوقس نے کہا — "تمہیں بھی بتا دیتا ہوں اور تمہارا یہ فرض ہے کہ اپنے سپہ سالار کے ذہن میں میری یہ باتیں بٹھا دینا .... تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ روم کی یہی فوج ہے جسے تم ہر میدان میں شکست دیتے چلے آ رہے ہو۔ ہمارے پاس اس قلعے میں روم کی اتنی زیادہ اور اتنی طاقتور فوج موجود ہے اور اتنی زیادہ فوج آ رہی ہے جسے تم تصوّر میں بھی نہیں لا سکتے....

"تم تعداد میں بہت ہی تھوڑے ہو۔ اس کے علاوہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کس قسم کی پریشانیوں کا سامنا ہے۔ کچھ دن اور گزرے تو تم اپنے لشکر کی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔ میں جو بار بار تمہیں تمہاری کمزوریوں کا احساس دلا رہا ہوں یہ صرف اس لئے دلا رہا ہوں کہ مجھے تمہارے اس ذرا سے لشکر پر رحم آ رہا ہے۔ تمہارا یہ لشکر میری فوج کے ہاتھوں کٹ مرے گا تو مجھے بہت افسوس ہو گا کیونکہ میں اسے گناہ سمجھتا ہوں۔ میں اُس وقت خوش ہوں گا جب تم میرے ساتھ صلح کر لو گے۔ میں تمہارے لشکر کے ہر سپاہی کو دو دینار' ہر سالار کو ایک سو دینار اور تمہارے خلیفہ کو ایک ہزار دینار پیش کرتا ہوں۔ یہ مجھ سے وصول کر لو اور واپس چلے جاؤ۔ رومی فوج کے قہر اور غضب سے ڈرو"۔

تاریخ نویسوں نے مختلف واقعات اور شخصیات پر تبصرے بھی لکھے ہیں اور تجزیے بھی کئے ہیں' وہ کچھ حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک طرف تو مقوقس مسلمانوں کو اچھا سمجھتا تھا اور صلح کے لئے بے تاب نظر آتا تھا لیکن جب کسی مسلمان سے سامنا ہو جاتا تو رعب اور دھمکی کی زبان میں بات کرتا تھا۔ اسے غالباً یہ توقع تھی کہ مسلمان اگر کسی لالچ میں نہیں آتے تو شاید ڈر کر واپس چلے جائیں۔

تاریخ میں آیا ہے کہ عبادہؓ بن صامت نے حساب کیا تو یہ تیس ہزار دینار بنتے تھے جو مسلمانوں کو مصر سے چلے جانے کے عوض پیش کئے جا رہے تھے۔

"میں کچھ بھی قبول نہیں کر سکتا" — عبادہؓ بن صامت نے کہا — "میں اپنے سپہ سالار کے بڑے واضح احکام لے کر آیا ہوں۔ آپ کی دھمکیوں کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ ہمارا تعلق براہِ راست اپنے اللہ کے ساتھ ہے۔ ہم یہ نہیں دیکھا کرتے کہ ہماری

تعداد کتنی تھوڑی اور دشمن کی فوج کتنی زیادہ ہے۔ اللہ نے قرآن میں ہمیں بشارت دی ہے کہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آئی ہیں' اللہ صبر و استقلال والوں کے ساتھ ہے..... آپ نے لشکر کی ضروریات کی جو بات کی ہے یہ ہمارے لئے بے معنی ہے۔ ہم دنیا کی تنگ دستی یا خوشحالی کی پرواہ نہیں کیا کرتے کیونکہ ہمارا تعلق براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے.....

"ہمارے سپہ سالار نے جو ہمارا امیر بھی ہے' آپ کو صاف الفاظ میں بتایا ہے کہ ہماری تین شرطیں ہیں۔ ان میں سے جو چاہو قبول کر لو۔ باقی سب گفت و شنید فضول باتیں ہیں۔ ان سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ مجھے میرے امیر نے اور میرے امیر کو امیرالمومنین نے اور امیرالمومنین کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جو بتایا تھا' میں وہ آپ کے آگے رکھ رہا ہوں۔ اسلام قبول کر لو اور یہاں اسلامی حکومت قائم کر دو تو ہم واپس چلے جائیں گے۔ یہ نہیں تو جزیہ ادا کرو اور ہم آپ کو اور آپ کے ہر فرد و بشر کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیں گے اور اگر اسلام بھی قبول نہیں اور جزیہ بھی قبول نہیں تو ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی"۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مقوقس نے اس گفت و شنید کے بعد عبادہؓ بن صامت کے آگے کچھ تجویزیں رکھیں لیکن عبادہؓ بن صامت نے کوئی ایک بھی تجویز نہ مانی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اتنا اختیار حاصل ہی نہیں نہ سپہ سالار کو نہ ہی امیرالمومنین کو اختیار حاصل ہے کہ اسلام کی شرائط میں ذرا سی بھی لچک پیدا کرے۔

مقوقس اپنے مشیروں اور جرنیلوں سے مخاطب ہوا اور ان سے پوچھا کہ ان کی ان تین شرطوں میں سے کون سی شرط قبول کرتے ہو۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ نہ انہیں اسلام قبول ہے نہ وہ جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ عبادہؓ بن صامت اٹھے اور اپنے وفد کو ساتھ لے کر واپس چل پڑے۔

O

اس کے بعد تاریخ مقوقس اور اس کے مشیروں کی گفتگو کچھ مختصر سی سناتی ہے۔ وفد کے جانے کے بعد مقوقس نے اپنے مشیروں اور جرنیلوں کے ساتھ باتیں کیں۔

"میں اب بھی کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ ہماری صلح ہو جانی چاہئے"۔۔۔ مقوقس نے کہا۔۔۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ کسی لالچ میں بھی نہیں آتے اور کسی دھمکی

سے بھی نہیں ڈرتے"۔

"آپ کو ان کی کون سی شرط قبول ہے؟"۔۔۔ مقوقس کے جرنیل جارج نے پوچھا۔

"میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا"۔۔۔ مقوقس نے کہا۔۔۔ "میں اپنی رائے دوں گا اور تم سب اس پر غور کرو۔ آج میں تمہیں صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ ان مسلمانوں سے لڑنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تم نے خود دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا جنگ جاری رکھنے کو ذہن سے نکال دو۔ اسلام قبول نہ کرو لیکن تیسری شرط ماننی پڑے گی"۔

"فرمانروائے مصر!"۔۔۔ ایک مشیر نے حیرت سے کہا۔۔۔ "آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جزیہ دینا قبول کر لیں اور پھر مسلمانوں کے غلام ہو کر زندگی بسر کریں؟"

"یہ غلامی اتنی سی ہی ہو گی کہ تم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو گے"۔۔۔ مقوقس نے کہا۔۔۔ "تمہیں مسلمان غلام نہیں سمجھیں گے بلکہ تمہیں پورے حقوق اور عزتِ نفس دیں گے۔ اگر تم لڑو گے اور مسلمان تم پر فتح پا لیں گے تو پھر تمہارے ساتھ مسلمانوں کا رویّہ بالکل ہی مختلف ہو گا۔ نہ تمہاری جانیں محفوظ ہوں گی نہ تمہارے مال و اموال محفوظ ہوں گے۔ اس صورت میں تم مسلمانوں کے صحیح معنوں میں غلام ہو جاؤ گے"۔

"اس سے موت بہتر ہے"۔۔۔ جرنیل تھیوڈور نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

تھیوڈور اٹھا تو باقی سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر سب مقوقس کو اکیلا چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ مقوقس نے انہیں روکنے کی کوشش نہ کی۔ وہ سمجھ گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتے کی کوشش میں وہ تنہا رہ گیا ہے۔ جرنیلوں نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ اب تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ مقوقس کو ان کا ساتھ دینا پڑا ورنہ بغاوت بھی ہو سکتی تھی۔ قبطی عیسائی پہلے ہی بغاوت پر آمادہ تھے۔

جرنیلوں نے اپنے ماتحت کمانڈروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ جنگ ہو گی اور محاصرے پر حملہ کیا جائے گا۔ جرنیلوں نے یہ بات یہیں تک نہ رہنے دی بلکہ اپنے ماتحت کمانڈروں سے یہ بھی کہا کہ اب وہ اس جنگ کو پہلے والی جنگ نہ سمجھیں کہ جہاں مسلمانوں نے ذرا دباؤ ڈالا تو ہماری فوج بھاگ اٹھی۔ اب یہ ذہن میں رکھ لو کہ ہمارا اپنا بادشاہ مقوقس ہمیں مسلمانوں کا غلام بنانے کا ارادہ کر چکا ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ

صلح کرنے کے لئے سودے بازی کر رہا ہے۔

جرنیلوں نے اپنے جونیئر کمانڈروں کو کچھ اور باتیں سنا کر بھڑکا دیا اور کہا کہ اپنے دستوں کو بتا دو کہ تم جنگی قیدی ہو گئے تو بھیڑ بکریوں کی طرح مسلمانوں کے غلام ہو جاؤ گے۔ تمہیں انسانیت کے درجے سے گرا کر تمام حقوق سے محروم کر دیا جائے گا اور پھر تم ان کے مویشی ہو گے۔ مسلمان یہی سلوک تمہاری بیٹیوں اور بہنوں سے کریں گے۔

جونیئر کمانڈروں نے اپنی فوج کو یہ باتیں اور اپنے فرمانروائے مقوقس کے ارادے سنا کر بھڑکا دیا۔ فوجیوں سے یہ باتیں شہریوں کے کانوں تک پہنچیں۔ انہیں باتیں اس قدر اشتعال انگیز سنائی گئیں کہ وہی لوگ جو مسلمانوں کے نام سے بھی ڈرتے اور اطاعت قبول کر لینے تک کی بات کرتے تھے یک لخت' مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے اپنی فوج سے کہا کہ وہ فوج کے دوش بدوش لڑیں گے۔

بعض مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کا وفد چلا گیا تھا تو مقوقس نے عمروؓ بن عاص کو ایک اور پیغام بھیجا تھا کہ اسے کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے ایک مہینے کی مہلت دی جائے لیکن عمروؓ بن عاص نے جواب دیا تھا کہ تین دنوں سے زیادہ مہلت نہیں دی جا سکتی۔ عمروؓ بن عاص کا یہ شک صحیح ثابت ہو رہا تھا کہ مقوقس وقت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے اور وہ کمک کا انتظار کر رہا ہے۔

اگر رومی فوج کی اس تعداد کو دیکھا جاتا جو قلعہ بابلیون میں موجود تھی تو مقوقس کو کمک کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن وہ کمک کے لئے اس لئے بے تاب تھا کہ سکندریہ سے آنے والی کمک تازہ دم ہو گی۔ سکندریہ میں رومی فوج کے ایسے دستے موجود تھے جو ابھی تک مجاہدین اسلام کے مقابلے میں نہیں آئے تھے۔ بزنطیہ سے کسی کمک کے آنے کا تو امکان ہی نہیں تھا۔

یہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس بابلیون میں موجود تھا۔ وہ بھی اب ہرقل کے مخالفین میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے بنیامین سے صلح کر لی تھی۔ مسلمانوں کے معاملے میں وہ بڑا سخت متعصب تھا اور کٹر اسلام دشمن۔ اس نے قلعے کے اندر قبطیوں کو اس قدر بھڑکایا کہ وہ آگ بگولہ ہو گئے۔

اب شہر کی یہ کیفیت تھی جیسے لوگ اچانک بڑی گہری نیند سے جاگ اٹھے ہوں۔

فوج کو تو جنگ کی تیاری کرنی ہی تھی' شہری بھی تیر و کمان' تلواریں' برچھیاں لے کر لڑنے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اس قدر بڑا ہجوم سیلاب کی طرح اپنے سامنے آئے ہوئے پہاڑوں کو بھی بہا لے جائے گا۔ مقوقس اپنے محل میں خاموش بیٹھا تھا۔ کبھی وہ باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا اور کبھی محل کے اوپر جا کر بالکونی میں کھڑا ہو جاتا اور اپنی فوج اور لوگوں کو تیاریوں میں اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے دیکھتا۔

"فرمانروائے مصر!" — قیرس نے ایک روز مقوقس کے پاس آ کر کہا — "اب ہم مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے"۔

"کیا تم محسوس نہیں کر رہے قیرس!" — مقوقس نے کہا — "کیا یہ فوج اور یہ لوگ میرے خلاف بغاوت نہیں کر رہے؟"

"نہیں!" — قیرس نے جواب دیا — "میں جانتا ہوں آپ صلح چاہتے ہیں اور یہ لوگ ایسے بیدار ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف جان کی بازی لگا کر لڑنا چاہتے ہیں۔ ان کی تیاریاں آپ کے خلاف نہیں۔ انہیں شک کی نظروں سے نہ دیکھیں۔ گرجوں میں دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ مایوس نہ ہوں فرمانروائے مصر!"

تاریخ میں آیا ہے کہ مقوقس نے کچھ بھی نہ کہا۔ نہ کوئی حوصلہ افزا بات کہی نہ کوئی حوصلہ شکن اشارہ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر لطیف سی مسکراہٹ آ گئی لیکن اس مسکراہٹ میں مسرّت کی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی البتہ طنز ی ضرور نظر آتی تھی۔

قلعے کے اندر رومی فوج اپنی کثیر تعداد کے بھروسے اور لوگوں کے تعاون کے بھروسے پر جوش و خروش سے جنگی تیاریاں کر رہے تھے اور ان کا ایک بھروسہ یہ بھی تھا کہ نیل کے جزیرے روضہ سے فوراً فوج پہنچ جائے گی اور ان کی تعداد اور زیادہ ہو جائے گی۔

قلعے کے باہر خندق سے ذرا ہٹ کر قلیل تعداد مجاہدین اسلام صرف اللہ کی ذاتِ باری پر بھروسہ کئے بیٹھے تھے۔ فن حرب و ضرب کے ماہرین کہتے ہیں کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ اتنے قلیل تعداد مسلمان چند منٹ بھی کثیر تعداد رومی فوج کو سامنے ٹھہر سکیں گے جبکہ رومی فوج کو شہریوں کی مدد بھی حاصل ہو گئی تھی اور ان کی عورتیں بھی لڑنے کے لئے تیار تھیں۔

مجاہدینِ اسلام کو اللہ کی اس بشارت کا بھروسہ تھا کہ تم اگر ایمان کے پکّے ہو تو تم

میں سے دس ایک سو کفّار پر اور تم میں سے ایک سو ایمان والے ایک ہزار کفّار پر غالب آئیں گے۔

ایک رات جب قلعے کے باہر کی دنیا محوِ خواب تھی' رومی فوج دریا کی طرف سے نہایت خاموشی سے قلعے سے نکلی' کشتیوں میں بیٹھی اور اُس جگہ جا پہنچی جہاں سے وہ مجاہدینِ اسلام پر حملہ کر سکتی تھی۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ رومی فوج دریا والے دروازے سے ہی نکلی تھی یا دوسرے دروازوں میں سے بھی۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ رومی فوج نے رات ہی رات خندق پر پُل ڈال دیئے تھے جو اس مقصد کے لئے ہر وقت تیار رکھے جاتے تھے۔

رومیوں کی یہ کارروائی اس قدر خفیہ اور خاموش تھی کہ مسلمانوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ سنتری بھی بے خبر رہے جو پہرے پر تھے۔

مجاہدینِ اسلام پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑی۔ رومی فوج کا یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا اور بڑا ہی تیز اور شدید.... نظر یہی آتا تھا کہ مجاہدین اسلام کو جاگنے کی بھی مہلت نہیں ملے گی اور رومی انہیں ابدی نیند سلا دیں گے لیکن مجاہدین نے زمین و آسمان اور اس تاریک رات کو اور پھر تاریخ کو حیرت میں ڈال دیا کہ حملہ ہوتے ہی وہ اس طرح سنبھل گئے جیسے پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشعلیں جل اٹھیں اور مجاہدین نے رات کو دن بنا دیا۔

یہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا کمال تھا جنہوں نے اپنے سالاروں کو اور تمام لشکر کو کہہ رکھا تھا کہ دشمن کے ملک میں آکر چند لمحوں کے لئے بھی غافل نہیں ہونا اور سونا بھی اس طرح جیسے ایک آنکھ کھلی ہو۔ گھوڑے اور ہتھیار تیار رہیں جیسے کسی بھی لمحے حملہ ہو جائے گا۔

مجاہدینِ اسلام کا تو یہ ایمان تھا کہ انہیں اپنے سالاروں سے جو احکام ملتے ہیں وہ دراصل اللہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی روحِ مبارک کے احکام ہوتے ہیں اور ان احکام کی خلاف ورزی اللہ کے عذاب میں پھینک دیتی ہے۔

حملہ آور رومی فوج کو سب سے پہلا جھٹکا تو یہ پڑا کہ مسلمان اس طرح بیدار ہو کر مقابلے میں آ گئے تھے جیسے انہیں پہلے پتہ چل گیا ہو کہ حملہ آ رہا ہے۔ پھر رومی فوج کے جرنیلوں نے غلطی یہ کی تھی کہ بہت سے شہری رضاکارانہ طور پر حملے میں شامل ہونا

چاہتے تھے' انہیں بھی فوج کے ساتھ حملے کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ تیر اور تلوار اور برچھی چلا سکتے تھے لیکن جنگ کی صورت میں وہ کسی ترتیب میں ہو کر لڑنے کے قابل نہیں تھے بلکہ اپنی فوج کے لئے ایک رکاوٹ بن گئے۔ مسلمانوں نے جب بیدار ہو کر قہر اور غضب سے اس یلغار کو روکا تو سب سے پہلے رضاکار شہریوں میں بھگدڑ بپا ہوئی۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو پہلے ہی ذہن نشین کرا رکھا تھا کہ اچانک حملہ ہو جانے کی صورت میں لشکر کو کس ترتیب میں کر کے مقابلہ کرنا ہو گا۔ اس سے یہ ظاہر ہُوا کہ مسلمان ایک ترتیب اور تنظیم میں تھے اور ان کے مقابلے میں رومی فوج اور شہری ایک ہجوم کی صورت میں آئے اور جب مسلمانوں نے قدم جما کر مقابلہ کیا تو رومی بکھرنے لگے۔

رومی سپاہیوں کو پہلا دھچکا تو یہ لگا کہ مسلمان تو جیسے پہلے سے ہی بیدار تھے اور پھر انہوں نے مشعلیں جلالی تھیں۔ رومی سپاہیوں کے لئے یہ خلاف توقع صورتِ حال ایک مصیبت بن گئی۔ مجاہدین نے ان کی بوکھلاہٹ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تھوڑی سی دیر میں مجاہدینِ اسلام نے رومی فوج کو دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے لشکر کو خاص طور پر یہ ٹریننگ دے رکھی تھی کہ دشمن قلعے سے باہر آکر حملہ کرے تو کس طرح لڑنا ہے اور کیا کیا چال چلنی ہے۔ مختصر یہ کہ دشمن باہر آئے تو ایک دستہ اس کے عقب میں جانے کی کوشش کرے تاکہ قلعے میں داخل ہو جائے اور اگر قلعے کے دروازے پہلے ہی بند ہو جائیں تو دشمن کی باہر آئی ہوئی فوج کو گھیرے میں لے کر آخری سپاہی تک ختم کر دیا جائے۔

مجاہدین کو اس قسم کی لڑائی اور عقب میں جانے کی چال کا خاص طور پر تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ چند قلعے ایسی ہی چال چل کر لے چکے تھے۔ اب قلعہ بابلیون کے باہر مجاہدین اسلام نے دیکھ لیا کہ رومی فوج خندق پر پُل پھینک کر آگے نکل آئی ہے تو مجاہدین نے رومیوں کے پیچھے جا کر پُلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ سپہ سالار نے پہلے ہی ایک سالار اور اس کے دستے کو اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا۔

کچھ وقت بعد رومیوں نے دیکھا کہ مسلمان ان کے عقب میں آ رہے ہیں۔ اس سے ان کی بوکھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔ انہوں نے خندق پار کر کے قلعے میں واپس جانے کی کوشش شروع کر دی لیکن مجاہدین نے انہیں جانے نہ دیا۔ خندق کا ایک آدھ پُل ہی

ره گیا تھا جو ابھی مسلمانوں کے قبضے میں نہیں آیا تھا۔ وہاں سے کچھ رومی زندہ پیچھے کو نکل گئے۔ خندق سے باہر رہنے والے رومیوں میں سے شاید ہی کوئی زندہ بچا ہو۔ بعض رومیوں نے خندق میں چھلانگیں لگادیں لیکن تیرانداز مجاہدین نے مشعلوں کی روشنی میں انہیں تیروں کا نشانہ بنالیا اور اس طرح بہت سی لاشیں خندق میں بھرے پانی میں ڈوبنے اور تیرنے لگیں۔

بہت تھوڑے رومی فوجی اور شہری قلعے میں واپس جاسکے۔ قلعے والوں نے جب دیکھا کہ ان کے فوجی تو پیچھے کو بھاگ رہے ہیں تو مقوقس کے حکم سے قلعے کے تمام دروازے بند کردیئے گئے تاکہ مجاہدین قلعے میں داخل نہ ہوسکیں۔ مسلمانوں کو روکے رکھنے کے لئے مقوقس نے اپنی بہت سی فوج قربان کردی۔

مؤرخوں نے اس لڑائی کو گھمسان کی لڑائی اور بڑی ہی خون ریز لڑائی لکھا ہے اور بعض غیر مسلم مؤرخوں نے اسلام کے خلاف تعصب کو الگ رکھ کر یہ بھی لکھا ہے کہ ایک طرف صرف جذبہ اور عزم تھا اور دوسری طرف تعداد اور ہجوم پر بھروسہ تھا۔ جہاں ایک کے پاؤں اُکھڑے' پورا ہجوم اُکھڑ گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے جذبے کو اور ان کے سالاروں نے اپنی عقل کو بہت تحمل سے استعمال کیا۔

اتنی زیادہ گھمسان کی خون ریز لڑائی رات ہی رات ختم ہوگئی۔ صبح طلوع ہوئی اور سورج کی کرنیں زمین پر اپنا نُور پھیلانے لگیں تو جدھر نظر جاتی تھی لاشیں نظر آتی تھیں۔ کوئی زخمی ان لاشوں سے اٹھتا اور ایک دو قدم چل کر پھر گر پڑتا تھا۔ نیل کا پانی جو کناروں سے باہر آگیا تھا جھیلوں اور تالابوں کی صورت میں دور دور تک بکھرا ہُوا تھا اور یہ پانی مرنے والوں کے خون سے لال ہوگیا تھا۔ پانی میں بھی لاشیں گری تھیں۔ خندق کا پانی بھی سرخی مائل ہوگیا تھا اور اس ہیبت ناک منظر سے مسلمانوں کے نعرے اُٹھ اُٹھ کر گونج رہے تھے۔

بابلیون کے قلعہ بند شہر کے لوگ اور رومی فوج کے بھاگے ہوئے فوجی قلعے کی دیواروں پر کھڑے رات کی لڑائی کا انجام دیکھ رہے تھے۔ اوپر سے تو یہ بھیانک منظر اور ہی زیادہ خوف ناک اور ہیبت ناک لگتا تھا۔ کہاں ان لوگوں کا یہ عزم کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے عورتیں بھی لڑیں گی مگر ہُوا یوں کہ مرد بھی جم کر نہ لڑسکے اور کٹ مرے یا جو بچے وہ بھاگ کر شہر میں پناہ گزین ہوئے۔ اگر شہر کے دروازے بروقت بند نہ

کیے جاتے تو دیواروں کے اندر بھی یہی منظر ہوتا کہ رومیوں کی لاشیں بکھری ہوئی ہوتیں۔

مقوقس کو اس کے مخبروں نے بتایا کہ شہر کے لوگ اور فوجی دیواروں پر جاکر باہر کا منظر دیکھ رہے ہیں اور ان کے حوصلے جو پہلے ہی کمزور تھے بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ مقوقس نے یہ سنا تو غصے سے باہر نکلا اور حکم دیا کہ کوئی شہری یا فوجی دیوار پر نہ جائے سوائے اُن فوجیوں کے جو قلعے کے دفاع کے لئے اوپر موجود رہتے ہیں۔ یہ حکم ملتے ہی مقوقس کے محافظ دستے کے بہت سے آدمی دوڑے گئے اور دیوار پر جاکر لوگوں کو ہانک کر اور دھکیل دھکیل کر دیوار سے اتارا اور سارے شہر میں مقوقس کا یہ حکم پہنچایا کہ کوئی آدمی بغیر ڈیوٹی کے دیوار پر نہیں جاسکتا۔

سب دیواروں سے اتر گئے تو مقوقس نے اپنے جرنیلوں اور ایک دو مشیروں کو بلایا۔ قیرس بھی آگیا۔ ان سب کو ساتھ لے کر مقوقس دیوار پر چلا گیا اور باہر کا منظر دیکھا۔

"دیکھ رہے ہو اپنی جنگ کا انجام؟" — مقوقس نے کہا — "تم نے ان پر سوتے میں حملہ کیا تھا لیکن یہ خون آلود انجام بتاتا ہے جیسے تم سوئے ہوئے تھے اور مسلمانوں نے تم پر حملہ کیا تھا۔ میں جانتا تھا ایسے ہی ہوگا۔ تم اپنے آپ کو فریب دیتے رہے ہو۔ حقیقت کو دیکھو۔ ہماری فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ ہاں' اگر سکندریہ سے کمک آجائے تو پھر شاید ہم مسلمانوں کو للکارنے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں"۔

مقوقس کے ساتھ جو جرنیل اور مشیر تھے وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ تھا۔

"میں اب بھی کہتا ہوں ان سے صلح کرلو" — مقوقس نے کہا — "لیکن اب ہمیں جزیہ قبول کرکے صلح خریدنی پڑے گی..... میں جانتا ہوں تم سب نے لوگوں کو اور فوج کو گرمایا تھا کہ میں انہیں مسلمانوں کا غلام بنانا چاہتا ہوں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اب جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ جزیہ قبول کریں اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلیں"۔

مقوقس کا یہ فیصلہ بلاجواز نہیں تھا' اور اس کے جرنیلوں کی خاموشی اور مشیروں کا سر جھکا لینا بھی بے معنی نہیں تھا۔ سب دیوار سے دیکھ رہے تھے کہ باہر ان کی فوج اور شہریوں کی لاشیں ہی نہیں بکھری ہوئیں بلکہ مجاہدینِ اسلام کا لشکر خندق سے آگے آگیا

تھا۔ خندق ہی ایک رکاوٹ تھی جو گزشتہ رات مسلمانوں نے رومیوں کے بچھائے ہوئے پُلوں سے عبور کر لی تھی۔ خندق قلعے کی دیوار سے بہت دور تھی۔ دیوار اور خندق کے درمیان ہرے بھرے کھیت اور پھلوں کے باغات تھے۔ ان پر اب مجاہدین اسلام کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مقوقس بھی جانتا تھا اور اس کے جرنیل بھی جانتے تھے کہ مسلمان جب کسی قلعے پر یلغار کر دیتے ہیں تو قلعہ لے کر ہی دم لیتے ہیں۔

ان سب نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے لوگوں کو اور فوج کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی شرط پر صلح کر لینے میں ہی اپنی عافیت ہے۔

"لوگوں کو ہم قائل کر لیں گے"۔۔۔ قیرس نے مقوقس سے کہا۔۔۔ "آپ صلح کے سلسلے میں جو کارروائی کرنا چاہتے ہیں وہ کریں"۔

لوگوں اور فوجیوں کو قائل کرنا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ اُس وقت اپنے حملے کا انجام دیکھ کر ان کے حوصلے بُری طرح ٹوٹ گئے تھے اور سارے شہر پر خوف و ہراس طاری تھا۔ پہلے جو لوگ نہیں مانتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی پُراسرار قوت موجود ہے' اب وہ بھی مان گئے۔ گزشتہ رات سے پہلے وہ اپنے آپ کو قلعے کی دیواروں کے اندر محفوظ سمجھتے تھے لیکن اب ان دیواروں سے بھی انہیں خوف آنے لگا تھا۔

مقوقس اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو اپنے محل میں لے گیا اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے نام ایک پیغام لکھوایا ۔۔۔ "میں امان اور خیر سگالی چاہتا ہوں۔ مجھے ملاقات کا ایک موقع دیں۔ میرے دو چار رفیق ساتھ ہوں گے اور آپ اپنے دو چار رفیقوں کو ساتھ رکھیں اور ہم دونوں مل بیٹھ کر صلح سمجھوتے کا کوئی راستہ نکالیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم کسی بہتر فیصلے پر پہنچ جائیں"۔

پیغام ایک قاصد کو دے کر اُسی وقت روانہ کر دیا گیا۔

عمروؓ بن عاص اُس وقت قلعے کے اِرد گِرد گھوم پھر رہے تھے جب مقوقس کا پیغام ان تک پہنچا۔ انہوں نے اپنے تمام سالاروں کو بلایا اور الگ لے جا کر انہیں مقوقس کا پیغام پڑھ کر سنایا پھر ان سے پوچھا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔

"صاف انکار کر دیں"۔۔۔ سالار زبیرؓ بن العوام نے کہا۔۔۔ "آپ کا خیال بالکل صحیح ہے کہ یہ شخص وقت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے"۔

عمروؓ بن عاص نے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا۔ سب نے زبیرؓ بن العوام

کی پُر زور تائید کی اور متفقہ طور پر کہا کہ ملاقات نہ کی جائے۔

"کیا تم لوگ میری مجبوری نہیں سمجھتے؟"۔۔۔ عمروؓ بن عاص نے کہا۔۔۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ امیرالمومنین نے مجھے کیا احکام بھیج رکھے ہیں؟..... امیرالمومنین کا بڑا ہی واضح حکم ہے کہ مصر کا حاکم ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک مان لے تو اس کے ساتھ صلح کر لو لیکن اپنی شرط پر سو فی صد عمل در آمد کراؤ۔ اب مقوقس نے ہماری ایک شرط مان لی ہے۔ میں امیرالمومنین کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا.....

"اس کے علاوہ یہاں اپنی حالت بھی دیکھ لو کہ ہم کس کیفیت میں مبتلا ہیں۔ ہمارے ارد گرد پانی ہے۔ بے شک ہم نے خندق عبور کر لی ہے لیکن اس قلعے کو سر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہو گا۔ کھیتوں اور باغات میں بھی پانی ہی پانی ہے۔ ہم ابھی کسی دوسرے شہر کی طرف پیش قدمی بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں پانی خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا....

"اب دشمن کی کیفیت کا اندازہ کرو۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کا ذہن پڑھنے کی کوشش کرو۔ اس وقت رومی فوج کے حوصلے ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔ ہم نے ان کے جو قیدی پکڑے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ فوج کے ساتھ شہر کے لوگ بھی حملے میں شامل تھے۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ ملا ہے کہ شہر کے لوگوں پر بھی ہمارے مجاہدین کی دھاک بیٹھ گئی ہے لیکن یہ لوگ قلعے کی پناہ میں بیٹھے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ان کے حوصلے بحال ہو جائیں ہمیں ان کی یہ شرط قبول کر لینی چاہئے کہ یہ جزیہ ادا کریں گے۔ اگر یہ لوگ سنبھل گئے تو پھر یہ اس شرط سے بھی پھر جائیں گے"۔

تمام سالار اپنے سپہ سالار سے متفق ہو گئے اور مقوقس کے پیغام کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ باہر آ کر جہاں چاہے ملاقات کرے۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ ان کی ملاقات کہاں ہوئی سوائے اس کے کہ مقوقس اور مجاہدین کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی ملاقات ہوئی۔ مقوقس کے ساتھ دو جرنیل اور دو مشیر تھے اور عمروؓ بن عاص کے ساتھ تین یا چار سالار تھے۔ عمروؓ بن عاص نے مقوقس کو کوئی اور بات کرنے کا موقع نہ دیا سوائے اس کے کہ وہ اطاعت قبول کر لے اور جزیہ ادا کرے۔

مقوقس تو یہی سوچ کر آیا تھا اور یہ اس کا فیصلہ تھا کہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کی جاتی ہے اور جزیہ ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ جو جزیہ طے پایا وہ دو دیناری کس تھا۔ یہ صرف

بالغ مردوں کو ادا کرنا تھا۔ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں، عورتوں اور بوڑھے مردوں کو جزیہ سے مستثنیٰ رکھا گیا۔

مقوقس حیران رہ گیا کہ اتنا تھوڑا جزیہ مقرر کیا گیا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے مقوقس سے یہ بھی منوا لیا کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت جہاں کہیں بھی چاہے گی کچھ دن قیام کر سکے گی اور اگر دو تین مسلمان کسی مجبوری کے تحت کبھی کسی مصری کے گھر ٹھہریں گے تو گھر والے تین دن ان کی میزبانی کریں گے۔

اس معاہدے میں عمروؓ بن عاص نے مقوقس کے مطالبے کے بغیر ہی یہ بھی شامل کیا کہ مصریوں کی زمین، مال و اموال، ان کے گرجے اور دیگر عبادت گاہیں اور خشکی یا دریا میں کوئی بھی ملکیت ہو گی، یہ انہی کی رہے گی اور مسلمان ان کی حفاظت کریں گے۔ مصریوں کی تجارت پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو گی۔ مصری تاجر جہاں سے چاہیں مال لا سکیں گے اور کسی بھی ملک کو اپنا مال بھیج سکیں گے۔

مقوقس نے اس معاہدے پر اپنی مہر ثبت کر دی لیکن اس نے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس معاہدے کی منظوری شاہ ہرقل سے لینی ضروری ہے۔ اُس وقت تک دونوں طرف کی فوجیں جہاں ہیں وہیں رہیں اور منظوری جلدی آ جائے گی۔

یہ ملاقات اور معاہدہ مجاہدینِ اسلام کی بہت بڑی فتح تھی۔

○

مقوقس واپس اپنے قلعہ بابلیون میں گیا تو اپنے ساتھ گئے ہوئے جرنیلوں اور مشیروں سے صلح مشورہ کیا کہ ہرقل کو کس طرح اطلاع دی جائے۔ عام طریقہ تو یہ تھا کہ ہرقل کے نام پیغام ایک ایلچی لے جایا کرتا تھا لیکن مقوقس نے کہا کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ ہرقل نہ جانے کیسے کیسے سوال کرے اور ایلچی جواب نہ دے سکے۔

سب نے بیک زبان اسے مشورہ دیا کہ وہ خود بزنطیہ چلا جائے اور ہرقل کو مطمئن کر دے۔ ہرقل کو مقوقس ہی مطمئن کر سکتا تھا۔

مقوقس نیل کے راستے سکندریہ کو روانہ ہو گیا۔ سکندریہ سے اسے بزنطیہ جانا تھا لیکن مؤرخ لکھتے ہیں کہ نہ جانے کیا وجہ ہوئی اور اس نے کیا سوچا کہ مقوقس سکندریہ رک گیا اور وہاں صلح کے معاہدے کی پوری تفصیلات لکھ کر ایک ایلچی کو دیں کہ وہ بزنطیہ جائے اور ہرقل کے حوالے کر دے۔ معاہدے کی وہ اصل تحریریں بھی ساتھ بھیج

دیں جس پر عمروؓ بن عاص اور مقوقس نے دستخط کر کے اپنی اپنی مہریں لگائی تھیں۔

کچھ دنوں بعد ایلچی بزنطیہ پہنچا۔ ہرقل مصر کی صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ مصر سے ایلچی پیغام لایا ہے تو ہرقل خود باہر کو دوڑ پڑا اور پیغام ایلچی کے ہاتھ سے چھین کر اندر لے گیا اور پڑھنے لگا۔ اس نے جب معاہدہ دیکھا تو اس کے تن بدن کو آگ لگ گئی اور جب اس نے معاہدے کی تفصیلات پڑھیں تو وہ غصے سے باؤلا ہونے لگا۔ ایلچی کو اندر بلایا۔

"کیا تم مجھے کچھ بتا سکتے ہو؟" — ہرقل نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا — "کیا یہ معاہدہ صرف بابلیون کے لئے ہے یا اس بدبخت مقوقس نے پورے کا پورا مصر مسلمانوں کی جھولی میں ڈال دیا ہے؟ اور کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ جزیہ وصول کر کے مسلمان واپس چلے جائیں گے یا مصر کے بادشاہ بن بیٹھیں گے؟"

"نہیں قیصرِ روم!" — ایلچی نے جواب دیا — "مجھے فرمانروائے مصر نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی سوائے اس کے کہ یہ پیغام آپ کے حضور پیش کر دوں"۔

"کہاں ہے وہ؟" — ہرقل نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا — "بابلیون میں ہو گا"۔

"نہیں قیصرِ روم!" — ایلچی نے جواب دیا — "سکندریہ میں!.... آپ کے جواب کا وہیں انتظار کریں گے"۔

"ابھی روانہ ہو جاؤ" — ہرقل نے حکم دیا — "تمہیں بادبانی جہاز تیار ملے گا۔ فوراً سکندریہ پہنچو اور مقوقس سے کہو کہ اسی جہاز پر آئے اور میرے پاس پہنچے"۔

○

نہ جانے کتنے دنوں بعد مقوقس بزنطیہ پہنچا اور ہرقل سے ملا۔ ہرقل نے رسمی طور پر بھی مقوقس کو شاہی احترام نہ دیا۔ مقوقس آخر اتنے بڑے ملک کا فرمانروا تھا لیکن ہرقل کا رویّہ ایسا تھا جیسے مقوقس اس کا غلام ہو۔ ہرقل نے اس سے پہلی بات یہ پوچھی کہ اس معاہدے کے بعد مسلمان مصر سے چلے جائیں گے یا نہیں۔

"ہاں!" — مقوقس نے بھی قدرے بے رخی سے جواب دیا — "وہ مصر سے چلے جائیں گے"۔

"تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو" — ہرقل نے کہا — "معاہدے میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بھی جماعت جہاں چاہے گی جا سکے گی اور جہاں چاہے گی قیام کرے گی

اور دو چار مسلمان کسی مجبوری کے تحت کسی مصری کے گھر رکیں گے تو اس مصری پر ان کی میزبانی فرض ہو گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان نہیں جائیں گے"۔

اس کے بعد ہرقل نے مقوقس سے اتنے زیادہ سوال پوچھے اور اتنی وضاحتیں مانگیں کہ مقوقس پریشان ہو گیا اور (مؤرخین کے مطابق) اس نے سوچا کہ ہرقل کو حقیقت سے آگاہ کر ہی دیا جائے۔

"قیصرِ روم!"— مقوقس نے کہا— "آپ ان عربوں کی جوانمردی' شجاعت اور کٹ مرنے کے عزم سے ناواقف نہیں۔ آپ کا ان کے ساتھ مقابلہ ہو چکا ہے اور آپ نے اس کا انجام بھی دیکھا ہے۔ کیا آپ مجھ سے اتفاق نہیں کریں گے کہ ان مسلمانوں کو شکست دینا کم از کم ہماری اس فوج کے لئے ممکن نہیں۔ میرے سامنے سوائے صلح کے اس معاہدے کے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ میں نے قلعہ بابلیون کو ان سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اگر مسلمانوں نے بزورِ شمشیر بابلیون لے لیا تو پھر سارا مصران کے قدموں میں پڑا ہو گا"۔

"دیکھو مقوقس!"— ہرقل نے کہا— "تم پہلے بھی مجھے شام کی شکست اور وہاں سے پسپائی کا طعنہ دے چکے ہو۔ اب تم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر چکے ہو' انہیں جزیہ ادا کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو اور مصر میں ان کی موجودگی اور حکومت کو بھی برداشت کر رہے ہو پھر بھی تم مجھے شام کی شکست کا طعنہ دے رہے ہو"۔

مقوقس نے اس کا یہ وہم رفع کرنے کے لئے بہت کچھ کہا کہ وہ اس پر طنز نہیں کر رہا بلکہ ایک حقیقت بیان کر رہا ہے لیکن ہرقل اس کی کوئی دلیل قبول نہیں کر رہا تھا۔

"کیا تم یہ سمجھتے رہے کہ میں مصر سے اتنی دور ہوں اور مجھے وہاں کے حالات کی کچھ خبر ہی نہیں؟— ہرقل نے کہا— "مجھے پل پل کی خبر ملتی رہی ہے۔ شام کے حالات کچھ اور تھے اور مصر کے حالات کچھ اور ہیں۔ مصر میں ہماری ایک لاکھ فوج موجود ہے اور اس ایک لاکھ میں سے صرف ساڑھے بارہ ہزار فوج لڑی ہے۔ اگر اس فوج کی قیادت عقل مندی سے کی جائے تو ان مٹھی بھر مسلمانوں کو مصر کے ریگستان میں روندا اور مسلا جا سکتا ہے یا انہیں نیل میں ڈبو دیا جائے اور نیل بہتا رہے گا.... مصر میں ہماری فوج بڑے مضبوط قلعوں میں محفوظ ہے۔ یہ ذرا جتنے مسلمان اس فوج کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ مجھے یقین ہے مقوقس! کوئی ایسا راز ہے جو تم مجھے نہیں بتا رہے"۔

مقوقس کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے ایک دو جلی کٹی سی کہہ دیں۔

"تم اپنا سب سے بڑا اور شرمناک جرم سن لو"— ہرقل نے کہا— "جنہیں تم نے میرے قتل کے لئے بھیجا تھا وہ میرے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اب تم غدّاری کے مرتکب ہو رہے ہو۔ تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور مصر عربوں کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے"۔

ہرقل نے جب اس لڑکی کو اور اس کے ساتھ جانے والے دونوں آدمیوں کو جو اسے قتل کرنے گئے تھے' جلّاد سے قتل کروا دیا تھا تو اس نے اپنے مشیروں اور ایک دو جرنیلوں کو بلا کر یہ واقعہ سنایا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس سازش کے جواب میں مقوقس کو قتل کروا سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرے گا اور انتقام اس طرح لے گا کہ مقوقس کو رعایا کے سامنے ذلیل و خوار ہونے کے لئے چھوڑ دے گا۔

اب ہرقل کو وہ موقع مل گیا۔ اس نے تو جیسے طے کر لیا تھا کہ مقوقس کی بات اور کوئی دلیل نہیں سنے گا۔ وہ جانتا تھا کہ روم کی فوج جو مصر میں ہے وہ نفسیاتی لحاظ سے اور حوصلے کے لحاظ سے لڑنے کے قابل نہیں لیکن اس نے مقوقس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہرقل نے اُسی وقت حاکم شہر اور کوتوال کو بلایا۔ وہ دوڑتے ہوئے پہنچے۔

ہرقل نے حکم دیا کہ مقوقس کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دی جائیں اور اسے بزنطیہ شہر میں گھما پھرا کر اور پھر ایک جگہ رک کر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے اور اعلان کیا جائے کہ یہ شخص غدار ہے اور اس نے مصر مسلمانوں کے مٹھی بھر لشکر کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کے بعد اسے سلطنتِ روم سے نکال دیا جائے۔ اس کی ہتھکڑیاں کھول دی جائیں لیکن بیڑیاں پاؤں میں رہیں اور اسے اور زیادہ ذلیل و خوار کر کے سلطنت بدر کر دیا جائے۔

ہرقل کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ مقوقس کو ہرقل کے حکم کے مطابق ذلیل و خوار کر کے سلطنت بدر کر دیا گیا.... ہرقل نے انتقام لے لیا۔

ہرقل نے صلح کا معاہدہ منسوخ کر دیا اور اس کی اطلاع سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بھیج دی گئی جو دسمبر 640ء میں بھیجی گئی تھی۔ عمروؓ بن عاص نے قلعہ بابلیون پر یلغار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا جو بظاہر ناممکن تھا۔

کوتوال اور حاکم شہر جب ہرقل کے حکم کی تعمیل کے لئے مقوقس کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگانے کے لئے باہر لے گئے تو ہرقل کی ملکہ مرتینا تقریباً دوڑتی ہوئی اُس کمرے میں گئی جہاں ہرقل اپنی عدالت یا دربار لگایا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ہرقل نڈھال بیٹھا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد تھا۔ چوبدار اور دو محافظ بُت بنے چاق و چوبند کھڑے تھے۔ ملکہ کے سر کے اشارے سے وہ بڑی تیزی سے باہر نکل گئے۔

"آفرین شہنشاہ ہرقل!" — ملکہ مرتینا نے اپنا ایک بازو ہرقل کے گلے میں ڈال کر اور پھر اس کا ایک رخسار چوم کر کہا — "زندہ باد!..... غدار کو یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ موت تو کوئی سزا ہی نہیں ہوتی۔ انسان دنیا کے جھنجھٹ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ شخص مقوقس مصر کا بادشاہ بنا ہُوا تھا اب ذلیل و خوار ہوتا پھرے گا۔ اس کے چہرے پر لکھا نظر آئے گا کہ یہ غدار ہے"۔

"مرتینا!" — ہرقل نے آہ لے کر کہا — "اسے اتنی کڑی سزا دے کر مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ روم کی سرزمین نے کبھی غدار پیدا نہیں کیا تھا"۔

"لعنت بھیجو اس پر!" — ملکہ مرتینا نے کہا — "اس نے آپ کو نہیں سلطنتِ روم کو دھوکہ دیا ہے۔ دل پر غم اور افسوس کا اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔ آپ کا تو رنگ ہی پیلا پڑ گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ہرقلیوناس کو مصر بھیج دیتی ہوں"۔

"وہ وہاں جا کر کیا کرے گا؟" — ہرقل نے نحیف سی آواز میں کہا — "وہاں میرے آزمائے ہوئے جرنیل بھی گھٹنے ٹیک رہے ہیں"۔

"میں جانتی ہوں آپ کا مطلب کیا ہے" — مرتینا نے کہا — "وہ لڑ نہیں سکے گا' لڑا بھی تو نہیں سکے گا لیکن جرنیلوں پر نظر رکھے گا کہ کوئی کھلم کھلا یا درپردہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح صلح سمجھوتہ نہ کرے جس طرح مقوقس نے کیا تھا۔ میرا بیٹا ہرقلیوناس یہ کام خوش اسلوبی سے کرے گا"۔

"مجھے جانا چاہئے" — ہرقل نے کہا — "یا قسطنطین وہاں جائے۔ تم جانتی ہو قسطنطین تجربہ کار جرنیل ہے لیکن میری صحت اتنی بگڑ گئی ہے کہ نہ میں جا سکتا ہوں نہ میں قسطنطین کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہاں کے معاملات اور امور قسطنطین ہی چلا رہا ہے اور میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ میرا یہی بیٹا سلطنتِ روم کی باگ دوڑ سنبھالے"۔

ملکہ مرتینا کے چہرے پر ناگواری اور بیزاری کا تاثر آ گیا لیکن وہ کوشش کر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئی۔

"یہ آپ نے ٹھیک کہا" — مرتینا نے بظاہر خوش گوار لہجے میں کہا — "آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہوتی ہے۔ میں طبیب کو بلواتی ہوں۔ مصر کا غم دل سے اتار دیں۔ وہاں تھیوڈور ہے اور وہاں جارج بھی ہے"۔

پچھلے باب میں ملکہ مرتینا کا تفصیلی ذکر آ چکا ہے۔ مرتینا غیر معمولی طور پر حسین و جمیل عورت تھی۔ وہ جتنی حسین تھی اس سے کہیں زیادہ مکار اور عیار تھی۔ ہرقل کے حرم میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین عورت موجود تھی لیکن حُسن کے استعمال کی جو صلاحیت خدا نے مرتینا کو عطا کی تھی وہ کسی اور عورت میں نہیں تھی۔ کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ حرم کی عورتوں کے علاوہ ہرقل کی باقاعدہ بیویاں کتنی تھیں۔ ان میں ایک مرتینا تھی جس کی حیثیت سورج جیسی تھی۔ باقی سب چاند اور ستاروں جیسی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تھا تو چاند اور ستارے آسمان کی وسعتوں سے ہی ناپید ہو جاتے تھے۔

ہرقل کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مرتینا اس پر غالب آ گئی ہے اور اسے یعنی ہرقل کو اس غلبے سے نکلنا ہے لیکن اس کی ہر کوشش ناکام رہتی تھی۔ یہاں تک کہ ہرقل کے دل میں مرتینا کا خوف سا بیٹھ گیا تھا۔ ایک ہسپانوی تاریخ نویس فرڈ بیننڈ نے یہاں تک لکھا ہے کہ مرتینا نے ہرقل پر کوئی آسیبی اثر پیدا کروا رکھا تھا۔

ہرقلیوناس مرتینا کا بیٹا تھا۔ وہ اسے ہرقل کا جانشین بنانے کی کوششوں میں لگی رہتی تھی لیکن ہرقل کی ایک اور بیوی سے قسطنطین اس کا بیٹا تھا جو ہرقلیوناس سے عمر میں خاصا بڑا تھا۔ ہرقل قسطنطین کو جانشین بنانا چاہتا تھا۔ اب ہرقل نے دیکھا کہ ملکہ مرتینا اس کے اس فیصلے پر اسے خراجِ تحسین پیش کر رہی ہے کہ اس نے مقوقس کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں باندھ کر سلطنت بدر کر دیا ہے۔ مرتینا ہرقل کی صحت کے متعلق بھی پریشان نظر آتی تھی لیکن ہرقل اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ محض دکھاوے کی ہمدردی ہے۔ مرتینا نے کہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو مصر بھیج دے گی .... ہرقل نے کہا کہ وہ قسطنطین کو بھیجنا چاہتا ہے لیکن اپنی صحت کے پیشِ نظر نہیں بھیج سکتا۔ ہرقل سمجھ گیا تھا کہ مرتینا اس صورتِ حال سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتی ہے جو مقوقس کی جلاوطنی سے پیدا ہو گئی ہے لیکن ہرقل نے قسطنطین کا نام لے کر مرتینا کی خواہش رَد کر دی۔

مرتینا طبیب کو بلوانے کے لئے باہر نکل گئی تھی۔

○

ہرقل کی صحت مسلسل اور تیزی سے گرتی جا رہی تھی۔ وہ بوڑھا تو ہو ہی گیا تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ بڑھاپا اسے اس قدر معذور کر دیتا۔ بڑھاپا جسم کو لاغر کر دیا کرتا ہے لیکن ذہن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دماغی صلاحیتیں اچھے بُرے تجربات کی بدولت اور زیادہ تیز اور کار آمد ہو جاتی ہیں۔ انسان دانشمند بن جاتا ہے لیکن ہرقل ذہنی طور پر بھی کمزور ہو گیا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ وہ اپنی ملکہ مرتینا اور اس کے بیٹے ہرقلیوناس سے ڈرتا تھا۔

تمام مؤرخین نے ہرقل کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان مؤرخین میں مسلمان بھی شامل ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ ہرقل سورج بن کر سلطنتِ روم کے اُفق سے اُبھرا تھا اور اس نے رومی سلطنت کو بڑی دور دور تک پھیلا دیا تھا' یہاں تک کہ پورے کا پورا ملک شام بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اس کی نظریں عرب پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ ہرقل ہی تھا جس نے کسریٰ ایران کی ہیبت ناک جنگی قوت کو شکستیں دے کر پہلے مصر سے بے دخل کیا اور پھر شام سے بھی ایرانیوں کو بھگایا اور ان کی سلطنت عراق تک محدود کر دی تھی۔

وہی ہرقل جو عزت و عظمت اور شہنشاہیت کا آفتاب بن کر چمک رہا تھا' اب اس کی عزت و عظمت ننگ و ہزیمت میں بدل گئی تھی۔ کسریٰ ایران کی ڈیڑھ پونے دو لاکھ نفری کی فوج کو گھٹنوں بٹھا دینے والا ہرقل چند ہزار مسلمانوں کے لشکر کے آگے بے بس اور مجبور ہو گیا تھا۔ ان قلیل تعداد مجاہدین نے اسے شام سے بھگایا اور اب مصر بھی اس سے چھین رہے تھے۔ ہرقل بزنطیہ میں حسرت و یاس کا بُت بنا بیٹھا تھا۔

عام خیال یہی تھا کہ ہرقل کو سلطنتِ روم کے سکڑنے کا غم کھا گیا ہے۔ مصر کے قبطی عیسائی کہتے تھے کہ ہرقل نے جس بے دردی اور بہیمانہ انداز سے قبطیوں کا قتلِ عام کیا ہے اس کی سزا اسے دنیا میں ہی مل رہی ہے۔ غیر جانبدار دانشمند کہتے تھے کہ کمال اور زوال کا چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے ہر چمکتا سورج افق سے ابھرتا افق میں غروب ہو جاتا ہے اور پیچھے رات کی تاریکی چھوڑ جاتا ہے لیکن پسِ پردہ جھانکئے تو مؤرخین کوئی اور ہی کہانی سناتے ہیں۔

ملکہ مرتینا نے طبیب کو بلوایا تھا۔ طبیب تو ہر لمحہ شاہی حکم کا منتظر رہتا تھا۔ ملکہ کا حکم پہنچتے ہی وہ دوڑا آیا لیکن مرتینا اسے سیدھا ہرقل کے پاس لے جانے کی بجائے اپنے کمرے میں لے گئی۔ یہ طبیب اور اس طرح کے اور سب آدمی جو محل میں مختلف کاموں پر مامور تھے' شاہی خاندان کے غلام بنے رہتے تھے۔ وہ اشارے کے منتظر رہتے تھے اور بادشاہ' ملکہ' کسی شہزادے یا شہزادی کے بلاوے پر

دُم ہلاتے دوڑتے پہنچتے اور ان لوگوں کے حکم بجالا کر فخر محسوس کرتے تھے۔ بات بات پر جُھک جاتے اور پھر کام میں جُت جاتے تھے۔ اس طبیب کا انداز بھی ایسا ہی تھا لیکن جونہی وہ مرتینا کے کمرے میں داخل ہُوا اس کا انداز بالکل بدل گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ شخص ملکہ مرتینا کا کوئی قریبی عزیز ہو یا بے تکلف دوست۔

"کیا حال ہے؟" — طبیب نے مرتینا کے کہے بغیر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "دماغ ٹھکانے آیا یا نہیں؟"

"نہیں!" — مرتینا نے جواب دیا — "وہیں کا وہیں ہے .... میں نے ابھی ابھی ایک موقع دیکھ کر کہا کہ ہرقلیوناس کو مصر بھیج دیتے ہیں کہ جرنیلوں کی نگرانی کرے اور اس طرح غداری کا خطرہ ٹل جائے گا لیکن ہرقل نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ خود جائے یا قسطنطین کو بھیجا جائے' ہرقلیوناس اس کام کے قابل نہیں"۔

"پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟" — طبیب نے پوچھا۔

"تم اپنا کام جاری رکھو" — مرتینا نے کہا — "اب یہی ایک علاج رہ گیا ہے۔ مجھے کچھ ایسا نظر آرہا ہے جیسے یہ شخص اپنی زندگی میں ہی قسطنطین کو تخت پر بٹھا دے گا۔ آج اسے دیکھ کر بتاؤ کہ یہ کتنے دن اور زندہ رہے گا۔ اب میں جلدی میں ہوں"۔

"ملکہ محترمہ!" — طبیب نے کہا — "ایک بات جو شروع سے ہی کہتا چلا آ رہا ہوں آج پھر وہی بات کہوں گا۔ آپ کا مقصد دو چار لمحوں میں پورا کر سکتا ہوں لیکن میں تو پکڑا جاؤں گا ہی' میرے ساتھ آپ بھی پکڑی جا سکتی ہیں۔ یہ کام آہستہ آہستہ ہونے دیں۔ کیا آپ اس کے اثرات دیکھ نہیں رہیں؟ کسی کو شک تک نہیں ہو رہا۔ میں نے اچھے اچھے دانشمندوں کی زبان سے سنا ہے کہ ہرقل کو پے در پے شکستوں کا غم کھا رہا ہے۔ کہیں سے کوئی بہت ہی قابل طبیب لے آئیں' اسے بھی پتہ نہیں چلے گا کہ شاہ ہرقل کو غم نہیں بلکہ کچھ اور کھا رہا ہے۔ ہر طبیب یہی کہے گا کہ شاہ ہرقل کی جو ذلت و خواری ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اس کا اثر اس کی صحت پر بہت بُرا پڑا ہے"۔

"اٹھو' زیادہ وقت نہ لگے" — مرتینا نے کہا — "وہ یہ نہ کہہ بیٹھے کہ طبیب اتنی دیر سے کیوں پہنچا ہے"۔

یہ طبیب ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ چہرے مہرے' ڈیل ڈول اور انداز سے دانشمند طبیب لگتا تھا۔ مرتینا اس سے تین چار سال ہی بڑی ہو گی لیکن وہ طبیب سے چھوٹی لگتی تھی۔ طبیب اٹھا اور مرتینا کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ مرتینا نے ذرا سی بھی مزاحمت نہ کی بلکہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا اور اتنا کہا کہ پہلے اپنا کام کر لو۔

پہلے مرتینا ہرقل کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے پیچھے طبیب اندر گیا۔ رک کر پہلے جھکا' سیدھا ہُوا اور دایاں بازو آگے کر کے رومی انداز سے ہرقل کو سلام کیا پھر تیزی سے آگے بڑھا اور ہرقل کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ نبض چھوڑ کر اس کے پپوٹے دونوں انگوٹھوں سے اوپر کئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس طرح ہرقل کا معائنہ کر کے اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"قیصرِ روم!" — طبیب نے کہا — "سلطنتِ روم آپ کے دم سے قائم ہے۔ فتح و شکست انسان کے ساتھ ساتھ لگی آ رہی ہیں۔ آپ مجھ سے زیادہ عقل اور دانش رکھتے ہیں۔ اگر آپ نے اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے تو شکست آپ کے مقدّر میں لکھ دی جائے گی۔ حوصلہ کریں' اس تخت پر بیٹھے بیٹھے ہی آپ اس عارضی شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں۔ میں قیافہ شناس بھی ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو علاقے سلطنتِ روم سے نکل گئے ہیں' ان سے کچھ زیادہ ہی علاقے واپس سلطنتِ روم میں آئیں گے۔ ملکہ معظمہ آپ کو دیکھ دیکھ کر اکیلی بیٹھی روتی رہتی ہیں۔ میں انہیں بھی یہی یقین دلاتا ہوں کہ سلطنتِ روم مزید سکڑے گی نہیں بلکہ اب اس کی وسعت شروع ہو جائے گی"۔

"باتیں کم کرو" — مرتینا نے ذرا غصے سے طبیب کو کہا — "اگر تم ان کا علاج نہیں کر سکتے تو صاف بتا دو۔ ہم تمہیں اس کی سزا نہیں دیں گے۔ دیکھو' ان کی حالت کیا ہو گئی ہے۔ یہ نہ رہے تو میں بھی نہیں رہوں گی۔ آج میں تم سے

صاف جواب چاہتی ہوں"۔

"میں غم کھانے والا آدمی نہیں تھا" — ہرقل نے کہا — "میں اتنی کمزور فطرت کا آدمی ہوتا تو روم کے بادشاہ کا تختہ اُلٹ کر سلطنتِ روم کو اتنی وسعت نہ دے سکتا۔ اب ایک دکھ نے میرے دل پر اثر کیا ہے۔ دکھ یہ ہے کہ رومیوں میں بھی غدار موجود ہیں۔ پھر بھی تم اور اچھی طرح دیکھو' مجھے کوئی اور ہی روگ لگ گیا ہے"۔

"میں دیکھ چکا ہوں قیصرِ روم!" — طبیب نے کہا — "میں آج دوائیاں بدل رہا ہوں"۔

"میں تمہیں پورا موقع دے رہا ہوں" — ہرقل نے کہا — "جاؤ اور فوراً دوائیاں بھیجو"۔

طبیب فوراً اٹھا اور رومی طریقہ' آداب سے ہرقل کو سلام کر کے اُلٹے قدموں دروازے تک گیا اور پھر باہر نکل گیا۔ مرتینا ہرقل کو یہ کہہ کر کمرے سے نکلی کہ وہ طبیب کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجے گی جو فوراً دوائیاں لے آئے گا۔

مرتینا ایک بار پھر طبیب کو اپنے کمرے میں لے گئی اور پوچھا کہ اب اس کا کیا خیال ہے۔

"کام جلدی ہو جائے گا" — طبیب نے کہا — "میرا اندازہ ہے کہ ڈیڑھ زیادہ سے زیادہ دو مہینے اور لگیں گے پھر اس تخت پر آپ کا بیٹا ہرقلیوناس بیٹھا ہو گا"۔

"میں اُس وقت تمہیں وہ انعام دوں گی کہ تمہاری نسلیں بھی مجھے یاد کریں گی" — مرتینا نے کہا — "میں تمہیں زیادہ دیر روکوں گی نہیں۔ دوائیاں جلدی بھیجو اور بتاؤ کیا چاہئے"۔

"آپ کا کام ہو رہا ہے" — طبیب نے کہا — "مجھ سے نہ پوچھا کریں کہ مجھے کیا چاہئے"۔

اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ مرتینا دوسرے کمرے میں چلی

گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک ٹکڑا تھا جسے سونے کی اینٹ کہا جاتا ہے۔ آج کے حساب کے مطابق اس ٹکڑے کا وزن کم و بیش تیس تولے تھا۔ یہ پہلا ہی انعام نہیں تھا' مرتینا اسے ایسے ہی انعامات سے نوازتی رہتی تھی۔

طبیب جانے کی بجائے رکا رہا اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لا کر ملکہ کو ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا جن نگاہوں کو مرتینا سمجھتی تھی۔

"منہ سے بولو کیا چاہئے!" — مرتینا نے پوچھا۔

"آج کی رات کو ذرا رنگین بنانے کو جی چاہتا ہے" — طبیب نے کہا — "کوئی ادھ کھلی کلی شام کے بعد بھیج دو تو تمہیں دعائیں دوں گا"۔

"آ جائے گی" — مرتینا نے کہا — "اس کلی کو دیکھ کر کہو گے کہ یہ تو ہمیشہ تمہارے پاس ہی رہے لیکن صبح کا اجالا نکھرنے سے پہلے اسے بھیج دینا"۔

مرتینا نے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ طبیب کے ساتھ جائے اور دوائیاں لے آئے۔

ہسپانوی مؤرخ فرڈینینڈ نے لکھا ہے کہ یہ ایسا راز تھا جو ملکہ مرتینا اور طبیب کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ کسی کو شک تک نہ ہُوا کہ ہرقل کو دوائیوں میں کوئی ایسی زہریلی دوائی دی جا رہی ہے جو اسے اندر ہی اندر کھا رہی ہے۔ وہ بڑی ہی تیزی سے مرجھاتا اور معذور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مرتینا نے ہرقل کو مارنے کا فیصلہ کچھ عرصہ پہلے کیا تھا جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ ہرقل اپنے دوسرے بیٹے قسطنطین کو ہی اپنا جانشین بنائے گا۔ مرتینا کے بیٹے ہرقلیوناس کے ساتھ تو ہرقل نے کبھی بات بھی نہیں کی تھی۔

○

اسی رات طبیب کے اُس خاص کمرے میں ایک نوخیز لڑکی داخل ہوئی جس کمرے میں طبیب کے گھر کا کوئی اپنا فرد بھی نہیں جا سکتا تھا۔ کوئی چلا بھی جاتا' طبیب کو کسی غیر عورت کے ساتھ شراب پیتے یا رنگ رلیاں مناتے دیکھ بھی لیتا تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ عیش و عشرت اور یہ رنگین بدکاریاں رومی معاشرے کا

ایک لازمی حصہ تھیں۔ اس طبیب کو تو اس کے گھر کا کوئی فرد اس لئے بھی روک ٹوک نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ملکہ مرتینا کا منظورِ نظر تھا اور اس سے بیش قیمت انعام و اکرام لا کر گھر والوں کو دیتا تھا۔ یہ لڑکی بھی انعام کے طور پر طبیب کے پاس آئی تھی اور یہ طبیب کا ذاتی انعام تھا۔

مرتینا نے طبیب کو ایسے ہی حسین اور دلکش انعام پہلے بھی بھیجے تھے لیکن اُس روز اس نے مرتینا سے کہا تھا کہ آج رات کوئی ادھ کھلی کلی بھیجے۔ طبیب نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو کچھ دیر دیکھتا ہی رہا۔ وہ صحیح معنوں میں اَدھ کِھلی کلی تھی۔ وہ حرم کی لڑکی تھی۔ ایسی لڑکیاں عموماً ساقی کے طور پر کام کرتی تھیں۔ شاہی محفلوں میں یہ لڑکیاں نیم برہنہ لباس میں شراب پیش کیا کرتی تھیں اور انہیں خصوصی ٹریننگ دی ہوئی ہوتی تھی۔ اُس رات مرتینا نے طبیب کو خوش کرنے کے لئے ایسی ہی ایک لڑکی بھیج دی حالانکہ ان لڑکیوں کو اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔

مرتینا طبیب سے یہ بات سن کر بہت خوش ہوئی تھی کہ ڈیڑھ دو مہینے بعد اس کا بیٹا ہرقلیوناس ہرقل کے تخت پر بیٹھا ہو گا۔ بات بڑی صاف تھی۔ ہرقل کی زندگی یہی ڈیڑھ یا زیادہ سے زیادہ دو مہینے رہ گئی تھی .... ملکہ مرتینا بڑی ہی خوبصورت ڈائن تھی!

"تمہارا نام؟" — طبیب نے پوچھا۔

"میریا قس!" — لڑکی نے جواب دیا — "مجھے میری بھی کہتے ہیں اور میریا بھی!"

شاہی حرم میں بڑی ہی خوبصورت اور نوخیز لڑکیاں موجود تھیں اور ان میں سے دو چار طبیب کے پاس آئی بھی تھیں لیکن اس لڑکی سے زیادہ حسین لڑکی اس نے نہیں دیکھی تھی۔ طبیب پر تو نشے کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کی تو جیسے عقل ہی مغلوب ہو گئی ہو۔ اس نے مخمور سی آواز میں کہا تمہارا سراپا ہی اتنا نشہ آور ہے کہ اس کی موجودگی میں روم کی بہترین شراب بھی بیکار لگتی ہے۔

"شراب تو میں آپ کو اپنے ہاتھوں پلاؤں گی" — میریا نے جذباتی سے لہجے میں کہا — "میرے ہاتھ سے جو پیتا ہے وہ بادلوں کے سفید سفید ٹکڑوں پر اُڑنے لگتا ہے"۔

ملکہ مرتینا نے اس لڑکی کو اپنے کمرے میں بلا کر خاص طور پر کہا تھا کہ وہ اسے نہیں بھیجنا چاہتی تھی لیکن طبیب کو خوش کرنا بہت ضروری ہے اس لئے وہ جائے اور طبیب کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ مرتینا نے وجہ یہ بتائی تھی کہ قیصرِ روم ہرقل بیمار ہیں اور یہ طبیب ان کا علاج کر رہا ہے۔ لڑکی سمجھ گئی تھی کہ اس طبیب کو آسمان تک پہنچانا ہے۔

طبیب کے ہاں جا کر میریا نے فوراً بھانپ لیا کہ یہ طبیب ذہنی طور پر کمزور اور ڈھیلا آدمی ہے۔ میریا نے اپنی تربیت کے مطابق طبیب کے ساتھ ایسی حرکتیں اور باتیں شروع کر دیں کہ طبیب احمقوں جیسی حرکتیں کرنے لگا۔ میریا نے اسے شراب پلانی شروع کی اور پلاتی ہی چلی گئی۔ پھر یوں لگتا تھا جیسے طبیب نہیں بلکہ میریا اس ادھیڑ عمر کے ساتھ کھیل رہی ہو۔

طبیب نے بہکی بہکی باتیں شروع کر دیں۔ اس نے ملکہ مرتینا کی بات چھیڑ دی اور یہاں تک کہہ گیا کہ وہ چاہے تو ملکہ کو یہاں بلا کر پوری رات اپنے کمرے میں رکھ سکتا ہے۔

"ملکہ مرتینا جب میرے پاس ہوتی ہے تو وہ ملکہ نہیں بلکہ صرف مرتینا ہوتی ہے" — طبیب نے میریا پر اپنا رعب گانٹھنے کے لئے اور شراب کے زیر اثر کہا — "آج اس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے .... یہ حرم ہے تو شاہ ہرقل کا لیکن اصل میں یہ میرا حرم ہے"۔

میریا پر طبیب کا رعب بیٹھا تھا یا نہیں' یہ الگ بات ہے لیکن میریا کے لئے یہ بات عجیب تھی کہ ملکہ مرتینا طبیب کے پاس آتی ہے۔ میریا کو یہ شک بھی ہُوا کہ طبیب اپنا رعب جمانے کے لئے جھوٹ بول رہا ہے۔ میریا میں تجسّس سا بیدار ہو گیا اور وہ اصلیت معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگی۔

اب میریا کا رویّہ ایسا جذباتی اور اشتعال انگیز ہو گیا کہ طبیب کی اگر کچھ عقل صحیح رہ گئی تھی، وہ بھی میریا کے قبضے میں آ گئی۔

تخت کے جانشین کے سلسلے میں شاہی محل میں جو کشمکش چل رہی تھی، باہر کے کچھ لوگ اس سے واقف ہو گئے تھے اور شاہی محل کے اندر تو ادنیٰ درجے کے ملازموں کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ ملکہ مرتینا اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو ہرقل کا جانشین بنانے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے اور ہرقل اس لڑکے کو قبول نہیں کر رہا اور اس کی جگہ بڑے بیٹے قسطنطین کو تخت پر بٹھانا چاہتا ہے.... میریا کو تو یہ سب چکر پوری طرح معلوم تھا۔ اس نے دیکھا کہ طبیب مرتینا کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی کی باتیں کر رہا ہے تو میریا نے سوچا کہ اس سے معلوم کیا جائے کہ ہرقلیوناس جانشین ہو گا یا قسطنطین۔ میریا نے یہ بات چھیڑ دی۔

"آپ کو تو بالکل صحیح معلوم ہو گا" — میریا نے کہا — "آپ کی عظمت کا اندازہ تو اس سے ہی ہو جاتا ہے کہ ملکہ مرتینا کے ساتھ آپکی اتنی گہری دوستی ہے .... آپ کا کیا خیال شاہ ہرقل کا جانشین کون ہو گا!؟"

"جسے میں چاہوں گا" — طبیب نے لڑکھڑاتی زبان سے کہا — "مرتینا کے بیٹے کے سوا اس تخت پر اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا"۔

"اگر شاہ ہرقل کا حکم کچھ اور ہُوا تو؟"

"شاہ ہرقل!" — طبیب نے طنزیہ لہجے میں کہا — "اس شہنشاہ کی جان میری مُٹھی میں ہے۔ چاہوں تو کل اس کے جسم سے نکال لوں لیکن جو کام آہستہ آہستہ ہو جائے وہ زیادہ بہتر ہوتا ہے"۔

میریا نے اپنی تربیت اور پھر اپنے تجسّس کی تسکین کے مطابق طبیب پر اپنے حُسن اور اپنے ریشم جیسے ملائم بالوں اور گالوں کا سحر طاری کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی شراب کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ پھر جانشین کا مسئلہ چھیڑ دیا۔

طبیب نے بات صاف تو نہ کی لیکن میریا کو شک ہو گیا کہ شاہ ہرقل کو جو روگ کھا رہا ہے اس میں ملکہ مرتینا اور اس طبیب کا بھی ہاتھ ہے۔ طبیب پر ایک

تو شراب کا اور پھر اس نوخیز لڑکی کے حسن کا خمار طاری تھا اس لئے وہ غیر محتاط ہو کر اتنی نازک بات کر رہا تھا لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ حرم کی ایک لڑکی میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ یہ بات کسی اور کے کانوں میں ڈال دے۔ بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ موجود تھی کہ میریا اس طبیب کے ذہن اور اعصاب پر ایک بڑا ہی حسین آسیب بن کر طاری ہو گئی تھی۔

رات گزر گئی۔ میریا کی آنکھ اُس وقت کھلی جب صبح ابھی تاریک تھی۔ طبیب سانس لیتی ہوئی لاش کی طرح بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ میریا آہستہ آہستہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اس کی ڈیوٹی پوری ہو چکی تھی۔ وہاں سے وہ اپنے حرم میں جا پہنچی۔



اگلی رات میریا حرم سے پھر غیر حاضر تھی۔ گزشتہ رات تو ملکہ مرتینا کے حکم سے غیر حاضر ہوئی اور طبیب کے پاس گئی تھی لیکن اگلی رات وہ چوری چھپے غیر حاضر ہوئی تھی۔ وہ شاہی محل کے ساتھ ہی ایک بڑے ہی خوش نما اور روح افزا باغ میں ایسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی جہاں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک شہزادہ بیٹھا تھا جس کا نام کونستانس تھا۔

کونستانس ہرقل کے بیٹے قسطنطین کا بیٹا تھا یعنی ہرقل کا پوتا۔ چونکہ ہرقل قسطنطین کو زیادہ عزیز رکھتا تھا اس لئے کونستانس سے بھی ہرقل بہت پیار کرتا تھا۔ قسطنطین ادھیڑ عمری میں پہنچ گیا تھا اور کونستانس کی عمر تیئیس چوبیس سال تھی۔

یہ نوجوان اُنہی شہزادوں میں سے تھا جو اپنے آپ کو شرم و حجاب اور اخلاقیات کی پابندیوں سے آزاد سمجھا کرتے تھے۔ اپنے باپ کے حرم کو وہ اپنے اوپر حلال سمجھتے تھے اور باپ کی پسند کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے تھے۔ کونستانس بھی کچھ اسی قماش کا شہزادہ تھا۔ عیش و عشرت کے دوران اس کی نظر میریا پر پڑی تو اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔

بادشاہ کے حرم میں اس کے بیٹوں بھتیجوں وغیرہ کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی

لیکن شہزادے حرم کی نوکرانیوں اور ہیجڑوں کو اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ انہیں چوری چھپے اس خدمت کا بڑا اچھا معاوضہ مل جاتا تھا۔ کوئی شہزادہ کسی نوکرانی کو انعام واکرام دے کر کہتا کہ رات فلاں لڑکی کو باہر لے آنا تو نوکرانی خطرہ مول لے کر اس لڑکی کو لے آتی تھی۔ کونستانس نے بھی ایسی ایک دو عورتوں کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہُوا تھا اور وہ اس کی فرمائش پوری کرتی رہتی تھیں۔

اب کونستانس نے میریا کو ایک محفل میں دیکھا تو ایک عورت سے کہا کہ اس لڑکی کو کسی طرح مجھ سے ملواؤ۔ اس نے اس عورت کو اچھا خاصا انعام دیا اور عورت نے ایک رات میریا کو باہر نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ میریا اس طرح کسی شہزادے کی فرمائش پر چوری چھپے نکلی تھی۔ وہ بڑی قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی اس لئے کوئی ملازمہ اسے باہر لانے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ میریا کو معلوم تھا کہ درپردہ یہ کاروبار بھی چلتا ہے لیکن اس نے کبھی ایسی خواہش کی ہی نہیں تھی۔ اب ایک پرانی اور بہت ہی چالاک ملازمہ نے اسے کہا کہ قسطنطین کا بیٹا کونستانس اس کی ملاقات کا خواہشمند ہے تو اس نے کچھ پس و پیش کی۔ ملازمہ نے اسے بتایا کہ وہ انکار کا خطرہ مول نہ لے کیونکہ یہ شہزادے کسی بھی طرح انتہائی ذلیل انتقام لے سکتے ہیں اور اگر وہ چلی جائے گی تو اس شہزادے سے منہ مانگا انعام لے سکتی ہے۔ وہ رضامند ہو گئی اور رات ملازمہ اسے کسی طرف سے باہر لے گئی اور کونستانس کے حوالے کر دیا۔

یہ کوئی چھ سات مہینے پہلے کا واقعہ ہے کہ ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ میریا نے کونستانس کو بتایا کہ وہ باہر آنے سے ڈرتی تھی اور وہ اس زمین دوز کاروبار کو اچھا نہیں سمجھتی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شہنشاہ ہرقل نے صرف دو راتیں اسے اپنے پاس رکھا تھا اور پھر اسے شاہی محفلوں میں مہمانوں کو شراب پیش کرنے کا کام سونپ دیا اور اس کی تربیت بھی کی۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے آپ کو مردوں سے بچا کر رکھنا چاہتی تھی۔

"تمہاری یہ بات سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے میریا!" — کونستانس نے کہا — "میں

نے تمہیں اس مقصد کے لئے نہیں بلایا جو تم سمجھ رہی ہو۔ میرے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو گئی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا کہ تم اپنے دل میں میری محبت پیدا کرو۔ محبت جبر سے پیدا نہیں ہُوا کرتی نہ ہی محبت کا معاوضہ دیا جا سکتا ہے"۔

"میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے" — میریا نے کہا — "اور یہ صرف اس لئے کہی ہے کہ میں تمہیں انہی شہزادوں جیسا شہزادہ سمجھتی ہوں جو حرم میں اسی طرح ایک طرح کی ڈاکہ زنی کرتے رہتے ہیں۔ تم محبت کی بات کرتے ہو۔ محبت کسے عزیز نہیں!.... مجھے میرے ماں باپ سے نوچ کر یا جبراً خرید کر یہاں قید میں ڈالا گیا ہے۔ میں تو محبت اور پیار کو ترس گئی ہوں۔ اگر تم نے مجھے اپنی ہوس کی تسکین کے لئے بلایا ہے تو میں تمہارے لئے گوشت اور ہڈیوں کا بنا ہُوا ایک بُت ہوں جو تمہارے سامنے موجود ہے اور اگر بات اُس محبت کی کرتے ہو جس کا تعلق جسمانی ہوس کے ساتھ ہوتا ہی نہیں تو مجھے آزما کر دیکھ لو۔ تمہاری محبت پر جان بھی قربان کر دوں گی"۔

یہاں سے ان کی محبت کا آغاز ہُوا۔ دونوں بہت دیر شاہی باغ کے ایک کونے میں بیٹھے رہے تھے۔ جب میریا جانے لگی تو کونستانس نے اسے کچھ نقد معاوضہ پیش کیا۔ میریا نے یہ نقدی دیکھی پھر کونستانس کے چہرے پر نظریں جمائیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کونستانس نے اسے بازوؤں میں لے کر ساتھ لگا لیا۔

"اس محبت کی یوں توہین نہ کرو" — میریا نے کہا — "جب تمہارا اشارہ ملے گا، میں آ جایا کروں گی"۔

"اور میں ایک خاص انتظام کر دوں گا" — کونستانس نے کہا — "میں حرم کی تمام عورتوں اور ہیجڑوں کو کہہ دوں گا کہ کوئی شہزادہ تمہاری فرمائش کرے تو صاف انکار کر دیں۔ البتہ تمہیں شاہ ہرقل اور ملکہ مرتینا کے حکم سے کسی کے حوالے کیا گیا تو یہ میرے بس سے باہر ہو گا"۔

اگلے ہی روز کونستانس نے یہ انتظام کر دیا۔ حرم کی تمام عورتوں اور ہیجڑوں

کو شدید نتائج کی دھمکی دے کر کہا کہ میریا کو اس درپردہ کاروبار میں استعمال کیا گیا تو اسے باہر لے جانے والی کو زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔

اس کے اس حکم پر عمل ہوتا رہا۔ میریا اور کونستانس اسی باغ میں ملتے رہے اور وہ ایک دوسرے میں اتنے جذب اور تحلیل ہو گئے تھے کہ انہیں بعض ملاقاتوں میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ رات گزر گئی ہے اور پرندوں کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔ اس محبت کا ایک اثر تو یہ دیکھا کہ میریا کو کوئی اور اپنی فرمائش پر نہیں بلاتا تھا اور دوسرا اثر یہ کہ کونستانس کا دھیان کبھی کسی اور لڑکی کی طرف نہ گیا۔

کونستانس قسطنطین کا بیٹا تھا اور قسطنطین کو ہرقل نے تجربہ کار جرنیل بنا دیا تھا۔ اس نے لڑائیاں لڑی تھیں اور میدانِ جنگ میں قیادت میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس نے ایسی ہی تربیت اپنے بیٹے کونستانس کی بھی کی۔ یہ نوجوان فنِ حرب و ضرب میں بھی طاق ہو گیا تھا اور شاہی معاملات اور امور کو بھی بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا اور انتظامی امور میں تو اچھی خاصی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اس تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ کونستانس کا شمار آوارہ شہزادوں میں نہیں ہوتا تھا۔

پہلی ملاقات کے چھ سات مہینے بعد کونستانس اور میریا ایک بار پھر باغ کے اسی ڈھکے چھپے کونے میں بیٹھے ایک دوسرے میں گم تھے۔

"آج تمہیں ایک بات بتاتی ہوں" — میریا نے کہا — "لیکن ابھی یہ دل میں ہی رکھنا.... میری گزشتہ رات اُس طبیب کے ہاں گزری ہے جو شہنشاہ ہرقل کا علاج کر رہا ہے۔ وہ ہے تو طبیب لیکن اس سے زیادہ احمق آدمی اور شاید کوئی نہ ہو۔ مجھے ملکہ مرتینا نے اس کے ہاں جانے کا حکم دیا تھا۔ طبیب تو مجھے دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے اسے شراب پلائی اور وہ پیتا ہی گیا اور جو اس نے باتیں کیں، ان سے پتہ چلا کہ اس شخص کے اندر سے میں کوئی بھی راز نکال سکتی ہوں اور اس کی ہوس پوری کئے بغیر رات بھی گزار سکتی ہوں....

"یہ سن کر تم کیا کرو گے کہ میری یہ رات کس طرح گزری، یہ سن لو کہ وہ

مجھ سے اتنا مرعوب اور مغلوب ہُوا کہ اس کے دل سے ایک دو ایسی باتیں نکل گئیں جن سے میں ایک شک میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اس کوشش میں ہے کہ ہرقلیوناس شاہ ہرقل کا جانشین بنے۔ ملکہ کے متعلق اس نے ایسی باتیں کیں جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ملکہ کے ساتھ اس کی کوئی اور ہی بے تکلفی ہے"۔

"اس میں شک والی کوئی بات نہیں" — کونستانس نے کہا — "ملکہ چاہتی ہے کہ شاہ ہرقل صحت یاب ہو جائیں۔ اسی لئے اسے خوش کر رہی ہے۔ وہ دراصل شاہ ہرقل کو خوش رکھنے کی کوشش میں ہے کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو ان کا جانشین بنانا چاہتی ہے"۔

"میرا شک پھر بھی وہیں قائم ہے" — میریا نے کہا — "شک یہ ہے کہ ملکہ کی رضامندی سے طبیب شاہ ہرقل کو غلط یا زہریلی دوائیاں دے رہا ہے جن سے ان کی صحت بڑی تیزی سے گرتی جا رہی ہے"۔

"میرا خیال ہے طبیب ایسی جرأت نہیں کر سکتا" — کونستانس نے کہا — "تمہیں یہ بات ابھی کسی سے کرنی نہیں چاہئے۔ اگر کی تو بتانا پڑے گا کہ یہ بات تمہاری زبان سے نکلی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت سلطنت روم پر حکومت ملکہ مرتینا کی ہے اس تک تمہارا نام پہنچا تو وہ تمہیں قتل کروا دے گی۔ اگر ملکہ پھر کبھی تمہیں طبیب کے ہاں بھیجے تو پھر یہ راز نکلوانے کی کوشش کرنا۔ وہ اگر تمہارے حُسن اور تمہاری نوجوانی سے مرعوب ہے تو وہ راز اگل دے گا"۔

"میں راز اگلوانا چاہتی ہوں" — میریا نے کہا۔

دونوں نوجوان تھے، ان پر رومانی جذبات کا غلبہ تھا اور ایسی کیفیت طاری تھی کہ میریا کی بتائی ہوئی یہ بات جیسے اوپر سے گزر گئی ہو لیکن اتنا ضرور ہُوا کہ ملکہ مرتینا اور طبیب کے درمیان جو راز تھا، اس سے پردہ اٹھ گیا تھا۔

○

ہرقل کی صحت پہلے ہی گر گئی تھی۔ اب اسے احساس ہُوا کہ مقوقس

غداری کر گیا ہے تو اسے بہت دکھ ہُوا اور گرتی ہوئی صحت پر اس کا اثر بہت بُرا پڑا۔ اس نے اس مسئلے پر غور کیا ہی نہیں کہ مقوقس نے غداری کی تھی یا دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ مقوقس کا مؤقف یہ تھا کہ اب رومی فوج اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اس نے سوچا تھا کہ بجائے اس کے کہ مسلمان پورے کا پورا مصر لے لیں' ان کے ساتھ معاہدہ کر کے انہیں وہیں تک رکھا جائے جہاں تک وہ آ گئے تھے۔ وہ قلعہ بابلیون کو مسلمانوں سے بچانے کی فکر میں تھا۔ بابلیون اور قلعہ روضہ جو نیل کے وسط میں ایک جزیرے میں تھا' بہت ہی اہم اور مستحکم مقام تھا۔ مقوقس یہ دونوں قلعے اور گرد و نواح کا علاقہ مسلمانوں سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا اور اسی کے پیشِ نظر اس نے عمروؓ بن عاص کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا لیکن ہرقل نے اس کا یہ استدلال سنا ہی نہیں یا مانا ہی نہیں۔ وہ تو مقوقس سے اُس سازش کا انتقام لے رہا تھا جس کے تحت مقوقس نے ہرقل کو قتل کروانے کی کوشش کی تھی۔

مقوقس کی قسمت کا فیصلہ کر کے ہرقل کی جسمانی اور ذہنی حالت بہت ہی بگڑ گئی۔ یہ اس کا ذہنی رَدِ عمل تھا۔ طبیب اسے دیکھ گیا اور پھر طبیب کی بھیجی ہوئی دوائی کھا لی تو اس نے پیغام لکھنے والے آدمی کو بلایا اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے نام پیغام لکھوایا جس کا ذکر پچھلے باب میں آیا ہے۔ اس نے مقوقس کا کیا ہُوا معاہدہ منسوخ کر دیا اور مسلمانوں کو بڑے ہی بُرے نتائج کی دھمکیاں لکھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان کسی معاہدے کے بغیر مصر سے نکل جائیں۔

پیغام لکھا جا چکا تو ہرقل نے قاصد کی بجائے ایک ایلچی کو بلوایا اور پیغام اسے دے کر کہا کہ بہت تیزی سے بابلیون پہنچے اور یہ پیغام مسلمانوں کے سپہ سالار تک پہنچائے۔

کاتب جب پیغام لکھ کر ہرقل کے حکم سے باہر نکلا تو ایک ملازمہ نے اس کے کان میں کہا کہ اسے ملکہ مرتینا بلا رہی ہے۔ کاتب اُس کمرے میں چلا گیا جہاں ملازمہ نے اسے بتایا تھا کہ ملکہ اندر بیٹھی انتظار کر رہی ہے۔

"بیٹھو اور ایک پیغام اور لکھو" — مرتینا نے قاصد سے کہا — "اس پیغام کا ذکر کسی کے ساتھ نہ ہو۔ ذرا سا بھی شک ہُوا کہ تم نے کسی کو بتایا ہے تو اس کے فوراً بعد تم اس دنیا میں نہیں ہو گے۔ میں تمہیں اس رازداری کا انعام دوں گی.... لکھو!"

وہ آدمی بیٹھ گیا اور مرتینا جنرل تھیوڈور کے نام پیغام لکھوانے لگی۔ اس وقت تھیوڈور مصر کے قلعہ بند شہر بابلیون میں تھا۔

کاتب پیغام لکھ چکا تو طبیب کی طرح اس کاتب کو بھی ملکہ مرتینا نے سونے کا ایک ٹکڑا دیا۔ کاتب نے سونے کا ٹکڑا ہاتھ میں لیا تو اس کے چہرے پر حیرت زدگی کا تاثر آ گیا۔ اسے اتنے زیادہ معاوضے کی توقع نہیں تھی۔ مرتینا نے دیکھا کہ یہ شخص سونے کے ٹکڑے کو دیکھے ہی جا رہا ہے تو اس نے اسے کچھ خوش گوار سے لہجے میں ڈانٹ کر کہا کہ اسے جیب میں ڈال لو اور کسی کو یہ نہ بتانا کہ یہ میں نے تمہیں دیا ہے.... یہ سن کر کاتب نے بڑی تیزی سے ٹکڑا جیب میں ڈال لیا۔

روم کے اس شاہی خاندان کے پاس اس قدر کثیر خزانہ تھا جس کا حساب کتاب ان کے پاس بھی نہیں تھا۔ ایک کاتب کے لئے صرف ایک ٹکڑا ایک خزانہ تھا لیکن ملکہ مرتینا کے لئے اتنا سونا ایسے ہی تھا جیسے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینک دیا ہو۔

کاتب باہر نکلا تو ملازمہ نے اندر آ کر مرتینا کو بتایا کہ ایلچی آ گیا ہے۔ مرتینا نے ایلچی کو اندر بلا لیا۔

"ایک پیغام میرا بھی لیتے جاؤ" — مرتینا نے کہا — "تم جانتے ہو کہ میرے پیغام کسی اور کو نہیں دکھائے جاتے۔ مصر پہنچو گے تو جنرل تھیوڈور کو تنہائی میں میرا یہ پیغام دینا۔ کسی اور کو پتہ چل گیا تو جانتے ہو اس کی سزا کیا ہے"۔

مرتینا نے ایلچی کو بھی سونے کا ایک ٹکڑا دیا جو ایلچی نے لے کر فوراً جیب میں ڈال لیا۔ اُسی وقت ایلچی ہرقل کا الگ اور مرتینا کا الگ پیغام لے کر مصر کو روانہ ہو گیا۔ اس کا سفر خشکی کا بھی تھا اور پھر اسے بحیرۂ روم بادبانی جہاز میں پار کرنا

تھا۔

O

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے نام ہرقل کا یہ پیغام دسمبر 640ء کے ابتدائی دنوں میں بزنطیہ سے چلا ہو گا۔ یہ دسمبر کے آخری ہفتے کے وسط میں منزل پر پہنچا۔ مجاہدین کا لشکر بابلیون کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس لئے سپہ سالار عمروؓ بن عاص اسے باہر ملے۔ انہیں پیغام دے کر ایلچی دریا کی طرف چلا گیا۔ اسے اُس دروازے سے اندر جانا تھا جو دروازہ دریا میں کھلتا تھا۔

عمرو بن عاصؓ نے ہرقل کا پیغام پڑھا اور اپنے سپہ سالاروں کو اس طرح بلایا جیسے انہیں کوئی خوشخبری ملی ہو۔ سالار دوڑے آئے۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں ہرقل کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا کہ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا ہے اور اب مسلمانوں کا مقابلہ مقوقس کی بجائے دوسرے جرنیلوں سے ہو گا۔ ہرقل نے کچھ ایسے الفاظ بھی لکھے تھے کہ کوئی حکمران اپنی قوم کے کسی غدار کا طے کیا ہُوا معاہدہ تسلیم نہیں کیا کرتا۔ ہرقل نے یہ بھی لکھا تھا کہ پیشتر اس کے کہ تمہاری ہڈیاں مصر کی مٹی میں مل جائیں، تم زندہ و سلامت مصر سے نکل جاؤ۔ بابلیون کو فتح کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔

"اللہ کے شیرو!" — عمروؓ بن عاص نے سالاروں سے کہا — "ہرقل کی یہ دھمکی ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ مقوقس ہمیں یہی دھمکیاں دیتے دیتے معاہدے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ کیا تم سمجھے نہیں کہ رومیوں کے پاس سوائے دھمکیوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا؟ بابلیون کا معاملہ صرف اس لئے کچھ مختلف ہے کہ یہ بہت ہی مضبوط قلعہ ہے۔ اسے ایک طرف سے نیل کا تحفظ حاصل ہے اور یہ خندق بڑا ہی کار آمد دفاعی انتظام ہے۔ ہمارے مجاہدین کو نیل بھی نہیں روک سکا اور صحرا بھی روکنے میں ناکام رہے ہیں۔ انشاء اللہ تم بابلیون کو بھی سر کر لو گے۔ خدا کی قسم، میں ہرقل کو اس کی دھمکی کا جواب دینا چاہتا ہوں"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے بابلیون کو سر کرنے کا پلان سالاروں سے صلاح

مشورے کر کے بنا رکھا تھا۔ وہ منتظر تھے کہ ہرقل معاہدہ منظور کرتا ہے یا نہیں۔ یہ فیصلہ ہو گیا تو سپہ سالار نے بابلیون پر حملے کا حکم دے دیا اور کہا کہ چند ثانئے وقت بھی ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

سالار دوڑے گئے اور اپنے اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے سپہ سالار کا حکم سنایا اور جوش بھی دلایا۔ ہر مجاہد کے کانوں میں ہرقل کی دھمکی ڈالی گئی اور کہا گیا کہ اس دھمکی کا جواب زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر دیں گے۔

پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ مجاہدین کس طرح خندق پھاند کر قلعے کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے لیکن مقوقس نے صلح کا پیغام بھیج دیا اس لئے لڑائی روکنی پڑی۔ پھر معاہدہ ہو گیا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے دیکھا کہ ان کا لشکر خندق اور قلعے کے درمیان آ گیا تھا۔ قلعے اور خندق کا درمیانی فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔

معاہدہ تو ہو گیا تھا لیکن عمروؓ بن عاص دور اندیش سپہ سالار تھے۔ انہوں نے پہلے ہی اپنے سالاروں سے کہہ دیا تھا کہ مقوقس نے وقت حاصل کرنے کے لئے یہ معاہدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس معاہدے کی منظوری ہرقل سے لینا ضروری ہے۔ دراصل مقوقس کمک کا منتظر تھا۔ عمروؓ بن عاص کو خیال آیا کہ پہلے ہی وقت زیادہ گزر گیا ہے اور ابھی تک معاہدے کی منظوری نہیں آئی، ہو سکتا ہے معاہدے کی منظوری کی بجائے اسکندریہ سے یا بزنطیہ سے زیادہ نفری کی کمک آ جائے پھر مجاہدین کے لئے بڑی ہی مشکل پیدا ہو جائے گی۔

اس خدشے کے پیشِ نظر سپہ سالار نے اپنے لشکر کی پوزیشن کا جائزہ لیا۔ لشکر قلعے اور خندق کے درمیان تھا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ کمک دریا کے راستے آئے گی اور اس طرف کے دروازے سے اندر چلی جائے گی۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ رومی خندق میں پانی چھوڑ دیں اور اندر سے فوج باہر نکال کر حملہ کر دیں۔ اس صورت میں مجاہدین کے لئے پیچھے ہٹنا خطرناک ہو جائے گا۔ وہ خندق اور زیادہ نفری کی رومی فوج کے درمیان ایسی صورت حال میں پھنس جائیں گے کہ سالار کوئی چال، کوئی پینترا نہیں بدل سکیں گے۔

مجاہدین نے یہ خندق اس صورت میں پار کی تھی کہ نیل کے اُتر جانے سے خندق کا پانی بھی دریا میں واپس چلا گیا تھا۔ سپہ سالار کو معلوم نہیں تھا کہ خندق میں پانی چھوڑنے کا کوئی اور انتظام ہے یا نہیں۔ خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ کوئی اور انتظام ضرور ہو گا۔ ان خطروں اور خدشوں کے پیشِ نظر سپہ سالار نے یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی کہ معاہدے کی منظوری یا نامنظوری آنے سے پہلے ہی تمام لشکر کو کے حصارِ خندق سے باہر نکال لائے۔ محاصرہ برقرار رکھا گیا۔ سپہ سالار نے سالاروں سے کہہ دیا تھا کہ خندق کسی اور طریقے سے عبور کریں گے۔

O

قلعہ بند رومیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان پھر خندق میں سے گزر کر پیچھے چلے گئے ہیں تو ان کے جرنیلوں نے ایک اور چال چلی۔ وہ فوج کو تو باہر نہ لائے' یوں کیا کہ منجنیقیں باہر لے آئے اور شہر کے چاروں طرف نصب کر لیں۔ ان کے ساتھ تیراندازوں کی ایک فوج باہر آ گئی جسے آگے بڑھ کر حملہ نہیں کرنا تھا بلکہ ایک مقام پر رک کر مجاہدین کے لشکر پر تیر پھینکنے تھے۔

رومیوں کو ایک سہولت یہ حاصل تھی کہ خندق اور قلعے کے درمیان پھلوں کے باغات تھے اور پھلوں کے درخت جُھنڈ دَر جُھنڈ چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ یہ درخت خاصے گھنے تھے۔ رومی تیرانداز ان درختوں پر چڑھ گئے اور مجاہدین کے لشکر پر تیر پھینکنے لگے۔ ساتھ ہی منجنیقوں سے پتھر آنے لگے۔

مسلمانوں کے پاس بھی منجنیقیں تھیں اور تیر دُور پھینکنے والی کمانیں بھی۔ انہوں نے منجنیقوں کی سنگ باری کا جواب سنگ باری سے دینا شروع کر دیا اور تیروں کے جواب میں بے تحاشا تیراندازی کی لیکن رومی تیرانداز چونکہ درختوں پر چڑھ گئے تھے اس لئے نظر نہیں آتے تھے۔ درختوں کی آڑ اور سہولت ملنے کی وجہ سے رومی زیادہ فائدہ حاصل کر رہے تھے۔ سپہ سالار نے اپنے لشکر کو تیروں سے بچانے کے لئے اور پیچھے ہٹا لیا۔

شام کے بعد جب رات تاریک ہو جاتی تھی تو صاف پتہ چلتا تھا کہ رومی

خندق میں کچھ کر رہے ہیں۔ رات کو تیراندازی رک جاتی تھی پھر بھی کوئی مجاہد آگے نہیں جاتا تھا کہ ذرا سے شک پر رومی تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنے لگیں گے۔

رومی اپنے آپ کو اس قدر آزاد اور محفوظ سمجھنے لگے تھے کہ انہوں نے دروازے کھول رکھے تھے۔ تیرانداز آزادی سے اندر باہر آتے جاتے تھے۔ ایک تیرانداز دستہ دن بھر تیراندازی کرتا اور شام کو اندر چلا جاتا اور اس کی جگہ تازہ دم دستہ آ جاتا تھا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص ہر طرف گھوڑا دوڑاتے پھرتے اور لڑائی کی صورتِ حال دیکھ کر ہدایات جاری کرتے تھے۔

سنگ باری اور تیراندازی کے جواب میں سنگ باری اور تیراندازی میں ہی جنوری 641ء کا مہینہ گزر گیا اور ماہ فروری کا آغاز ہُوا۔ مجاہدین کا لشکر ابھی تک خندق سے باہر کچھ دور تھا اور رومی خندق اور قلعے کے مستحکم دفاعی انتظام میں بالکل محفوظ اور خوش و خرم تھے۔ عمرو بن عاص نے لڑائی جاری رکھی۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ مجاہدین کی نفری رومیوں کے مقابلے میں اور بابلیون کے دفاعی انتظامات کو توڑنے کے لئے بہت ہی تھوڑی تھی۔ سپہ سالار کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن انہیں کوئی راستہ یلغار کے لئے نظر نہیں آ رہا تھا۔

سپہ سالار نے ایک انتظام یہ بھی کر رکھا تھا کہ کئی ایک مجاہدین کو نیل کے کنارے اسکندریہ کی طرف خاصی دور تک بھیج دیا تھا۔ ان کے ذمے کام یہ تھا کہ اُدھر سے کمک آئے تو فوراً اطلاع دیں۔ ان مجاہدین میں تیرانداز زیادہ تھے۔ ان کے لئے حکم یہ تھا کہ وہ بحری جہازوں اور کشتیوں پر جن میں کمک آ رہی ہو گی' تیر پھینکیں اور ان کی رفتار سست کریں۔ سپہ سالار کا ایک حکم یہ بھی تھا کہ کمک سے لدی کشتیاں کنارے کنارے آ رہی ہوں تو مشعلیں جلا کر ان کے بادبانوں پر پھینکیں تاکہ بادبان جل اٹھیں لیکن کمک کے آنے کی اطلاع سپہ سالار تک فوراً پہنچائیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو افضل ترین قرار فرمایا اور اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کے ساتھ کچھ وعدے کئے ہیں۔ مثلاً سورہ العنکبوت میں اللہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے جہاد کرتے ہیں انہیں اللہ ضرور اپنے راستے (فتح کے)

دکھا دیتا ہے اور اللہ نیکو کار لوگوں کے ساتھ ہے۔
اللہ نے بابلیون کے محاصرے میں مجاہدین سے اپنا وعدہ یوں پورا کیا کہ ایک روز ان مجاہدین میں سے ایک جنہیں نیل کے کنارے دور تک بھیجا گیا تھا' گھوڑا دوڑاتا آیا اور سیدھا سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس جا رکا۔ اسے دیکھ کر یہی توقع کی جا سکتی تھی کہ کمک آ گئی ہے اور یہ اس کی خبر لایا ہے۔
"کیا رومیوں کی کمک آ رہی ہے؟"۔۔۔ سپہ سالار نے اس مجاہد سے پوچھا۔
"نہیں سپہ سالار!"۔۔۔ مجاہد نے جواب دیا۔۔۔ "اچھی خبریں لایا ہوں۔ ایک خبر یہ ہے کہ شہر میں کوئی ایسی بیماری پھیل گئی ہے جس سے آبادی کا خاصا حصہ بیمار پڑا ہے اور لوگ مر رہے ہیں۔ یہ بیماری اُس فوج میں بھی پھیل رہی ہے جو شہر میں موجود ہے۔ دوسری خبر یہ ہے کہ ہرقل مر گیا ہے۔ تیسری خبر یہ کہ کمک کا دُور دُور تک نام و نشان نہیں اور فوج کے لوگ بُرجیوں پر چڑھ چڑھ کر اُس طرف دیکھتے رہتے ہیں جس طرف سے انہیں کمک کے آنے کی توقع ہے"۔
سپہ سالار کو یہ خبریں سن کر بڑی ہی خوش گوار حیرت ہوئی۔ یہ خبریں باہر اس طرح نکلیں اور سپہ سالار تک پہنچیں کہ ایک کشتی قلعے کے اُس دروازے کی طرف سے آئی جو دریا میں کھلتا تھا۔ یہ ماہی گیروں کی کشتی تھی جو اتفاق سے نیل کے مغربی کنارے کے قریب آ گئی۔ وہاں جو مجاہدین موجود تھے' انہوں نے کشتی کو روک لیا اور پوچھا کہ شہر کے اندر کیا حال ہے۔ ماہی گیروں نے انہیں یہ خبریں سنا دیں اور مجاہدین نے انہیں چھوڑ دیا۔
سپہ سالار نے اُسی وقت تمام سالاروں کو بلایا اور انہیں یہ خبریں سنا کر کہا کہ اب توقع رکھی جا سکتی ہے کہ رومی فوج کا حوصلہ مزید کمزور ہو جائے گا۔ رومی فوج کے جرنیل اپنے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر ہی لڑا کرتے تھے اور ان کا بادشاہ مر گیا تھا۔ اس کے بُرے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔
"لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے"۔۔۔ عمروؓ بن عاص نے سالاروں سے کہا۔۔۔ "کہ کمک آئے گی ہی نہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہرقل کو مصر کی یہ خبر

پہنچی کہ مسلمان بابلیون تک پہنچ گئے ہیں اور وہ کمک نہ بھیجے۔ مرنے سے پہلے اس نے کمک بھیجنے کا حکم دے دیا ہو گا لہٰذا ہمیں بابلیون سر کرنے میں مزید جوش و خروش پیدا کرنا ہو گا"۔
ہرقل کی موت کے متعلق بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مارچ 641ء میں مرا تھا لیکن مستند تاریخ گیارہ فروری 641ء ہے۔
ہرقل سلطنتِ روم کا آخری جنگجو اور جابر بادشاہ تھا۔ وہ زندہ و سلامت تھا تو روم کی طاقت بھی سلامت تھی۔ یہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا جوشِ ایمان تھا کہ ہرقل کو پے درپے شکستیں دی تھیں لیکن سپہ سالار عمروؓ بن عاص اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ رومی کسی بھی وقت قدم جما کر جوابی یلغار کر سکتے ہیں۔ یہ تو وہ سانپ تھا جو مرتے مرتے بھی ڈس جاتا تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کی کامیابی کے راستے کھول دیئے۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ نیکو کار بندوں کے ساتھ ہے۔
عمروؓ بن عاص کو تو یہ اطلاع ملی تھی کہ ہرقل مر گیا ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی موت کے بعد بزنطیہ میں کیا صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ملکہ مرتینا نے جنرل تھیوڈور کو الگ اور خفیہ پیغام بھیجا ہے اور یہ پیغام اپنا اثر دکھائے گا۔
پہلے اس پیغام کی بات ہو جائے تو بابلیون کے اندر کی کیفیت کا پتہ چل جائے گا۔ کسی بھی مؤرخ نے ملکہ مرتینا کے پیغام کا پورا متن نہیں لکھا' اس کا لب و لباب یا اختصار لکھا ہے۔ اس پیغام سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ملکہ مرتینا نے جنرل تھیوڈور کو اپنے حسن کا اور انعام و اکرام کا اسیر بنا رکھا تھا۔ تھیوڈور اس کا مدح سرا ہی نہیں اس کا غلام بنا ہُوا تھا۔
مرتینا نے اسے لکھا تھا کہ شاہ ہرقل کی زندگی کا اب کچھ پتہ نہیں کیونکہ اس کی صحت تیزی سے گر رہی ہے اور وہ روز بروز نڈھال ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے لکھا کہ تم جانتے ہو کہ میں اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو سلطنت کے تخت پر بٹھا کر تاج

اس کے سر پر رکھوں گی۔ ضروری ہے کہ عرب کے ان مسلمانوں کو مصر سے نکالو پھر میں یہ کہنے کے قابل ہو جاؤں گی کہ شاہ ہرقل نے تو شکست تسلیم کر لی تھی لیکن میرے بیٹے نے شکست کو فتح میں بدل دیا ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ کسی قیمت پر بابلیون مسلمانوں کے ہاتھ نہ چڑھے۔ تم جانتے ہو کہ میں اس کے عوض تمہیں کیا دوں گی۔ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اتنا بتا دیتی ہوں کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ میری یہ بات اور یہ خواہش پوری کر دو تو تمہیں سلطنتِ روم کی ساری فوج کا کمانڈر بنا دوں گی اور مصر میں تمہیں وہی حیثیت حاصل ہو گی جو مقوقس کی تھی۔ تم مصر کے حکمران ہو گے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مرتینا نے اس پیغام میں کچھ رومانی باتیں بھی لکھی تھیں اور یہ بھی کہ مرتینا تھیوڈور کے لئے بزنطیہ سے حسین ترین اور نوخیز دو تین لڑکیاں بھیجے گی.... مختصر یہ کہ مرتینا نے جنرل تھیوڈور کو یہ کہا تھا کہ وہ مصر سے مسلمانوں کو نکالے اور اس کے عوض مرتینا نے تھیوڈور کے لئے ایسی کشش اور دلکشی پیدا کر دی تھی جو انسان کو دنیا میں ہی جنت دکھا دیا کرتی ہے۔

یہ پیغام ملتے ہی تھیوڈور میں بے پناہ جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ماتحت جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کو بلا کر ایک تو جذباتی انداز سے بھڑکایا پھر فوجی نقطۂ نگاہ سے انہیں بڑے سخت احکام دیئے اور کہا کہ یہ روم کی عزت و آبرو کا سوال نہیں بلکہ ہر رومی کے ذاتی وقار کا مسئلہ ہے.... تصوّر میں لایا جا سکتا ہے کہ تھیوڈور نے بابلیون کو مجاہدینِ اسلام سے بچانے کے لئے کیا کیا جتن کئے ہوں گے۔

جب ہرقل کی موت کی اطلاع بابلیون پہنچی تو اس کے ردِعمل کے طور پر یہ توقع تھی کہ سب کے حوصلے پست ہو جائیں گے لیکن تھیوڈور نے ساری فوج کو اکٹھا کر کے ایسے پُرجوش طریقے سے خطاب کیا کہ ہر فوجی کو بھڑکا دیا۔ اس نے کہا کہ شکست کا ذمہ دار سب سے پہلے مقوقس تھا۔ اس کے بعد ہرقل۔ اب دونوں نہیں ہیں تو یہ ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے کہ جن شکستوں کے ذمہ دار وہ دونوں تھے انہیں ہم فتح میں بدل دیں۔ سلطنتِ روم ہرقل کی نہیں بلکہ تمہاری ہے۔

تھیوڈور کے اس خطاب کے صحیح الفاظ تاریخ میں نہیں ملتے، یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے فوجیوں اور شہریوں میں بے پناہ ولولہ اور جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اب وہ اس جنگ کو ذاتی جنگ سمجھنے لگا تھا۔

مستند مؤرخوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بزنطیہ میں ہرقل کی موت کے بعد کیا صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ ہرقل کو مرتینا نے طبیب کے ہاتھوں زہریلی دوائیاں دلوا دلوا کر مروایا تھا۔ طبیب نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ ہرقل ڈیڑھ یا زیادہ سے زیادہ دو مہینوں بعد مر جائے گا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا۔

بزنطیہ میں صورتِ حال کچھ اس طرح بن گئی کہ جونہی ہرقل مرا، ملکہ مرتینا نے اعلان کر دیا کہ اس کا بیٹا ہرقلیوناس ہرقل کا جانشین ہے اور یہ فیصلہ ہرقل نے مرنے سے پہلے کر دیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہرقل نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ مرنے سے پہلے مسلسل تین یا چار دن وہ بے ہوشی میں پڑا رہا تھا اور ایک صبح ملکہ نے دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے۔ وہ رات بے ہوشی یا نیند میں مر گیا تھا۔

ملکہ مرتینا کے اس اعلان کو سنتے ہی ہرقل کے بڑے بیٹے قسطنطین نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ ہرقل نے اسے کہہ دیا تھا کہ اس کی موت کے بعد وہ یعنی قسطنطین جانشین ہو گا۔ وہ کہتا تھا کہ ہرقلیوناس نوعمر، ناتجربہ کار اور سلطنتِ روم کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کے لئے بالکل ہی نااہل ہے۔ اس صورتِ حال میں جب مسلمانوں نے رومیوں کو شام سے دھکیل باہر نکالا ہے اور مصر کے اتنے بڑے حصے پر قابض ہو گئے ہیں، کوئی ایسا حکمران ہونا چاہئے جو فوجی امور کی سوجھ بوجھ ہی نہیں بلکہ تجربہ رکھتا ہو اور انتظامی امور کو بھی سنبھال سکے۔

فوج کے جرنیل اور شہری انتظامیہ کے حاکم جانتے تھے کہ ہرقلیوناس کو اس صورتِ حال میں تخت پر بٹھانا بہت بڑی اور بڑی ہی خطرناک غلطی ہے۔ اس کے لئے قسطنطین ہی موزوں تھا لیکن یہ جرنیل اور انتظامیہ کے چھوٹے بڑے حاکم دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کچھ ملکہ مرتینا کے حامی تھے اور باقی قسطنطین کی حمایت

کرتے تھے۔ اس طرح فوج اور شاہی محل میں دھڑے پیدا ہو گئے جو جانشینی کے مسئلے پر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ قسطنطین تو کسی قیمت پر تخت و تاج نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ چونکہ بڑا بیٹا تھا اس لئے بھی تخت کا وارث وہی تھا۔ ملکہ مرتینا اسے قبول نہیں کر رہی تھی۔

تاریخ میں یہ بھی واضح ہے کہ ہرقل نے زیادہ نفری کی تازہ دم کمک تیار کرنے اور فوراً مصر بھیجنے کا حکم دے دیا تھا۔ کمک بالکل تیار ہو گئی تھی لیکن ابھی روانہ نہ ہوئی تھی کہ ہرقل مر گیا۔ قسطنطین نے فوراً حکم دیا کہ کمک کو مصر بھیجنے کے لئے جہاز تیار کئے جائیں۔ ملکہ مرتینا نے اس حکم پر یہ اعتراض کیا کہ قسطنطین خود اس کمک کے ساتھ جائے۔ وہ جواز یہ پیش کرتی تھی کہ قسطنطین چونکہ میدان میں قیادت کا تجربہ رکھتا ہے اس لئے وہ کمک کا صحیح استعمال کرے گا ورنہ پہلے والے جرنیل اس کمک کو بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مروا دیں گے۔

قسطنطین جانتا تھا کہ اس وقت ملکہ مرتینا کو مصر کا کوئی خیال نہیں' اس کی تمام تر دلچسپیاں اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے پر مرکوز ہیں۔ وہ بزنطیہ سے غیر حاضر نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"حکم میرا چلے گا" — ملکہ مرتینا نے اعلان کر دیا — "یا حکم میرے بیٹے کا چلے گا۔ قسطنطین فوج کا کمانڈر ہے۔ وہ مجھ سے یا میرے بیٹے سے حکم لے۔ اس کے لئے شاہی حکم یہ ہے کہ کمک لے کر مصر کو روانہ ہو جائے۔ جانشینی کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔

قسطنطین جانتا تھا کہ اس کی پشت پناہی میں جو لوگ ہیں وہ ایک محاذ پر متحد ہو چکے ہیں اور اسے یہ پشت پناہی ملتی رہے گی۔ ہُوا بھی یہی۔ اس کے حامی جرنیل اور ان سے نیچے کے عہدوں کے فوجی افسر اور شہری انتظامیہ کے بڑے حاکم اور شاہی خاندان کے کچھ افراد اس کی حمایت میں سامنے آ گئے اور صحیح معنوں میں انہوں نے متحدہ محاذ بنا لیا یہاں تک کہ مصر کی شکست کو اور مجاہدینِ اسلام کی پیش قدمیوں کو نظرانداز کر دیا اور اوّلیت و اہمیت صرف اس مسئلے کو دینے لگے کہ تخت

کا وارث قسطنطین کو ہی بنانا ہے۔

یہ تو وہ فوجی اور شہری حاکم تھے جو حقیقت پسند تھے اور سلطنتِ روم کا وقار بحال کرنا چاہتے تھے اور سلطنت کی توسیع بھی ان کے پیشِ نظر تھی۔ بجا طور پر وہ قسطنطین کو ہی اس قابل سمجھتے تھے کہ اس صورتِ حال کو وہ سنبھالنے کی اہلیت اور تجربہ رکھتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے قسطنطین ادھیڑ عمری کی آخری سٹیج تک پہنچ چکا تھا جہاں انسان کی عقل و دانش مزید تیز ہو جاتی ہے اور وہ گزشتہ زندگی کے اچھے بُرے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

دوسری طرف ملکہ مرتینا نے اپنے بیٹے کے حامی خرید رکھے تھے۔ خزانہ اس کے ہاتھ میں تھا اور شاہی حرم پر اس کا حکم چلتا تھا اس لئے اس نے یہ دونوں چیزیں یعنی زروجواہرات اور حسین و جمیل لڑکیاں بے دریغ استعمال کر کے چند ایک جرنیلوں اور شہری حاکموں کو اپنی مُٹھی میں لے رکھا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ یہ فوجی اور شہری حاکم انعام و اکرام کا حق ادا کریں جو انہوں نے کیا اور محاذ بنا کر قسطنطین کے حامیوں کے خلاف مورچہ بند ہو گئے۔

شاہی حکم تو معطل ہی ہو گئے۔ کمک روانگی کے حکم کے انتظار میں ہی بارکوں میں بیٹھی رہی۔ دونوں دھڑوں کے جرنیلوں نے اپنے اپنے دستوں کو الگ کر لیا اور صورتِ حال خانہ جنگی والی پیدا ہو گئی۔

اس صورتِ حال میں کمک کو بھی جرنیلوں نے تقسیم کر لیا اور یہ بات ہی ختم ہو گئی کہ مصر کو کمک بھیجنی ہے۔ کون نہیں سمجھ سکتا کہ جہاں اس طرح دھڑے بندی شروع ہو جائے اور یہ کشمکش اور چپقلش دونوں دھڑوں کو مرنے مارنے تک پہنچا دے تو وہاں کیسی تباہی آتی ہے۔ سارا سرکاری نظام ہی جام ہو کر رہ گیا۔ ملکہ مرتینا کی عیاریاں عروج پر پہنچ گئیں۔

قسطنطین سلطنتِ روم کے معاملے میں مخلص تھا۔ وہ دل و جان سے چاہتا تھا کہ یہ کشمکش ختم ہو جائے۔ ملکہ مرتینا نے یہ چال بھی چلی کہ تین چار بڑے پادریوں کو قسطنطین کے پاس بھیجا کہ اسے قائل کریں کہ وہ تمام تر فوج کا کمانڈر

انچیف بن جائے اور تخت پر ہرقلیوناس بیٹھے، بے شک تمام امور قسطنطین اپنے ہاتھ میں رکھے۔

پادری قسطنطین کے پاس گئے اور مذہب کے نام پر اسے قائل کرنے لگے۔ قسطنطین نے کہا کہ اسے اگر یقین ہوتا کہ ہرقلیوناس کو تخت کا وارث قرار دینے سے سلطنتِ روم کے استحکام کو فائدہ پہنچے گا تو وہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے گا۔ پادریوں نے مزید دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور غالباً کسی پادری نے اسے کوئی توہین آمیز بات کہہ دی۔

"میں آپ لوگوں کا احترام کر رہا ہوں"۔۔۔ قسطنطین نے کہا۔۔۔ "لیکن آپ مجھے ڈرا رہے ہیں اور دھمکیاں دے رہے ہیں۔ کیا آپ میں اتنی سی بھی عقل و دانش نہیں کہ ہرقلیوناس کے اخلاق اور عقل کو جانتے ہوئے اسے تخت کا وارث بنا رہے ہیں؟ لیکن آپ مجبور ہیں کیونکہ آپ کے اندر مرتینا کا دیا ہُوا خزانہ بول رہا ہے اور آپ سب پر اُن حسین و جمیل لڑکیوں کا سحر طاری ہے جو مرتینا آپ کو پیش کرتی رہی ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں آپ کو کلیسا سے بے دخل کر دوں، یہاں سے چلے جائیں"۔

ان پادریوں کے ضمیر مجرم تھے اس لئے وہ خاموشی سے چلے گئے۔

قسطنطین نے اب ایک بادشاہ کی حیثیت سے حکم دیا کہ کمک فوراً تیار کر کے مصر بھیجی جائے لیکن اس کے حکم کا وہی حشر ہُوا جو ہوا میں چلائے ہوئے تیر کا ہوتا ہے۔ اس کے حامی جرنیلوں نے اسے بتایا کہ کمک تقسیم ہو چکی ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جو فوج قسطنطین کے حق میں ہے اس میں سے کمک بھیجی جائے ورنہ حامی فوج کی نفری بہت کم رہ جائے گی اور مرتینا کی حامی فوج اپنی طاقت سے تخت پر قابض ہو کر ہرقلیوناس کو روم کا بادشاہ بنا دے گی۔

یہ ایک بہت بڑا کرم تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو نوازا تھا اور یہ بہت بڑی لعنت تھی جو اللہ تعالیٰ نے رومیوں پر نازل کی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا یہ وعدہ بھی پورا کر رہا تھا کہ تم میں سے صرف ایک سو ثابت قدم رہنے والے

اور ایمان والے ہوئے تو ایک سو پر غالب آئیں گے اور سو ہوئے تو ایک ہزار پر غلبہ حاصل کریں گے.... مطلب یہ کہ اللہ ثابت قدم رہنے والے مومنین کی اتنی مدد کرتا ہے کہ معجزے رونما ہوتے ہیں۔ رومی شہنشاہیت کے ایوانوں میں جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی یہ مجاہدین کے لئے ایک معجزے سے کم نہ تھی۔ وہاں تو مجاہدین کو مصر سے نکالنے والے رومی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔

○

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بالکل ہی معلوم نہ تھا کہ بزنطیہ میں یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اور کمک کا خطرہ بالکل ہی ختم ہو گیا ہے۔ سپہ سالار تو یہ پلان بنا رہے تھے کہ کس طرح خندق عبور کر کے قلعے پر یلغار کی جائے لیکن ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ رومیوں نے منجنیقیں باہر لگا رکھی تھیں اور تیز انداز درختوں میں چھپے ہوئے تیروں کی بوچھاڑیں پھینک رہے تھے۔

ملکہ مرتینا نے (تاریخ کے مطابق) جنرل تھیوڈور کو ایک پیغام اور بھیجا۔ اس میں مرتینا نے شاہی محل کی تمام صورت حال لکھی اور اسے بتایا کہ کسی بھی وقت یہاں خانہ جنگی ہو سکتی ہے۔ خانہ جنگی ہو یا نہ ہو یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ ہرقلیوناس کو تخت کی وراثت نہیں مل سکے گی۔ مرتینا نے لکھا کہ اپنے تمام ذرائع اور وسائل ہوش مندی سے استعمال کرو اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالو۔ مرتینا کا مطلب یہ تھا کہ ہو سکتا ہے ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ لوگ اس کے اور اس کے بیٹے کے خلاف ہو جائیں تو اسے اپنے بیٹے کے ساتھ پناہ لینے کے لئے مصر آنا پڑے۔ اس صورت میں وہ مصر سے خود مختاری کا اعلان کر دے گی۔ اس نے تھیوڈور کو پُر زور الفاظ میں لکھا تھا کہ مصر محفوظ رہنا چاہئے اور وہاں سے ہماری بادشاہی کی ابتدا ہو گی اور جو فوج وہاں موجود ہے وہ ہماری اپنی ہو گی۔

ہرقل نے بزنطیہ میں مقوقس پر غداری کا الزام لگا کر بالکل ٹھیک کہا تھا کہ مصر میں ایک لاکھ رومی فوج موجود ہے جس میں سے صرف بارہ ہزار کو لڑایا گیا ہے۔

اگر عقل مندی اور دیانت داری سے اس فوج کو استعمال کیا جاتا تو آٹھ دس ہزار نفری کے لشکر کو مصر میں ہی کچلا اور مسلا جا سکتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ مصر میں ایک لاکھ رومی فوج موجود تھی لیکن یہ فوج مختلف مقامات پر بکھری ہوئی تھی اور ان میں جو مجاہدین اسلام کے مقابلے میں آئی تھی، اس میں سے ہزاروں کی تعداد میں کٹ گئی تھی۔ تھیوڈور نے مرتینا کے اس دوسرے پیغام کے مطابق اپنے دفاعی پلان میں ردوبدل کیا۔ ایک تو اسے یہ پتہ چل گیا کہ بزنطیہ سے کمک نہیں آئے گی۔ وہ کسی دوسرے مقام سے کمک نہیں منگوا سکتا تھا کیونکہ بابلیون مجاہدین کے محاصرے میں تھا۔ دریائی راستہ بھی مجاہدین کی موجودگی میں محفوظ نہیں تھا۔

ایک روز مجاہدین نے دیکھا کہ رومی منجنیقیں قلعے کے اندر لے جا رہے ہیں اور تیر انداز دستے بھی قلعے کے اندر چلے گئے ہیں۔ دروازے بند ہو گئے۔ سپہ سالار عمرؓو بن عاص دیکھتے رہے اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے منجنیقیں قلعے کی دیواروں پر پہنچا دی گئیں اور وہاں سے پھر سنگ باری شروع ہو گئی۔

ایک بات جو پہلے بتا دینے والی تھی، وہ اب بتائی جا رہی ہے۔ چونکہ قسطنطین سلطنتِ روم کے حق میں مخلص تھا اور اپنے شاہی خاندان اور سلطنت کا وقار بحال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا اس لئے وہ دیکھ رہا تھا کہ اس صورتِ حال پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ موئرخ لکھتے ہیں کہ ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس قسطنطین کو یاد آیا لیکن ہرقل نے اس پر بھی بے وفائی اور مقوقس کا ساتھ دینے کا الزام لگا کر جلا وطن کر دیا تھا۔ اس کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اسے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں لگا کر جلا وطن کیا جائے بلکہ اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ سلطنتِ روم سے نکل جائے۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ قسطنطین کو معلوم تھا یا نہیں کہ جلا وطنی کے بعد قیرس کہاں چلا گیا ہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ قسطنطین نے اپنا ایک دانشمند ایلچی قیرس کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ شاہ ہرقل مر چکا ہے اور وہ یعنی قسطنطین

اس کی جلاوطنی منسوخ کرتا ہے اور وہ فوراً بزنطیہ پہنچے۔ قسطنطین نے ایلچی کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ قیرس کو قائل کر کے واپس لانا ہے۔ پھر آگے مؤرخ لکھتے ہیں کہ قیرس کا سراغ مل گیا تھا اور وہ بزنطیہ آ گیا تھا لیکن یہ بعد کی بات ہے، پہلے ہم اس سے پہلے کے واقعات سناتے ہیں۔

بابلیون کے باہر اب جو کیفیت تھی وہ اس طرح تھی کہ جب رومی منجنیقیں اور تیر انداز قلعے کے اندر چلے گئے تو مجاہدین آگے بڑھ کر خندق کو دیکھنے لگے۔ تیر اندازوں کی موجودگی میں وہ خندق کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ تیر موسلا دھار مینہ کی طرح آتے تھے۔ مجاہدین یہ دیکھنے کو آگے بڑھے کہ خندق عبور کی جا سکتی ہے یا نہیں۔

وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ رومیوں نے خندق کو ناقابلِ عبور بنا دیا تھا۔ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا لیکن تمام تر خندق خاردار تاروں کے گچھوں سے بھری پڑی تھی۔ ان گچھوں کے علاوہ خندق میں لوہے کی نوکیلی سلاخیں گاڑھی ہوئی تھیں۔ اگر خندق میں پانی ہوتا، خواہ پانی سے خندق لبریز ہوتی تو تیر کر اسے عبور کیا جا سکتا تھا لیکن رومیوں نے خندق کو خاردار تاروں اور نوکیلی سلاخوں سے بھر دیا تھا اور کوئی انسان خندق میں قدم رکھنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

محاصرے کو تقریباً آٹھ مہینے گزر گئے تھے۔ مجاہدین کے لشکر میں مایوسی اور بددلی کے کوئی آثار نہیں تھے لیکن سپہ سالار اور دیگر سالار بے تاب و بے قرار ہوتے جا رہے تھے۔ خندق اتنی چوڑی تھی کہ اسے اندرونی رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے عبور کرنے کی سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی پھر بھی سب اپنا اپنا دماغ لڑا رہے تھے کہ خندق عبور کرنی ہی کرنی ہے۔



اب دیکھئے گوشت پوست کا ایک انسان کیا معجزہ کر کے دکھاتا ہے۔

یہ تھے زبیرؓ بن العوام۔ اس مرد مجاہد کا پہلے بھی ذکر آ چکا ہے۔ زبیرؓ بن العوام رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کا شمار

عرب کے بہادر ترین افراد میں ہوتا تھا۔ آنحضورؐ نے ایک بار فرمایا تھا۔۔۔ "ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے' میرے حواری زبیرؓ بن العوام ہیں"۔

زبیرؓ بن العوام نے بابلیون کے محاصرے میں جب دیکھا کہ خندق عبور کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تو ایک رات انہوں نے چند مجاہدین کو ساتھ لیا اور چار پانچ درختوں کے بڑے بڑے ٹُن کٹوائے پھر یہ ٹُن شاخوں اور پتوں سمیت گھسیٹ کر خندق تک لے گئے اور خندق میں پڑی ہوئی خاردار تاروں کے گچھوں اور نوکیلی سلاخوں پر اس طرح پھینکنے شروع کئے کہ اگلے کنارے تک ٹُن چلے گئے۔ اس طرح انہوں نے خندق پر پڑے ہوئے ٹہنوں پر چلتے چلتے اور ٹُن پھینکتے اور خندق کے اوپر سے گزرنے کا اچھا خاصا راستہ بنا لیا۔

اسی رات انہوں نے مجاہدین کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان سے یوں خطاب کیا ۔۔۔ "یاد کرو خالدؓ بن ولید کے وہ کارنامے جو انہوں نے دمشق میں کر دکھائے تھے۔ یاد کرو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی وہ شجاعت جو انہوں نے مدائن میں دکھائی تھی اور نہاوند میں نعیم بن مکرن کی بہادری یاد کرو۔ تم میں کون ہے جو شجاعت اور جانبازی میں ان مجاہدین سے پیچھے رہنا چاہتا ہے؟.... کیا تم میں کوئی بھی نہیں جو اللہ کی راہ میں سرفروشی کے جذبے سے سرشار نہ ہو؟"

"ہم ہیں"۔۔۔ تمام مجاہدین کی آواز اٹھی۔۔۔ "ہم اللہ کی راہ کے جانباز اور سرفروش ہیں۔ بتا اے سالار! ہم سے تُو کونسا کارنامہ کروانا چاہتا ہے"۔

"میں اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرتا ہوں"۔۔۔ زبیرؓ بن العوام نے کہا۔۔۔ "اللہ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا سبب بنائے"۔

زبیرؓ بن العوام نے اتنی سی بات کہہ کر مجاہدین کو جوش اور جذبے کے شعلے بنا دیا۔ وہ اب پوچھ رہے تھے کہ کرنا کیا ہے۔ لشکر میں ڈسپلن ایسا تھا کہ کوئی سالار ایسی کارروائی جو زبیرؓ کرنے لگے تھے' اپنے طور پر نہیں کرتا تھا۔ سپہ سالار کو پہلے اپنا پورا پلان بتاتے تھے پھر وہ کارروائی کی جاتی تھی۔

زبیرؓ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ انہوں نے

قلعے پر یلغار کے لئے مجاہدین کا ایک پورا دستہ تیار کر لیا ہے اور پھر اپنا پلان بتایا۔

عمروؓ بن عاص تو خطرے مول لینے میں ہی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ بابلیون کا قلعہ سر کرنا ہے تو کوئی بہت ہی بڑا خطرہ مول لینا پڑے گا۔ وہ زبیرؓ بن العوام لے رہے تھے۔ سپہ سالار نے سالار زبیرؓ کو اجازت دے دی۔

زبیرؓ بن العوام جب واپس اُس جگہ گئے جہاں انہوں نے خندق پر درختوں کے ٹُن پھینکے تھے' وہاں پہلے سے زیادہ مجاہدین اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ سب اپنی جانیں پیش کرنے آئے تھے اور بے تاب تھے کہ انہیں بتایا جائے کرنا کیا ہے۔

سالار زبیرؓ نے ایک دستے کی نفری الگ کر لی اور بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیسی قربانی دینی ہو گی۔ ان کا پلان ایسا تھا جس میں شہادت یقینی نظر آتی تھی۔

سالار زبیرؓ کی ہدایات کے مطابق مجاہدین نے سیڑھیاں اکٹھی کر لیں اور دو دو سیڑھیاں باندھ لیں۔

یہ کام رات کی تاریکی میں ہو رہا تھا۔ تاریکی مجاہدین کو فائدہ تو دے رہی تھی کہ وہ ذرا ہی دور سے کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے لیکن اس تاریکی میں کچھ خطرے بھی تھے۔ فتح انہی کے مقدر میں لکھی جاتی ہے جو آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑتے ہیں۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص وہاں موجود تھے اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ بہت ہی خوش تھے کہ انہیں زبیرؓ بن العوام جیسا سالار مل گیا تھا۔ اس جانباز اور سرفروش سالار نے قلعہ بابلیون سر کرنے کی مہم میں نئی روح پھونک دی تھی۔

کئی ایک مجاہدین کی خواتین لشکر کے ساتھ تھیں جو لشکر کے پیچھے رہتی تھیں۔ ان خواتین میں زیادہ تر بیویاں تھیں' ایک دو مجاہدین کی مائیں بھی تھیں اور دو چار کی بہنیں ان کے ساتھ تھیں۔ کسی طرح ان خواتین کو پتہ چل گیا کہ مجاہدین خندق عبور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور یہ بڑا ہی خطرناک کام ہے۔ مجاہدین خندقیں تو عبور کیا ہی کرتے تھے لیکن خواتین جانتی تھیں کہ بابلیون کے اردگرد جو خندق ہے' یہ سب سے نرالی اور دشوار ہے۔ انہیں بتانے والے نے بتایا کہ خندق کس طرح عبور کی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ سیڑھیاں اور کچھ سامان بھی ساتھ لے جایا جا رہا ہے۔ بیس پچیس جواں سال خواتین اُس طرف اُٹھ دوڑیں جہاں سے خندق عبور کی جا رہی تھی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے ان خواتین کے دوڑتے قدموں اور ان کی باتوں کی آوازیں سنیں تو خود دوڑے گئے اور عورتوں کے راستے میں جا کھڑے ہوئے۔ انہیں روک کر پوچھا کہ وہ کیا لینے آئی ہیں' یہ بھی کہا کہ وہ اونچی آواز نہ نکالیں' مکمل خاموش اختیار کئے رکھیں۔ ایک خاتون نے آگے بڑھ کر سپہ سالار کو بتایا کہ وہ کیوں آئی ہیں۔

"فوراً خاموشی سے واپس چلی جاؤ" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں بلا لیں گے"۔

"سیڑھیاں اور سامان ہمیں اٹھا کر آگے لے جانے دیں" — خاتون نے کہا — "ہم پیچھے خیموں میں بیکار پڑی ہیں"۔

عمروؓ بن عاص نے انہیں ذرا سختی سے کہا کہ وہ واپس چلی جائیں۔ خندق عبور کرنا مجاہدین کے لئے کوئی نیا کام نہیں جو عورتوں کی مدد کے بغیر ہو ہی نہ سکے۔

"سات آٹھ ہزار نفری سے آپ کیا کچھ کر لیں گے!" — ایک اور خاتون نے کہا — "ہمارے جسموں میں بھی اللہ نے طاقت ڈال رکھی ہے۔ یہ کسی کام تو آئے۔ ہم صرف لاشیں اٹھاتی ہیں اور زخمیوں کو ڈھونڈتی پھرتی اور انہیں پیچھے لے جاتی ہیں۔ ہم اس خندق سے واقف ہیں۔ ہمارے مردوں کو آگے جا کر لڑنا بھی ہے۔ جو کام ہم کر سکتی ہیں وہ ہمیں کرنے دیں"۔

"تمہارے کرنے کا صرف ایک کام ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "فوراً واپس جاؤ اور یہ کام شروع کر دو.... وضو کرو' نفل پڑھو اور ہماری کامیابی کی دعا کرو۔ ہمیں اس مدد کی ضرورت ہے"۔

خواتین واپس چلی تو گئیں لیکن سب پر مایوسی طاری تھی۔ خیموں میں واپس جا کر سب نے وضو کیا اور فرداً فرداً نفل پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔



اِدھر مجاہدین کے سپہ سالار کا یہ جذبہ کہ وہ سپاہی بنا ہوا مجاہدین کے ساتھ کام کر رہا تھا اور اُدھر قلعے کے اندر رومیوں کا سپہ سالار اپنے آپ کو ہرقل جیسا بادشاہ سمجھے ہوئے تھے۔ مقوقس کے بعد مصر میں وہ مختارِ کل تھا۔ وہ تھا جرنیل تھیوڈور۔ آدھی رات ہونے کو آئی تھی۔ اس کے سونے کے کمرے میں کچّی عمر کی ایک نوجوان لڑکی بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

تھیوڈور ایک اور کمرے میں تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو ماتحت جرنیل تھے اور چار پانچ اور فوجی افسر بھی تھے جو جرنیلی کے درجے سے ایک درجہ ہی کم تھے۔ ان میں ایک جرنیل جارج تھا جو تجربے اور قابلیت میں تھیوڈور کا ہم پلہ تھا۔

جنرل تھیوڈور کے دماغ پر ملکہ مرتینا سوار تھی اور وہ انعام جس کا مرتینا نے اس

کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ وہ تو ابھی سے اپنے آپکو مقوقس کا جانشین سمجھنے لگا تھا یعنی فرمانروائے مصر!..... وہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے فوجی افسروں کو یقین دلا رہا تھا کہ یہ عربی لشکر بابلیون کی دیوار کے قریب بھی نہیں آسکے گا۔ اس دعویٰ میں وہ حق بجانب تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خندق کو ناقابلِ تسخیر بنانے کے لئے کیا اہتمام کیا گیا تھا۔ تھیوڈور ہی نہیں بلکہ اس کے تمام تر چھوٹے بڑے افسر اور پوری کی پوری فوج کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان اس خندق سے باہر ہی رہیں گے اور ان کے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ خندق کو عبور کر سکیں۔ یہ یقین انہیں بڑا ہی پُرلطف اطمینان دے رہا تھا۔

جنرل تھیوڈور نے اپنے اعلیٰ فوجی افسروں کا اجلاس بلا رکھا تھا لیکن دو نیم برہنہ جوان اور خوبصورت لڑکیاں انہیں شراب پیش کر رہی تھیں۔ شراب اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔

"اگر بزنطیہ سے تم نے کوئی امید وابستہ کر رکھی ہے تو وہ دل سے نکال دو"۔ تھیوڈور نے کہا — "یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شاہ ہرقل کمک نہیں بھیج رہا تھا۔ اب اس کا بیٹا قسطنطین یہ ذمہ داری پوری کر سکتا ہے لیکن مجھے اس سے بھی کمک کی توقع نہیں۔ بزنطیہ سے مجھے جو خبریں ملی ہیں وہ ہمارے لئے اور مصر کے لئے اچھی نہیں۔ قسطنطین شاہ ہرقل کا جانشین بننے کی کوشش میں ہے۔ ملکہ مرتینا کا پیغام میرے پاس آچکا ہے۔ شاہ ہرقل کی جانشین صرف ملکہ مرتینا ہو سکتی ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے۔ بہرحال ہمیں ایسی امید رکھنی ہی نہیں چاہئے کہ قسطنطین کمک بھیجے گا۔ البتہ ملکہ مرتینا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ زیادہ نفری کی کمک بھیجے گی لیکن اس میں کچھ عرصہ لگے گا۔ شاہ ہرقل کو بھی مصر کا کچھ خیال نہ تھا اور قسطنطین کو بھی نہیں۔ اس کی دلچسپیاں صرف تخت و تاج پر مرکوز ہیں۔ یہ عزم ذہن میں رکھ لو اور عہد کرو کہ ہمیں ان مٹھی بھر مسلمانوں کو یہیں خندق کے باہر ہی نیست و نابود کر دینا ہے۔ میں مصر کے اندر سے ہی کمک منگوا رہا ہوں"۔

"عرب کے یہ بدّو آخر کب تک محاصرے میں بیٹھے رہیں گے"— جنرل جارج نے کہا — "انہیں کچھ عرصہ بیٹھا رہنے دو۔ ہم ان کی رسد کے راستے مسدود کر رہے ہیں اور جب یہ بھوکے مرنے لگیں گے تو ان کے عقب سے ان پر حملہ کریں گے"۔

"مصر میں اپنی فوج کی کمی نہیں"— تھیوڈور بولا — "ان عربوں کو ذرا نڈھال ہو

جانے دو۔ ابھی یہ فتح کے نشے سے سرشار ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اس خوش فہمی سے نکل آئیں گے"۔

یہ رومی فوج کے افسرانِ اعلیٰ کا اجلاس تھا یا محفلِ ئے نوشی تھی' اس میں یہ طے سمجھا گیا کہ مجاہدینِ اسلام خندق عبور نہیں کر سکیں گے اور مصر سے ہی کمک آئے گی اور مجاہدین کی رسد کے راستے بند کر دیئے جائیں گے اور ان پر عقب سے حملہ کیا جائے گا۔ یہ رومی افسر اپنے دفاعی انتظامات سے بجا طور پر مطمئن تھے اور ان کا دفاعی پلان بھی بالکل صحیح تھا۔ ہرقل نے مقوقس پر یہ جو الزام عائد کیا تھا کہ مصر میں روم کی ایک لاکھ فوج موجود ہے' غلط نہیں تھا۔ مقوقس نے اس فوج کا تھوڑا سا حصہ ہی جنگ میں استعمال کیا تھا۔ تھیوڈور نے اب پوری فوج کو استعمال کرنے کا پلان بنا لیا تھا۔ تصوّر میں لایا جا سکتا ہے کہ ایک لاکھ فوج کے مقابلے میں مسلمانوں کے سات آٹھ ہزار نفری کے لشکر کی کیا حیثیت تھی۔

آدھی رات کے وقت یہ محفل برخاست ہوئی اور تمام فوجی افسر رخصت ہو گئے۔ تھیوڈور کے سونے کے کمرے میں جو نوخیز لڑکی اس کے انتظار میں بیٹھی تھی وہ نیند پر قابو نہ پا سکی اور پلنگ پر سو گئی تھی۔ وہ فرمانروائے مصر کے حرم کی لڑکی نہیں تھی نہ ہی مقوقس نے کوئی حرم بنا رکھا تھا۔ یہ ایک غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ اس کا گھرانہ کوئی ایسا غریب بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ کسی کے محتاج ہوتے' دو وقت کی روٹی باعزت طور پر میسر آ جاتی تھی لیکن اس لڑکی نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو گا کہ وہ کسی رات شاہی محل کے سونے کے کمرے کی زینت بنے گی۔ وہ پلی بڑھی تو غربت میں تھی لیکن خدا نے اسے بے مثال حسن سے نوازا تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت کا جو تاثر تھا وہ اس کے حسن کو طلسماتی بنا رہا تھا۔

تھیوڈور نے اس نوخیز لڑکی کو کہیں دیکھ لیا تھا وہ کچھ دیر اسے دیکھتا ہی رہا تھا۔ تھیوڈور کے ساتھ اس کا ایک خاص معتمد بھی تھا۔ اس معتمد نے اسے کان میں کہا کہ یہ لڑکی اسے اتنی ہی اچھی لگی ہے کہ وہ دیکھے ہی جا رہا ہے تو آج رات یہ اس کے سونے کے کمرے میں پہنچائی جا سکتی ہے۔ تھیوڈور کے ہونٹوں پر ابلیسی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔

یہ معصوم سی لڑکی رات کے پہلے پہر ہی تھیوڈور کے ہاں پہنچا دی گئی تھی۔ لڑکی کو

اغوا نہیں کیا گیا تھا نہ اس پر جبر ہُوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے باپ کو اتنی رقم دی گئی ہو گی جو اس نے تصوّر میں بھی نہیں دیکھی ہو گی۔ اس غریب باپ کو یہ خواب بھی دکھایا گیا ہو گا کہ جنرل تھیوڈور اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کر لے گا اور اب تھیوڈور ہی مصر کا فرمانروا ہو گا۔

تھیوڈور کی عمر بڑھاپے میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ سونے والے کمرے میں داخل ہُوا تو لڑکی کو پلنگ پر سوتا ہُوا دیکھا۔ اس کی بیوی اور بیٹے بیٹیاں اپنے اپنے کمروں میں گہری نیند سوئی ہوئی تھیں۔ تھیوڈور کو ایسا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ اس کی بیوی کو پتہ چلا کہ اس کے پاس ایک لڑکی آئی ہوئی ہے تو وہ ہنگامہ برپا کرے گی۔ بیوی اپنے طور پر آزاد تھی۔ یہ اُس معاشرے کا سب سے زیادہ اونچا طبقہ تھا جس میں شرم و حجاب کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اس وقت کے مرد کسی بھی عورت کو اپنے ساتھ گھر لے آنا اپنا حق سمجھتے تھے۔

لڑکی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ تھیوڈور کو وہ کچھ اور ہی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ شراب کے نشے نے تھیوڈور کو اپنے آپ میں رہنے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا جھومتا رہا اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ وہ تو اس کے لئے ایک کھلونا تھی۔ جس طرح چاہتا اس کے ساتھ کھیل سکتا تھا۔ اس نے لڑکی کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیر کر اسے جگایا۔

لڑکی گھبرا کر جاگی اور اٹھ بیٹھی۔ اس کے معصوم چہرے پر خوف کا تاثر آ گیا لیکن تھیوڈور کے ہونٹوں پر کھلی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر خوف میں کمی آ گئی۔ تھیوڈور اس کے پاس بیٹھ گیا اور ایسے پیارے انداز سے ایک دو باتیں اور کچھ حرکتیں کیں کہ لڑکی کو اس انداز میں اپنائیت سی محسوس ہونے لگی۔

"مجھ سے یوں نہ ڈر لڑکی!" — تھیوڈور نے کہا — "میرے دل نے تمہیں پسند کیا ہے۔ میں تمہیں مصر کی ملکہ بناؤں گا.... کہو، مصر کی ملکہ بنو گی نا؟"

لڑکی جواب دینے کی بجائے بچوں کی طرح ہنس پڑی۔ وہ شاید محسوس نہ کر سکی کہ یہ شخص نشے میں ہے اور صبح تک بھول چکا ہو گا کہ اس نے رات کیا کہا تھا۔ تھیوڈور اس پر وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑنے کی بجائے بڑے پیار سے اس کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا رہا۔

چند ہی باتوں اور کچھ پیاری سی حرکتوں سے لڑکی تھیوڈور کے ساتھ بے تکلف ہو گئی۔ ان ہی باتوں میں عرب کے مسلمانوں کا ذکر آ گیا۔ تھیوڈور نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ لڑکی کے ماں باپ قبطی عیسائی تھے اور مذہب کے معاملے میں بڑے ہی جذباتی اور کٹر تھے۔ لڑکی کے خیالات پر بھی ان کا اثر تھا۔

"میں ایک مسلمان جاسوس کو پکڑوا سکتی ہوں" — لڑکی نے کہا — "وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ مجھے بھی وہ اچھا لگتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ عرب کے اس لشکر کا جاسوس ہے جس نے ہمارے شہر کو محاصرے میں لے رکھا ہے لیکن میں اس کے خلاف زبان نہیں کھولنا چاہتی تھی کیونکہ اس نے میری جان بچائی تھی"۔

"پھر اب کیوں زبان کھولی ہے؟" — تھیوڈور نے پوچھا۔

"مجھے احساس ہے کہ میں اس کے ساتھ بے وفائی کر رہی ہوں" — لڑکی نے کہا — "لیکن آپ کی باتیں سن کر میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کے ساتھ وفا کرتی ہوں تو یہ اپنے مذہب اور اپنے ملک کے ساتھ بے وفائی ہو گی جسے غداری بھی کہا جا سکتا ہے"۔

لڑکی نے تھیوڈور کو بتایا کہ یہ مسلمان کب سے یہاں ہے اور کہاں رہتا ہے۔

"شاباش!" — تھیوڈور نے کہا — "محبت اور جذبات کی قربانی جان کی قربانی سے زیادہ بڑی ہے۔ میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں اور تمہیں اس کا پورا صلہ ملے گا۔ صبح یہ مسلمان جاسوس ہتھکڑیوں میں بندھا ہُوا یہاں ہو گا اور تمہارے سامنے اس کا سر اس کے جسم سے الگ پھینک دیا جائے گا"۔

لڑکی خواب و خیال میں مصر کی ملکہ بن گئی اور اپنے آپ کو تھیوڈور کے حوالے کر دیا۔



یہ مسلمان جاسوس کون تھا؟

اس کا نام اوسامہ بن اظہری تھا۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال تھی۔ اس کا باپ عراق میں مثنّیٰ بن حارثہ کے لشکر میں تھا جو کسریٰ ایران کی فوجوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ یہ مجاہد ایک معرکے میں شہید ہو گیا تھا۔ اوسامہ بن اظہری کا ایک ہی بڑا بھائی تھا۔ وہ شام کی جنگ میں ہرقل کی فوجوں کے خلاف لڑتا ہُوا شہید ہُوا تھا۔ پیچھے اوسامہ رہ گیا تھا۔

ماں نے اسے اس لئے محاذ پر نہیں بھیجا تھا کہ وہ اکیلی رہ جاتی تھی لیکن باپ کے بعد بڑا بھائی بھی شہید ہو گیا تو ماں نے اوسامہ سے کہا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی جگہ چلا جائے۔ اس طرح اوسامہ رومیوں کے خلاف لڑنے والے لشکر میں جا شامل ہُوا اور اس کی ماں بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔

اوسامہ بن اظہری کو سالاروں نے دیکھا کہ یہ تو ایک خاص قسم کی ذہانت کا مالک ہے تو انہوں نے اسے جاسوسی کی تربیت دی۔ اوسامہ بڑا خوبصورت جوان تھا۔ نہایت پُراثر انداز میں بات کرتا تھا اور اس میں روپ بہروپ کا فن قدرتی طور پر موجود تھا۔ اسے پہلی بار جاسوسی کے لئے بھیجا گیا تو وہ ایسے بہروپ میں گیا کہ ایک رومی فوج کے افسر کا خدمت گار بن گیا۔ ڈیڑھ ایک مہینے بعد واپس آیا تو نہایت قیمتی باتیں اپنے ساتھ لایا۔ آخر اسے اس لشکر میں بھیج دیا گیا جس کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص تھے اور مصر پر فوج کشی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

مصر میں بھی اس نے جاسوسی کے میدان میں کچھ نمایاں کامیابیاں حاصل کیں جو سپہ سالار کے کام آئیں۔ اب وہ بابلیون کے اندر چلا گیا تھا۔ ایک بار واپس آیا تو سپہ سالار کو بتایا کہ شہر کے اندر رومی فوج کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کیا ہے اور شہری کیا سوچ رہے ہیں۔ اس ضمن میں اس نے سپہ سالار کو بڑی ہی کار آمد باتیں بتائیں۔

وہ پھر کسی بہروپ میں بابلیون کے اندر چلا گیا اور ایک عیسائی تاجر کا قابلِ اعتماد نوکر بن گیا۔ وہ عیسائیوں کے بہروپ میں گیا تھا۔ اسے واپس آنا تھا لیکن مجاہدین کے لشکر نے بابلیون کو محاصرے میں لے لیا۔ اس صورتِ حال میں اس کا واپس آنا بہت ہی مشکل تھا۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ واپس نہ ہی جائے تو اچھا ہے' شہر کے اندر رہے اور اپنے لشکر کی مدد کا سامان پیدا کرلے۔ اس نے تو یہاں تک سوچ لیا تھا کہ جب مجاہدین کا لشکر قلعے پر یلغار کرے گا تو وہ اپنی جان کی بازی لگا کر شہر کا کوئی نہ کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا۔

یہ تھا وہ مسلمان جاسوس جس کی نشاندہی یہ لڑکی تھیوڈور کے آگے کر رہی تھی۔ لڑکی نے کہا تھا کہ اس مسلمان کو اس کے ساتھ محبت ہے اور وہ خود بھی اسے چاہتی ہے۔ یہ محبت ایک واقعہ سے شروع ہوتی تھی جو اس لڑکی کے لئے اور اس کے ماں باپ کے لئے ایک حادثہ بن چلا تھا۔ یہ واقعہ یوں ہُوا کہ ایک بڑی بادبانی کشتی بابلیون سے

سامنے والے جزیرے تک جا رہی تھی جہاں قلعہ روضہ تھا۔ اوسامہ کو اس تاجر نے جزیرے میں جانے کو کہا تھا جس کا وہ ملازم تھا۔ اس تاجر کو وہاں کوئی کام تھا۔

چونکہ اس طرف دریائے نیل تھا اس لئے شہر کا وہ پہلو محاصرے سے محفوظ تھا۔ جزیرے اور بابلیون کے درمیان دریائی آمدورفت لگی رہتی تھی۔ کشتی بہت بڑی تھی جس میں بہت سے مسافر جا رہے تھے۔ سامان بھی تھا اور چند ایک گھوڑے بھی تھے۔

یہ تین ساڑھے تین مہینے پہلے کا واقعہ تھا جب نیل میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ طغیانی کا زیادہ جوش و خروش دریا کے وسط میں تھا۔ کشتی وسط میں پہنچی تو ملاح دیکھ نہ سکے کہ طغیانی بڑھ گئی ہے اور لہریں کچھ زیادہ ہی اوپر نیچے ہو رہی ہیں۔ کشتی جب اس مقام تک پہنچی تو لہروں نے اسے اٹھا اٹھا کر گرانا شروع کر دیا اور ایک بار کشتی کا رخ بدل گیا اور تیز ہوا نے بادبانوں کو ملاحوں کے قابو سے نکال دیا۔

کشتی ایک پہلو سے اس قدر جھک گئی کہ یوں لگتا تھا جیسے دریا کشتی کے اندر آ جائے گا۔ ایک نوخیز لڑکی جو اس طرف کھڑی تھی' اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور دریا میں جا پڑی۔ اسے اب ڈوبنا ہی تھا' بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

لڑکی کا باپ بھی اس کے ساتھ تھا لیکن وہ رونے چلّانے اور لوگوں کی منت سماجت کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اوسامہ کی فطرت میں خطرے مول لینے والا عنصر موجود تھا اور اس کے ساتھ انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی تھا۔ اس نے اور کچھ بھی نہ سوچا اور دریا میں لڑکی کے پیچھے کود گیا۔ لڑکی کو موجیں اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی تھیں اور اپنے ساتھ لے جا رہی تھیں۔

اوسامہ جوان تھا' جسم میں طاقت تھی اور زیادہ طاقت تو اس جذبے میں تھی جو ہمدردی کا جذبہ تھا۔ وہ پوری طاقت صرف کرتا تیرتا چلا گیا۔ اسے تو طغیانی بھی آگے کو دھکیل رہی تھی۔

ملاحوں نے کشتی نہ روکی۔ اس کے بادبانوں کو قابو میں رکھ کر کشتی کو دریا کے وسط سے نکال کر لے گئے۔ اوسامہ لڑکی تک پہنچ گیا اور اسے اٹھا کر اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ اب بڑا ہی خطرناک مرحلہ شروع ہُوا۔ یہ تھا طغیانی کے جوش و خروش میں سے نکلنا۔ بہت دور جا کر وہ موجوں کی لپیٹ سے نکلا اور سامنے والے کنارے تک چلا گیا۔ وہ کچھ ہی دیر اور تیر سکتا تھا۔ اس کے بازو اکڑنے لگے تھے۔ یہ اس کی اور لڑکی کی خوش قسمتی تھی کہ

کنارہ آگیا اور اوسامہ لڑکی کو نیل کے منہ سے نکال کر لے گیا۔

کناروں کے ساتھ ساتھ چھوٹی کشتیاں چلتی رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک میں اوسامہ لڑکی کو جزیرے میں لے گیا۔ لڑکی کا باپ مل گیا۔ اس نے یہ صورت قبول کر لی تھی کہ اس کی بیٹی ڈوب کر مر چکی ہے۔ اس نے اوسامہ کو گلے لگا لیا اور اسے کہا کہ وہ بابلیون میں اس کے گھر آئے۔ اوسامہ نے اپنے تاجر آقا کا کام بھی کر لیا اور لڑکی اور اس کے باپ کے ساتھ واپس بابلیون آ گیا۔

وہ پہلی بار لڑکی کے گھر گیا تو ان لوگوں نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ لڑکی تو اس پر مری جا رہی تھی۔ اس نے لڑکی کو یقینی موت کے منہ سے چھینا تھا۔ اوسامہ آخر جواں سال اور غیر شادی شدہ تھا۔ اس کے دل میں لڑکی کی ایسی محبت پیدا ہو گئی جو انسان کو مجبور اور بے بس کر دیا کرتی ہے اور اسے اس کے راستے سے بھی ہٹا لیتی ہے۔ یہاں سے ان کی ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔

اوسامہ کو تاجر نے ایک چھوٹا سا الگ مکان دے رکھا تھا۔ لڑکی اس کے پاس وہاں پہنچ جاتی تھی۔ ایک روز جذبات کا ایسا غلبہ ہُوا کہ اوسامہ نے لڑکی سے کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ عرب لے جائے گا۔ لڑکی نے حیرت زدگی کے عالم میں پوچھا کہ وہ عرب کیوں جائے گا۔ اوسامہ نے تو اسے بتایا تھا کہ وہ عیسائی ہے۔

اوسامہ پچھتانے لگا کہ اس کے منہ سے ایسی بات نکل گئی ہے کہ اس کا پردہ اٹھ گیا ہے۔ اس نے اِدھر اُدھر کی بہت باتیں بنائیں کہ وہ اپنی اصلیت پر پھر پردہ ڈال لے لیکن لڑکی کو شک نہیں بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ اوسامہ دراصل کچھ اور ہے۔ اوسامہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

لڑکی کا حُسن اور اس کی عمر ایسی تھی اور پھر لڑکی نے باتیں بھی کچھ ایسی کیں کہ اوسامہ کو اپنا راز فاش کرنا پڑا۔ دونوں کی محبت ایسی تھی کہ اوسامہ کو ایسی توقع تھی ہی نہیں کہ لڑکی اسے دھوکہ دے گی۔ لڑکی نے اسے قسم کھا کر کہا کہ وہ اس کے راز کو اپنے سینے میں دفن کر لے گی۔

اوسامہ نے کھل کر بات کر دی اور لڑکی نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ مسلمان ہو جائے گی اور اس کے ساتھ عرب بھی چلی جائے گی۔ وہ تو اس کی بہت ہی ممنون تھی۔ اس کے دل پر دریا کا ایسا خوف بیٹھ گیا تھا کہ بہتے پانی کو دیکھ کر ہی ڈر جاتی تھی۔ اوسامہ کو

وہ اپنا محافظ سمجھتی تھی۔

اوسامہ کو لڑکی پر بھروسہ تو تھا لیکن اسے یہ احساس پریشان کرتا ہی رہتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو بے نقاب کر دیا ہے۔ لڑکی کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اوسامہ نے یوں بھی کیا کہ اس کے دل میں رومیوں کی نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسے بتایا کہ ہرقل اور قیرس نے کس طرح قبطی عیسائیوں کا قتلِ عام کیا ہے۔ وہ لڑکی سے یہ بھی کہتا تھا کہ رومیوں کی بادشاہی مصر میں قائم رہی تو وہ یہاں کسی قبطی عیسائی کو زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی تو ہر کوئی اپنے مذہبی امور اور عقیدوں میں آزاد ہو گا۔

لڑکی کو رومیوں کا قبطی عیسائیوں پر ظلم و تشدّد اچھی طرح معلوم تھا لیکن وہ کمسن اور نادان لڑکی تھی۔ جنرل تھیوڈور نے اس کی معصومیت کے ساتھ کھیلنے کے لئے کہہ دیا کہ وہ اسے مصر کی ملکہ بنائے گا تو وہ اس کی باتوں میں آ گئی اور جب تھیوڈور نے مصر کی اور مسلمانوں کی باتیں کیں اور پھر لڑکی کو اور زیادہ چڑھا دیا تو لڑکی نے نادانی میں آ کر اوسامہ کا پردہ چاک کر دیا۔

○

اوسامہ اپنے گھر میں اکیلا گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے اس سے جذبات میں آ کر جو غلطی ہوئی تھی، اس کی سزا تھیوڈور نے لڑکی کو سنا دی تھی۔..... سزائے موت!..... یہ سزا تو دراصل اوسامہ کی ماں کو بھگتنی تھی۔ اس کا خاوند بھی شہید ہو گیا تھا' بڑا بیٹا بھی شہید ہو گیا اور اب چھوٹا بیٹا رات گزرتے ہی تھیوڈور کے جلّاد کے ہاتھوں قتل ہونے والا تھا۔ پیچھے ماں کو سزا بھگتنے کے لئے اکیلے رہ جانا تھا۔ ماں یہاں بھی اس کے ساتھ تھی اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے کہنے پر دوسری عورتوں کے ساتھ نفل پڑھ رہی تھی اور مجاہدین کی فتح کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا بیٹا شہر کے اندر پھندے میں آ چکا ہے اور اب وہ اپنے بیٹے کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکے گی۔

یہ تھی وہ رات اور یہ تھا وہ وقت جب یہ لڑکی تھیوڈور کو بتا رہی تھی کہ وہ ایک مسلمان جاسوس کو پکڑوا سکتی ہے اور تھیوڈور نے اسے کہا تھا کہ اس جاسوس کو اس کے سامنے قتل کروایا جائے گا۔ بالکل اُس وقت مجاہدین اپنے سالار زبیرؓ بن العوام کی قیادت

میں ان کی ہدایات کے مطابق خندق کی رکاوٹوں پر درخت پھینک کر خندق عبور کر رہے تھے۔

قلعوں کی دیواروں پر چڑھنے کے لئے ایک تو کمندیں پھینکی جاتی تھیں اور اگر دیواریں کمزور ہوتیں تو ان میں شگاف بھی ڈال لیا جاتا تھا۔ ایک طریقہ سیڑھیوں کے ذریعے اوپر چڑھنے کا بھی تھا۔ بابلیون کی دیواریں بہت ہی مضبوط' عام قلعوں کی نسبت زیادہ چوڑی اور اونچی بھی خاصی زیادہ تھیں۔ اس بلندی کو دیکھتے ہوئے ہی مجاہدین نے دو سیڑھیاں باندھ لی تھیں تاکہ یہ دیوار کے اوپر تک پہنچ جائیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قلعے کے محاصرے کو آٹھ مہینے گزر گئے تھے۔ عمروؓ بن عاص کبھی بھی محاصرے کو طول دینے کے حق میں نہیں ہوئے تھے۔ کچھ دن محاصرہ کر کے قلعے پر یلغار کر دیا کرتے تھے۔ بابلیون کی بات دوسرے قلعوں کے مقابلے میں بالکل ہی مختلف تھی۔ اندر کی رومی فوج کو ہی نہیں بلکہ فوج کے جرنیلوں کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان خندق عبور نہیں کر سکیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ خندق عبور کرنی ہوتی تو یہ عربی مسلمان ایک دن کی بھی دیر نہ لگاتے' کسی نہ کسی طور خندق عبور کر لیتے۔

رومی بجا طور پر مطمئن تھے۔ خندق بہت چوڑی تھی اور رومیوں نے اسے جن خاردار تاروں اور نوکیلی سلاخوں سے بھر دیا تھا انہیں عبور کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی اور نہ کوئی ذریعہ تھا کہ اسے عبور کیا جا سکتا۔ اس یقین نے رومی جرنیلوں کو اور ان کی فوج کو اتنا مطمئن کر دیا تھا کہ رات کو رومی پوری طرح بیدار رہتے ہی نہیں تھے اور دیوار پر پہرے کی خاصی کمی ہو گئی تھی۔ گشتی سنتری رسمی طور پر دو چار مرتبہ اوپر چکر لگا آتے تھے۔ اس فوج کے سپریم کمانڈر جنرل تھیوڈور پر بھی بے نیازی اور بے پرواہی کا موڈ طاری رہنے لگا تھا۔

تھیوڈور تو مکمل طور پر مطمئن تھا کہ مصر کے اندر سے ہی اس کی کمک آ رہی ہے اور وہ مسلمانوں کے لشکر پر عقب سے حملہ کرے گا۔ اس نے اپنے اعلیٰ افسروں کو بتا ہی نہیں دیا بلکہ یقین دلا دیا تھا کہ بابلیون کے باہر' خندق سے کچھ دور کی زمین مسلمانوں کے لشکر کا قبرستان بنے گی۔

رات آدھی سے کچھ زیادہ گزری تھی جب سالار زبیرؓ بن العوام نے سب سے پہلے درختوں کے ٹہنوں پر قدم رکھا اور شاخیں پکڑ پکڑ کر اور سنبھل سنبھل کر آگے

بڑھے اور خندق عبور کر لی۔ وہ پھر واپس آئے اور خندق سے کچھ دور جا کر مجاہدین کو اپنے پاس بلایا۔

"میرے رفیقو!" ـــ سالار زبیرؓ نے کہا۔ "مجھے پار جاتے اور واپس آتے دیکھ کر یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کوئی آسان کام ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ یہ ٹہن تاروں کے گچھوں اور نوکیلی سلاخوں پر رکھے گئے ہیں۔ ان پر جب جسم کا بوجھ پڑتا ہے تو قدم آگے رکھنے سے یہ ٹہن دائیں بائیں ہلتے ہیں اور کچھ نیچے کو بھی ہو جاتے ہیں۔ شاخوں کا سہارا لینا پڑتا ہے لیکن یاد رکھو کہ کوئی کمزور شاخ ہاتھ میں آ گئی تو وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے اور ٹہنیوں کے ہلنے سے اپنا توازن بگڑ بھی سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی گر پڑا تو نوک دار سلاخیں اس کے جسم میں اتر جائیں گی پھر خندق سے اس کی لاش ہی نکلے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قدم آگے بڑھائیں ہی نہیں۔ فتح اور کامیابی صرف اُسے عطا ہوتی ہے جو دماغ کو حاضر رکھ کر خطرے مول لیا کرتے ہیں۔ مت بھولو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ کے اس وعدے کو بھی یاد رکھو کہ تم میری مدد کرو میں تمہاری مدد کروں گا....

"ان مجاہدین کو جو سیڑھیاں پار لے جائیں گے' اور ہی زیادہ احتیاط سے ٹہنوں پر چلنا ہو گا۔ ہم جب خندق کے پار چلے جائیں گے تو ایک اور خطرہ موجود ہو گا۔ ہو سکتا ہے میدان صاف ہی ہو لیکن ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہو گا کہ یہ خطرہ بھی موجود ہو گا۔ یہ خطرہ ان گھنے درختوں میں ہو سکتا ہے جو خندق سے قلعے تک کھڑے ہیں۔ ممکن ہے ان درختوں میں رات کے وقت کچھ رومی چھپے رہتے ہوں۔ رات بھی تاریک ہے۔ اگر رومی ان درختوں میں ہوئے تو نیچے سے گزرنے والوں کو تیروں سے ختم کر دیں گے۔ بہرحال کسی درخت سے ایک بھی تیر آیا تو ہم جوابی کارروائی کر کے یہ خطرہ ختم کر ڈالیں گے لیکن ذہن میں رکھ کر آگے بڑھنا ہو گا"۔

ان ہدایات کے بعد سالار زبیرؓ نے چند ایک مجاہدین کو الگ کر کے کہا کہ چار چار یا پانچ پانچ آدمی ایک ایک سیڑھی اٹھائیں اور خندق عبور کریں۔ مجاہدین نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور تین سیڑھیاں اٹھا کر خندق کی طرف چلے۔ سالار زبیرؓ بن العوام ان کے آگے آگے خندق عبور کرنے لگے۔ نہایت احتیاط سے ٹہنوں پر قدم رکھتے آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور اللہ نے انہیں پار پہنچا دیا۔ پار جا کر رکے اور زبیرؓ نے دو مجاہدین کو

آگے بھیجا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ درختوں میں اگر رومی فوجی موجود ہوئے تو وہ ان دونوں کو پکڑنے کی کوشش کریں گے یا اوپر سے تیر چلائیں گے۔ اس خطرے کی نشاندہی کے لئے ان دو مجاہدین کی قربانی پیش کردی گئی تھی۔

دونوں مجاہدین تاریکی میں گم ہو گئے اور کچھ دیر درختوں کے نیچے نیچے گھوم پھر کر بخیر و عافیت واپس آ گئے۔ اس سے یقین ہو گیا کہ راستہ صاف ہے۔ اب پھلوں کے باغات کے یہ درخت مجاہدین کے محافظ بن گئے۔ یہ نہایت اچھی آڑ مہیا کرتے تھے جس سے دیوار پر کھڑے کسی رومی کو نظر نہیں آسکتا تھا کہ کوئی دیوار کے قریب آ رہا ہے۔ رات تو تاریک تھی لیکن انسان سائے کی طرح نظر آسکتا تھا۔

سیڑھیاں خندق کے اگلے کنارے کے قریب رکھوا کر زبیرؓ بن العوام نے اپنے جانباز دستے کو اشارہ کیا کہ اب وہ آگے آجائے۔ اشارہ ملتے ہی پورا دستہ ایک دوسرے کے پیچھے خندق عبور کر گیا۔ سالار زبیرؓ نے ان میں سے چند ایک جانبازوں کو الگ کر کے کہا کہ وہ سیڑھیاں اٹھالیں اور قلعے کی دیوار تک پہنچائیں۔ باقی دستے کو وہیں رکا رہنے کو کہا اور پہلے دی ہوئی ایک ہدایت کو دہرایا۔

"ایک بار پھر سن لو" — زبیرؓ نے کہا — ہم جب اوپر پہنچ جائیں گے تو ایک بار نعرۂ تکبیر بلند ہو گا۔ اس نعرے پر جو مجاہدین میرے ساتھ جا رہے ہیں اوپر چڑھ آئیں گے۔ پھر سب مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اور تم سب یعنی سارا دستہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھے گا اور اوپر آجائے گا"۔

خندق عبور کرنے سے پہلے زبیرؓ بن العوام نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بھی ان نعروں کے متعلق بتا دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب تیسری بار نعرۂ تکبیر بلند ہو گا تو پھر باقی دستے اوپر آئیں گے اور یہ دستے مزید سیڑھیاں اپنے ساتھ لائیں گے تاکہ دیوار پر چڑھنے میں زیادہ وقت نہ لگے۔ پھر یہ طے ہُوا تھا کہ یہ دستے اگر نیچے جانے میں کامیاب ہو گئے تو قلعے کے دو تین دروازے کھولنے کی کوشش کی جائے گی اور باقی لشکر ان دروازوں سے اندر آئے گا۔

یہ نعرے بجائے خود ایک خطرہ تھا۔ پہلے ہی نعرے پر رومی فوجی بیدار ہو کر اوپر آ سکتے تھے۔ اُس وقت چند ایک جانبازوں کو اوپر ہونا تھا جن پر زیادہ تعداد میں رومی ٹوٹ پڑتے تو انہیں کاٹ کر دیوار سے باہر پھینک دیتے لیکن خطرہ مول لینے کے سوا کوئی چارہ

کار نہ تھا۔

O

تین سیڑھیاں قریب قریب دیوار کے ساتھ لگ گئیں۔ ان کی لمبائی دیوار کی بلندی تک تھی۔ خاموشی قائم رکھنی تھی جو سیڑھیاں لگاتے قائم نہ رہ سکی۔ سیڑھیوں کی آواز پیدا ہوئی لیکن اوپر کوئی حرکت نہ دیکھی گئی۔ سالار زبیرؓ بن العوام نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے مدد مانگی اور پھر اپنے وہ الفاظ دوہرائے جو انہوں نے کہے تھے کہ اللہ میری قربانی کو مجاہدین اسلام کی فتح کا سبب بنائے۔ اس دعا کے بعد انہوں نے سیڑھی پر قدم رکھا اور جن مجاہدین کو انہوں نے اپنے ساتھ لے جانا تھا' انہیں سیڑھیاں چڑھنے کا اشارہ دیا۔ سب سے پہلے زبیرؓ دیوار پر پہنچے اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی حرکت نظر نہ آئی۔ مجاہدین سیڑھیاں چڑھتے آئے اور سالار زبیرؓ کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اب تو ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پہلے تو یہ دیکھنا تھا کہ اس نعرے پر رومی بیدار ہوتے ہیں یا نہیں۔

رومی فوجی کوئی ایسے غافل بھی تو نہیں تھے کہ رات کی خاموشی میں اتنے بلند نعرے سے بھی بیدار نہ ہوتے۔ دیوار پر جن فوجیوں کا پہرہ تھا' وہ برجیوں میں سوئے ہوئے تھے۔ باری باری جاگتے اور تھوڑا سا چکر لگا کر واپس چلے جاتے تھے۔ اتنا بلند نعرہ انہیں جگانے کے لئے کافی تھا۔ وہ برچھیاں اور تلواریں لئے دوڑے آئے۔ دیوار خاصی چوڑی تھی۔ لڑنے اور پینترے بدلنے کے لئے کافی تھی۔

رومی فوجی قریب آئے تو جانباز مجاہدین نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ رومی فوجیوں کی کمزوری یہ تھی کہ وہ یہی دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے کہ یہ مسلمان اتنی اونچی دیوار پر کس طرح چڑھ آئے ہیں۔ دوسرا ڈر یہ کہ ان مسلمانوں کی تعداد یقیناً زیادہ ہو گی۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہی چند ایک مجاہدین ہیں جو اوپر آئے ہیں اور ان کی اصل طاقت یہ ہے کہ یہ جانوں کی بازی لگا کر اور شہادت کو قبول کر کے آئے ہیں۔ پھر بھی یہ رومی بے جگری سے لڑے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ پہرے پر تھے اور یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ نظر رکھیں کہ دیوار پر کوئی چڑھ نہ سکے۔ اگر وہ مقابلے سے منہ موڑ کر بھاگ جاتے تو انہیں اس جرم میں جلّاد کے حوالے کر دیا جاتا کہ اپنے فرائض اور ذمہ داری کو بھول کر سوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑ کر مرنا بہتر سمجھا۔

یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ مجاہدین جانیں توڑ کر لڑ رہے تھے اور انہوں نے تمام رومیوں کو کاٹ پھینکا۔ نیچے سالار زبیرؓ کا باقی دستہ نعرہ سن کر پہنچ گیا تھا اور تمام جانباز سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔

اِدھر سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے حکم دے دیا کہ تمام سیڑھیاں خندق کے پار پہنچائی جائیں اور تین چار اور دستے خندق پار کر جائیں۔ عمروؓ بن عاص زندہ و بیدار تھے اور نعروں کے ہی انتظار میں بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔ انہوں نے تیسرے نعرے کا انتظار نہ کیا' مزید سیڑھیاں اور دو چار دستے آگے بھیج دیئے۔ دیوار کے ساتھ کئی سیڑھیاں لگ گئیں۔ یہ سب سیڑھیاں دو دو کی صورت میں باندھی ہوئی تھیں۔ اب خاموشی برقرار رکھنی ممکن نہ تھی اور خاموشی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مجاہدین بڑی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے جا رہے تھے اور اس وقت سالار زبیرؓ کے حکم سے تیسرا نعرۂ تکبیر بلند کیا گیا۔

ان گرجدار اللہ اکبر کے پُرجوش نعروں نے قبروں میں مُردوں کو بھی جگا دیا ہو گا' نیچے شہر کے اندر سوئی ہوئی رومی فوج تو ہڑبڑا کر جاگ اٹھی۔ جنرل تھیوڈور اس نوخیز اور معصوم لڑکی کو پہلو میں لئے گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ باہر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ اس کے دروازے پر دو تین بار دستک ہوئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے لیٹے لیٹے بڑے غصے سے پوچھا کہ یہ کون دروازہ توڑ رہا ہے اور کیا مصیبت آن پڑی ہے۔ لڑکی بھی بیدار ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"عربی لشکر دیوار پر آ گیا ہے" — باہر سے آواز آئی — "اوپر بڑی سخت لڑائی ہو رہی ہے"۔

وہ تھیوڈور کے محافظ دستے کا کمانڈر تھا۔ تھیوڈور غصے میں کچھ نہ کچھ بولتا باہر نکلا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیداری میں یہ خبر سن رہا ہے۔ شاید اسے وہ خواب سمجھ رہا تھا۔ اسے تو یقین تھا کہ دیوار تو دور رہی' کوئی انسان خندق ہی عبور نہیں کر سکتا۔

محافظ دستے کے کمانڈر نے اسے پوری طرح صورتِ حال سنائی۔ تھیوڈور کو کچھ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنے محل نما مکان سے باہر نکلا تو اسے قیامت کا شور و غل سنائی دیا۔ اس کا اپنا پورا خاندان پہلے ہی جاگ اٹھا تھا۔ تھیوڈور دوڑتا کمرے میں گیا اور لڑائی والا لباس پہنا' اس کے اوپر زرّہ اور سر پر آہنی خود رکھ کر تلوار اٹھائی اور لڑکی

کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔

دوسرے جرنیل بھی بیدار ہو گئے تھے اور باقی افسر پہلے ہی شور شرابہ سن کر اٹھے اور اپنے اپنے دستوں تک جا پہنچے تھے لیکن دیوار پر تو اب یہ صورتِ حال تھی کہ وہاں مجاہدین کو بالادستی حاصل تھی۔ یوں کہہ لیں کہ دیوار پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ اندر سے دیوار پر چڑھنے کے لئے چند ایک جگہوں پر پکّی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ مجاہدین اوپر ان سیڑھیوں کے دائیں بائیں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ جونہی رومی فوجی اوپر آتے' مجاہدین انہیں کاٹ پھینکتے۔ اوپر برجیوں اور برجوں میں جو فوجی سوئے ہوئے تھے' انہیں تو مقابلے کی مہلت ہی نہ ملی۔ پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ مجاہدین کی برچھیوں اور تلواروں کی نذر ہو گئے۔ ان میں سے چند ایک گھبراہٹ کے عالم میں یہ خبر سناتے گئے کہ مسلمانوں کا پورا لشکر دیوار پر آ گیا ہے اور نیچے آ کر کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس طرح انہوں نے سارے شہر میں افراتفری اور نفسانفسی کا عالم پیدا کر دیا۔

اندر سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کا یہ حال تھا کہ رومی فوجیوں کی لاشوں سے اَٹ گئی تھیں۔ نہ کوئی اوپر جا سکتا اور نہ اوپر سے کوئی نیچے آ سکتا تھا۔ نیچے مشعلیں جل اٹھیں۔ ان کی روشنی میں جب فوجیوں اور شہریوں نے دیکھا کہ سیڑھیوں سے خون نیچے بہتا آ رہا ہے تو ان کے حوصلے بالکل ہی پست ہو گئے اور ان پر دہشت طاری ہو گئی۔

مجاہدینِ اسلام ایک معجزہ کر کے تاریخ کے دامن میں ڈال رہے تھے۔ غیرمسلم مؤرخوں نے بھی ان مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ناممکن کو ممکن کر کے دکھا رہے تھے۔

یہ سالار زبیرؓ بن العوام کی دعا تھی جو اللہ نے قبول کی اور پوری ہو رہی تھی۔ انہوں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی تھی کہ میری قربانی مجاہدینِ اسلام کی فتح کا سبب بنے۔

یہ ان خواتین کی دعاؤں کا بھی اثر تھا جو وہ خندق سے کچھ دور نفل پڑھ پڑھ کر اللہ کے حضور مانگ رہی تھیں۔

ان خواتین میں اوسامہ بن اظہری کی ماں بھی تھی جو صرف اپنے بیٹے کی زندگی کی ہی دعائیں نہیں مانگ رہی تھی بلکہ اس کی زبان پر یہی ایک التجا تھی کہ اللہ اپنے ان جانبازوں کو فتح عطا کر لیکن اسے اپنا بیٹا یاد آتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے

سکے۔ اس نے صرف ایک بار کہا' یا اللہ' میرا ایک ہی بیٹا رہ گیا تھا' وہ بھی تیرے نام پر قربانی کے لئے پیش کر دیا ہے۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔

یہ دعائیں بھی بے اثر نہیں جا رہی تھیں۔

اوسامہ بھی جاگ اٹھا تھا اور باہر نکل آیا تھا۔ اس نے لوگوں سے سنا کہ مجاہدین دیوار پر آ گئے ہیں اور اب کوئی رومی فوجی اوپر نہیں جا سکتا۔ نیچے جب مشعلیں جلیں تو اوپر دیوار پر مجاہدین نے بھی مشعلیں جلالیں۔ اس سے نیچے کے لوگوں پر اور زیادہ دہشت طاری ہو گئی۔

اوسامہ کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تھیوڈور کے فیصلے کے مطابق یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے لیکن اللہ کے فیصلے نے زمین پر رہنے والوں کے تمام فیصلے رد کر دیئے تھے۔ اوسامہ کی ماں کے سینے سے نکلی ہوئی یہ فریاد کہ میں اکیلی رہ جاؤں گی' اللہ نے سن لی تھی۔

وہ تھیوڈور جس نے اوسامہ کی سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا تھا' شہر کے اندر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اپنی فوج پر اس کی کمانڈ ختم ہو چکی تھی۔ وہ اپنے جرنیلوں اور دیگر افسروں کو ڈھونڈتا اور پکارتا پھر رہا تھا لیکن اس کے اپنے ہی فوجی اور شہری بھاگتے دوڑتے اس کے ساتھ ٹکراتے گزرتے جا رہے تھے۔ کسی نے دیکھا تک نہیں کہ یہ فوج کا سپریم کمانڈر اور مقوقس کی جگہ اس کی حیثیت فرمانروائے مصر جیسی ہے۔

اوسامہ اوپر جا کر اپنے لشکر سے جا ملنا چاہتا تھا لیکن جن سیڑھیوں سے چڑھنے لگتا انہیں لاشوں سے اٹا ہوا دیکھا۔ اوپر جانا ممکن نہیں تھا۔ آخر وہ ایک سیڑھیوں سے لاشوں کے اوپر چلتا گرتا اٹھتا اوپر چلا ہی گیا۔ دو تین مجاہد تلواریں تانے اس کی طرف لپکے تو اس نے ہاتھ اوپر کر کے کہا کہ میں تمہارا ہی آدمی ہوں' اوسامہ بن اظہری۔ وہ اب آزاد تھا۔ وہ سپہ سالار کو ڈھونڈنے لگا۔ اسے اب اس قلعہ بند بڑے شہر کا گائیڈ بننا تھا۔ اس نے معلوم کر لیا تھا کہ اسلحہ خانہ کہاں ہے' خزانہ کہاں ہے اور اسی طرح کچھ اہم اور ڈھکی چھپی جگہیں تھیں جو اس نے دیکھ لی تھیں۔ وہ یہ ساری جگہیں سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتانا اور ان کی رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔

O

اب دیوار کے چاروں طرف مجاہدین کا فاتحانہ شور و غل اور تکبیر کے نعرے بڑھتے اور

بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی فوج کا دم خم بڑی ہی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ فوج اور شہر کے لوگوں پر جس وجہ سے زیادہ دہشت طاری ہوئی وہ یہ تھی کہ جرنیلوں تک نے انہیں یقین دلایا تھا کہ اب مسلمان تو کیا' دنیا کی کوئی طاقت خندق عبور نہیں کر سکتی۔ رومی فوجی اور شہری حیرت زدہ تھے کہ مسلمان آخر کس طرف سے آئے ہیں۔

مجاہدین اسلام کے متعلق رومی فوج میں یہاں تک کہا سنا جا رہا تھا کہ انہیں جنّات کی طاقت حاصل ہے یا جنّات ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ تاثر مجاہدین کی پہلی فتوحات سے پیدا ہوا تھا۔ اب بابلیون میں لوگ اسے سچ ماننے لگے اور ان میں جو سب سے زیادہ خوف زدہ تھے' انہوں نے یقین کے ساتھ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو جنّات کی مدد حاصل ہے' ان کے مقابلے میں کوئی نہ آئے۔

کئی فوجی قلعے کے دریا والے دروازے کی طرف چلے گئے۔ وہ اس دروازے سے بھاگ نکلنا چاہتے تھے۔ انہیں امید تھی کہ کشتیاں تیار ہوں گی اور وہ انہیں دریا کے وسط والے جزیرے تک پہنچا دیں گی لیکن وہ دروازہ کھولا نہیں جا رہا تھا۔ وہاں جو رومی فوجی پہرے پر موجود تھے وہ کہتے تھے کہ یہ دروازہ کھولا تو مسلمان اس طرف سے اندر آ جائیں گے۔

ایک روایت یہ ہے کہ زبیرؓ بن العوام چند ایک مجاہدین کے ساتھ نیچے چلے گئے اور قلعے کے دو تین دروازے کھول دیئے لیکن یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ معروف اور مستند تاریخ نویس طبری نے کچھ قابل اعتماد حوالے دے کر اور کچھ استدلال کا سہارا لے کر لکھا ہے کہ جرنیلوں نے اپنی فوج کی افراتفری' شہریوں کی نفسا نفسی دیکھی اور پھر یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا پورا لشکر دیوار پر آ گیا ہے اور رومی فوج دیوار پر جا ہی نہیں سکتی اور بھاگنے کے راستے دیکھ رہی ہے تو جرنیلوں نے اعلان کروایا کہ جو کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنرل تھیوڈور کے حکم سے نیچے سے اعلان کیا گیا کہ وہ مقابلہ نہیں کریں گے اور صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ ڈر کے مارے کوئی قاصد اوپر نہیں جا رہا تھا۔ طبری کی تحریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص بھی دیوار پر آ گئے تھے۔ انہوں نے تھیوڈور کا اعلان سنا تو اس کے جواب میں اعلان کر دیا کہ جرنیل اوپر آ جائیں اور بات کریں۔

"ہم یہاں کا سارا خزانہ تمہارے حوالے کر دیں گے" — تھیوڈور نے اعلان کر دیا — "یہ لے کر دیوار سے باہر کو اسی طرح اتر جاؤ جس طرح چڑھے تھے اور خندق کی حدود سے بھی نکل جاؤ.... اس کے علاوہ کچھ اور چاہئے تو ہم وہ بھی پیش کر دیں گے"۔

"ہمیں جو کچھ چاہئے اب وہ ہم خود ہی لے لیں گے" — عمروؓ بن عاص نے اعلان کروایا — "ہم دیوار سے باہر کو نہیں اندر کو اتریں گے۔ دو تین جرنیل اوپر آ جائیں"۔

اس کے ساتھ ہی عمروؓ بن عاص نے چند ایک مجاہدین کو حکم دیا کہ دیوار کے چاروں طرف یہ اعلان کرتے جائیں کہ شہر کے لوگ نہ بھاگیں۔ ان کی جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے گی' انہیں امان دی جائے گی اور ہمارے لشکر کا کوئی فرد کسی گھر میں داخل نہیں ہو گا اور سب کی عزت کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔

"ہم اوپر آ جائیں" — جرنل تھیوڈور نے بلند آواز سے کہا — "لیکن اس کی کیا ضمانت کہ ہمیں گرفتار یا ہلاک نہیں کر دیا جائے گا"۔

"گرفتار یا ہلاک کرنا ہو تو ہم نیچے آ کر بھی کر سکتے ہیں" — سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اب کے کسی اور سے کہلوانے کی بجائے خود اوپر سے جھک کر نیچے دیکھا اور کہا — "ہے کوئی تم لوگوں کو ہم سے بچانے والا؟.... ہم مسلمان ہیں' وہی کرتے ہیں جو ہم زبان سے کہتے ہیں۔ ہم دھوکے میں قتل نہیں کیا کرتے۔ بے دھڑک اوپر آ جاؤ"۔

جرنل تھیوڈور اُس جگہ کھڑا تھا جہاں سے عمروؓ بن عاص اوپر سے جھک کر بات کر رہے تھے۔ تھیوڈور نے جرنیل جارج کو اپنے ساتھ لیا اور قریبی سیڑھیوں سے اوپر چڑھنے لگا لیکن سیڑھیاں لاشوں سے اَٹی پڑی تھیں۔ تھیوڈور نے اپنے محافظ دستے سے کہا کہ وہ لاشیں گھسیٹ کر نیچے پھینکیں۔ محافظوں نے بڑی تیزی سے رومی فوجیوں کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر نیچے پھینکیں اور دونوں جرنیل اوپر چلے گئے۔ صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے عمروؓ بن عاص رومی جرنیلوں کے ساتھ مجاہدین سے دور ہٹ گئے۔

"اب بتاؤ کیا چاہتے ہو!" — عمروؓ بن عاص نے پوچھا — "یہ پیشِ نظر رکھ کر اپنی شرط پیش کرنا کہ تمہاری فوج لڑ نہیں رہی بلکہ بھاگ بھاگ کر پناہیں ڈھونڈ رہی ہے"۔

"تین دنوں کی مہلت!" — تھیوڈور نے کہا — "ہمیں تین دنوں کی مہلت دی جائے کہ ہم قلعہ خالی کر دیں اور اس کے بعد قلعے پر تمہارا قبضہ ہو گا"۔

"مجھے یہ شرط منظور ہے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "تیسرے دن کا سورج ردب ہوجائے گا تو جو فوجی قلعے میں رہ جائے گا اسے قتل کر دیا جائے گا یا جنگی قیدی بنا لیا ائے گا"۔

تاریخ میں آیا ہے کہ عمروؓ بن عاص نے تھیوڈور کی شرط قبول کر لی تو سالار زبیرؓ ن العوام نے عمروؓ بن عاص کا بازو پکڑا اور انہیں ایک طرف لے گئے۔

"خدا کی قسم سپہ سالار!" — سالار زبیرؓ نے کہا — "تھوڑی سی دیر اور صبر کر لیں دران کی بات نہ مانیں' مجھے نیچے جانے دیں۔ پہلے میں قلعے پر اور ان کے شاہی محل پر قبضہ کر لوں پھر ہم ان پر اپنی شرائط مسلّط کر کے معاہدہ کریں گے۔ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ ین دنوں میں قلعہ خالی کر دیں گے' اس میں کوئی راز ہے۔ ابھی ان کے ساتھ معاہدہ نہ کریں۔ انہیں نیچے بھیج دیں اور ہم اپنے طور پر قلعے پر باقاعدہ قبضہ کریں گے۔ ہو سکتا ہے ہم انہیں کہیں کہ اپنی آدھی فوج یا اس سے کچھ کم ہماری قید میں دے دو اور قلعے سے نکل جاؤ"۔

"نہیں زبیرؓ بن العوام!" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "میں تمہارا مشورہ اچھی طرح سمجھتا ہوں اور تم جو کہہ رہے ہو' ہونا یہی چاہئے لیکن میں امیرالمومنین کے حکم کا ابند ہوں۔ امیرالمومنین کا حکم ہے کہ دشمن تمہارے آگے جھک جائے اور صلح کی پیش کش کرے تو فوراً قبول کر لو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مزید خون بہائے بغیر ہم اپنا مقصد پا سکتے ہیں تو کیوں نہ ابھی جنگ روک دیں۔ ہمیں مجاہدین کی جانیں اور ان کا خون بچانا ہے۔ قلعہ تو ہم نے لے ہی لیا ہے"۔

سپہ سالار اور سالار زبیرؓ نے آپس میں صلح مشورہ کر کے وہ شرائط طے کر لیں جو ان رومی جرنیلوں سے منوانی تھیں۔ دونوں ان کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

"قلعہ خالی کرنے کے لئے ہم تمہیں تین دن دیتے ہیں" — عمروؓ بن عاص نے تھیوڈور سے کہا — "قلعہ خالی ہونے تک تم دونوں یہاں ہمارے پاس یرغمال کے طور پر رہو گے۔ قلعے میں جو اسلحہ ہے اور جو خزانہ ہے اور جو دیگر مال و دولت ہے تم اس میں سے کچھ بھی نہیں لے جا سکو گے' یہ سب مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہو گا۔ فوج بغیر ہتھیاروں کے قلعے سے نکلے گی"۔

دونوں جرنیلوں نے بلا حیل و حجت یہ شرائط قبول کر لیں۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا

کہ وہ کس قدر مجبور اور کمزور ہو چکے ہیں۔ وہ تو جیسے اپنی صرف جانیں بچانے کی فکر میں تھے۔

عمروؓ بن عاص نے انہیں کہا کہ وہ اوپر سے ہی نیچے حکم بھیجیں کہ خندق پر پُل ڈال دیئے جائیں۔ تھیوڈور نے اوپر سے ہی کسی سے کہا کہ خندق پر پُل گرا دیئے جائیں۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی.... تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ پل کس طرح ڈالے اور اٹھائے جاتے تھے۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ صدر دروازے کے اندر کوئی ایسا انتظام تھا جہاں سے پُل اٹھائے جاتے تھے اور گرا بھی دیتے تھے۔ پُل گرانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی تھی کہ مجاہدین کا پورا لشکر ابھی قلعے کے قریب نہیں آیا تھا۔ آدھے سے زیادہ لشکر خندق سے باہر تھا۔ اتنا لشکر ایک ہی راستے سے نہیں آ سکتا تھا۔ پل گرائے گئے تو سارا لشکر تھوڑے سے وقت میں خندق عبور کر آیا۔ عمروؓ بن عاص نے دیوار پر کھڑے کھڑے حکم دیا کہ لشکر باہر اگلے حکم کے انتظار میں رک جائے۔

عمروؓ بن عاص نے دونوں رومی جرنیلوں سے کہا کہ اپنے قاصدوں کو اوپر بلالیں اور انہیں کہیں کہ سارے شہر میں اعلان کر دیں کہ جنگ بند ہو گئی ہے اور فوج ہتھیار رکھ دے اور باہر نکلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی فوجی یا شہری کوئی قیمتی چیز اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔

دیوار پر پھر پھر کر تین چار مجاہدین اعلان کر رہے تھے کہ شہری بھاگنے کی کوشش نہ کریں' انہیں امان میں لے لیا جائے گا اور ان کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہو گی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے دریا والے دروازے پر مجاہدین کی کچھ نفری تعینات کر دی جس کا کام یہ تھا کہ باہر جانے والے فوجیوں اور شہریوں کی تلاشی لیں پھر انہیں جانے دیں۔ فیصلہ یہ ہُوا تھا کہ رومی فوج کا انخلاء مکمل ہو جائے گا تو مجاہدین شہر میں داخل ہوں گے اور پھر ان دونوں جرنیلوں کو جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

○

بابلیون شہر بہت ہی وسیع و عریض تھا۔ مصر میں جس کی بھی بادشاہی آئی اس نے اس شہر کو بہت ہی اہمیت دی اور اس کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ اہمیت ابھی تک قائم تھی۔ اس شہر کی دفاعی پوزیشن بھی بہت اچھی تھی۔ مصر کا دارالحکومت تو

سکندریہ تھا لیکن بابلیون کو سکندریہ سے زیادہ اونچا مقام حاصل تھا۔

قلعہ شہر کے ایک طرف تھا۔ اس کے اوپر بڑے بڑے برج اور برجیاں تھیں۔ دیوار سارے شہر کے ارد گرد کھڑی کی گئی تھی۔ اس پر بھی کئی جگہوں پر برجیاں بنائی گئی تھیں .... اس شہر کے متعلق تمام تر تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں' یہاں یہ ذکر اس لئے آیا ہے کہ یہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ مجاہدین اور ان کے سالار ابھی قلعے کے اوپر کھڑے تھے اور انہوں نے ابھی پورا شہر نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے حکم دے دیا تھا کہ شہر خالی کر دیا جائے لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ شہر کس طرح خالی ہو رہا ہے اور لوگ کیا کر رہے ہیں۔ سپہ سالار نے یہ تسلّی کر لی تھی کہ فوج کا انخلاء شروع ہو گیا ہے۔ شہر کے نظم و نسق کی بحالی کے لئے جو کچھ کرنا تھا وہ رومیوں کے نکل جانے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے یہ تو دیکھ لیا کہ رومی فوج کا انخلاء شروع ہو گیا ہے لیکن یہ نہ دیکھ سکے کہ یہ بدبخت رومی جاتے جاتے شہر کی کچھ آبادی کا خون بہا گئے ہیں۔ یہ اُس وقت پتہ چلا جب فوج نیچے گئی اور مجاہدین نے اندر جا کر شہر پر اپنا قبضہ کیا۔

ہُوا یوں کہ رومیوں نے سینکڑوں قبطی عیسائیوں کو قید میں ڈال رکھا تھا۔ یہ محض تعصب کا مظاہرہ تھا۔ یہ قبطی ہرقل کی عیسائیت کو قبول نہیں کرتے تھے اور اس کے خلاف تبلیغ میں بھی مصروف پائے گئے جو ایک جرم تھا۔ انہیں ہمیشہ کے لئے قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ قید خانے کا تمام عملہ رومی تھا۔ اس عملے کو جب حکم ملا کہ شہر خالی کرنا ہے اور وہ یہاں سے نکل چلیں تو انہوں نے اسے ایک بہت بڑی چوٹ اور صدمہ سمجھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف تو کوئی کارروائی کر نہیں سکتے تھے' انہوں نے غصہ ان قبطی قیدیوں پر نکالا اور وہ بھی ایسی بے دردی سے کہ تمام قیدیوں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور خود وہاں سے چلے گئے۔

یہ تو قید خانے میں ہُوا جس کا باہر کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ شہر کے اندر رومی فوجیوں نے اپنی شکست کا انتقام مصری عیسائیوں سے لیا اور یہ بھی ایسی بے دردی کہ وہ کئی گھروں میں جا گھسے' ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی اور کسی نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو اسے قتل کر دیا۔ بہت سے قبطی عیسائی ان کے ہاتھوں زخمی ہوئے۔ رومیوں نے لُوٹ مار بھی کی لیکن وہ کوئی چیز اپنے ساتھ باہر نہیں لے جا سکتے تھے۔

یہاں چھوٹا سا ایک اور واقعہ ہو گیا۔ جن مجاہدین کو دریا والے دروازے پر اس کام کے لئے بھیجا گیا تھا کہ شہر خالی کر کے جانے والوں کی تلاشی لے کر جانے دیں ان میں اوسامہ بن اظہری بھی تھا اور اس کے تین چار اور جاسوس ساتھی بھی تھے۔

رومی فوجی نکل رہے تھے اور ہر ایک کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ یک لخت کچھ شہریوں اور فوجیوں کا ایک ریلا آ گیا جن پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ انہیں پیچھے دھکیل کر اکیلے اکیلے گزرنے کو کہا جانے لگا اور وہاں اچھی خاصی افراتفری پیدا ہو گئی۔ اوسامہ کو یوں آواز آئی جیسے کسی عورت نے اسے پکارا ہو۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور اس نسوانی آواز نے ایک بار پھر اسے پکارا۔

اس نے اُدھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی تو یہ منظر نظر آیا کہ دو رومی فوجی اُس لڑکی کو جس کے ساتھ اوسامہ کی محبت تھی اور گزشتہ رات تھیوڈور کے پاس تھی، اپنے درمیان لئے ایک طرف گھسیٹ اور دھکیل رہے تھے اور لڑکی اوسامہ کو پکار رہی تھی۔ اس وقت باہر جانے والوں کے ہجوم میں افراتفری مچی ہوئی تھی اس لئے کوئی ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اوسامہ نے اپنے ایک جاسوس ساتھی کو ساتھ لیا اور ہجوم کو چیرتا ہُوا لڑکی تک پہنچا۔ دونوں فوجی اسے چھوڑ کر وہاں سے کھسکنے لگے لیکن اوسامہ اور اس کے ساتھی نے انہیں پکڑ لیا۔ لڑکی بُری طرح رو رہی تھی۔ اوسامہ نے اس سے پوچھا کہ اسے کیا ہُوا ہے اور یہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔

"انہوں نے میری ماں کو اور میرے باپ کو قتل کر ڈالا ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "میرے گھر سے زیورات بھی اٹھا لئے ہیں اور مجھے گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں"۔

ان دونوں فوجیوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا کہ وہ لڑنے پر اتر آتے۔ تمام فوجیوں کو سپہ سالار کے حکم سے نہتّہ کر دیا گیا تھا۔ اوسامہ اور اس کا ساتھی انہیں اور لڑکی کو دھکیلتے ہوئے ہجوم میں سے نکال کر کچھ دور لے گئے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا اور بڑا پرانا سا ایک مکان تھا جس کا دروازہ کھلا ہُوا تھا۔ اوسامہ کے کہنے پر انہیں اس مکان میں لے گئے۔ مکان کے دو ہی کمرے تھے اور دونوں خالی تھے۔

ایک کمرے میں لے جا کر دونوں فوجیوں کی تلاشی لی گئی تو ان کے کپڑوں کے

اندر سے ایک تھیلی بر آمد ہوئی جس میں زیورات تھے۔ یہ انہوں نے اس لڑکی کے گھر سے اٹھائے تھے۔ دونوں فوجیوں نے ہنس ہنس کر کہنا شروع کر دیا کہ یہ لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ ہم نے سوچا کہ اسے ساتھ لے چلیں۔ زیورات تم رکھ لو، ہمیں یہ لڑکی ساتھ لے جانے دو۔

"اور اس کے ماں باپ کو تم نے قتل کیا ہے"۔۔۔ اوسامہ نے کہا۔۔۔ "کیا یہ خون بھی تمہیں بخش دیں؟ ایک کمسن لڑکی کو تم نے یتیم کر دیا ہے"۔

"یہاں تو کئی لوگ قتل ہو گئے ہیں"۔۔۔ ایک فوجی نے کہا۔۔۔ "اس کے ماں باپ قتل ہو گئے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی"۔

اوسامہ نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے طے کر لیا کہ کیا کرنا ہے۔ دونوں نے بیک وقت خنجر نکالے اور دوسرے ہی لمحے یہ خنجر ان رومی فوجیوں کے پیٹوں میں اترے ہوئے تھے۔ دونوں مجاہدین نے ان فوجیوں کے پیٹ چاک کر دیئے۔ دونوں گر پڑے۔ مجاہدین لڑکی کو ساتھ لے کر باہر آ گئے۔

"میں اب کہاں جاؤں!"۔۔۔ لڑکی نے روتے ہوئے اوسامہ سے پوچھا۔۔۔ "گھر میں تو میرا رہا ہی کوئی نہیں"۔

"کیا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟"۔۔۔ اوسامہ نے زیورات کی تھیلی لڑکی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔۔۔ "کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی؟ کیا تم نے میرے ساتھ رہنے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟"

"کیا تھا"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "لیکن میں تمہارے ساتھ بے وفائی کر چکی ہوں اور میں بہت شرمسار ہوں"۔

"بے وفائی کیسی؟"۔۔۔ اوسامہ نے پوچھا۔

لڑکی نے اوسامہ کو گزشتہ رات کی ساری بات سنا ڈالی جو تھیوڈور کے سونے کے کمرے میں ہوئی تھی۔ اس نے کچھ بھی نہ چھپایا اور کہا کہ اس اتنے بڑے جرنیل نے اس کا دماغ ہی پھیر ڈالا تھا اور وہ تصوّروں میں مصر کی ملکہ بن گئی تھی۔

"اب یقین آیا ہے کہ تمہارا خدا سچا ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "تمہارا مذہب بھی سچا ہے اور برحق ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس وقت تم زندہ نہ ہوتے میں نے تو تمہیں پکڑوا دیا تھا۔ اگر میرا یہ گناہ معاف کر سکتے ہو تو مجھے اسلام میں داخل کر لو اور اپنے ساتھ

لے چلو"۔

"میں تمہیں تمہارے ماں باپ واپس نہیں دلوا سکتا" — اوسامہ نے کہا — "یہ زیورات تمہارے ہیں، تمہیں لوٹا دیئے ہیں۔ سچ اور جھوٹ کو، حق اور باطل کو سچے دل سے سمجھ گئی ہو تو میرے ساتھ آجاؤ۔ کسی بھی مسلمان کے پاس بیٹھ جاؤ گی تو تھوڑی ہی دیر بعد کہہ اٹھو گی کہ یہ تو میرا وہ باپ ہے جسے رومیوں نے قتل کر دیا تھا۔ مسلمانوں میں لٹیرے نہیں ہُوا کرتے۔ ان کے پاس شفقت اور انسانی ہمدردی ہے میں تمہیں اپنے سپہ سالار کے پاس لے جاؤں گا تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ میں تمہیں زبردستی نہیں لایا اور تم اپنی خوشی اور رضا سے اسلام قبول کر کے میرے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو"۔

اوسامہ نے جب لڑکی کی یہ باتیں سنیں تو اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسے قتل کروانے والا جرنیل اس وقت مسلمانوں کی قید میں یرغمال کے طور پر ایک برجی میں بیٹھا ہُوا تھا اور اوسامہ فاتح کی حیثیت سے سر اونچا کر کے اس جرنیل کے قلعے میں گھوم پھر رہا تھا اور اپنے سپہ سالار کے حکم منوا رہا تھا۔

اوسامہ لڑکی کو سپہ سالار کے پاس لے گیا اور انہیں ساری بات سنائی۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے لڑکی سے دو چار باتیں پوچھیں اور اسے شفقت اور پیار سے مسلمان خواتین کے پاس بھیج دیا۔ اسکے زیورات اس کے پاس رہنے دیئے۔

سپہ سالار کو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ رومی فوجی شہر کے ایک حصے میں شہریوں کا خون خرابہ کر گئے ہیں۔ اس لڑکی کو بھی معلوم نہیں تھا ورنہ وہ بتا دیتی۔ اُس کے اپنے ماں باپ قتل ہو گئے تھے اس لئے اسے گردوپیش کا کوئی ہوش ہی نہ تھا۔

○

دو دنوں میں فوج قلعہ خالی کر گئی۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص اپنے سالاروں کے ساتھ پہلی بار نیچے اترے۔ ان کے ساتھ دونوں رومی جرنیل 'تھیوڈور اور جارج' تھے۔ پہلے تھیوڈور کی محل جیسی رہائش گاہ میں گئے۔ تمام خزانہ نکلوایا اور دونوں جرنیلوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل جائیں۔

شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور مجاہدین کا لشکر اللہ اکبر کے نعرے لگاتا شہر میں داخل ہُوا۔ اس وقت عمروؓ بن عاص باہر کھڑے تھے جیسے اپنے لشکر کا استقبال کرنے آئے ہوں۔ ایک طرف سے دو تین سو شہریوں کا ہجوم جلوس کی شکل میں سپہ سالار کی

طرف آتا نظر آیا۔ اس ہجوم میں عورتیں بھی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ ماتم کرتے آرہے ہوں۔ دور سے ہی نظر آتا تھا کہ کئی ایک کے کپڑوں پر خون کے بڑے بڑے داغ دھبے تھے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ جا کر ان سے پوچھے کہ وہ کیوں ادھر آرہے ہیں۔

سالار دوڑا گیا اور ان سے پوچھا۔ ان لوگوں نے سالار کو بتایا کہ رومی فوجی ان کا کس طرح خون خرابہ کر گئے ہیں اور اب یہ لوگ یہ شکایت لے کر مجاہدین کے سپہ سالار کے پاس آئے ہیں۔ سالار نے واپس آکر عمروؓ بن عاص کو بتایا تو انہوں نے بجائے اس کے کہ انہیں اپنے پاس بلاتے بلکہ خود ان تک جا پہنچے اور کہا کہ انہیں بتایا جائے کہ ان پر کس نے یہ ظلم کیا ہے۔

"ہم یہی بتانے آئے ہیں" — ایک بزرگ سے آدمی نے آگے ہو کر کہا — "لیکن یہ بتانے سے پہلے ہم یہ فریاد لے کر آئے ہیں کہ ایک وہ تھے جو ہمارے کئی آدمیوں اور عورتوں کو قتل کر گئے ہیں اور اب تم لوگ ہمارے گھروں کو لوٹنے آگئے ہو۔ یہ تو بتا دو کہ ہمارا قصور کیا ہے جس کی ہمیں سزا ملی ہے اور باقی آپ سے ملے گی"۔

"کیا تم لوگوں نے ہماری طرف سے وہ اعلان نہیں سنے تھے؟" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "ہم دیوار پر کھڑے یہ اعلان کرتے رہے کہ کوئی شہری بھاگنے کی کوشش نہ کرے، شہریوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کریں گے اور امان میں رکھیں گے۔ ہم لُوٹنے نہیں آئے کچھ دینے آئے ہیں .... جس وقت رومی تمہارے گھروں میں قتل و غارت کر رہے تھے اُس وقت ہمیں اطلاع دینی تھی، پھر تم دیکھتے کہ ہم انہیں زندہ کس طرح جانے دیتے ہیں.... اب بتاؤ تم پر کیا بیتی ہے"۔

ان لوگوں نے اپنی اپنی بپتا سنانی شروع کر دی۔ کسی نے کہا کہ اس کی بیٹی کو بے آبرو کیا گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس کے گھر کے دو آدمی مارے گئے ہیں کیونکہ وہ گھر کی عورتوں کی عزت کی حفاظت میں مقابلے پر آگئے تھے۔ اس ہجوم میں جو بڑھتا جا رہا تھا کئی آدمی زخمی تھے اور کچھ ایسے زخمی جن کے زخم خاصے گہرے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ سب مصری ہیں اور قبطی عیسائی۔

ان لوگوں میں سے ہی کسی نے بتایا کہ اسے پتہ چلا ہے کہ قید خانے میں جو قبطی عیسائی قید تھے، رومی ان کے ہاتھ کاٹ گئے ہیں۔ اُس وقت عمروؓ بن عاص نے کچھ

مجاہدین کو قید خانے کی طرف دوڑایا۔ ان کے ساتھ ایک حاکم کو بھی بھیج دیا جسے قید خانے کی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ شہر میں جتنے لوگ زخمی ہیں ان کی مرہم پٹی کا انتظام فوراً کیا جائے اور انہیں کھانا پینا اپنی طرف سے دیا جائے۔ یہ حکم دے کر سپہ سالار قید خانے کی طرف چلے گئے۔

وہاں ان لوگوں کی حالت دیکھ کر جن کے ہاتھ کاٹے گئے تھے' سپہ سالار کانپ اٹھے۔ ان کا خون بہتا رہا تھا اس لئے کچھ تو مر ہی گئے تھے اور باقی بے ہوش پڑے ایک ایک کر کے مر رہے تھے۔ ایک دن پہلے ان کے ہاتھ کاٹے گئے تھے۔ سپہ سالار کے حکم سے انہیں اٹھایا گیا جو ابھی زندہ تھے اور فوری مرہم پٹی کا انتظام کیا گیا۔ انہیں شہد ملا دودھ بھی پلایا گیا اور اس طرح ان میں سے چند ایک کو بچا لیا گیا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے قید خانے سے واپس آتے اپنے سالاروں سے کہا کہ ان نہتّے شہریوں پر رومی فوج کا یہ ظلم و ستم بڑا ہی افسوس ناک ہے لیکن ان کے اس صدمے میں ہم یہ رویّہ اختیار کریں کہ ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت سے پیش آئیں جیسا کہ اسلام کا حکم ہے' ان کے دلوں میں رومیوں کی نفرت پیدا ہو گی اور ان کے خلاف یہ غم و غصے سے بھرے ہوئے رہیں گے۔

"اپنے ساتھ مبلّغ بھی ہیں" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "انہیں کہو کہ گھر گھر جائیں ان لوگوں کی دلجوئی کریں اور انہیں جیسی بھی مدد چاہئے وہ دیں اور پھر انہیں کہیں کہ اب اسلام کی برکت اور رحمت کو بھی دیکھیں"۔

سپہ سالار وہاں سے پھر فرمانروائے مصر کے محل میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ چار پانچ سالار تھے اور کچھ تعداد دوسرے مجاہدین کی بھی تھی۔ اب انہوں نے سارے محل میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ایسی شاہانہ طرزِ بود و باش اور ایسی بیش قیمت اشیاء' فرنیچر اور فانوس وغیرہ دیکھ کر عرب کے یہ مجاہدین حیران ہوئے جا رہے تھے۔

"غور سے دیکھو اور عبرت حاصل کرو" — سالار زبیرؓ بن العوام نے مجاہدین سے کہا — "اگر یہ شاہانہ طرزِ رہائش ہمارے نصیب میں آئی ہوتی تو ہم خندق عبور کرنے کی سوچ بھی نہ سکتے۔ ان رومیوں کو اس شاہانہ زندگی نے شکست دلوائی ہے۔ دیکھ لو' اس قدر خزانہ اور ایسی شہنشاہیت یہیں رہ گئی ہے اور وہ لوگ جو یہاں رہتے تھے' صرف پہنے

ہوئے کپڑوں میں یہاں سے شکست خوردگی کے عالم میں نکلے ہیں.... وہ لوگ جو دنیا میں ہی اپنے لئے جنّت بنا لیتے ہیں' اللہ انہیں دنیا میں ہی جہنّم کا عذاب دکھا دیتا ہے"۔

"اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "انہوں نے جن بے گناہ قیدیوں کے ہاتھ کاٹے ہیں اور جن پر ظلم و ستم کر گئے ہیں ان کی بددعائیں انہیں اب جہنّم کا عذاب ہی دکھائیں گی۔ فتح ایمان والوں کی ہوتی ہے اور ان کی بنی نوع انسان سے محبت کرتے ہیں"۔

رومی فوج نے 16 اپریل 641ء کے روز بابلیون کا شہر خالی کیا اور مسلمانوں نے اس پر اپنا قبضہ مکمل کر لیا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے وہیں بیٹھ کر امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوایا جس میں اتنی بڑی فتح کی خوشخبری لکھی اور تفصیل سے لکھوایا کہ اس فتح کا سہرا سالار زبیرؓ بن العوام کے سر ہے اور انہوں نے کس طرح خندق عبور کی اور پھر رومیوں سے کس طرح ہتھیار ڈلوا کر بغیر خون بہائے ان سے شہر خالی کروا لیا گیا۔ آخر میں انہوں نے لکھوایا کہ اب وہ مصر کے دارالحکومت سکندریہ کی طرف کوچ کی اجازت چاہتے ہیں۔ انہوں نے لکھوایا کہ یہ اجازت جلدی ملنی چاہئے تاکہ رومی فوج کو ستانے اور دم لینے کا موقع نہ مل سکے۔ یہ پیغام لکھوا کر انہوں نے قاصد سے کہا کہ وہ بہت ہی تھوڑے وقت میں مدینہ پہنچے اور یہ پیغام دے کر جواب لے آئے۔

بابلیون کی فتح کوئی عام سی فتح نہیں تھی۔ اس اتنے بڑے شہر اور اس اتنے مستحکم قلعے کو فتح کر لینے سے مصر میں مجاہدین کی فتوحات کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے آدھا مصر فتح کر لیا تھا جس کا بابلیون والا علاقہ ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان پورا کر دیا کہ ہم نے تمہیں دین کے دشمنوں کے ان زرخیز علاقوں اور خزانوں تک پہنچایا جو کبھی تمہارے تصوّر میں بھی نہیں آئے تھے.... یہ حقیقت ہے کہ بابلیون جیسی جگہ مسلمانوں کے تصوّر میں کم ہی کبھی آئی ہو گی۔ یہ اللہ کا ایک عظیم انعام تھا۔

مصر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ علاقہ فرعونوں کا محبوب علاقہ تھا۔ قلعے کی دیواروں پر کھڑے ہو جاتے تو ابوالہول اور فرعونوں کے اہرام نظر آتے تھے اور نیل کی اپنی ہی ایک دلکشی تھی۔ بابلیون کا شہر فرعونوں نے ہی بسایا تھا۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے یہیں کہیں فرعون کا طلسم سامری اپنے عصا سے توڑا تھا۔ وہاں جگہ جگہ فرعونوں کے دَور کے آثار نظر آتے تھے اور تمام تر علاقے میں بکھرے ہوئے تھے۔

بابلیون فتح کر لینے سے جزیرہ روضہ بھی مسلمانوں کے تسلّط میں آ گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے حکم دیا کہ بابلیون کے دریا والے دروازے سے جزیرے تک کشتیوں کا پُل بنا دیا جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل شروع ہو گئی۔ شہر کے لوگوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا تھا کہ انہوں نے ان کے گھروں کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا اور انہیں ہر طرح کی مدد بہم پہنچائی تھی۔ اس کے اثرات یہ تھے کہ جب کشتیوں کا پُل تیار ہونے لگا تو شہر کے لوگ دوڑے گئے اور اس کام میں مجاہدین کا ہاتھ بٹانے لگے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے ساتھ لشکر کی نفری کم تھی۔ اسی نفری میں سے شہر کی انتظامیہ کے کام بھی کروانے تھے اور نظم و نسق بھی بحال کرنا تھا' کشتیوں کا پُل بھی بننا شروع ہو گیا تھا اور کئی اور کام تھے جو فوری طور پر کرنے والے تھے۔ مجاہدین کی تعداد اتنی ہی تھی جسے ان کاموں میں لگا دیا جاتا تو عسکری ذمہ داریاں التوا میں پڑ جاتی تھیں۔ اس کا علاج یہ سوچا گیا کہ رومیوں کے دورِ حکومت میں جو قبطی عیسائی شہری انتظامیہ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے' انہیں ہٹایا نہ گیا بلکہ یہ کام انہی کے سپرد کر دیئے گئے۔ اردگرد کے علاقے میں اپنے لشکر کی کچھ نفری رکھنی لازمی تھی۔ سپہ سالار کا مقصد یہ بھی تھا کہ قبطیوں کو اعتماد میں لے کر انہیں اہمیت دی جاتی رہے تاکہ یہ بغاوت کی نہ سوچ سکیں۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ ہو گیا جو مؤرخوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ واقعہ یوں ہُوا کہ کوتوال کے محکمے میں اکثریت قبطی عیسائیوں کی تھی۔ اسے آج کی زبان میں پولیس کہہ لیں۔ عمروؓ بن عاص نے پولیس کے فرائض قبطیوں کے پاس ہی رہنے دیئے اور ان کی نفری میں اضافہ کر دیا۔ اس محکمے میں اپنے مجاہدین کو بھی شامل کیا گیا لیکن بہت ہی تھوڑی تعداد میں۔

کچھ دنوں بعد سپہ سالار کو یہ رپورٹ ملی کہ پولیس میں جو قبطی ہیں وہ مسلمانوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ بعض کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ہم عرب کے ان پسماندہ مسلمانوں کے محکوم نہیں رہ سکتے۔

بابلیون میں قبطیوں کی بغاوت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

جب سے انسانی معاشرے میں حکمرانی کا سلسلہ شروع ہُوا ہے اُس وقت سے بغاوت بھی ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے۔ باغیوں نے بڑے بڑے جابر اور ظالم بادشاہوں کے تختے اُلٹے ہیں۔ بغاوتوں کی تاریخ دیکھیں۔ بعض بغاوتیں اتنی بڑی تھیں اور اتنی مشہور ہوئیں کہ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی۔ بیشتر بغاوتیں کچھ کم پیمانے کی تھیں اس لئے تاریخ میں جگہ نہ پا سکیں۔

بغاوت بڑی ہو یا چھوٹی' اسے فرو کرنے یا دبانے کا ایک ہی طریقہ رائج چلا آ رہا ہے۔ باغیوں کے لیڈروں کی پکڑ دھکڑ ہوتی ہے' تشدد کیا جاتا ہے اور باغیوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا ہے۔ عموماً" بغاوت دب جاتی ہے لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔ چنگاری کی طرح اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے۔ لیڈروں کی گرفتاری اور ان کے باغی پیروکاروں کی قتل و غارت کا بغاوت میں انتقام کا جذبہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بغاوت بزورِ شمشیر فرو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بغاوت خانہ جنگی کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے اور حکمرانوں کے تختے بھی الٹ جاتے ہیں جو باغیوں کی فتح ہوتی ہے اور باغی شکست بھی کھا سکتے ہیں۔

جب سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یہ رپورٹ دی گئی کہ بابلیون میں پولیس میں جو قبطی عیسائی ہیں وہ کہتے پھرتے ہیں کہ وہ ان پسماندہ عربی مسلمانوں کے محکوم نہیں رہ سکتے اور آثار بغاوت کے نظر آ رہے ہیں تو تمام سالاروں کو یہ توقع تھی کہ سپہ سالار یہی ایک حکم دیں گے کہ ان قبطیوں کو تشدد سے دبا کر رکھا جائے اور اگر وہ ایسے باغیانہ خیالات سے باز نہیں آتے تو انہیں سخت سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے عبرت ناک ہو لیکن عمروؓ بن عاص جو پورے لشکر کو یقینی موت میں ڈال دیا کرتے تھے' یہ رپورٹ سن کر بالکل ہی

چپ رہے اور گہری سوچ میں گم ہو گئے۔ ان کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئے اور پھر ان کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ عرب بذلہ سنج اور غیر معمولی ذہانت کے لئے مشہور تھے۔ ان میں معجزہ نما شجاعت تھی بلکہ ان کے دماغ ایسی ترکیبیں سوچ لیتے تھے جو اوسط درجہ ذہن کے انسان کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتی تھیں۔

یہ بھی ذہن میں رکھ لیں کہ رومیوں نے پولیس کا باقاعدہ محکمہ بنا رکھا تھا۔ اسلامی حکومت و معاشرت میں ابھی پولیس کا محکمہ نہیں بنا تھا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے پولیس کا محکمہ قائم کیا تھا جسے احداث کہتے تھے اور پولیس افسر کو صاحبُ الاحداث کہا جاتا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے گہری سوچ سے نکل کر تمام سالاروں کو بلوایا۔

"کل ان قبطیوں کو اپنے لشکر کے کھانے پر مدعو کرنا ہے" ——— عمروؓ بن عاص نے کہا ——— "ایک ضروری بات اچھی طرح سن لو۔ اپنے لشکر کے ہر مجاہد سے کہنا کہ وہ کھانا اس طرح کھائیں جس طرح میدانِ جنگ میں لڑائی کے دوران کھاتے ہیں اور ان کا لباس جنگی ہو گا"۔

تاریخ میں آیا ہے کہ کوئی ایک بھی سالار نہ سمجھ سکا کہ سپہ سالار کا مطلب اور مقصد کیا ہے.... اگلے روز بے شمار اونٹ ذبح کئے گئے اور ان کا گوشت اس طرح پکایا گیا کہ شوربا زیادہ رکھا گیا۔ پولیس کے تمام قبطی ملازمین کو اس کھانے پر مدعو کیا گیا تھا۔ کھانا زمین پر بیٹھ کر کھایا جاتا تھا۔ اس کھانے پر قبطی عیسائیوں اور مجاہدین کو ایک دوسرے کے بالمقابل بٹھایا گیا۔

مجاہدین نے بڑی تیزی سے کھانا شروع کر دیا اور ان کا کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ بوٹی منہ میں لے کر کھینچتے تو شوربے کی چھینٹیں سامنے بیٹھے ہوئے قبطیوں پر پڑتی تھیں۔ قبطی عیسائی مجاہدین کو اس طرح بدتمیزی سے کھاتے دیکھ کر ناک بھوں چڑھانے لگے۔ انہوں نے دل ہی دل میں یہ رائے قائم کر لی ہو گی کہ عرب کے یہ مسلمان جنگلی ہیں اور انہیں سلیقے اور شائستگی سے کھانا کھانے کا کچھ پتہ ہی نہیں۔ مجاہدین رکابیاں اٹھا کر منہ سے لگاتے اور شوربا پیتے تو پینے کی آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔ کوئی بھی ان مجاہدین کو اس طرح کھاتے دیکھتا تو یہی کہتا کہ ان لوگوں کو اچھا کھانا کبھی نہیں ملا اور ان میں کھانے کا

سلیقہ بھی نہیں۔

آخر کھانا ختم ہُوا اور قبطی چہروں پر نفرت کا تاثر لئے چلے گئے۔ عمروؓ بن عاص نے کہا اپنے کچھ آدمی یہ دیکھیں کہ قبطیوں کی رائے کیا ہے اور وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ کچھ مجاہدین قبطیوں کی باتیں سننے چلے گئے۔ انہوں نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو آ کر بتایا کہ قبطی عیسائی مجاہدین کے خلاف کھلم کھلا نفرت کا اظہار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ان گنوار عربوں کے محکوم نہیں رہیں گے۔

مصری تاریخ دان محمد حسنین ہیکل' بٹلر اور تین چار مسلمان تاریخ دانوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ دو دنوں بعد سپہ سالار نے اپنے سالاروں کو بلوایا اور کہا کہ کل پھر اسی طرح لشکر کے لئے کھانا پکے گا اور قبطی عیسائی مدعو ہوں گے۔ سپہ سالار نے دوسری ہدایت یہ دی کہ مجاہدین کے تمام لشکر کو یہ بتا دیا جائے کہ وہ اس طرح کھانا کھائیں گے جس طرح وہ امن کے وقت کھایا کرتے ہیں اور ان کا لباس جنگی نہیں بلکہ وہ لباس ہو گا جو وہ اپنے گھروں میں پہنتے ہیں۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے مجاہدین کو یہ کہا تھا کہ وہ کھانے پر مصری لباس پہن کر آئیں' چنانچہ تمام مجاہدین بڑے صاف ستھرے مصری لباس میں اس دعوت میں آئے.... مقریزی کی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مجاہدین کا یہ لشکر جب سے مصر میں داخل ہُوا تھا' اسے لڑائیوں سے ہی فرصت نہیں ملی تھی۔ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے مصری لباس سلوا لئے ہوں گے۔ ویسے بھی مجاہدین اس قسم کی عیاشیوں کے قائل نہیں تھے۔ بہرحال تاریخ میں یہ واضح ہے کہ مجاہدین اپنے اچھی قسم کے لباس میں کھانے میں شریک ہوئے۔ اب بھی کھانے پر بیٹھنے کی ترتیب وہی تھی جو پہلے کھانے میں رکھی گئی تھی۔ قبطی عیسائی اور مجاہدین آمنے سامنے دسترخوان پر بیٹھے۔ کھانا شروع ہُوا تو مجاہدین نے بڑی ہی تمیز' شائستگی اور سلیقے سے کھانا کھایا اور قبطیوں کے ساتھ باتیں بھی کرتے اور ہنستے مسکراتے بھی رہے۔ قبطی حیران رہ گئے کہ آج ان میں اتنی تہذیب کیسے آ گئی۔ یہ تو شک کیا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ کوئی اور تھے اور یہ مجاہدین کوئی اور ہیں جو تمیز اور سلیقے والے ہیں۔

پچھلے کھانے میں قبطی مجاہدین کے خلاف نفرت اور ناپسندیدگی کا اظہار کھلم کھلا کرتے رہے لیکن اس کھانے کے بعد حیران تھے کہ کیا کہیں اور کیسے سمجھیں کہ یہ تبدیلی

کیسے آئی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ کوئی اور عرب تو نہیں تھے؟.... کس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے یہ حکم دیا کہ کل صبح تمام لشکر گھوڑ دوڑ کے میدان میں امن کی ترتیب میں اکٹھا ہو گا اور سپہ سالار لشکر کا معائنہ کریں گے.... سالاروں نے سپہ سالار کا یہ حکم تمام لشکر تک پہنچا دیا اور مزید جو ہدایات سالاروں کی دی گئی تھیں، وہ بھی لشکر تک پہنچا دی گئیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ مجاہدین کا لشکر کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی جس کی درجہ بدرجہ تنخواہیں مقرر ہوتیں اور انہیں باقاعدہ فوج کی طرح ٹریننگ دی گئی ہوتی۔ تنخواہ دار فوج امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس سے تھوڑا ہی عرصہ بعد بنائی تھی۔ تمام مجاہدین رضاکارانہ طور پر لشکر میں شامل ہوتے تھے۔ تیغ زنی، برچھی بازی اور تیر اندازی تو مسلمانوں کی گھریلو تربیت میں شامل تھیں۔ لشکر میں انہیں صرف یہ بتایا اور سمجھایا جاتا تھا کہ ایک سالار کے تحت ترتیب سے کس طرح لڑا جاتا ہے۔ انہیں ڈسپلن کا الگ تھلگ کوئی لیکچر نہیں دیا جاتا تھا نہ ان میں ڈسپلن پیدا کرنے کی کوئی بات ہوتی تھی۔ مجاہدین ایک جذبے کے تحت لشکر میں شامل ہوتے اور محاذوں پر جاتے تھے۔

رومیوں کی فوج باقاعدہ تنخواہ دار فوج تھی اور اسے آج کل کی فوج کی طرح ٹریننگ دی جاتی تھی۔

اگلی صبح ان تمام قبطی عیسائیوں کو جو وہاں کی پولیس میں تھے اور اُنہیں بھی جو انتظامیہ کے مختلف شعبوں میں کام کرتے تھے، گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھا کیا گیا۔ تاریخ کی تحریر بتاتی ہے کہ ان قبطیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان اپنے لشکر کی نمائش کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ لشکر باقاعدہ فوج نہیں اور اس کے تمام آدمی رضاکار ہیں۔

قبطی یہ دیکھ کر کچھ حیران ہوئے کہ جس لشکر کو وہ لڑنے والوں کا ایک غیر تربیت یافتہ ہجوم سمجھتے تھے، ان میں فوج جیسا ہی ڈسپلن تھا۔ انہیں ہانکنا نہیں پڑتا تھا بلکہ وہ سالاروں کے اشاروں پر حرکات و سکنات کرتے تھے۔ انہوں نے جو لباس پہن رکھے تھے، اس کا بھی ایک تاثر تھا جو قبطی عیسائیوں نے خاص طور پر محسوس کیا۔

عمروؓ بن عاص نے لشکر کی نمائش کچھ سوچ کر کی تھی اور لشکر نے اپنے سپہ سالار کی

توقعات پوری کر دیں۔ عمروؓ بن عاص قبطیوں میں جو تاثر پیدا کرنا چاہتے تھے، لشکر نے وہ پیدا کر دیا حالانکہ لشکر کے کسی بھی مجاہد کو معلوم نہ تھا کہ کیا تاثر دینا ہے۔ عمروؓ بن عاص گھوڑے پر سوار تھے، انہوں نے گھوڑے کا رخ موڑا اور قبطیوں کے ہجوم کے سامنے جا رکے۔

"میں نے تمہیں اپنے لشکر کے تین روپ دکھا دیئے ہیں" ـــــ عمروؓ بن عاص نے قبطیوں سے خطاب کیا ـــــ "مجھے بتایا گیا ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا مہذب اور میرے اس لشکر کو جنگلی اور بدتمیز سمجھتے ہو۔ میں نے وہ سارے طعنے سنے ہیں جو تم نے مجاہدین کو دیئے ہیں۔ یہ بہت بڑی بدتہذیبی ہے کہ دوسروں کو بدتہذیب کہا جائے.... وہ یہی مجاہدین تھے جن کے ساتھ تم نے کھانا کھایا اور جن کے اُڑتے شوربے کے چھینٹے تم پر پڑے تھے اور انہوں نے تمہارے خیال کے مطابق غیر شائستگی سے کھانا کھایا تھا۔ میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ انہیں کہا گیا تھا کہ اس طرح کھائیں جس طرح جنگ کے دوران کھانا کھایا کرتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں یہ کسی سلیقے اور شائستگی کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے اس سے کہیں زیادہ بڑا مقصد ہوتا ہے۔ اس وقت انہیں کھانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اگر کھاتے ہیں تو اسی طرح جلد بازی میں کھا کر اپنے اُس فرض کی ادائیگی میں گم ہو جاتے ہیں جو اللہ نے انہیں سونپا ہے....

"میرے قبطی بھائیو! پھر میں نے تمہیں ان کا وہ روپ دکھایا ہے جس میں شائستگی بھی ہے، سلیقہ بھی اور تہذیب بھی۔ انہیں صرف اتنا کہا تھا کہ اب تم میدانِ جنگ میں نہیں اس لئے کھانا اس طرح کھانا جس طرح امن کے وقت کھایا جاتا ہے اور یہ خیال رکھنا کہ تمہارے کھانے پر کچھ مہمان بھی ہوں گے۔ تم نے ان کا یہ روپ بھی دیکھ لیا ہے اور تم حیران ہوتے رہے ہو کہ یہ تو وہی ہیں لیکن ایک دن میں ہی اتنے تہذیب یافتہ کس طرح ہو گئے ہیں۔ انہیں کسی نے بھی نہیں کہا کہ تہذیب کا خیال رکھنا۔ یہ ہیں ہی تہذیب یافتہ۔ اپنے گھروں میں یہ اسی طرح کھانا کھایا کرتے ہیں....

"پھر میں نے تمہیں ان کا تیسرا روپ دکھایا ہے۔ میں جانتا ہوں تم انہیں غیر تربیت یافتہ ہجوم سمجھتے ہو جو صرف لڑنا جانتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے نظم و نسق کا کیا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ نظم و نسق اور اپنے سالاروں کے اشاروں پر چلنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ یہ جب ایک لشکر کی صورت میں اکٹھے ہوتے ہیں تو اپنی انفرادیت اپنے امیر یا

سالار کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسلام کے حکم اور اصول کے مطابق اگر ان میں سے تین چار یا کچھ زیادہ اپنے لشکر سے الگ ہو جائیں تو ایک ساتھی کو اپنا امیرِ جماعت بنا لیتے ہیں اور پھر اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں ان کے یہ تینوں روپ اس لئے دکھائے ہیں کہ تم انہیں گنوار اور اجڈ بدّو نہ سمجھتے رہو اور اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہ کرو کہ تم ان کے خلاف نفرت پھیلا کر اپنے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر لو گے تو یہ مجاہدین تمہارے آگے بے بس ہو جائیں گے۔ ان کے ساتھ شرافت اور شائستگی سے رہو گے تو یہ تمہاری قدر کریں گے کیونکہ شرافت اور شائستگی ان کی فطرت میں شامل ہے، اور اگر تم کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر انہیں جنگلی اور پس ماندہ سمجھ کر من مانی کرو گے تو جس طرح انہوں نے تمہارے کپڑوں پر شوربے کے چھینٹے پھینکے تھے اسی طرح تمہارے کپڑے تمہارے ہی خون سے لال کر دیں گے۔ سوچ لو، تمہیں کون سی صورت بہتر لگتی ہے"۔

یہ واقعہ لکھنے والے تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا یہ طریقۂ کار اور یہ انداز بیشتر قبطی عیسائیوں کو اتنا اچھا لگا کہ ان کے ایک خاص بڑے گروہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے اس اندازِ نمائش میں ایک طنز اور اپنی توہین محسوس کی۔

"اے قبطیو!" —— اپنی توہین سمجھنے والے قبطی عیسائیوں نے کہا —— "عربوں نے تمہیں اپنی ٹھوکر پر رکھا ہے"۔

تاریخ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی لیڈر قسم کے قبطی نے کہا —— "عربی مسلمان قوم وہ ہیں جس قوم کو کوئی مفتوح اور مغلوب نہیں کر سکتا۔ آج اس قوم نے تمہیں اپنے قدموں تلے مسل ڈالا ہے"۔

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ ان آوازوں پر قبطی عیسائیوں نے دھیان نہ دیا۔ ان میں سے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کا جزیہ عمروؓ بن عاص نے وہیں معاف کر دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ آج سے انہیں مسلمانوں کے مساوی حقوق دے دیئے گئے ہیں۔

تاریخ یہ رائے قائم کرتی ہے کہ عمروؓ بن عاص نے یہ انوکھی اور دلچسپ کارروائی کر کے قبطی عیسائیوں کو ایسا متاثر کیا کہ وہ پوری طرح مسلمانوں کے وفادار ہو گئے۔ عمروؓ بن

عاص ایسی ہی کامیابی حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ جب امیرالمومنین کی طرف سے منظوری آ جائے کہ اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرو تو عمروؓ بن عاص اطمینان سے اسکندریہ کو روانہ ہو جائیں پیچھے بدامنی اور بغاوت کا خطرہ نہ رہے۔

محاذوں کے سپہ سالار جب امیرالمومنین کو اپنے اپنے محاذ کی صورتِ حال لکھ کر بھیجتے تھے تو اس طرح کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی لکھ دیتے تھے۔ اگر نہ لکھیں تو پیغامات لے جانے والے قاصد خود چھوٹے چھوٹے واقعات سنا دیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ تک پہنچ گیا۔ انہوں نے (تاریخ کے مطابق) یوں اظہار خیال کیا —— "خدا کی قسم ابن عاص کی جنگ ٹھنڈی اور نرم ہوتی ہے۔ اس میں وہ ہیجانی کیفیت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ دوسرے لڑنے والے تلوار سے لڑتے ہیں لیکن ابنِ عاص کی زبان تلوار سے زیادہ کام کرتی ہے"۔

○

صرف سپہ سالار عمروؓ بن عاص ہی نہیں تھے جنہیں امیرالمومنین کی منظوری کا انتظار تھا بلکہ تمام تر لشکر اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کے لئے بے تاب ہُوا جا رہا تھا۔ یہ لشکر مسلسل لڑائیاں لڑتا چلا آ رہا تھا۔ اسے صرف ایک بار کمک ملی تھی، اس کے بعد ایک آدمی کا بھی اس میں اضافہ نہیں ہُوا تھا۔ اضافہ تو دور کی بات تھی، شہیدوں اور شدید زخمیوں کی وجہ سے لشکر کی تعداد اچھی خاصی کم ہو گئی تھی۔ ان حالات میں اس لشکر کو جسمانی طور پر تھکن سے ٹوٹ پھوٹ جانا چاہئے تھا لیکن اسلام کے ان شیدائیوں کے جذبے اور حوصلے میں عجیب و غریب سی تازگی آتی جا رہی تھی۔

ابن عبدالحکم لکھتا ہے کہ بابلیون کی فتح نے مجاہدین کے جسموں میں جیسے بجلیوں کی سی طاقت پیدا کر دی تھی۔ یہ دراصل ایمان کی تازگی اور پختگی تھی۔ ان مجاہدین نے اپنے جسموں کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا اور وہ روحانی قوت سے لڑ رہے تھے۔ بابلیون پر یلغار سے پہلے وہ توقع رکھتے ہی نہیں تھے کہ وہ بابلیون جیسا ناقابلِ تسخیر قلعہ سر کر لیں گے۔ بابلیون بلاشک و شبہ ناقابلِ تسخیر تھا۔ مجاہدین نے یہ سر کر لیا۔

یہ تو ان کا ایمان تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں اور اللہ انہیں مدد دے رہا ہے لیکن اب وہ اس یقین سے سرشار ہوئے جا رہے تھے کہ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور وہ کفر پر غالب آئیں گے۔

کچھ مجاہدین ایسے تھے جو صرف اللہ اور اسلام کو پہچانتے تھے لیکن سوچوں کی گہرائی میں جانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ انہیں سالاروں نے بتایا تھا کہ مسلمان کا دشمن دراصل اسلام کا دشمن ہے اور اسلام کا دشمن ہر مسلمان کا دشمن ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں کیوں نہ ہو' اور یہ بھی کہ اللہ کا فرمان ہے کہ تم اسلام کے دشمنوں کے خلاف ہتھیار لے کر نکلو گے تو اللہ تمہارے ساتھ ہو گا۔

بابلیون کی فتح ایک شہر کی فتح نہ تھی۔ مجاہدین جوں جوں اس علاقے کی تاریخ اور ثقافت کی قدیم کہانیاں سنتے جاتے تھے' ان کے دلوں میں بابلیون کی فتح کی اہمیت بڑھتی جاتی تھی۔ یہ فرعونوں کا ایک بڑا شہر تھا۔ اس شہر کے اردگرد فرعونوں کے زمانے کے جو کھنڈرات تھے' ان میں بھی ایک طرح کی عظمت اور شان و شوکت تھی۔ یہ کھنڈرات صرف فرعونوں کی ہی یاد نہیں دلاتے تھے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا تھا کہ یہ ایک قدیم انسانی تہذیب کے آثار ہیں۔ مجاہدین تب یہ سوچتے تھے کہ یہ ان فرعونوں کے دَور کے آثار تھے جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ ہمیشہ اس دنیا میں ہی رہیں گے اور لوگ ان کے آگے سجدے کرتے رہیں گے۔ مجاہدین فخر محسوس کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں سعادت عطا فرمائی ہے کہ فرعونوں کی اس سرزمین پر دینِ اسلام کا پرچم گاڑیں اور لوگوں کے دلوں کو اللہ کے نور سے منور کر دیں۔

عظمتِ رفتہ کے ان آثار کے گرد و پیش پھیلے ہوئے وسیع و عریض سبزہ زار تھے جنہوں نے عرب کے ان مجاہدین کو مخمور سا کر دیا۔ ایسے سبزہ زار عراق اور شام میں بھی تھے لیکن مصر کے اس قدرتی حسن میں کوئی اور ہی بات تھی۔ ان سبزہ زاروں میں قبل از مسیح کی صدیوں پرانی تہذیب جیسے اب بھی نظر آ رہی تھی اور کبھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ علاقہ اس تہذیب و تمدن کا مدفن ہو اور اس پر اللہ نے یہ سبزہ اگا دیا ہو' اس لئے نہیں کہ وہ تہذیب و تمدن اللہ کو عزیز تھا بلکہ اس لئے کہ لوگ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

بعض کھنڈرات خاموش زبان میں بتاتے تھے کہ کبھی وہ کیا ہُوا کرتے تھے اور ان کی کیا شان و شوکت تھی۔ ان کی دیواروں پر اُس دَور کے کاریگروں نے خاکے اور تصویریں کندہ کر دی تھیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دیویوں اور دیوتاؤں کی شبیہیں ہیں جنہیں اُس دور کے لوگ معبود سمجھتے تھے اور یہ ان کی عبادت گاہیں تھیں۔

بابلیون کے قریب ہی ایسی ایک بہت بڑی عبادت گاہ تھی جسے فتاح کہتے تھے۔ اس میں سورج کی عبادت کی جاتی تھی۔ کچھ دور ایسی ایک اور عبادت گاہ تھی جسے سرابیوم کہتے تھے۔ اس میں ایک گائے کے بچھڑے کا بت تھا جو ابھی تک صحیح و سالم کھڑا تھا۔ اس کا نام ابیس تھا۔ اس عبادت گاہ کے عقب میں بہت سی قبریں تھیں۔ مجاہدین کو بتایا گیا کہ یہ اُن بچھڑوں کی قبریں ہیں جن کی عبادت کی جاتی تھی اور پھر انہیں قربان کر دیا جاتا تھا۔

جب عیسائیت کے پیروکار حملہ آور مصر میں داخل ہوئے اور اپنی حکومت قائم کر لی تو انہوں نے ان عبادت گاہوں کو بند کر دیا لیکن چوری چھپے یہ عبادت جاری رہی۔ یہ سعادت بھی اللہ نے مسلمانوں کے حصے میں لکھی کہ باطل کی عبادت ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ اس کی جگہ وہ دینِ حق لائے جسے تاقیامت زندہ و پائندہ رہنا ہے۔



بابلیون میں مسلمانوں نے نظم و نسق' شہری انتظامات اور امن و امان بحال کر دیئے تھے۔ بغاوت کے کوئی آثار نہیں رہے تھے بلکہ قبطی عیسائی عملاً" اپنی وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے عیسائی واپس آ گئے تھے جو مسلمانوں کی یلغار کے دوران گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ مسلمانوں سے تو وہ بلاوجہ ڈرتے رہے ہیں' امن و امان تو مسلمان ہی لائے ہیں اور ایک ادنیٰ شہری کو بھی انہوں نے اس کا وقار اور اس کے حقوق دے دیئے ہیں۔

ایک روز ایک ضعیف العمر آدمی لاٹھی کے سہارے چلتا سپہ سالار عمروؓ بن عاص سے ملنے آیا۔ عمروؓ بن عاص نے حکم دے رکھا تھا کہ ان سے ملنے کوئی کتنا ہی معمولی اور ادنیٰ آدمی کیوں نہ آئے' اسے ٹالنا نہیں اور ان سے ملوا دینا ضروری سمجھا جائے۔ اگر سپہ سالار وہاں موجود نہ ہوں تو اس کی بات سن لی جائے اور اگر کوئی شکایت ہو تو اس کا ازالہ فوراً" کیا جائے۔

اس ضعیف العمر آدمی سے سپہ سالار کے ایک محافظ نے پوچھا کہ وہ سپہ سالار سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کی کمسن پوتی لاپتہ ہو گئی ہے۔ اس نے پوتی کی عمر پندرہ سولہ سال بتائی۔ محافظ نے فوراً" سپہ سالار کو اطلاع دی اور عمروؓ بن عاص نے اسے فوراً" اپنے پاس بلا لیا۔

اس لرزتے کانپتے بوڑھے نے بتایا کہ اس کی پوتی اُس وقت کی لاپتہ ہوئی ہے جب

رومی فوج اور کچھ شہری یہاں سے نکل رہے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ کوئی فوجی یا شہری اسے اغوا کر کے لے گیا ہے۔ اُس وقت تک اس کی پوتی گھر میں محفوظ تھی۔

"میں خوشامد کی بات نہیں کر رہا سپہ سالار!" —— بوڑھے نے کہا —— "میں حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ مجھے کسی مسلمان پر شک نہیں کہ اس نے میری پوتی کو اٹھالیا ہو گا۔ تم لوگوں نے ہماری عزتیں محفوظ کر دی ہیں۔ اس کے باوجود میں نے اپنی پوتی کو گھر میں چھپا کر رکھا ہُوا تھا۔ وہ معمولی شکل و صورت کی ہوتی تو پھر مجھے کوئی ڈر نہ ہوتا' خطرہ یہ نظر آتا رہتا تھا کہ بچی بہت خوبصورت ہے اور جسے بہت اچھی لگی وہ اسے اٹھالے جائے گا۔ میں تمہارے لشکریوں سے ڈرتا رہا ہوں لیکن ایک مہینہ ہُوا' مجھے تسلّی ہو گئی کہ مسلمانوں سے ڈرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بچی کو میں نے تھوڑی دیر کے لئے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ کل ہی وہ باہر نکلی پھر واپس نہیں آئی"۔

بوڑھا اس سے آگے بول نہ سکا۔ اس کے آنسو تو بہہ رہے تھے لیکن اس کی ہچکیاں نکلنے لگیں اور وہ چپ ہو گیا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اسے بڑی شفقت سے کہا کہ اس کی پوتی کو تلاش کیا جائے گا اور انشاء اللہ وہ مل جائے گی پھر اسے اغوا کرنے والے کو اس کے سامنے سزا دی جائے گی۔

بوڑھے نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں عمروؓ بن عاص کو بتایا کہ گمشدہ پوتی کی ماں جوان اور خوبصورت تھی۔ اس کی کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ جب بابلیون میں مسلمان فاتحین کی حیثیت سے داخل ہوئے اور رومی فوج نکل رہی تھی تو چار رومی فوجیوں نے اس کے گھر پر ہلّہ بول دیا۔

بوڑھے نے پوتی کو اندر کہیں چھپا دیا اور فوجیوں نے اس کی ماں کو پکڑ لیا۔ بچی کا باپ بیوی کو بچانے کے لئے آگے بڑھا تو ان فوجیوں نے اسے تلواریں مار مار کر کاٹ پھینکا اور پھر اس بچی کی ماں کے ساتھ اجتماعی طور پر ایسا وحشیانہ سلوک کیا کہ وہ مر گئی۔ پھر ان فوجیوں نے گھر میں جو ٹرنک رکھے تھے' کھولے اور ان میں تھوڑا سا سونا اور کچھ رقم تھی' وہ لے گئے۔

"اے قابلِ قدر سپہ سالار" —— اس ضعیف العمر آدمی نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا —— "میں نے زمانے کے بہت نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ وہ دور بھی یاد ہے جب آتش پرستوں نے مصر کو فتح کر لیا تھا۔ پھر رومی آئے اور اب تم آئے ہو۔ نہ

ش پرستوں کے دلوں میں انسانیت کا درد تھا نہ رومیوں میں۔ میں ان کے دَورِ حکومت شکایت لے کر آتا تو مجھے محل کے در سے دھتکار یا دھکے دے کر رخصت کر دیا گیا تمہارے پاس بھی یہی توقع لے کر آیا تھا لیکن تم نے مجھے فوراً" اپنے پاس بلا لیا تو تمہیں دیکھ کر ہی حیران رہ گیا ہوں کہ یہ تو انسان لگتا ہے لیکن ہے فرشتہ۔ پھر جس ح تم توجہ اور ہمدردی سے میری شکایت سن رہے ہو اس سے میں اور زیادہ حیران بھی رہا ہوں اور پریشان بھی"۔

"میرے بزرگ!" —— عمروؓ بن عاص نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا —— "حیران ی نہ ہو اور پریشان بھی نہ ہو' کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم صرف مطلب کی بات کرو اور ھے یہ نہ بتاؤ کہ اچھا کون تھا اور بُرا کون ہے۔ کوئی ایسی بات کرو جس سے مجھے تمہاری ی کا سراغ لگانے میں مدد ملے"۔

بوڑھے کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی پوتی کو کس نے اغوا کیا ہے یا وہ اپنی رضی سے کسی کے ساتھ چلی گئی ہے۔ وہ اپنی پوتی کے لئے بہت ہی جذباتی تھا۔ اس کے نسو بہے جا رہے تھے اور اس نے یہ سنانا شروع کر دیا کہ پوتی اس کے ساتھ کتنا پیار کرتی ی۔ پوتی کہا کرتی تھی کہ جب تک دادا زندہ ہے وہ شادی نہیں کرے گی۔ دادا یہ تسلیم نہیں کرتا تھا کہ اس کی پوتی پندرہ سولہ سال کی ہو گئی ہے۔ وہ اسے دو دیا تین سال کی ی سمجھ کر اپنے ساتھ سلاتا اور دن بھر اس کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا۔

"میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا اے سپہ سالار!" —— بوڑھے نے کہا —— ئیں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اسے دیکھ لوں اور مجھے یقین آ جائے کہ وہ محفوظ تھوں میں ہے"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلا کر کہا کہ اس بوڑھے کو زت سے اپنے پاس بٹھائیں اور پولیس کے بڑے افسر کو بلا لائیں۔

پولیس کا بڑا افسر آیا تو عمروؓ بن عاص نے اسے بڑی سختی سے کہا کہ وہ اس بوڑھے کی پوتی کو تلاش کرے۔ پولیس کا یہ افسر قبطی عیسائی تھا اور یہ بوڑھا بھی قبطی عیسائی تھا۔

"ایک بات سن لو جوزف!" —— عمروؓ بن عاص نے پولیس کے اس حاکم سے کہا —— "معلوم نہیں ہرقل کے دورِ حکومت میں تم لوگ اس قسم کی شکایت پر کیا روّیہ ختیار کرتے تھے لیکن ہمارے لئے ایک لڑکی کا لاپتہ ہو جانا کوئی معمولی واقعہ یا جرم

نہیں۔ اگر ہم ایک شہری کی شکایت رفع نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور اپنا فرض ادا نہیں کر رہے"۔

"حقیقت یہ ہے سپہ سالار!" ــــ جوزف نے کہا ــــ "آپ سے پہلے ایسی کوئی شکایت اوپر تک پہنچتی ہی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کسی کو کبھی کوئی شکایت ہوئی ہی نہیں' اصل میں کوئی جرأت نہیں کرتا تھا کہ ایسی شکایت لے کر کسی بڑے حاکم کے پاس چلا جائے کیونکہ ہر کسی کو معلوم تھا کہ نہ صرف یہ کہ شنوائی نہیں ہو گی بلکہ بے عزتی کر کے بھگا دیں گے"۔

"اب ذہن میں رکھ لو کہ رومی حکمران چلے گئے ہیں اور یہاں اللہ کی حکمرانی ہے" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "اب یہاں اللہ کا قانون چلتا ہے جس میں کسی کی حیثیت دیکھے بغیر انصاف ملتا ہے۔ میں ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا اور مجھے زیادہ سے زیادہ ایک دن میں بتایا جائے کہ کیا کوشش ہوئی ہو اور لڑکی کا کچھ سراغ ملا ہے یا نہیں۔ اس بوڑھے کو لے جاؤ اور دلجمعی اور محنت سے سراغ رسانی کرو"۔

جوزف نے سپہ سالار کو یقین دلایا کہ وہ کوتاہی نہیں کرے گا۔ پھر اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے اور ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی چاہنے والے کے ساتھ چلی گئی ہو۔ عمروؓ بن عاص نے یہ رائے سن کر کہا کہ یہ معلوم کرنا اُسی کا کام ہے۔ وہ اپنے مخبروں سے اور اِدھر اُدھر سے پوچھ کر معلوم کرے کہ لڑکی کسی سے ملتی ملاتی ہو گی۔ ایسی ملاقاتیں چھپ نہیں سکتیں۔

"محترم سپہ سالار!" ــــ جوزف نے کہا ــــ "ایک امکان اور ہے۔ شاید اس طرف دھیان نہ دیتے لیکن میں چونکہ سراغرساں ہوں اس لئے ایسے واقعات کے ہر پہلو پر غور کرتا رہا ہوں اور گہرائی میں بھی گیا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ عملاً "کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر تین سال بعد اسی عمر کی ایک لڑکی اغوا ہوتی ہے اور پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس سے پہلے جو لڑکیاں اغوا ہوئی ہیں وہ بابلیون کی نہیں تھیں۔ کسی بھی شہر یا گاؤں سے ایک کمسن لڑکی اغوا ہوتی رہی ہے اب بابلیون کی ایک لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے۔ مجھے کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ اس لڑکی کی گمشدگی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو میں نے بیان کیا ہے"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص اتنی لمبی بات سننے کے عادی نہیں تھے۔ وہ ٹوک بات کرتے

اور دو ٹوک بات سنتے تھے۔ انہوں نے جوزف سے کہا کہ وہ فوراً "اصل بات پر آ جائے۔

"معافی چاہتا ہوں سالار محترم!" ــــ جوزف نے کہا ــــ "میں بات صرف اس لئے لمبی کر رہا ہوں کہ آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ آپ کے لئے ایک نئی بات ہے۔ یہاں سے کچھ دور ایک قدیم عبادت گاہ ہے جس کا نام سرابیوم ہے۔ آپ نے شاید اس عبادت گاہ کے کھنڈرات دیکھے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے آپ اندر بھی گئے ہوں۔ ان کھنڈرات میں سے ایک راستہ ایک اور طرف کھلتا ہے جس سے باہر کا کوئی آدمی واقف نہیں۔ غار جیسا ایک دہانہ ہے جس کے اندر ایک اور دنیا آباد ہے"۔

"ہاں جوزف میں ان کھنڈرات کے اندر گیا تھا" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "دور اندر تک نہیں گیا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ ایک فرقے کی عبادت گاہ ہے اور اسے سرابیوم کہتے تھے.... اب موقع نکال کر اس غار کے اندر بھی جاؤں گا جس کا تم نے ذکر کیا ہے"۔

"کبھی ایسی جرأت نہ کرنا سپہ سالار!" ــــ جوزف نے کہا ــــ "آپ چلے تو جائیں گے لیکن واپس نہیں آ سکیں گے.... مجھے معلوم ہے اور شاہ ہرقل کو بھی معلوم تھا اور شاہ ہرقل کے بیٹے قسطنطین کو بھی اس غار کا راز معلوم تھا۔ پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ اس کے اندر کیا ہوتا ہے۔ وہاں ابھی تک عبادت ہو رہی ہے۔ اس فرقے کے کچھ پیروکار موجود ہیں"۔

"اس عبادت گاہ میں غالباً" ایبس نام کے بچھڑے کی عبادت ہوتی تھی" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا۔

"ہاں میرے محترم سپہ سالار!" ــــ جوزف نے کہا ــــ "آپ نے ان کھنڈرات میں ایبس بچھڑے کا بُت دیکھا ہو گا۔ میں نے چونکہ پوری سراغرسانی اور تحقیقات کی ہے اس لئے وثوق سے بتا رہا ہوں کہ وہاں اب بھی اس بچھڑے کی عبادت ہوتی ہے اور ہر تین سال بعد ایک بچھڑے اور اس کے ساتھ ایک نوعمر کنواری لڑکی کی قربانی بھی دی جاتی ہے"۔

"تم لوگ تو عیسائی تھے" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "شاہ ہرقل تو کٹر عیسائی تھا' کیا اس نے یہ ظالمانہ عبادت بند نہیں کروا دی تھی؟ مجھے بتایا گیا تھا کہ مصر میں عیسائیت کی حکومت آتے ہی ایسی تمام عبادت گاہیں بند کر دی گئی تھیں۔ ان میں سورج

کے پجاریوں کی بھی عبادت گاہ تھی"۔

"قابلِ احترام سپہ سالار!" ——— جوزف نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لا کر کہا۔

"آپ کو ٹھیک بتایا گیا ہے کہ شاہ ہرقل نے ایسے تمام قدیم معبد اور مندر بالکل ہی بند کروا دیئے تھے لیکن سرابیوم کو بند نہ کروا سکا۔ کروا سکتا تھا لیکن شاہ ہرقل وہمی آدمی تھا۔ اس کا اصل مذہب شہنشاہیت تھا اور یہ بھی کہ وہ سکندرِ اعظم کی طرح ساری دنیا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ عیسائیت اس کی نگاہ میں ثانوی بلکہ غیر اہم حیثیت رکھتی تھی....

"شاہ ہرقل نے سرابیوم کی عبادت گاہ بھی بند کروا دی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس فرقے کا نام و نشان مٹ گیا ہے لیکن کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ کھنڈرات کے اندر ڈھکا چھپا ایک راستہ ہے جس میں داخل ہو جاؤ تو آگے عبادت گاہ آ جاتی ہے۔ یہاں ابھی تک ایپس بچھڑے کو پوجا جا رہا ہے۔ شاہ ہرقل نے اپنے ایک جرنیل سالقوس کو حکم دیا کہ وہ جا کر اس عبادت گاہ کو بند کروا دے اور وہاں جو کوئی بھی ہے اسے پکڑ کر باہر لائے اور قتل کر دے....

"جرنیل سالقوس کچھ فوجی ساتھ لے کر گیا اور شام کو شاہ ہرقل کو یہ اطلاع ملی کہ یہ جرنیل اپنی فوجی جماعت کے ساتھ اندر چلا گیا تھا لیکن کہیں سے ایک تیر آیا جو اس کے پہلو میں اتر گیا اور جرنیل مارا گیا۔ اس کے باقی فوجی وہاں سے بھاگ آئے۔ اگلے ہی روز شاہ ہرقل ایسا بیمار پڑا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید ہی نہ رہی۔ طبیبوں نے بڑی مشکل سے اسے صحت یاب کیا۔ ایک فوجی نے بتایا کہ ان تاریک کھنڈرات کے اندر سے ایک آواز آئی تھی کہ اس عبادت گاہ پر جو بادشاہ ہاتھ رکھے گا وہ زندہ نہیں رہے گا اور اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی....

"شاہ ہرقل پر یہ وہم طاری ہو گیا کہ اس کی یہ پُراسرار بیماری اس کے اسی اقدام کا نتیجہ تھی جو اس نے سرابیوم کے خلاف کیا تھا۔ سالقوس جیسا قابل اور تجربہ کار جرنیل مارا گیا۔ پھر وہ وقت آیا جب شاہ ہرقل نے ملک شام فتح کر لیا اور اب وہ عراق اور عرب کو بھی فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ فارس بہت بڑی جنگی طاقت تھی جسے آپ نے توڑا ہے۔ شاہ ہرقل فارس سے سارے علاقے چھین لینا چاہتا تھا۔ اس نے مصر اور شام سے فارسیوں کو بے دخل کر کے بھگا دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روم فارسیوں کے

ٹکر کی جنگی طاقت تھی۔ شاہ ہرقل نے فارسیوں کو شکست دے کر اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر لیا تھا کہ اب اس کے سامنے آنے والی کوئی اور جنگی طاقت نہیں رہی اور اب وہ ساری دنیا کا فاتح ہو گا"۔

"لیکن جوزف!" ——— عمروؓ بن عاص نے کہا ——— "اس میں مجھے کوئی شک نہیں کہ روم فارس کی ٹکر کی جنگی طاقت تھی لیکن فارسی اور ادھر رومی یہ ذہن سے اتار بیٹھے تھے کہ اوپر ایک اور طاقت ہے جو جسے چاہے طاقتور بنا دے اور طاقتوروں کو اتنا کمزور کر دے کہ وہ حشرات الارض بن جائیں۔ کیا ہم مسلمان جنگی طاقت کے لحاظ سے کسی شمار میں آتے تھے؟"

"میں یہی کہنا چاہتا ہوں سپہ سالار!" ——— جوزف نے کہا ——— "پہلے مجھے سرابیوم کی عبادت گاہ کی بات کر لینے دیں.... شاہ ہرقل شام میں تھا۔ پیچھے مصر میں اس کا بیٹا قسطنطین تھا جو مصر کا قائمقام حکمران بھی تھا اور جرنیل بھی۔ جوان آدمی تھا اور وہ اس قابل تھا کہ اسے جرنیل بنایا جاتا۔ سلطنت کا وفادار تھا اور بڑا ہی قابل جرنیل۔ اس کے کان میں سرابیوم کی عبادت گاہ کی بھنک پڑی۔ کسی ذریعے سے اسے معلوم ہُوا کہ وہاں ہر تین سال بعد ایک گائے کے بچھڑے کی اور کمسن لڑکی کی قربانی دی جاتی ہے۔ قسطنطین نے حکم دیا کہ اس عبادت گاہ کو بالکل تباہ کر دیا جائے اور بچھڑے کا بُت توڑ کر باہر پھینک دیا جائے اور یہ عبادت گاہ چلانے والوں کو قتل کر دیا جائے....

"فوجی گئے اور نہ صرف ناکام لوٹے بلکہ چار پانچ فوجی پُراسرار طریقے سے مارے گئے اور باقی ایسی خوفزدگی کی حالت میں واپس آئے کہ ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ یہ سب بولنے کے قابل ہوئے تو ہر ایک نے یہی ایک بات بتائی کہ کہیں سے ایک آواز آتی تھی کہ جو کوئی اس عبادت گاہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا وہ خود تباہ ہو جائے گا....

"ہم میں سے کسی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عرب کے ریگزاروں میں سے ایک قوم اٹھے گی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف غالب آ جائے گی۔ مجھے یاد ہے کہ جب آپ کی قوم کے سات آٹھ ہزار نفری کے لشکر نے ملک شام پر پہلا حملہ کیا تھا تو شاہ ہرقل نے نفرت سے کہا تھا کہ چند گیدڑ ایک شیر کے مقابلے کو آئے ہیں لیکن جنہیں اس نے گیدڑ کہا تھا انہوں نے شاہ ہرقل کو شام سے اس طرح پسپا کیا کہ اس کی زیادہ تر فوج کٹ گئی

اور باقی تتر بتر ہو کر بھاگی۔ آپ کو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ ہمارا ایک جرنیل کمک لے کر شام گیا تھا لیکن اُس وقت وہاں پہنچا جب ہماری فوج پسپا ہو رہی تھی....

"اس جرنیل نے شاہ ہرقل کو بتایا کہ قسطنطین نے سرابیوم کی عبادت گاہ کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے پوری بات سنائی۔ پھر قسطنطین کو بہت ڈانٹا کہ اس نے اس عبادت گاہ پر ہاتھ ڈالا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک گمنام قوم کا مٹھی بھر لشکر ہمارے قدم اکھاڑ چکا ہے اور اس نے ملک شام پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شکست اس عبادت گاہ کی توہین کی سزا ہے.... میں نے آپ کو بتایا ہے کہ شاہ ہرقل وہمی آدمی تھا"۔

"جوزف!" ـــ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "انسان جسمانی طور پر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، وہ صرف ایک کوئی سا وہم ذہن میں بٹھا لے تو اس کی جسمانی طاقت کسی کام نہیں آئے گی۔ ہم اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں جو یہ ہے کہ اصل طاقت اور حکمرانی اللہ کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور کوئی وہم نہیں کیا۔ تم نے دیکھ نہیں لیا کہ میرے ساتھ کتنی کچھ جنگی طاقت ہے لیکن اس لشکر کی فتوحات دیکھ لو۔ یہ میری طاقت نہیں، یہ اللہ کی طاقت ہے اور ہم پر کوئی وہم طاری نہیں"۔

"صرف میں نہیں سپہ سالار!" ـــ جوزف نے کہا ـــ "میرے ساتھی اور مجھ سے اوپر کے رتبوں کے قبطی عیسائی اسلام قبول کریں یا نہ کریں، یہ مان گئے ہیں کہ عرب کے ان مسلمانوں کے پاس کوئی روحانی طاقت ہے ورنہ فارسیوں اور رومیوں کو کوئی اس طرح شکست نہیں دے سکتا۔ کسریٰ ایران کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ آپ نے مصر لے لیا ہے اور اب دیکھتے ہیں کہ قسطنطین باقی مصر کو آپ سے بچاتا ہے یا نہیں۔ اس وقت ہم ایک لڑکی کی گمشدگی کی بات کر رہے ہیں اس لئے میں کوئی اور بات چھیڑنا نامناسب سمجھتا ہوں"۔

"اگر کوئی ضروری بات ہے تو وہ مختصراً بتا دو" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "پوری بات پھر کبھی سن لوں گا"۔

"بات تو لمبی ہے سپہ سالار!" ـــ جوزف نے کہا ـــ "ذرا سا اشارہ دیتا ہوں۔ بزنطیہ میں شاہ ہرقل کے مرنے کے بعد شاہی محل میں تخت و تاج کی وراثت پر رسہ کشی شروع ہو چکی ہے اور ہو سکتا ہے یہ خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لے۔ ملکہ مرتینا کو تو

میں جادوگرنی کہوں گا۔ وہ جو چاہتی ہے کر بھی لیتی ہے اور دوسروں سے کروا بھی لیتی ہے۔ نئی خبر یہ ہے کہ قسطنطین نے شاہ ہرقل کے بنائے ہوئے اسقف اعظم قیرس کو جلاوطنی سے واپس بلا لیا ہے۔ وہاں اگر کسی کو مصر کا غم ہے تو وہ صرف قسطنطین ہے، ملکہ مرتینا اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانا چاہتی ہے۔ ان حالات میں مصر کی رومی فوج کو شاید بزنطیہ سے کمک نہ ملے"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص بزنطیہ کی بات سننا تو چاہتے تھے لیکن اس وقت ان کے ذہن پر یہ لڑکی سوار تھی اس کے علاوہ وہ اس کشمکش سے بے خبر نہ تھے جو بزنطیہ کے شاہی محل میں چل رہی تھی۔ انہیں اپنے خفیہ ذرائع سے وہاں کی خبریں مل رہی تھیں۔ انہوں نے جوزف سے پوچھا کہ اس کی رائے کیا ہے۔

"لڑکی اسی عبادت گاہ سے ملے گی" ـــ جوزف نے کہا ـــ "مجھے یاد ہے کہ تین سال پہلے ایک لڑکی روضہ جزیرہ سے لاپتہ ہو گئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے باپ کی شکایت کسی نے نہیں سنی تھی۔ آپ سوچ لیں کہ ان کھنڈرات میں کچھ آدمیوں کو بھیجنے کا خطرہ مول لیں گے یا نہیں"۔

"تم شاید نہ سمجھ سکو جوزف!" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "مجھے اپنی جان کا خطرہ بھی مول لینا پڑا تو لوں گا۔ میں اس لڑکی کے باپ کے آگے نہیں اپنے اللہ کے آگے جوابدہ ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے امیرالمومنین کے آگے جوابدہ ہوں۔ رہی بات لڑکی کے باپ کی تو لڑکی کی گمشدگی کی شکایت کے بعد میں لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں نے اتنی لمبی بات کبھی نہیں سنی۔ آج صرف اس لئے سنی ہے کہ شاید کوئی بات میرے فرض کی ادائیگی میں میری مدد کر سکے"۔

عمروؓ بن عاص نے اسی وقت اپنے سب سے زیادہ نڈر اور خطرہ مول لینے والے سالار زبیرؓ بن العوام کو بلایا۔ انہیں لڑکی کی گمشدگی کی بات مختصراً سنا کر کہا کہ وہ جوزف کو ساتھ لیں اور کوئی ایسے ایک دو آدمی بھی ساتھ لے لیں جو ان کھنڈرات سے پوری طرح واقف ہوں اور جتنے مجاہدین ساتھ لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں اور وہاں چھاپہ ماریں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ لڑکی وہاں سے نہ ملی تو اس عبادت گاہ کو تباہ کر دیں اور وہاں جو آدمی ہوں انہیں پکڑ کر لے آئیں۔

○

ایک اطالوی وقائع نگار رونا لیتینی نے تاریخ کی خاک چھان کر اس قسم کے واقعات ذرا تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ تین بڑے مؤرخوں نے صرف اشارۃً" ذکر کیا ہے۔

بہرحال یہ واقعہ اس طرح ہُوا کہ سالار زبیرؓ بن العوام آٹھ مجاہدین کو ساتھ لے کر سرابیوم کے کھنڈرات میں چلے گئے۔ پولیس کا سب سے بڑا افسر (صاحب الاحداث) جوزف ساتھ نہیں گیا تھا۔ اس نے سالار زبیرؓ کو دو گائیڈ دے دیئے تھے جو ان کھنڈرات سے واقف تھے اور بوقتِ ضرورت لڑنے کا تجربہ بھی رکھتے تھے۔ جہاں تک واقفیت کا تعلق تھا ان کھنڈرات کو بے شمار لوگ دیکھ چکے تھے اور مجاہدین نے بھی ان کھنڈروں کی سیر کر لی تھی لیکن ان کے خفیہ گوشوں سے کوئی کوئی واقف ہو گا۔ ان دونوں آدمیوں سے پوچھا گیا کہ وہ ان کھنڈروں کے اس حصے سے واقف ہیں یا نہیں جہاں عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اندر تو نہیں گئے نہ ہی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اس حصے میں بھی گیا ہے لیکن وہ اتنا بتا سکتے ہیں کہ وہ حصہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔

سالار زبیرؓ بن العوام صرف نڈر اور بے خوف ہی نہیں تھے بلکہ عقل و دانش کے لحاظ سے کوئی کوئی ہی ان کی برابری کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ انہوں نے جوزف کو الگ بٹھا کر بڑی باریکی سے پوچھ لیا تھا کہ پہلے جو آدمی مارے گئے تھے وہ کس طرح مارے گئے تھے' اور کچھ دیگر معلومات بھی لے لی تھیں۔ ایک روز پہلے وہ دن کے وقت وہاں چلے گئے اور اس طرح اندر گھومتے پھرتے رہے تھے جیسے کوئی اجنبی سیر و سیاحت کے لئے آیا ہو۔ انہوں نے بالائی منزل میں جا کر بھی اندر کی دنیا دیکھ لی تھی۔

یہ کھنڈر صرف اتنے ہی نہیں تھے کہ ایک چار دیواری ہوتی اور اندر دو چار کمرے بنے ہوئے ہوتے۔ وہ تو کمروں اور راہداریوں کی ایک دنیا تھی جس کے اندر جا کر بھول بھلیوں سے سامنا ہوتا تھا اور یہ ڈر کہ آدمی بھٹک جائے گا اور باہر نہیں نکل سکے گا۔ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا پھر بھی راہداریاں' غلام گردشیں اور کمروں اور برآمدوں کی افراط یہی تاثر پیدا کرتی تھی کہ یہاں جو آئے گا وہ باہر نہیں جا سکے گا۔ جس زمانے میں یہ عمارت صحیح سالم تھی اور یہاں باقاعدہ کھلے عام عبادت ہوتی تھی' اس دور میں یہ یقیناً" ایک پُرشکوہ اور قابلِ عظمت عمارت تھی۔ کھنڈرات ہی اس کے حسن و عظمت کو بزبانِ خاموشی بیان کر رہے تھے۔ اب تو چھتیں کہیں گری ہوئیں اور کہیں جھکی ہوئی تھیں۔ دیواریں بھی ایسی کہ ان پر ہری کائی جم گئی تھی اور کچھ دیواریں آدھی اور کچھ زیادہ گری

پڑی تھیں اور بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ انہوں نے چھتوں کو سنبھال رکھا تھا۔ ایک ہیبت تھی جسے کمزور دل آدمی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

جالے ایسے گھنے تھے کہ ان پر شک ہوتا تھا کہ یہ جالے نہیں بلکہ کپڑے لٹک رہے ہیں جو میلے بھی ہیں اور چیتھڑے بھی بن گئے ہیں۔ ان جالوں میں مرے ہوئے بڑے چمگادڑ پھنسے ہوئے تھے اور ایک جالے میں ایک اُلّو پھنسا ہُوا تھا اور جالے میں سے نکل نہ سکا اور وہیں پھڑپھڑاتا مر گیا۔ کہیں سے ایک دو سانپوں کا نکل آنا حیرت ناک نہ تھا۔

ایسی دیواریں بھی تھیں جن پر کائی نہیں جمی تھی۔ ان کا پلستر ابھی تک محفوظ تھا اور اس پر اُس دَور کے مصوروں نے دیویوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنا رکھی تھیں۔ یہ تصویریں تیز دھار یا نوکیلے اوزاروں سے کھدی ہوئی تھیں اور ان میں رنگ بھرے ہوئے تھے اس لئے یہ صدیوں بعد بھی محفوظ تھیں۔

ایک وسیع اور خاصا کشادہ ہال تھا جس کی آدھی سے زیادہ چھت گری ہوئی تھی اور سارا ملبہ فرش پر ڈھیروں کی صورت میں بکھرا ہُوا تھا۔ ہال کی ایک دیوار کے ساتھ چبوترہ یا سٹیج بنا ہُوا تھا۔ اس سٹیج پر اور محفوظ دیواروں پر جو نقش و نگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں' ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ عبادت گاہ تھی۔

اس عبادت گاہ کا ایک دروازہ ایک اور کمرے میں کھلتا تھا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی وسعت میں تقریباً" ایک گز چوڑا گول چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد کچھ ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں جو یقیناً" انسانی جسم کی تھیں۔ یہی خیال آتا تھا کہ اس کمرے میں انسانی جان کی قربانی دی جاتی ہو گی اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہو گا کہ جسے قربان کرنا ہوتا اسے اس گول چبوترے پر بٹھا کر اس کا سر چبوترے پر رکھ دیتے اور تلوار یا کلہاڑی سے اس کی گردن کاٹ دیتے تھے۔

دو تین جگہوں سے سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ سالار زبیرؓ بن العوام اوپر بھی گئے تھے۔ اوپر تو سنبھل سنبھل کر چلنا پڑتا تھا کیونکہ جگہ جگہ سے چھتیں گری ہوئی یا جھکی ہوئی تھیں۔ محفوظ چھتوں پر چلنے سے بھی ڈر آتا تھا کہ یہ گر پڑیں گی۔ اوپر بھی راہداریاں تھیں اور چھوٹے بڑے کمرے بھی تھے۔ سالار زبیر یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ پہلے کبھی جو آدمی مارے گئے تھے ان پر تیر کہاں سے چھوڑے گئے تھے۔ تیر انداز کسی ڈھکی چھپی جگہ ہی چھپے ہوئے ہوں گے۔ زبیرؓ بن العوام کو کچھ ممکنہ جگہیں نظر آئیں۔ وہ اتنا جانتے تھے

کہ تیراندازوں کو پکڑنے کے لئے ایک دو آدمی قربان کرنے پڑیں گے۔

زبیرؓ وہاں تک چلے گئے جہاں تک عام سیّاح نہ جاسکے ہوں گے۔ اس طرح وہ ایک دن پہلے جہاں تک اس کھنڈر کو دیکھ سکتے تھے دیکھ آئے تھے لیکن انہوں نے وہ دہانہ یا دروازہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی جس کے آگے ابھی تک عبادت ہوتی تھی۔ یہ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے خلاف کوئی شک پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

○

آدھی رات ہونے کو آئی تھی جب سالار زبیرؓ بن العوام دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ کھنڈرات کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ ابھی اس وسیع و عریض میدانی علاقے میں تھے جس کے آگے کچھ چٹانیں آجاتی تھیں اور ان چٹانوں کے درمیان یا ساتھ ہی سرابیوم کے کھنڈرات تھے۔ چاند اس سے کچھ پہلے افق سے خاصا اوپر آگیا تھا اور چاند تقریباً" پورا تھا۔ اس کی چاندنی بڑی ہی شفاف تھی۔ نظر خاصی دور تک کام کرتی تھی۔

زبیرؓ اپنی جماعت کو آخری بار ضروری ہدایات دیتے جارہے تھے۔ وہ پیدل گئے تھے۔

انہیں دور سے سرپٹ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیئے جو ابھی مدہم تھے۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑا اور اس کا سوار نظر آنے لگے۔ اگر وہ سوار زیادہ ہوتے تو سالار زبیرؓ اور ان کی جماعت تلواریں نکال کر مقابلے کے لئے تیار ہوجاتی لیکن وہ گھوڑا اور اس کا سوار اکیلا تھا۔ قریب پہنچا تو اس نے گھوڑے کی لگام اتنی زور سے کھینچی کہ گھوڑے نے چاروں سُم زمین میں گاڑ دیئے اور چند قدم آگے جاکر رکا۔ سوار کود کر اترا اور سالار زبیرؓ کے سامنے جاکھڑا ہوا۔ سالار نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"میں اُیلی کو ڈھونڈنے آیا ہوں" ـــــ اس نے تیز تیز بولتے ہوئے جواب دیا ـــــ "پوچھتے ہو میں کون ہوں؟.... میں اُیلی کا سب کچھ ہوں اور ایلی میرے لئے سب کچھ ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر خالی اور کھوکھلے جسم بن جاتے ہیں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ ایلی اگر ان کھنڈروں میں ہے تو میں اسے یہاں سے نکالنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جاؤں گا"۔

اُیلی اس لڑکی کا نام تھا جسے یہ سب ڈھونڈنے اور اپنے ساتھ لانے کے لئے جارہے تھے اور یہ گھوڑ سوار ایک نوجوان قبطی عیسائی تھا۔ اس نے بڑے ہی جذباتی لہجے اور انداز

میں بتایا کہ ایلی اسے چاہتی تھی اور وہ ایلی کی محبت میں دیوانہ ہوچکا تھا۔ اسے ایلی کے دادا نے اسی شام بتایا تھا کہ ایلی لاپتہ ہے اور یہ بھی بتایا کہ آج مجاہدین رات سرابیوم کے کھنڈروں میں جارہے ہیں۔ اس نوجوان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے سراغ لگائے کہ ان کھنڈروں میں جانے والے کون ہیں اور وہ کس وقت روانہ ہورہے ہیں۔ وہ بھاگتا دوڑتا رہا اور کچھ ہی دیر پہلے کسی نے بتایا کہ ایک مسلمان سالار کے ساتھ دس آدمی شہر سے نکلے ہیں۔ اس نوجوان نے اپنے آپ کو یقین دلا لیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اس کی محبوبہ ایلی کو ڈھونڈنے جارہے ہیں۔ اس نے باپ کے گھوڑے پر زین ڈالی اور نکل کھڑا ہوا۔ شہر کا صرف ایک دروازہ تھا جس سے رات کو انتہائی مجبوری کے تحت کسی کو باہر جانے دیا جاتا تھا۔ اس نوجوان نے باہر کی یہ وجہ بتائی کہ اسے اُس جماعت کے ساتھ شامل ہونا ہے جو ایک سالار کے ساتھ گئی ہے۔ سالار کے نام سے اس کے لئے دروازہ کھل گیا اور وہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا سالار زبیرؓ کے پاس جاپہنچا۔

اس نے سالار زبیرؓ کو بتایا کہ ان کی محبت کا ایلی کے دادا کو اچھی طرح علم تھا۔ دادا اُیلی کو کسی اور سے ملنے نہیں دیتا تھا اور ایلی اتنی معصوم فطرت تھی کہ وہ کسی اور کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی.... اس نوجوان نے جذبات سے مغلوب ہوکر رومانی سی باتیں شروع کردیں کہ ان کی ملاقاتیں کیسے ہوتی تھیں اور ایلی کس طرح باتیں کرتی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ایلی نے اس کے ساتھ شادی کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ اپنے دادا سے الگ نہیں ہوگی بلکہ اس نوجوان کو اس کے گھر میں رہنا پڑے گا۔

سالار زبیرؓ بن العوام نے اسے کہا کہ جس مہم پر جارہے ہیں وہ اس کے بس کی بات نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جذباتی ہوکر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ مہم سر ہوتے ہوتے ناکام ہوجائے اور پوری جماعت ہلاکت میں پڑ جائے لیکن یہ نوجوان ایسا ضدی نکلا کہ اس نے منّتیں شروع کردیں اور کہا کہ وہ ان کے ساتھ نہ گیا تو یہ ایلی سے اس کی بے وفائی ہوگی۔ آخر اسے ساتھ لے لیا گیا اور سالار زبیرؓ نے اسے کچھ ہدایات دیں اور کہا کہ وہ ان کے ساتھ رہے اور بالکل الگ نہ ہو۔

جانبازوں کی اس جماعت میں چار مجاہدین کے پاس تلواروں کے علاوہ کمانیں تھیں اور ایک ایک ترکش تیروں سے بھری ہوئی بھی تھی۔ باقی سب کے پاس تلواریں تھیں اور دو کے پاس تلواروں کے علاوہ برچھیاں بھی تھیں۔ ان کے پاس چار پانچ مشعلیں بھی

تھیں لیکن انہیں بوقتِ ضرورت سالار کے کہنے پر جلانا تھا۔ سالار زبیرؓ کو امید تھی کہ اتنے روشن چاند کی چاندنی گری اور جھکی ہوئی چھتوں اور گری ہوئی دیواروں سے کھنڈر کے اندر جاتی ہوگی اور یہ روشنی کافی ہوگی۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ یہ مہم مشعلوں کی روشنی کے بغیر سر کی جائے۔

آگے چل پڑے لیکن اس نوجوان کے پاس گھوڑا تھا جسے آگے نہیں لے جانا تھا۔ کچھ آگے جہاں سے چٹانیں شروع ہوتی تھیں وہاں درخت بھی تھے۔ گھوڑا ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا اور یہ جماعت آگے چلی گئی اور جب کھنڈرات میں داخل ہونے لگی تو سالار زبیرؓ رک گئے۔

"آخری بات سن لو" ___ سالار زبیرؓ نے کہا ___ "یہ ذہن میں رکھ کر ان کھنڈرات میں داخل ہونا کہ انہیں کسی کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بھی سوچ لو کہ ہم میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔ اللہ کا نام لو اور آگے بڑھو"۔

○

کھنڈرات میں داخل ہوئے۔ دونوں گائیڈ آگے آگے تھے۔ سالار زبیرؓ بن العوام نے ایک روز پہلے اندر جا کر راستے دیکھ لئے تھے۔ گائیڈ انہیں کسی اور طرف لے جا رہے تھے۔ سالار نے بڑی دھیمی آواز میں کہا کہ اب تیرانداز ایک ایک تیر کمانوں میں ڈال لیں اور دوسرے اپنی تلواریں نکال لیں۔

چاندنی اندر آ تو رہی تھی لیکن بعض راہداریاں بالکل تاریک تھیں۔ اندر خاموشی طاری تھی۔ اس ہیبت ناک خاموشی کو ایک اُلّو کی آواز نے توڑا اُلّو تین بار بولا۔ ایسے بھیانک کھنڈروں میں اُلّو ہی بول سکتا تھا۔

"یہ اُلّو کی آواز ہے" ___ سالار زبیرؓ بن العوام نے کہا ___ "لیکن یہ کسی انسان کے منہ سے نکلی ہوئی آواز بھی ہو سکتی ہے۔ اس عبادت گاہ کے چوکیدار نے اُلّو کی طرح بول کر اپنے سوئے ہوئے ساتھیوں کو خبردار کیا ہوگا"۔

راہداریوں کے چند ایک موڑ مڑ چکے تو ایک کھلا راستہ آ گیا۔ اچانک یوں ہُوا جیسے بڑی ہی تیز آندھی آ گئی ہو اور اس کے ساتھ ہلکی ہلکی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ گائیڈ فوراً بیٹھ گئے اور باقی سب سے کہا کہ وہ بھی بیٹھ جائیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہوا کے تیز

جھونکے سر کے اوپر سے گزر رہے ہوں۔ یہ کوّے جتنے بڑے بلکہ اس سے بھی بڑے پروں والے چمگادڑ تھے جو چھتوں کے ساتھ الٹے لٹکے رہتے تھے۔ ان کی دنیا میں ذرا سی بھی مداخلت ہو تو یہ اسی طرح سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں اڑ جاتے ہیں اور سب کا رخ ایک ہی طرف ہوتا ہے۔

یہ طوفان باہر نکل گیا تو جانبازوں کی یہ جماعت اٹھ کر آگے کو چلی۔ اس کھنڈر کا صحن تھا ہی نہیں۔ چھتیں ہی چھتیں تھیں۔ دو تین کشادہ کمروں اور برآمدوں میں سے گزرے تو ایک گری ہوئی چھت سے چاندنی آ رہی تھی اور اندر کا سارا منظر نظر آ رہا تھا۔ ایک طرف سیڑھیاں تھیں۔ سالار زبیرؓ نے ان سیڑھیوں کو پہچان لیا اور اپنی جماعت کے اُس آدمی کو سیڑھیوں پر چڑھ جانے کو کہا جسے وہ پہلے بتا چکے تھے کہ اوپر جا کر کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ یہ جانباز مجاہد تیرانداز تھا۔

اسی طرح دو اور سیڑھیوں سے سالار زبیرؓ نے دو جانبازوں کو اوپر بھیج دیا۔ انہیں خبردار کر دیا گیا تھا کہ چھتیں کچھ تو گری ہوئی ہیں اور کچھ ویسے ہی جھک گئی ہیں' ان سے خبردار رہیں ورنہ نیچے آ پڑیں گے۔

کبھی تو یوں چیخ نما آواز آتی تھی جیسے چڑیلیں چیخ اٹھی ہوں۔ قدم گھسیٹنے کی بھی کہیں سے آواز آتی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے مرے ہوئے گناہگاروں کی بدروحیں اس ہیبت ناک ویرانے میں گھوم پھر رہی ہوں۔ لگتا یوں تھا جیسے یہ بدروحیں کسی نہ کسی روپ میں نظر آ جائیں گی لیکن وہاں ملبے کے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا.... آخر جانبازوں کی یہ جماعت اُس ہال میں جا پہنچی جہاں ایک دیوار کے ساتھ سٹیج جیسا چبوترہ بنا ہُوا تھا۔ یہ اس ہال کے نصف چوڑائی جتنا لمبا تھا۔ اس کے دونوں طرف اس کے آگے بھی ملبہ پڑا ہُوا تھا۔

دونوں گائیڈ آگے چلے گئے اور ملبے کے ایک ڈھیر پر جا چڑھے۔ ان دونوں میں سے ایک کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ دوسرا دوڑتا ہُوا ملبے کے ڈھیر سے نیچے آ گیا۔ کسی طرف سے چاندنی کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اوپر سے کسی کے گرنے کا دھماکہ سنائی دیا۔ یہ کوئی آدمی ہی ہو سکتا تھا۔ چاندنی کی روشنی کافی نہیں تھی۔

سالار زبیرؓ نے کہا کہ فوراً" مشعل جلا لو۔ مشعل والے ایک مجاہد نے مشعل جلا دی۔ پہلے اپنے گائیڈ کو دیکھا جو گرا پڑا تھا۔ پھر اس کی گردن کے ایک طرف سے تیر داخل

ہُوا اور دوسری طرف سے تھوڑا سا باہر آگیا تھا۔ گائیڈ تڑپ رہا تھا۔ سالار زبیرؓ نے دیکھا کہ تیر کی سامنے والی نوک باہر نکل آئی ہے تو انہوں نے دوسری طرف سے تیر توڑ دیا اور نوک والی طرف سے پکڑ کر کھینچا اور تیر باہر نکل آیا لیکن گائیڈ کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ یقیناً شہ رگ کٹ گئی تھی۔

ایک جانباز مجاہد نے سالار کے کہے بغیر ہی دوسری مشعل جلالی اور اُس طرف گیا جہاں کسی کے گرنے کی دھمک سنائی دی تھی۔ وہ کوئی آدمی تھا جو ان کے لئے اجنبی تھا۔ اس کی پیٹھ میں تیر اُترا ہُوا تھا اور اتنا اندر چلا گیا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تیر قریب سے چلایا گیا ہے۔ یہ آدمی بھی ابھی زندہ تھا اور تڑپ رہا تھا۔ اسے بھی مرنا تھا۔ سالار زبیرؓ نے اپنی تلوار کی نوک اس کے دل کے مقام پر رکھ دی اور پوچھا کہ وہ کون ہے۔ وہ اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔

”نہیں بتاؤں گا“ —— تیر کھائے ہوئے زخمی نے کہا —— ”تلوار میرے سینے میں اتار دو۔ مجھے تو اب مرنا ہی ہے ‘اپنے دیوتاؤں کو ناراض کر کے نہیں مرنا چاہتا“۔

سالار زبیرؓ سمجھ گئے کہ اس شخص سے کچھ معلوم کرنا ممکن نہیں۔

بات بالکل صاف تھی۔ گائیڈ اُس جگہ تک پہنچ گئے تھے جہاں سے راستہ خفیہ عبادت گاہ تک جاتا تھا۔ یہ شخص کسی چھت پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس نے اوپر سے تیر چلایا اور ایک گائیڈ کو نشانہ بنالیا۔ اس نے اب دوسرے گائیڈ کو مارنا تھا لیکن زبیرؓ بن العوام نے پہلے ہی اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ انتظام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے جانباز اوپر بھیج دیئے تھے۔

سالار زبیرؓ نے پہلے سنا تھا کہ دو آدمی جنہیں ہرقل اور بعد میں قسطنطین نے بھیجا تھا اسی طرح تیروں سے مرے تھے۔ سالار زبیرؓ نے سوچ لیا تھا کہ یہ تیر اوپر سے ہی آتے ہوں گے۔ ایک روز پہلے انہوں نے اوپر جا کر دیکھ لیا تھا کہ کس جگہ سے تیرانداز نیچے کسی کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ انہوں نے ایک ایک جانباز ان جگہوں سے ذرا دور بھیج دیئے تھے۔ اور انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ عبادت گاہ کے آدمی نے اوپر سے تیر چلایا اور ایک گائیڈ کو نشانہ بنالیا اور اوپر بیٹھے ہوئے جانباز نے اس آدمی کو تیر کا نشانہ بنایا اور وہ آدمی تیر کھا کر نیچے جا پڑا۔

اوپر سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے دو تین آدمی آپس میں لڑ رہے ہوں۔ یہ

آوازیں کوئی عجیب نہیں تھیں البتہ یہ ڈر آتا تھا کہ یہ جنّات یا چڑیوں جیسی کوئی مخلوق بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا تھا تو جانباز مجاہدین کی موت یقینی تھی۔ زبیرؓ بن العوام نے کہا کہ اوپر اپنے آدمیوں کی مدد کو پہنچا جائے لیکن وہ جگہ ایسی تھی جہاں تیز نہیں دوڑا جا سکتا تھا اور سیڑھیاں بھی تیزی سے نہیں چڑھی جا سکتی تھیں پھر اوپر جا کر تیز چلنا اور اپنے ساتھی تک پہنچنا بالکل ہی ممکن نہیں تھا کیونکہ گری اور جھکی ہوئی چھتوں سے گرنا یقینی تھا۔ ان مجاہدین کو جو اوپر بھیجے گئے تھے اللہ کے حوالے کر دیا گیا۔

سالار زبیرؓ نے دوسرے گائیڈ سے کہا کہ اب اوپر خطرہ کم ہو گیا ہے اور انہیں اُس جگہ لے چلے جہاں خفیہ عبادت گاہ میں داخل ہُوا جا سکتا ہے۔

گائیڈ ایک بار پھر ملبے کے ڈھیر پر جا چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔ اتنے میں گری ہوئی چھت میں سے دو آدمی نیچے آپڑے۔ جا کر دیکھا تو ایک مجاہد تھا اور دوسرا کوئی اور تھا۔ چھت بہت اونچی تھی۔ دونوں زخمی تھے اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ظاہر تھا کہ انہوں نے لڑتے ہوئے ایک دوسرے کو زخمی کیا تھا۔ اتنی بلندی سے گرے تو دونوں بے ہوش ہو گئے۔ صاف پتہ چلتا رہا تھا کہ دونوں اس بے ہوشی میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

گائیڈ نے ذرا دھیمی آواز میں سالار زبیرؓ کو پکارا۔ سالار زبیرؓ فوراً پہنچے اور ملبے کے ڈھیر پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئے۔ وہ تو دن کو بھی یہاں آئے تھے لیکن اس طرف نہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ملبہ دیوار تک گیا ہُوا ہے اور وہاں ملبے کے سوا کچھ بھی نہیں ہو گا لیکن وہاں دیوار اس طرح ٹوٹی ہوئی تھی یا توڑی گئی تھی جس طرح ڈاکو دیوار میں نقب لگایا کرتے ہیں۔ یہ شگاف اتنا اونچا اور چوڑا تھا کہ ایک آدمی ذرا جھک کر اس کے اندر جا سکتا تھا۔ زبیرؓ اس شگاف میں داخل ہونے لگے تو ایک آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

”یہیں سے واپس چلے جاؤ“ —— شگاف میں سے آواز گونجی —— ”آگے بڑھو گے تو تمہاری بادشاہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی اور یہی انجام تمہارے خاندان کا ہو گا“۔

یہ بھاری اور گونجدار آواز کچھ دیر کھنڈرات میں بھٹکتی رہی اور اس کی گونج آہستہ آہستہ مدھم ہوتی ختم ہو گئی۔ سالار زبیرؓ نے پیچھے ہٹنے کی بجائے قدم آگے بڑھائے اور

جانبازوں سے کہا کہ ان کے پیچھے آئیں۔

"ہرقل کا انجام یاد کرو" —— آواز پھر گونجی —— "روم کی سلطنت کی تباہی سے عبرت حاصل کرو"۔

زبیرؓ اپنے جانبازوں کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ یہ ایک سرنگ سی تھی جو شگاف سے زیادہ اونچی اور چوڑی تھی۔ دو تین قدم ہی آگے گئے ہوں گے تو آواز پھر بلند ہوئی۔

"ہم یہاں سے نہیں اگلے جہان سے بول رہے ہیں" —— پہلے جیسی آواز گرجی —— "ابھی وقت ہے دو قدم اور آگے بڑھائے تو زندہ واپس نہیں آسکو گے"۔

سالار زبیرؓ نے اپنے جانبازوں سے کہا کہ وہ سرنگ میں ہی ٹھہریں، اور خود واپس آئے اور شگاف میں سے باہر نکلے۔

"اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے سامنے آجاؤ" —— زبیرؓ بن العوام نے بلند آواز سے کہا —— "تم زندہ رہو گے۔ ہماری بادشاہی نہیں بادشاہی اللہ کی ہے جسے کوئی انسان تباہ نہیں کر سکتا۔ ہم گناہگاروں کو اللہ کا راستہ دکھانے آئے ہیں۔ عبادت صرف اللہ کی کی جاتی ہے۔ اگر میرے سامنے خود ہی نہیں آجاؤ گے تو زندہ نہیں رہ سکو گے"۔

سالار زبیرؓ تھوڑی دیر جواب کا انتظار کرتے رہے لیکن انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ وہ پھر شگاف کے اندر چلے گئے۔ ایک مجاہد نے جلتی ہوئی مشعل اٹھا رکھی تھی۔

یہ سرنگ ختم ہوئی تو آگے رستہ بند تھا اور دو راستے نکلتے تھے، ایک دائیں اور ایک بائیں کو، بائیں طرف دیکھا تو یہ بھی سرنگ سی ہی تھی اور کچھ لمبی بھی تھی۔ اس کے اگلے سرے پر جہاں یہ ختم ہوتی تھی، ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ سالار زبیرؓ اس طرف مڑ گئے۔

"جانبازو گھبرانا نہیں" —— سالار زبیرؓ نے اپنی جماعت سے کہا —— "اندر کوئی فوج نہیں ہو گی۔ اللہ کو اپنے ساتھ سمجھو۔ ہم کسی کا خزانہ لوٹنے نہیں آئے۔ ہم یہاں اللہ کا یہ فرمان پہنچانے آئے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے"۔

اس سرنگ سے نکلے تو سامنے ایک کشادہ کمرہ تھا جس کے ایک کونے میں چھوٹا سا فانوس جل رہا تھا۔ کمرے میں چار پانچ اچھی قسم کے پلنگ رکھے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک بوڑھا آدمی جو لمبے چغے میں ملبوس تھا اور سر پر مصری ٹوپی اور ٹوپی پر رومال پڑا ہوا تھا، کھڑا اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف سے زبیرؓ اور ان کے جانباز داخل ہوئے

تھے۔ اس کے پیچھے چار پانچ آدمی ہاتھوں میں تلواریں لئے کھڑے تھے۔

یہ شخص بہت ہی بوڑھا لیکن جوانوں کی طرح سیدھا کھڑا تھا۔ اس کے جسم میں ذرا سا جھکاؤ نہیں تھا۔ سالار زبیرؓ بن العوام نے اپنے جانبازوں کو ابھی سامنے نہیں آنے دیا تھا۔ وہ اکیلے ہی سرنگ سے نکل کر رک گئے تھے۔

"یہاں مرنے کے لئے آئے ہو؟" —— بوڑھے نے کہا —— "ہم تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتے ہیں لیکن اس عمر میں مجھے اس گناہ سے بچالو تو یہ تمہاری بہت بڑی نیکی ہو گی۔ میں کسی کا خون بہانا بہت بڑا گناہ سمجھتا ہوں"۔

"کسی کا خون بہانے کا گناہ میں بھی نہیں کرنا چاہتا" —— سالار زبیرؓ بن العوام نے کہا —— "میں سمجھ گیا ہوں کہ تم اس عبادت گاہ کے راہب ہو۔ میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کی جاتی ہے اور تمہاری یہ عبادت محض باطل ہے۔ یہ بند کرو اور ہمارے ساتھ چلے چلو۔ تمہیں پورے احترام کے ساتھ رکھا جائے گا"۔

"اے نادان انسان!" —— بوڑھے راہب نے کہا —— "تو ہرقل سے بڑھ کر طاقتور نہیں، تو یہاں تک آگیا ہے، ہرقل کے آدمی اس راستے کے منہ پر ہی پہنچے تھے کہ تیر ان کے جسموں میں اتر گئے پھر سلطنتِ روم جس انجام کو پہنچی وہ تو نے دیکھا ہے۔ پھر ہرقل کو ہم نے اس دنیا سے ہی اٹھا دیا.... میں تیری جان بخشی کرتا ہوں اور تیری جرأت کی تعریف کرتا ہوں کہ تو یہاں تک آگیا۔ جا، واپس چلا جا ورنہ میرے یہ آدمی تیرے جسم کو کئی حصوں میں کاٹ کر انہی کھنڈروں میں گم کر دیں گے"۔

"لڑکی میرے حوالے کر دو" —— سالار زبیرؓ نے کہا —— "پھر اپنے آپ کو بھی میرے حوالے کر دو"۔

بوڑھے راہب کو شاید غلط فہمی تھی کہ سالار زبیرؓ اکیلا آیا ہے۔ اس نے کوئی اور بات نہ کی، اپنے پاس کھڑے چار آدمیوں کی طرف دیکھ کر سر سے ہلکا سا اشارہ کیا۔ چاروں آدمی تلواریں سونت کر زبیرؓ بن العوام کی طرف بڑی تیزی سے آئے۔ زبیرؓ ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

ان چار آدمیوں نے سالار زبیرؓ کو گھیر لیا اور اس وقت اچانک تمام جانباز مجاہدین سرنگ سے نکلے اور ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان جانبازوں کے ساتھ ایک گائیڈ اور دوسرا وہ نوجوان بھی تھا جو گمشدہ لڑکی کو تلاش کرنے آیا تھا اور اس لڑکی کو دل و جان سے

چاہتا تھا۔

"ٹھہر جاؤ" ___ بوڑھے راہب نے بلند آواز سے کہا۔

اس کی کسی نے نہ سنی۔ اس کے چاروں آدمی مجاہدین کی تلواروں سے کٹ کر گر چکے تھے اور سالار زبیرؓ کی تلوار کی نوک اس راہب کے پہلو کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ زبیرؓ اسے کہہ رہے تھے کہ لڑکی ان کے حوالے کر دو۔

راہب حیرت زدگی اور غم زدگی کی کیفیت میں بُت بنا کھڑا رہا۔ اس نے جیسے سالار زبیرؓ کی بات سنی ہی نہ تھی۔

"میں یہاں ہوں" ___ ایک لڑکی کی چیخ نما آواز سنائی دی۔

سب نے اُدھر دیکھا۔ پندرہ سولہ سال عمر کی بڑی خوبصورت لڑکی ایک دروازے سے نکل رہی تھی۔ اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ اُیلی کی تلاش میں آنے والے نوجوان نے اسے دیکھا تو دوڑ کر اس تک پہنچا اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ لڑکی کے بازو بھی اس کے گرد لپٹ گئے۔ گمشدہ لڑکی مل گئی تھی۔

سالار زبیرؓ دو تین جانبازوں کو ساتھ لے کر اس دروازے میں داخل ہوئے جس سے لڑکی باہر آئی تھی۔ دروازے کے کواڑ تھے ہی نہیں۔ دیمک نے کھا لئے ہوں گے۔

وہ بھی ایک کمرہ تھا جس میں ایک پلنگ کے قریب گائے کا ایک بچھڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ ابھی چھوٹا تھا۔ وہ اس قدر دُھلا دھلایا تھا کہ اس کے بال مشعلوں کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ بڑا ہی پیارا لگتا تھا۔

بات بالکل صاف تھی۔ اس بچھڑے کو اور اس لڑکی اُیلی کو ایبس بچھڑے کے نام پر قربان کرنا تھا۔ جوزف کا شک صحیح نکلا.... اس کمرے کی تلاشی لینے لگے تو پلنگ کے نیچے سے ایک آدمی چھپا ہوا برآمد ہوا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو لہولہان ہو کر گرتے دیکھ لیا ہو گا اور پلنگ کے نیچے جا چھپا۔

اسے ساتھ لے کر اس کمرے سے نکلے اور اُس کمرے میں گئے جہاں اب خون بہہ رہا تھا اور لاشیں پڑی تھیں۔ ان لاشوں سے ذرا ہٹ کر بوڑھا راہب پیٹھ کے بل فرش پر پڑا تھا۔ ایک تلوار اس کے سینے سے ذرا نیچے جسم میں اُتری ہوئی تھی۔ بوڑھا تلوار کو اپنے جسم سے نکالنے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

"اسے کس نے مارا ہے؟" ___ زبیرؓ بن العوام نے بڑے غصے میں اپنے جانبازوں

سے پوچھا ___ "تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ اسے بھی مار ڈالو"۔

مجاہدین حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر ایک مجاہد نے بتایا کہ اس راہب نے اپنے ایک آدمی کی گری ہوئی تلوار اٹھالی تھی۔ لگتا تھا کہ وہ مجاہدین کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس نے تلوار کا دستہ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر تلوار کی نوک اپنے سینے پر رکھی اور بڑی زور سے دباؤ ڈال کر تلوار اپنے جسم میں اتار لی۔ اس نے خودکشی کی تھی۔

سالار زبیرؓ بن العوام نے دور سے ہی دیکھ لیا کہ بوڑھا ابھی زندہ ہے۔ وہ دوڑتے پہنچے اور اس کے پیٹ اور سینے کے درمیان اتری ہوئی تلوار نکال لی لیکن اس کا زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ تلوار پیٹھ تک چلی گئی تھی۔ جسم کے اس حصے میں تلوار اتر جائے تو یہ زخم موت کا باعث تو ضرور ہی بنتا ہے لیکن مرتے مرتے بعض اوقات ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ سالار زبیرؓ نے راہب کو بٹھالیا اور پوچھا کہ اس نے خودکشی کیوں کی ہے!

"میں کسی کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہونا چاہتا" ___ بوڑھے راہب نے کہا ___ "میری عبادت گاہ نہیں رہی' میرا مذہب تم نے پراگندہ کر دیا ہے تو میں اب جی کر کیا کروں گا۔ میں جانتا ہوں تم مسلمان ہو اور تمہارے مذہب سے بھی کچھ واقفیت حاصل کرلی ہے لیکن مجھے یہ نہ کہنا کہ میرا مذہب باطل تھا۔ میں نے نوّے برس اس عبادت گاہ میں عبادت کی بھی ہے اور کروائی بھی ہے"۔

"صرف ایک بات بتا دو" ___ سالار زبیرؓ نے پوچھا ___ "کیا میرا یا میری قوم کا یا میری قوم کی حکومت کا انجام واقعی بُرا ہو گا؟ کیا ہرقل کو اس لئے شکست پر شکست ہوئی تھی کہ اس نے تمہارے مذہب اور تمہاری عبادت گاہ میں مداخلت کی تھی؟"

"ہاں!.... یہ بالکل ٹھیک ہے" ___ راہب نے درد کی شدت پر قابو پاتے ہوئے کہا ___ "تم ہرقل کی طرح ڈرے نہیں اس لئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا انجام شاید بُرا نہ ہو۔ تم نے اپنے دل میں ایک یقین پختہ کر رکھا ہے اور اس یقین یا عقیدے کے ساتھ تمہاری روحانی وابستگی اور وفاداری ہے۔ جس شخص میں یہ خوبی ہوتی ہے وہ کبھی بُرے انجام کو نہیں پہنچتا"۔

زبیرؓ بن العوام اس سے کچھ اور ضروری باتیں پوچھنا چاہتے تھے اور راہب مر رہا تھا اس لئے انہوں نے یہ پوچھا کہ اس لڑکی کو کیوں اغوا کیا گیا تھا۔ اس نے وہی بات بتائی جو

جوزف سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتا چکا تھا۔ اس نے یہ بچھڑا ایک دو مہینے پہلے خریدا تھا اور پھر اپنے آدمی شہر میں اپنے مطلب کی لڑکی کو دیکھنے کے لئے بھیجے۔ اتفاق سے ان کی نظر ایلی پر پڑی تو اسے کچھ ورغلا کر اور کچھ دھوکہ دے کر باہر لائے اور کوئی دوائی اس کی ناک کے آگے رکھ کر اسے بے ہوش کیا اور اٹھا لائے۔

سالار زبیرؓ نے اس سے پوچھا کہ لڑکی کا وہ قربانی سے پہلے کیا بناتے ہیں اور اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں.... راہب نے کہا کہ کسی ایسی غلط بات کو دل میں جگہ نہ دینا کہ لڑکی کو کسی غلط یا بیہودہ مقصد کے لئے رکھا جاتا ہے۔ انہیں قربانی کے لئے کنواری اور معصوم لڑکی درکار ہوتی ہے جو اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتا ہے پھر یہاں لڑکی کو اس طرح پاک اور صاف ستھرا رکھا جاتا ہے جیسے یہ آسمان سے اتری ہو.... بعد میں اس لڑکی نے بھی بتایا تھا کہ اسے کچھ پلاتے تھے جس سے وہ بیدار تو رہتی تھی لیکن اسے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ قید میں ہے۔ رات کو اس کی آنکھ کھل جاتی تب اسے قید کا احساس ہوتا تھا لیکن اسے اتنا زیادہ ڈرا کر رکھا گیا تھا کہ وہ فرار کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی پھر اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور یہاں سے نکل بھاگنے کا راستہ کون سا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد راہب مر گیا۔ سالار زبیرؓ بن العوام ان سب کی لاشیں وہیں چھوڑ کر اور لڑکی اور بچھڑے کو ساتھ لے کر وہاں سے واپس آ گئے۔ پلنگ کے نیچے سے جو آدمی نکالا گیا تھا اسے بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بالائی منزل میں ایک جانباز مجاہد کا سامنا ایک تیر انداز سے ہو گیا تھا۔ یہ مجاہد زخمی تھا لیکن اس نے تیر انداز کو مار ڈالا تھا۔ ایک تو تیر سے گرا دیا گیا تھا۔

جانباز مجاہدین کی یہ جماعت رات کے پچھلے پہر واپس بابلیون پہنچی۔ فجر کی نماز کے وقت سالار زبیرؓ نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتایا کہ وہ لڑکی کو ڈھونڈ کر لے آئے ہیں اور پھر انہیں سارا واقعہ سنایا۔ صبح ہوتے ہی لڑکی کے باپ کو بلا کر لڑکی اس کے حوالے کر دی گئی۔ اسے یہ بتایا گیا کہ اس کی پوتی کو ڈھونڈ لانے کے لئے دو آدمی قربان کئے گئے ہیں۔ یہ بوڑھا آدمی اس قدر متاثر ہوا کہ ہر کسی کو یہ واقعہ سناتا پھر رہا تھا۔ شام تک سارے شہر میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا اور اگلے روز کئی ایک عیسائی اسلام قبول کرنے کے لئے آ گئے۔ وہ کہتے تھے کہ ایسی قوم پہلی بار دیکھی ہے جس کے ہاں انسانی ہمدردی اور انصاف ہے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے حکم دیا کہ سرابیوم کے کھنڈرات ویسے ہی رہنے دیئے جائیں جیسے ہیں۔ ان کی اہمیت تاریخی نوعیت کی ہے لیکن اس کا عبادت گاہ والا حصہ مسمار کر دیا جائے۔



ادھر بابلیون میں مجاہدینِ اسلام فتح و نصرت سے سرشار اپنے قدم جما چکے تھے اور اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کے لئے جوش و خروش سے تیار ہو رہے تھے۔ صرف بابلیون کا ہی نہیں بلکہ تمام مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اور انتظامیہ کا سلسلہ رواں کر چکے تھے۔ سب سے بڑی کامیابی تو یہ تھی کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے تدبر نے قبطی عیسائیوں کے ذہنوں سے بغاوت کا خیال نکال دیا تھا اور ایسے اقدامات کئے تھے کہ ان کے دل موہ لئے تھے۔ تمام مجاہدینِ اسلام نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک اور روّیہ روا رکھا تھا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بیگانگی اور غیریت کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔

ادھر بزنطیہ میں ہرقل کے شاہی محل پر لعنتیں برس رہی تھیں۔ ابلیس رقص کر رہا تھا۔ ہرقل مر چکا تھا۔ ایک وہ تھا جسے سلطنتِ روم کا غم کھاتا رہتا تھا اور جس نے ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھے تھے یا اب اس کا بیٹا قسطنطین تھا جس کا خون ہر وقت کھولتا رہتا تھا اور اس پر غصے کی کیفیت طاری رہنے لگی تھی۔ پیچھے ایک باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ رومی فوج کے جرنیل اور حکومت کے حاکم دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ کچھ قسطنطین کے حامی اور کچھ اس کی سوتیلی ماں مرتینا کے حامی بن گئے تھے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ملکہ مرتینا اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو ہرقل کی جگہ تخت نشین کرانا چاہتی تھی لیکن تخت و تاج کا صحیح وارث قسطنطین تھا۔ وہ بڑا بھی تھا اور منجھا ہوا جرنیل بھی تھا اور حکومت کے مسائل اور امور کو بھی سمجھتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ملکہ مرتینا کا بیٹا ہر پہلو سے صرف شہزادہ تھا۔ نہ اس نے کبھی میدانِ جنگ دیکھا اور نہ کاروبارِ سلطنت سے آشنا تھا۔ ملکہ مرتینا حسین تو تھی ہی لیکن عیّاری اور مکّاری کے لحاظ سے جادوگرنی تھی۔ پتھر دل آدمی کو بھی موم کر کے اپنی مٹھی میں لے لیتی تھی۔

جرنیل اور حکومت کے حاکم دو حصوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن بنے جا رہے تھے۔ ان میں کچھ خوشامدی بھی تھے۔ وہ قسطنطین کو آئے دن کوئی نئی سے نئی خبر سناتے اور ملکہ مرتینا اور اس کے بیٹے ہرقلیوناس کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ قسطنطین کو

مصر کا غم تو کھا ہی رہا تھا لیکن یہ خوشامدی اسے ایسی خبریں سناتے تھے کہ اس کا خون کھول اٹھتا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ کسی اندرونی روگ میں مبتلا ہو گیا تھا اور جسمانی کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔ اس سے بڑا روگ اور کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی جنگی طاقت سمجھنے والے شاہی خاندان کو مٹھی بھر عربوں نے جنہیں رومی گنوار بدّو کہتے تھے شام سے مار بھگایا تھا اور اب انہیں مصر سے بھی بُری طرح بے دخل کیا جا رہا تھا۔

قسطنطین کی حالت تو اب یہ ہو گئی تھی جیسے ڈوبنے والا تنکوں کے سہارے تلاش کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی نظریں بھٹک بھٹک کر ہرقل کے بنائے ہوئے اسقفِ اعظم قیرس پر جا رکتی تھیں۔ ہرقل نے مقوقس کے ساتھ قیرس کو بھی جلاوطن کر دیا تھا۔ ہرقل کی موت کے بعد قسطنطین نے ایک ایلچی کو قیرس کی تلاش میں روانہ کیا اور یہ پیغام دیا تھا کہ قیرس کو مصر کی صورتِ حال بتا کر کہیں کہ وہ واپس آ جائے۔ ایلچی نے قیرس کو ڈھونڈ نکالا تھا اور اسے اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا۔

قسطنطین نے اس کا استقبال پورے احترام سے کیا اور اسے الگ تنہائی میں بٹھا لیا۔

"سب سے پہلے یہ بات سن لیں" — قسطنطین نے قیرس سے کہا — "میں نے کبھی بھی آپ کو باغیانہ خیالات کا مجرم نہیں سمجھا۔ اصل قصور مقوقس کا تھا لیکن میرے بادشاہ باپ نے اس کے ساتھ آپ کو بھی جلاوطن کر دیا۔ مجھے پوری امید ہے کہ سلطنت روم کے مسائل کے ساتھ آپ کو بھی اتنی ہی دلچسپی ہے جتنی مجھے ہے۔ میں آپ کا اسقفِ اعظم کا رتبہ بحال کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی آپ کو اپنا مقدس باپ سمجھتا ہوں"۔

اس کے بعد قسطنطین نے قیرس کو مصر کی ساری صورتِ حال بتائی اور پھر بزنطیہ میں جو محلاتی سازشیں اور کدورتیں چل رہی تھیں وہ بھی تفصیل [illegible] سنائیں۔ پھر کہا کہ وہ مصر میں اپنی فوج کو کمک بھیجنا چاہتا ہے لیکن یہاں تو دو دھڑے [illegible] بنے ہیں جنہوں نے فوج کو تقسیم کر لیا ہے۔ اس نے کہا کہ بظاہر فوج یکجا [illegible] ں کے دل آپس میں پھٹ گئے ہیں۔

"مجھے صرف ایک بات بتاؤ" — قیرس نے پوچھا — "میں کیا کر سکتا ہوں اور میرے فرائض کیا ہیں؟"

"بات بالکل مختصر کروں گا" — قسطنطین [illegible] پہلے تو آپ ملکہ مرتینا سے کہیں کہ وہ تخت کی جانشینی کے [illegible] میں مہلت دے کہ ہم ان عربوں کو مصر سے نکال دیں [illegible] خانہ جنگی کی جو صورتِ حال بن رہی ہے یہ ختم ہو جا [illegible] پ لے ساتھ زیادہ سے زیادہ کمک مصر بھیجوں گا۔ مجھے اطلاع ملی ہے [illegible] ں عیسائی مسلمانوں کے دوست بنتے جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ہر طرح تعاون کرتے ہیں۔ مجھے یہ خطرہ نظر آ رہا ہے کہ مصر کے جو علاقے ابھی ہماری سلطنت میں ہیں' ان علاقوں میں قبطی ہمارے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ آپ کچھ مبلغ ساتھ لے جائیں گے جو قبطیوں کو سلطنتِ روم کا وفادار بنانے کی کوشش کریں گے"۔

"آپ کو بھولنا نہیں چاہئے" — قیرس نے کہا — "قبطیوں کے دلوں میں ہمارے خلاف انتقام کی آگ سلگ رہی ہے۔ شاہ ہرقل نے جس بے دردی سے قبطی عیسائیوں کا قتلِ عام میرے ہاتھوں کروایا ہے وہ قبطی کبھی نہیں بھول سکتے۔ قبطیوں کو ساتھ ملانے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اعلان کر دیں کہ شاہ ہرقل نے جو عیسائیت بنائی تھی وہ منسوخ کی جاتی ہے اور اصل عیسائیت وہ ہے جو یسوع مسیح سے ہمیں ملی ہے.... میں ملکہ مرتینا سے ملوں گا اور اسے قائل کرنے کی پوری کوشش کروں گا کہ وہ تخت و تاج کی وراثت کو ابھی متنازعہ نہ بنائے اور اپنے آپ کو سلطنتِ روم کی ملکہ نہ سمجھے"۔

ان دونوں نے طے کیا کہ کل جرنیلوں کا ایک اجلاس بلایا جائے' اور یہ مسائل اور یہ صورتِ حال ان کے آگے رکھی جائے۔

○

قسطنطین کی ملاقات کے بعد قیرس باہر آیا تو شام گہری ہو چکی تھی۔ ملکہ مرتینا اس انتظار میں تھی کہ قیرس باہر آئے تو اسے اپنے جال میں لے لے۔ اس نے اپنا ایک آدمی باہر کھڑا کر رکھا تھا۔ قیرس خود بھی چاہتا تھا کہ وہ ابھی ملکہ مرتینا سے مل لے۔ اس آدمی نے قیرس کو روک کر آہستہ سے کہا کہ ملکہ بلا رہی ہیں۔ قیرس ملکہ کے پاس چلا گیا۔

ایسے واقعات کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات لکھنے والے وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ قیرس جب ملکہ مرتینا کے کمرے میں داخل ہُوا تو ایسی خوشبو نے اس کا استقبال کیا جو اس نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ اس پر جو تاثر طاری ہُوا اس تاثر سے بھی وہ بیگانہ رہا

تھا۔ اس کے ساتھ ملکہ مرتینا کا کھڑا قد اور دلکش جسم اور پھر اس کے چہرے کا حسن قیرس پر خمار سا طاری کرنے لگا۔

ملکہ مرتینا اپنی عمر سے بہت کم لگتی تھی اور وہ مردوں کو اپنے طلسم میں گرفتار کرنے کی خصوصی مہارت رکھتی تھی۔ اس نے بڑی بے باکی اور بے حیائی سے قیرس کا استقبال کیا۔ قیرس اپنے وجود میں بڑھاپے میں جوانی کا جوش و خروش محسوس کرنے لگا۔ ملکہ مرتینا نے قیرس کو بٹھایا اور دو نوخیز لڑکیاں دوڑی آئیں جو اپنے لباس میں تھیں لیکن برہنہ لگتی تھیں۔ ملکہ مرتینا نے انہیں کہا کہ کھانا لگا دیں۔ لڑکیاں دوڑتی باہر نکل گئیں۔ اور قیرس پر ایسا جادو طاری کر گئیں کہ اُس کی نظریں اس دروازے پر لگی رہیں جس دروازے سے وہ آئی تھیں اور پھر نکل گئی تھیں۔

ملکہ مرتینا نے جب اپنی عیّاری چلائی تو تھوڑی سی دیر میں قیرس بھول ہی گیا کہ وہ مذہبی پیشوا ہے اور شاہ ہرقل نے اسے اسقفِ اعظم بنایا تھا۔ اس کی تمام انسانی کمزوریاں اُبھر آئیں اور اس کی اصل شخصیت پر چھا گئیں۔ کھانا آیا' ان حسین و جمیل نوجوان لڑکیوں نے کھانے کے دوران شراب پیش کی تو ملکہ مرتینا نے دیکھا کہ قیرس کی نظریں ان لڑکیوں کے جسموں پر چپک گئی ہیں۔

کھانے کے بعد ملکہ مرتینا اصل بات پر آئی۔ اس نے ایسی کوئی بات نہ کی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو تختِ روم کا وارث بنانا چاہتی ہے۔ اس کی باتوں سے سلطنتِ روم کا غم ٹپک رہا تھا اور ان شکستوں اور سلطنت کے سکڑتے چلے جانے کی ذمہ داری ہرقل اور پھر قسطنطین پر عائد کر رہی تھی۔ اس کی ہر بات قیرس کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد قیرس یوں محسوس کرنے لگا جیسے وہ زمین پر نہیں بلکہ بہشت میں پہنچ گیا ہے جہاں حُوریں اس کی خدمت پر مامور ہو گئی ہیں.... قیرس ملکہ مرتینا کا غلام ہو گیا تھا۔

ملکہ مرتینا نے قیرس کے لئے جو کمرہ تیار کروایا تھا وہ ملکہ کے کمرے سے زیادہ دلآویز اور دلنشیں تھا۔ اس دلاویزی اور دلکشی میں اضافہ اس طرح ہُوا کہ ملکہ مرتینا نے رات بھر کے لئے اس کے پاس ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو بھیج دیا.... صبح جب قیرس کی آنکھ کھلی تو اس کے دماغ پر ملکہ مرتینا سوار تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ روم

کے تخت و تاج کا وارث ہرقلیوناس ہی ہو گا لیکن اُس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ وہ قسطنطین کا وفادار بنا رہے گا اور کمک لے کر مصر جائے گا۔

کچھ دیر بعد ملکہ مرتینا آ گئی۔ ملکہ نے قیرس کے ساتھ کچھ باتیں کر کے بھانپ لیا کہ یہ شخص اس کی مُٹھی میں آ گیا ہے۔ تب اس نے قیرس کے دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کمک لے کر مصر جائے اور جنرل تھیوڈور سے مل کر فوج کو اس طرح لڑائے کہ مسلمانوں کو مصر سے نکال دیا جائے۔ پھر ملکہ مرتینا وہاں پہنچ جائے اور خود مختاری کا اعلان کر دے۔ قیرس نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسی صورت پیدا ہونے ہی نہیں دے گا بلکہ قسطنطین کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دے گا کہ وہ خود کہے گا کہ ہرقلیوناس کو تخت پر بٹھا دیا جائے۔

تاریخ اس حقیقت کو کھل کر بیان کرتی ہے کہ قیرس جو مذہبی پیشوا تھا اور جسے فتوے دینے کے اختیارات بھی حاصل تھے' ذہنی اور جسمانی طور پر ایک عیّار اور مفاد پرست ملکہ کا کٹھ پتلی بن گیا۔ ملکہ مرتینا نے اسے یہ بھی کہا تھا کہ مصر میں وہ اسے اپنا وزیرِ اعظم بنائے گی۔ اسقفِ اعظم وہ تھا ہی .... ملکہ مرتینا نے قیرس کی فطری کمزوریوں کو ابھار کر اس کی دُکھتی رگیں اپنی مٹھی میں لے لی تھیں۔ یہ تھے اثرات شراب کے' حسین و جمیل لڑکیوں کے اور ایک عورت کی زبان کے طلسم کے!

اُسی روز قسطنطین نے جرنیلوں اور انتظامیہ کے حاکموں کا اجلاس بلا رکھا تھا۔ اس میں قیرس کو بھی شامل ہونا تھا۔ تاریخ میں آیا ہے کہ قسطنطین کا انداز ہرقل جیسا شاہانہ نہیں تھا۔ اجلاس میں شامل ہونے والے آگئے تو قسطنطین کچھ ڈرا ڈرا سا نظر آتا تھا حالانکہ اس کا انداز اور رویّہ کچھ اور ہُوا کرتا تھا۔ بہرحال اس کے انداز میں شہنشاہیت کا تاثر نہیں بلکہ تدبّر تھا اور اس نے ہمیشہ تدبّر ہی سے کام لیا تھا۔

اجلاس میں تمام جرنیل اور شہری حکام حاضر تھے۔ ان میں قسطنطین کے حامی اور اس کے خلاف ملکہ مرتینا کے حامی بھی موجود تھے۔ قسطنطین نے بات مصر کی شکست سے شروع کی۔ اس نے سب سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ باہر کے دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن اپنے اندر کے دشمن سے اپنی قومی غیرت اور ملک کو بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اندر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

"میں دلی دُکھ کے ساتھ یہ بات زبان پر لاتا ہوں" ـــــ قسطنطین نے کہا ـــــ "ہم دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اس تقسیم کو روکا جاسکتا ہے لیکن انتہائی خطرناک صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہم سب

کے سامنے ہے۔ ہم کمک نہیں بھیج سکے۔ اس کا فائدہ عرب کے اُن بدّوؤں کو پہنچا جنہوں نے آدھا مصر لے لیا ہے۔ اصل تنازعہ تخت و تاج کی وراثت کا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تنازعہ کو ابھی الگ رکھ دیں اور سلطنت کا کھویا ہُوا وقار بحال کریں"۔

"آپ کی حیثیت ایک جرنیل کی ہے" ـــــ ملکہ مرتینا کے ایک حامی جرنیل نے کہا ـــــ "تخت کی وراثت کا کوئی تنازعہ نہیں۔ ملکہ مرتینا کو ہم روم کی ملکہ تسلیم کر چکے ہیں"۔

اس بات پر قسطنطین کے حامی جرنیل بیک وقت بولنے لگے اور ملکہ مرتینا کے حامیوں نے اٹھ کر ہنگامہ بپا کر دیا۔ قسطنطین اور قیرس نے بڑی مشکل سے اس زبانی کلامی ہنگامے پر قابو پایا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کسی بھی وقت خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے۔ قسطنطین کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کا سر ڈولنے لگا جیسے اسے غشی آرہی ہو۔ اس کے جسم میں قوّتِ مدافعت بہت ہی کم ہو چکی تھی۔ قیرس اس کی حمایت میں بولنے لگا۔

"شاہ ہرقل نے مقوقس کو ذلیل اور رسوا کر کے جلاوطن کر دیا تھا" ـــــ قیرس نے کہا ـــــ "جلاوطن صرف اس لئے کیا تھا کہ اس کی باتوں اور حرکتوں سے بغاوت کی بُو آتی تھی لیکن میں صاف کہتا ہوں کہ تم سب باغی ہو۔ تم اتنے اونچے رُتبوں کے جرنیل اور حاکم ہو اور تم نے خانہ جنگی تک نوبت پہنچا دی ہے۔ یہ شاہی فرمان کے خلاف بغاوت نہیں تو اور کیا ہے!.... قسطنطین نے یہ دعوٰی نہیں کیا کہ یہ روم کا بادشاہ ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس تنازعہ کو ابھی الگ رکھ دیں مگر تم ایک دوسرے کے اس حد تک دشمن بن گئے ہو کہ عقل کی ایک بات کو بھی نہیں سمجھ رہے۔ تمہاری غیرت کہاں گئی کہ عرب کے مسلمان تم سے شام چھین چکے ہیں اور مصر چھین رہے ہیں اور تم آپس میں لڑ رہے ہو؟ لڑتے رہو' ایک دن مسلمان یہاں بھی آجائیں گے اور تم سب ان کے قیدی ہو گے"۔

سب پر خاموشی طاری ہو گئی اور قیرس نے سب پر نگاہیں دوڑائیں اور کچھ دیر خاموش رہا۔

"میں نہ قسطنطین کی حمایت میں بول رہا ہوں اور نہ ملکہ مرتینا کے حق میں!" ـــــ قیرس نے ذرا وقفے کے بعد کہا ـــــ "ہمیں شاہی خاندان کی نہیں بلکہ روم کی عزت و

آبرو عزیز ہونی چاہئے۔ روم کا تخت و تاج ہم سب کا ہے اور یہ ہمارے قومی وقار کی بڑی مقدس علامت ہے۔ سب سے پہلے کمک کی بات کریں جو مصر بہت جلدی چلی جانی چاہئے۔ دلوں سے ذاتی کدورتیں نکال دو"۔

ملکہ مرتینا کا سب سے بڑا حامی تو قیرس خود تھا لیکن آدمی جہاندیدہ اور دور اندیش تھا' بات پیچ پیچ کر کر رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی نیت پر شک نہیں کر رہا تھا.... وہ ابھی بول ہی رہا تھا کہ دربان اندر آیا اور سیدھا قسطنطین کے پاس گیا۔ اس کے کان میں کچھ کہا تو قسطنطین نے سرہلا کر کوئی اشارہ کیا۔ دربان باہر نکل گیا اور ایک اور آدمی اندر آیا۔ وہ سیدھا قسطنطین کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ دیا۔ یہ کوئی اہم آدمی ہی ہو سکتا تھا ورنہ اس طرح کے اجلاس میں کسی کو اندر آنے کی اجازت اور جرأت نہیں ہوتی تھی۔

یہ جو آدمی اندر آیا تھا' قاصد تھا جو مصر سے جنرل تھیوڈور کا پیغام لایا تھا۔ قسطنطین پیغام پڑھنے لگا تو اس کا رنگ جو پہلے ہی پیلا پڑ گیا تھا' لاش کی مانند ہو گیا اور پیٹھ پیچھے لگائی جیسے نڈھال ہو گیا ہو۔ اجلاس کے حاضرین سمجھ گئے کہ یہ پیغام ہے اور کوئی اچھی خبر نہیں آئی۔

"تم لوگ آپس میں لڑتے رہو"—— قسطنطین نے ایسی آواز میں کہا جو بے جان سی تھی اور اس میں ہلکا سا لرزہ بھی تھا——"عرب کے بدّوؤں نے بابلیون اور اس کے گرد نواح کا علاقہ اور جزیرہ روضہ فتح کر لیا ہے۔ جنرل تھیوڈور اور جنرل جارج مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنی ساری فوج نکال لائے ہیں.... کیا تم اب بھی کمک نہیں بھیجو گے؟"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ پہلی بار کچھ دیر کے لئے تمام جرنیل اور دیگر حکام متفق ہوئے اور مصر کو کمک بھیجنے کا فیصلہ ہُوا۔ قسطنطین کا یہ مشورہ بھی قبول کر لیا گیا کہ قیرس اس کمک کے ساتھ جائے گا۔

بابلیون کی فتح کا پیغام قسطنطین تک کچھ دیر سے پہنچا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک تو فاصلہ بہت ہی زیادہ تھا اور آگے بحیرۂ روم تھا' اس کے آگے بزنطیہ تک پھر خشکی تھی لیکن جرنیل تھیوڈور نے پیغام بھیجا ہی تاخیر سے تھا۔ اسے توقع تھی کہ مصر سے ہی کمک مل جائے گی اور بابلیون پر فوج کشی کر کے وہ شہر مسلمانوں سے واپس لے لے گا اور اس کے بعد بزنطیہ پیغام بھیجے گا لیکن اسے کمک نہ مل سکی کیونکہ مجاہدین اسلام نے کمک کے تمام

راستے بند کر رکھے تھے۔ کمک کو کسی اور راستے سے آنا تھا اور اس کے لئے خاصا وقت درکار تھا۔ بہرحال جنرل تھیوڈور نے پیغام بھیج دیا۔ بابلیون کی شکست دراصل جنرل تھیوڈور کی شکست تھی جس پر وہ پردہ ڈالے رکھنا چاہتا تھا لیکن یہ ممکن نہ تھا۔

○

اجلاس میں شریک تمام جرنیلوں اور حاکموں پر سناٹا طاری ہو گیا لیکن فوراً" ہی سب کی نظریں قسطنطین کی طرف ہو گئیں کیونکہ وہ ایسا نڈھال ہو گیا تھا کہ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا اور شاید غشی میں چلا گیا تھا۔ قیرس اور دو جرنیلوں نے اُسے جا کر دیکھا۔ وہ بے ہوش تو نہیں تھا لیکن اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

اسے اندر ہی اندر ایک غم روگ بن کر کھا رہا تھا۔ بابلیون کی شکست کی خبر آخری تنکا ثابت ہوئی۔ یہ کوئی معمولی صدمہ نہیں تھا۔ قسطنطین کو سہارا دے کر اٹھایا گیا۔ کسی نے دربان سے کہا کہ طبیب کو فوراً" ساتھ لے آئے۔ قسطنطین کو اس کے سونے والے کمرے میں لے جا کر لٹا دیا گیا۔ ان غموں اور صدموں نے قسطنطین کو ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا کہ وہ بات کرنے کے قابل نہ رہا۔ تخت و تاج کے تنازعہ کی باتیں اور مصر کو کمک بھیجنے کے ارادے دھرے رہ گئے۔

قرآن کا ہر ایک فرمان ہرقل اور اس کے شاہی خاندان پر پورا اتر رہا تھا۔ ایک آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں یہ اندیشہ ہے ہی نہیں کہ کبھی ان پر بھی بُرے دن آئیں گے' ان لوگوں کے اعمال سے نظریں ہٹا لو' اللہ خود ایک گروہ بھیج کر ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

دینِ اسلام کے اس دشمن خاندان نے' خصوصاً" ہرقل نے' مصر میں فرعونیت رائج کر دی تھی۔ اس نے عیسائیت کے نام پر اپنا مذہب بنا کر نافذ کر دیا تھا اور اسے قتل و غارت کے ذریعے لوگوں سے منوایا تھا۔ مجاہدینِ اسلام کو یہ خاندان عرب کے گنوار بدّو کہتا تھا۔ ہرقل نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ اس کے خاندان پر بُرے دن بھی آئیں گے۔ اللہ اس کے اعمال دیکھ رہا تھا اور اب اس کی ذاتِ باری نے ایمان والوں کا ایک گروہ بھیج دیا تو یہ اس خاندان کو اعمال بد کا بدلہ دے رہا تھا۔

ملکہ مرتینا کو پتہ چلا کہ قسطنطین کو اس بُری حالت میں اجلاس سے لائے ہیں تو وہ دوڑی دوڑی اور قسطنطین کے کمرے میں جا کر پلنگ پر بیٹھی اور دو تین بار اس کا منہ چوم کر

ایسی وارفتگی اور جذباتیت کا اظہار کیا جیسے وہ اس کی سگی ماں ہو۔

"اے خدا!"—— مرتینا نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف کئے اور منہ اوپر کر کے روتی ہوئی آواز میں کہا—— "میرے بیٹے کو صحت عطا کر دے۔ میری جان لے لے میرے بیٹے کو اچھا بھلا کر دے۔ میں اسے گھوڑے کی پیٹھ پر دیکھوں اور اس کے چہرے پر جوانی کی چمک دیکھوں"۔

طبیب آگیا اور اس نے مرتینا کو وہاں سے اٹھا دیا۔ قسطنطین کی نبض دیکھی پھر اس نے جو معائنہ کرنا تھا کیا اور دوائی تجویز کرنے لگا۔ یہ وہی طبیب تھا جو مرتینا کے ایما پر ہرقل کو علاج کے پردے میں زہریلی دوائیاں دیتا رہا تھا۔

"کان کھول کر سن لو طبیب!"—— مرتینا نے جذباتی اور کچھ غصیلی آواز میں طبیب سے کہا—— "میرے بیٹے کو فوراً صحت یاب کرو ورنہ میں تمہیں جلّاد کے حوالے کر دوں گی۔ زندہ رہنے کے لئے چھوڑ نہیں دوں گی۔ اس وقت مجھے اس بیٹے کی زندگی چاہئے"۔

کمرے میں جو چند ایک افراد موجود تھے وہ مرتینا کی یہ وارفتگی دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ وہ تو قسطنطین کی دشمن تھی اور چاہتی ہی یہی تھی کہ قسطنطین کو موت اٹھا لے اور اس کا بیٹا ہرقلیوناس تخت پر جلوہ افروز ہو۔

طبیب نے اپنا تھیلا کھولا اور ایک دو دوائیاں نکال کر جس طرح قسطنطین کو دینی تھیں، اس طرح دیں اور کچھ دوائیاں وہیں چھوڑیں کہ وقفے وقفے سے مریض کو دینی ہیں۔ وہ جانے کے لئے اٹھا، قسطنطین کو تسلّی دی کہ وہ جلدی سنبھل جائے گا اور باہر نکل گیا۔ اس کے نکل جانے کے فوراً بعد مرتینا یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی کہ میں اس طبیب کو ایک بار پھر خبردار کر دوں کہ توجہ سے علاج کرے ورنہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

طبیب آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور بار بار پیچھے مُڑ مُڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے اسے توقع تھی کہ مرتینا اس کے پیچھے آئے گی۔ مرتینا اسے نظر آگئی۔ طبیب نے اسے دیکھا تو مرتینا نے آنکھوں سے کچھ اشارہ کیا اور طبیب اُس طرف مڑ گیا جس طرف مرتینا کا شاہانہ کمرہ تھا۔ پہلے طبیب اس کمرے میں داخل ہُوا پھر مرتینا کمرے میں گئی اور دروازہ اندر سے

بند کر دیا۔

"کیا دے کر آئے ہو؟"—— مرتینا نے طبیب سے پوچھا—— "کیا یہ جلدی صحت یاب ہو جائے گا یا...."

"نہیں!"—— طبیب نے ہونٹوں پر تبسّم لا کر کہا اور دائیں بائیں سر ہلا کر کہا—— "روگ نامراد ہے۔ جگر بُری طرح متاثر معلوم ہوتا ہے۔ بڑی ہی محنت سے ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن امید کچھ زیادہ نہیں"—— مرتینا کو اپنے بازوؤں میں لے کر اور اپنا ایک گال مرتینا کے منہ سے لگا کر پوچھا—— "تم بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟"

"کیا تم خود نہیں جانتے؟"—— مرتینا نے کہا—— "میں وہی چاہتی ہوں جو ہرقل کی بیماری میں چاہا تھا۔ اس کا بھی وہی علاج کرو.... اسے جلدی اس کے باپ کے پاس پہنچا دو۔ اگلے جہان میں باپ اسے تخت پر بٹھائے گا"۔

"آج تو میں نے ٹھیک دوائی دی ہے"—— طبیب نے کہا—— "کل سے اس کا وہی علاج شروع کر دوں گا جو اس کے باپ کا کیا تھا"۔

"لیکن جلدی!"—— مرتینا نے کہا۔

"اتنی جلدی بھی نہیں کہ ہم پکڑے جائیں"—— طبیب نے کہا—— "کچھ دن گزرنے دو۔ اگر جلدی کی تو شک پیدا ہو سکتا ہے۔ تمہاری خواہش پوری کر دوں گا لیکن ذرا سنبھل کر یہ کام کرنے دو"۔

ملکہ مرتینا نے اسے سونے کے دو ٹکڑے دیئے۔

"یہ تو کافی نہیں!"—— طبیب نے ہاتھ میں لئے ہوئے سونے کے دونوں ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا—— "تم جانتی ہو میرا اور کیا انعام ہے"۔

"وہ بھی مل جائے گا"—— مرتینا نے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا—— "رات کو پہلے سے زیادہ خوبصورت انعام بھیج دوں گی"۔



مستند مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ طبیب سات آٹھ دن قسطنطین کا علاج کرتا رہا۔ خود آ کر اسے دوائیاں اور ہدایات دیتا رہا اور ساتھ یہ تسلّیاں بھی کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ علاج کا تو نام ہی تھا، یہ طبیب قسطنطین کے جسم سے آہستہ آہستہ جان نکال رہا تھا.... ایک روز طبیب نے دوائیاں دیں تو مرتینا بھی وہاں موجود تھی اور ہر روز کی طرح

طبیب کو قتل کروا دینے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ طبیب یوں دبکا ہوا مرعوبیت کی حالت میں سر جھکائے ہوئے تھا جیسے وہ خوفزدگی کی حالت میں ہو۔

"میں شاید صحت یاب نہ ہو سکوں"۔۔۔ قسطنطین نے نحیف آواز میں کہا۔۔۔ "میرا روگ جسمانی نہیں، میرے دل نے جو زخم کھائے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں"۔

مرتینا اس کے اوپر جیسے گر ہی پڑی ہو۔ غم سے نڈھال اور بے حد جذباتی ہو کر قسطنطین کا منہ چومنے لگی۔

"یوں نہ کہو بیٹا"۔۔۔ مرتینا نے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا۔۔۔ "میرا جگر اس طرح نہ کاٹو۔ میں تمہارے لئے اپنی جان دے دوں گی"۔

طبیب قسطنطین کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ بالکل صحیح طور پر صحت یاب ہو جائے گا اور اپنے دل پر مایوسی کا بوجھ نہ ڈالے۔

قسطنطین کے لئے اگر کوئی دلی اور روحانی طور پر غمگین تھا تو وہ اس کا جواں سال بیٹا کونستانس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ غم میں گھل رہا ہے اور یہ غم اسے لے ہی بیٹھے گا۔ ہرقل نے جس طرح قسطنطین کو تعلیم و تربیت دی تھی اسی طرح قسطنطین نے کونستانس کو تعلیم بھی دلائی اور فن حرب و ضرب کا ماہر بھی بنایا اور سلطنت کے نشیب و فراز سمجھنے کے بھی قابل بنا دیا تھا۔ یہ بھی ایک غم تھا جو قسطنطین کو کھا رہا تھا۔ تخت و تاج کا صحیح وارث کونستانس ہی ہو سکتا تھا لیکن مرتینا ایک چٹان بن کر راستے میں آ گئی تھی۔ اس کا شہزادہ اور آوارہ بیٹا ہرقلیوناس تخت تو دور کی بات ہے شاہی محل میں رہنے کے قابل بھی نہیں تھا۔

باپ کی بیماری کی وجہ سے کونستانس میریا سے نہیں مل سکا تھا۔ میریا شاہی حرم کی لڑکی تھی لیکن اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ قسطنطین کسی تشویشناک مرض میں مبتلا ہے۔ اسے معلوم ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ بادشاہ کی بیماری کی خبر باہر نکلنے ہی نہیں دی جاتی تھی۔ یہ بادشاہوں کا رواج تھا۔

ایک روز شاہی حرم کی ایک ادھیڑ عمر ملازمہ کونستانس کے پاس آئی اور سرگوشی میں میریا کا یہ پیغام دیا کہ آج رات اُسی وقت اور اُسی جگہ آ جائے، ایک دوسرے کو دیکھے بہت دن گزر گئے ہیں۔ کونستانس نے اس ملازمہ کو کچھ انعام دے کر کہا کہ میریا کو بتا دے کہ میں آ جاؤں گا۔

رات کونستانس شاہی باغ کے اُس گوشے میں چلا گیا جہاں وہ اور میریا بہت دیر ایک دوسرے میں گم رہتے تھے۔ ان کی محبت روحوں میں اتری ہوئی تھی۔ کونستانس کو دیکھ کر میریا اس طرح اس کے ساتھ چپک گئی جیسے ماں کو اس کا گم شدہ بچہ مل گیا ہو۔

میریا نے محسوس کیا کہ کونستانس کچھ پریشان اور مایوس سا لگتا ہے۔ اس سے الگ ہو کر پوچھا کہ وہ اس کے پاس آ کر اداس اور مایوس کیوں ہو گیا ہے؟.... کونستانس نے بتایا کہ اس کا باپ بیمار پڑا ہے اور روز بروز اس کی حالت بہتر ہونے کی بجائے بگڑتی جا رہی ہے۔

میریا نے بے تابی سے ایک ہی بار کئی سوال پوچھ لئے، بیماری کیا ہے؟ کب سے ہے؟ وغیرہ اور آخر میں پوچھا کہ علاج کس کا ہو رہا ہے۔

"اُسی طبیب کا!"۔۔۔ کونستانس نے جواب دیا۔۔۔ "اسے تم جانتی ہو جس نے میرے دادا ہرقل کا علاج کیا تھا"۔

"نہیں.... نہیں"۔۔۔ میریا نے تڑپ کر اور کونستانس کے کندھے جھنجھوڑ کر کہا۔۔۔ "اس طبیب کو فوراً ہٹاؤ اور دوسرے کسی طبیب کا علاج کرواؤ.... تم نے پہلے میری بات پر یقین نہیں کیا تھا اور ٹال گئے تھے۔ یہ طبیب جب شاہ ہرقل کا علاج کر رہا تھا تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ شاہ ہرقل کو غلط دوائیاں دے رہا ہے اور شاید یہ دوائیاں زہریلی بھی ہیں۔ میں آج بھی یقین سے کہتی ہوں کہ شاہ ہرقل کو اس طبیب نے زہریلی دوائیاں دے دے کر مار ڈالا تھا، اب وہ تمہارے باپ کو بھی ایسی ہی دوائیوں سے مار ڈالے گا۔ یہ ملکہ مرتینا کی سازش ہے۔ تمہارے باپ کو مروا کر وہ اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھائے گی۔ تمہارا باپ ہی تو اس کے راستے کی آخری رکاوٹ ہے"۔

کونستانس اب بھی میریا کی اس بات پر دھیان نہیں دے رہا تھا لیکن میریا کے دل میں کونستانس کی جو محبت تھی اس نے اس کی زبان سے ایسی باتیں کہلوائیں اور ایسی بے تابی کا اظہار کروایا کہ کونستانس مان گیا۔

اگلی صبح کونستانس نے اپنے باپ قسطنطین سے کہا کہ وہ اس طبیب کو بدلنا چاہتا ہے۔ اس نے باپ کو کوئی اور بات نہ بتائی۔ میریا کا شک بلکہ یقین اپنے باپ کے کانوں تک پہنچنے ہی نہ دیا۔ اس نے غالباً سوچا ہو گا کہ یہ میریا کا صرف وہم یا شک ہی ہو سکتا ہے۔ اگر قسطنطین نہ مانا تو پھر اسے بتایا جائے گا کونستانس کس شک کی بنا پر طبیب کو بدل رہا ہے۔ قسطنطین اپنی صحت سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے بیٹے کو اجازت دے دی کہ وہ

طبیب کو بدل دے، شاید دوسرا طبیب بہتر ثابت ہو۔

کونستانس اُسی وقت خود گیا اور دوسرے شاہی طبیب کو لے آیا اور پہلے طبیب کو پیغام بھیجا کہ وہ اب علاج کے لئے نہ آیا کرے.... نئے طبیب نے دو یا تین روز دوائیاں دیں لیکن قسطنطین سنبھل نہ سکا ذرا سا بھی افاقہ نہ ہُوا بلکہ مرض بڑھتا ہی گیا۔

ایک روز کونستانس نے نئے طبیب سے پوچھا کہ صحت یابی کی کچھ توقع ہے بھی یا نہیں؟.... طبیب نے کہا کہ وہ اپنی تشخیص کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اب بتا دینا ہی بہتر سمجھتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حالت کسی زہر سے یا غلطی سے کوئی زہریلی چیز کھا لینے سے ہی ہوتی ہے۔ طبیب کی اس تشخیص سے کونستانس کو میریا کی باتیں صحیح معلوم ہونے لگیں۔ طبیب نے کہا کہ وہ پوری کوشش کر رہا ہے کہ اس زہر کا اثر زائل ہو جائے۔

نیا طبیب اپنا پورا تجربہ استعمال کرتا اور دوائیاں دیتا رہا اور کبھی پورا پورا دن قسطنطین کے کمرے میں موجود رہا مگر ایک روز قسطنطین کی حالت ایسی بگڑی کہ نزع کا عالم طاری ہو گیا اور وہ مر گیا۔

کسی بھی مؤرخ نے اس کی موت کی صحیح تاریخ نہیں لکھی، صرف یہ لکھا ہے کہ قسطنطین اپنے باپ ہرقل کی موت کے پورے ایک سو دن بعد مرا تھا۔

ان حالات میں جب روم کی فوج ہر محاذ سے پسپا ہوتی چلی آرہی تھی اور علاقوں پر علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آتے جا رہے تھے، قسطنطین کی موت اہل روم کے لئے دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ وہ ابھی ہرقل کی موت کے صدمے سے سنبھل نہ پائے تھے۔

قسطنطین اپنے شاہی خاندان کا کوئی عام سا فرد نہ تھا، محل کے اندر کی سازش سیاست جو کچھ بھی تھی، لوگ بہرحال قسطنطین کو ہرقل کا صحیح جانشین اور اسی کے پائے کا جرنیل سمجھتے تھے۔ اس کی موت کی خبر بڑی تیزی سے بزنطیہ میں پھیل گئی۔ تمام جرنیل اور شہری انتظامیہ کے بڑے بڑے حاکم اور کچھ بزرگ دانشور اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے۔ ان میں ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس بھی تھا۔

قسطنطین کے خون کے رشتے تو غمگین تھے ہی اور سب سے زیادہ غم اس کے بیٹے کونستانس کو تھا لیکن ملکہ مرتینا غم اور اندوہ کی ایسی تصویر بنی پھرتی تھی جیسے اس کا اپنا سگا بیٹا مر گیا ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے لئے بولنا بھی دشوار ہو گیا ہو۔ وہ غموں سے بوجھل انداز میں حکم دیتی پھر رہی تھی جیسے سلطنتِ روم کی ملکہ بن گئی ہو۔

قسطنطین کا بیٹا کونستانس چپ چاپ الگ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر غم کا تاثر تو نمایاں تھا ہی لیکن اس تاثر میں کچھ جھلک اور بھی تھی جو قہر و غضب کی تھی اور پتہ چلتا تھا کہ یہ جواں سال شہزادہ غصے اور اپنے قہر پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہر جرنیل اور بڑا حاکم یا کوئی بڑی شخصیت والا عالم اور دانشور وہاں موجود تھا۔ رواج کے مطابق وہ سب ایک قطار میں قسطنطین کی لاش کے قریب سے آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے اور ان میں سے ہر کوئی کوئی نہ کوئی جملہ کہتا تھا۔

"آج روم کا اسکندرِ اعظم دنیا سے اٹھ گیا ہے"۔

"سلطنتِ روم ایک جابر جرنیل سے محروم ہو گئی ہے"۔

"روم کے دشمنوں کے لئے قسطنطین ایک دہشت کا نام تھا"۔

"قسطنطین نہیں مر سکتا۔ اس کی روح سلطنتِ روم کے دشمنوں کو برباد کر دے گی"۔

"قسطنطین کونستانس کے روپ میں زندہ رہے گا"۔

"ایک عظیم جرنیل اُس وقت اٹھ گیا ہے جب روم کو اس کی شدید ضرورت تھی"۔

ملکہ مرتینا غم زدگی کے عالم میں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہی تھی۔ اس کے کندھے کچھ اس انداز سے آگے کو جھک آئے تھے جیسے وہ بڑی مشکل سے اس صدمے کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ اس نے دیکھا کہ جرنیل اور دیگر بڑے لوگ کچھ نہ کچھ کہہ رہے ہیں تو وہ قسطنطین کی لاش پر جا کھڑی ہوئی اور دونوں ہاتھ ذرا اوپر کو پھیلا دیئے اور آسمان کی طرف دیکھا۔

"اوخدا!"—— مرتینا نے کہا—— "میرے اکلوتے بیٹے ہرقلیوناس کی جان لے لیتا، قسطنطین کو زندہ رہنے دیتا۔ میں اپنے بیٹے کا غم پی جاتی قسطنطین کا غم مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا"۔

"تم جھوٹی اور عیّار عورت ہو"—— کونستانس کانپتی ہوئی بلند آواز میں بولا—— "مرتینا! میرے باپ کو تم نے زہر دے کر مروایا ہے۔ میرے داداشاہ ہرقل کو بھی تم نے زہر دلوا کر مروایا تھا۔ تمہاری آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو ہیں"۔

مرتینا کے اوپر کو اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے گر پڑے اور اس پر خاموشی طاری ہو گئی۔

وہاں جتنے لوگ موجود تھے ان پر سناٹا طاری ہو گیا۔ کونستانس نے جو الزام لگایا تھا وہ کوئی معمولی سا الزام نہ تھا۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ اس سناٹے میں سے کیسا طوفان اٹھے گا۔ قیرس اٹھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر کونستانس کو اپنے بازوؤں میں لیا اور اسے گلے لگا لیا۔

"میرے عزیز بیٹے!" ـــــ قیرس نے کونستانس سے کہا ـــــ "تم ناقابلِ برداشت صدمے کی حالت میں ہو۔ برداشت سے کام لو ایسی بے معنی باتیں منہ سے نہ نکالو"۔

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں، ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں" ـــــ کونستانس نے ایک جھٹکے سے قیرس کے بازوؤں سے نکل کر کہا ـــــ "اس مکّار عورت نے میرے دادا اور میرے باپ کو زہر نہیں دیا، اس نے سلطنتِ روم کی رگوں میں زہر ڈالا ہے"۔

○

مرتینا کا بیٹا ہرقلیوناس وہاں موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ کونستانس اس کی ماں پر اتنا سنگین الزام لگا رہا ہے تو وہ اٹھ کھڑا ہُوا اور تلوار نکال لی۔

"میری ماں پر یہ الزام!" ـــــ ہرقلیوناس نے للکار کر کہا ـــــ "اِدھر میرا سامنا کر، میں تجھے اس الزام کا جواب دیتا ہوں"۔

کونستانس تو پہلے ہی قہر و غضب کے غلبے میں آیا ہُوا تھا۔ اس نے بھی تلوار نکال لی اور ہرقلیوناس کو مقابلے کے لئے للکارا۔ قیرس اور ایک اور معمر رومی دوڑ کر ان دونوں کے درمیان آگئے۔ وہ نہ آتے تو دونوں شہزادے ایک دوسرے کو لہولہان کر دیتے۔

"ٹھہرو!" ـــــ مرتینا نے بڑی بارعب آواز میں کہا ـــــ "میرا حکم مانو، میں ملکہ روم ہوں۔ تلواریں نیاموں میں ڈال لو"۔

"تم ملکہ نہیں ہو" ـــــ کونستانس نے کہا ـــــ "کوئی ایسا شاہی فرمان جاری نہیں ہُوا۔ تخت کی وراثت کا ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ حکم میرا بھی چل سکتا ہے"۔

وہاں جتنے بھی لوگ موجود تھے وہ سب اونچے درجے کی شخصیات تھیں۔ سب ذمہ دار لوگ تھے اور صورتِ حال کی نزاکت اور خطرات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ سبھی اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں شہزادوں کو الگ الگ کیا۔ وہاں تو ایک ہنگامہ بپا ہو گیا تھا۔ کونستانس کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ اس لڑکے نے مجھے للکارا ہے، مجھے اسے دو ہاتھ دکھا لینے دو۔ پھر وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اس بدطینت عورت سے کہو کہ اپنے آپ کو روم کی ملکہ نہ کہے.... انہیں الگ الگ اور کچھ دور دور بٹھا دیا گیا۔

لاش بے حس و حرکت اور دنیا کے ان مسائل سے بے نیاز قریب ہی پڑی تھی۔

وہ معمر رومی جو سب سے پہلے قیرس کے ساتھ ان دونوں شہزادوں کے درمیان آیا تھا، سب کے درمیان کھڑا ہو گیا اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر سب کو چپ کرانے لگا۔ بڑھاپے کی کمزوری سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے گورے سفید چہرے کی گہری لکیریں بتا رہی تھیں کہ اسے اس دنیا میں آئے ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے۔ شاہی خاندان کے ساتھ اس کا کوئی بڑا ہی پرانا تعلق تھا اور اس کی آواز میں بڑھاپے کے ساتھ ساتھ دلی درد کا بھی تاثر تھا۔ وہ کوئی عام سا دانشور نہیں لگتا تھا اور اس سے سب شاید پہلے ہی متاثر تھے کہ اس کے کہنے پر سب خاموش ہو گئے۔

"تم سب بے غیرت ہو گئے ہو" ـــــ اس سفید ریش بزرگ نے کہا ـــــ "آج میں ایسی بات کہوں گا جو رعایا میں سے کوئی بھی شخص شاہی محل میں کھڑا ہو کر نہیں کہہ سکتا۔ اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کا خون بہادو، میری بات سن لو پھر تم سب اپنی تلواریں میرے جسم میں اتار دینا.... سب جانتے ہو کہ میری عمر ایک سو سال سے زیادہ ہو گئی ہے۔ تم سب نے دیکھا ہے کہ سلطنتِ روم بحیرۂ روم سے آگے جا کر مصر، شام اور عراق کے کچھ علاقے تک پھیل گئی تھی اور اب عرب کو بھی تہہ تیغ کرنا تھا۔ شاہ ہرقل کہا کرتا تھا کہ فارسیوں کو ناپید کر کے آگے ہندوستان تک پہنچے گا۔ اپنی سلطنت کی یہ وسعت تم سب نے دیکھی ہے۔ ہرقل نے سلطنت کو وسعت دینے کے لئے ہی قیصرِ روم فوکاس کا تختہ الٹا تھا۔ وہ وقت مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ فوکاس عیاش بادشاہ تھا۔ وہ بذاتِ خود اپنی سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا۔ ہرقل تو ایک جرنیل تھا، اس نے شاہ فوکاس کو پہلے گرفتار کیا پھر قتل کیا اور پھر فتوحات کے ارادے سے نکل کھڑا ہُوا۔ اس کی کامیابیاں تم سب نے دیکھی ہیں....

"ہرقل نے آتش پرست فارسیوں کو مصر سے نکالا پھر شام سے بے دخل کیا اور اب عراق سے انہیں نکالنا تھا۔ یہ کام عرب کے مسلمانوں نے کر دیا۔ عربوں کی طاقت ہی کیا تھی؟.... ہرقل کہتا تھا کہ ان تھوڑے سے عربوں کو تو وہ ایک ہی ضرب سے مار بھگائے گا لیکن ہُوا کیا؟.... یہ تھوڑے سے عرب سلطنتِ روم پر چھا گئے۔ کیوں؟ ان کے پاس کیا جادو تھا جس کے زور پر انہوں نے ہمیں شام سے دھکیلا اور مصر بھی فتح کرتے چلے آرہے ہیں؟ ادھر فارسیوں کو بھی انہوں نے ٹھکانے لگا دیا ہے....

"میں تمہیں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ ہماری تباہی کی وجہ صرف یہ ہے کہ شاہ ہرقل نے مذہب میں دخل اندازی کی۔ مذہب میں ملاوٹ کی اور یسوع مسیح کو دھوکہ دیا۔ اس کے نتیجے میں مذہب دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک اسقفِ اعظم پہلے موجود تھا' دوسرا ہرقل نے اپنی طرف سے بنا دیا۔ سلطنتِ روم پر شاہ ہرقل کے اس گناہ کی لعنت پڑی ہے۔ ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس ہم میں موجود ہے۔ یہ یقیناً" ناراض ہوگا لیکن مجھے اس کی خوشنودی نہیں بلکہ سلطنتِ روم کا وقار زیادہ عزیز ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیرس جھوٹ نہیں بولے گا' اس نے قتل و غارت کے ذریعے شاہ ہرقل کی عیسائیت لوگوں سے منوائی۔ یسوع مسیح نے ہمیں پیار اور محبت کا پیغام دیا تھا۔ شاہ ہرقل اور قیرس نے بے گناہوں کا اور سچے مذہب کے پیروکاروں کا خون بہا دیا ہمارے دشمن تو دشمن تھے ہی' یہاں حادثہ یہ ہُوا کہ اپنے قبطی عیسائی بھی سلطنتِ روم کے دشمن ہوگئے"۔

یہ بزرگ رومی بڑی جرأت اور دانشمندانہ انداز سے بولتا جا رہا تھا اور سننے والے اتنے زیادہ لوگوں پر سکوت طاری تھا۔ قیرس نے اپنے خلاف الزام سن کر ذرا سے بھی ردِعمل کا اظہار نہ کیا۔

"جانتے ہو عربی مسلمان کیوں کامیاب ہوئے؟" ـــــ معمّر رومی دانشور کہہ رہا تھا ـــــ "صرف اس لئے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو ایک رکھا' ایک ہی خدا اور اپنی ایک مقدّس کتاب کی پیروی کی اور پھر متفق اور متحد رہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا مذہب سچا ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ مسلمان سچے ہیں' اپنے عقیدے کے وفادار ہیں۔ مذہب خون خرابے اور ظلم و تشدّد سے نہیں پھیلایا جاسکتا۔ میں اپنی بات کو تعصّب سے پاک رکھ کر کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں نے حسنِ اخلاق سے غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں لے لیا ہے۔ تم دیکھو گے' دنیا دیکھے گی کہ آج کے دَور کی باتیں اور ہر دَور کی باتیں لکھنے والے آنے والی نسلوں کو بتائیں گے کہ جس روز ہماری طرح مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب کو بانٹ بانٹ کر فرقے بنالیے اسی روز ان کا زوال شروع ہوگیا۔ تم نے تجربہ کر دیکھا ہے' فرقوں میں بٹ جانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اپنی قوم کے دشمن کو پہچاننے اور اس کے ساتھ نمٹنے کی بجائے فرقے ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر آپس میں لڑنے لگتے ہیں جسے خانہ جنگی کہا جاتا ہے۔۔۔۔

"پھر جس قوم کے بڑوں میں حکومت اور اقتدار کی ہوس پیدا ہوجاتی ہے وہ زوال

پذیر ضرور ہوتی ہے۔ اب ہم میں بھی یہ تنازعہ پیدا ہوگیا ہے کہ بادشاہ کے مرجانے کے بعد تخت کا وارث کون ہوگا۔۔۔۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں بوڑھا گھر بیٹھا رعشہ گیر رہتا ہوں اور مجھے کچھ پتہ ہی نہیں کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ میری روح سلطنتِ روم میں ہے۔ میرے اپنے مخبر سرگرم رہتے ہیں اور مجھے سب بتاتے رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں شاہی محل میں کیا ناروا کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ تم تخت کی وراثت پر ایک دوسرے کے خلاف سازشیں بھی کر رہے ہو اور تمہاری تلواریں بھی نیاموں سے نکل آئی ہیں۔ عرب کے مسلمانوں میں ایسا کوئی تنازعہ ہے ہی نہیں۔ ان کے ہاں نہ تخت ہے نہ تاج۔ ایک اللہ ہے جس کا سب حکم مانتے ہیں۔ آج تم نے تلواروں سے وراثت کا مسئلہ حل کرنا شروع کیا ہے تو یہی رسم شروع ہوجائے گی اور بات وہاں جا ختم ہوگی جب مسلمان بحیرۂ روم عبور کر کے یہاں آن پہنچیں گے اور تمہارے تخت و تاج کو اٹھا کر باہر پھینکیں گے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ مرتینا اپنے آپ کو ملکہ بنائے ہوئے ہے اور کونستانس کو یہ وہم ہوگیا ہے کہ شاہ ہرقل اور قسطنطین کو مرتینا نے زہر دے کر مروایا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔۔۔۔"

"کونستانس اس الزام کا ثبوت پیش کرے" ـــــ ایک جرنیل نے جو مرتینا کا حامی تھا' اٹھ کر کہا ـــــ "ملکہ پر ایسا سنگین الزام لگانا بجائے خود ایک سنگین جرم ہے"۔

اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے یہی آواز اٹھنے لگی کہ کونستانس ثبوت پیش کرے۔ دو تین ایسی آوازیں بھی آئیں کہ وہ ثبوت پیش نہیں کر سکتا تو تخت کی وراثت سے دستبردار ہوجائے۔

"میں شہادت پیش کروں گا" ـــــ کونستانس نے کہا ـــــ "لیکن یہ بھی سن لو۔ اگر میرے پیش کئے ہوئے گواہوں کو کسی نے ڈرایا دھمکایا یا ان کے خلاف کوئی کارروائی کی تو میں اس کے خلاف تلوار کی زبان میں بات کروں گا"۔

اب وہ جرنیل اور حاکم وغیرہ بولنے لگے جو مرتینا کے خلاف اور قسطنطین کے حامیوں میں سے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ گواہوں کو بلایا جائے اور انہیں بولنے کی اور ثبوت پیش کرنے کی پوری آزادی دی جائے گی۔

○

دونوں طبیب وہاں موجود تھے۔ ایک تو وہ طبیب تھا جس نے ہرقل کے علاج کے

رے میں اسے زہریلی دوائیاں دی تھیں اور پھر اس نے قسطنطین کا علاج شروع کیا تھا۔ دوسرا وہ طبیب تھا جسے پہلے طبیب کی جگہ بلایا گیا تھا اور اس نے تشخیص یہ کی تھی کہ قسطنطین کو کوئی زہریلی چیز دی گئی ہے۔

کونستانس نے حرم کی تین لڑکیوں کو بلوایا۔ ایک تو میریا تھی جس کا تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے۔ دو اور لڑکیاں تھیں جنہیں مرتینا نے قیرس کو خوش کرنے کے لئے اس کے پاس رات کو بھیجا تھا۔ یہ تینوں لڑکیاں حکم ملتے ہی آگئیں۔

کونستانس نے سب سے پہلے دوسرے طبیب سے کہا کہ وہ سب کے سامنے کھڑا ہو کر بتائے کہ اس نے کیا تشخیص کی تھی.... اس طبیب نے بیان دیا کہ اسے قسطنطین کے علاج کے لئے اُس وقت بلایا گیا تھا جب پہلا طبیب چھ سات دن قسطنطین کا علاج کرتا رہا تھا۔ اس وقت تک مریض کی حالت خاصی بگڑ چکی تھی۔ اس طبیب نے اپنی تشخیص یہ بتائی کہ اس نے مریض کی علامات دیکھیں تو اس نے یقین کی حد تک محسوس کیا کہ مریض نے غلطی سے کوئی زہریلی چیز کھائی ہے یا اسے کوئی زہریلی چیز دی گئی ہے۔ طبیب نے طِب کے کچھ حوالے دے کر بتایا کہ یہ علامات صرف زہر کی ہوتی ہیں جن کا علاج زہر خورانی کے فوراً بعد ہو سکتا ہے لیکن قسطنطین کی حالت اُس مرحلے تک پہنچ چکی تھی جہاں زہر جسم کے اندر اپنے اثرات مکمل کر چکا تھا اور یہ مرحلہ لاعلاج ہوتا ہے۔ اس کے دو روز بعد مریض فوت ہو گیا۔

"یہ جھوٹ ہے" ـــــ پہلے طبیب نے اٹھ کر چیخنا چلّانا شروع کر دیا ـــــ "یہ شخص پیشہ وارانہ حسد کا اظہار کر رہا ہے۔ اسے شک ہے کہ ملکہ مرتینا مجھے زیادہ چاہتی ہیں اس لئے یہ مجھ سے جلتا ہے اور اتنا سنگین اور جھوٹا الزام عائد کر رہا ہے"۔

"ابھی خاموش بیٹھے رہو" ـــــ معمّر بزرگ نے کہا ـــــ "تمہارا بیان بھی لیا جائے گا پھر جو جی میں آئے کہنا۔ اس طرح دخل اندازی نہ کرو"۔

"تمام حضرات اسی بات پر غور کریں" ـــــ بیان دینے والے طبیب نے کہا ـــــ "میں نے یہ تو کہا ہی نہیں کہ اس طبیب نے ہرقل یا قسطنطین کو زہر دیا ہے۔ اس شخص کا اتنا شدید احتجاج ظاہر کرتا ہے کہ اسے معلوم تھا کہ مریض کے اندر کوئی زہریلی چیز گئی ہے یا اس نے خود مریض کو کوئی زہریلی چیز دی ہے۔ مجھے اس وقت کوئی پرواہ نہیں کہ میرے الفاظ سے کوئی کیا اثر لیتا ہے' میرے پیشِ نظر علمِ طب کی عظمت اور سچائی ہے۔ مجھے

بہت ہی دکھ ہے کہ جس مریض کا علاج میں نے شروع کیا تھا وہ مریض فوت ہو گیا ہے"۔

وہاں جو لوگ موجود تھے ان میں پہلے طبیب کے متعلق کھسر پھسر شروع ہو گئی۔

دوسرے طبیب کا بیان تو ختم ہو گیا تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر اپنا بیان ختم کیا کہ اس شہر میں ایک سے بڑھ کر ایک قابل اور تجربہ کار طبیب موجود ہے۔ انہیں بلا کر لاش دکھائی جائے۔ لاش کا رنگ بتا رہا ہے کہ مرنے والے کو زہر دیا گیا تھا۔

اب تو ان لوگوں میں جو وہاں موجود تھے' اچھی خاصی بے چینی نظر آنے لگی تھی۔

کونستانس نے میریا کو آگے بلایا۔

"دل سے سب خوف اور خطرے نکال دو میریا!" ـــــ کونستانس نے کہا ـــــ "آج یہاں کوئی بادشاہ اور کوئی ملکہ نہیں۔ یہ جو ہمارے بزرگ یہاں بیٹھے ہیں' آج ان کی حکومت ہے اور ہر فیصلے کا اختیار ان کے پاس ہے۔ تم نے مجھے اس طبیب کی جو باتیں بتائی تھیں وہ ساری کی ساری ان سب بزرگوں کو سنا دو"۔

میریا نے اس پہلے طبیب کے متعلق جس نے ہرقل کا علاج کیا تھا' ساری بات سنا ڈالی۔ اس نے بات یہاں سے شروع کی کہ ایک روز اسے مرتینا نے بلا کر کہا تھا کہ آج رات اس نے طبیب کے پاس رہنا ہے۔ مرتینا نے اسے خاص طور پر کہا تھا کہ طبیب کی تفریح مہیا کرنی ہے کہ وہ مرتینا کا دیوانہ ہو جائے۔ میریا ساری بات سمجھتی تھی۔ حرم میں اس کا اور کام ہی کیا تھا۔ پھر میریا نے بتایا کہ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس طبیب سے اپنے جسم کو بچائے رکھنا ہے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ شخص بہت ہی ڈھیلا اور کمزور ہے اور اسے زندگی میں پہلی بار میریا جیسی حسین اور دلکش لڑکی ملی ہے۔

پیچھے ایک باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ میریا نے کونستانس کو اُس رات کا سارا واقعہ پوری تفصیل سے کس طرح سنایا تھا۔ وہی باتیں میریا نے سب کو سنائیں اور کہا کہ طبیب پر ایک تو اس کے حسن و شباب کا نشہ طاری ہو گیا تھا اور جو کسر رہ گئی تھی وہ میریا نے اس طرح پوری کر دی کہ طبیب کو شراب پلاتی چلی گئی اور پھر طبیب نے ایسی باتیں کہنی شروع کر دیں جو وہ ہوش و حواس میں کبھی نہ کہتا۔

میریا نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے طبیب سے پوچھا کہ شاہ ہرقل کا جانشین کون ہو گا۔ طبیب نے جواب دیا کہ جسے میں چاہوں گا۔ پھر اس نے کہا کہ مرتینا کے بیٹے کے سوا اس تخت پر کوئی نہیں بیٹھ سکتا.... میریا نے پھر سب کو یہ بتایا کہ اس نے طبیب سے

پوچھا کہ شاہ ہرقل کا حکم کچھ اور ہُوا تو کیا ہو گا؟ طبیب نے یہ جواب دیا کہ شاہ ہرقل کی جان میری مٹھی میں ہے۔ میں چاہوں تو کل اس کے جسم سے جان نکال سکتا ہوں لیکن جو کام آہستہ آہستہ ہو جائے وہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

اس طرح تفصیلی باتیں اور چھوٹی چھوٹی باتیں سنا کر میریا نے سب پر کم از کم یہ ثابت کر دیا کہ اسے مرتینا نے طبیب کے پاس ایک انعام یا رشوت کے طور پر بھیجا تھا۔ میریا کا بیان سن کر سب میں کھسر پھسر پہلے سے زیادہ اور ذرا بلند ہو گئی۔ وہ یقیناً" سوچ رہے ہوں گے کہ مرتینا نے طبیب کو اتنا خوبصورت انعام دیا ہی کیوں تھا۔ میریا تو شاہ ہرقل کے حرم کی لڑکی تھی۔

اس کے بعد حرم کی دوسری دو لڑکیوں میں سے ایک نے بیان دیا۔ یہ لڑکی بھی میریا جیسی ہی حسین اور بلا کی دلکش تھی۔ اس نے بتایا کہ قسطنطین کی بیماری کے دوران جب یہی طبیب اس کا علاج کر رہا تھا تو مرتینا نے اس لڑکی کو طبیب کے گھر ایک رات کے لئے بھیجا تھا۔

ایسا ہی بیان دوسری لڑکی نے بھی دیا۔ اسے بھی طبیب کے ہاں ایک رات کے لئے بھیجا گیا تھا۔

"ملکہ مرتینا" ——— معمّر بزرگ رومی نے اٹھ کر کہا ——— "کیا میں آپ سے اس سوال کے صحیح جواب کی توقع رکھ سکتا ہوں کہ آپ نے ان تینوں لڑکیوں کو طبیب کے ہاں کیوں بھیجا تھا؟"

"میں انکار نہیں کر رہی" ——— مرتینا نے جواب دیا ——— "پہلے میں طبیب کو صرف اس لئے خوش رکھنا چاہتی تھی کہ یہ شاہ ہرقل کا علاج پوری دلچسپی اور محنت سے کرے' پھر میں قسطنطین کی بیماری سے اتنی پریشان ہوئی کہ طبیب کو ایک بار پھر خوش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی"۔

"شاہ ہرقل بھی مر گیا اور قسطنطین بھی زندہ نہ رہ سکا" ——— ایک اور عمر رسیدہ عالم نے کہا ——— "اگر آپ ملکہ ہیں تو آپ کے اس جواب کو ہم صرف اس لئے تسلیم نہیں کر لیں گے کہ آپ ملکہ ہیں۔ آپ کا جواب ہمیں مطمئن نہیں کر سکا"۔

کونستانس اُٹھ کھڑا ہُوا اور سب کے سامنے جا کر اس نے ہاتھ اوپر کئے کہ سب خاموش ہو جائیں۔

"میں ایسا دعویٰ نہیں کروں گا کہ میں اسی عمر میں آپ بزرگوں جیسا دانشمند ہو گیا ہوں" ——— کونستانس نے کہا ——— "آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ مرتینا اور طبیب اس الزام کو نہیں مان رہے اور مانیں گے بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دادا اور میرے باپ کو مرتینا نے طبیب سے زہر دلوا کر مروایا ہے۔ اب میں اپنا حق آپ سب سے مانگوں گا کہ میں حقیقت کو سامنے لانے کے لئے جو کچھ بھی کروں مجھے روکا اور ٹوکا نہ جائے۔ یہ بھی ابھی ثابت کرنا باقی ہے کہ دادا اور باپ کو زہر دلوایا گیا تھا"۔

سب کو اگر یقین نہیں تو شک ضرور ہو گیا تھا کہ کونستانس کا الزام غلط نہیں اور اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سب خاموش رہے اور مرتینا کے حامیوں میں سے بھی کوئی نہ بولا۔ کونستانس نے ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ وہ شاہی محافظ دستے کے دو گھوڑ سواروں کو ساتھ لے آئے اور وہ گھوڑے تیار حالت میں اپنے ساتھ لائیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چار لمبی مضبوط رسّیاں بھی ساتھ لیتے آئیں۔



تھوڑی ہی دیر میں دو گھوڑ سوار دو گھوڑے لے آئے۔ کونستانس نے گھوڑوں کے منہ اس طرح رکھے کہ ایک گھوڑے کا منہ اگر مشرق کی طرف تھا تو دوسرے گھوڑے کو اس گھوڑے کے پیچھے اس طرح کھڑا کیا گیا کہ اس کا منہ مغرب کی طرف تھا۔ دونوں گھوڑوں کے درمیان آٹھ دس قدم کا فاصلہ رکھا گیا۔ کونستانس نے ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ دو رسّیوں کے سرے مضبوطی سے باندھ دیئے۔ اسی طرح دو رسّیاں دوسرے گھوڑے کے ساتھ باندھ دیں اور ان رسیوں کے سرے گھوڑوں کے درمیانی فاصلے میں چھوڑ دیئے۔

کونستانس آگے بڑھا اور ہرقل کا علاج کرنے والے طبیب کو جا بازو سے پکڑا۔ طبیب شاید سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ اپنا بازو چھڑانے لگا لیکن کونستانس نے اسے زور سے جھٹکا دیا اور کھینچتا ہُوا دونوں گھوڑوں کے درمیان لے گیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک رسّی کا سرا طبیب کی ایک کلائی کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا۔ دوسری رسّی کا سرا طبیب کے ٹخنے سے باندھ دیا۔ اسی طرح اس نے دوسرے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی رسّیوں میں سے ایک کا سرا طبیب کی کلائی کے ساتھ اور دوسری رسّی کا سرا ٹخنے کے قریب اس کی ٹانگ کے ساتھ باندھ دیا۔ گھوڑ

سواروں سے کہا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔

"اب تم میرے اشارے کا انتظار کرنا"۔۔۔ گھوڑوں پر سوار ہونے کے بعد کونستانس نے سواروں سے کہا۔۔۔ "میں جب ہاتھ اوپر کر کے نیچے کروں تو تم دونوں گھوڑوں کو ایڑ لگا دینا"۔

طبیب دونوں گھوڑوں کے درمیان بندھا کھڑا تھا۔ اتنی سی بات تو وہ سمجھ سکتا تھا کہ دونوں گھوڑے جب اس طرح دوڑیں گے کہ ایک کا رخ مشرق کو اور دوسرے کا مغرب کو ہے تو اس کے بازو اور اس کی ٹانگیں جو رسیوں سے گھوڑوں کے ساتھ بندھی ہیں اس کے جسم سے الگ ہو جائیں گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی ٹانگیں جب دائیں اور بائیں کھنچیں گی تو اس کا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔

"بہت بری موت مرو گے"۔۔۔ کونستانس نے طبیب سے کہا۔۔۔ "سچ بولو اور اپنی جان بخشی مجھ سے کراؤ۔ مرتینا ملکہ نہیں اور وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ سوچ لو، تمہاری زندگی میرے ایک اشارے پر ختم ہو جائے گی"۔

طبیب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا پھر دائیں ایک گھوڑے اور بائیں دوسرے گھوڑے کو دیکھا اور لمبی آہ بھری۔

"میرے خلاف یہ الزام سچ ہے"۔۔۔ طبیب نے بلند آواز سے کہا۔۔۔ "میں شاہ ہرقل کو دوائیوں میں ایسا زہر دیتا رہا ہوں جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے پھر قسطنطین کا علاج بھی کرتے ہوئے میں اسے وہی زہر دیتا رہا ہوں۔ جب میرے اس ساتھی طبیب نے علاج شروع کیا اُس وقت تک زہر اپنا اثر کر چکا تھا۔ قسطنطین کو اب کوئی بھی موت کے منہ سے نہیں نکال سکتا تھا۔۔۔۔ ان مرنے والوں کے ساتھ میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ میں تو ان کا نمک خوار تھا۔ مجھ سے یہ گناہ ملکہ مرتینا نے کروایا ہے۔۔۔۔"

"یہ موت کے ڈر سے جھوٹ بول رہا ہے"۔۔۔ مرتینا اٹھ کر چلانے لگی۔۔۔ "یہ میرے خلاف سازش ہے۔ یہ نہیں چاہتے کہ میں ملکہ بنوں"۔

وہ ابھی بول رہی تھی کہ وہاں شور و غل بپا ہو گیا۔ سب مرتینا کے خلاف کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ جو جرنیل اور دیگر حاکم وغیرہ مرتینا کے حامی تھے وہ بھی اسے برا بھلا کہنے لگے۔

"ابھی طبیب کا بیان ختم نہیں ہوا"۔۔۔ کسی نے اٹھ کر کہا۔۔۔ "مرتینا کو ابھی

بولنے کا کوئی حق نہیں۔ مرتینا ملزم ہے ملکہ نہیں"۔

مرتینا ابھی تک احتجاج کے لہجے میں کچھ نہ کچھ بول رہی تھی لیکن اس کی کوئی سن نہیں رہا تھا، آخر اسے چپ کرا دیا گیا اور طبیب سے کہا گیا کہ وہ اپنی بات پوری کرے۔

"مجھ سے یہ گناہ ملکہ مرتینا نے کروایا ہے"۔۔۔ طبیب نے کہا۔۔۔ "یہ بھی سچ ہے کہ ملکہ میرے پاس حرم کی یہ لڑکیاں انعام کے طور پر بھیجا کرتی تھی۔ یہ مجھے سونے کے ٹکڑے بھی دیا کرتی تھی جو میرے گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔۔۔۔ اور اب میں ایسی بات کہنے لگا ہوں جو شاید کئی ایک کو جھوٹی لگے لیکن میں جو سچ بولنے پر آ گیا ہوں، ذرا سا بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ملکہ مرتینا خود ملکہ بننا چاہتی تھی یا اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس کے دل اور دماغ پر تخت و تاج اس قدر سوار تھے کہ یہ ایک عام عورت کی طرح اپنا آپ میرے حوالے کر دیا کرتی تھی اور میں اس کے جسم سے پورا پورا لطف اٹھاتا تھا۔ اسے تو میں اپنی زر خرید داشتہ سمجھتا تھا"۔

اب مرتینا نے ایک بار پھر اٹھ کر چیخ و پکار شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی اس کا بیٹا ہرقلیوناس بھی اُٹھ کھڑا ہُوا اور تلوار نکال کر للکارنے لگا کہ وہ اپنی ماں کے خلاف ایسا گھٹیا الزام برداشت نہیں کرے گا۔ وہ طبیب کی طرف بڑھا۔ کونستانس اس کے اور طبیب کے درمیان آ گیا۔ تین چار اور حاکم اٹھے اور انہوں نے دوڑ کر ہرقلیوناس کو پکڑ لیا اور پیچھے لے آئے۔

طبیب کا بیان ختم ہو چکا تھا۔ کونستانس نے طبیب کے پاس کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ بلند کئے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اور سب خاموش ہو جائیں۔ سب آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے۔

"کیا اب کوئی شک رہ گیا ہے کہ طبیب میرے دادا اور باپ کا قاتل ہے؟"۔۔۔ کونستانس نے پوچھا اور کہا۔۔۔ "میرے سوال کا جواب دو"۔

"کوئی شک نہیں رہ گیا"۔۔۔ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔۔۔ "طبیب قاتل ہے"۔

"کیا مجھے حق حاصل نہیں کہ میں خون کے بدلے خون لوں؟"۔۔۔ کونستانس نے پوچھا۔

اس کی تائید اور حمایت میں کئی ایک آوازیں اٹھیں۔

"یہ طبیب اکیلا قاتل نہیں" ـــــ کونستانس نے کہا ـــــ "اس نے لالچ میں آکر یہ گناہ کیا ہے۔ یہ نہ چاہتا تو صاف انکار کردیتا اور شاہ ہرقل کو بتا دیتا کہ وہ اس عورت سے بچے۔ اگر شاہ ہرقل کو یہ بتا دیتا تو شاہ ہرقل مرتینا کو زندہ نہ رہنے دیتا اور آج ہم آپس میں نہ لڑ رہے ہوتے۔ کیا میں نے ٹھیک کہا ہے؟"۔

ایک بار پھر کونستانس کی تائید اور حمایت میں آوازیں اٹھیں۔

"قاتل کی جان بخشی نہیں کی جاسکتی" ـــــ کونستانس نے کہا۔

اس نے دونوں سواروں کی طرف دیکھا جو پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ اوپر کیا اور جھٹکے سے ہاتھ نیچے کرلیا۔ سوار اسی اشارے کے منتظر تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ وہ بڑے ہی طاقتور جنگی گھوڑے تھے۔ دونوں گھوڑے مخالف سمتوں کو دوڑ پڑے۔

طبیب کی بڑی ہی ہولناک چیخ سنائی دی۔ دیکھنے والوں پر سناٹا طاری تھا۔ طبیب کے بازو اور ٹانگیں کھینچی گئیں اور آن واحد میں اس کے دونوں بازو کندھوں سے الگ ہوگئے پھر دونوں ٹانگیں اس طرح الگ ہوئیں کہ اس کے پیٹ کا بھی کچھ حصہ دو حصوں میں کٹ گیا۔ اس کے دونوں بازو اور ٹانگیں گھوڑوں کے ساتھ ہی چلی گئیں اور پیچھے اس کا اوپر کا دھڑ رہ گیا۔

گھوڑے کچھ دور جا کر پیچھے مڑے اور پھر وہیں آکر رک گئے۔ گھوڑ سواروں نے کونستانس کے کہنے پر گھوڑوں سے رسّیاں کھول دیں اور پھر ٹانگیں دھڑ کے قریب رکھ دیں۔ دونوں بازو دھڑ کے اوپر رکھ دیئے۔

کونستانس نے ایک ملازم سے کہا کہ وہ دوڑ کر جائے اور شکاری کتوں کو ساتھ لے آئے ....کچھ ہی دیر بعد پندرہ بیس کتے آگئے جنہیں کونستانس کے اشارے پر طبیب کے کٹے پھٹے جسم پر چھوڑ دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کُتوں نے طبیب کا سارا گوشت کھا لیا۔ پیچھے اس کی ہڈیاں رہ گئیں جو ملازموں نے اکٹھی کیں اور کہیں پھینک دیں۔

○

اُسی وقت قسطنطین کی لاش محل کے اندر ایک کمرے میں پڑی تھی اور محل کے باہر ایک قسم کی عوامی عدالت لگی ہوئی تھی جس نے ہرقل اور قسطنطین کے قاتل طبیب کو ایسی سزا دی کہ اس کا نام ونشان ہی مٹا ڈالا۔ مرتینا کو ایسی سزا نہیں دی جاسکتی تھی کیونکہ

وہ بادشاہ کی بیوی تھی اور ملکہ کہلاتی تھی۔ شاہی خاندان کو تو ویسے بھی قتل معاف تھے۔ ہرقل نے تو مصر میں اپنی رعایا کو بے دردی سے قتل کروایا تھا لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہوگیا تھا۔ مرتینا رعایا میں سے کتنے ہی آدمی قتل کروا دیتی' کوئی اس سے باز پرس نہ کرتا لیکن اس نے ایک بادشاہ کو اور بادشاہ کے بیٹے کو قتل کروایا تھا۔

وہاں جو فوجی اور شہری شخصیات موجود تھیں' انہوں نے مرتینا کے اس جرم کو نظر انداز نہ کیا۔ مرتینا بڑی ہی ڈھیٹ فطرت کی عورت تھی۔ وہ اب بھی کہہ رہی تھی کہ اس کے خلاف سازش کی گئی ہے اور طبیب کو ڈرا دھمکا کر اس سے یہ بیان دلوایا گیا ہے۔ مرتینا کو دکھ تو یہ دیکھ کر ہو رہا تھا کہ اس کے جو حامی جرنیل وغیرہ تھے اور جو اس کی حمایت میں مرنے مارنے پر اُتر آتے تھے' وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ رہے تھے۔

مصر میں ایک قلعہ بند شہر نقیوس ہُوا کرتا تھا۔ اس شہر کا رہنے والا ایک مشہور تاریخ نویس ہو گزرا ہے جس کا نام حنا تھا۔ اس نے اکثر واقعات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔ دوسرے تاریخ نویس اس کے حوالے دیا کرتے ہیں.... اس نے لکھا کہ مرتینا کو یہ سزا دی گئی کہ وہاں جو لوگ موجود تھے' انہوں نے فیصلہ دے دیا کہ مرتینا کو ملکہ نہیں بننے دیا جائے گا اور مرتینا روم کے تخت و تاج کو ذہن سے اتار دے۔

حنا نقیوسی کی تحریر کے مطابق' مرتینا اُس وقت خاموش ہو گئی لیکن وہ خاموش رہنے والی عورت نہیں تھی۔ اس کی زیادہ تر کارروائیاں پُراسرار اور زمین دوز ہُوا کرتی تھیں۔ اگر یہ سارا واقعہ جرنیلوں اور شہری انتظامیہ کے افسروں تک ہی محدود رہتا تو صورتِ حال سنبھل سکتی تھی لیکن قسطنطین کی موت کا باعث عوام سے چھپا نہ رہ سکا۔ طبیب کو جس ظالمانہ طریقے سے سزائے موت دی گئی تھی وہ محل کے اندر یا دور کہیں جنگل میں نہیں دی گئی تھی۔ اس کے جسم کو محل کے باہر چیرا پھاڑا گیا تھا جو کئی لوگوں نے دیکھا اور یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی اور شہریوں سے فوج میں جا پہنچی۔

فوجیوں نے جب سنا کہ ہرقل اور قسطنطین کو ملکہ مرتینا نے طبیب سے زہر دلوا کر مروایا ہے تو شہری بھی اور فوجی بھی مرتینا کے خلاف بھڑک اٹھے۔ سپاہی تو اتنی عقل نہیں رکھتے تھے کہ اس واقعہ کی گہرائی میں جاتے اور اس کا پس منظر سمجھتے لیکن جرنیلوں کے نیچے عہدوں کے جو افسر تھے وہ مرتینا کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔ وہ

کہتے تھے کہ شاہی خاندان کے افراد اگر اس طرح تخت نشینی پر ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے تو سلطنت کا کیا بنے گا۔ یہ افسر مصر جاکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بے تاب ہوئے جارہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مصر بھی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر سلطنتِ روم اسی انجام کو پہنچے گی جس انجام تک مسلمانوں نے کسریٰ ایران کی جنگی طاقت کو پہنچایا ہے۔

بعض مستند مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مرتینا کے خلاف غم وغصے اور نفرت کا یہ پروپیگنڈا قسطنطین کے حامی افسروں نے پھیلایا تھا۔ ان جرنیلوں نے جو مرتینا کے مخالف تھے اور جو چاہتے تھے کہ کمک مصر جائے اور مسلمانوں سے مقبوضہ مصر چھڑائے، انہوں نے تو فوج میں درپردہ مرتینا کے خلاف بہت زیادہ نفرت پھیلا دی تھی لیکن انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس طرح فوج بھڑک اٹھی ہے اس طرح ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے کہ کمک مصر جا نہیں سکتی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کمک میں جانے والے دستے الگ کردیئے گئے تھے اور وہ روانگی کے حکم کے منتظر تھے لیکن ہرقل کی موت اور پھر تخت کی وراثت کے تنازعہ اور پھر قسطنطین کی بیماری اور موت کی وجہ سے کمک نہیں بھیجی جاسکی تھی۔ اب اس کمک میں ایک ایسی لہر پھر گئی تھی کہ اس کے افسروں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ وہ مرتینا کے حکم سے نہیں جائیں گے۔ وہ کونستانس کو ہرقل کا جانشین بنانا چاہتے تھے۔

قسطنطین تو اگلے روز دفن ہوگیا لیکن تخت کی وراثت کا مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ مرتینا کے حامی تو اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے لیکن جو اس کے خلاف تھے انہوں نے فوج کو اس کے خلاف اس قدر بھڑکا دیا کہ بغاوت کے آثار نظر آنے لگے۔ روم کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ فوج میں باغیانہ رجحان نظر آنے لگا تھا۔ بادشاہوں کی فوجوں میں اتنی جرأت ہوا ہی نہیں کرتی تھی کہ وہ من مانی کرسکتی اور بادشاہ کے کسی حکم کو نظرانداز کردیتی۔ بزنطیہ میں پہلے یہ خطرہ تھا کہ قسطنطین اور مرتینا کے حامیوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوجائے گی لیکن اب بغاوت کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ فوج دیکھ رہی تھی کہ قسطنطین کے دفن ہوجانے کے اتنے دنوں بعد بھی کونستانس کو تخت نشین نہیں کیا گیا۔

○

مرتینا کہیں دبک کر بیٹھ نہیں گئی تھی۔ وہ تو بڑی ہی خوبصورت ناگن تھی۔ تخت کی وراثت کو وہ کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ نہیں تو اس نے اپنے بیٹے

ہرقلیوناس کو تخت نشین کرانا ہی تھا۔ اس نے درپردہ ایک دو جرنیلوں کو خریدنے کی کوششیں شروع کردیں۔ قیرس دانستہ بہت دن مرتینا سے نہ ملا۔ وہ تو مرتینا کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اس نے جب سنا کہ مرتینا زمین دوز کارروائیوں میں مصروف ہے تو ایک روز اس کے ہاں چلا گیا۔

"کیا تم بھی میرے دشمنوں سے جاملے ہو قیرس؟" ——— مرتینا نے کہا ——— "تم شاید بھول گئے ہو کہ میں نے تمہیں کس اونچے مقام تک پہنچادیا ہے"۔

"یہ وہم دل سے نکال دو مرتینا!" ——— قیرس نے کہا ——— "باہر کی صورتِ حال دیکھو کیا ہے۔ یہاں بھی قبطی عیسائی اور ان کے حامی موجود ہیں۔ وہ اُس قتل وغارت کو نہیں بھولے جو شاہ ہرقل نے میرے ہاتھوں کروائی تھی۔ کسی کو ذرا سا بھی شک ہوگیا کہ میں تمہارے حامیوں میں سے ہوں تو مجھے قتل کردیا جائے گا۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ کمک لے کر مصر چلا جاؤں اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالوں۔ تمہاری اور تمہارے بیٹے کی سلامتی کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ مصر کو دوبارہ اپنے قبضے میں لیا جائے۔ کسی بھی وقت تمہارے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے۔ اگر میں نے مصر واپس لے لیا تو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو وہاں پناہ مل جائے گی اور پھر ہم دونوں وہاں خود مختاری کا اعلان کردیں گے۔ مصر میں میرے لئے یہی ایک مہم نہیں ہوگی کہ مسلمانوں کو پسپا کرنا ہے بلکہ قبطی عیسائیوں کے دلوں سے اپنی اور ہرقل کے شاہی خاندان کی دشمنی بھی نکالنی ہے"۔

"دیکھو قیرس!" ——— مرتینا نے کہا ——— "میں تخت سے دست بردار ہوجاتی ہوں لیکن کسی طرح میرے بیٹے کو تخت کا وارث بنوا دو۔ میں خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر کردوں گی۔ اگر کونستانس تخت پر بٹھا دیا گیا تو میں تمہیں بتادیتی ہوں کہ اسے بھی قتل کروادوں گی۔ تم جانتے ہو میں کیا کرسکتی ہوں اور کس حد تک پہنچ جایا کرتی ہوں"۔

"اپنے آپ کو قابو میں رکھو" ——— قیرس نے کہا ——— "یوں دبک جاؤ جیسے تم مرہی گئی ہو۔ میں ہرقلیوناس کو تخت پر بٹھادوں گا لیکن کونستانس کو راضی رکھنا ضروری ہوگا.... بہرحال یہ فیصلے مجھ پر چھوڑ دو اور ابھی مجھے اس باغیانہ صورتِ حال پر قابو پالینے دو"۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ چند مہینے گزر گئے اور ہر لمحہ خطرہ ہوتا تھا کہ ابھی بغاوت ہوئی کہ ہوئی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ بغاوت کے شعلے بھڑک نہ اُٹھے۔ آخر قیرس نے جرنیلوں

اور اونچے عہدوں کے شہری حاکموں کو اکٹھا کیا اور انہیں کہا کہ بزنطیہ کی یہ صورتِ حال مصر میں مسلمانوں کو مہلت دے رہی ہے کہ وہ مزید علاقے فتح کرلیں۔

"یہ تنازعہ شاہی خاندان کا ہے" ــــ قیرس نے کہا ــــ "لیکن اس کی سزا ہم سب کو بھگتنی پڑے گی۔ ہم سب کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ مصر میں جو فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لئے موجود ہے' وہ بے کار ہو چکی ہے۔ اس پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہوگئی ہے۔ اگر کمک جلدی نہ گئی تو مسلمان اسکندریہ تک پہنچ جائیں گے۔ پھر ہم مصر میں شاید داخل بھی نہ ہوسکیں"۔

قیرس سب پر زور دے رہا تھا کہ تخت کی وراثت کا تنازعہ بہت جلدی طے ہو جانا چاہئے۔

قیرس نے یہ بھی کہا کہ مرتینا کے متعلق ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ڈر کر گوشہ نشین ہوگئی ہے۔ وہ کسی بھی وقت درپردہ کوئی نیا فتنہ کھڑا کرسکتی ہے۔ قیرس نے یہ مشورہ دیا کہ اس کے بیٹے ہرقلیوناس کو اور کونستانس کو بھی تخت نشین کردیا جائے۔ مطلب یہ کہ دونوں مشترکہ طور پر حکومت کریں گے۔ ان بڑوں نے کچھ دیر بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیال کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں میں اگر کبھی کسی مسئلے پر اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو کونستانس کا فیصلہ قابلِ قبول ہوگا۔

سب اس فیصلے پر متفق ہوگئے اور باقاعدہ طور پر شاہی فرمان جاری کردیا گیا۔ انتظام یہ کیا گیا کہ یہ فرمان ہر گھر تک اور فوج میں ہر سپاہی تک پہنچ جائے تاکہ لوگوں کو اور ساری کی ساری فوج کو پتہ چل جائے کہ تخت کی وراثت میں مرتینا کا کوئی حصہ اور عمل دخل نہیں اور وہ ملکہ نہیں بن رہی۔

اس فیصلے کے اثرات توقع کے مطابق نہایت اچھے رہے۔ بغاوت کا خطرہ ٹل گیا اور اب کمک کے فوجیوں نے خود ہی مطالبہ شروع کردیا کہ انہیں مصر بھیجا جائے۔

دوسرا فیصلہ یہ ہُوا کہ کمک قیرس لے جائے گا۔ جرنیل تو ساتھ تھے لیکن قیرس کو اس کمک کی کمان دے دی گئی تھی۔ تاریخ میں اس کمک کی صحیح نفری نہیں لکھی گئی صرف یہ لکھا ہے کہ قیرس بھاری تعداد میں کمک لے کر مصر کو روانہ ہوگیا۔ ان دستوں کے علاوہ قیرس اپنے ساتھ راہبوں اور مبلّغوں کی بھی ایک جماعت لے گیا تھا جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ قیرس کو مصر جا کر ایک تو فوجی محاذ پر لڑنا تھا اور دوسرا محاذ

مذہب کا تھا۔

یہ کمک جس بحری بیڑے میں گئی وہ بیڑا اگست کے آخر یا ستمبر 641ء کے پہلے ہفتے میں روانہ ہُوا تھا۔

○

غور فرمایئے یہ سب کیا تھا! کیا مسلمانوں نے کوئی جادو کردیا تھا کہ ہرقل کے خاندان میں اتنا بڑا واقعہ ہوگیا کہ ہرقل اور اس کے جرنیل بیٹے کو ان کے اپنے طبیب نے زہر دے کر مار ڈالا اور پیچھے تخت و تاج کی وراثت کا ایسا تنازعہ اٹھا کہ گھر کے افراد ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور ان کی نظریں مصر سے ہٹ گئیں جہاں مسلمان فتوحات حاصل کرتے جارہے تھے!

تاریخ حیرت کا اظہار کرتی ہے کہ اتنے قلیل مجاہدینِ اسلام نے اتنی بڑی طاقت کو اس حال تک بلکہ اس بدحالی تک پہنچا کس طرح دیا!.... اس سوال کا جواب قرآن میں ملتا ہے۔ سورہ الاعراف میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر قوم کے لئے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے' جب کسی قوم کی یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس کی تباہی میں ایک سانس برابر بھی دیر نہیں ہوتی۔ اے بنی آدم' تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں اور تمہیں میری آیات سنائیں تو یاد رکھو کہ جو کوئی ان آیات کی نافرمانی سے بچے گا اور اپنی اصلاح کرے گا اسے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ رنج۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور میری آیات کی نافرمانی کرتے رہو گے تو تمہاری جگہ وہ قوم آ کرلے لے گی جو تم سے بہتر ہو گی۔

یہ ہے اصل جواب کہ ہرقل اور اس کی اتنی وسیع اور طاقتور سلطنت کو ایسا عبرت ناک زوال کیوں آیا۔ ہرقل نے تو اپنی مقدس کتاب جو آسمان سے اتری تھی' اس کی بھی نافرمانی کرکے اپنی ہی عیسائیت رائج کر ڈالی تھی۔

اُس وقت وہ بہتر قوم اہلِ اسلام ہی تھے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے وطن سے دُور جہاد میں جانوں کی قربانیاں دے رہے تھے۔ وہ جو بھی شہر فتح کرتے تھے وہاں انہیں خزانے ملتے اور ایک سے بڑھ کر ایک حسین و جمیل عورت ملتی تھی لیکن اللہ کے وہ سچے بندے نہ خزانے کی طرف دیکھتے نہ کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے۔ جہاں جا۔

وہاں اعلان کرتے کہ وہ ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے پاس رکھتے ہیں۔ انہوں نے عملاً" یہ وعدے پورے کر دکھائے اور یوں اللہ کی ایک بہتر قوم ایک نافرمان قوم پر غالب آتی چلی جا رہی تھی۔

اب ہم اس داستان کو چند مہینے پیچھے مئی 641ء کے دنوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ وہ دن تھے جب سپہ سالار عمروؓ بن عاص بابلیون سے اسکندریہ کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔

ان ہی دنوں قسطنطین بیمار ہو گیا تھا اور بزنطیہ کے شاہی محل میں محلاتی سازشیں عروج پر پہنچ گئی تھیں اور تفرقہ فوج تک پھیل گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص کو جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ بزنطیہ کے شاہی محل میں کیا ہو رہا ہے اور ابھی کمک کے آنے کا کوئی امکان نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مصر میں رومی فوج تھوڑی تھی۔ مجاہدینِ اسلام نے اس فوج کو بہت جانی نقصان پہنچایا تھا پھر بھی اس فوج کی نفری مجاہدین کی نسبت تین گنا زیادہ تھی۔

بابلیون فتح کر کے عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوا کر قاصد کو اُسی وقت مدینہ روانہ کر دیا تھا۔ مصر تو امیرالمومنین کے ذہن اور اعصاب پر سوار رہتا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ عمروؓ بن عاص کے ساتھ لشکر بہت تھوڑا ہے اور ہر لڑائی میں اس کی نفری کم ہو جاتی ہے۔ امیرالمومنین نے اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں کبھی مبتلا نہیں کیا تھا کہ مجاہدین نعرۂ تکبیر بلند کریں گے اور دشمن بھاگ جائے گا۔ وہ اپنے خطبوں میں اللہ کا یہ پیغام سب تک پہنچاتے رہتے تھے کہ تمہیں وہی ملے گا جس کی کوشش کرو گے۔ وہ تو مجاہدین جانوں کی بازی لگا کر کر رہے تھے اور امیرالمومنین کمک اکٹھی کرنے میں لگے رہتے تھے۔

امیرالمومنین کی بے تابی اور بے چینی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت قاصد کے انتظار میں رہتے تھے۔ کچھ دن گزر جاتے تو شہر سے نکل کر اُس راستے پر چلے جاتے جس راستے سے قاصد آیا کرتے تھے۔ انہیں پہلے پیغام مل چکا تھا کہ اب مجاہدین ایک ایسے شہر کو محاصرے میں لے رہے ہیں جس کا دفاع بلاشک وشبہ ناقابلِ تسخیر ہے اور جس کے اندر بہت بڑی فوج موجود ہے۔ امیرالمومنین باہر نکل گئے۔ اس روز تو وہ اس قدر بے قرار تھے کہ اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ انہیں اپنے اندر سے کچھ ایسے اشارے مل رہے تھے

جیسے آج قاصد آ ہی جائے گا۔

ٹہلتے ٹہلتے امیرالمومنین خاصا آگے نکل گئے اور دور افق پر انہیں یوں گرد اُڑتی نظر آئی جیسے کوئی گھوڑ سوار یا شتر سوار آ رہا ہو۔ امیرالمومنین اور تیز چل پڑے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ اس گرد میں لپٹا ہوا ایک گھوڑ سوار آ رہا ہے۔ امیرالمومنین کے قدم اور تیزی سے اٹھنے لگے۔ آخر سوار قریب آ گیا اور امیرالمومنین کو دیکھ کر اس نے گھوڑے کی لگام اتنی زور سے کھینچی کہ گھوڑے نے چاروں پاؤں زمین پر جما دیئے اور چند قدم پاؤں گھسیٹتا آیا۔

"یا امیرالمومنین!" ــــ گھوڑ سوار نے کود کر اترتے ہوئے کہا ــــ "بابلیون مبارک ہو۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا پیغام لایا ہوں"۔

امیرالمومنین وہیں رک گئے' ہاتھ اوپر اٹھائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ــــ "یا اللہ تیری ذاتِ باری کا شکر ادا کرتا ہوں" ــــ پھر انہوں نے قاصد سے پیغام لیا اور یہ پڑھتے ہوئے واپس چل پڑے۔ قاصد گھوڑے کی لگام پکڑے ان کے ساتھ ساتھ چلتا آ رہا تھا۔ امیرالمومنین کے چہرے پر فتح و نصرت اور مسرت کی سرخی آ گئی تھی۔ شہر میں داخل ہو کر اعلان کرتے آئے کہ مصر سے پیغام آیا ہے' سب مسجد میں آ جائیں۔

مسجد ایک مرکز ہوتا تھا جس میں لوگوں کو اکٹھا کر کے اچھے بُرے پیغامات سنائے جاتے اور قومی اور ذاتی مسائل حل کئے جاتے تھے۔ مجلسِ مشاورت بھی مسجد میں ہی بیٹھ کر امور و معاملات پر بات چیت اور فیصلے کیا کرتی تھی۔

مسجد میں امیرالمومنین نے پیغام پڑھ کر سنایا اور پھر کچھ باتیں قاصد نے زبانی سنائیں اور اس کے بعد امیرالمومنین نے پہلی بات یہ کہی کہ عمروؓ بن عاص کو کمک کی شدید اور بہت جلدی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بابلیون کی فتح کوئی آسان کام نہیں تھا اور پھر بابلیون کی اہمیت بتائی اور پھر کہا کہ اب مجاہدین اور ہی زیادہ دشوار صورتِ حال میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ کی فتح اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے کہ عمروؓ بن عاص کو فوری طور پر کمک پہنچ جائے۔

ابھی مسلمانوں کی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نہیں بنی تھی۔ لوگ رضاکارانہ طور پر ایک لشکر تیار کر کے محاذ پر جایا کرتے تھے۔ امیرالمومنین نے کمک کی ضرورت کا ذکر کیا تو ایک لشکر تیار ہونے لگا۔ امیرالمومنین نے مدینہ سے دور دور رہنے والے لوگوں کو پہلے ہی

کمک کے لئے کہہ رکھا تھا اور کئی لوگ تیار ہو گئے تھے اور اب امیرالمومنین کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

امیرالمومنین نے پیغام کا جواب لکھوایا جس میں عمروؓ بن عاص کو اجازت دی کہ وہ اسکندریہ کی طرف کوچ کر جائیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے کچھ ضروری ہدایات بھی لکھوائی ہوں گی اور یہ بھی لکھا کہ کمک بہت جلدی پہنچ رہی ہے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص اُس وقت بابلیون سے روانہ ہوئے تھے جب انہیں امیرالمومنین کا پیغام مل گیا تھا۔ مصر کی اصل صورتِ حال سے عمروؓ بن عاص ہی بہتر واقف تھے۔ وہ چاہتے تو اپنے طور پر ہی کوچ کر سکتے تھے لیکن ڈسپلن کی پابندی ایسی ہوتی تھی کہ عمروؓ بن عاص امیرالمومنین کی اجازت آنے سے پہلے ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ کمک بابلیون ہی پہنچ گئی تھی یا آگے جا کر راستے میں ملی تھی۔ یہ بھی واضح نہیں کہ کمک کی نفری کتنی تھی اور اس کے ساتھ جو سالار گئے تھے ان کے نام کیا تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صرف سپہ سالار عمروؓ بن عاص ہی نہیں بلکہ تمام مجاہدین بابلیون سے اسکندریہ کی طرف کوچ کے لئے بے تاب اور بے صبر ہوئے جا رہے تھے۔ مجاہدین کا یہ جذبہ اور جوش و خروش تھا تو قابلِ تحسین لیکن عمروؓ بن عاص دور اندیش اور باریک بین تھے۔ بابلیون سے اسکندریہ کو روانگی سے دو تین دن پہلے سالار زبیرؓ بن العوام نے سپہ سالار کے ساتھ ویسے ہی ذکر کیا کہ ہم لوگ خوش قسمت ہیں کہ سارے کا سارا لشکر اس پیش قدمی کا بے تابی اور بے صبری سے انتظار کر رہا ہے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کوئی رائے نہ دی نہ کسی اور ردِ عمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ وہ اگلے روز لشکر سے خطاب کریں گے۔ انہوں نے وقت بھی بتایا جب لشکر کو گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھا کرنا تھا۔

اگلے روز لشکر میدان میں آگیا۔ عمروؓ بن عاص گھوڑے پر سوار آئے اور لشکر کے سامنے جا رکے۔

"اے مجاہدینِ اسلام!" ——— سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنی گرج دار آواز میں کہا ——— "یہ سن کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے کہ تم لوگ آگے بڑھنے اور دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لئے مجھ سے زیادہ بے تاب ہو۔ مجاہدین کا جذبہ یہی ہونا چاہئے لیکن

میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے علاوہ ایک اور بات بھی کہوں گا۔ تمہارا یہ جوش و خروش اور پسپا ہوتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں جانے کا عزم قابلِ تعریف ہی سہی لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ بیشتر مجاہدین صرف اس لئے آگے بڑھنے کو بے تاب ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو یقین دلا رکھا ہے کہ انہیں شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ فتوحات سے ہی نوازتے چلے جا رہے ہیں۔ یکے بعد دیگرے اتنی زیادہ کامیابیوں کا اثر یہی ہوتا ہے جو میں تم میں دیکھ رہا ہوں پے در پے اتنی زیادہ کامیابیاں فاتحین پر ایسا نشہ طاری کر دیا کرتی ہیں کہ وہ بے پروا اور بے نیاز سے ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھاگتا ہُوا دشمن تو اب کہیں بھی جم کر اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا....

"فتوحات کے نشے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کسی محاذ پر معمولی سی نوعیت کی شکست ہو جائے تو پھر حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں اور عزم دم توڑ دیتے ہیں۔ یاد رکھو، فتح کے ساتھ شکست بھی موجود ہے جو کسی بھی میدان میں تمہارے حصے میں آ سکتی ہے۔ حقیقت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ اگر تمہارا دشمن پسپا ہی ہوتا چلا جا رہا ہے تو بھی اسے کمزور اور حقیر نہ جانو۔ وہ کہیں بھی قدم جما کر تم پر جوابی حملہ کر کے تمہارا دم خم توڑ سکتا ہے....

"میں تمہیں یہی حقیقت دکھانے لگا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ تم نے رومی فوج پر دہشت طاری کر دی ہے پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ رومی فوج کی تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ رومی فوج کے جرنیل اپنی اتنی بڑی فوج کو دانشمندی سے لڑا نہیں سکے۔ اس فوج میں کچھ دستے ایسے بھی ہیں جو ابھی تک میدان میں نہیں آئے نہ انہوں نے تمہاری شجاعت دیکھی ہے نہ اپنی شجاعت تمہیں دکھائی ہے۔ ان کے کسی بھی جرنیل نے سوچ لیا کہ اتنی زیادہ فوج کو صحیح طریقے سے لڑایا جائے تو ہم اتنے تھوڑے ہیں کہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جائے گا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ہمیں کمک تو مل رہی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی درکار ہے۔ ہمارے مقابلے میں رومیوں کے لئے بہت بڑی کمک آ رہی ہے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ اس کمک کے پہنچنے تک ہم اسکندریہ پہنچ جائیں لیکن ذہن میں رکھو کہ یہ زمین دشمن کی ہے جس کا وہ عادی اور آشنا ہے۔ ہمارے لئے یہ زمین اجنبی اور ہم اس زمین کے لئے اجنبی ہیں....

"اس میں کوئی شک نہیں کہ بابلیون ناقابلِ تسخیر قلعہ بند شہر تھا لیکن تم نے اسے فتح

کر لیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بابلیون میں جو فوج تھی اور اس کے جو جرنیل تھے وہ سب اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اس شہر کو کوئی دشمن فتح کر ہی نہیں سکتا۔ یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنے تھوڑے مسلمان بابلیون پر قبضہ کر لیں گے۔ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وہ دفاع سے بے نیاز ہو گئے۔ ایسے ہی اگر تم نے اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھا کہ تمہیں کہیں بھی شکست کا سامنا ہو ہی نہیں سکتا تو فوراً اس خوش فہمی سے نکل آؤ.....

"ہم جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے ہیں ہمارے لئے مشکلات اور دشواریوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ سے فتح ہی کی امید رکھو لیکن شکست کو بھی اپنے سامنے رکھو۔ ہمارا ہدف اسکندریہ ہے لیکن اسکندریہ مصر کا دل ہے۔ رومی جان کی بازی لگا دیں گے اور ہمیں اسکندریہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ اللہ سے فتح ہی کی امید رکھو' اللہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ہمیں سوچ سمجھ کر اور حقیقت کو اچھی طرح جان کر لڑنا ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو پورا پورا اجر دیا کرتا ہے"۔

عمروؓ بن عاص نے قرآن کی تین آیات سنائیں اور آخر میں پھر کہا کہ اس خوش فہمی سے تمام مجاہدین نکل آئیں کہ وہ جہاں بھی جائیں گے فتح ہی ان کے قدم چومے گی۔

"تمہاری فتح ایک اور بھی ہے" ـــــ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "تمہیں شاید اپنی اس فتح کا علم نہ ہو۔ تم نے روم کی فوج کو ایسی شرمناک شکستیں دی ہیں کہ بزنطیہ میں ہرقل کے شاہی محل میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور وہاں شاہی خاندان کے افراد آپس میں دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ اسے بھی اللہ کی مدد سمجھو کہ ہرقل مر گیا ہے۔ میں اپنے اس دشمن کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جس نے سلطنتِ روم کو دور دور تک پھیلا دیا تھا لیکن اس نے اللہ کو ناراض کیا اور اس کی سزا پائی۔ ہرقل ذاتی طاقت اور جنگی قوت کا دوسرا نام تھا۔ یہ مت سوچو کہ ہرقل نہیں رہا تو روم کی فوج کمزور ہو گئی ہو گی۔ ہرقل اپنے اثرات پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ مختصر یہ کہ تمہارے امتحان کا وقت آ رہا ہے۔ فتح اور شکست اللہ پر چھوڑ دو اور اپنے فرائض کو سامنے رکھو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو"۔

○

بابلیون کے لوگوں کے ساتھ اور خصوصاً قبطی عیسائیوں کے ساتھ مجاہدین کا جو حسنِ سلوک تھا اس کا ثمرہ انہیں اب ملا۔ قبطی عیسائیوں نے رومیوں کے ہاتھوں بہت ہی

ظلم اور ستم سہے تھے۔ ہرقل نے تو ان کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا اور اسقفِ اعظم بنیامین کو مجرم قرار دے کر بھاگ جانے اور روپوش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کی جگہ قیرس کو اسقفِ اعظم بنا کر کُلی اختیارات دے دیئے تھے کہ بنیامین سے لوگوں کو ہٹائے اور جو اسے اسقفِ اعظم مانتا رہے اسے قتل کر دے۔ یہ تفصیلات پہلے آ چکی ہیں' یہاں بات یہ سامنے آئی ہے کہ قبطی عیسائیوں کو بجا طور پر خطرہ اور خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اپنوں نے ان پر ظلم و ستم کئے ہیں تو مسلمانوں سے تو انہیں اس سے بدتر سلوک اور رویّے کی توقع رکھنی چاہئے۔ غیر ملکی اور غیر مذہب کے فاتحین سے وہ اچھے سلوک کی توقع رکھ ہی نہیں سکتے تھے اور اس خطرے کے پیشِ نظر وہ اپنے مال و اموال اور اپنی نوجوان اور جواں سال عورتوں کو چھپائے پھرتے تھے اور کہیں بھاگ جانے پر اپنے آپ کو تیار رکھتے تھے لیکن مسلمانوں نے انہیں حیران کر دیا۔

مسلمانوں نے ان پر جبر نہیں کیا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ جو اسلام قبول نہیں کرتے وہ جزیہ ادا کریں اور اس جزیے کے عوض ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ مسلمانوں نے یہ وعدہ عملاً پورا کر کے دکھا دیا۔

کچھ ایسے واقعات سنائے جا چکے ہیں کہ عیسائی لڑکیوں کو مجاہدین نے انہیں اغوا کرنے والے رومیوں سے آزاد کرایا اور ان کے ماں باپ کے حوالے کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے تمام شہریوں کو معزز شہریوں جیسا رتبہ دیا اور انہیں اپنے برابر حقوق دیئے اور ایسا تاثر پیدا ہی نہ ہونے دیا کہ مسلمان برتر اور اعلیٰ قوم ہیں اور باقی سب رعایا اور غلام ہیں۔ جہاں کہیں کسی کے ساتھ بے انصافی ہوئی' سپہ سالار عمروؓ بن عاص خود وہاں پہنچے یا کسی اور سالار کو اطلاع مل گئی تو وہ فوراً وہاں گیا اور مظلوم کو انصاف دلا کر ظالم کو پوری سزا دی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بے شمار قبطی عیسائی از خود ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور انہیں وہی حقوق مل گئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ مختصر یہ کہ مسلمان وہاں کے لوگوں کے لئے نجات دہندہ بن گئے بلکہ ان کی عزت و آبرو بحال کر دی۔ قبطی عیسائی اس قدر ممنون اور مشکور ہوئے کہ وہ محسوس کرنے لگے کہ مسلمانوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ رومیوں کے خلاف تو ان کے دلوں میں نفرت بیٹھ گئی تھی اور ایسے بھی تھے جو رومیوں

سے اپنے عزیزوں یا اپنے ہم مذہبوں کے قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ یہاں ہم یہ واضح کر دیتے ہیں کہ قبطی عیسائیوں کو لڑنے کے لئے مجاہدین کے لشکر میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ عمروؓ بن عاص کی دور اندیشی تھی۔ تاریخ میں اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی گئی۔ وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ قبطی آخر غیر مذہب کے لوگ تھے اور وہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر وہ اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتے تھے۔ انہیں اس صورت میں ساتھ رکھ لیا جاتا تھا کہ وہ تعاون اور امداد کا وعدہ کرتے تھے۔

اب عمروؓ بن عاص اسکندریہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ راستے میں کچھ قلعہ بند قصبے اور شہر آتے تھے اور اس کے علاوہ تھوڑی ہی دور جا کر زمین دشوار گزار ہو جاتی تھی کیونکہ وہاں سے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ دریا کئی چھوٹی بڑی شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا جس سے بعض علاقے دلدلی ہو گئے تھے اور بعض کچھ ایسے جنگلاتی تھے کہ ان میں سے گزرنا اور گھوڑوں کو گزارنا بہت ہی مشکل تھا۔ بعض شاخیں قدرے چوڑی تھیں جنہیں عبور کرنے کے لئے کشتیوں کے پل بنانے پڑتے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے ایک دو سالاروں اور کچھ عقل مند مجاہدین کو کسی اور ہی بھیس میں آگے بھیج کر اس سارے راستے اور ڈیلٹا کے علاقے کا جائزہ لیا تھا اور ان کے پاس پوری رپورٹ آگئی تھی۔

عمروؓ بن عاص نے اس سروے یا رپورٹ کے مطابق فیصلہ کیا کہ وہ نیل کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ جائیں گے کیونکہ اس طرف قدرتی رکاوٹیں اور دشواریاں ذرا کم تھیں لیکن راستے میں دو تین قلعہ بند شہر آتے تھے جو رکاوٹ بن سکتے تھے بلکہ انہیں رکاوٹ بننا ہی تھا۔ عمروؓ بن عاص کو جاسوسوں نے یہ خبر بھی دے دی تھی کہ مصر میں مقیم رومی فوج کا سپریم کمانڈر جنرل تھیوڈور اسی علاقے میں موجود ہے اور وہ جانتا ہے کہ اب مسلمان اسکندریہ پر چڑھائی کریں گے اور وہ مسلمانوں کو راستے ہی میں روک لے گا۔

عمروؓ بن عاص کو اللہ کی مدد یوں حاصل ہوئی کہ بابلیون کے کچھ قبطی سردار اور رئیس قسم کے لوگ ان کے دوست بن چکے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی مسلمانوں کو ان کی مدد کی ضرورت پڑے گی وہ فوراً" مدد کو پہنچیں گے۔

اب مدد کا وقت آگیا تھا لیکن سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے انہیں مدد کے لئے نہ کہا۔ وہ غالباً" ان کا احسان لینا نہیں چاہتے تھے۔ قبطی عیسائیوں کے ان سرکردہ افراد کو پتہ چلا کہ

مجاہدین کا لشکر اسکندریہ کو کوچ کر رہا ہے تو انہوں نے عمروؓ بن عاص سے کہا کہ وہ ان کی رہنمائی اور مدد کے بغیر اسکندریہ تک خاصی مشکلات کا سامنا کر کے ہی پہنچیں گے۔ بہتر ہے کہ ان میں سے کچھ افراد کو ساتھ لے لیں جو اس علاقے سے واقف ہیں اور اس علاقے کے قبطی عیسائیوں سے تعاون بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں سے صلح مشورہ کیا تو سالاروں نے کہا کہ ان لوگوں کو ساتھ لے ہی لیا جائے تو بہتر ہے۔ ان قبطی عیسائیوں نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ اتنی نفری اپنے ساتھ لے چلیں گے کہ کسی جگہ کشتیوں کا پل بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی وہ بنا دیں گے۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کا مشورہ قبول کر لیا اور قبطی عیسائیوں کے سرکردہ افراد سے کہا کہ وہ صرف اپنے اُن آدمیوں کو ساتھ لے چلیں جن پر انہیں پورا پورا بھروسہ ہے اور وہ کہیں دھوکہ نہیں دیں گے۔ ان سرکردہ افراد نے سپہ سالار کو پورا پورا یقین دلایا اور کہا کہ جہاں کسی پر ذرا سا بھی بے وفائی کا شک ہُوا وہ اپنے ہاتھوں اس شخص کو قتل کر دیں گے.... لشکر بابلیون سے نکلا اور اللہ کا نام لے کر سُوئے اسکندریہ روانہ ہُوا۔

○

مجاہدین کا لشکر دریا کے بائیں کنارے پر جا رہا تھا۔ یہ کنارہ بہت دور تک مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ ذہن میں رکھیں کہ لشکر کی تعداد کچھ اور کم ہو گئی تھی کیونکہ بابلیون جیسے شہر میں نظم و نسق برقرار رکھنے اور شہر کا سرکاری کاروبار چلانے کے لئے مجاہدین کی خاصی تعداد چھوڑ دی گئی تھی۔

چند میل آگے دریا کے دائیں کنارے پر ایک شہر نقیوس واقع تھا۔ یہ قلعہ بند شہر تھا جس میں رومی فوج کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ یہ شہر دریا کے دوسرے کنارے پر آباد تھا۔ وہاں دریا کا پاٹ اور ہی زیادہ چوڑا ہو جاتا تھا۔ اس شہر کو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ لشکر تو بائیں کنارے پر چلا جا رہا تھا اور اس کی منزل اسکندریہ تھی۔ کسی سالار نے یہ مشورہ دیا بھی کہ اس شہر کو نہ چھیڑا جائے۔ مشکل مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اس شہر پر حملہ کرنے کے لئے دریا عبور کرنا تھا جو کشتیوں کا پُل بنا کر ہی کیا جا سکتا تھا لیکن خطرہ یہ تھا کہ رومی تیروں اور پھینکنے والی برچھیوں سے مجاہدین کو دریا میں ہی رکھتے۔

"نہیں!" ـــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــــ "بے شک یہ شہر دریا کے پار ہے اور ہمارے کوچ کے راستے کی رکاوٹ نہیں لیکن اسے ہم نظر انداز کر گئے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اپنے پیچھے ایک خطرہ چھوڑ چلے ہیں جو کسی مشکل مقام پر عقب سے ہم پر آ پڑے گا اور اس صورت میں ہمیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا اور ہو سکتا ہے ہم پیش قدمی کر ہی نہ سکیں۔ اس شہر پر حملہ ضروری ہے"۔

معلوم نہیں کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص جانتے تھے یا نہیں کہ رومی فوج زندہ و بیدار ہے اور اس کے کمانڈروں کو معلوم ہے کہ مسلمان اب اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ رومیوں نے اپنی بیداری اور تیاری کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ یہ شہر نقیوس ابھی کچھ دور تھا کہ رومی فوج مجاہدین کے لشکر کے مقابلے کو بائیں کنارے پر آ گئی جس سے مسلمانوں کا دریا پار کرنے کا مسئلہ ختم ہو گیا۔ یہ ایک مقام تھا جو اُس زمانے میں طرنوط کہلاتا تھا۔ نقیوس کے دفاع میں جو جرنیل وہاں موجود تھا اسے اطلاع مل گئی تھی کہ مجاہدین کا لشکر آ رہا ہے۔ اس نے اپنی اچھی خاصی نفری کشتیوں کے ذریعے دریا کے بائیں کنارے پر پہنچا دی کہ یہ دستے مجاہدین کے لشکر کو روکیں یا انہیں وہیں کمزور کر دیں۔ یہ کارروائی دراصل نقیوس شہر کے دفاع کی کارروائی تھی۔

اس مقام پر رومیوں اور مجاہدین کا تصادم ہوا۔ عمروؓ بن عاص نے خاص طور پر محسوس کیا کہ رومیوں کا حوصلہ تر و تازہ ہے اور ان میں لڑنے کا جذبہ از سرِ نو پیدا ہو گیا ہے۔

یہ آمنے سامنے کی لڑائی تھی اور رومی بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ لشکر چونکہ پیش قدمی کر رہا تھا اس لئے سپہ سالار نے اس کے بائیں پہلو کی حفاظت کے لئے ایک زیادہ نفری کا دستہ بائیں طرف بھیج رکھا تھا جو لشکر کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا۔ لشکر اور اس دستے کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔

عمروؓ بن عاص نے دیکھا کہ رومی صحیح معنوں میں بہادری سے لڑ رہے ہیں اور ان کے قدم اکھاڑنے میں کچھ مشکل پیش آئے گی۔ سپہ سالار اس کوشش میں تھے کہ لشکر میں جانی نقصان کم سے کم ہو اور زخمی بھی کم ہوں۔ انہوں نے قاصد کو دوڑایا کہ بائیں پہلو والے دستے سے کہے کہ آگے جا کر عقب سے رومیوں پر حملہ کرے۔

وہ زمین نشیب و فراز والی تھی، کچھ علاقہ جنگلاتی تھا اور کچھ چٹانیں ٹیکریاں وغیرہ بھی

نہیں۔ بائیں پہلو والا دستہ پیغام ملتے ہی بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور اپنے آپ کو ومیوں سے چھپاتے ہوئے آگے گیا اور پیچھے مڑا اور رومیوں کو اُس وقت اس دستے کی جودگی کا علم ہوا جب مجاہدین کے اس دستے نے ان پر شدید ہلہ بول دیا تھا۔ رومی ایسی ی طرح گھیرے میں آ گئے کہ کٹ مرنے کے سوائے اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بُری طرح کٹے اور بعض دریا میں کود گئے لیکن تیر انداز مجاہدین نے انہیں زندہ نہ جانے ا۔

زخمی رومی جو وہیں رہ گئے تھے ان سے پوچھا گیا کہ نقیوس میں کتنی فوج ہے اور ہ کیسا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ ان سے ضروری معلومات لے لی گئیں۔ پتہ چلا ہ وہاں فوج کی خاصی تعداد موجود ہی نہیں بلکہ لڑنے کے لئے بالکل تیار ہے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اس لڑائی سے کامیابی سے فارغ ہو کر سالاروں کو حکم ے دیا کہ نقیوس پر حملہ کیا جائے گا اور دریا کشتیوں کے پل سے پار کریں گے۔ چونکہ کنارہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا اس لئے ایک تو جگہ جگہ کشتیاں موجود تھیں اور کچھ شتیاں ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھیں۔ دریا پار کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن قبطی ائی کہتے تھے کہ وہ دریا پار کروائیں گے۔

دریا تو پار کیا جا سکتا تھا لیکن خطرہ کچھ اور تھا۔ وہ یہ کہ رومی فوج نقیوس سے نکل کر ارے پر آ جاتی اور اس کے تیر انداز کشتیوں پر دریا میں ہی مجاہدین پر تیروں کا مینہ سا دیتی اور اس طرح بمشکل آدھا لشکر دوسرے کنارے تک پہنچ سکتا۔ اس خطرے کی ابندی بھی کرنی تھی جو سپہ سالار نے کر دی تھی لیکن خطرہ موجود تھا۔ بہرحال خطرہ تو ل لینا ہی تھا اور عمروؓ بن عاص خطرے مول لینے میں ہی شہرت رکھتے تھے۔

اسے بھی ہم اللہ کی مدد کہیں گے کہ نقیوس کے رومی جرنیل کے دماغ میں ایک ی سکیم آ گئی۔ اسے اطلاع مل گئی تھی کہ اس نے جو دستے مجاہدین کو روکنے کے لئے وط بھیجے تھے وہ بُری طرح کٹ گئے ہیں اور مسلمان بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ جرنیل اپنے جونیئر کمانڈروں کو بلایا۔

"اب ان مسلمانوں کو روکنا اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے" ـــــ جرنیل نے کہا ـــــ ہم نے انہیں نہ روکا تو آگے جا کر ان کا لشکر چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات کو تح کرتا جائے گا اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ ہمارے لوگوں کو یہ خبر مل

جائے گی کہ ہماری فوج طرنوط میں بہت بُری شکست کھا چکی ہے۔ آج رات کشتیوں سے دریا پار کیا جائے گا اور صبح تک ہمارے دستے دوسرے کنارے پر مسلمانوں کے راستے میں تیار موجود ہوں گے"۔

بجائے اس کے کہ مجاہدین دریا پار کرتے رومیوں نے دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن رومی فوج رات رات ہی دریا پار نہ کر سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن دنوں دریا طغیانی میں تو نہیں تھا لیکن دریا کا جوش و خروش ایسا تھا کہ وہ کشتیوں کو اس رفتار سے آگے بڑھنے ہی نہیں دیتا تھا جس کی توقع رکھی گئی تھی۔ اس طرح رومیوں کے لئے صبح تک بائیں کنارے تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔

مجاہدین نے طرنوط سے کچھ آگے رات بھر کے لئے پڑاؤ کیا تھا لیکن فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی کوچ کر گئے۔ دور سے ہی انہوں نے دیکھا کہ قلعہ نقیوس کے بالمقابل کشتیوں کا ایک بہت بڑا بیڑا دریا پار کر رہا ہے اور کچھ کشتیاں کنارے لگ چکی ہیں اور رومی فوجی کود کود کر کنارے پر آ رہے ہیں۔ سپہ سالار سمجھ گیا کہ رومی ایک بار پھر ان کے راستے میں حائل ہو رہے ہیں۔

سپہ سالار نے حملے کا حکم دے دیا اور یہ دیکھ کر کہ کشتیوں کی زیادہ تر تعداد ابھی دریا میں ہے، تمام تیر اندازوں سے کہا کہ وہ ان کشتیوں پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکیں۔ مجاہدین بڑی ہی تیزی سے پہنچ گئے۔ پہلے ان رومیوں کو گھیرا جو کشتیوں سے اتر آئے تھے۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ وہ واپس کشتیوں کی طرف بھاگنے لگے لیکن مجاہدین ان پر جا ٹوٹے اور بڑی آسانی سے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔

مجاہدین کے جوش اور جذبے کا یہ عالم تھا کہ کچھ رومی دریا میں کود گئے اور مجاہدین ان کے پیچھے جا کودے اور پانی میں انہیں جا لیا اور ان کی لاشیں نیل اپنے ساتھ لے گیا۔ تیر اندازوں نے تو ان کشتیوں پر جو ابھی آ رہی تھیں، تیروں کا موسلا دھار مینہ برسا دیا۔ بعض مجاہدین ایسے جوش میں آئے کہ وہ دریا میں کود گئے اور تیر کر ان کشتیوں تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔

تاریخ نویس حنا نقیوسی اسی شہر کا رہنے والا تھا۔ تاریخ میں اس کی تحریر آج بھی موجود ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے اس جذبے اور اس جوش و خروش کو دیکھ کر رومی سپاہیوں نے تو گھبرانا تھا ہی، خود جرنیل حوصلہ چھوڑ بیٹھا اور اس نے اپنی کشتی کے ملاحوں

سے کہا کہ وہ کشتی کا رخ اسکندریہ کی طرف کر دیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ نیل کا رخ اسکندریہ کی طرف ہی تھا۔

بائیں کنارے پر پہنچنے والے رومی تو کٹ گئے اور مجاہدین کشتیوں پر تیر برسانے لگے تو کشتیاں پیچھے کو مڑنے لگیں یا دریا کے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئیں اور رومیوں کا بُری طرح نقصان ہُوا۔ رومیوں نے دیکھ لیا کہ ان کا جرنیل وہ بھاگا جا رہا ہے۔ اس کے بھاگنے کی خبر سب تک پہنچ گئی اور رومی نقیوس والے کنارے کی طرف جانے کی بجائے اسکندریہ کی طرف رخ کر گئے لیکن مجاہدین کے تیروں نے انہیں جانے نہ دیا۔ شاید ہی کوئی رومی ہو گا جس کے جسم میں مجاہدین کا تیر نہ اُترا ہو گا۔

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ کئی ایک رومی فوجیوں نے کشتیوں میں ہی کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا دیئے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ انہیں کنارے کی طرف آنے دیا جائے۔ وہ ہتھیار ڈال رہے تھے۔

معلوم نہیں سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے ایسا حکم کیوں دیا کہ ہتھیار ڈالنے والے رومیوں کو قیدی بنانے کی بجائے انہیں قتل کروا دیا۔

سپہ سالار کے حکم سے تمام لشکر کشتیوں پر سوار ہُوا۔ کچھ اپنی کشتیاں تھیں اور باقی رومیوں کی کشتیاں پکڑی گئی تھیں۔ ان سے دریا پار کیا گیا اور لشکر نقیوس شہر میں بلا مزاحمت داخل ہو گیا۔ وہاں کوئی فوج نہیں تھی۔ شہریوں نے بتایا کہ ڈیڑھ ایک دستہ شہر میں موجود تھا جو اسکندریہ کی طرف بھاگ گیا ہے۔

عمروؓ بن عاص اپنی پیش قدمی کے راستے میں ہر مزاحمت اور ہر رکاوٹ کو کم سے کم کرنے کی کوشش میں تھے۔ انہوں نے اپنے ایک سالار شریک بن سمّی کو بلایا اور کہا کہ وہ کم سے کم مجاہدین کو ساتھ لے جائیں اور بھاگنے والے اس رومی دستے کو جہاں کہیں وہ پہنچ چکا ہے ختم کر دیں یا ہانک کر واپس لے آئیں۔ معلوم ہوتا ہے عمروؓ بن عاص کو یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ اس رومی دستے کی نفری کتنی ہے۔ ان کا خیال یہ ہو گا کہ وہ ڈر کر بھاگ رہے ہیں اس لئے تھوڑے سے مجاہدین کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے لیکن کوئی اور ہی صورت پیدا ہو گئی۔

سالار شریک نے مجاہدین کی مختصر سی جماعت کے ساتھ ان رومیوں کو راستے میں ہی جا لیا۔ رومیوں نے پلٹ کر دیکھا کہ یہ تو بہت تھوڑے ہیں۔ انہوں نے اپنے بکھرے

ہوئے ساتھیوں کو پکار پکار کر اکٹھا کر لیا اور ان مجاہدین کو گھیرے میں لے لیا۔ تب سالار شریک نے محسوس کیا کہ وہ اس خطرے سے زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ قریب ہی ایک اونچا اور خاصا چوڑا اور لمبا ٹیلا تھا۔ سالار شریک اپنے مجاہدین کے ساتھ اس ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ سب گھوڑ سوار تھے۔

ان کے ساتھ ایک بڑے ہی مشہور شہسوار تھے جن کا نام مالک بن ناعمہ صدفی تھا۔ ان کی شہسواری مسلّمہ تھی۔ سالار شریک نے مالک بن ناعمہ سے کہا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر ان رومیوں سے راستہ بناتا نکلے اور سپہ سالار تک پہنچے اور کمک ساتھ لے آئے ورنہ سب مارے جائیں گے۔ اس شہسوار نے ٹیلے سے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا پھسلتا سرکتا نیچے آیا۔ رومیوں نے اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن یہ شہسوار تلوار گھماتا اور گھوڑے کو دائیں بائیں پوری رفتار پر دوڑاتا نکل گیا۔ اس دوران مجاہدین نے ٹیلے سے تیر برسانے شروع کر دیئے تھے۔ تیر انداز تین چار ہی تھے۔ رومی ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کچھ ڈرے ڈرے بھی تھے کیونکہ کئی ایک ان کے ساتھی تیروں سے گھائل ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ایک مجاہد سوار نکل گیا ہے اور ابھی مسلمانوں کا کوئی بڑا دستہ آن پہنچے گا۔ اس خیال سے وہ بھاگ نکلنے کی فکر میں بھی تھے۔

شہسوار مالک بن ناعمہ ہوا سے باتیں کرتے اپنے لشکر میں پہنچے اور سپہ سالار کو بتایا کہ اپنے مجاہدین کس طرح گھیرے میں آ گئے ہیں۔ سپہ سالار نے ذرا سا بھی وقت ضائع نہ کیا اور کمک کو دوڑا دیا۔

سالار شریک اور ان کے مجاہدین نے بڑی ہی جانبازی سے رومیوں کا مقابلہ کیا۔ کچھ رومی ٹیلے پر چڑھ گئے تھے۔ انہیں تلواروں اور برچھیوں پر لیا اور اتنی دیر میں کمک پہنچ گئی۔ رومی بھاگ نکلے لیکن کمک نے ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے زیادہ تر کو وہیں رکھا۔ کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا۔ زندہ وہی رہے جو چند ایک بھاگنے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

نیل کے کنارے وہ ٹیلا آج بھی موجود ہے اور وہ سالار شریک کے نام سے موسوم ہے اور آج بھی اس ٹیلے کو "کوم شریک" کہتے ہیں۔

بحری

جہاز جو بزنطیہ سے کمک لائے تھے' سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگرانداز ہوئے۔ اتنی زیادہ نفری کی کمک اور ان کے گھوڑے جب جہازوں سے اتر رہے تھے تو یہ خبر دیکھتے ہی دیکھتے سارے شہر میں پھیل گئی کہ بزنطیہ سے کمک آ گئی ہے اور کمک اسقفِ اعظم قیرس لایا ہے۔

سکندریہ مصر کا دارالحکومت اور بہت ہی بڑا شہر تھا۔ یہ بالکل سمندر کے اوپر آباد تھا۔ اس شہر کی آبادی پہلے ہی خاصی زیادہ تھی لیکن اب آبادی دوگنی سے بھی کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ آبادی میں اتنے اضافے کی وجہ یہ تھی کہ اُن شہروں کے بہت سے لوگ جن شہروں پر مجاہدینِ اسلام کا قبضہ ہو گیا تھا' بھاگ کر سکندریہ جا پہنچے تھے۔ ان میں اکثریت تاجروں اور دیگر دولت مند لوگوں کی تھی۔ وہ بھی بھاگ کر سکندریہ جا پہنچے تھے جن کے گھروں میں جوان بہو بیٹیاں تھیں۔ ان میں بعض ایسے تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ابھی دیکھا نہیں تھا۔ انہیں اتنا ہی پتہ چلا کہ مسلمان آ رہے ہیں تو وہ سکندریہ کو بھاگ اٹھے۔ وہ رکے رہتے اور مسلمانوں کا حسنِ سلوک دیکھتے تو بھاگنے کا نام ہی نہ لیتے۔

یہ لوگ اپنے آپ کو پناہ گزین کہتے تھے۔ ان میں بھگوڑے فوجی بھی تھے۔ انہوں نے سکندریہ کے شہریوں میں دہشت پھیلا دی۔ فوجی یہ تو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ بزدل ہیں اور بھاگ آئے ہیں۔ پناہ گزین شہری اور بھگوڑے فوجی سکندریہ کے لوگوں کو اس قسم کی باتیں سناتے تھے کہ مسلمان دراصل انسان نہیں بلکہ یہ جنّات ہیں جو انسان کے روپ میں آ گئے ہیں۔

یہ تو عام شہری اور فوج کے سپاہی تھے' ان میں جو کچھ عقل و دانش رکھتے تھے اور جن کی حیثیت کچھ اونچی تھی' وہ بھی دہشت ہی پھیلا رہے تھے لیکن کہتے یہ تھے کہ نہ

جانے مسلمانوں کے پاس وہ کون سا جذبہ یا کیسا جادو ہے کہ کوئی فوج کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ان کے مقابلے میں ٹھہر ہی نہیں سکتی۔ وہ یہ بھی سناتے تھے کہ تقریباً" ہر لڑائی میں اور ہر قلعے میں رومی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں پانچ چھ گنا زیادہ تھی لیکن ان تھوڑے سے مسلمانوں نے نہ جانے کیسا جادو پھونکا کہ آدھی فوج کٹ گئی اور باقی بھاگ نکلی۔

مسلمانوں کا نام سنتے ہی بھاگ جانے والے لوگ اور سکندریہ کے باشندے یہ تو کسی سے پوچھتے ہی نہیں تھے کہ مسلمان مفتوحہ جگہ کے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ وہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فاتحین مفتوحہ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتے ہیں۔ ان کے گھروں میں لُوٹ مار کرتے اور ان کی جوان عورتوں کو اٹھالے جاتے اور ان کے لئے وحشی بن جاتے ہیں۔ رومی فوج بھی ایسی ہی تھی۔ لوگوں نے فرض کر لیا تھا بلکہ انہیں یقین تھا کہ مسلمان فاتحین بھی ایسے ہی وحشی اور درندے ہیں۔

سکندریہ کے لوگوں نے جب یہ سنا کہ مسلمان شہر اور قصبے فتح کرتے بڑی تیزی سے سکندریہ کی طرف بڑھے آ رہے ہیں تو پناہ گزینوں نے اور بھگوڑے فوجیوں نے جو خوف و ہراس پھیلایا تھا اس میں اضافہ ہو گیا۔ لوگ سوچنے لگے کہ وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے' آگے سمندر تھا۔

شہر کی اس ابتر کیفیت میں جب لوگوں نے سنا کہ قیرس بزنطیہ سے بہت بڑی کمک لایا ہے تو لوگ اس کے استقبال کے لئے یا اپنے حوصلوں میں جان ڈالنے کے لئے بندرگاہ کی طرف اٹھ دوڑے۔ وہ قیرس کو نجات دہندہ فرشتہ سمجھنے لگے تھے جو آسمانوں سے اُترا تھا۔ لوگ اس سے پہلے بھی کچھ خوفزدہ ہی تھے کیونکہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ بزنطیہ سے کوئی کمک نہیں آئے گی۔ اگر مصر کے اور خصوصاً" سکندریہ کے حالات نارمل ہوتے تو قیرس کا استقبال ایسا پُرجوش نہ ہوتا۔ صرف وہی لوگ اس کا استقبال کرتے جنہوں نے ہرقل کی عیسائیت قبول کر لی تھی اور قیرس کو اسقفِ اعظم مانتے تھے۔

قبطی عیسائی تو قیرس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور کئی ایک قبطیوں کے دلوں میں قیرس کے خلاف انتقام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ قیرس نے کس طرح قبطیوں کا قتل عام کیا اور کیسے جور و ستم سے ہرقل کی عیسائیت منوانے کے جتن کئے تھے لیکن قبطی عیسائی بھی اس خیال سے قیرس کے استقبال کو چلے گئے کہ ان کی

دشمنی قیرس کے ساتھ ہے' مصر اور عیسائیت کے ساتھ نہیں۔ وہ ایسی صورتِ حال کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے کہ مصر سے عیسائیت کی بادشاہی ختم ہو جائے اور اسلام کی حکمرانی آ جائے۔ یہ لوگ عیسائیت کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ یہ قبطی بندرگاہ پر گئے تو وہ قیرس کا نہیں بلکہ کمک یعنی رومی فوج کا استقبال کرنا چاہتے تھے اور اس فوج کا انہوں نے حوصلہ بڑھانا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مصر سے نکالیں۔

قیرس فوراً" ہی جہاز سے نہ اُترا' وہیں بیٹھا رہا اور شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر سوچ ہی رہا تھا تو اس کی سوچ یہی ہو سکتی تھی کہ نہ جانے مصر کے لوگ اس کا استقبال کس طرح کریں گے۔ اس کے اپنے اعمال اس کے سامنے آ رہے تھے .... سکندریہ کی فوج کے ایک جرنیل نے اسے سوچوں سے بیدار کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی قیرس اُٹھ کھڑا ہُوا اور اسے بڑے پیار سے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ بندرگاہ پر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ لوگ شور و غل بپا کر رہے تھے اور کچھ لوگ کمک کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ یہ شور و غل قیرس کے کانوں تک پہنچ رہا تھا اور یہ بڑھتا ہی جا رہا تھا کیونکہ ہجوم میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"یہ شور و غل کیسا ہے؟" —— قیرس نے جرنیل سے پوچھا —— "کیا لوگ میرے استقبال کو آئے ہیں یا ...."

"ہاں اسقفِ اعظم!" —— جرنیل نے پُر مسرت لہجے میں کہا —— "لوگ آپ کے اور کمک کے استقبال کو آئے ہیں اور آپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہوئے جا رہے ہیں"۔

قیرس نے یوں اطمینان اور سکون محسوس کیا جیسے اس کے کندھوں سے یا اس کے ضمیر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا گیا ہو۔ اس نے کہا کہ وہ لوگوں سے خطاب کرنا چاہتا ہے۔ وہ جب جہاز کے عرشے پر لوگوں کو نظر آیا تو لوگوں نے نعروں کے دھماکے کرنے شروع کر دیئے۔ قیرس نے اپنے بازو اوپر کر کے ہلائے اور پھر وہ جہاز سے اترنے لگا۔ ہجوم تو جیسے اس پر ٹوٹ پڑنا چاہتا تھا۔ جرنیل نے نیچے آ کر فوجیوں سے کہا کہ وہ لوگوں کو پیچھے رکھیں۔

کچھ دیر بعد قیرس جہاز سے اتر کر ایک اونچی جگہ کھڑا بازو اوپر کر کے لوگوں کو خاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔ یہ اونچی جگہ لکڑیوں کے بکس اوپر نیچے رکھ کر قیرس کے لئے

بنائی گئی تھی۔

"مصر کے غیرت مند لوگو!" ـــــ قیرس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ـــــ "اب تک جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مصر میں جو ہماری فوج تھی' اس نے سوائے پسپائی کے کچھ نہ کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلطنتِ روم کی ساری کی ساری فوج ایسی ہی ہے۔ میں تازہ دم فوج لے کر آیا ہوں....

"وہ ہرقل مر گیا ہے جس نے یسوع مسیح کی عیسائیت میں اپنے مفادات کے لئے ملاوٹ کی اور جن لوگوں نے اس کی یہ عیسائیت قبول نہ کی انہیں میرے ہاتھوں مروایا۔ عوام مجھے لوگوں کا قاتل کہتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ خدا دیکھ رہا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اصل مجرم کون تھا۔ اگر تم لوگ مجھے ہی مجرم سمجھتے ہو تو آج میں تم سے اور ان مقتولین کی روحوں سے معافی مانگتا ہوں جنہیں عیسائیت کے نام پر قتل کر دیا گیا تھا لیکن میں معافی مانگنے پر بات ختم نہیں کروں گا۔ میں گناہوں کا کفّارہ ادا کروں گا' وہ اس طرح کہ مصر میں کوئی ایک بھی مسلمان زندہ نہیں رہے گا۔ اس وقت تک ہم جس شکست سے دوچار ہو چکے ہیں اسے فتح میں بدل کر دم لوں گا"۔

اب جو لوگوں نے نعرے لگائے اور داد و تحسین کا جو شور و غل بپا کیا' اس سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ قیرس کو خاصی دیر خاموش رہنا پڑا۔ آخر اس نے ہاتھ اوپر کئے تو ہجوم آہستہ آہستہ خاموش ہونے لگا۔

"تمہارے اس جوش اور جذبے نے میرا حوصلہ اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے" ـــــ قیرس نے کہا ـــــ "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں اکیلا نہیں قوم کا بچّہ بچّہ میرے ساتھ ہے۔ رومیوں کے متعلق کوئی بھی وہم تمہارے دلوں میں ہے تو وہ نکال دو۔ مصر تمہارا وطن ہے۔ رومی تمہارے بادشاہ بھی نہیں اور آقا بھی نہیں۔ ہمارا مذہب ایک ہے اور یہ ملک تمہارا ہے۔ ہرقل کا بیٹا قسطنطین بھی مر گیا ہے۔ میں اور جرنیل قسطنطین کے بیٹے کونستانس کو اور ملکہ مرتینا کے بیٹے ہرقلیوناس کو حکومت دے آئے ہیں۔ ان دونوں کو پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنا کوئی حکم نہیں چلائیں گے۔ مجھے اب یہ مشکل پیش نہیں آئے گی کہ ہر حکم بزنطیہ سے لوں۔ میں نے کئی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ اتنے کم مسلمان اتنی دور سے آ کر مصر پر قابض ہو گئے ہیں اور ہماری فوج بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔ میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ ابھی ابھی مصر کی

سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ یہاں کی صورتِ حال دیکھ لوں پھر اپنی کارروائیاں شروع کروں گا اور تم سب سے یہ کہوں گا کہ اپنی فوج میں شامل ہو جائیں اور جو فوج میں شامل نہ ہوں وہ فوج کو پورا پورا تعاون دیں....

"اب میں ایک انتہائی ضروری بات کہنے لگا ہوں۔ مسلمانوں کے متعلق یہ مشہور ہو گیا ہے کہ وہ جس شہر کو فتح کرتے ہیں اس شہر کے لوگوں کے ساتھ انتہائی اچھا روّیہ اختیار کر لیتے ہیں۔ نہ وہ لوٹ مار کرتے ہیں نہ کسی خوبصورت عورت کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ جو لوگ ان کا مذہب قبول کر لیتے ہیں ان لوگوں کو وہ اپنے برابر کے حقوق دیتے ہیں اور جو ان کا مذہب قبول نہ کریں اُن پر جزیہ عائد کر دیتے ہیں اور اس جزیے کے عوض ان لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری پوری حفاظت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہی خوبی دیکھ کر کئی جگہوں پر لوگوں نے اُن کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور بعض نے ان کا مذہب قبول کر لیا۔ میں تمہیں ان مسلمانوں کی اصل ذہنیت بتاتا ہوں۔ یہ جب پورے ملک کو فتح کر لیں گے پھر دیکھنا ان کا روّیہ کیا ہو گا۔ یہ فرعون سے بھی بدتر ہوں گے اور یہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنا لیں گے اور بلا اُجرت بیگار لیتے رہیں گے"۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ قیرس نے یہ خطاب بڑی تیزی سے کیا تھا کیونکہ وہ بہت جلدی میں تھا۔ جس جرنیل نے جہاز پر جا کر اس کا استقبال کیا اور جہاز سے اتارا تھا اس سے اس نے پوچھا تھا کہ جرنیل تھیوڈور کہاں ہے۔ وہ تھیوڈور سے ملنے کے لئے بے تاب تھا۔ اس جرنیل نے غالباً یہ سوچ کر بات گول کر دی کہ قیرس کو مصر کی تازہ صورتِ حال کا کچھ پتہ نہیں۔ جہاز سے اُتر کر اور خطاب سے پہلے اس نے ان جرنیلوں سے جو اس کے استقبال کے لئے کھڑے تھے' پوچھا تھا کہ جنرل تھیوڈور کیوں نہیں آیا۔ انہوں نے بھی کوئی تسلّی بخش جواب نہیں دیا تھا۔

جنرل تھیوڈور سے ملنے کے لئے بے تابی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ جرنیل مصر میں مقیم تمام تر فوج کا سپریم کمانڈر تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مرتینا نے اسے کہا تھا کہ جنرل تھیوڈور لوگوں میں بہت مقبول اور ہر دل عزیز ہے۔ اسے ہر قیمت پر اپنی نظر میں اور اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ مرتینا کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ جرنیل تھیوڈور مصر میں کامیاب ہو گیا تو وہ ہرقل کے پوتے کونستانس کو اپنا بادشاہ سمجھ لے گا اور اس کا حامی بن جائے گا۔ قیرس

اسے فوراً ملنا چاہتا تھا لیکن تھیوڈور اس کے استقبال کے لئے بھی نہیں آیا تھا۔

سکندریہ کے جرنیل قیرس کو شاہی محل میں لے گئے۔ یہ ہرقل کا شاہی محل تھا پھر مقوقس نے اس محل میں رہائش اختیار کی تھی اب قیرس کو اس محل میں رہنا تھا۔

○

قیرس کو تو جیسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ محل میں جاتے ہی اس نے بڑے غصے سے کہا کہ جنرل تھیوڈور یہاں کی افواج کا کمانڈر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مصر کا فرمانروا سمجھ بیٹھا ہے۔

"کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ میں اتنی زیادہ فوج لے کر آ رہا ہوں؟" ——— قیرس نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا ——— "اسے معلوم تھا۔ بزنطیہ سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے قاصد بھیج دیا تھا۔ اسے بندرگاہ پر موجود ہونا چاہئے تھے"۔

قیرس کو بزنطیہ سے چلے بہت دن گزر گئے تھے۔ پہلے خشکی کا لمبا سفر تھا اس کے بعد اس سے کچھ زیادہ لمبا سفر بحری تھا۔ بحیرۂ روم کی پوری چوڑائی عبور کرنی تھی مگر راستے میں ہلکا سا طوفان آ گیا جس کا رخ مصر کی بجائے کسی اور ہی طرف تھا۔ یہ طوفانی ہوائیں بادبانوں سے ٹکرا کر تمام جہازوں کو اپنے رخ پر ہی لے گئی تھیں۔ جہاز ران جہازوں پر قابو نہ پا سکے لیکن طوفان جلدی نرم پڑ گیا اور جہازوں کو بڑی دور سے واپس لائے اور سکندریہ کا رخ کیا۔ خشکی کے راستے بھی سکندریہ تک پہنچا جا سکتا تھا لیکن یہ سفر بڑا ہی لمبا تھا۔ اتنے زیادہ دنوں میں مصر کی صورتِ حال میں انقلابی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ قیرس تو صرف اتنا سن کر آیا تھا کہ مسلمانوں نے بابلیون جیسا مستحکم شہر بھی لے لیا ہے لیکن ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان بابلیون سے سکندریہ تک کا آدھا فاصلہ فتح پہ فتح حاصل کرتے طے کر آئے ہیں اور اب خطرہ سکندریہ تک پہنچنے والا ہے۔

قیرس تو اس قدر جلدی میں تھا کہ خود ہی تیز تیز بولتا جا رہا تھا اور کسی اور کو بولنے کی مہلت دیتا ہی نہیں تھا۔ ایک سوال کرتا اور اس کے جواب کا انتظار کرتا ہی نہیں تھا۔ اسے مرتینا کا یہ شک صحیح معلوم ہونے لگا کہ تھیوڈور فوج میں اور ملک کے لوگوں میں بڑا ہی مقبول اور ہردلعزیز ہے اور وہ جیسی من مانی کرنا چاہے کر سکتا ہے اور کر گزرے گا.... قیرس نے ایک بار پھر کہا کہ کوئی اسے بتا سکتا ہے کہ تھیوڈور کہاں ہے اور اس کے استقبال کو کیوں نہیں آیا؟

"معلوم ہوتا ہے وہ بابلیون کی شکست پر شرمسار ہے" ——— قیرس نے اپنے پہلے سوال کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا ——— "اتنے بڑے اور ایسے نامور جرنیل کا اتنے تھوڑے اور نہایت معمولی قسم کے حملہ آوروں کے آگے ہتھیار ڈالنا واقعی بڑی شرمساری کی بات ہے لیکن میں تھیوڈور سے باز پُرس نہیں کروں گا۔ اسے بلاؤ' میرے سامنے لاؤ' ہم اب نئے سرے سے مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں گے اور ان کا نام و نشان مٹا دیں گے"۔

وہاں جو جرنیل موجود تھے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے ماتھوں پر شکنیں آ گئی تھیں جیسے انہیں قیرس کا یہ انداز اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے طے کر لیا کہ قیرس کو بتا دیا جائے کہ تھیوڈور کہاں پھنسا ہُوا ہے اور اس پر کیسی مصیبت آن پڑی ہے۔

"اسقفِ اعظم!" ——— ان جرنیلوں میں جو عمر میں سب سے بڑا تھا' بولا ——— "ہمیں بولنے کا موقع دیں کہ آپ جب بزنطیہ سے چلے تھے' اُس وقت سے اب تک مصر کی صورتِ حال کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ سب سے پہلے میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ آپ مذہب کے پیشوا ہیں لیکن مصر کی جو صورتِ حال ہے اس کا تعلق فوج کے پیشواؤں کے ساتھ ہے اس لئے فوج کے پیشواؤں کی سنیں اور پھر انہیں بتائیں کہ آپ کیا منصوبہ لے کر آئے ہیں"۔

"اسی لئے تو میں جنرل تھیوڈور کی پوچھ رہا ہوں" ——— قیرس نے کہا ——— "وہ میرے سامنے آئے تو سہی!"

"وہ آپ کے سامنے اتنی جلدی نہیں آ سکتا" ——— اس سینئر جنرل نے کہا ——— "تھیوڈور سکندریہ میں نہیں بلکہ کریون میں ہے"۔

"وہاں کیا کر رہا ہے؟" ——— قیرس نے پوچھا

"نقیوس اور طرنوط اور دوسری جگہوں سے بھاگی ہوئی فوج کو اکٹھا کر رہا ہے" ——— جرنیل نے جواب دیا ——— "عربوں کا یہ چھوٹا سا لشکر بابلیون اور اردگرد کے وسیع و عریض علاقے پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے پیش قدمی کر آیا ہے اور اس نے نقیوس جیسا بڑا قلعہ بند شہر بھی لے لیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر ہماری فوج لڑے بغیر بھاگ آئی ہے یا بھاگ نکلنے کے لئے لڑی' کچھ کٹ مری اور باقی بھاگ آئی۔ ان علاقوں کے لوگ اور فوجی

سکندریہ پہنچ گئے ہیں اور ابھی تک چلے آرہے ہیں۔ جنرل تھیوڈور کریون میں اپنا محاذ مستحکم کر رہا ہے تاکہ عربوں کو وہیں روک لے اور انہیں پسپا کرنے کی کوشش کرے ورنہ وہ سیدھے سکندریہ پر آئیں گے"۔

"تو کیا اسے کمک بھیجی جائے؟" ___ قیرس نے پوچھا اور خود ہی کہا ___ "لیکن میں یہ کمک کسی اور استعمال کے لئے لایا ہوں۔ اگر اس طرح تھوڑی تھوڑی کمک مختلف جگہوں پر بھیجنے لگے تو اس سے ہم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے"۔

"تھیوڈور کو کچھ نہ کچھ کمک بھیج دی جائے" ___ بوڑھے جرنیل نے کہا ___ "ہو سکتا ہے اسی سے تھیوڈور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ اگر نہ ہو سکا تو ہم اس کمک کو سکندریہ کے دفاع کے لئے یہاں سے کچھ دور صف آرا کر کے عربوں کو روک لیں گے"۔

قیرس نے اُسی وقت حکم دے دیا کہ دو دستے کریون بھیج دیئے جائیں۔

○

قیرس اپنے ساتھ مبلّغوں کا ایک بہت بڑا گروہ لایا تھا۔ اس گروہ کو اس نے بزنطیہ میں ہی ہدایات دے دی تھیں کہ مصر میں جا کر وہ کیا کریں گے۔ اس گروہ میں تین بڑے پادری تھے جو قیرس کے ہم راز معتمد تھے۔ اب شاہی محل میں پہنچ کر قیرس نے وہ صورتِ حال سنی جو کوئی اچھی نہیں تھی اور جنرل تھیوڈور اس میں پھنس گیا تھا۔ قیرس نے اُسی وقت ایک کانفرنس منعقد کر ڈالی۔ اس میں ایک تو فوج کے جرنیل تھے، دوسرے یہ تین بڑے پادری تھے، جاسوسی کے نظام کے دو سربراہ تھے اور انتظامیہ کے تین چار حاکم بھی اس کانفرنس میں بلائے گئے۔ قیرس نے دروازے بند کروا لئے کیونکہ وہ ساری کارروائی اور بات چیت رازداری سے کرنا چاہتا تھا۔

تاریخ کسی کی رازداری کو راز میں نہیں رہنے دیتی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد کمروں کے اندر کی ہوئی باتیں کسی نہ کسی ذریعے تاریخ کے دامن میں آپڑتی ہیں۔ قیرس کی اس کانفرنس کو بھی تاریخ بے نقاب کرتی ہے اور بعد کے واقعات نے ان باتوں کی تصدیق کر دی تھی۔

"میرے بھائیو!" ___ قیرس نے کہا ___ "اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ ہماری فوج مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکی اور بزدلوں کی طرح مصر اُن کے حوالے کر دیا ہے۔ میں

نے آپ کو اس لئے اکٹھا کیا ہے کہ سوچیں کہ ہم ان عربوں کو اپنے ملک سے کس طرح نکال سکتے ہیں۔ میں تجویز پیش کرتا ہوں پھر آپ اپنے اپنے مشورے دیں پھر ہم ایک منصوبہ تیار کر لیں گے اور اس کے مطابق فوری کارروائی کریں گے ..... میری تجویز یہ ہے کہ اپنے صرف فوجی محاذ کو ہی مضبوط کر لینا کافی نہیں۔ ہمارا محاذ ہر جگہ مضبوط تھا لیکن ہماری فوج کسی بھی محاذ پر جم نہیں سکی۔ میں حیران ہوں کہ مسلمانوں نے بابلیون کس طرح لے لیا ہے۔ ہم اب اس پر بحث نہیں کریں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیں دوسرے محاذ بھی کھولنے پڑیں گے جو زیرِ زمین ہوں گے۔ ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے کر شکست دے سکتے ہیں۔ لڑیں گے تو ہم فوجی محاذ پر لیکن زمین دوز محاذ کو زیادہ مضبوط رکھیں گے۔ آپ لوگ اس پر غور کریں کہ ہم کیا کریں"۔

"جاسوسی اور تخریب کاری کے لئے خوبصورت لڑکیاں بھیجی جائیں" ___ ایک جرنیل نے کہا ___ "آپ سب جانتے ہیں کہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کیا کچھ کر سکتی ہے"۔

"لیکن یہاں ہمیں جاسوسی کی ضرورت ہی نہیں" ___ قیرس نے کہا ___ "جاسوسی اُس دشمن کی کی جاتی ہے جس کے متعلق معلوم ہی نہ ہو کہ اس کی اگلی چال کیا ہوگی اور وہ کدھر کا رخ کرے گا۔ عربوں کے اس لشکر کے متعلق ہم سب جانتے ہیں کہ سکندریہ کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہ سکندریہ کو محاصرے میں لے گا۔ ان عربوں کی کوئی بات ہم سے چھپی ہوئی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ اپنے کچھ فوجی آگے بھیجا ہی کرتے ہیں جو قبل از وقت آ کر اطلاع دیتے ہیں کہ دشمن کا رخ کس طرف ہے اور اس کی پیش قدمی کی رفتار کیا ہے"۔

"مجھے آپ سے اتفاق ہے اسقفِ اعظم!" ___ ایک اور جرنیل بولا ___ "لڑکیوں کو ہی استعمال کرنا ہے تو کسی اور طریقے سے استعمال کرو۔ میرا مشورہ ہے کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کروا دیا جائے۔ اسے باہر کہیں قتل کرنا ممکن نہیں۔ آسان اور فوری طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری کوئی لڑکی ایک مظلوم اور آفت زدہ لڑکی کے روپ میں سپہ سالار کے ہاں پناہ لینے جائے اور ایسی استادی کرے کہ کچھ دن سپہ سالار کے ساتھ رہے اور موقع پیدا کر کے اسے کھانے میں زہر دے دے"۔

"سپہ سالار کو قتل کر دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا" ___ سینئر جرنیل نے کہا

لے کوئی دوسرا سالار اس کی جگہ لے لے گا یہ بادشاہیوں میں ہوتا ہے۔ بادشاہ میدانِ جنگ میں مارا جائے تو فوج کا حوصلہ ٹوٹ جاتا اور فوج بھاگ اٹھتی ہے کوئی جرنیل مارا جائے یا بھاگ نکلے تو پوری فوج پسپا ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں کوئی بادشاہ ہوتا ہی نہیں۔ میں نے ان لوگوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔ مسلمان اپنے حکمران اور اپنے سپہ سالار کے حکم سے نہیں بلکہ اپنے خدا کے حکم سے لڑتے ہیں جسے وہ اللہ کہتے ہیں۔ ان میں ڈسپلن اتنا زیادہ ہے کہ اپنے سالاروں کا حکم مانتے ہیں اور خودسر اور سرکش نہیں ہوتے۔ ان کے کسی لشکر کے سارے سالار مارے جائیں لشکر کا جذبہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اور وہ آپس میں اتفاق کر کے کسی کو بھی اپنا سالار بنا لیتے ہیں تاکہ مرکزیت قائم رہے۔ وجہ وہی ہے جو میں بتا چکا ہوں کہ یہ مسلمان اپنے خدا کے آگے جواب دہ ہوتے ہیں.... انہیں کمزور کرنے کی کوئی ترکیب سوچیں"۔

"یہ بھی ذہن میں رکھیں" ــــ کوئی اور جرنیل بولا ــــ "مسلمانوں کے سالاروں سے لے کر نیچے سپاہیوں تک کا کردار ایسا ہے کہ حسین اور چالاک لڑکیوں سے انہیں پھانسا نہیں جا سکتا نہ ان کی توجہ اپنے عزم اور مقصد سے ہٹائی جا سکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے مصر کے کتنے ہی شہر فتح کئے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ مفتوحہ لوگوں کی لڑکیوں کی عزت کی حفاظت کی ہے....

"میرے دماغ میں ایک تجویز آئی ہے اس پر غور کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہزارہا مصری بدّو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے اور وہ پوری دیانت داری سے مسلمانوں کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اکثریت ان کی ہے جنہوں نے عیسائیت نہیں چھوڑی اور اسلام قبول نہیں کیا۔ لڑکیوں کے ذریعے یا انہیں دولت کا لالچ دے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بدّو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس چلے آئیں۔ اس سے مسلمانوں کو ایک نقصان یہ ہو گا کہ ان کی بے شمار نفری کم ہو جائے گی اور دوسرا نقصان یہ کہ ان بدّوؤں کی دیکھا دیکھی جو اور بدّو لشکر میں شامل ہوتے رہتے ہیں یہ سلسلہ رک جائے گا۔ اس کام کے لئے بدّوؤں کے سرداروں کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ ان بدّو سرداروں کو اپنے شیشے میں اتارنے کے لئے لڑکیاں کام آ سکتی ہیں اور ان سرداروں کو زر و جواہرات کا لالچ دیا جا سکتا"۔

"اس مشورے پر غور کیا جا سکتا ہے" ــــ معمّر جرنیل نے کہا ــــ "اگر بدّوؤں کو اپنے جال میں لیا جائے تو مسلمانوں کو کمزور کرنے کا ایک طریقہ اور بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ہزاروں بدّو مسلمانوں کے ساتھ ہی رہیں لیکن جہاں موقع ملے انہیں دھوکہ دیں اور ان کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیں۔ مسلمان اس لڑائی کو اپنے مذہب کی لڑائی سمجھتے ہیں اور اسے جہاد کہتے ہیں اور جہاد کو ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ہمارے سامنے بدّو ہی رہ جاتے ہیں جنہیں ہم مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں"۔

"آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہیں" ــــ قیرس نے کہا ــــ "میں پھر کہتا ہوں کہ جس دشمن کا آپ آمنے سامنے آ کر مقابلہ نہیں کر سکتے اس پر زمین کے نیچے سے وار کریں یا ان میں ایسے آدمی داخل کر دیں جو انہیں دوستی اور محبت کا دھوکہ دے کر ان کی پیٹھ پر وار کریں" ــــ قیرس ان تین بڑے پادریوں سے مخاطب ہُوا جو اس اجلاس میں موجود تھے ــــ "یہ کام آپ تینوں کر سکتے ہیں۔ اپنے مبلّغوں سے کہیں کہ وہ کسی نہ کسی بہروپ میں ان بدّوؤں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں اپنے راستے پر لائیں۔ کچھ مبلّغ اُن علاقوں میں چلے جائیں جن میں بدّو آباد ہیں۔ ان کے سرداروں کو اپنے اثر میں لیں"۔

"ہم سمجھ گئے ہیں اسقفِ اعظم!" ــــ ایک پادری نے کہا ــــ "یہ مذہب کا معاملہ ہے اسے ہم اور ہمارے مبلّغ اچھی طرح سمجھتے ہیں وہ ایسی تبلیغ کریں گے کہ...."

"صرف تبلیغ ہی کافی نہیں" ــــ قیرس نے اس پادری کی بات کاٹتے ہوئے کہا ــــ "مذہب کا جال بھی پھینکیں اور بڑی خوبصورت لڑکیاں اپنے ساتھ لے جائیں جنہوں نے اپنے اوپر مذہب کا پردہ ڈال رکھا ہو لیکن درپردہ وہ سرداروں پر اپنے حسن و جوانی کا طلسم طاری کریں اور انہیں اپنے جال میں لے لیں۔ اگر آپ کہیں کہ مذہب اس فریب کاری کی اجازت نہیں دیتا تو میں نہیں مانوں گا۔ اپنے مقصد کو دیکھیں۔ اگر آپ مذہب کے ہی دائرے میں گھومتے پھرتے رہے تو یہ دائرہ تنگ ہوتا جائے گا اور مصر میں اسلام کا دائرۂ اثر وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اپنے مذہب کے فروغ کے لئے ایسی حرکت کرنے سے نہ ڈریں جو مذہب کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں عیسائیت کے تحفظ کے لئے اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ اگر اس مقصد کے لئے آپ کو کوئی گناہ کرنا پڑتا ہے تو کر گزریں"۔

وہاں انتظامیہ کے دو تین حاکم موجود تھے۔ ان میں جاسوسی کے شعبے کے سربراہ بھی

تھے۔ وہ اس قسم کی فریب کاریوں میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے ماتحت کام کرنے والے لوگ ان سے بھی زیادہ ہوشیار اور استاد تھے۔ یہ رومیوں کی شہنشاہی تھی۔ تاریخ ایسی کہانیاں سناتی ہے کہ بادشاہ کس طرح لڑکیوں اور دولت کو استعمال کیا کرتے تھے۔ سکندریہ کے اس محل میں جو حرم تھا اس میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین ہوشیار لڑکی موجود تھی۔

یہ ایک جھلک ہے اس کانفرنس کی کارروائی اور گفت و شنید کی۔ مجاہدینِ اسلام کے لئے بڑے ہی پُرکشش پھندے اور ہم رنگ زمیں دام تیار کئے گئے۔ اِدھر مجاہدین اللہ کے حکم سے اللہ پر ہی بھروسہ کئے سکندریہ کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ انہوں نے بھی ایسے ہتھکنڈے اور فریب نہیں سوچے تھے جو کبیرہ گناہوں کے زُمرے میں آتے ہیں۔ مجاہدین کے اس لشکر کے ساتھ عورتیں بھی تھیں اور ان میں شارینا اور روزی اور اس جیسی چند ایک بڑی حسین لڑکیاں تھیں جو رومی یا مصری تھیں اور انہوں نے اسلام قبول کر کے ان مجاہدین کے ساتھ شادیاں کر لیں جو ان کے دلوں میں اُتر گئے تھے۔ وہ اپنی خدمات پیش کرتی تھیں کہ انہیں اجازت دی جائے تو وہ رومی جرنیلوں کو گمراہ کر دیں گی لیکن اسلام میں رہ کر کوئی سپہ سالار انہیں ایسی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

مجاہدین کے پاس صرف جاسوسی کا ایک شعبہ تھا جس کے مجاہدین آگے جا کر ہر بہروپ دھار لیتے اور دشمن کے علاقے میں فریب کاری اور اداکاری سے کام لیتے اور اپنے سپہ سالار کے لئے نہایت اہم خبریں لے آتے تھے جو سپہ سالار کے کام آتی تھیں۔ ان جاسوس مجاہدین نے اکثر اپنے لشکر کو خوفناک خطروں سے بچایا تھا۔

قیرس نے اس کانفرنس میں جرنیلوں اور دیگر شرکاء کو آخری منصوبہ تیار کر کے احکام اور ہدایات دیں اور پھر کانفرنس برخاست ہوئی۔ اس نے پھر جنرل تھیوڈور کے متعلق باتیں شروع کر دیں اور اس بے تابی کا اظہار کیا کہ وہ تھیوڈور سے بہت جلدی ملنا چاہتا ہے۔

○

یہ تاریخ کی ورق گردانی کر کے دیکھیں کہ جس وقت یہ کانفرنس چل رہی تھی اُس وقت جنرل تھیوڈور کہاں تھا اور اس سے پہلے اور بعد اس پر کیا گزری تھی۔

یاد کریں کہ شریک بن سمیؓ نے ایک ٹیلے پر محصور ہو کر رومیوں کا ایسا مقابلہ کیا تھا

ہ رومی دل چھوڑ بیٹھے اور مجاہدین نے انہیں بُری طرح تلواروں اور برچھیوں پر لیا۔ ں میں وہی زندہ رہے جو بھاگ نکلے تھے۔ اس معرکے کے فوراً بعد سپہ سالار عمروؓ بن عاص لار شریک سے آن ملے اور پیش قدمی جاری رکھی۔

اپنے جاسوس بہت آگے چلے گئے تھے اور وہ باقاعدہ خبریں دے رہے تھے کہ اس ت رومی کہاں کہاں ہیں، کس کیفیت میں ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص آگے جا رہے تھے کہ اپنا ایک جاسوس مجاہد آ گیا۔ اس نے یہ پورٹ دی کہ چھ میل دور آگے ایک مقام پر بھاگے ہوئے رومی فوجی اکٹھے ہو رہے ں اور وہ مجاہدین کا مقابلہ کریں گے۔ اس مقام کا نام سلطیس تھا۔ یہ کوئی مشہور اور اہم ام نہیں تھا اس لئے وہاں قلعہ بندی تھی ہی نہیں۔ جاسوس نے بتایا کہ ان رومیوں کی ی کتنی ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہاں کوئی قلعہ نہیں اور رومی کھلے میدان میں لڑیں گے۔

"بھاگے ہوئے رومی کبھی یوں نہیں رکے" ___ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کہا ۔ "حیران ہوں کہ یہ صرف رکے ہی نہیں بلکہ مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ اس کی ضرور ئی وجہ ہو گی۔ ہو سکتا ہے انہیں بتایا گیا ہو کہ کمک آ رہی ہے اور مزید پسپائی روک ا"۔

اُس وقت عمروؓ بن عاص کے ساتھ دو تین سالار تھے۔ وہ بھی حیران ہوئے کہ بھاگنے لے رومی مقابلے میں کس طرح کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ انہیں کیاں دے کر روکا گیا ہے اور بکھرے ہوئے رومیوں کو یہاں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا گیا ہے۔

اُس وقت جنرل تھیوڈور کریون میں تھا جو دفاعی لحاظ سے ایک مضبوط قلعہ بند شہر اسے مسلسل اطلاعیں مل رہی تھیں کہ آگے سے رومی فوجی بھاگے ہوئے قلعے میں رہے ہیں۔ اس فوج کے دستوں کو جنرل تھیوڈور نے ہی مختلف مقامات پر پھیلایا تھا کہ مجاہدینِ اسلام کی پیش قدمی کے آگے رکاوٹ بنے رہیں اور اس لشکر کو کمزور کرتے تے اس قابل رہنے ہی نہ دیں کہ یہ سکندریہ تک پہنچ سکے لیکن یہ دستے کسی بھی مقام مجاہدین کے آگے نہ ٹھہر سکے اور پسپا ہی ہوتے چلے گئے۔ پسپائی کوئی معیوب لفظ بعض اوقات کوئی فوج کسی جنگی چال کے تحت پیچھے ہٹ آتی ہے اور پھر نئی تنظیم ترتیب کے مطابق جوابی حملہ کرتی ہے لیکن رومی پسپا نہیں ہو رہے تھے بلکہ ڈری

ہوئی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگے جا رہے تھے۔ رومی تو ایک جنگجو قوم تھی جس کی شجاعت اور بے جگری کے کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے لیکن مجاہدین اسلام کے اس قلیل تعداد لشکر کے آگے رومی اپنی روایات کو بھول گئے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ باطل پہلی بار حق کے مقابلے میں آیا تھا۔

جنرل تھیوڈور نے پہلے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی پوری فوج کو اپنی قیادت میں لے کر آگے بڑھے اور مجاہدین سے ایک فیصلہ کن معرکہ لڑے لیکن اس نے جب بھاگ بھاگ کر آنے والے فوجیوں کی ذہنی کیفیت دیکھی تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کریون میں ہی رہے اور اس قلعہ بند شہر کو مجاہدین کے راستے میں رکاوٹ بنائے۔ ایک تو یہ فوجی بھاگ آئے تھے اور دوسرے وہ جو مجاہدین کی تلواروں اور برچھیوں نے دنیا سے اٹھا دیئے تھے ان کی لاشیں گوشت خور پرندے اور درندے کھا گئے تھے اور ان کی ہڈیاں مصر کی زمین پر بکھر گئی تھیں .... قرآن کا ایک ایک فرمان پورا ہو رہا تھا۔ مجاہدین کو جیسے اللہ کی یہ آواز سنائی دے رہی تھی کہ اکثر ایسے ہُوا ہے کہ چھوٹی سی جماعت بہت بڑی فوج پر غالب آئی ہے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔

جنرل تھیوڈور ابھی بابلیون کی شکست کے صدمے سے نہیں سنبھلا تھا کہ اسے پسپائی کی خبریں ملنے لگیں اور پھر اس نے دیکھا کہ کچھ فوجی اور کچھ لوگ بھاگے ہوئے کریون پہنچ رہے ہیں۔ تھیوڈور کو امید تھی کہ بزنطیہ سے کمک آ جائے گی لیکن بابلیون میں ہی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کمک نہیں آئے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنرل تھیوڈور اپنی فوج میں اور لوگوں میں ہر دلعزیز تھا۔ اسے یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ بزنطیہ میں شاہی خاندان میں تخت و تاج کی وراثت پر رسہ کشی ہو رہی ہے اور وہاں کسی کو یہ خیال نہیں رہا کہ مصر کو بچانا ہے۔ تھیوڈور نے کریون میں اپنے دو تین جرنیلوں کو بلایا۔

"ہم کس کی لڑائی لڑ رہے ہیں؟" ــــ تھیوڈور نے اُکھڑے ہوئے سے لہجے میں کہا ــــ "ہرقل کے شاہی خاندان کی یا سلطنتِ روم کے وقار کی؟ .... شاہی محل میں جو معرکہ آرائی ہو رہی ہے وہ تم سن چکے ہو۔ انہوں نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے اور جب مصر ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس کی سزا ہمیں ملے گی۔ مقوقس اچھا تھا یا برا، یہ الگ بحث ہے لیکن ہرقل نے اسے ذلیل و خوار کر کے ملک بدر کر دیا۔ ہرقل خود کمک لے کر مصر کیوں نہیں آیا؟ اپنے بیٹے قسطنطین کو کیوں نہیں بھیجا؟ .... غور کرو کہ ہم جان کی

بازی لگا کر ان عربوں کو مصر سے نکال دیتے ہیں تو مصر کا مالک کون ہو گا؟ .... ہرقل اور اس کا خاندان! .... میں اب تمہیں اپنے دل کی بات بتاتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے۔ میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ اب ہم جم کر لڑیں گے اور مسلمانوں کو شکست دیں گے اور پھر ہم مصر میں خود مختاری کا اعلان کر دیں گے۔ ظاہر ہے بزنطیہ سے فوج آئے گی اور ہم سے ہتھیار ڈلوانے کی کوشش کرے گی۔ یہ خانہ جنگی ہو گی لیکن میں اس کے لئے تیار ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دو گے؟"

دونوں جرنیلوں نے کہا کہ اب وہ اپنے آپ کو تھیوڈور کے ہی ماتحت سمجھیں گے اور موت تک اس کا ساتھ دیں گے۔ ان جرنیلوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ مرتینا سلطنت روم کی ملکہ بننے کے جتن کر رہی ہے اور اگر وہ خود ملکہ نہ بن سکی تو اپنے بیٹے کو ہرقل کے تخت پر بٹھائے گی۔ ان جرنیلوں نے کہا کہ وہ ایسے بادشاہوں کے غلام نہیں رہنا چاہتے نہ اپنے آپ کو اب ان کے حکم کا پابند رکھیں گے۔ البتہ جرنیلوں نے تھیوڈور سے یہ بات ضرور پوچھی کہ کمک کے آنے کی جو اطلاع آئی ہے اس کا کیا کیا جائے۔

"ہاں.... یہ سوچنے والا مسئلہ ہے" ــــ جنرل تھیوڈور نے کہا ــــ "اگر قیرس کمک لے کر آ گیا تو وہ سب سے پہلے مجھے بلائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے قیرس پر بھی اعتماد نہیں۔ وہ ہے تو اسقفِ اعظم لیکن کردار کے لحاظ سے بہت ہی گھٹیا آدمی ہے۔ میں اس کی نیّت بھانپ لوں گا۔ اگر مجھے اس کی نیّت پر کچھ شبہ ہُوا تو میں اس سے کمک کی کمان خود لے کر اسے ایک طرف کر دوں گا"۔

جرنیلوں نے پھر بھی مشورہ دیا کہ اب ہم یہ لڑائی اپنی ذاتی لڑائی سمجھ کر لڑیں گے اور قیرس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں، ہم بزنطیہ کے احکام کی بھی پرواہ نہیں کریں گے۔ جنرل تھیوڈور کو یہ مشورہ اچھا لگا۔ اس نے اسی وقت دفاعی پلان بنانا شروع کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے اپنے دفاع میں لڑیں گے اور مسلمانوں کو تھکا کر جوابی حملہ کریں گے۔ اس پلان کے تحت اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جو دستے کریون میں ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے اور وہ خود بھی کریون میں ہی رہے۔ اس کا دراصل ارادہ یہ تھا کہ ہر طرف بکھری ہوئی فوج کو اس قلعہ بند شہر میں اکٹھا کرے لیکن کچھ اس نے اور کچھ جرنیلوں نے سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جو دستے کریون سے دور دور مقیم ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں اور انہیں کمزور کرنے کی کوشش کریں۔ مطلب

یہ تھا کہ جب مسلمان کریون کو محاصرے میں لیں تو وہ کمزور حالت میں ہوں۔

ادھر سکندریہ میں مجاہدینِ اسلام کے خلاف بڑی ہی زہرناک' خوفناک اور زمین دوز کارروائیوں کے پلان بن گئے تھے اور ایسی تخریب کاری کی ابتدا ہو گئی تھی جس کا پتہ تباہی اور بربادی کے بعد ہی چل سکتا ہے۔ ادھر کریون میں رومی جرنیلوں نے نئے عزم اور نئے جذبے سے ایسا پلان بنالیا تھا جو مجاہدین کے لئے ناقابلِ تسخیر رکاوٹ بن سکتا تھا۔



سپہ سالار عمروؓ بن عاص ان دونوں محاذوں سے جو ان کے خلاف بن گئے تھے' بالکل بے خبر تھے۔ لشکر کی نفری اور کم ہو گئی تھی۔ تاریخ میں واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت مجاہدین کی نفری کتنی تھی نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں مدینہ سے مزید کمک ملی تھی یا نہیں۔ تین مؤرخوں نے جن میں ایک غیر مسلم تھا' لکھا ہے کہ یہ نہیں مانا جاسکتا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اتنی لڑائیوں کے بعد مصر کمک نہ بھیجی ہو۔ امیرالمومنین کی بیتابیوں کا مصر کے محاذ کے ساتھ دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ زیادہ وقت مصر کی ہی باتیں کرتے تھے اور اکثر اُس راستے پر دور تک چلے جاتے تھے جس راستے سے قاصد آیا کرتے تھے۔ انہیں ہر وقت مصر کے محاذ کی اور مجاہدین کی پریشانی اور تشویش لاحق رہتی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کمک نہ بھیجی ہو۔

مصری تاریخ دان اور عالم محمد حسنین ہیکل نے متعدد مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ مدینہ سے مصر کو کتنی بار اور کتنی کمک گئی تھی لیکن یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ جب مجاہدین سکندریہ کی طرف بڑھ رہے تھے اُس وقت ان کی نفری بارہ ہزار سے زیادہ اور پندرہ ہزار سے کم تھی۔ یہ بھی واضح ہے کہ رومی فوج مجاہدین کے لشکر کی نسبت پانچ یا چھ گنا زیادہ تھی۔ رومی فوج کو قلعوں کی آڑ اور پناہ میسّر تھی۔ رومی اپنے ملک میں تھے اور ان کے مقابلے میں مجاہدین بڑی دور سے آئے اور سوائے اللہ کی ذات کے انہیں پناہ اور پشت پناہی دینے والا کوئی نہ تھا۔

ایک مؤرخ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عرب کے یہ مسلمان یقینی خودکُشی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اتنی کم نفری کا لشکر اتنی بڑی فوج کو شکست دے سکے گا۔ اس سے پہلے ان مجاہدین نے ہر محاذ پر رومیوں کو شکست دی تھی لیکن ا

ان کے راستے میں چٹانیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ اصل خطرہ تو یہ تھا کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص بے خبر تھے۔

پھر ایک خطرہ اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ مجاہدین مسلسل لڑتے چلے آ رہے تھے اور ہر لڑائی کا درمیانی وقفہ وہ پیش قدمی کی حالت میں رہتے تھے۔ وہاں تو گھوڑے بھی تھک کر آہستہ چلنے لگے تھے' مجاہدین تو انسان تھے۔ جذبے اپنی جگہ لیکن انسانی جسم کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین اس حد سے آگے نکل گئے تھے لیکن ان کا جوش و خروش پہلے دن جیسا تھا جس دن وہ مصر میں داخل ہوئے تھے۔ عمروؓ بن عاص اپنے لشکر کی اس جسمانی کیفیت سے بے خبر نہیں تھے۔ پھر بھی وہ خطرے پہ خطرہ مول لیتے چلے جا رہے تھے۔ مبصّرین لکھتے ہیں کہ عمروؓ بن عاص مصر کی فتح کے لئے دیوانگی کی حد سے تک پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو راضی کیا تھا کہ انہیں مصر پر فوج کشی کی اجازت دیں۔ امیرالمومنین نے اجازت تو دے دی تھی لیکن کئی ایک صحابہ کرامؓ اس کے خلاف تھے جن میں حضرت عثمانؓ بن عفان بھی شامل تھے۔ وہ بزرگ صحابی تھے جن کی کوئی بات حضرت عمرؓ ٹالتے نہیں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید سے زیادہ خطرے مول لینے والے سپہ سالار ہیں اور یہ کسی بھی وقت پورے لشکر کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیں گے اور انہیں بروقت کمک نہیں پہنچائی جاسکے گی۔

امیرالمومنین نے اس دلیل کو صحیح جانتے ہوئے بھی عمروؓ بن عاص کو مصر پر فوج کشی کی اجازت دے دی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ امیرالمومنین اجازت دے کر بھی سوچ میں پڑ گئے تھے کہ ان کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' امیرالمومنین نے ایک قاصد عمروؓ بن عاص کے پیچھے اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا تھا کہ اگر وہ مصر کی سرحد میں داخل نہیں ہوگئے تو واپس آجائیں لیکن عمروؓ بن عاص نے ایک استادی کھیلی اور مصر کی سرحد میں داخل ہو کر یہ پیغام کھول کر پڑھا اور پیش قدمی جاری رکھی تھی۔

اب جب وہ آدھے سے زیادہ مصر فتح کرتے ہوئے سکندریہ کی طرف بڑھ رہے تھے تو ایسے خطرے سامنے آگئے تھے جو حضرت عثمانؓ بن عفان کی مخالفت کی تائید کرتے تھے۔ یوں نظر آتا تھا جیسے عمروؓ بن عاص فتوحات کے نشے سے سرشار اندھا دھند خطروں میں چلے آرہے ہیں اور اب وہ اپنی شکست کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو ایک جاسوس مجاہد نے آگے سے آکر یہ اطلاع دی کہ رومیوں کے جو فوجی بھاگ گئے تھے وہ چھ میل دور سلطیس کے قریب اکٹھے ہوگئے ہیں اور ان کے ساتھ اس علاقے کا ایک بڑی نفری والا دستہ بھی موجود ہے۔ جاسوس نے بتایا کہ اس نے ان فوجیوں کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر معلوم بھی کیا کہ یہ رومی مجاہدین کے انتظار میں ہیں اور جم کر لڑنے کا عہد کر چکے ہیں۔

عمروؓ بن عاص سیدھے چلے جا رہے تھے اور جس جگہ کی نشاندہی جاسوس مجاہد نے کی تھی وہ کسی اور سمت تھی۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں سے مشورہ کئے بغیر اپنے گھوڑے کی باگیں اُس طرف موڑ دیں اور بازو اوپر کر کے لشکر کو اشارہ کیا کہ ان کے پیچھے آئے۔ سپہ سالار لڑنے کے ارادے سے اس طرف ہو لئے تھے۔ انہوں نے جاسوس سے پوچھ لیا تھا کہ ان فوجیوں کی نفری کتنی ہے۔ نفری مجاہدین سے تقریباً" دوگنی تھی۔

سلطیس کی طرف رخ کر کے اور کچھ دور جا کر عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ سالار آئے تو عمروؓ بن عاص نے رک کر نہیں بلکہ چلتے چلتے انہیں بتایا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور کیا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انہوں نے سالاروں کو وہ ترتیب بتائی جس میں مجاہدین کے لشکر کو دشمن کے قریب جا کر ہو جانا تھا۔ سپہ سالار نے تمام ضروری ہدایات دیں اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کھلے میدان میں لڑے گا اور دور دور تک کوئی قلعہ نہیں جس میں جا کر دشمن پناہ لے گا اور ہمیں للکارے گا۔

لشکر کے نامور سالار زبیرؓ بن العوام نے عمروؓ بن عاص سے پوچھا کہ وہاں کی زمین کے خدوخال کیسے ہیں۔ یہ علاقہ عمروؓ بن عاص نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ یہ نیل کا ڈیلٹا کا علاقہ ہے اور نیل کئی شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے سالار زبیرؓ بن العوام کو بتایا کہ آگے دلدل بھی ہو سکتی ہے، جنگل بھی ہو سکتا ہے اور کھلا میدان بھی ہو سکتا ہے لیکن سالار زبیرؓ صحیح خدوخال معلوم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس جاسوس مجاہد کو اپنے پاس بلایا جو یہ خبر لایا تھا اور اب لشکر کے ساتھ جا رہا تھا۔

زبیرؓ بن العوام نے اس جاسوس مجاہد سے پوچھا کہ رومی فوج جہاں لڑنے کے لئے تیار کھڑی ہے اس کے اردگرد کا علاقہ کیسا ہے۔ جاسوس مجاہد نے انہیں بڑی اچھی طرح سمجھا دیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ایک طرف زمین نیچے چلی جاتی ہے جہاں کچھ دلدل سی

ہے اور کچھ درخت بھی ہیں اور نیچے جا کر زمین خاصی پھیل جاتی ہے۔

سالار زبیرؓ نے سپہ سالار کو بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ سپہ سالار نے انہیں اجازت دے دی اور پیش قدمی جاری رکھی بلکہ رفتار اور تیز کر دی۔

چھ میل کا فاصلہ گھوڑوں نے اور پیادوں نے بڑی جلدی طے کر لیا اور انہیں رومی فوج نظر آنے لگی۔ رومی فوج کو اس کے جاسوسوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مسلمان آ رہے ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے جب رومی فوج کو دور سے دیکھا تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس فوج کی نفری ان کے لشکر سے دوگنی ہے اور یہ رومی فوج تمام کی تمام گھوڑ سوار ہے۔

عمروؓ بن عاص نے اپنا گھوڑا راستے سے الگ کیا اور رک گئے۔ لشکر ان کے سامنے سے گزرتا جا رہا تھا۔ عمروؓ بن عاص دایاں بازو اوپر کئے ہلا رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے ——"تم اس آزمائش میں سے بھی سرخرو گزر جاؤ گے .... اللہ نے تمہیں فراموش نہیں کیا.... تمہارے جسم تھکے ہوئے ہیں روحیں تر و تازہ ہیں .... تم اس آزمائش میں بھی سرخرو گزر جاؤ گے"—— وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہی کہتے رہے اور لشکر ان کے سامنے سے گزر گیا' تب انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا دوڑاتے لشکر کے آگے چلے گئے۔

رومی فوج پہلے ہی ترتیب میں تیار تھی۔ مجاہدین کے لشکر کو دیکھ کر رومیوں کے کمانڈر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دستوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"وہ دیکھو تمہارا دشمن آ رہا ہے" —— رومی کمانڈر نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔

"اس دشمن کی تعداد دیکھو۔ عرب کے یہ بدّو تھک کر شل ہو چکے ہیں۔ عہد کر لو کہ ان کے ٹکڑے اُڑا دو گے۔ اپنے آپ کو ان میں شامل نہ کر لینا جو بھاگ نکلے ہیں۔ اپنی آنے والی نسلوں کے لئے اپنا نام ایسا اونچا کر دو کہ ہمیشہ زندہ رہے"۔

رومی کمانڈر نے ایسے ہی کچھ اور جوشیلے الفاظ کہے کہ ان دستوں میں جوش و خروش نظر آنے لگا۔

مجاہدین کا لشکر جب قریب پہنچا تو سالاروں نے اپنے آپ ہی اپنے اپنے دستے الگ کئے اور لشکر ایک مشین کی طرح چلتے چلتے لڑائی کی ترتیب میں آ گیا۔ لڑائیوں کے دستور

کے مطابق ہوتا یوں تھا کہ دونوں طرف فوجیں ایک دوسرے کے قریب آ کر ایک دوسرے پر حملہ کرتیں اور لڑائی لڑی جاتی تھی لیکن مجاہدین کا لشکر ابھی ترتیب میں آیا ہی تھا اور کچھ دور تھا کہ تمام تر رومی فوج نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی، برچھیاں اور تلواریں آگے کر لیں اور شدید ہلّہ بول دیا۔ وہ تو گھوڑوں اور انسانوں کا ایک بڑا ہی تند و تیز طوفان تھا جو لگتا تھا درخت راستے میں آئیں گے تو جڑوں سے اکھڑ جائیں گے۔ گھوڑوں کے نیچے زمین ہل رہی تھی۔ زمین و آسمان دم بخود تھے کہ یہ ہلّہ مجاہدین کا لشکر برداشت کر سکے گا یا نہیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے رومیوں کا یہ ہلّہ آتا دیکھا تو اپنے دستوں کو اور زیادہ دائیں بائیں پھیلا دیا۔ انہیں ایسی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سپہ سالاروں کو کوئی نہ کوئی حکم اور ہدایت بھیجتے' یہ مسلمانوں کا اپنا طریقہ تھا کہ اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ معرکے کے لئے جو ابھی شروع ہُوا تھا' سپہ سالار نے راستے میں سالاروں کو بتا دیا تھا کہ کن حالات میں کیا پینترے بدلنے ہیں۔

اب دیکھا کہ رومی فوج بند توڑ کر آنے والے سیلاب کی طرح یا بڑے ہی تیز طوفان کی طرح آ رہی ہے تو یوں لگتا تھا جیسے اتنے ہزار گھوڑے مجاہدین کے اس چھوٹے سے لشکر کو روندتے چلے جائیں گے۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ہونٹوں پر تبسّم آ گیا۔ انہوں نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھ کر جو ان سے دور دور تھے ہاتھ اوپر کر کے کچھ اشارے کئے۔ پہلوؤں والے دستے اور زیادہ کھل گئے اور درمیان جو دستے تھے وہ رومیوں کے مقابلے کو آگے بڑھے۔ رومی چیختے چلّاتے آ رہے تھے۔ مجاہدین کے لشکر سے صرف ایک نعرۂ تکبیر بلند ہُوا جس کے جواب میں پورے لشکر نے اتنی زور سے اللہ اکبر کہا کہ آسمان بھی لرز گیا ہو گا۔ وہ قبل از شہادت کا جوش اور ولولہ تھا۔

مجاہدین کے وہ دستے جو دشمن کے مقابلے کو آگے بڑھے تھے، دشمن سے ٹکرا گئے۔ وہ اتنے تھوڑے تھے کہ اتنے زیادہ رومیوں میں وہ غائب ہی ہو جاتے لیکن ان کا انداز یہ تھا کہ لڑ رہے تھے اور آہستہ آہستہ پیچھے بھی ہٹ رہے تھے۔ ادھر دائیں اور بائیں پہلوؤں پر جو مجاہدین کے دستے تھے وہ اپنے سالاروں کے حکم کے مطابق اس طرح دائیں بائیں پھیل گئے کہ رومیوں پر آمنے سامنے کی بجائے پہلوؤں سے حملہ کریں۔ عمروؓ بن عاص نے محفوظہ (ریزرو) کے دو دستے پیچھے روکے ہوئے تھے۔ انہیں خاص

صورتِ حال میں آگے بڑھنا تھا۔ مطلب یہ کہ عمروؓ بن عاص اتنے کثیر دشمن کے مقابلے میں بھی دماغ کو حاضر اور دل کو ٹھنڈا رکھ کر سوچ رہے تھے اور ان کے انداز میں گھبراہٹ کا اشارہ بھی نہیں ملتا تھا۔

مجاہدین رومیوں کے پہلوؤں میں جانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن رومی اس کے مطابق پھیلتے جا رہے تھے۔ ادھر آمنے سامنے آنے والے دستے پیچھے ہٹتے آ رہے تھے اور اس کے مطابق رومی بھی یہ سمجھ کر کہ مجاہدین ہلّے کی تاب نہ لا کر پسپا ہو رہے ہیں' آگے ہی آگے آتے گئے۔ سپہ سالار کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کی ترتیب کو درہم برہم کر دیں لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اپنی تعداد کے زور پر مجاہدین کو کچل اور مسل دینا چاہتے تھے اور انہیں توقع بھی یہی تھی کہ وہ اس چال میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آج کی فوجی زبان میں اسے بُلڈوز کرنا کہتے ہیں۔

یہ ایک خونریز معرکہ تھا لیکن مجاہدین اپنے آپ کو بچا بھی رہے تھے کیونکہ ان کے سالاروں کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ ظاہری صورت یہ تھی کہ رومی مجاہدین پر غالب آ گئے تھے اور مجاہدین کی کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دے رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ مجاہدین ان کے پہلوؤں پر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ اس رومی فوج میں دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے فوجی بھی تھے لیکن اس معرکے میں ان کے جوش اور جذبے میں کوئی اور ہی تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ واقعی یہ عہد کر چکے تھے کہ مجاہدین اسلام کو اسی میدان میں کاٹ پھینکیں گے۔

صورت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو مجاہدین کے لئے انتہائی خطرناک تھی۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کی یہ بات صحیح معلوم ہونے لگی تھی کہ عمروؓ بن عاص کسی بھی وقت پورے لشکر کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ اب نظر یہی آنے لگا تھا کہ عمروؓ بن عاص نے لشکر کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیا ہے لیکن ان کے چہرے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ متفکّر تو ضرور ہیں پریشان نہیں بلکہ ان کے چہرے پر اطمینان کی بھی جھلک تھی اور اتنے ٹھنڈے مزاج میں رہے کہ انہوں نے محفوظ کے دستوں کو پیچھے ہی رہنے دیا۔ ایسی صورتِ حال میں اکثر کمانڈر ریزرو دستوں کو بھی لڑائی میں جھونک دیا کرتے ہیں۔

عمروؓ بن عاص نے گھوڑا دوڑایا اور ایک موزوں مقام پر گھوڑا روک کر بایاں بازو اوپر کیا اور ہاتھ سے کوئی اشارہ دیا۔ جس طرف اشارہ کیا تھا اُدھر سے سینکڑوں گھوڑے

دوڑنے کا ہنگامہ سنائی دیا لیکن اِدھر معرکے کا ہنگامہ اتنا شدید تھا کہ کسی نے سنا ہی نہیں کہ یہ گھوڑے کس کے ہیں۔

اچانک رومیوں کے عقب سے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ رومیوں کی پیٹھوں میں تلواریں اور برچھیاں اترنے لگیں اور وہ یہ دیکھے بغیر کہ پیچھے کون آگیا ہے گھوڑوں سے گرنے' تڑپنے اور مرنے لگے۔ گھوڑے انہیں روندنے لگے۔ رومیوں کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کا ہلّہ اور اس کی شدت یکلخت کم ہوگئی اور وہ پیچھے دیکھنے لگے۔

وہ سالار زبیرؓ بن العوام تھے جنہوں نے ڈیڑھ دو ہزار مجاہدین سے رومیوں پر عقب سے حملہ کردیا تھا۔ لشکر جب اس میدانِ جنگ کی طرف آرہا تھا تو سالار زبیرؓ نے جاسوس مجاہد سے پوچھا تھا کہ وہاں کی زمین کے خدوخال کیا ہیں۔ انہیں جب بتایا گیا کہ ایک پہلو پر جاکر زمین نیچے چلی جاتی ہے تو زبیرؓ بن العوام نے سپہ سالار سے اجازت لی تھی کہ ایک چال چلنا چاہتے ہیں۔

ان کی چال یہ تھی کہ میدانِ جنگ سے دور ہی تھے کہ انہوں نے ڈیڑھ دو ہزار مجاہدین کو ساتھ لیا اور دور کا چکر کاٹ کر اس جگہ جا پہنچے جہاں زمین زیادہ نیچے کو چلی گئی تھی۔ وہاں انہوں نے اپنے مجاہدین کو چھپالیا تھا۔ یہ سارا دستہ گھوڑسوار تھا۔

زبیرؓ بن العوام کہیں اونچی جگہ کھڑے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ رومی مجاہدین پر غالب آگئے ہیں اور کوئی چال چلنے کی مہلت نہیں دے رہے تو انہوں نے اپنے دستے کو حملے کا حکم دیا۔ وہ پہلے پورے دستے کو بتا چکے تھے کہ کیا کرنا ہے۔ سپہ سالار نے حملے کا اشارہ بھی دے دیا تھا۔ یہ دستہ سالار زبیرؓ کی قیادت میں کچھ دور جاکر اس نیچی جگہ سے باہر نکلا اور رومیوں کے پیچھے جاکر پھیل گیا۔ رومیوں کو لڑائی کے ہنگامے میں پتہ ہی نہ چل سکا۔

یہ خالدؓ بن ولید کی چال تھی جو انہوں نے دو تین مرتبہ لڑائیوں میں چلی اور کثیر تعداد دشمن کو کاٹ پھینکا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید کی چالیں چلتے اور انہیں اپنا استاد مانتے تھے۔ احباب اور ساتھیوں کی محفل میں ان چالوں کی باتیں ہوتیں تو عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید اور ابوعبیدہؓ کے حوالے دیا کرتے تھے۔

جنگی چالوں کے معاملے میں رومی جرنیل بھی کچھ کم نہ تھے اور کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہم پلہ تھے۔ خود ہرقل جنگی چالوں کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا اور اس کا جرنیل

اطربون تو اس فن میں خصوصی طور پر ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسے دوسری قومیں جنگ کی دہشت سمجھتی تھیں لیکن وہی ہرقل شام جیسا وسیع و عریض ملک مجاہدینِ اسلام کے قدموں میں رکھ کر بے طرح بھاگا اور مصر میں اس کا نامور جرنیل اطربون مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مسلمان اللہ اور قرآن کے حکم سے لڑتے تھے اور ہرقل اپنی ذات کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا۔ مجاہدینِ اسلام کو اللہ نے ایمان کی قوت عطا فرمائی تھی جس سے رومی مرعوب تھے۔

رومیوں پر عقب سے سالار زبیرؓ بن العوام نے ہلّہ بولا تو وہ پیچھے کو متوجہ ہوئے اور کٹنے لگے اور عین اُس وقت سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے محفوظہ کے دستوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اب رومی تعداد میں خواہ دوگنے ہی تھے' نرغے میں آگئے اور ان پر آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی ایسا حملہ ہُوا کہ وہ سکڑ گئے اور ان کے لئے کوئی چال چلنا تو دور کی بات ہے ہتھیار چلانا بھی دشوار ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے ان پر پہلوؤں سے بھی حملہ کردیا۔ رومی گر گر کر اپنے ہی گھوڑوں کے قدموں تلے روندے جانے لگے۔ اب وہ بھاگ نکلنے کے راستے دیکھنے لگے۔ ان کے عہد و پیمان ٹوٹ گئے۔ ان کے کمانڈر کا پرچم گر پڑا اور کمانڈر کا کچھ پتہ نہ چلا وہ کہاں غائب ہوگیا ہے۔

رومی بھاگتے بھی تو کہاں جاتے۔ دور دور تک کوئی قلعہ نہ تھا جہاں جاکر پناہ لیتے۔ بہرحال وہ اب جانیں بچانے کے لئے لڑ رہے تھے اور جس رومی کو بھاگ نکلنے کا موقع ملتا وہ فوراً بھاگ اٹھتا۔ مجاہدین کی کمزوری یہ تھی کہ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ رومیوں کو مجاہدین کی اس کمزوری نے خاصا فائدہ پہنچایا اور کچھ رومی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کا رخ کریون کی طرف تھا جو مستحکم قلعہ بند شہر تھا اور یہ شہر وہاں سے خاصا دور تھا۔



کریون میں جرنیل تھیوڈور نئے عزم اور تازہ ولولے کے ساتھ اُس فوج کی ٹریننگ میں مصروف تھا جو اس نے قلعے میں اکٹھی کر رکھی تھی۔ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اب وہ اپنے آپ کو مختارِ کل سمجھنے لگا تھا اور اس کے ساتھ جو جرنیل تھے' انہوں نے اپنی وفاداریاں پیش کردی تھیں۔ اطربون کے بعد جرنیل تھیوڈور ہی ایک قابل جرنیل رہ گیا تھا اور اس کے بعد جرنیل جارج تھا۔ تھیوڈور میں اتنی اہلیت اور اتنا تجربہ تھا کہ وہ مختارِ کل

کہلانے کا پورا پورا حق رکھتا تھا۔

اس نے اپنے جرنیلوں سے کہا تھا کہ جو دستے کریون سے دور دور مسلمانوں کے راستے میں مورچہ بند ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے راستے کی رکاوٹ بنے رہیں اور انہیں کمزور کرتے رہیں.... ایک روز وہ اپنی فوج کو خود ٹریننگ دے رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ایک لڑائی سے کچھ رومی سپاہی بھاگ کر آئے ہیں۔ اس نے اُسی وقت ان سپاہیوں کو بلا لیا۔ پہلے تو اس نے یہ دیکھا کہ ان سپاہیوں کے چہروں پر شکست صاف نظر آ رہی تھی اور وہ ٹھیک طرح بول بھی نہیں سکتے تھے۔ تھیوڈور نے گرج کر انہیں ڈانٹا اور کہا کہ وہ اتنے بزدل نہ بنیں کہ اپنے قلعے میں آ کر بھی ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی۔

"کاٹ دیا" ــــ آخر ایک سپاہی نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا ــــ "سب کو کاٹ دیا...."

"ٹھیک طرح بولو" ــــ تھیوڈور نے غصیلی آواز میں پوچھا ــــ "کس نے کس کو کاٹ دیا؟"

ان سپاہیوں نے اسے بتایا کہ کہاں لڑائی ہوئی ہے اور کیا ہُوا ہے۔ اتنے میں جرنل تھیوڈور کو پھر اطلاع ملی کہ کچھ اور سپاہی آئے ہیں جن میں کچھ زخمی بھی ہیں۔ اب جرنل تھیوڈور نے یہ ضرورت نہ سمجھی کہ ان سپاہیوں کو بھی اپنے پاس بلاتا۔ اس کے بعد اسے یہی خبریں ملتی رہیں کہ کچھ اور فوجی آئے ہیں۔ اس طرح شام تک اور رات کو بھی سلطیس کے معرکے سے بھاگے ہوئے رومی کریون میں آتے رہے۔

اگلی صبح تک کریون کی فوج میں ایسی کھسر پھسر شروع ہو گئی تھی جس میں ڈر اور خوف کی جھلک نمایاں تھی۔ حسبِ معمول اور حسبِ عادت بھگوڑے فوجیوں نے مسلمانوں کی بہادری کے قصے مبالغہ آرائی سے سنائے تاکہ لوگ ان بھگوڑے رومیوں کو بزدل نہ سمجھیں۔ ان کی یہ باتیں لوگوں تک بھی پہنچیں اور شہر پر خوف وہراس طاری ہونے لگا۔ لوگوں نے پہلے ہی سن رکھا تھا کہ مسلمان اگر خود جنّات نہیں تو ان میں جنّات والی پُراسرار طاقت ضرور موجود ہے۔ اس سے پہلے دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ کریون پہنچے تھے اور انہوں نے بھی یہاں کے لوگوں کو ایسی ہی ڈراؤنی باتیں سنائی تھیں۔

جرنل تھیوڈور اور اس کے جرنیلوں کو پتہ چلا کہ فوج اور لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہو گئی ہے تو ان کے لئے اچھا خاصا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ وہ فوج اور لوگوں کا جذبہ مضبوط کرنے کی کوششوں میں تھے لیکن مسئلہ وہیں رہا جہاں پہلے تھا۔ تھیوڈور اور دوسرے جرنیل بھی جانتے تھے کہ ان کی فوج میں اور لوگوں میں بھی یہی کمزوری پیدا ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں پر مسلمانوں کا خوف طاری کر لیا ہے۔ یہ خوف رفع کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جرنل تھیوڈور ایک ہی بات پر زور دیتا تھا کہ ان مسلمانوں کو ایک بار شکست دی جائے اور ان کی لاشیں اور ان کے قیدی اپنے لوگوں کو دکھائے جائیں اور کہا جائے کہ یہ دیکھو ان مسلمانوں کو جن سے تم بلاوجہ ڈرتے رہے ہو۔

ہرقل نے بھی ایسی بہت باتیں سوچی تھیں اور ان پر عمل بھی کیا تھا لیکن کچھ اثر نہیں ہُوا تھا۔ اب جرنیل بھی وہی ترکیبیں لڑا رہے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ مسلمان اللہ کے حکم سے لڑتے ہیں اور اللہ نے اپنا فرمان قرآن میں ان الفاظ میں وحی کے ذریعے ان مومنین تک پہنچایا ہے کہ جب مسلمانوں کو لوگوں نے بتایا کہ کفار نے تمہارے مقابلے میں بہت بڑا لشکر اکٹھا کر لیا ہے' اس لئے ان سے ڈرو تو ہُوا یہ کہ مسلمان ڈرنے کی بجائے اپنے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو گئے اور ان کا ایمان مستحکم ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین ساز گار ہے۔

سورۃ عمران کی اس آیت میں اللہ نے اہلِ ایمان کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ کفار تمہارے خلاف کتنا ہی بڑا لشکر اکٹھا کر لیں 'اگر تم اپنے ایمان پر قائم رہے تو تم اپنے آپ میں قلیل تعداد ہونے کے باوجود کوئی کمزوری نہیں پاؤ گے اور اللہ تمہارا مددگار اور ساز گار ہو گا۔ یہ تھی وہ قوت جسے رومی نہیں سمجھ رہے تھے۔ مختصرات یہ کہ کفار کو شمشیر پر بھروسہ تھا اور اہلِ ایمان کو اپنے ایمان پر تکیہ تھا اور وہ شمشیر کو بعد کا درجہ دیتے تھے۔



جرنل تھیوڈور اور اس کے ساتھی جرنیل بہت پریشان تھے کہ اپنی فوج اور لوگوں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف کس طرح نکالا جائے۔ اتنے میں انہیں آسمان سے ایک مدد مل گئی۔ وہ اس طرح کہ سکندریہ سے کچھ دستے کمک لے کر آ گئے۔ یہ قیرس نے بھیجے تھے۔ یہ بزنطیہ سے آئے ہوئے تازہ دم دستے تھے اور ابھی یہ مجاہدینِ اسلام کے مقابلے میں نہیں آئے تھے۔

اس کمک کے ساتھ چند ایک مبلّغ بھی تھے جنہیں قیرس بزنطیہ سے ساتھ لایا تھا۔ معلوم ہُوا کہ ایسے کئی ایک مبلغ اردگرد کی بستیوں میں پھیلا دیئے گئے ہیں جو لوگوں کو مذہب کی طرف اور مسلمانوں کو شکست دینے کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ کریون میں جو مبلغ آئے انہوں نے آتے ہی لوگوں سے ملنا شروع کر دیا۔ تھیوڈور نے انہیں بتا دیا تھا کہ ان لوگوں پر مسلمانوں کا خوف غالب آگیا ہے' یہ خوف رفع کرنا ہے۔

یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مجاہدین کا لشکر اس لڑائی کے فوراً" بعد وہاں سے چل پڑتا۔ اپنے شہیدوں کی تجہیز و تکفین کرنی تھی اور زخمیوں کی مرہم پٹی بھی لازمی تھی اور انہیں کچھ دنوں کی مہلت دینی تھی کہ ان کے زخم بہتر ہو جائیں۔ لشکر کو کچھ آرام بھی دینا تھا۔ رومیوں کے گھوڑے اور ان کے ہتھیار بھی اکٹھے کرنے تھے' اور ایسے بے شمار ہی کام تھے جو کر کے وہاں سے کُوچ کرنا تھا۔ مجاہدین کی جو مستورات لشکر کے ساتھ تھیں انہیں دور پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ میدانِ جنگ کی زد میں نہ آئیں۔ انہیں آگے بلا لیا گیا تاکہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے سلسلے میں اپنا کام کریں۔

عمرؓو بن عاص جلدی میں تھے تاکہ دشمن کو کہیں سنبھلنے اور تیاری کرنے کا موقع نہ مل سکے پھر بھی کم و بیش ایک مہینہ گزر گیا اور اس ایک مہینے میں کریون میں اور اردگرد کے دور دور تک کے علاقے میں ایک تبدیلی رُونما ہو گئی جو مجاہدین کے لئے اچھی نہیں تھی۔

یہ تبدیلی وہ مبلّغ لائے تھے جنہیں قیرس بزنطیہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ ان مبلّغوں کے متعلق تاریخ میں کوئی زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں لیکن ان کی کارکردگی اور پروپیگنڈے کے جو اثرات سامنے آئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ تو کی ہی تھی لیکن لوگوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لانے کے لئے کچھ اور ہی پروپیگنڈہ کیا تھا اور ایسے طریقے استعمال کئے تھے کہ لوگ ان سے متاثر ہو گئے۔ کریون کے اردگرد کی آبادیوں اور چھوٹی بڑی بستیوں میں یہ پراپیگنڈہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف کریون میں فیصلہ کن جنگ ہو گی اور اس میں ہر عیسائی کا شامل ہونا مذہبی فریضہ ہے۔

ان مبلّغوں نے اور تھیوڈور کے آدمیوں نے بھی اردگرد کے علاقے میں مسلمانوں کے خلاف اچھی خاصی نفرت پیدا کر دی۔ پروپیگنڈہ کچھ اس قسم کا ہُوا کہ مسلمان لُوٹ مار

کے لئے آئے ہیں اور عورتوں کے معاملے میں وہ وحشی ہیں اور بچوں کو قتل کرنا ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ لوگوں سے یہ بھی کہا گیا کہ مسلمان سب سے پہلے بستیوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں اُجاڑ کر رکھ دیں گے اور اس کے بعد قلعے کو محاصرہ میں لے لیں گے۔

اس پروپیگنڈے کا جس پر مذہب کا رنگ چڑھا ہُوا تھا' یہ اثر ہُوا کہ اردگرد کی بستیوں کے وہ لوگ جو ابھی جوانی کی عمر میں یا لڑنے کی عمر میں تھے' کریون شہر میں اکٹھے ہونے لگے اور وہ جرنیل تھیوڈور کو اپنی خدمات اس طرح پیش کرتے تھے کہ انہیں فوج میں شامل کر لیا جائے۔ وہ لوگ جو لڑنے کے قابل نہیں تھے' اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے جرنیلوں کو ہر طرح کے تعاون اور امداد کا یقین دلا رہے تھے۔ مختصر یہ کہ لوگوں میں بیداری پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنے دلوں سے مسلمانوں کا خوف جھٹک ڈالا تھا۔ بعض مؤرخوں نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس قدر خوفزدہ تھے کہ وہ اکٹھے ہو گئے اور انہیں بتایا گیا کہ اس خوف سے نجات کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ اکٹھے ہو کر اپنی فوج کا بازو مضبوط کریں۔

قبطی عیسائیوں کی اچھی خاصی تعداد مجاہدین کے لشکر کے ساتھ تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ قبطی لڑنے کے لئے نہیں بلکہ امدادی کاموں کے لئے لشکر کے ساتھ تھے۔ مثلاً" کسی گہرے اور چوڑے نالے پر پُل بنانا ہوتا تو یہ قبطی پُل بناتے تھے یا راستے میں کوئی اور رکاوٹ آجاتی تو وہ اس رکاوٹ کو ہٹاتے تھے۔ ان کاموں کے لئے وہ لشکر سے خاصا آگے آگے جاتے تھے۔ مصری بدّو بھی لشکر میں شامل تھے اور وہ باقاعدہ لڑائی میں شریک ہوتے تھے اور لڑنے کے علاوہ رسد اکٹھی کرنے کا کام انہوں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک برتاؤ بہت ہی اچھا تھا۔ مالِ غنیمت میں سے انہیں پورا پورا حصہ ملتا تھا۔ مسلمانوں کے اس کردار سے وہ اس قدر مطمئن تھے۔ اپنے گھروں کو کبھی واپس جانے کی بات ہی نہیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کا جاسوسی کا نظام ہمیشہ بڑا ہی کارآمد رہا ہے حالانکہ انہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح کبھی لڑکیوں کو استعمال نہیں کیا تھا۔ جاسوس مجاہدین ہر بھیس بدل لیتے اور اپنی اصلیت کو چھپا لیتے تھے۔ کبھی تو وہ اپنے آپ کو یقینی موت یا گرفتاری کے خطرے میں ڈال لیا کرتے تھے۔ عمرؓو بن عاص نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے۔

اب جاسوسوں نے سپہ سالار عمرؓو بن عاص کو پوری رپورٹ دے دی تھی کہ۔

بستیوں میں سکندریہ سے کچھ ایسے لوگ آئے ہیں جو یہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اُکسا رہے ہیں اور انہیں بے بنیاد باتیں بتاتے ہیں۔ لوگوں کا جو رَدِّ عمل تھا' جاسوسوں نے وہ بھی بتایا اور پھر سپہ سالار کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ یہ لوگ بھی کریون میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور مجاہدین کے خلاف بڑا ہی مضبوط محاذ بن رہا ہے۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو بلا کر اس صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان کا دھیان اُن قبطی عیسائیوں اور مصری بدّوؤں کی طرف چلا گیا تھا جو مجاہدین کے لشکر کے ساتھ تھے۔ سپہ سالار نے سالاروں کو اس خطرے سے خبردار کر دیا اور یہ ہدایت جاری کی کہ نظر رکھی جائے کہ باہر کا کوئی شخص مرد یا عورت' ان قبطیوں اور بدّوؤں کے پاس نہ آئے اور ان کا رابطہ باہر کے کسی شخص کے ساتھ نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھا جائے کہ ان بدّوؤں اور قبطیوں کے ساتھ اپنا سلوک پہلے سے زیادہ اچھا کر لیا جائے۔

"اپنی مستورات کو بھی بتا دیا جائے"——سپہ سالار نے کہا——"انہیں بتا دیں کہ قبطیوں اور بدّوؤں کی جو عورتیں ان کے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اور زیادہ پیار اور شفقت سے پیش آئیں اور نظر رکھیں کہ باہر کی کوئی عورت ان کے پاس نہ آئے۔ اگر کوئی عورت آتی ہے تو اسے منع کرنے کی بجائے اس کے ساتھ عیسائی کی حیثیت سے بات کریں اور بھید لیں کہ وہ کون ہے اور کیوں آئی ہے .... مجھے سکندریہ سے خبر مل چکی ہے کہ قیرس مبلغوں کی ایک فوج اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہ مبلّغ ہر طرف پھیل گئے ہیں اور لوگوں کو اپنے زیرِ اثر کر رہے ہیں۔ ہم نے اس سے زیادہ بڑے خطروں کا مقابلہ کیا ہے اور اللہ نے ہمیں کامرانی عطا کی ہے۔ اگر کریون میں بستیوں کے لوگ فوج کے ساتھ جا ملے ہیں تو اس سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہئے یہ ایک بے لگام ہجوم ہے جس کا احساس رومی جرنیلوں کو شاید نہیں ہُوا۔ ہم انہیں بکھیر دیں گے"۔

ادھر قلعے میں جرنیل تھیوڈور بڑے ہی پُر مسرت اور فاتحانہ لہجے میں اپنے جرنیلوں کے ساتھ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینے کا پلان بنا رہا تھا۔ اسے خوش ہونا ہی چاہئے تھا۔ کمک کے آجانے سے اور پھر لوگوں کو فوج میں شامل ہونے سے اس کے پاس بے انداز نفری اکٹھی ہو گئی تھی۔ اسے وہ اتنی بڑی طاقت سمجھتا تھا جس سے ٹکرا کر مجاہدین پاش پاش ہو جائیں گے۔

"ان عربوں کی تعداد دیکھو"——تھیوڈور نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غرور اور تکبّر کی جھلک تھی——"سلطیس کی لڑائی میں انہوں نے ہماری فوج کو شکست دی ہے اور بہت ہی جانی نقصان پہنچایا ہے لیکن ان کی اپنی تعداد جو پہلے ہی کم تھی' اور کم ہو گئی ہے۔ اب ہم اتنی زیادہ فوج سے انہیں کچل اور مسل کر رکھ دیں گے۔ انہیں نے مہلت دو کہ یہ شہر کا محاصرہ کر لیں۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ جب محاصرہ کر لیں گے تو بکھر جائیں گے کیونکہ محاصرے کے لئے ان کی نفری بہت ہی تھوڑی ہے۔ ان کا محاصرہ کچّے دھاگے جیسا ہو گا۔ ہم ان پر دستے باہر بھیج کر حملے کرتے رہیں گے اور ان کی تعداد اتنی تھوڑی رہ جائے گی کہ یہ بھاگ نکلیں گے یا ہتھیار ڈال دیں گے....

"یہ بات ذہن میں رکھو کہ مسلمانوں کو ایسا کمزور بھی نہ سمجھنا جیسا میں نے کہا ہے۔ یہ صحرائی سانپ ہیں جو لمبائی میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں لیکن ڈس لیں تو آدمی چند سانسیں لے کر مر جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اس لشکر کے متعلق اپنے آپ کو کسی دھوکے اور فریب میں نہ رکھنا۔ انہوں نے ملک شام میں ہرقل کو ایسی ہی تھوڑی تعداد میں شکست دی ہے اور مصر میں آکر انہوں نے ہمارے جرنیل بھی مار ڈالے ہیں جن میں اطربون خاص طور پر شامل تھا۔ یہ سوچ لو کہ عربوں کو کریون میں ہی شکست دینی ہے۔ اگر ہم ناکام رہے تو اردگرد کے علاقے کے جو لوگ ہمارے ساتھ آن ملے ہیں وہ ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور مسلمان یہاں سے سیدھے سکندریہ جا پہنچیں گے اور وہاں تک کے لوگ ان سے مرعوب اور خوفزدہ ہو جائیں گے۔ پھر یہی لوگ ان کا ساتھ دیں گے۔ یاد کر لو کہ انہیں یہیں کریون میں ہی ختم کرنا ہے"۔

تاریخ میں آیا ہے کہ جرنیل تھیوڈور نے آخر میں جو الفاظ کہے تھے وہ یہ تھے——"عربوں اور سکندریہ کی دیوار کے درمیان ہم خود دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے"۔

کریون کا قلعہ اور شہر پناہ بہت ہی مضبوط اور چوڑی تھی۔ اس کے اردگرد کوئی خندق نہیں کھودی گئی تھی لیکن ایک چوڑا نالہ دیوار کے قریب سے گزرتا تھا۔ یہ نالہ ایک گہری اور قدرتی نہر تھی یا اسے نیل کی ایک شاخ کہہ لیں۔ اس کا نام ثعبان تھا۔ قلعے کا صدر دروازہ نالے کی طرف تھا۔ اس طرح یہ نالہ قلعے کے دفاع کا کام کرتا

مجاہدین

کا لشکر جب کوچ کر کے کریون کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ رومی فوج قلعے کے باہر ان کے استقبال کو تیار کھڑی تھی۔ جاسوس مجاہدین نے عمروؓ بن عاص کو بتایا تھا کہ رومیوں کی جتنی تعداد باہر کھڑی ہے اتنی ہی قلعے کے اندر ہے۔ عمروؓ بن عاص نے کچھ اور آگے جا کر اپنے لشکر کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ اب مجاہدین کے لشکر کی تعداد اور ہی کم ہو گئی تھی کیونکہ مجاہدین شہید بھی ہوئے تھے اور کچھ ایسے شدید زخمی ہوئے کہ لڑائی کے قابل نہیں تھے۔ اس کے علاوہ کچھ نفری کو مفتوحہ مقامات کے انتظامات اور امن و امان برقرار رکھنے کے لئے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

یہاں بھی حملے میں رومیوں نے پہل کی۔ ان کے حملے کا اندازہ وہی تھا جو سُلطیس کے معرکے میں بیان ہو چکا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے اپنا دماغ حاضر رکھا اور اپنے انداز سے حملے کے مقابلے کے لئے دستے بڑھائے۔ انہوں نے محفوظہ کے دستے پیچھے رکھے ہوئے تھے جنہیں انتہائی خطرناک صورتِ حال میں استعمال کرنا تھا۔ رومیوں کا حملہ اس قدر زیاد طاقتور تھا اور اتنا شدید کہ عمروؓ بن عاص کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اپنے پورے لشکر کو آگے کر دیتا لیکن عمروؓ بن عاص کی یہی خوبی تھی کہ وہ یقینی ہلاکت کو اپنے سامنے دیکھ کر بھ دماغ کو حاضر رکھتے تھے اور اطمینان اور تحمل سے سوچ کر چال چلتے تھے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے لشکر کو خاص طور پر یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ دشمن کے ہجوم کے اندر جانے سے بچیں ورنہ وہ گھیرے میں آ کر مارے جائیں گے دوسری ہدایت یہ کہ اپنے آپ کو تنظیم میں رکھ کر دائیں بائیں بکھرتے رہیں تاکہ دشمن کا ہجوم بھی بکھر جائے لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سپہ سالار کی کسی ہدایت پر عمل کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ تمام سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے لیکن انہوں۔

نظر اپنے دستوں پر بھی رکھی ہوئی تھی کہ وہ تنظیم سے بکھر نہ جائیں۔ دراصل یہ معرکہ اس نوعیت کا تھا کہ ہر مجاہد اپنی اپنی لڑائی لڑ رہا تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ہر مجاہد یہ سوچ کر لڑ رہا تھا کہ اس کا سارا لشکر شہید ہو چکا ہے اور رومیوں کو شکست دینا صرف اس کی ذمہ داری ہے۔

سالار زبیرؓ بن العوام حیران کن حد تک دلیر انسان تھے۔ ان کی نظر رومیوں کے پرچم پر تھی جو رومی فوج کے پیچھے تھا۔ زبیرؓ اس کوشش میں تھے کہ دو تین مجاہدین کے ساتھ پرچم تک پہنچ جائیں اور پرچم بردار کو گرا کر پرچم غائب کر دیں۔ یہ اُس زمانے کا دستور تھا کہ پرچم گر پڑتا تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ ان کا بادشاہ یا جو کوئی بھی کمانڈر ہے وہ مارا گیا ہے۔ پوری فوج میں بددلی پیدا ہو جاتی اور فوج پسپا ہونے لگتی تھی۔ سالار زبیرؓ لڑتے ہوئے دشمن کے پیچھے جانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے لیکن رومیوں کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ سالار زبیرؓ کو مجبوراً پیچھا آنا پڑتا تھا۔

گھوڑوں اور پیادوں کی اڑائی ہوئی گرد کے پیچھے سورج اپنا سفر طے کرتا افق تک جا پہنچا اور سورج غروب ہو گیا تو اندھیرا چھانے لگا۔ اس تاریکی نے اس خونریز معرکے کو روک دیا۔ رومی قلعے میں چلے گئے اور مجاہدین پیچھے ہٹ آئے۔

رات سیاہ کالی ہو گئی تو قلعے کا دروازہ کھلا اور بے شمار مشعلیں باہر آئیں۔ ادھر مجاہدین کی طرف سے بھی مشعلوں کا ایک جلوس میدانِ جنگ کی طرف چلا۔ یہ مشعلیں مجاہدین کی مستورات نے اٹھا رکھی تھیں اور یہ مستورات زخمی مجاہدین کو پانی پلانے اور انہیں اٹھا کر اور سہارا دے کر پیچھے لانے کے لئے جا رہی تھیں۔ قلعے سے جو مشعلیں نکلی تھیں وہ زیادہ تر آدمیوں کے ہاتھوں میں تھیں اور ان میں عورتیں بھی تھیں۔ یہ عورتیں زخمیوں کو اٹھانے نہیں آئی تھیں بلکہ اپنے عزیزوں کو ڈھونڈنے آئی تھیں۔ پتہ چلا کہ جو فوج باہر لڑی تھی اس میں شہر کے جوان آدمی بھی شامل تھے۔ فوج جب اندر گئی تو کئی شہری واپس نہیں جا سکے تھے۔ اب ان کی مائیں بہنیں وغیرہ انہیں لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈنے آئی تھیں۔ ان میں اکثر اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔

اِدھر مسلمان خواتین پر کوئی ماتمی کیفیت طاری نہیں تھی۔ انہیں ہر زخمی کو سنبھالنا تھا۔ ہر زخمی ان کا بھائی بھی تھا بیٹا بھی۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ عورتیں پہلے اپنے عزیزوں کو تلاش کرتیں۔

اس موقع پر ایک واقعہ ہوگیا۔ ایسے واقعات عام طور پر نہیں ہُوا کرتے تھے.... ہُوا یہ کہ تین چار مسلمان خواتین لاشوں اور زخمیوں میں اپنے مجاہدین کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک خاتون ذرا الگ ہوگئی اور اسے ایک زخمی مجاہد نظر آگیا۔ اس نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ وہ زندہ تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے لال ہوگئے تھے اور نہ جانے اسے کہاں کہاں زخم آئے تھے۔

وہاں تو لاشوں پر لاشیں پڑی تھیں اور ایسا بھی ہُوا کہ کوئی زخمی چار پانچ لاشوں کے نیچے پڑا کچھ دیر زندہ رہا اور اتنے زیادہ وزن سے مرگیا۔ اس زخمی مجاہد کے بالکل قریب چار پانچ رومیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ مسلمان خاتون اپنے زخمی مجاہد کو سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

مجاہد نے اس سے پانی مانگا۔ ہر عورت کے پاس پانی کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ یہ خاتون اسے پانی پلانے لگی تو بالکل قریب ہی ایک مصری عورت جھکی جھکی آن رکی اور ایک لاش کو دیکھنے لگی۔ اس نے چیختے چلّاتے ہوئے کہا یہ ہے میرا بیٹا.... لیکن اس کا بیٹا مرچکا تھا۔ اُس نے ادھر دیکھا کہ ایک مسلمان خاتون ایک زخمی مجاہد کو مشکیزے سے پانی پلا رہی ہے۔ مصری عورت نے وہاں سے ایک تلوار اٹھالی۔ وہاں برچھیوں اور تلواروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

ادھر مسلمان خاتون زخمی مجاہد کو بٹھائے اسے پانی پلا رہی تھی اور اس کی توجہ کسی اور طرف تھی ہی نہیں۔ اس کی ایک ہی خواہش اور کوشش تھی کہ اس زخمی مجاہد کو زندہ رکھنا ہے۔ اچانک مصری عورت نے دوڑ کر تلوار اس مجاہد کے پہلو میں برچھی کی طرح گھونپ دی۔

"اسی نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے"۔۔۔۔ اس مصری عورت نے چلّاتے ہوئے کہا اور تلوار کھینچ کر ایک بار پھر مجاہد کے پہلو میں اتار دی اور بولی۔۔۔۔ "یہی میرے بیٹے کا قاتل ہے"۔

مجاہد کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ اسے تو ایک خاتون زندہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس مصری عورت نے اس کی کوشش کامیاب نہ ہونے دی اور مجاہد نے اس خاتون کی گود میں جان دے دی۔ یہ خاتون اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مشکیزہ پھینک دیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ اس نے مشعل اس مصری عورت کے منہ

کے ساتھ لگادی۔

مصری عورت چیخنے چلّانے لگی۔ اس کا منہ جل گیا تھا۔ اب مسلمان خاتون نے مشعل اس کے کپڑوں کے ساتھ لگادی اور اس کے کپڑے جل اٹھے۔ اب تو وہ ناچ کود اور چیخ چلّا رہی تھی۔

کچھ رومی سپاہی اور غالباً شہر کے ایک دو آدمی دوڑے آئے۔ مسلمان خاتون نے کہا کہ اس نے ایک زخمی مجاہد کو تلوار سے مار ڈالا ہے۔ رومی آدمیوں نے تلواریں نکال لیں۔

وہاں زیادہ تر مسلمان مستورات تھیں۔ ان سب نے تلواریں اور برچھیاں اٹھالیں اور رومی مردوں کو للکار کر کہا کہ وہ اپنے مردوں کو نہیں بلائیں گی اور سب کو کاٹ پھینکیں گی۔ ادھر سے وہ مجاہدین آگئے جو لاشوں اور زخمیوں کو ہی ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ مصری عورت کے جلتے ہوئے کپڑوں نے اسے جلا ڈالا اور وہ ابھی تک چیخ رہی تھی اور اس کے اپنے آدمی اس کے قریب نہیں جا رہے تھے۔ مجاہدین دوڑے آئے تو رومی اور مصری آدمی وہاں سے کھسکنے لگے۔ ایک مسلمان عورت نے بلند آواز سے اپنے مجاہدین سے کہا کہ وہ چلے جائیں' ان آدمیوں کے لئے وہ خود ہی کافی ہیں۔

مجاہدین کو دیکھ کر رومی شش و پنج میں پڑگئے۔ اتنے میں کئی اور مسلمان خواتین آن پہنچیں۔ کسی کے ہاتھ میں برچھی اور کسی کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ یہ ایک دہشت تھی جو رومیوں پر پہلے ہی طاری تھی' اس دہشت نے رومیوں کو اور دوسرے آدمیوں کو جو قلعے سے باہر آئے تھے وہاں سے کھسک جانے پر مجبور کردیا اور خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُس روز کی لڑائی میں رومیوں کا پلّہ بھاری رہا۔ یہ اس لحاظ سے کہ جانی نقصان مجاہدین کا زیادہ ہُوا اور وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کرسکے۔ وہ تو اس قلعہ بند شہر کو محاصرے میں لینے آئے تھے لیکن محاصرہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ جرنیل تھیوڈور اپنا یہ عہد پورا کر رہا تھا کہ وہ عرب کے ان قلیل تعداد مسلمانوں کے آگے دیوار کھڑی کردے گا اور انہیں اس قابل نہیں چھوڑے گا کہ وہ سکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ محمد حسنین ہیکل نے کچھ مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ رومی فوج میں پہلی بار دیکھا گیا کہ فوجیوں نے ذاتی شجاعت کے کارنامے کر دکھائے۔ صاف پتہ

چلتا تھا کہ رومیوں نے مسلمانوں کی وہ دہشت جھٹک ڈالی ہے جو ان پر ہر وقت طاری رہتی تھی۔

تاریخ میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے صاف الفاظ میں تسلیم کیا کہ وہ شجاعت جس کی بدولت رومی فوج کی دھاک بیٹھی رہتی تھی وہ انہوں نے رومیوں میں پہلی بار دیکھی ہے۔ سپہ سالار نے اپنے سالاروں اور ان کے ماتحتوں کو بلا کر کہا کہ اب ہمارا مقابلہ اصل رومیوں کے ساتھ ہے اور اب ہمیں اس سے زیادہ شجاعت کی ضرورت ہے۔

مجاہدینِ اسلام کے ہاں شجاعت کی تو کمی نہیں تھی اور ان کے حوصلے میں بھی کمی نہیں آئی تھی لیکن پہلی بار دیکھنے میں آیا کہ رومی اپنی جنگجوئی کی اُن روایات کو زندہ کر رہے تھے جن کی بدولت وہ دنیا بھر کی بہت بڑی طاقت مانے جاتے تھے اور تاریخ میں انہوں نے نام پیدا کیا تھا۔

اگر صرف میدانِ جنگ ہوتا تو مجاہدین اتنی قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے بھی فتح کی توقع رکھ سکتے تھے لیکن ان کے خلاف دوسرے محاذ بھی کھل رہے تھے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص زیرِ زمین محاذوں سے بے خبر تو نہیں تھے لیکن پوری طرح باخبر بھی نہیں تھے۔ ان کا جاسوسی کا نظام انہیں صحیح رپورٹیں دے رہا تھا لیکن رومیوں کی سرگرمیاں اس قدر پس پردہ تھیں کہ ان کی سو فی صد صحیح رپورٹ نہیں ملتی تھی۔ سب سے بڑا خطرہ جو سپہ سالار اور دیگر سالار محسوس کر رہے تھے وہ رسد کے متعلق تھا۔ رومیوں کا تو وہ اپنا ملک تھا اس لئے انہیں رسد کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مسلمانوں کے لئے تو وہ زمین بھی دشمن تھی۔ رسد اور خوراک وغیرہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ رک سکتی تھی۔

پیچھے ایک باب میں بیان ہو چکا ہے کہ رسد کی فراہمی مصری بدّوؤں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی اور انہوں نے کبھی بھی رسد میں کمی نہیں آنے دی تھی۔ اب انہیں کہنے کی ضرورت پڑتی ہی نہیں تھی کہ رسد کا بندوبست کریں۔ وہ خود خیال رکھتے تھے اور اس میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

ان بدّوؤں کی زیادہ تعداد ایسی تھی جو لشکر میں شامل ہو گئی تھی اور باقاعدہ لڑتی تھی۔ رسد کی فراہمی کے لئے بدّوؤں کی دو تین جماعتیں بنا دی گئی تھیں اور ان کے ذمے یہی کام تھا۔ ان کے مختلف قبیلوں کے سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان سرداروں

میں سے دو چار کو رسد کے کام کی نگرانی اور فراہمی پر لگا دیا گیا تھا۔

بدّو ارد گرد کے دیہات میں جا کر اناج، مویشی اور دیگر اشیاء حاصل کرتے تھے۔ ان کا طریقہ لُوٹ مار جیسا نہیں تھا۔ کسی بھی گاؤں جا کر لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ خود ہی اناج باہر نکال دیں اور اپنے مویشی بھی دے دیں۔ پھر ان دیہاتیوں کو یقین دلایا جاتا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کسی گاؤں میں لُوٹ مار کرنے نہیں آئے گا اور جب مسلمان فتح مکمل کر لیں گے تو اس رسد کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت ادا کریں گے۔

لوگ جانتے تھے کہ انہوں نے رسد دینے سے انکار کر دیا تو یہ حملہ کر کے زبردستی اناج وغیرہ لے جائیں گے، اور اگر وہ گھروں میں داخل ہوئے تو پھر انہیں کسی اور نازیبا حرکت سے بھی نہیں روکا جا سکے گا۔ وہ رسد فراہم کر دیتے تھے اور اپنے وہ مویشی بھی دے دیتے تھے جو ان کی ضرورت سے کچھ زیادہ تھے۔ ان سے زیادہ تر بھیڑ بکریاں لی جاتی تھیں۔ ان مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کا گوشت لشکر کو کھلایا جاتا تھا۔

ان بدّوؤں، ان کے سرداروں اور رسد کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ ان سے ایک ایسا زمین دوز محاذ سامنے آتا ہے جو رومیوں نے مجاہدین کے خلاف قائم کیا تھا اور اس پر سرگرم ہو گئے تھے۔ مختلف تاریخوں میں اس ایک واقعہ کی کچھ واضح اور کچھ ڈھکی چھپی سی کڑیاں ملتی ہیں .... بدّوؤں کی جو جماعتیں رسد فراہم کرتی تھیں ان میں سے ایک جماعت کا سربراہ کسی بدّو قبیلے کا سردار اسطافت تھا۔ اس کی عمر جوانی کے آخری دنوں تک پہنچ گئی تھی اور وہ بڑا ہی خوبرو آدمی تھا۔ چہرہ ابھی پُرشباب تھا، وہ دراز قد آدمی تھا اور جسم متناسب اور پُرکشش۔

جب کریون کی لڑائی شروع ہوئی تو مجاہدین کے لشکر میں رسد کی کچھ کمی محسوس ہوئی۔ رسد اکٹھی کرنے والے بدّو دیہاتی علاقے میں چلے گئے۔ کریون سے تین ساڑھے تین میل دور ایک بڑا گاؤں تھا۔ اسطافت اپنی جماعت کو جس میں پچاس کے قریب بدّو تھے، اس گاؤں میں لے گیا۔ اپنے دستور اور انداز کے مطابق اسطافت نے گاؤں میں جا کر گاؤں کے بڑوں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ اناج اور مویشیوں کی ضرورت ہے اور وہ یہ چیزیں خود ہی گاؤں کے باہر رکھ دیں۔ اسطافت کو اور اس کی جماعت کو اب تک اچھا خاصا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس نے بڑوں کو قائل کر لیا کہ وہ اپنے آپ ہی رسد دے دیں۔ بڑوں نے سارے گاؤں کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ رسد دینی ہی پڑے گی ورنہ

مسلمان آ کر زبردستی اناج وغیرہ لے جائیں گے۔ مختصر یہ کہ لوگ رسد دینے لگے۔ گھوڑا گاڑیاں اور اونٹ ساتھ تھے۔ سارا سامان ان پر لادا جانے لگا۔

بدّوؤں کا سردار اسطافت نگرانی کر رہا تھا۔ گاؤں کا ایک بزرگ صورت معمّر آدمی آہستہ آہستہ چلتا اسطافت کے پاس آ رکا اور بڑے تپاک سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ یہ بوڑھا آدمی لباس' چہرے مہرے اور انداز سے اس گاؤں کا کوئی سرکردہ فرد معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اسطافت کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی سے باتیں شروع کر دیں۔ اس کا لب و لہجہ مشفقانہ تھا۔ اس نے قدرے اطمینان کا اظہار کیا کہ اس کا گاؤں مسلمانوں کو رسد دے رہا ہے۔ اس کے جواب میں اسطافت نے بھی دوستانہ بے تکلفی کا اظہار کیا اور اس بزرگ کے ساتھ احترام سے بات کی۔

"تم تو بہت ہی خوبرو جوان ہو" ـــــ بزرگ نے کہا ـــــ "تم سا خوبرو جوان کبھی کبھی نظر آتا ہے۔ تجھے دیکھ کر کنواریوں کے دل دھک دھک کرنے لگتے ہیں"۔

اپنی تعریف سن کر آپے سے باہر ہو جانا انسان کی ایسی کمزوری ہے جو انسانیت کی ابتدا ہی سے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے۔ اسطافت محض ایک سردار تھا۔ اس کی عقل اور شخصیت میں اتنی پختگی نہیں تھی کہ وہ اس بوڑھے کی زبان سے اپنی تعریف سن کر متاثر نہ ہوتا۔ یہ بوڑھا کوئی جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے اسطافت کی کچھ اور ہی تعریفیں کر ڈالیں اور اسطافت کو برتری کے احساس میں مبتلا کر دیا۔

"تم ان لوگوں کے سردار معلوم ہوتے ہو" ـــــ بزرگ نے کہا ـــــ "یہ تو سب کچھ گاڑیوں اور اونٹوں پر لاد کر لے جا رہے ہیں۔ شام ہونے کو ہے۔ کیا تم میری یہ خواہش پوری نہیں کرسکو گے کہ آج شام کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ؟"

اسطافت نے اس کی دعوت بخوشی قبول کر لی۔ اس کا کام رسد فراہم کرنا تھا جو اس نے کر دی تھی اور رسد جا رہی تھی۔ اب لشکر میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ لڑنے لڑانے کی ذمہ داریوں سے آزاد تھا۔

○

اسطافت جب اس بوڑھے کے گھر میں داخل ہوا تو اسے صحیح اندازہ ہوا کہ یہ تو بڑی ہی اونچی حیثیت کا آدمی ہے۔ اسے جس کمرے میں بٹھایا گیا اس کمرے کی شان شاہانہ تھی۔ فرش پر دری اور دری پر نرم و گداز گدّا بچھا ہوا تھا۔ اسطافت کو اس گدّے پر بٹھایا

گیا۔ پیچھے گول تکیے رکھے ہوئے تھے۔ بزرگ نے اسطافت سے کہا کہ وہ مسلمان نہ ہوتا تو اسے اس علاقے کی بہترین شراب پیش کی جاتی۔

"میں عیسائی ہوں میرے محترم میزبان!" ـــــ اسطافت نے کہا ـــــ "میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ہم نے شاہ ہرقل کی بادشاہی کے مقابلے میں مسلمانوں کو بہت اچھا پایا اس لئے ان کے ساتھ ہو گئے۔ ہمیں مالِ غنیمت کا پورا حصہ ملتا ہے اور مسلمان ہمیں اپنے بھائیوں جیسا رکھتے ہیں"۔

اس کی بات ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ اس بزرگ کی عمر کا ایک اور بزرگ آدمی آ گیا۔ میزبان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ یہ ہمارے نئے پادری ہیں اور کچھ ہی دن پہلے بزنطیہ سے آئے ہیں۔ یہ تعارف سنتے ہی اسطافت بھی اٹھا اور پادری سے بڑے احترام سے ملا۔ میزبان نے پادری کو بتایا کہ اسطافت عیسائی ہے اور اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔

پادری نے ایسی باتیں شروع کر دیں جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اسطافت جیسا خوبرو جوان مل گیا ہے جو اپنے مذہب پر بھی قائم ہے۔ ایسی کچھ باتیں میزبان بزرگ نے بھی کیں اور اسطافت اپنے آپ کو بہت ہی اونچے درجے کا آدمی سمجھنے لگا۔ اتنے میں ایک نوخیز لڑکی ایک ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹرے میں ایک خوش نما صراحی تھی اور اس کے ساتھ تین پیالے تھے۔

لڑکی بہت ہی حسین اور نوجوان تھی۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو اسطافت کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور اس کا آگے بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ اسطافت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی ہو۔

"آ جاؤ کرسٹی!.... تم تو گھبرا ہی گئیں!" ـــــ میزبان بزرگ نے پیار سے کہا ـــــ "یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔ اپنے قبیلے کے سردار ہیں۔ ہیں تو مسلمانوں کے ساتھ لیکن بڑے پکّے عیسائی ہیں"۔

کرسٹی نے اُچٹتی ہوئی ایک نگاہ اسطافت پر ڈالی اور آگے بڑھ کر ٹرے میزبان بزرگ کے آگے رکھ دی۔ وہ اب اسطافت سے نظریں ملانے سے گھبرا اور شرما رہی تھی۔ اس نے سر جھکائے ہوئے صراحی میں سے تھوڑی تھوڑی شراب تینوں پیالوں میں ڈالی اور بچوں کی طرح تیزی سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"میری یہ بیٹی بہت شرمیلی ہے" ـــــ میزبان بزرگ نے کہا ـــــ "گھر سے باہر تو

کسی غیر آدمی کے ساتھ بات بھی نہیں کرتی"۔

اتنے میں دو ملازم آئے اور انہوں نے ان کے آگے کھانا رکھنا شروع کر دیا۔ اسطافت کھانے کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ یہ تو شاہی دستر خوان تھا۔ کھانا چنا جا چکا تو یہ تینوں کھانا کھانے لگے۔ میزبان بزرگ اور پادری کچھ نہ کچھ بول رہے تھے لیکن اسطافت کی نگاہیں بار بار اس دروازے کی طرف اٹھتی اور وہیں رک جاتی تھیں جس دروازے سے کرسٹی اندر آئی اور دوڑتی باہر چلی گئی تھی۔

اس کی نظریں ایک بار پھر کھانے سے اٹھ کر دروازے پر چلی گئیں۔ دروازے کے ساتھ ہی دوسری دیوار میں کھڑکی تھی۔ کھڑکی کا ایک کواڑ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اسطافت نے دیکھا کہ اسے کرسٹی کا آدھے سے کچھ کم چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ایک آنکھ اور ایک طرف کا آدھا گال اور آدھے ہونٹ دکھائی دے رہے تھے۔ یہ ہونٹ ہلکی سی مسکراہٹ سے کھلے ہوئے تھے۔ چہرہ نئے چاند کی طرح نظر آتا تھا۔ کوئی شک نہ رہ گیا کہ کرسٹی اسطافت کو دیکھ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی وہ صاف بتاتی تھی کہ جس طرح اسطافت کرسٹی کو ایک بار پھر دیکھنے کو بے تاب تھا اسی طرح کرسٹی بھی اسطافت کو اچھی طرح دیکھنے کو بے تاب تھی۔ اتنی حسین اور پُرکشش لڑکی کے آدھے چہرے کو دیکھ کر اسطافت بے کل اور بے قرار ہو گیا۔ وہ اس معصوم اور حسین چہرے کو اور کرسٹی کے سروقد سراپا کو اپنے سامنے اور قریب دیکھنے کو تڑپنے لگا۔ کچھ دیر بعد یہ ذرا سا چہرہ بھی وہاں سے ہٹ گیا جیسے نئے چاند کو گھٹا نے نگل لیا ہو۔

"میں اس بیٹی کو چھپا چھپا کر رکھتا ہوں" —— میزبان بزرگ نے کہا۔

"کیوں؟" —— اسطافت نے پوچھا —— "کس کی طرف سے آپ کو خطرہ ہے؟ مجھے بتائیں، میں اسے دنیا کے تختے سے اٹھا دوں گا"۔

"مسلمانوں کے ڈر سے!" —— بزرگ نے جواب دیا —— "کرسٹی پر کسی مسلمان کی نظر پڑ گئی تو پھر میری یہ بیٹی مجھے باقی عمر نظر نہیں آئے گی۔ سنا ہے مسلمان سپاہی کرسٹی جیسی کسی لڑکی کو دیکھتے ہیں تو اسے اٹھا کر لے جاتے اور اپنے کسی سالار کو بطور تحفہ پیش کرتے ہیں"۔

"آپ نے غلط سنا ہے محترم بزرگ!" —— اسطافت نے کہا —— "مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسی اجازت نہیں اور مسلمانوں کا ذاتی اخلاق بھی ایسا ہے کہ وہ کسی لڑکی

کی طرف دیکھتے ہی نہیں۔ میں اُس وقت سے ان کے ساتھ ہوں جب انہوں نے فرما شہر فتح کیا تھا۔ میں نے کبھی کسی سالار کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں دیکھی نہ ہی کسی مسلمان سپاہی کو کہیں سے لڑکی لاتے اور کسی سالار کو پیش کرتے دیکھا ہے"۔

میزبان بزرگ اور پادری ہنس پڑے۔ ان کی اس ہلکی سی ہنسی میں طنز تھا۔

"تم نہیں جانتے ہمارے معزز مہمان!" —— پادری نے کہا —— "تمہارے دل میں مسلمانوں کا احترام بھی ہے اور ان کی محبت بھی ..... یہ کوئی بُری بات نہیں۔ ہم صرف یہ سوچ کر تمہارے ساتھ یہ قصہ چھیڑ بیٹھے ہیں کہ تم عیسائی ہو اور اب تک بہت سی عیسائی لڑکیاں مسلمانوں کے قبضے میں جا چکی ہیں۔ تمہیں کسی سالار کے پاس کوئی عیسائی لڑکی اس لئے نظر نہیں آئی کہ یہ کرسٹی جیسی معصوم لڑکیوں کو مدینہ بھیج دیتے ہیں۔ تم مصری بدّو گھروں سے دور ہو اور کچھ عرصے سے گھروں کو نہیں گئے۔ جب کبھی واپس جاؤ گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ تمہاری کتنی لڑکیاں مدینہ پہنچ چکی ہیں"۔

"میں اتنا ضرور مانتا ہوں" —— میزبان بزرگ بولا —— "کہ مسلمان دوسری فاتح قوموں جیسے نہیں۔ دوسرے فاتحین تو کوئی شہر فتح کرتے ہی وہاں کی عورتوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ وہ مفتوحین کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بن جاتے ہیں لیکن درپردہ کسی حسین دوشیزہ کو دیکھ کر اٹھوا لیتے ہیں"۔

"مسلمان پہلے اپنے اچھے اخلاق کا اثر ڈالتے ہیں" —— پادری نے کہا —— "جب ان کا قبضہ مکمل ہو جاتا ہے تو مفتوحہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ میں ملک شام میں دیکھ آیا ہوں۔ وہاں کے عیسائی رومیوں کو اور ہرقل کو اب یاد کرتے ہیں۔ جن عیسائیوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی، اب جا کر ان کی حالتِ زار دیکھو جو مسلمانوں نے کر دی ہے"۔

اسطافت حیرت زدگی کے عالم میں ان دونوں معزز بوڑھوں کے چہروں پر نظر گاڑے ہوئے تھا۔ اس نے مسلمانوں کے کردار کا ایک ہی روپ دیکھا تھا اور اسے یقین تھا کہ مسلمانوں کے کردار کا اصلی روپ یہی ہے۔ اس نے ابھی کوئی قابلِ اعتراض حرکت نہیں دیکھی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے جو تاثرات تھے ان میں پریشانی اور تذبذب کی جھلک بھی تھی۔ وہ مسلمانوں کے کردار کے خلاف کوئی بات ماننے پر اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے پادری اور میزبان کو بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ ان دونوں بوڑھوں کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں سچائی کی جھلک پوری طرح نمایاں

ی۔ دونوں بوڑھے باری باری مجاہدینِ اسلام کے خلاف زہر اگلتے رہے۔

"مجھے یہ بتائیں میں کیا کر سکتا ہوں" ـــــ اسطافت نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا کہنے لگا ـــــ "کیا میں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دوں؟"

"تم ان کا ساتھ چھوڑ دو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا" ـــــ پادری نے کہا ـــــ "اگر تمہارے دل میں عیسائیت کا احترام اور عیسائیوں کی محبت ہے تو تم بہت کچھ کر سکتے ہو۔ یہ سوچ لو کہ مسلمانوں نے اگر سکندریہ بھی فتح کر لیا اور پورا مصر ان کے ہاتھ آ گیا تو پھر شام کی طرح اس ملک میں بھی کوئی ایک بھی گرجا کھڑا نہیں رہے گا۔ پادریوں کو قتل کر دیا جائے گا.... تم اپنے پورے قبیلے سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لشکر سے نکل جائیں لیکن یہ بھی کافی نہیں۔ تمہارے ساتھ دوسرے قبیلوں کے سردار بھی ہیں۔ انہیں یہ ساری باتیں بتاؤ اور انہیں آمادہ کرو کہ وہ اپنے قبیلوں کو یہاں سے واپس اپنے گھروں میں لے جائیں پھر انہیں یہ بتائیں کہ تمہارے لئے صرف رومی اچھے ہمدرد اور مخلص ہیں"۔

"میں یہ بھی کافی نہیں سمجھتا" ـــــ میزبان بوڑھے نے کہا ـــــ "یہ لوگ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ہی رہیں اور ان کی لڑائی لڑنے کی بجائے انہیں دھوکہ دیں اور انہیں نقصان پہنچائیں"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ـــــ اسطافت نے پوچھا۔

"میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ تمہارے قبیلے کیا کریں گے" ـــــ میزبان نے کہا ـــــ "مسلمان کسی شہر کو محاصرے میں لئے ہوئے ہوں یا رومیوں کے ساتھ کہیں کھلے میدان میں لڑائی ہو رہی ہو تو بدّو مسلمانوں کی پیٹھ پر وار کریں اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دیں۔ اگر میری یہ تجویز اچھی لگے تو کل سے ہی اپنے سرداروں کو اس کے لئے تیار کرنا شروع کر دو۔ تم دیکھو گے کہ مسلمان کریون کو فتح کئے بغیر اس شہر کی دیواروں کے باہر ہی مُردہ پڑے ہوں گے یا اپنی عورتوں کو بھی یہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ صرف تمہارے بدّو ہی نہیں، یہاں تو بے شمار قبطی عیسائی بھی مسلمانوں کی مدد کر رہے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے جو خدا بخشے گا نہیں اور قبطی عیسائیوں کو عبرت ناک سزا ملے گی"۔

"میرے محترم بزرگ!" ـــــ اسطافت نے کہا ـــــ "آپ غالباً بھول گئے ہیں کہ یہاں کے قبطی مسلمانوں کی مدد کو کیوں آگے آ گئے ہیں۔ کیا آپ قبطیوں کا قتلِ عام

بھول گئے ہیں جو شاہ ہرقل اور اسقفِ اعظم قیرس نے کیا تھا؟ اصل اسقفِ اعظم بنیامین ہے جو آج تک جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ ہم بدّوؤں کو تو رومی فوج اپنا زر خرید غلام سمجھتی ہے"۔

"مصر میں انقلاب آ رہا ہے" ـــــ پادری نے کہا ـــــ "شاہ ہرقل مر چکا ہے۔ اس کا بیٹا قسطنطین بھی مر گیا ہے۔ قیرس خود کمک لایا ہے۔ میں سکندریہ سے آ رہا ہوں۔ قیرس نے لوگوں کے ایک بہت ہی بڑے ہجوم سے خطاب کیا ہے اور قبطی عیسائیوں سے معافی مانگی ہے اور اس نے اعلان کیا ہے کہ اب مصر میں عیسائیت کا راج ہوگا اور اس پر بزنطیہ کے شاہی خاندان کا کوئی حکم نہیں چلے گا۔ ہم بہت سے پادری بزنطیہ سے آئے ہیں اور یہاں کے عیسائیوں کو یہی بات بتا رہے ہیں کہ اب ہرقل کی فرعونیت اور اس کی بنائی ہوئی عیسائیت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے"۔

اسطافت کے چہرے پر شش و پنج کے تاثرات کچھ زیادہ نمایاں ہو گئے۔ اس کے پاس تو جیسے کوئی اور سوال یا شک یا کوئی اور بات ہی نہیں تھی۔ اس دوران اس نے تین چار بار کھڑکی کی طرف دیکھا جس کا ایک کواڑ ذرا سا کھلا ہُوا تھا۔ اسے کرسٹی کا چہرہ پھر نظر آیا اور اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پہلے سے زیادہ تھی۔ یہ مسکراہٹ اسطافت کو ایک پیغام دے رہی تھی۔ وہ آخر بدّو تھا، سردار بھی تھا۔ اس کا ذہن علم و فضل سے خالی تھا۔ اس نے دوسری بار کرسٹی کو دیکھا تو اس کا سارا دھیان اور دلچسپیاں اس چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

وہ کھانا کھا چکے تھے اور ملازم برتن اٹھا کر لے گئے تھے اور باہر رات تاریک ہو گئی تھی۔ میزبان بزرگ نے اسطافت سے کہا کہ اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ رات اس کا مہمان رہے۔ اسطافت کا کام رسد فراہم کرنا تھا جو اس نے کر دی تھی۔ وہ رات کے لئے وہاں رک سکتا تھا اور رک گیا۔ وہ اس امید پر رکا تھا کہ کرسٹی کا چہرہ اور سراپا اسے ایک دوبار شاید پھر دکھائی دے گا۔

○

ان دونوں بوڑھوں نے اسطافت کو ایسا اعزاز اور احترام دیا جیسے وہ شاہی خاندان کا فرد ہو۔ انہوں نے اس مصری بدّو کو اسی مکان میں الگ کمرہ نہ دیا بلکہ ایک مکان میں اس کے سونے کا انتظام کیا۔ اسے اس مکان میں لے گئے۔ چھوٹا سا سادہ مکان خاصا خوبصورت،

صاف ستھرا اور ہر طرح سے آراستہ تھا۔ موسم ایسا تھا کہ اس کے لئے پلنگ صحن میں بچھایا گیا۔

اسے اس مکان میں چھوڑ کر دونوں بوڑھے شب بخیر کہہ آئے۔ کچھ دیر بعد ایک ادھیڑ عمر ملازمہ آئی اسے کہا کہ وہ کسی بھی چیز کی کمی محسوس کرتا ہو تو بتادے۔ اسطافت نے اس ملازمہ کے ساتھ بڑی شفقت سے باتیں کیں۔ ملازمہ نے ایسا انداز اختیار کر لیا جیسے وہ اسطافت کی خدمت میں فخر محسوس کر رہی ہو۔ وہ ذہنی طور پر خاصی ہوشیار بلکہ چالاک معلوم ہوتی تھی۔

"اگر آقا بُرا نہ مانیں تو ایک بات کہوں!" ——— ملازمہ نے کہا۔

"جو دل میں آتی ہے وہ ضرور کہو" ——— اسطافت نے اپنی مخصوص زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ——— "بات بُری ہوئی تو بھی بُرا نہیں مانوں گا"۔

"آپ نے شاید اپنے میزبان کی نوخیز بیٹی کی ایک جھلک دیکھی ہو گی" ——— ملازمہ نے رازدارانہ لہجے میں کہا ——— "وہ آپ کے آگے شراب رکھنے گئی تھی۔ وہ اُسی وقت سے بے چین ہے اور تھوڑی سی دیر کے لئے آپ کے پاس بیٹھنا چاہتی ہے۔ کیا آپ اسے یہاں آنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟"

"کیا وہ فوراً آنا چاہتی ہے؟" ——— اسطافت نے پوچھا۔

"نہیں آقا!" ——— ملازمہ نے جواب دیا ——— "وہ تنہائی کی ملاقات چاہتی ہے اور اُس وقت آئے گی جب سب سو جائیں گے .... میں آپ کو صحیح بات بتادیتی ہوں۔ وہ تو آپ پر مرمٹی ہے۔ اسے آنے کی اجازت دے دیں ورنہ بہت مایوس ہو گی"۔

"میں جانتا ہوں اس لڑکی کا نام کرسٹی ہے" ——— اسطافت نے کہا اور پوچھا ——— "کیا تمہارے آقا کی کوئی اور بھی بیٹی ہے؟"

"کرسٹی دراصل میرے آقا کی سگی بیٹی نہیں" ——— ملازمہ نے کہا ——— "یہ تو ملک شام کی رہنے والی ہے۔ یہاں پر اس طرح پہنچی تھی کہ شام میں جب جنگ جاری تھی تو کرسٹی کا باپ اور بھائی جو اس سے چھوٹے تھے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ کرسٹی پہلے ہی بھاگ کر گرجے میں جا چھپی تھی۔ اس کی ماں کی عمر تقریباً چالیس سال تھی اور وہ اپنی اس بیٹی سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ایک مسلمان اسے لے اڑا....

"کرسٹی کو اس گرجے کے پادری نے اپنی پناہ میں لے لیا اور جب روم کی فوج وہاں

سے پسپا ہوئی تو وہ پادری بھی فوج کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ کرسٹی اس کے ساتھ تھی۔ فوج نے پادری اور کرسٹی کو اپنے ساتھ رکھا اور کچھ عرصہ بعد یہ دونوں مصر آپہنچے۔ وہ پادری کرسٹی کو کسی اچھے گھر کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ میرے آقا کو پتہ چلا' اس نے کرسٹی کو گرجے میں جا کر دیکھا اور اسے لڑکی ایسی معصوم لگی کہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا اور سگی بیٹی بنا لیا۔ اب آقا اس کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن لڑکی نے کہہ دیا ہے کہ اسے جو آدمی اچھا لگے گا اس کے ساتھ شادی کرے گی ....

"یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارے ہاں نہ لڑکی پر پابندی ہوتی ہے نہ لڑکے پر۔ ہماری ہر شادی اپنی پسند اور محبت کی شادی ہوتی ہے۔ کرسٹی کو کئی نوجوانوں کے محبت کے پیغام ملے اور کئی نوجوانوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی لیکن کرسٹی نہ جانے کس قسم کے آدمی کو پسند کرے گی۔ وہ کہتی ہے کہ ضروری نہیں کہ وہ کسی ہم عمر کے ساتھ شادی کرے گی۔ وہ تو کسی ادھیڑ عمر آدمی کو بھی پسند کر لے گی بشرطیکہ وہ آدمی اس کے معیار پر پورا اُترتا ہو۔ میں تو اسے عجیب لڑکی کہوں گی۔ ہو سکتا ہے اسے آپ ہی اچھے لگے ہوں"۔

اسطافت کو تو یوں لگا جیسے اس کے وجود میں ہوا بھر گئی ہو اور وہ فضا میں اُڑ رہا ہو۔ اس نے ملازمہ سے کہا کہ وہ کرسٹی سے کہہ دے کہ وہ اس کے انتظار میں جاگتا رہے گا۔ ملازمہ چلی گئی۔



اسطافت دن بھر کا تھکا ہُوا تھا۔ اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی لیکن کرسٹی کا انتظار اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔ کبھی وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا کہ اتنی حسین اور نوخیز لڑکی اس کے پاس آ رہی ہے اور کبھی اسے یوں محسوس ہونے لگتا جیسے اس کے ساتھ کوئی دھوکہ ہو رہا ہے یا وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اسے اپنے متعلق معلوم تھا کہ وہ خوبرو آدمی ہے۔ وہ تھا تو بدّو لیکن اس کا رنگ کالا یا سانولا نہیں بلکہ بڑا صاف اور کھلا ہُوا رنگ تھا۔ اگر وہ سیاہ رُو ہوتا تو پھر اُس کا یہ شک بجا ہوتا کہ اس کے ساتھ کوئی دھوکہ ہو رہا ہے اور اتنی حسین و جمیل لڑکی اس کے پاس نہیں آ سکتی۔

چاندنی بڑی صاف اور سفید تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چاند ایک مقام پر رک گیا ہے اور رات آگے بڑھ ہی نہیں رہی۔ وہ انتظار کی اذیت برداشت کرتا رہا اور

آخر دروازہ بڑی آہستہ سے کھلا۔ اسطافت کا انگ انگ بیدار ہو گیا۔

کرسٹی اس طرح دروازے کے اندر آئی جیسے ہوا کا ہلکا سا جھونکا آیا ہو۔ اسطافت نے چاہا کہ وہ دوڑ کر کرسٹی کو بازوؤں میں سمیٹ لے اور اسے اٹھا کر وہاں سے بھاگ جائے اور اپنے خیمے میں جا دم لے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا۔ کرسٹی آہستہ آہستہ چلی آ رہی تھی۔

وہ جب اسطافت کے قریب پہنچی تو اسطافت نے اسے پلنگ پر بٹھا لیا اور اس نے بازو لمبا کیا کہ کرسٹی کو بازو میں لے کر اپنے قریب کر لے لیکن کرسٹی پیچھے کو سرک گئی۔

"کیوں؟" —— اسطافت نے کہا —— "خطرہ مول لے کر آئی ہو اور شرم و حجاب کا یہ عالم!"

"پہلے کچھ باتیں کرنی ہیں" —— کرسٹی نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا —— "میں وقتی سکون اور لذّت کے لئے نہیں آئی، ساری عمر کے ساتھی کی تلاش میں آئی ہوں۔ آپ کو دیکھ کر میرے دل سے آواز اٹھی ہے کہ یہ ہے وہ شخص جس کے انتظار میں تم گھڑیاں گن رہی ہو۔ میں تو ہمیشہ کے لئے آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں"۔

"لیکن یہ سوچ لو کرسٹی!" —— اسطافت نے کہا —— "میری ایک بیوی اور دو بچے ہیں"۔

"کیا ایسے آدمیوں کی کمی ہے جنہوں نے چار چار پانچ پانچ اور بعض نے اس سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی ہیں؟ میں تو آپ کی داشتہ بننے کے لئے بھی تیار ہوں اور آپ کی بیوی کی لونڈی بن جاؤں گی لیکن میری ایک شرط ہے"۔

"میں تمہاری ہر شرط پوری کروں گا" —— اسطافت نے کہا —— "ایک نہیں تم ایک سو شرطیں زبان پر لاؤ، میں جان پر کھیل کر ہر شرط پوری کروں گا"۔

اسطافت نے بھولے سے بھی نہ سوچا کہ وہ چالیس سال سے کچھ زیادہ عمر کا آدمی اور دور دراز صحرا میں رہنے والا پس ماندہ بدّو، اتنی حسین اور نوخیز لڑکی جو اس پر مرمٹی ہے اور اپنی شرط صرف اس کے آگے رکھ رہی ہے یہ کوئی دھوکہ اور فریب ہی نہ ہو۔ اسطافت پر پہلے شراب کا نشہ طاری تھا، اس میں کرسٹی کا نشہ شامل ہو گیا اور اسطافت خواب و خیال کی بڑی ہی حسین وادی میں جا نکلا۔ کرسٹی نے اپنے متعلق اسے وہی بات بتانی شروع کر دی جو ملازمہ پہلے سنا گئی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ملازمہ نے سپاٹ سے

لہجے میں بات مختصر کر کے سنائی تھی اور کرسٹی کا انداز جذباتی تھا اور وہ تفصیلات سنا رہی تھی۔ سناتے سناتے اس کی آواز جذبات کی شدت سے بھرا جاتی تھی۔ اس دوران اسطافت نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا لیکن کرسٹی نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"مجھے میرا باپ واپس نہیں مل سکتا" —— کرسٹی نے ساری بات سنا کر کہا —— "مجھے بھائی واپس نہیں مل سکتے اور مجھے وہ پیاری ماں بھی واپس نہیں مل سکتی جسے مسلمان زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن مجھے پوری امید ہے وہ شخص ضرور ملے گا جو ان سب کا انتقام لے کر میرا جلتا ہوا سینہ ٹھنڈا کر دے گا۔ میں اپنے حسن اور اپنے اس جسم کی لطافت اس شخص کی گود میں ڈال دوں گی خواہ وہ کوئی کالا کلوٹا اور بھدا بدصورت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تو اتفاق کی بات ہے کہ آپ جیسا خوبرو اور طاقتور انسان مجھے مل گیا ہے اور میرے دل نے اسے قبول کر لیا ہے"۔

"صرف ایک بات بتا دو کرسٹی!" —— اسطافت نے پوچھا —— "کیا تمہاری شرط یہ ہے کہ میں پہلے تمہارے ماں باپ اور بھائیوں کا انتقام لوں اور اس کے بعد تم میرے ساتھ شادی کرو گی؟"

"ہاں!" —— کرسٹی نے جواب دیا —— "میری شرط یہی ہے۔ اگر آپ تھوڑے سے عرصے میں میری یہ شرط پوری نہ کر سکے تو میں اپنی محبت قربان کر دوں گی اور پھر کبھی آپ کی صورت بھی نہیں دیکھوں گی .... میں آپ کو یہ بتا دوں کہ آپ میری پہلی اور آخری محبت ہیں۔ ایسی محبت مرا نہیں کرتی جو اچانک کسی کو صرف ایک نظر دیکھنے سے دل پر قابض ہو جاتی ہے"۔

اسطافت کی جذباتی حالت کچھ اس طرح ہو گئی تھی کہ وہ کرسٹی کی باتیں اتنے زیادہ دھیان سے نہیں سن رہا تھا جتنے دھیان سے اس کے چہرے اور سراپا کو دیکھ رہا تھا۔ چاندنی سیدھی کرسٹی کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس چاندنی میں کرسٹی کی آنکھوں کی چمک میں ایسا طلسم تھا جس نے اسطافت کو بے حال کر دیا تھا۔ وہ تو بڑی ہی مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ کرسٹی کی طرف سے ذرا سا اشارہ بھی ملتا تو اسطافت اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتا اور کہتا کہ باقی عمر وہ کرسٹی کو اپنے سینے سے لگائے گزار دے گا۔ آخر وہ بے تاب ہو گیا۔

"کرسٹی!" —— اسطافت نے التجا کے لہجے میں کہا —— "تم نے میرے وجود میں جو

آگ لگادی ہے یہ مجھے راکھ کردے گی۔ اگر شادی پہلے ہو جائے تو مجھے نیا حوصلہ اور تروتازہ دلولہ ملے گا۔ پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں"۔

"نہیں!" ___ کرسٹی نے سرزور زور سے ہلاتے ہوئے کہا ___ "میں شادی کی زنجیر میں جکڑی گئی تو پھر رہائی مشکل ہو جائے گی۔ میں مرد کی فطرت سے واقف ہوں۔ پہلے میری شرط پوری کریں"۔

اسطافت کی حالت اب اُس پیاسے انسان جیسی ہو گئی تھی جو پیاس سے مراجارہا ہو اور پانی اس کے سامنے پڑا ہو لیکن پی نہ سکتا ہو۔ کبھی تو کرسٹی اسے سراب کی طرح نظر آتی تھی جس تک پہنچنے کے لئے صحرانورد چلتے ہی جاتے ہیں اور آخر گر پڑتے اور ریت ان کی زندگی کی نمی چوس لیتی ہے.... اچانک اسے ایک خیال آگیا اور وہ بیدار ہو گیا۔

"ایک بات تو تم نے بتائی ہی نہیں" ___ اسطافت نے کہا ___ "میں تمہارے ماں باپ اور بھائیوں کا انتقام لوں گا کس طرح؟ کس سے انتقام لوں گا؟"

"آپ اپنے قبیلے کے سردار ہیں" ___ کرسٹی نے پُراعتماد لہجے میں کہا ___ "اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہیں کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ آپ کے ساتھ دوسرے قبیلوں کے سردار بھی ہوں گے۔ انہیں بھی کہیں کہ اپنے قبیلے کے آدمیوں کو یہاں سے غائب کرنا شروع کر دیں اور وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کے لشکر سے نکلتے جائیں.... یہ کام ایسا ہے جو ذرا آہستہ آہستہ ہوگا' ایک کام آپ فوراً" کرسکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس لشکر کے سپہ سالار کو قتل کر دیں"۔

"سپہ سالار کا قتل ممکن نہیں" ___ اسطافت نے کہا ___ "وہ اس لئے کہ سپہ سالار کو اس کے محافظ اپنے حصار میں لئے رکھتے ہیں۔ وہ رات جس خیمے میں سوتا ہے اس خیمے کے اردگرد محافظ موجود اور بیدار رہتے ہیں۔ میں دوسرے سالاروں کو قتل کر سکتا ہوں۔ تم ایک سپہ سالار کی بات کرتی ہو' میں اتنے سارے سالاروں کو ماردوں گا اور ماروں گا ایسے طریقے سے کہ پکڑا نہیں جاؤں گا۔ سالاروں کا قتل اس لئے آسان ہے کہ وہ لڑائی کے دوران ہر طرف بھاگتے دوڑتے رہتے ہیں اور کسی بھی گھمسان کے معرکے میں انہیں قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر دو تین سالار قتل ہو گئے تو مسلمان بہت کمزور ہو جائیں گے اور میں دوسرا کام یہ کروں گا کہ اپنے قبیلے کے آدمیوں کو وہاں سے نکالوں گا اور واپس بھیجنا شروع کر دوں گا"۔

"یہی کام کر دیں" ___ کرسٹی نے کہا ___ "میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ کریون کے اردگرد کی زمین مسلمانوں کا قبرستان بن جائے اور ان کی عورتیں رومی فوج کے قبضے میں چلی جائیں.... ضروری بات یہ ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ میں یہاں آپ کے پاس آئی تھی"۔

کرسٹی اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف چل پڑی۔ اسطافت کو یوں لگا جیسے اس کا دل اس کے سینے سے نکل کر کرسٹی کے قدموں میں جا پڑا ہو۔ کرسٹی دروازے تک پہنچ کر پیچھے کو مڑی۔

"میں انتظار کروں گی" ___ کرسٹی نے کہا اور دروازے میں سے نکل گئی۔

اسطافت کی نظریں دروازے پر لگی رہیں۔ اسے تو جیسے احساس ہی نہیں ہُوا تھا کہ یہ نوخیز کلی اتنی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی ہے۔ وہ تو یوں آئی اور گئی جیسے بجلی چمک کر پھر اندھیرا کر گئی ہو۔ یہ ایک احساس تھا جو اسطافت کو بے حال کر گیا۔ وہ کرسٹی کی شرطیں پوری کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔



صبح طلوع ہوئی تو دو ملازم آئے۔ انہوں نے اسطافت کے غسل کا انتظام کیا اور دونوں اُس وقت تک حاضری میں کھڑے رہے جب اسطافت غسل کر کے اور کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔ پھر اس کے لئے بڑا ہی پُرتکلّف اور مرغن ناشتہ آیا۔

وہ ناشتے سے فارغ ہُوا ہی تھا کہ بوڑھا پادری میزبان بزرگ کے ساتھ آگیا۔ انہوں نے اسطافت کے ساتھ ایسا رویّہ اختیار کیا جیسے وہ کوئی بہت ہی اونچی شخصیت ہو۔ خوشامدانہ لہجے اور انداز میں اس سے پوچھا کہ رات کیسی گزری اور اسے کوئی تکلیف یا بے آرامی تو نہیں ہوئی!.... اسطافت پر ابھی تک کرسٹی کے حُسن اور اس کی دوشیزگی کا خمار طاری تھا۔ دونوں بوڑھوں نے باتوں باتوں میں وہی بات چھیڑ دی جو گزشتہ رات انہوں نے اسطافت کے ساتھ کی تھی۔ وہ اسی پر زور دے رہے تھے کہ اب مصر میں عیسائیت کا راج ہوگا۔

اسطافت کی جذباتی اور ذہنی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اسے دنیا سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی تھی۔ گزشتہ رات کرسٹی نے اس کے ساتھ یہی باتیں کی تھیں جو اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں اور وہ اپنے وجود میں انتقام کی تپش محسوس کر رہا تھا۔

"میں نے کچھ فیصلے اور کچھ ارادے کر لئے ہیں" ــــ اسطافت نے پُرعزم لہجے میں کہا ــــ "میں یسوع مسیح کے مقدس نام پر مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچاؤں گا جس سے ان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ سوچا تھا کہ ان کے سپہ سالار کو ہی قتل کر دوں لیکن یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ ہر وقت اپنے محافظوں کے نرغے میں رہتا ہے اس کی بجائے میں سالاروں کو قتل کر دوں گا اور اس کے ساتھ ہی اپنے قبیلے کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دوں گا کہ وہ دو چار چار کر کے لشکر سے نکلیں اور اپنے گھروں کو پہنچیں"۔

"واہ واہ!" ــــ پادری نے بے ساختہ خراجِ تحسین پیش کرنے کے لہجے میں کہا ــــ "یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر تم یہ کام کر دو تو تمہیں اس دنیا کی بادشاہی ملے گی"۔

دونوں بوڑھے کچھ دیر اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے اور جب اسطافت نے کہا کہ بہت وقت گزر گیا ہے اور اب اسے واپس جانا چاہئے' اُس وقت تک اسطافت کے اندر مسلمانوں کی عداوت بھڑکتی ہوئی آگ کی صورت اختیار کر چکی تھی اور اب وہ آگ بگولے کی صورت میں ان سے رخصت ہُوا۔

وہ جب اس گاؤں سے نکلا تو بار بار پیچھے دیکھتا تھا۔ اسے اپنے بزرگ میزبان کی منڈیر پر کرسٹی نظر آگئی جو ہاتھ اوپر کئے ہلا رہی تھی۔ اسطافت کے عزم اور عہد تر و تازہ اور مکمل طور پر مستحکم ہو گئے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور کچھ ہی دیر بعد مجاہدین کے لشکر میں جا پہنچا۔

کریون کی جنگ جاری تھی۔ مجاہدین کریون کی دیواروں تک پہنچنے کے ابھی خواب دیکھ رہے تھے۔ رومیوں نے تو جیسے عہد کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر پسپا کریں گے یا موت قبول کر لیں گے۔ بزنطیہ سے جو کمک آئی تھی اس میں سے کچھ دستے سکندریہ سے کریون بھیج دیئے گئے تھے۔ ان دستوں کو مسلمانوں کے خلاف میدان میں اترنے کا پہلا تجربہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت کی بہت باتیں سنی تھیں۔ قیرس نے انہیں بھڑکا اکسا کر کریون بھیجا تھا۔ یہی دستے تھے جو جانوں کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے اور ان کی دیکھا دیکھی روم کی جو فوج پہلے ہی مصر میں تھی اور مسلمانوں سے خوف زدہ تھی' بے جگری سے لڑ رہی تھی۔

اگلے آٹھ نو روز اس میدان میں ایسے ہی معرکے لڑے جاتے رہے جن میں سے پہلے روز کا معرکہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ ہر روز یہی منظر دیکھنے میں آتا تھا کہ کسی

دن رومی پیچھے ہٹ جاتے اور ان کا جانی نقصان خاصا زیادہ ہوتا اور کبھی مجاہدین رومیوں کا دباؤ اور ان کے تابڑ توڑ حملے برداشت نہ کر سکتے اور لاشیں پیچھے چھوڑ کر پسپا ہو آتے تھے۔ ...فتح اور شکست کا فیصلہ ہوتا ہی نہیں تھا نہ ہوتا نظر آتا تھا۔

کریون کی اس جنگ کا آخری معرکہ سنانے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُس محاذ کا ذکر مکمل کر دیا جائے جو قیرس نے مسلمانوں کے خلاف تیار کیا تھا۔ یہ کہنا کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اس محاذ کی خبر نہیں تھی صحیح نہیں۔ جاسوس مجاہدین میدانِ جنگ کے ارد گرد کے دیہات میں مصری دیہاتیوں کے بہروپ میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ وہ زیادہ تر یہ دیکھتے تھے کہ مقامی لوگوں کی سوچ مجاہدین اسلام کے متعلق کیا ہے اور ان کی درپردہ سرگرمیاں کیا ہیں۔ ان جاسوسوں نے دیہات میں کچھ مخبر بنا لئے تھے جو لوگوں کے گھروں کے اندر کی باتیں بھی بتا دیتے تھے۔

قیرس کے زمین دوز محاذ کو بیان کرنے کے لئے ان دو بوڑھوں' اسطافت اور کرسٹی کا واقعہ بیان کر دینا ہی کافی ہے۔ ہم یہ واقعہ اس کے انجام تک سنا دیتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جائے گا کہ قیرس کا محاذ کیا کارروائیاں کرتا تھا اور مجاہدینِ اسلام کے پاس اس کا کیا توڑ تھا' کوئی توڑ تھا بھی یا نہیں۔

کریون کی جنگ کے دوران جاسوس مجاہدین اور مخبر اطلاعیں دینے لگے تھے کہ دیہات میں پادری قسم کے افراد پھیل گئے ہیں اور وہ لوگوں کو اسلام کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ عیسائی مخبروں نے بتایا کہ گرجوں میں پادری خطبہ دیتے ہیں تو ان میں بھی اسلام کے خلاف باتیں ہوتی ہیں لور یہ باتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ مسلمان مصر پر قابض ہو گئے تو سب کو زبردستی مسلمان بنا لیں گے اور تمام کی تمام خوبصورت عیسائی لڑکیوں کو اپنے پاس رکھ لیں گے۔

مخبر اور اپنے جاسوس یہ بھی اپنے سپہ سالار کو بتا رہے تھے کہ قبطی عیسائیوں کو یسوع مسیح کے نام پر کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ ذرا سا بھی تعاون نہ کریں۔ کچھ دنوں بعد یہ اطلاع بھی مل گئی کہ بدّوؤں کو بھی مجاہدین کے لشکر سے لاتعلق کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے پاس اتنی نفری نہیں تھی کہ کچھ نفری کو دیہات میں پھیلا دیتے اور ان پادریوں وغیرہ کا منہ بند رکھتے۔ کریون کی جنگ کے

لئے توانہیں اور زیادہ نفری کی ضرورت تھی۔

سپہ سالار یہی کر سکتے تھے جو انہوں نے بہت دن پہلے کر دیا تھا۔ انہوں نے حکم جاری کیا تھا کہ لشکر کے ساتھ جو بدّو اور قبطی عیسائی ہیں انہیں باہر کا کوئی آدمی نہ ملے اور نہ ہی یہ باہر کے کسی آدمی کے ساتھ تعلق رکھیں لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ بدّوؤں کی وہ نفری جو دیہات سے رسد اکٹھی کرنے پر مامور تھی وہ تو باہر کے لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھتی ہی تھی ورنہ اپنے کام میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ان بدّوؤں کو لوگوں سے دور رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ مثلاً اسطافت اس گاؤں گیا اور ایک رات وہاں ٹھہرا بھی لیکن پیچھے لشکر میں اس کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے پورا کر رہا تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اپنے جاسوسوں کی رپورٹیں تو مل رہی تھیں لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ قیرس کا یہ محاذ کتنا گہرا، کتنا مضبوط اور خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ انہیں صرف اللہ پر بھروسہ تھا جس کے نام پر وہ حق و باطل کے معرکے لڑ رہے تھے۔

○

کریون کی جنگ کے دوران کا واقعہ ہے کہ جاسوسوں نے ایک گاؤں کی رپورٹ دی جو کچھ زیادہ ہی تشویشناک تھی۔ رپورٹ یہ تھی کہ اس گاؤں میں ایک بوڑھا پادری آگیا ہے اور اس نے آتے ہی اپنے گھر میں عبادت کے لئے گرجا بنا لیا ہے۔ گاؤں کے لوگ اس گرجے میں جاتے ہیں اور پادری انہیں اسلام کے خلاف خطبے دیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جن قبطی عیسائیوں کے عزیز رشتہ دار مسلمانوں کے لشکر کے لئے کام کر رہے ہیں ان رشتہ داروں کو اس لشکر سے ہٹا کر واپس لے آئیں۔ مطلب یہ کہ یہ پادری نظریاتی قسم کی تخریب کاری کر رہا تھا۔

اس رپورٹ میں یہ بھی تھا کہ اس گاؤں کا بوڑھا سردار زمین دوز کارروائیوں میں بہت ہی سرگرم ہے۔ مخبروں نے یہ بھی بتایا کہ ان بدّوؤں کا ایک سردار جو مجاہدین کے لشکر کے ساتھ ہے، گاؤں کے اس سردار کے گھر دو تین مرتبہ آچکا ہے اور ایک دو راتیں وہاں ٹھہرا بھی ہے۔

یہ اسی گاؤں کی رپورٹ تھی جس گاؤں میں اسطافت گیا تھا اور اسے کرسٹی ملی تھی۔ یہ پادری وہی تھا اور گاؤں کا سردار بھی وہی تھا جن دونوں نے اسطافت کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا۔ مخبروں نے یہ شک بھی ظاہر کیا کہ گاؤں کے سردار کی ایک بیٹی بہت ہی

خوبصورت اور نوجوان ہے اور اسے بدّوؤں کے سردار کو مجاہدین کے لشکر کے خلاف استعمال کرنے کے لئے کام میں لایا جا رہا ہے۔

مجاہدین کے لشکر کے ایک سالار مقدادؓ بن اسود کریون کے پہلے معرکے میں زخمی ہو گئے تھے۔ زخم ایک ٹانگ پر تھا اور دایاں بازو بھی زخمی تھا۔ سالار اور مجاہدین زخموں کی پرواہ کئے بغیر لڑا کرتے تھے۔ وہ اُس وقت تک لڑتے رہتے جب تک کہ زخم انہیں گرا کر بے ہوش نہ کر دیتے لیکن سالار مقدادؓ کے زخم ایسے تھے کہ وہ میدانِ جنگ میں گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ لڑائی کے دوران گھوڑے کو قدم قدم پر دائیں بائیں، آگے اور پیچھے کرنا ہوتا تھا لیکن سالار مقدادؓ لگام کو اچھی طرح ہاتھ میں نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس گاؤں کی رپورٹیں ملیں تو سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے ضروری سمجھا کہ اس گاؤں میں جا کر فوری طور پر انسدادی کارروائی کی جائے۔ اس کے لئے ایک سالار کی ضرورت تھی۔ کسی بھی سالار کو میدانِ جنگ سے نہیں ہٹایا جا سکتا تھا۔ سالار مقدادؓ نے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں اور کہا کہ وہ گاؤں میں جا کر ہر طرح کی کارروائی کرنے کے قابل ہیں۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں اجازت دے دی اور ساتھ دو محافظ بھی بھیج دیئے کیونکہ سالار مقدادؓ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھے۔ دو اور مجاہدین بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ گئے۔ دو تین جاسوس اور مقامی مخبر پہلے ہی اس گاؤں میں موجود تھے اور گاؤں کے کسی بھی فرد کو معلوم نہیں تھا کہ یہ جاسوس ہیں۔

اُس روز اسطافت ایک بار پھر اس گاؤں میں گیا اور گاؤں کے سردار کا مہمان بنا ہُوا تھا۔ اب کرسٹی اسے چوری چھپے نہیں ملتی تھی بلکہ سب کے سامنے اس کے پاس بیٹھتی اور اس کے جذبات کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ اسطافت تو اب مکمل طور پر اس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اس نے کرسٹی سے اور پادری سے اور اس گاؤں کے بوڑھے سردار سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سالاروں کو باری باری قتل کر دے گا لیکن ابھی وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے موقع ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لڑنے والے لشکر میں شامل نہیں تھا اس لئے لڑائی میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال اسے ان لوگوں نے اپنا نہایت کارآمد آلۂ کار بنا لیا تھا۔

گاؤں کا ایک آدمی دوڑتا ہُوا گاؤں کے سردار کے گھر میں داخل ہُوا اور اسے بتایا کہ

مسلمان فوجی آ رہے ہیں اور ان میں ایک سالار ہے۔ معلوم نہیں اسے کس طرح علم تھا کہ مقدادؓ بن اسود سالار ہیں۔ سردار نے پادری کو اطلاع بھجوادی کہ ایک سالار چار پانچ مسلمان لشکریوں کے ساتھ آ رہا ہے۔ پھر اس نے اسطافت کو بتایا اور ساتھ یہ کہا کہ وہ کہیں چھپ جائے' ایسا نہ ہو کہ سالار اس گھر کی تلاشی لینے آ جائے۔

"نہیں!" ـــ اسطافت نے کہا ـــ "میں چھپوں گا نہیں۔ مجھے اپنی کمان اور تیر دے دیں۔ اگر یہ سالار ہے تو اسے میرا شکار سمجھیں"۔

"نہیں اسطافت!" ـــ سردار نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا ـــ "گاؤں میں اسے قتل نہ کرنا ورنہ یہ مسلمان پورے گاؤں کو تباہ کر دیں گے"۔

اسطافت کی تو ان لوگوں نے اور خصوصاً" کرسٹی نے ایسی برین واشنگ کر رکھی تھی کہ وہ کسی کی سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے سردار کے جوانی کے وقتوں کی کمان دیوار کے ساتھ لٹکی دیکھی تھی۔ اسطافت دوڑا گیا اور وہ کمان لے آیا۔ اس کے ساتھ ترکش بھی تھی جس میں چھ سات تیر پڑے ہوئے تھے۔ وہ دوڑتا سیڑھی چڑھ گیا اور چھت پر چلا گیا۔

سردار کا مکان قلعے جیسا تھا۔ اس کی منڈیروں پر قلعوں جیسی فصیل بنی ہوئی تھی اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ تیر انداز وہاں سے چھپ کر نیچے تیر اندازی کر سکتے تھے۔ اسطافت نے پہلے دیکھا کہ سالار کس طرف سے آ رہا ہے۔ وہ اسے نظر آ گیا۔ اسطافت اس کے مطابق فصیل کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گیا اور کمان میں ایک تیر ڈال لیا۔

یہ بڑے سائز کی اور بڑی سخت کمان تھی۔ اسے کوئی اسطافت جیسا طاقتور آدمی ہی کھینچ سکتا تھا۔ سالار مقدادؓ گاؤں میں داخل ہو گئے۔ وہ سب سے آگے تھے۔ ان کے دونوں محافظ پیچھے تھے۔

اسطافت نے کمان کھینچی اور سالار مقدادؓ کو شست میں لینے لگا۔ یہ اللہ کا خاص کرم تھا کہ ایک محافظ نے اُدھر دیکھ لیا اور اسے کمان نظر آئی جس میں تیر تھا اور تیر انداز کا ایک بازو نظر آیا۔ کمان پوری کھینچ چکی تھی اور اب تیر نکلنے والا ہی تھا۔

محافظ فوراً" جان گیا کہ تیر انداز نے سالار کو شست میں لیا ہے۔ وہ اس تیر کو نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے پاس کمان اور ترکش ہوتی تو فوراً" کمان میں تیر ڈال کر اسطافت

پر تیر چلا دیتا جو لگتا تو اس کے بازو کو ہی کیونکہ اس کا صرف بازو سامنے تھا لیکن یہ فائدہ ہوتا کہ اس کا تیر کمان سے نہ نکل سکتا اور اگر نکل بھی جاتا تو خطا جاتا۔ محافظ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے یہ کارنامہ کر دکھایا کہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس کا گھوڑا سالار مقدادؓ کے گھوڑے سے پانچ چھ قدم ہی دور تھا۔ دوسرے لمحے وہ سالار کے گھوڑے کے پہلو میں تھا۔

اس نے سالار کے گھوڑے کی پیٹھ کے پیچھے بڑی زور سے ہاتھ مارا اور اس کی ایک ٹانگ پر اپنے پاؤں کی ٹھوکر بھی ماری۔ گھوڑا آگے نکل گیا اور عین اُس وقت اسطافت کی کمان سے تیر نکلا۔ اِدھر تیر نکلا اُدھر سالار آگے ہو گیا اور تیر محافظ کی گردن میں اُتر گیا۔ چونکہ تیر قریب سے آیا تھا اس لئے اس کی نوک محافظ کی گردن کی دوسری طرف سے باہر آ گئی۔

سالار نے پیچھے دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ کیا ہو گیا ہے۔ اتفاق سے ایک مجاہد نے دیکھ لیا تھا کہ یہ تیر کہاں سے آیا ہے۔ یہ مجاہد بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنا گھوڑا سالار مقدادؓ کے پہلو کے ساتھ کر لیا تاکہ دوسرا تیر آئے تو وہ اسے بے شک لگے' سالار محفوظ رہے لیکن دوسرا تیر نہ آیا۔

زخمی محافظ کو بچانا ممکن نہیں تھا۔ اس کی گردن سے خون چشمے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا تھا۔ ساتھیوں نے اسے سہارا دے لیا اس لئے وہ گھوڑے سے نہ گرا اسے سہارا دے کر گھوڑے سے اتارنے لگے لیکن وہ شہید ہو گیا۔

سالار کو بتایا گیا کہ تیر کہاں سے آیا تھا۔ سالار اور دوسرے مجاہدین فوراً" سردار کے گھر تک پہنچے اور اندر چلے گئے۔ اسطافت ایک ہی تیر چلا کر بھاگ آیا تھا۔ وہ اب چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مکان کے صحن میں بوڑھا سردار کھڑا تھا اور اس گھر کے ایک دو افراد اور بھی تھے۔ سالار نے انہیں کہا کہ گھر میں جتنے افراد ہیں سب کو صحن میں لائے ورنہ اس گھر کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا جائے گا۔ کوئی اور باہر نہ آیا۔ سالار کے حکم سے مجاہدین مکان کے تمام کمرے دیکھنے لگے۔

ایک کمرے سے کرسٹی برآمد ہوئی۔ اسے صحن میں لے آئے اور فوراً ہی بعد اسطافت خود ہی باہر آ گیا۔

"تیر میں نے چلایا تھا" ـــ اسطافت نے کہا ـــ "اس لڑکی کو پریشان نہ کرنا"۔

اتنے میں بوڑھا پادری خود ہی آ گیا۔ سالار مقدادؓ کے ساتھ جو جاسوس مجاہد تھے، انہوں نے سالار کو بتایا کہ یہ ہے وہ پادری جو گاؤں کی آبادی کو مسلمانوں کے خلاف وعظ سناتا رہتا ہے۔ سالار مقدادؓ اس پادری کو، گاؤں کے سردار کو، اسطافت اور کرسٹی کو اپنے ساتھ باہر لے گئے۔

گاؤں کے لوگ تیر سے شہید ہونے والے محافظ کی لاش کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ سالار مقدادؓ جب باہر نکلے تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک مقامی مخبر نے سالار مقدادؓ کے کان میں آ کر کہا کہ سارے گاؤں پر یہ خوف طاری ہو گیا ہے کہ ایک مجاہد کی موت کے جواب میں پورے گاؤں کو تباہ کر دیا جائے گا۔ سالار مقدادؓ نے یہ بات سنی تو کہا کہ تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ گاؤں کے وسط میں ایک کھلے میدان میں آ گئے۔ گاؤں کی عورتیں دروازوں میں اور اپنی منڈیروں پر کھڑی تھیں۔

"گاؤں کے لوگو!" ـــــ سالار مقدادؓ بن اسود نے بلند آواز سے کہا ـــــ "مجھے بتایا گیا ہے کہ تم سب پر یہ خوف طاری ہو گیا ہے کہ میں اپنے ایک مجاہد کے خون کا انتقام تم سب سے لوں گا اور گاؤں کو تباہ کر دوں گا۔ اگر مارا جانے والا کوئی رومی فوجی ہوتا تو روم کی فوج آ کر پورے گاؤں سے انتقام لیتی اور اس گاؤں کا کوئی گھر روم کی فوج کے ہاتھوں سلامت نہ رہتا لیکن ہمارا دستور کچھ اور ہے۔ ہم اسلام کے پیروکار ہیں۔ اسلام میں صرف اُسے سزا دی جاتی ہے جو جرم کرتا ہے۔ تمام خوف اور ڈر دلوں سے نکال دو۔ تیر اس ایک آدمی نے چلایا تھا، سارے گاؤں نے نہیں۔ سزا صرف اسے ملے گی اور تمہارے سامنے ملے گی"۔

لوگوں میں کھسر پھسر شروع ہو گئی جو بلند ہونے لگی۔ وہ اطمینان اور مسرّت کا اظہار کر رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں تمہارا یہ پادری تمہیں کیا وعظ سناتا رہتا ہے" ـــــ سالار مقدادؓ کہہ رہے تھے ـــــ "تمہارا یہ مذہبی پیشوا اسلام کے خلاف اور ہمارے خلاف بے بنیاد اور جھوٹی باتیں تمہارے کانوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جھوٹ بولنے کی اور دوسروں پر جھوٹے الزام عائد کرنے کی اجازت دی ہے؟؟"

لوگوں کے ہجوم میں سے چند ایک آوازیں سنائی دیں ـــــ "نہیں.... بالکل نہیں۔

.... حضرت عیسیٰؑ نے جھوٹ بولنے کو گناہ قرار دیا تھا"۔

"ہم کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیا کرتے" ـــــ سالار مقدادؓ نے کہا ـــــ "ہم تمہارے اس پادری کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ میں اسے صرف یہ کہوں گا کہ مذہبی پیشوا ہو تو اپنے مذہب کے تقدس کا کچھ خیال کرو"۔

اس کے بعد سالار مقدادؓ نے لوگوں سے پوچھا، کیا تم لوگ گواہ نہیں ہو کہ تیر کہاں سے آیا تھا جس سے میرا ایک مجاہد شہید ہو گیا؟.... کئی آوازیں آئیں کہ وہ جانتے ہیں۔

اس طرح سالار مقدادؓ نے پورے گاؤں کو گواہ ٹھہرا کر اسطافت کو قتل کا مجرم قرار دیا اور اپنے دوسرے محافظ سے کہا کہ وہ اسی کمان میں تیر ڈال کر اسطافت کے سینے میں تیر مارے۔ کمان اور تیر پہلے ہی قبضے میں لے لئے گئے تھے۔ اسطافت کو ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا اور محافظ نے یکے بعد دیگرے دو تیر چلائے جو اسطافت کے سینے میں اُتر گئے اور وہ گر پڑا۔ اس کے بعد گاؤں کے سردار کو اور کرسٹی کو سالار مقدادؓ نے ساتھ لیا اور ایک بار پھر لوگوں سے مخاطب ہُوا۔

"ہماری کارروائی اپنے مذہب کے مطابق پوری ہو گئی ہے" ـــــ سالار مقدادؓ نے کہا ـــــ "ہم جا رہے ہیں۔ تمہارے سردار کو اور اس لڑکی کو اس لئے ساتھ لے جا رہے ہیں کہ یہ تمہیں گمراہ کر رہے ہیں اور تمہارے دلوں میں ہماری دشمنی پیدا کرتے ہیں۔ ہم عمل سے ثابت کریں گے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں یا دوست"۔

لوگوں کا ردِ عمل صاف بتا رہا تھا کہ وہ سالار مقدادؓ سے متاثر ہوئے ہیں۔ سالار مقدادؓ وہاں سے چل پڑے۔ شہید محافظ کی لاش اٹھا کر اس کے گھوڑے پر ڈالی اور اسلام کے یہ مجاہدین رخصت ہو گئے۔ کرسٹی اور بوڑھا سردار الگ الگ گھوڑوں پر سوار تھے اور اب دونوں سالار مقدادؓ کے قیدی تھے۔

سالار مقدادؓ اس گاؤں میں آئے تو کسی اور کارروائی کے لئے تھے لیکن گاؤں میں کچھ اور ہی ہو گیا۔ ایک مجاہد محافظ تو قربان ہو گیا لیکن یہ گاؤں مجاہدین کے زیرِ اثر آ گیا۔ گاؤں کے بوڑھے سردار اور کرسٹی کے ساتھ سپہ سالار نے کیا سلوک کیا، یہ بعد میں سامنے آئے گا۔ ابھی ہم کریون کی جنگ کے میدان میں چلتے ہیں۔

○

سپہ سالار عمروؓ بن عاص اور دوسرے سالاروں نے دیکھا کہ آٹھ نو دنوں کی اتنی

زیادہ خونریز لڑائیوں میں مجاہدین کی تعداد خطرناک حد تک کم ہو گئی ہے اور کمک کے بغیر قدم جمائے رکھنا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ضرور ہو گیا ہے مگر اُس وقت مدینہ کو قاصد بھیجتے کہ کمک فوراً" بھیجی جائے تو بھی کمک کو پہنچنے میں ڈیڑھ دو مہینے درکار تھے۔

اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سپہ سالار یا کوئی بھی سالار یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی کم تعداد سے اتنے کثیر التعداد دشمن سے نہیں لڑا جا سکتا اس لئے پیچھے ہٹ جائیں اور کمک آئے تو آگے بڑھیں۔ انہوں نے یہ اصول اپنا لیا کہ ابھی نہیں یا کبھی نہیں! .... جانیں چلی جائیں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ایک روز کا معرکہ اس قدر خونریز تھا کہ مجاہدین کے پاؤں جمتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہ عمروؓ بن عاص کی دانشمندی تھی کہ انہوں نے ابھی تک محفوظہ کے دستوں کو آگے نہیں کیا تھا لیکن اُس روز انہیں نظر آنے لگا کہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے وہ فتح و شکست کی بازی پر لگانا پڑے گا۔

مجاہدین کے لشکر کے ساتھ ان کی خواتین بھی تھیں۔ وہ بھی جنگ کی صورتِ حال اور اپنے لشکر کی حالت دیکھ رہی تھیں جو مخدوش ہو چکی تھی۔ ایک شام یہ تمام خواتین سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ہاں جا پہنچیں اور کہا کہ وہ مجاہدین کے دوش بدوش لڑیں گی۔

"ضرور لڑو" —— سپہ سالار نے کہا —— "لیکن اُس وقت جب ایک بھی مجاہد زندہ نہیں رہے گا"۔

خواتین کا اصرار اتنا بڑھ گیا کہ عمروؓ بن عاص پریشان ہو گئے۔ انہوں نے بڑی ہی مشکل سے خواتین کو لڑنے کے ارادے سے باز رکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ پہلا محاذ نہیں جہاں یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ کئی بار ایک چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے بشرطیکہ چھوٹی جماعت ایمان والی ہو۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ پہلی بار سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے چہرے پر تشویش اور پریشانی کے آثار دیکھے گئے۔ انہوں نے محفوظہ کے ایک دستے کو ساتھ لیا اور کچھ دور پیچھے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی امامت میں اس دستے کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی۔ نمازِ خوف یا صلوٰۃ خوف اُس وقت ادا کی جاتی تھی جب ہلاکت یقینی نظر آنے لگتی تھی اور سوائے پسپائی کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سپہ سالار پسپائی کو تو قبول ہی نہیں کرتے تھے۔

بہرحال عمروؓ بن عاص نے نمازِ خوف پڑھی اور ہاتھ پھیلا کر آنسوؤں کی روانی میں اللہ کے

حضور التجا کی کہ وہ اپنے عظیم نام کی لاج رکھ لے اور مجاہدین نے جانوں کی جو قربانیاں دی ہیں وہ قبول کر لے اور اس طاقتور دشمن پر غلبہ عطا فرمائے۔

رومی جرنیل بہت ہی خوش تھے۔ اعلانیہ کہتے پھرتے تھے کہ مسلمان کاٹے جا چکے ہیں اور اب کسی بھی وقت وہ سب بھاگ اٹھیں گے جو زندہ رہ گئے ہیں لیکن اُس دن کا سورج غروب ہونے تک مسلمان میدانِ جنگ میں لڑتے رہے اور کوئی ایک بھی مجاہد خوفزدہ ہو کر پیچھے نہ آیا۔ مجاہدین کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا جس کے نام سے وہ جانیں قربان کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے جسم لہولہان کرا لئے لیکن جذبے پر آنچ نہ آنے دی، حوصلوں کو مجروح نہ ہونے دیا۔

عمروؓ بن عاص کو یقین تھا کہ اللہ کی ذاتِ باری ان کی دعا اور ان کے آنسوؤں کو نظر انداز نہیں کرے گی۔ انہوں نے دیکھا کہ جوں جوں مجاہدین کی نفری زخمی ہو ہو کر گرتی جا رہی تھی، مجاہدین کے جذبے اور ان کی شجاعت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص نے جب مجاہدین کا یہ جذبہ دیکھا تو انہوں نے ان کی طرف ہاتھ بڑھا کر بڑی ہی بلند آواز سے کہا —— "وہ دیکھو اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والوں کو، وہ موت کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں اور موت ان کے آگے آگے بھاگی جا رہی ہے"۔

اب اس جذبے اور اس ایمان کی صرف ایک جھلک دیکھیں جو مجاہدینِ اسلام کی اصل قوت تھا۔ جسم تو ان کے تھکن سے چُور چُور اور شل ہو چکے تھے لیکن جذبہ زندہ اور ایمان تازہ تھا۔ یہ واقعہ تقریباً" تمام مؤرخوں نے لکھا ہے اور دو مؤرخوں نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

واقعہ یوں تھا کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ بھی ان کے لشکر میں تھے۔ وہ نوجوانی کی عمر میں تھے۔ خاص طور پر پیش نظر رکھیں کہ عبداللہ کو سالاری عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔ اُس وقت قابلیت اور اہلیت دیکھی جاتی تھی۔ کوئی امیر ہوتا یا غریب، معاشرے میں اونچی حیثیت کا مالک ہوتا یا اس کی کوئی حیثیت ہی نہ ہوتی، لشکر میں اس کی قابلیت اور ذہانت دیکھی جاتی تھی۔ عبداللہ بن عمروؓ صرف اس لئے قابلِ احترام نہیں تھے کہ وہ سپہ سالار کے بیٹے تھے بلکہ ان کا احترام اسی حد تک تھا جس حد تک لشکر میں ان کی حیثیت تھی۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ ان کی حیثیت کیا تھی، صرف یہ پتہ

چلتا ہے کہ وہ عَلَم یعنی پرچم کے دفاع میں لڑتے تھے۔ پرچم کو بلند رکھنے والوں کو سردھڑ کی بازی لگانی پڑتی تھی۔

پرچم بردار کا نام وِردان تھا۔ وِردان عمروؓ بن عاص کا غلام ہُوا کرتا تھا اور پھر انہوں نے اس غلام کو آزاد کردیا اور وِردان مجاہدین کے لشکر میں شامل ہوگیا۔ اس میں لڑنے اور مرنے مارنے کا جذبہ اور جوش حیران کُن حد تک زیادہ تھا۔ اس کی اسی بے خوفی اور شجاعت کو دیکھتے ہوئے سپہ سالار نے اسے علَم برداری کا اعزاز دیا تھا۔

عبداللہ بن عمروؓ اس کے ساتھ رہتے تھے اور دونوں اکٹھے لڑتے اور تیغ زنی کے ایسے جوہر دکھاتے تھے کہ دشمن عَلَم کے قریب آنے سے گھبراتے تھے۔ عبداللہ اور وِردان تو زندگی اور موت کے ساتھی بن گئے تھے۔ ان کے متعلق لشکر میں مشہور ہوگیا تھا کہ زندہ رہیں گے تو دونوں زندہ رہیں گے اور شہید ہوئے تو دونوں اکٹھے شہید ہوں گے۔

کریون کی ان لڑائیوں میں ایک دن عبداللہ بن عمروؓ کچھ زیادہ زخمی ہوگئے اور نڈھال ہوکر بیٹھ گئے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اُس وقت پرچم وِردان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ اور وِردان اکٹھے تھے اور حسبِ معمول شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ وِردان نے دیکھا کہ عبداللہ تو بہت ہی زخمی ہوکر بیٹھ گئے ہیں تو وہ بھی رک گیا۔

"اُٹھ کھڑا ہو بن عمروؓ!" ——وِردان نے کہا—— "خدا کی قسم یہاں بیٹھ جانے والوں کو موت اٹھنے کا موقع نہیں دیا کرتی"۔

"ذرا ٹھہر جا وِردان!" ——عبداللہ بن عمروؓ نے ہانپتے ہوئے کہا—— "ذرا میرے پاس رک جا، میں دم لے لوں، ذرا آرام کرلوں"۔

"تو آرام کرنا چاہتا ہے بن عمروؓ!" ——وِردان نے کہا—— "آرام تیرے آگے ہے پیچھے نہیں"۔

اس سابق غلام نے مختصر سے الفاظ میں بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ اس کا اثر عبداللہ پر یہ ہُوا کہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لے کر آگے بڑھے۔ وِردان ان کے ساتھ رہا۔ عبداللہ یوں لڑے جیسے ان کے جسم پر کہیں خراش بھی نہ آئی ہو لیکن وہ خون سے نہائے ہوئے تھے۔ ان کا خون بہہ رہا تھا اور ان کی تلوار چل رہی تھی۔

اُس روز کا معرکہ ختم ہُوا تو عبداللہ اور وِردان زندہ و سلامت پیچھے آگئے۔ عبداللہ بن عمروؓ زندہ تو تھے لیکن زخموں سے ان کا حال بہت بُرا تھا۔ کسی نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو جا بتایا کہ ان کا بیٹا بُری طرح زخمی ہوکر واپس آیا ہے اور اس کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ اطلاع دینے والے نے سپہ سالار کو وِردان کی بات بھی سنائی جو اس نے عبداللہ سے کہہ کر اسے اٹھایا تھا۔ پھر یہ بتایا کہ اس شدید زخمی حالت میں عبداللہ شام تک لڑے۔

ایسا بالکل نہیں ہُوا کہ عمروؓ بن عاص اپنے فرائض کو بھول کر اپنے بیٹے کو دیکھنے دوڑ پڑتے۔ انہوں نے اتنا ہی کیا کہ اپنے ایک قاصد کو بھیجا کہ وہ دیکھ آئے عبداللہ کیسے ہیں۔ قاصد دوڑا گیا اور دیکھ کر واپس آیا اور سپہ سالار کو پوری رپورٹ دی کہ وہ کس طرح زخمی ہوئے تھے اور اب بہتر ہو رہے ہیں۔

عرب کا ایک مشہور شاعر ابن اعتابہ ہُوا کرتا تھا۔ عبداللہ بن عمروؓ اور وِردان کا یہ واقعہ اُس کے کانوں تک پہنچا تو اس نے فی البدیہہ یہ شعر کہا—— "میرا دل جب اکتا جاتا ہے، بے چین اور نڈھال ہو جاتا ہے تو میں اپنے دل سے کہتا ہوں، اپنی جگہ ڈٹا رہ، زندہ بچ گیا تو داد و تحسین کا مستحق قرار پائے گا اور اگر مرگیا تو بڑی پُرسکون اور ہمیشہ کی نیند سوئے گا اور اللہ کے حضور احترام کا اعزاز حاصل کرے گا"۔

صرف عبداللہ بن عمروؓ اور وِردان ہی نہیں، وہاں ہر مجاہد کا ایمان اور جذبہ ایسا ہی تھا۔ عمروؓ بن عاص اس پہلو سے مطمئن تھے لیکن قیرس نے جو زمین دوز محاذ کھول دیا تھا وہ عمروؓ بن عاص کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ صرف ایک گاؤں میں یہ محاذ توڑا گیا تھا۔ عمروؓ بن عاص کے پاس اتنی نفری تھی ہی نہیں جس میں سے کچھ مجاہدین کو وہ دیہاتی علاقے میں پھیلا دیتے۔ اس مجبوری اور کمزوری کا مجاہدین کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔

○

کریون کی یہ ہر روز کی لڑائیاں مجاہدینِ اسلام کو مہنگی پڑ رہی تھیں۔ رومیوں کے لئے کمک کی کوئی کمی نہیں تھی۔ شہر میں فوج بھی موجود تھی اور لڑنے کے قابل شہری بھی فوج کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔ رومی ہر صبح یہ توقع لے کر باہر نکلتے تھے کہ آج مسلمان ہتھیار ڈال دیں گے یا بھاگ اٹھیں گے۔ ان کی یہ توقع بے بنیاد نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو کتنا زیادہ جانی

نقصان پہنچایا ہے اور اب مسلمانوں کے پاس اتنی نفری رہ ہی نہیں گئی کہ وہ اتنی بڑی فوج کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔

آٹھ یا نو دن گزر گئے تھے۔ شہر کے لوگ شہر کی دیوار پر کھڑے ہو کر ہر روز کی لڑائی دیکھا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ فوجی بھی ہوتے تھے۔ وہ بھی دیکھ رہے تھے کہ یہ مسلمان آخر کس بل بوتے پر لڑ رہے ہیں۔ جنگی دستور کے مطابق کوئی فوج اتنی تھوڑی تعداد میں اتنی بڑی فوج کے مقابلے میں آیا ہی نہیں کرتی۔ شہریوں اور فوجیوں پر حیرت کا تاثر پیدا ہونے لگا۔ یہ تو وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ مجاہدین کس بے جگری سے لڑتے ہیں۔

ایک روز رومی فوج کے کسی عہدیدار کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ ہم جھوٹ نہیں کہتے کہ ان مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی غیبی یا پُر اسرار طاقت ہے کہ یہ پیچھے ہٹتے ہی نہیں اور اپنے دشمن کی فوج کو لہولہان کر کے شکست دے دیتے ہیں۔ انہیں اپنی آنکھوں لڑتا دیکھو۔ ان پر ہماری اس فوج سے بھی بڑی فوج غالب نہیں آسکتی۔

اس فوجی عہدیدار کی یہ بات سینہ بہ سینہ' کانوں کان لوگوں تک جا پہنچی اور سارے شہر میں پھیل گئی۔ شہر کے اور زیادہ لوگ دیواروں پر آکر مسلمانوں کو لڑتا دیکھنے لگے اور پھر سب کے سب کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو شکست دی ہی نہیں جاسکتی۔ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ یہ غلط نہیں کہ مسلمان جنّات کی مخلوق میں سے ہیں۔

یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی خاص مدد تھی اور بڑا خاص کرم تھا کہ شہر کے لوگوں پر اور رومی فوج پر بھی مسلمانوں کی وہ دہشت جو پہلے طاری تھی اور جرنیلوں نے صاف کر دی تھی وہ دہشت پھر غالب آنے لگی۔ مجاہدین کی بے جگری اور جذبۂ ایثار کا یہ کرشمہ تھا کہ دشمن نفسیاتی طور پر کمزور ہونے لگا۔ شہریوں میں بددلی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض والدین نے اپنے بیٹوں کو جو رضا کارانہ طور پر رومی فوج میں شامل ہو گئے تھے' لڑائی میں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف اپنے بیٹوں کو بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بیٹوں کو موت کے منہ میں پھینک دیا ہے۔

بڑے بوڑھوں اور سیانوں نے اور شہر کے لوگوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلمانوں نے ان کی فوج کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا تو وہ شہر کی ساری آبادی کو سزا دیں گے کہ شہریوں نے ان کے خلاف اپنے بیٹے لڑائے تھے اور رومی فوج کی مدد کی تھی۔

یہ بھی ایک وجہ تھی کہ شہریوں نے مجاہدینِ اسلام کے خلاف لڑنا ترک کر دیا۔

جنگ کے مبصرین آج بھی کہتے ہیں کہ صورتِ حال ایسی تھی کہ مسلمانوں کو وہیں سے واپس آجانا چاہئے تھا اور اس قدر زیادہ خطرہ مول لینا کوئی دانشمندی والا اقدام نہیں تھا۔ یہ مبصرین فن حرب و ضرب اور جنگی اصولوں اور امور کو سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مجاہدین کے اندر نہیں جاسکتی جہاں صرف اللہ کا نام روشن تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے متعلق واضح ہو چکا ہے کہ وہ پیچھے ہٹنے والے مجاہد تھے ہی نہیں۔ وہ اُن خطروں میں کود جانے کو زندگی سمجھتے تھے جہاں موت یقینی ہوتی تھی۔ یہ تو سپہ سالار کی شخصیت تھی' وہاں ہر سالار اور ہر مجاہد جوش ایمان اور جذبۂ جہاد سے آگ بگولہ بن چکا تھا۔ وہ اب جسم تھے ہی نہیں وہ تو روحیں تھیں اور ان روحوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ مجاہدین نے اللہ کی یہ شرط پوری کر رکھی تھی کہ اگر تم ایمان والے ہو۔ ایمان کے استحکام کی اور بڑی نشانی کیا ہو گی کہ ان مجاہدین کے دلوں میں مال غنیمت کا لالچ نہیں تھا۔ جس شہر کو فتح کرتے تھے وہاں کی کسی نوجوان لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے' اس کی بجائے وہ شہر کے لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بن جاتے تھے۔ وہی مجاہدین جو میدان جنگ میں فولاد کی طرح سخت ہوتے تھے' مفتوحہ بستی میں جاکر وہاں کے لوگوں کے لئے ریشم سے زیادہ نرم ہو جایا کرتے تھے۔

عمروؓ بن عاص ایک رات سالاروں کے ساتھ اپنی اگلی کارروائی کے متعلق صلاح مشورے کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں نائب سالار اور ان کے ماتحت کماندار بھی موجود تھے۔ کسی نے بھولے سے بھی مشورہ نہیں دیا کہ پیچھے ہٹ جائیں اور کمک کا انتظار کریں۔ ایک ہی مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ رومیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر کس طرح مجبور کیا جائے۔ ایسی بات کسی کے منہ سے نکلتی ہی نہیں تھی کہ رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ جانی نقصان کے باوجود بہت زیادہ ہے۔

سالار زبیرؓ بن العوام نے ایک ترکیب سوچ لی اور وہ پیش کی۔ چونکہ لڑائیاں قلعے کے باہر کھلے میدان میں ہوتی تھیں اس لئے منجنیقیں الگ رکھی تھیں۔ ایسی لڑائیوں میں منجنیقیں استعمال نہیں ہوسکتی تھیں۔ سالار زبیرؓ نے جو مشورہ پیش کیا وہ سب کو اچھا لگا اور اس پر تبادلۂ خیالات ہونے لگا اور آخر میں اسے ایک قابلِ عمل شکل دے دی گئی۔

رات گہری ہوتے ہی مجاہدین پیچھے آجاتے اور رومی قلعے کے اندر چلے جاتے تھے۔ وہ دو تین دستے قلعے کے باہر رہنے دیتے تھے جو نالے اور شہر کی دیوار کے درمیان رات گزارتے تھے۔

اُس رات جب مجاہدین پیچھے آگئے اور رومی فوج اندر چلی گئی اور اس کے کچھ دستے شہر سے باہر رہ گئے تو آدھی رات کے وقت مجاہدین تین چار منجنیقیں گھسیٹ کر ذرا آگے لے گئے اور ان میں پتھر ڈال کر ان دستوں پر پھینکنے شروع کر دیئے جو قلعے کے باہر سوئے ہوئے تھے۔ ان دستوں میں کھلبلی مچ گئی اور اسی میں عافیت سمجھی کہ قلعے کے اندر چلے جائیں۔ مجاہدین نے یہ کارروائی بھی کی کہ اپنے تیرانداز نالے کے کنارے پر بھیج دیئے اور اندر کو بھاگتے ہوئے دستوں پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ وہ رومی مرد اور عورتیں جو اپنے عزیزوں کی لاشیں اور زخمی دیکھنے آئے تھے' وہ بھی بھاگ گئے اور میدان صاف ہو گیا۔

نالہ چوڑا بھی تھا اور گہرا بھی۔ اُس وقت یہ پانی سے لبریز تھا۔ اس پر لکڑی کے دو پُل تھے جو ایک دوسرے سے دور دور تھے۔ چند ایک مجاہدین اس پلان کے مطابق جو سپہ سالار کے سامنے زبیرؓ بن العوام نے بنایا تھا' تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نالے میں اتر گئے۔ ان کے پاس لکڑی کاٹنے والے اوزار تھے۔ انہوں نے نالے کے اپنی طرف والے کنارے سے پل کے ستونوں کو کاٹنا شروع کر دیا لیکن پورے کا پورا نہ کاٹا بلکہ بہت کمزور کر دیا۔ پھر درمیان والے دو ستون اسی طرح کاٹ کر بہت کمزور کر دیئے۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ پانی کے بہاؤ میں اپنے آپ کو ایک جگہ رکھنا محال ہو رہا تھا۔ بہرحال مجاہدین نے وہ کام کر دیا جو زبیرؓ بن العوام نے بتایا تھا۔ مجاہدین نالے سے نکل آئے۔

○

گزشتہ رات مجاہدین نے رومیوں کے باہر رہنے والے دستوں پر پتھراؤ کیا تھا اور تیر بھی برسائے تھے اس لئے رومی اُس صبح جلدی باہر آگئے اور ان کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ غصے میں ہیں۔ مجاہدین تو فجر کی نماز کے بعد سے ہی تیار تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج صبح کی تیاری پہلے دنوں سے بہت ہی مختلف ہو گی۔

رومی فوج ہر صبح باہر آتی تھی اور نالے کے پار آکر مجاہدین پر حملہ کر دیتی تھی۔ اس صبح رومیوں نے پہلی بار یہ حرکت کی کہ وہ للکارتے ہوئے اور طعنہ آمیز نعرے لگاتے

ہوئے آرہے تھے۔ ان میں گھوڑ سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ وہ تو بڑے جوش و خروش سے دونوں پُلوں سے گزرتے آرہے تھے۔ تمام دستوں کو نالے کے پار آکر لڑائی کی ترتیب میں ہونا تھا اور پھر لڑائی شروع ہونی تھی۔ سالار زبیرؓ بن العوام اور ان کے ساتھ چند ایک مجاہدین ایک طرف چھپے ہوئے پُلوں کو دیکھ رہے تھے۔ پُل ابھی سلامت کھڑے تھے۔

کم و بیش تین ہزار رومی گھوڑ سوار اور پیادے پُلوں سے گزر آئے اور پُل ابھی تک کھڑے تھے۔ سالار زبیرؓ پریشان ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سوچا تھا کہ تین چار ہزار رومی ادھر آجائیں اور پھر ان کی تجویز زیر عمل آئے لیکن رومی چلے ہی آرہے تھے۔

اچانک پُلوں پر جو سوار اور پیادے گزر رہے تھے وہ رکنے لگے اور کچھ گھبرانے بھی لگے۔ ایک شور سنائی دیا کہ پُل ہل رہا ہے۔ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے' کیا زلزلہ آیا ہے' پُل وزن سے بڑی زور سے ہلے اور بیٹھ گئے۔ جتنے سوار اور پیادے پُل کے اوپر تھے وہ نالے میں جا پڑے۔ پیچھے رومی ہجوم کی صورت میں آگے والوں کو دھکیلتے آرہے تھے۔ ان میں سے بھی کئی نالے میں گرے اور گہرے پانی میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔

سالار زبیرؓ کی سکیم کامیاب ہو گئی۔ تین ہزار یا اس سے کچھ زیادہ جو رومی فوجی آگے آگئے تھے وہ اپنے پیچھے شور سن کر مُڑ مُڑ کر دیکھنے لگے اور ان میں سے کئی ایک نے مجاہدین کی طرف پیٹھیں کر دیں اور نالے میں اپنے ساتھیوں کو بہتا اور تیرتا دیکھنے لگے۔ مجاہدین اسی موقع کے انتظار میں تھے۔

سپہ سالار کے اشارے پر مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان رومیوں کو انہوں نے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ وہ تو یوں سمجھیں کہ رومیوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔

نالے کے پار جو رومی دستے رہ گئے تھے وہ اپنے کٹتے اور گرتے ہوئے ساتھیوں کی کچھ مدد نہ کر سکتے تھے سوائے تیراندازی کے یا برچھیاں پھینکنے کے لیکن وہاں تو گتھم گتھا قسم کی لڑائی ہو رہی تھی اس لئے رومیوں نے تیراندازی اور برچھی بازی کی نہ سوچی۔

وہ رومی سوار اور پیادے جو نالے میں گر کر تیر رہے تھے اور دوسرے کنارے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے' ان پر مجاہدین نے تیر چلانے شروع کر دیئے اور شاید ہی ان میں سے کوئی نالے سے زندہ نکلا ہو گا۔

زیادہ تر دستے تو ابھی نالے کے پار تھے۔ ان کے ساتھ دو جرنیل بھی تھے لیکن وہ بوکھلا گئے تھے کہ یہ ہُوا کیا ہے۔ انہیں فوراً" سوچ لینا چاہئے تھا کہ نالے کے پار آنا ان کے لئے مشکل نہیں کیونکہ یہ نالہ شہر کے اردگرد نہیں بہتا تھا بلکہ صرف صدر دروازے والی طرف سے شہر کے ساتھ ساتھ گزرتا آگے نکل جاتا تھا۔ کچھ دور پیچھے اور کچھ دور آگے لکڑی ہی کے دو پُل اور تھے۔ رومی فوراً" اُدھر چلے جاتے اور پُلوں سے گزر آتے لیکن وہ تو جیسے سوچنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے۔ آخر کسی کو ان پُلوں کا خیال آ ہی گیا۔ رومی دستے دو حصوں میں بٹ کر ان دونوں محفوظ پُلوں کی طرف چل پڑے۔ ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ ان پر منجنیقوں سے پھینکے ہوئے پتھر آنے لگے۔

گزشتہ رات کی سکیم میں عمروؓ بن عاص اور زبیرؓ بن العوام نے یہ بھی شامل کیا تھا کہ ان محفوظ پُلوں کے قریب منجنیقیں لگادی جائیں گی۔ ان دونوں پُلوں کو سلامت کھڑا رکھنا تھا کہ کامیابی کی صورت میں مجاہدین کو نالے کے پار جانا اور شہر میں داخل ہونا تھا۔ رومی ان پلوں کی طرف چلے تو ان پر سنگ باری شروع ہو گئی۔ پتھر زیادہ وزنی نہیں پھینکے جا رہے تھے کیونکہ اس طرح ایک کے بعد دوسرا پتھر پھینکنے میں زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔ ذرا کم وزن کے پتھر زیادہ تیزی سے پھینکے جا رہے تھے۔ ایک پتھر کسی ایک آدمی یا ایک گھوڑے کو لگتا تھا لیکن دہشت اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ رومی فوجی ان پتھروں سے بچنے کے لئے ایک دوسرے کے پیچھے ہو رہے تھے۔

پتھر دائیں اور بائیں سے آ رہے تھے' پیچھے شہر کی دیوار تھی اور آگے نالہ تھا اس لئے رومی دستے ایک دوسرے کو اس طرح دبانے لگے جیسے سر کے گھنے بال آپس میں الجھ جاتے ہیں۔ اگر انسان انسانوں کو دباتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا' وہاں گھوڑے بھی تھے اور ان پر ان کے سوار تھے۔ اس قیامت خیز ہڑبونگ میں گھوڑے پیچھے بھی ہٹتے تھے اور دائیں بائیں بھی سرکتے تھے۔ اس طرح پیادے گھوڑوں کے درمیان آکر کچلے گئے اور بعض دم گھٹنے سے مرگئے۔ وہاں کوئی اچھا بھلا آدمی گرا تو وہ گھوڑوں اور پیادوں کے پاؤں تلے کچلا مسلا گیا۔

مجاہدین نے اپنے کنارے پر کھڑے ہو کر اس ہجوم پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنی شروع کر دیں۔ شہر کے لوگ سامنے دیوار پر کھڑے اپنی فوج کا یہ حشر دیکھ رہے تھے۔ یہ محض بھگدڑ کا مظاہرہ تھا۔ شہر کے اندر ابھی فوج موجود تھی۔ اگر اس کے کمانڈر اپنے

دماغ حاضر رکھتے تو پچھلے دروازوں سے اپنے دستوں کو نکال کر باہر لے آتے اور دُور کے پُلوں سے گزار کر مجاہدین پر پہلوؤں سے حملہ کر سکتے تھے لیکن وہ تو جیسے عقل کے اندھے ہو گئے تھے اور یہ اللہ کی ایک خاص مدد تھی جو اس کی ذاتِ باری ایمان والوں کو دے رہی تھی۔

اندر والوں نے صرف یہ کیا کہ نالے کی طرف والا ایک دروازہ کھول دیا تاکہ باہر کے فوجی اندر آ سکیں۔ اس دروازے کے سامنے نالے کا موڑ آتا تھا جس سے نالہ دیوار کے کچھ اور قریب ہو گیا تھا۔ اس سے مجاہدین نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اس موڑ پر اپنی طرف والے کنارے پر چلے گئے اور جو رومی اس دروازے سے اندر جانے لگتے تھے' مجاہدین ان پر تیر پھینکتے تھے۔ اس طرح انہوں نے بہت سے رومیوں کو اس دروازے پر ہی رکھا۔ کچھ تو تیر کھا کر اندر جا گرے اور کچھ تڑپتے ہوئے باہر ہی رہے اور گرتے رہے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے حکم دیا کہ دو تین منجنیقوں کو نالے کے قریب لے جا کر اس طرح پتھر پھینکے جائیں کہ دیوار کے اوپر سے شہر کے اندر گریں۔ اس حکم پر فوری طور پر عمل شروع ہو گیا۔ بعض پتھر دیوار پر اُس جگہ بھی لگتے تھے جہاں شہر کے لوگ اور فوجی کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس سنگ باری سے کچھ زخمی ہوئے اور باقی وہاں سے اتر گئے۔ ان لوگوں نے اور شہر پر سنگ باری نے شہر کے لوگوں میں بھگدڑ مچا دی اور لوگ دوسری طرف کے دروازوں سے بھاگنے لگے۔



ایک طرف سے سالار زبیرؓ بن العوام مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر دُور کے پُل سے نالے سے گزر گئے۔ دوسری طرف سے سالار عبادہؓ بن صامت نے مجاہدین کی ایک جماعت ساتھ لی اور وہ اس طرف والے پُل سے گزرے۔ انہوں نے اس چال کے لئے موقع موزوں دیکھ لیا تھا۔ دونوں سالار بڑی ہی تیزی سے اُس دروازے کی طرف آگئے جو بعد میں کھلا تھا۔ مجاہدین نے اس طرف تیر اندازی روک دی اور سالار زبیرؓ اپنے مجاہدین کے ساتھ اس دروازے سے اندر چلے گئے۔

سالار عبادہؓ بن صامت بھی اسی دروازے سے اندر گئے لیکن ان کے کچھ مجاہدین نے دیکھا کہ صدر دروازے سے بھی اندر جا سکتے ہیں' وہ اُدھر سے اندر گئے۔ ان مجاہدین نے بھاگ کے اندر آنے والے دہشت زدہ رومی فوجیوں پر حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی

مجاہدین نے شہر کے دروازے کھولنے شروع کر دیئے۔ شہر خاصا وسیع و عریض تھا۔ فاصلے زیادہ تھے پھر بھی کچھ وقت بعد تین چار دروازے کھل چکے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے مجاہدین کی ایک اور جماعت کو شہر میں داخل ہونے کے لئے بھیج دیا۔ اندر گئے ہوئے دونوں سالاروں نے اعلان کروانے شروع کر دیئے کہ شہری بھاگنے کی کوشش نہ کریں' ان کے جان و مال کی اور گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی شہری اپنے فوجیوں کی مدد نہ کرے ورنہ اسے قتل کر کے اس کے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔

اس لڑائی کا تفصیلی ذکر کرنے والے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مصر کے قبطی عیسائی پہلے ہی کہتے تھے کہ مسلمان جس طرح فتح پر فتح حاصل کرتے آ رہے ہیں اس سے یہی نظر آتا ہے کہ یہ سارے مصر پر قبضہ کر لیں گے' بہتر یہی ہے کہ مسلمانوں کا ساتھ دیا جائے۔ یہ باتیں کرتے وہ ہرقل اور قیرس کے ظلم و ستم کو ضرور یاد کرتے تھے۔ کریون کے اندر قبطی عیسائیوں نے رومیوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور مجاہدین کے ساتھ تعاون شروع کر دیا۔ تاریخ میں ایسا واضح اشارہ بھی ملتا ہے کہ بعض شہریوں نے تلواروں اور برچھیوں سے رومی سپاہیوں کو مارنا شروع کر دیا تھا۔

جنرل تھیوڈور اور دوسرے جرنیل کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ ہمارے جرنیل پچھلے دروازے سے بھاگ گئے ہیں۔ یہ ایک آواز کئی آوازیں بن گئی اور سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ جرنیل اور دوسرے کمانڈر اپنی فوج کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اس خبر کا یہ اثر ہوا کہ ان کے فوجی بھی بھاگنے لگے لیکن انہیں بھاگنے نہ دیا گیا۔ اب تمام مجاہدین اندر آ چکے تھے۔ انہوں نے رومیوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔

آخر کریون پوری طرح مجاہدین اسلام کے قبضے میں آ گیا۔ یہ فتح ایک معجزے سے کم نہ تھی۔ خود مجاہدین اور ان کے سالار بھی حیران تھے کہ انہوں نے یہ فتح کس طرح حاصل کر لی ہے۔ رومیوں پر تو اس کا بہت ہی برا اثر پڑا۔ جرنیل تھیوڈور نے اپنی فوج کے جو حوصلے اور جو جذبہ بڑی مشکل سے زندہ بیدار کیا تھا وہ پھر دم توڑ گیا۔

اب سکندریہ مجاہدین کی آخری منزل تھی لیکن بہت ہی دشوار اور خطرناک!

منورہ میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور بزنطیہ میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔

مدینہ

کریون کی فتح کی اطلاع مدینہ منورہ اور بزنطیہ تقریباً ایک ہی وقت پہنچی تھی۔ مدینہ میں امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اعلان کیا تھا کہ مسجد میں اکٹھے ہو جائیں' مصر کے محاذ کی خبر آئی ہے۔ لوگوں کے کان محاذوں کی خبروں کی طرف ہی لگے رہتے تھے۔ اُس وقت مصر ایک ایسا محاذ تھا جو لوگوں کی دعاؤں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ سب جانتے تھے کہ مجاہدین کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے اور رومیوں کی طاقت کئی گناہ زیادہ ہے۔ مدینہ کے لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ تمام بزرگ صحابہ کرام مصر پر فوج کشی کے خلاف تھے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اجازت دے دی تھی لیکن ان کا ذہن بھی ایک مقام آ کر بٹ گیا تھا۔ یہ تو اللہ کا خاص کرم تھا اور سپہ سالا عمروؓ بن عاص کی غیر معمولی قوتِ ارادی اور عسکری قابلیت کا کرشمہ تھا کہ مصر سے پیش قدمی اور فتح کی ہی خبریں آ رہی تھیں۔

مصر سے جب قاصد کوئی اطلاع لے کر آتا تھا تو یہ اطلاع اگر فتح کی ہوتی تو حضرت عمرؓ لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کر کے قاصد سے کہتے تھے کہ وہ پیغام سنائے۔ کریون کی فتح کا پیغام بھی لوگوں کو سنایا گیا۔ پھر قاصد نے زبانی بتایا کہ کریون کس طرح غیر معمولی کارنامے کر کے فتح کیا گیا ہے۔

"یا اللہ میرے سارے خدشے غلط ثابت کرے" —— یہ آواز حضرت عثمانؓ بن عفان کی تھی۔ انہوں نے مصر پر فوج کشی کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اپنے پاس نفری بہت تھوڑی ہے اور اصل خطرہ یہ ہے کہ عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید سے زیادہ خطرے مول لینے والا خود سر سپہ سالار ہے۔ یہ سپہ سالار کہیں جا کر پورے لشکر کو

یقینی موت کے منہ میں لے جائے گا لیکن اب حضرت عثمانؓ نے ایک اور انتہائی مضبوط قلعے کی فتح کی خبر سنی تو دونوں ہاتھ پھیلا کر بلند آواز سے بولے — "یا اللہ میرے سارے خدشے غلط ثابت کر دے اور میری یہ دعا بھی سن اور قبول کر لے کہ عمروؓ بن عاص سکندریہ بھی فتح کر لے"۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے شکرانے کے نفل باجماعت ادا کیے اور پھر سب سے کہا کہ روح کی گہرائیوں سے مجاہدین کی کامیابی کی دعا کریں۔

○

مصر کے دارالحکومت سکندریہ سے جب کریون کی شکست کا پیغام سلطنتِ روم کے دارالحکومت بزنطیہ پہنچا تو کونستانس تڑپ اٹھا۔ اس کے جواں سال چہرے کا اتنا اچھا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ہرقل کی بیوہ مرتینا کا بیٹا ہرقلیوناس بھی وہاں موجود تھا۔ مرتینا کو پتہ چلا کہ مصر سے قاصد کوئی پیغام لایا ہے تو وہ بھی دوڑی دوڑی پہنچ گئی تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کونستانس اور ہرقلیوناس مل کر حکمرانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مرتینا اب ملکہ نہیں تھی اور نہ ہی حکومت کے کاموں میں اس کا کوئی عمل دخل تھا۔ کریون کی شکست کی اطلاع پر مرتینا اور اس کے بیٹے ہرقلیوناس کا ردِ عمل ٹھنڈا ٹھنڈا سا تھا۔ کونستانس کا ردِ عمل تو سب کو صاف نظر آ گیا تھا۔ اس نے جرنیلوں اور مشیروں کو فوراً بلوا لیا۔

"اب صرف سکندریہ رہ گیا ہے" — کونستانس نے جرنیلوں اور مشیروں کو پیغام سنا کر کہا — "آپ کہیں گے کہ سکندریہ تو بڑا ہی مضبوط قلعہ ہے اور مسلمانوں کی نفری اتنی تھوڑی ہے کہ وہ سکندریہ نہیں لے سکیں گے.... اگر آپ ایسا کہیں گے تو میں اسے ایک خوش فہمی سمجھوں گا۔ جنہوں نے بابلیون اور کریون جیسے مضبوط قلعہ بند شہر فتح کر لئے ہیں وہ سکندریہ کو بھی فتح کر سکتے ہیں' سکندریہ سے وہ بحیرۂ روم عبور کر کے سیدھے بزنطیہ پر آئیں گے"۔

"ایسا نہیں ہو گا" — ایک جرنیل نے کہا — "مسلمان جہاز رانی میں صفر ہیں۔ انہیں جہاز رانی کا ذرا سا بھی تجربہ نہیں"۔

"شاہِ کونستانس کا یہ خدشہ بجا ہے" — افواج کے سپریم کمانڈر جنرل اقلینوس نے کہا — "عرب کے یہ بدو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں' کوئی کم عقل لوگ نہیں' وہ

ہمارے ہی جہاز رانوں کو استعمال کریں گے۔ قبطی بھی ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ ان میں جہاز ران بھی ہوں گے۔ وہ مسلمانوں کو بحیرۂ روم پار کرا دیں گے۔ ہمیں اب یہ سوچنا ہے کہ سکندریہ مسلمانوں سے کس طرح بچایا جائے۔ اس پیغام میں صاف لکھا ہے کہ مسلمانوں کا رخ سکندریہ کی طرف ہے"۔

"مزید کمک بھیج دی جائے" — مرتینا نے کہا۔

تمام جرنیلوں اور مشیروں نے مرتینا کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے انہیں وہاں مرتینا کی موجودگی پسند نہ ہو لیکن وہ چپ رہے۔

"مزید کمک نہیں بھیجی جا سکتی" — کونستانس نے کہا — "ہمیں بزنطیہ کا دفاع مضبوط کرنا ہے"۔

"اور جو کمک بھیجی جا چکی ہے وہ کچھ کم نہیں" — جنرل اقلینوس نے کہا — "ہمیں یہ حقیقت قبول کر لینی چاہئے کہ ہماری فوج لڑنے کا جذبہ کھو چکی ہے اور ہم مصر مسلمانوں کے حوالے کر چکے ہیں پھر بھی ہمیں اس صورتِ حال کا سامنا کرنا اور اس کا کوئی علاج سوچنا پڑے گا"۔

"میرا ایک مشورہ ہے" — ہرقلیوناس بولا — "کونستانس سکندریہ چلا جائے اور خود نگرانی کرے"۔

جس طرح مرتینا کا بولنا کسی کو اچھا نہیں لگا تھا اسی طرح ہرقلیوناس کے اس مشورے پر سب کے چہروں پر بیزاری کا تاثر آ گیا اور کسی ایک نے بھی اس مشورے کے خلاف یا حق میں بات نہ کی۔ سب جانتے تھے کہ مرتینا اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو سلطنتِ روم کے تخت پر بٹھانے کے جتن کر رہی تھی۔ اپنی اسی خواہش کی تکمیل کی خاطر اس نے ہرقل کو زہر دے کر مارا تھا اور قسطنطین کو بھی اس نے اس حکیم سے زہر دلوایا تھا جو اس کا بیماری کے دوران علاج کر رہا تھا۔ وہ اب چاہتی تھی کہ کونستانس بزنطیہ سے چلا جائے اور ہرقلیوناس بزنطیہ میں تخت نشین رہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ فیصلہ بڑوں نے مل کر کیا تھا کہ کونستانس اور ہرقلیوناس مل کر حکمرانی کے فرائض سرانجام دیں۔ ہرقلیوناس کے اس مشورے کے پیچھے کہ کونستانس مصر چلا جائے' جو ذہنیت کارفرما تھی اسے سب سمجھتے تھے اسی لئے کسی نے بھی اس کو توجہ نہ دی۔

جنرل اقلینوس نے مشورہ دیا کہ ابھی پیغام لکھوا کر اسی قاصد کے ہاتھ سکندریہ بھیج دیا جائے۔ مصر میں جو رومی فوج تھی اس کا کمانڈر انچیف جنرل تھیوڈور تھا۔ ہرقل کا بنایا ہُوا اسقفِ اعظم قیرس بھی یہ ذمہ داری لے کر سکندریہ گیا تھا کہ وہ مصر کی جنگ کی نگرانی کرے گا اور کمک کی تقسیم خود کرتا رہے گا۔ آخر یہ طے پایا کہ جنرل تھیوڈور اور قیرس کے نام مشترکہ پیغام لکھا جائے۔

پیغام اُسی وقت لکھوایا جانے لگا۔ مختلف مؤرخوں نے اس پیغام کے مختلف حصے لکھے ہیں اور باقی پیغام کا لب لباب تاریخ کے حوالے کیا ہے۔ تاریخ میں اس پیغام کے جو الفاظ آج تک محفوظ ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

"شہنشاہِ روم جنرل تھیوڈور اور اسقفِ اعظم قیرس سے اور دیگر تمام جرنیلوں سے مخاطب ہیں۔ کیا تم سب مر گئے ہو یا زندہ لاشیں بن گئے ہو؟ صاف نظر آرہا ہے کہ جس طرح تم نے بابلیون اور کریون جیسے قلعے مسلمانوں کو دے دیئے اور پسپا ہو گئے اسی طرح سکندریہ بھی دے دو گے۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ سکندریہ گیا تو پورا مصر ہاتھ سے نکل جائے گا اور پھر مسلمان سیدھے بزنطیہ پر آئیں گے؟ سکندریہ مصر کا دل ہے۔ اس میں بھی مسلمانوں کا خنجر اُتر گیا تو نتیجہ صاف ظاہر ہے ....

"کریون سے سکندریہ تک نیل کے ڈیلٹا کے وسیع علاقے میں اپنی فوج جگہ جگہ موجود ہے اور اس کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ ہے۔ اگر تم لوگ جانوں کی بازی لگا کر سکندریہ کا دفاع کرو تو ان دس بارہ ہزار عربی مسلمانوں کو ڈیلٹا کی دلدل میں گم کر سکتے ہو۔ یہ ذہن میں رکھ لو کہ اب مزید کمک نہیں ملے گی۔ یہ اس لئے کہ تم لوگوں پر اعتبار نہیں۔ تم سکندریہ بھی دے بیٹھے تو بزنطیہ کے دفاع کے لئے فوج کی ضرورت ہو گی۔ مسلمان یہاں تک آسکتے ہیں۔ اگر سکندریہ ہاتھ سے جاتا نظر آیا تو بندرگاہ میں اور ساحل پر جہاں کہیں بھی اپنے بحری جہاز' بڑی کشتیاں اور چھوٹی کشتیاں بھی موجود ہیں سب کو آگ لگا دینا تاکہ مسلمانوں کے کام نہ آئیں۔ یہ بھی سن لو کہ سکندریہ سے بھاگ کر یہاں نہ آنا۔ یہاں کوئی تمہاری صورت دیکھنا گوارا نہیں کرے گا۔ سمندر میں ڈوب مرنا....

"اسقفِ اعظم قیرس کو واضح ہو کہ آپ مذہبی پیشوا ہیں۔ آپ بلند بانگ دعویٰ کر کے یہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ آپ کے لئے اور فوج کے لئے بہتر یہ ہے کہ آپ صحیح عیسائیت رائج کریں۔ بنیامین کو ساتھ لیں اور قبطیوں کو فوج میں شامل ہونے کی

ترغیب دیں۔ انہیں بتائیں کہ شاہ ہرقل نے عیسائیت کو فرقوں میں بٹنے سے بچانے کے لئے اپنی عیسائیت رائج کی تھی۔ ان کا اپنا ذاتی کوئی مقصد نہیں تھا۔ فوج کو مذہب سے ڈرائیں اور مسلمانوں کی غلامی سے بھی ڈرائیں۔ دس بارہ ہزار مسلمانوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مسلمان مسلسل پیش قدمی کر رہے ہیں اور لڑائیاں بھی لڑ رہے ہیں اور وہ بری طرح تھک چکے ہوں گے۔ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھائیں"۔

یہ پیغام اُسی وقت اُسی قاصد کو دے کر روانہ کر دیا گیا جو مصر سے کریون کی شکست کا پیغام لایا تھا۔

○

جس وقت یہ پیغام لکھوایا جا رہا تھا' مرتینا اٹھ کر چلی گئی تھی۔ ظاہر تو یہ ہوتا تھا کہ وہ یہ دیکھ کر چلی گئی ہے کہ اسے کوئی ذرا سی اہمیت اور توجہ ہی نہیں دے رہا لیکن اس کے جانے کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس قاصد کو جو پیغام لایا اور پیغام کا جواب لے جا رہا تھا' مرتینا بڑی اچھی طرح جانتی تھی۔ پیغام لانے لے جانے والے قاصد چند ایک ہی تھے جنہیں یہ تجربہ حاصل تھا۔ مرتینا نے تقریباً تمام قاصدوں کو اپنے جال میں لے رکھا تھا۔ انہیں وہ بے دریغ انعام واکرام دیا کرتی اور چوری چھپے اپنے پیغام بھیجا کرتی تھی۔

مرتینا نے بڑی تیزی سے قیرس کے نام پیغام لکھا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر ہاتھ میں رکھ لیا۔

قاصد پیغام کا جواب لے کر رخصت ہُوا تو وہ شاہی محل سے نکلنے والے سیدھے راستے سے ہٹ کر اُس طرف چلا گیا جس طرف مرتینا کا کمرہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مرتینا قیرس کے نام کوئی نہ کوئی پیغام ضرور دے گی۔ وہ جب مرتینا کے دروازے کے قریب پہنچا تو مرتینا نے سرگوشی میں اسے پکارا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر بڑی تیزی سے کمرے میں چلا گیا۔ مرتینا نے اسے کپڑے میں لپٹا ہوا پیغام دے دیا جو قاصد نے اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا لیا۔ پھر مرتینا نے اسے انعام دیا اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

قاصد شہر سے کچھ دور چلا گیا تو درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے اس کا راستہ مڑتا تھا۔ وہاں جا کر اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی اور درختوں کے جھنڈ میں چلا گیا۔ وہاں ایک آدمی ایک درخت کے پیچھے کھڑا تھا۔ قاصد نے مرتینا کا پیغام اپنے کپڑوں

کے نیچے سے نکال کر اس آدمی کو دے دیا اور رخصت ہو گیا۔

مرتینا اپنے خفیہ پیغام بھیجتی رہتی تھی لیکن کسی وقت کسی طرح اس کا یہ راز کھل گیا اور جنرل اقلینوس تک جا پہنچا۔ پیغام لے جانے والے یہ قاصد آخر فوج کے ملازم تھے اور اقلینوس فوج کا سپریم کمانڈر تھا۔ اس نے تمام قاصدوں کو خفیہ طور پر بڑی سختی سے کہا کہ جب کبھی مرتینا کسی کو قیرس یا جنرل تھیوڈور کے نام پیغام دے تو وہ اس سے لے لے اور شہر سے باہر اسے ایک آدمی ملے گا یہ پیغام اس کے حوالے کر دے اور پھر کبھی مرتینا سے ملاقات ہو تو اسے بتا دے کہ اس کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔

مرتینا کا یہ پہلا ایسا پیغام تھا جو راستے میں سے ہی واپس آ گیا تھا۔ قاصد خوش تھا کہ اسے مرتینا سے انعام مل گیا تھا اور اس کا سپریم کمانڈر بھی اس پر خوش ہو گیا تھا۔ اس طرح مرتینا کا پیغام بنام قیرس راستے سے ہی واپس آ گیا اور جنرل اقلینوس تک پہنچ گیا۔

جنرل اقلینوس نے پیغام پڑھا۔ قیرس آخر اسقفِ اعظم تھا اور اس کا کردار جیسا کیسا بھی تھا پھر بھی اس کا احترام لازم تھا لیکن مرتینا نے اسے یوں مخاطب کیا تھا جیسے اس کا کوئی ہمجولی یا بے تکلف دوست ہو۔ مرتینا نے لکھا تھا کہ تمہیں میں نے بڑی امیدوں سے مصر بھیجا تھا اور تم بڑے اچھے وعدے کر کے گئے تھے لیکن میرے خواب ٹوٹتے پھوٹتے نظر آ رہے ہیں۔ میرے لئے بزنطیہ میں حالات ٹھیک نہیں رہے۔ مخالفت بڑھ رہی ہے۔ مجھے تو صاف نظر آنے لگا ہے کہ مصر ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ مصر کے کچھ حصے پر قبضہ کر لو اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی صلح سمجھوتہ کر لو اور مجھے بلا لو؟ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مجھے بتاؤ کہ کونستانس کا کیا کیا جائے۔ تقریباً تمام جرنیل اس کی حمایت میں ہو گئے ہیں اور میں تنہا رہ گئی ہوں۔ کوشش کرو سکندریہ ہاتھ سے نہ جائے اور مسلمانوں کو پسپا کر دو پھر میں تمہارے پاس ہی آ جاؤں گی۔ جنرل تھیوڈور کو اپنے اعتماد میں رکھنا۔ ہم نے آخر مصر میں خودمختاری کا اعلان کرنا ہے۔

مرتینا نے اتنے کھلے اور واضح الفاظ میں یہ پیغام اس یقین اور بھروسے پر بھیجا تھا کہ کوئی قاصد اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جنرل اقلینوس نے یہ پیغام پڑھا اور کونستانس کے پاس چلا گیا۔ پیغام کونستانس کو دیا۔ اس جواں سال شاہِ روم نے پیغام پڑھا تو غصے اور جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میں آپ کے سامنے ایک نادان بچہ ہوں" ـــ کونستانس نے کہا ـــ "آپ

جہاندیدہ اور تجربہ کار ہیں۔ کچھ بتائیں یہ پیغام پڑھ کر کیا کیا جائے"۔

"میں یہ پیغام پڑھ کر ذرا سا بھی حیران نہیں ہُوا" ـــ جنرل اقلینوس نے کہا ـــ "مرتینا سے یہی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ اگر میں اس کا یہ پیغام نہ پڑھتا تو بھی مجھے معلوم ہے کہ یہ کس ذہنیت کی عورت ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں.... ہم اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کریں گے۔ میں یہ پیغام اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور ہم خاموشی اختیار کئے رکھیں گے۔ آپ بھی بالکل خاموش رہیں جیسے آپ کو کچھ بھی علم نہیں"۔

کونستانس خاموش تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے کا تاثر بتا رہا تھا جیسے وہ اس خیال میں کھو گیا ہو کہ مرتینا بڑی ہی خطرناک عورت ہے اور نہ جانے اس نے کیسی کیسی خوفناک سازشیں تیار کر رکھی ہوں گی۔ اگر کونستانس کو یہی خیال پریشان کر رہا تھا تو یہ غلط نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی تفصیلات لکھنے والے مؤرخوں نے مرتینا کی زمین دوز سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک تو بے حد خطرناک اور ہیبتناک تھی۔ اس کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئے گا۔

○

جنرل تھیوڈور کریون سے بھاگ کر سیدھا سکندریہ پہنچا۔ اس شکست کو تو وہ اپنی ذاتی شکست سمجھتا تھا۔ اس کے ذہن میں اب سلطنتِ روم نہیں بلکہ مرتینا تھی۔ مرتینا نے اسے لالچ دے رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مصر سے نکالے تو اسے مصر کے کچھ حصے کا یا تمام تر مصر کا فرمانروا بنا دیا جائے گا۔

جنرل تھیوڈور سکندریہ اکیلا نہیں پہنچا تھا۔ کریون سے آگے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا جو کچھ دشوار گزار تھا۔ اس وسیع و عریض علاقے میں چند ایک چھوٹے بڑے شہر اور قصبے تھے۔ ان میں چند ایک قلعہ بند تھے۔ تھیوڈور نے ان شہروں اور قصبوں میں فوج رکھی ہوئی تھی۔ اب اس نے یوں کیا کہ ان مقامات سے تھوڑی تھوڑی نفری اپنے ساتھ لیتا گیا اور سکندریہ پہنچا۔ یہ نفری ملا کر (تاریخ کے مطابق) سکندریہ میں پچاس ہزار سے زیادہ فوج اکٹھی کر لی گئی۔

خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ مجاہدین اسلام کی تعداد پوری بارہ ہزار نہیں رہ گئی تھی۔ ہر مفتوحہ جگہ پر کچھ نفری چھوڑنی پڑتی تھی۔ ایسے ہی کریون کے انتظامات سنبھالنے کے لئے اور امن و امان بحال کرنے کے لئے خاصی نفری رکھی گئی۔ تاریخ میں

صحیح اعداد و شمار نہیں ملتے کہ مجاہدینِ اسلام کی تعداد کیا تھی۔ اگر پہلے آئی ہوئی کمک اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے ساتھ آئے ہوئے لشکر کی تعداد سامنے رکھی جائے اور پھر شہیدوں اور شدید زخمیوں کا اور پھر پیچھے رکھے جانے والے مجاہدین کا حساب کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین جب سکندریہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے اُس وقت ان کی تعداد پوری دس ہزار نہیں تھی۔ یہ مجاہدین کا شوقِ شہادت اور جذبۂ جہاد تھا کہ وہ اپنی تعداد کو نہیں بلکہ باطل کی ان چٹانوں کو دیکھ رہے تھے جو ان کے راستے کی رکاوٹ بن رہی تھیں۔

اللہ کی رحمت کا کوئی حساب نہیں۔ اس کی ذاتِ باری جسے چاہے رحمت عطا کر دے اور جسے چاہے اسے محروم رکھے لیکن یہ اللہ کا فرمان ہے کہ رحمتِ الٰہی کے لئے اپنے آپ کو حق دار ثابت کرنا ضروری ہے۔ معجزے رُونما نہیں ہُوا کرتے بلکہ کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے ایمان کی قوت کی ضرورت ہے۔ مجاہدینِ اسلام نے اپنی جانیں اللہ کے حوالے کردی تھیں اور اپنی جانوں کے صلے میں باطل کی شکست اور اسلام کی سربلندی چاہتے تھے۔

کریون فتح کرنے والے مجاہدین کو معلوم نہیں تھا کہ سکندریہ کس قدر مضبوط قلعہ ہے۔ اسے اگر ناقابلِ تسخیر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ سکندریہ کا شہر ایسی جگہ آباد کیا گیا تھا جہاں اسے تین اطراف سے قدرتی دفاع میسّر آگیا تھا۔

مجاہدین تو سکندریہ سے واقف نہیں تھے لیکن سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے یہ شہر اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب عمروؓ بن عاص نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے سکندریہ آنے کا واقعہ اس داستان کی ابتدا میں بیان کیا جاچکا ہے۔ عمروؓ بن عاص کو اچھی طرح احساس تھا کہ اب وہ ناممکن کو ممکن بنانے جارہے ہیں لیکن وہ سکندریہ کو سر کرلینے کا دعویٰ نہیں کر رہے تھے۔ کچھ جاسوس مجاہدین آگے جاکر پورے سکندریہ کو بھی دیکھ آئے تھے۔ چند ایک قبطی بھی جاسوسی کا کام کر رہے تھے۔ ان میں جو کوئی آگے جاکر جو کچھ بھی دیکھتا وہ واپس آکر سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو تفصیل سے بتاتا تھا۔ اس طرح سپہ سالار کو سکندریہ تک کے راستے اور راستے کے علاقے اور اس علاقے کے خطرات سے واقفیت حاصل ہوگئی تھی۔

یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے کہ سکندریہ کا محلِ وقوع اور اس کا دفاع بیان کردیا

جائے تاکہ اندازہ ہوجائے کہ مجاہدین اسلام صحیح معنوں میں آتشِ نمرود میں کود جانے کو چلے جارہے تھے۔ اس شہر کے شمال میں بحیرۂ روم تھا للہٰذا اس طرف سے حملے یا محاصرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جنوب میں ایک وسیع و عریض جھیل جیسا بحیرۂ مربوط تھا جو اس طرف سے سکندریہ کو قدرتی دفاع مہیا کرتا تھا اور بلاشک وشبہ یہ ایک ناقابلِ تسخیر دفاعی انتظام تھا۔ مغرب میں ایک چوڑا اور گہرا نالہ گزرتا تھا جس کا نام ثعبان تھا۔ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس نالے کو عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عام حالات میں لوگ اسے کشتیوں سے بھی پار کرتے تھے اور اس پر پُل بھی تھے، البتہ محاصرے اور جنگ کی صورت میں حملہ آور اسے عبور نہیں کرسکتے تھے کیونکہ سامنے سے تیر آتے تھے اور برچھیاں بھی آتی تھیں اور پُلوں کی حفاظت کا ایسا ہی مہلک انتظام تھا۔

صرف مشرق کی ایک سمت رہ جاتی تھی جدھر سے سکندریہ پر حملہ کیا جاسکتا تھا یہی وہ راستہ تھا جو کریون سے سکندریہ کی طرف جاتا تھا۔ اس راستے کے دائیں بائیں دور دور تک چھوٹی بڑی قلعہ بندیاں تھیں جنہوں نے اس راستے کو حملہ آوروں کے لئے پُرخطر بنا رکھا تھا۔ صرف یہی ایک سمت تھی جدھر سے سکندریہ پر حملہ کیا جاسکتا تھا۔

جنرل تھیوڈور نے شہر کے اندر پچاس ہزار فوج اکٹھی کرلی تھی اور رسد اور کمک کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ سمندر رومیوں کے قبضے میں تھا۔ بزنطیہ سے سمندر کے راستے کمک بھی آسکتی تھی اور رسد بھی۔ رسد ادھر سے نہ آتی تو رومیوں کا جس علاقے پر قبضہ تھا وہاں کی بستیوں سے اور کھیتوں سے رسد بڑی آسانی سے آسکتی تھی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی قیادت میں مجاہدینِ اسلام کا لشکر ابھی راستے میں تھا کہ ایک قبطی جاسوس نے آکر بتایا کہ جنرل تھیوڈور نے سکندریہ کے اندر کی فوج کو مجاہدین کے خلاف ایسا بھڑکایا ہے کہ یہ فوج آگ بگولہ ہو کر مجاہدین کا انتظار کر رہی ہے۔ جنرل تھیوڈور نے فوج کو اکٹھا کر کے بتایا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے اور وہ اس لئے کامیاب ہوتے چلے آرہے ہیں کہ مصر کے اندر سے انہیں تعاون مل رہا ہے اور مصر میں کچھ غدار موجود ہیں۔ تھیوڈور نے قبطیوں کا نام تو نہ لیا لیکن اس کا اشارہ قبطیوں کی طرف ہی تھا۔ وہ قبطیوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فوج سے کہا کہ سوچ لو کہ سکندریہ ہاتھ سے نکل گیا تو پورا مصر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے گا اور

یہ دیکھ لو کہ سکندریہ عیسائیت کا مرکز ہے اور اتنے گرجے کسی اور شہر میں نہیں جتنے سکندریہ میں ہیں۔

اس دوران بزنطیہ کا پیغام سکندریہ پہنچ گیا۔ جنرل تھیوڈور نے یہ پیغام جرنیلوں کو، قیرس کو اور پوری فوج کو پڑھ کر سنایا۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کو اگر سکندریہ میں ہی شکست دے دی گئی تو ان کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ انہیں وہیں قتل اور قید کردیا جائے گا۔

رومی فوج دراصل بزنطیہ کے شاہی محل کے پیغام سے بھڑکی تھی اور اب ہر ایک سپاہی نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کرلیا تھا۔ رومی فوجی سکندریہ میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔ پھر جنرل تھیوڈور نے اپنی فوج کا کام یوں آسان کردیا کہ سکندریہ کی دیواروں پر چھوٹی منجنیقیں لگادیں اور ان کے قریب پتھروں کے ڈھیر لگادیئے۔

محاصرے کو ناکام اور پسپا کرنے کے لئے دیواروں پر تیرانداز اور برچھی باز مورچہ بند کردیئے تھے جو حملہ آوروں کو دروازوں اور دیواروں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ حملہ آور اگر قلعے پر یلغار کرتے تو اوپر سے ان پر تیروں کی بوچھاڑیں اور برچھیاں آتی تھیں۔ ان سے وہی بچتا تھا جو پیچھے کو بھاگ آتا تھا لیکن تھیوڈور نے دیواروں پر منجنیقیں لگادیں جن کے پھینکے ہوئے پتھروں نے حملہ آوروں کو دور ہی رکھا تھا۔

اسقفِ اعظم قیرس نے اپنا محاذ کھول لیا تھا جس کا تعلق مذہب کی تبلیغ کے ساتھ تھا۔ اس کی تفصیلات پچھلے باب میں بیان ہوچکی ہیں۔ تمام بستیوں میں اس نے پادری بھیج دیئے تھے لیکن مجاہدین اسلام کی پیش قدمی اور حملے ایسے طوفانی تھے کہ قیرس کے اس محاذ کو خس و خاشاک کی طرح اڑاتے چلے گئے۔

قیرس نے ایک انتظام یہ کرلیا تھا کہ دوسرے اسقفِ اعظم بنیامین کو جلاوطنی سے اپنے پاس سکندریہ بلالیا تھا۔ اسے قیرس قائل کر رہا تھا کہ وہ قبطیوں کو آمادہ کرے کہ وہ فوج میں شامل ہوجائیں یا مسلمانوں کے دوست بن کر ان کی پیٹھ پر وار کریں۔ بنیامین اسے وہ قتلِ عام یاد دلا رہا تھا جو اس نے ہرقل کی شہہ پر قبطیوں کا کیا تھا۔

"ہرقل مرگیا ہے" ــــ قیرس نے بنیامین سے کہا ــــ "اس کا بیٹا قسطنطین بھی مرگیا ہے۔ سمجھو کہ ہرقل کی عیسائیت مرگئی ہے اور اب ہم دونوں اصل عیسائیت کی تبلیغ کریں اور قبطیوں کو بتائیں کہ اسلام سے عیسائیت کو بچائیں۔ مصر ہاتھ سے جا رہا ہے اور ہم

مصر کو ہی عیسائیت کا مرکز بنانا چاہتے ہیں"۔

"مصر جا نہیں رہا بلکہ ہاتھ سے نکل گیا ہے" ــــ بنیامین نے کہا ــــ "تم لوگوں نے مذہب کو کھلونا بنالیا ہے"۔

"میرے بھائی بنیامین!" ــــ قیرس نے جھنجھلا کر کہا ــــ "مذہب کو الگ رکھ دو، مصر کا خیال کرو جو ہمارا اپنا وطن ہے"۔

"یہی تمہاری بھول ہے" ــــ بنیامین نے کہا ــــ "ہماری شکست اور مسلمانوں کی فتح کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تم لوگوں نے مذہب کو الگ رکھ دیا تھا بلکہ مذہب کو اپنے ذاتی مفادات اور شہنشاہیت کو مزید تقویت دینے کے لئے اپنے سانچے میں ڈھال لیا تھا.... حیران مت ہو قیرس بھائی! اتنے تھوڑے مسلمان فتح یاب ہوئے تو اس میں کوئی حیرت والی بات نہیں۔ تم مذہبی پیشوا اور عالم ہو۔ حیران ہونے والی بات تو یہ ہے کہ تم سمجھ نہیں سکے کہ مسلمان صرف اس لئے فتح یاب ہوتے چلے جارہے ہیں کہ انہوں نے مذہب کو الگ نہیں رکھا بلکہ اپنی ذات، اپنے دنیاوی مفادات اور اپنی جانوں کو الگ رکھ کر مذہب کو سینے سے لگائے رکھا ہے۔ اس جنگ کو وہ اپنے مذہب کی جنگ کہتے ہیں۔ یہ ان کے مذہب کا ایک فریضہ ہے جو جہاد کہلاتا ہے۔ ان کے مذہب میں نماز قضا ہو سکتی ہے جہاد کو قضا نہیں کیا جاسکتا۔ پھر ان کے مذہب کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مفتوحہ لوگوں کو اپنا غلام نہ سمجھو اور انہیں بحیثیت انسان پورے حقوق اور تعظیم دو۔ ان مسلمانوں نے یہاں اپنے اس مذہبی اصول کی پابندی کی اور لوگ ان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئے۔ ان کے مقابلے میں تم لوگوں نے قتل اور بے پناہ تشدد سے اپنی غلط عیسائیت منوائی اور ان کی آہوں اور فریادوں کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ تم ہی بتاؤ قیرس! یہ لوگ کسے اپنا اور کسے پرایا سمجھیں!"

"اس وقت جو صورتِ حال اس کی طرف دھیان دیں!" ــــ قیرس نے ہاری ہوئی سی آواز میں کہا ــــ "قبطیوں کو میدان میں لاؤ۔ انہیں بتاؤ کہ مصر تمہارا ہے اور تمہارا اپنا ایک مذہب ہے۔ مسلمان اس ملک پر قابض ہوگئے تو تم ان کے غلام بنے رہو گے اور تمہارا کوئی مذہب نہیں ہوگا"۔

"قبطی میدان میں نہیں آئیں گے" ــــ بنیامین نے کہا ــــ "اگر رومی مصر سے دستبردار ہوجائیں پھر دیکھو قبطی کس طرح مصر کے دفاع میں لڑتے ہیں"۔

"اگر یہ نہیں تو ایک اور کام کرو!" ___ قیرس نے کہا ___ "قبطیوں سے کہو کہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنا چھوڑ دیں۔ میں نے کہا تھا کہ قبطی مسلمانوں کی پیش قدمی کو آسان اور تیز کرنے کے لئے ان کے راستے کی رکاوٹیں صاف کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ جہاں پُل بنانے کی ضرورت پڑتی ہے وہاں پُل بنا دیتے ہیں"۔

"میری آخری بات سن لو قیرس بھائی!" ___ بنیامین نے کہا ___ "میں نے تم سے یہ گِلہ شکوہ تو کیا ہی نہیں کہ مجھے لوگوں نے اسقفِ اعظم بنایا تھا لیکن تم نے خود اسقفِ اعظم بن کر مجھے شاہی حکم سے جلاوطن کردیا بلکہ میری گرفتاری کا حکم نامہ لیا اور میں صحراؤں میں جا رُوپوش ہُوا۔ یہ معاملہ تو میں نے خدا کے سپرد کردیا ہے۔ قبطیوں کے متعلق میں تمہیں آخری فیصلہ سنا دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ جہاں رومی قابض ہیں وہاں قبطی رومیوں کے وفادار ہیں اور جو علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے ہیں وہاں قبطی مسلمانوں کے وفادار بن گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں طاقتوں میں سے کسی کے خلاف دشمنی پیدا کی اور وہی طاقت مصر پر قابض ہوگئی تو پھر ان کے لئے زندگی جہنّم بنادی جائے گی۔ میں تمہیں یہ ضمانت دیتا ہوں کہ قبطی عیسائی روم کی بادشاہی کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے.... ہم دونوں چونکہ مذہبی پیشوا ہیں اور مذہب سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اس لئے میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ جس مذہب میں فرقے پیدا ہو جاتے ہیں وہ مذہب کھیل تماشا بن جاتا ہے اور اس مذہب کی قسمت میں غیروں کی غلامی لکھ دی جاتی ہے۔ تم نے ہرقل کے ساتھ مل کر عیسائیت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور آج اس کی سزا بھگت رہے ہو۔ اپنے مقابلے میں مسلمانوں کو دیکھو۔ ان میں کوئی فرقہ نہیں۔ وہ ایک جماعت ہیں۔ اپنے سپہ سالار کو اپنا فوجی قائد ہی نہیں بلکہ اپنے مذہب کا امام بھی کہتے ہیں"۔

یہاں تاریخ کا ایک اور پہلو سامنے لانا ضروری ہے۔ مصر کی فتح ایک معجزاتی فتح سمجھی جاتی ہے لیکن یہ معجزہ اپنے آپ ہی رُونما نہیں ہو گیا تھا۔ مجاہدین نے اپنی جانیں اللہ کے سپرد اور اپنے جسم اپنے سالاروں کے سپرد کر دیئے تھے۔ انہیں جتنا بھروسہ اپنے اللہ پر تھا اتنا ہی اعتماد قیادت پر تھا۔ مصر کی فتح میں ایمان کی پختگی اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی غیر معمولی عسکری ذہانت کا کرشمہ تھا لیکن غیر مسلم مؤرخوں نے اس حقیقت کو اس طرح جھٹلانے کی کوشش کی ہے کہ مصر کے تمام قبطی عیسائی مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے

اور مسلمانوں کی فتح کا باعث بنے تھے۔ یہ مؤرخ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رومی جرنیلوں کی کمزوری تھی کہ وہ ہر شہر میں مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ہتھیار ڈال دیتے تھے۔

یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ قبطی عیسائیوں کی جو پالیسی تھی وہ قیرس اور بنیامین کی گفتگو میں واضح ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شہر میں جرنیل مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیتے تھے لیکن وہ اُس وقت ایسا کرتے تھے جب دیکھ لیتے تھے کہ اب اس شہر کو مسلمانوں سے بچانا ممکن نہیں رہا تو کم از کم اپنی جانیں ہی بچالی جائیں اور بچی کھچی فوج کو یہاں سے نکال لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ معاہدہ کرتے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔



کریون کی فتح کے بعد سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے وہاں زیادہ انتظار مناسب نہ سمجھا۔ ان کا اصول تھا کہ بھاگے ہوئے دشمن کے تعاقب میں رہا جائے تاکہ وہ کہیں سنبھل اور ستا نہ سکے لیکن عمروؓ بن عاص کو پھر بھی کچھ دن انتظار کرنا پڑا۔ وہ اس لئے کہ مجاہدین کے لشکر کو ذرا ستانے کی شدید ضرورت تھی اور وہ زخمی جو لڑنے کے قابل نہیں رہے، اتنے صحت یاب ہو جائیں کہ پیش قدمی کر سکیں۔ اس کے علاوہ کریون جیسے بڑے شہر میں امن و امان بحال کرنا تھا اور وہاں کے سرکاری انتظامات کو بھی رواں کرنا ضروری تھا۔

عمروؓ بن عاص پر تو جیسے دیوانگی طاری ہو گئی تھی لیکن وہ حقیقت پسندی سے دست بردار نہ ہوئے اور عقل و ہوش کو ٹھکانے رکھا۔ مقریزی اور ابن الحکم جیسے مستند تاریخ دان لکھتے ہیں کہ مجاہدین کی جسمانی کیفیت اس قابل رہی ہی نہیں تھی کہ وہ چند قدم بھی پیش قدمی کر سکتے لیکن روحانی طور پر وہ اس قدر تر و تازہ اور مسرور تھے کہ وہ کریون میں زیادہ انتظار کے حق میں تھے ہی نہیں۔ سالاروں کے جذبے کی کیفیت تو اور ہی زیادہ پُرجوش تھی۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص اپنے لشکر کی اور اپنے سالاروں کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے لیکن انہیں یہ احساس بھی تھا کہ لشکر پر جذباتیت طاری ہو گئی تو یہ شکست کا باعث بن سکتی ہے۔ انہوں نے پہلے دو تین موقعوں پر مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ فتح کے نشے سے سرشار ہو کر اگلی لڑائی نہیں لڑنی چاہئے کیونکہ فتح کا نشہ خوش فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے اور خوش فہمیاں شکست کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔

اب عمروؓ بن عاص نے کریون سے سکندریہ کی طرف پیش قدمی کے وقت ضروری

سمجھا کہ لشکر سے خطاب کیا جائے۔ ایک تو وہ لشکر کو جذباتیت اور خوش فہمی سے نکالنا چاہتے تھے اور دوسرے یہ کہ لشکر کو یہ بتانا بہت ہی ضروری تھا کہ اب وہ جس ہدف پر جا رہے ہیں وہ ایسے ہی ہے جیسے پہاڑ کو جڑوں سے اکھاڑنے کی کوشش ہو' چنانچہ انہوں نے لشکر کو اکٹھا کیا اور کچھ وقت لگا کر خطاب کیا۔ پہلے تو لشکر کو یہ ذہن نشین کرایا کہ حقیقت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور اس خوش فہمی کو بھی دل و دماغ پر طاری نہ ہونے دیں کہ وہ جہاں بھی جائیں گے انہیں فتح ہی حاصل ہو گی۔

پھر لشکر کو بتایا کہ اب وہ جس شہر پر حملہ کرنے جا رہے ہیں وہ صحیح معنوں میں ناقابل تسخیر ہے اور اس کا زیادہ تر دفاع قدرتی ہے۔ عمروؓ بن عاص نے سکندریہ کے دفاع کے تمام انتظامات وغیرہ لشکر کو تفصیل سے بتائے اور بتایا کہ ہم نے سکندریہ کا شہر فتح کر لیا تو سمجھو پورا مصر فتح کر لیا ہے۔ رومیوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ ان کے پاس بحری بیڑہ ہے جو انہیں سمندر پار پہنچا دے گا۔

"اسلام کے علمبردارو!" —— عمروؓ بن عاص نے کہا —— "جب کوئی لشکر لڑنے کے لئے نکلتا ہے تو نتیجہ فتح کی صورت میں بھی سامنے آ سکتا ہے اور شکست کی صورت میں بھی۔ لڑنے والوں کے لئے فتح اور شکست پہلو بہ پہلو چلا کرتی ہیں لیکن ہمارے معاملے میں صورت کچھ اور بھی ہے۔ اگر سکندریہ میں ہم شکست کھا گئے تو پھر ہمارے قدم شاید کہیں بھی نہ جم سکیں۔ تم میں سے بہت کم جانتے ہوں گے کہ ہماری شکست کی صورت کچھ اور ہو گی۔ وہ یہ کہ ہم مدینہ واپس جا کر اپنی قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ تمہیں نہیں 'لوگ مجھے طعنے دیں گے کہ تمہیں بزرگ صحابہ کرام نے منع کیا تھا کہ مصر پر فوج کشی نہ کرو اور تم باز نہ آئے۔ اب اتنے زیادہ ماؤں کے جوان بیٹے مروا کر اور پرائی زمین پر ان کی لاشیں پھینک کر آ گئے ہو....

"تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ میں نے امیرالمومنین سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی تھی تو تقریباً تمام صحابہ کرام نے مخالفت کی تھی جن میں سب سے زیادہ محترم بزرگ حضرت عثمانؓ بن عفان خاص طور پر شامل ہیں۔ اب یہ سوچو کہ میں نے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا ہے۔ اس میں میری یا تم میں سے کسی کی کوئی ذاتی غرض نہیں کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ ہم باطل کے خلاف اللہ کی راہ پر جہاد میں نکلے ہیں....

"دینِ اسلام کے مجاہدو! مصر کے متعلق یہ ذہن میں رکھو کہ یہ فرعونوں کا ملک

ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک فرعون کو دعوت حق دینے آئے تھے لیکن اس فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو زیر کرنے کے لئے اپنے جادوگر کو بلا لیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے عصا میں اپنی خدائی طاقت ڈال دی جس کے سامنے ہر جادو بے کار ہو کے رہ گیا۔ یہ تو بڑی لمبی کہانی ہے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس نیل نے حضرت موسیٰؑ کو راستہ دے دیا تھا اور پھر اسی نیل نے فرعون کو غرق کر دیا۔ آج اللہ نے تمہیں یہ اعزاز بخشا ہے کہ فرعون کی زمین سے باطل کا نام و نشان مٹا دو۔ تم سوچو گے کہ فرعون تو کبھی کے دفن ہو چکے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ فرعون صدیاں گزریں ختم ہو گئے ہیں لیکن مصر میں فرعونیت ابھی تک باقی ہے۔ اللہ نے یہ فرض تمہیں سونپا ہے کہ اس فرعونیت کو اس ملک سے ختم کرو۔ مصر میں تم نے رومیوں کی فرعونیت کے قصے سنے ہوں گے۔ ہمیں اس سرزمین کو پاک اور مقدس بنانا ہے کیونکہ یہ ہمارے نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے"۔

عمروؓ بن عاص نے ایسی باتیں کیں اور ایسے پردے اٹھائے کہ اپنے لشکر کو جذباتیت اور خوش فہمیوں سے نکال کر حقیقت کا صحیح روپ دکھا دیا۔ اس کے بعد کریون سے لشکر روانہ ہُوا۔

پیش قدمی کا راستہ خطروں سے خالی نہیں تھا۔ اس علاقے میں کئی ایک چھوٹی بڑی بستیاں تھیں۔ ان میں قصبے بھی تھے اور درمیانہ درجے کے شہر بھی۔ ان میں سے بعض میں رومی فوج موجود تھی۔ فوج کی کچھ نفری جنرل تھیوڈور اپنے ساتھ سکندریہ لے گیا تھا اور جو نفری پیچھے رہ گئی تھی اسے تھیوڈور نے یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں پر دائیں بائیں اور پیچھے سے حملے کرتے رہیں تاکہ ان کی پیش قدمی سست رہے اور ان کا جانی نقصان ہوتا رہے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص میں یہی تو بنیادی خوبی تھی کہ وہ اس قسم کے خطرات کو پہلے ہی بھانپ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے جو انہیں اطلاعیں دیتے جا رہے تھے کہ کہاں سے حملے کا خطرہ ہے۔ عمروؓ بن عاص اس خطرے کا سدِباب یہ کرتے کہ مجاہدین کے کچھ دستے لے کر اس جگہ کو محاصرے میں لے لیتے اور ایسی غضب ناک یلغار کرتے کہ رومی فوجی ہتھیار ڈال دیتے تھے۔

اس طرح پیش قدمی کی رفتار کچھ کم تو رہی لیکن خطرے ٹلتے جا رہے تھے۔ تاریخ

میں آیا ہے کہ بعض مقامات پر رومیوں نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی وجہ وہی تھی جو پہلے کئی موقعوں پر بیان ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ کریون سے بھاگے ہوئے فوجی ان مقامات پر چلے گئے اور وہاں کے فوجیوں کو مسلمانوں کی بے جگری اور شجاعت کی باتیں بڑھا چڑھا کر سنائیں کہ ان پر بھی دہشت طاری کر دی۔ وہاں کے فوجی یہ بھی تو ضرور سوچتے ہوں گے کہ جنہوں نے اتنی قلیل تعداد میں کریون جیسا مستحکم قلعہ لے لیا ہے ان کے آگے یہ چھوٹی سی قلعہ بندی کیا حیثیت رکھتی ہے!

بعض بستیوں کو عمروؓ بن عاص نے نظرانداز کر دیا کیونکہ وہاں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس طرح مجاہدین کا لشکر آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور منزل قریب آتی گئی۔

○

دانشمندوں نے کہا ہے کہ تاریخ بہترین استاد ہے۔ جس قوم نے تاریخ سے سبق سیکھا وہ قوم تاریخ میں زندہ اور پائندہ رہی اور رہتی صدیوں تک نام پایا اور جن قوموں نے تاریخ کے عبرت ناک واقعات سے عبرت حاصل نہ کی وہ دوسروں کے لئے عبرت کا باعث بن کر تاریخ سے ہمیشہ کے لئے لاپتہ ہو گئیں۔

تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ جس مذہب میں تفرقہ بازی پیدا ہوئی وہ مذہب زندہ نہ رہ سکا اور اگر زندہ رہا بھی تو اس کے پیروکار غیروں کے غلام رہے اور ان کا مذہب غیروں کے لئے تماشا بنا رہا۔ یہ بھی کہ جس قوم کی قیادت میں ذاتی مفادات آ گئے اور اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی' وہ قوم اگر زندہ رہی بھی تو دوسروں کی محتاج بن کر زندہ رہی..... نہ اس قوم کی کوئی عزت رہی نہ وقار اور نہ کوئی پہچان!..... مجاہدینِ اسلام کے جذبۂ جہاد اور ایمان کی پختگی نے رومیوں کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا۔

پہلے آ چکا ہے کہ مرتینا کے بیٹے ہرقلیوناس کو کونستانس کے ساتھ شریکِ حکمرانی بنا دیا گیا تھا۔ یہ مرتینا کے سازشی اور ابلیسی ذہن کا حاصل تھا ورنہ ہرقلیوناس اس قابل تھا ہی نہیں کہ اسے حکمرانی جیسے نازک فرائض اور امور میں شریک کیا جاتا۔ ہرقلیوناس نے دیکھا کہ کریون کی شکست کے معاملے میں ہر کوئی کونستانس کے ساتھ بات کرتا ہے اور اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں اس کی ماں نے اسے اپنی اہمیت جتانے کا یہ طریقہ بتایا تھا یا اس کے اپنے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ ایک روز اس نے بزنطیہ کی ساری فوج کو گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھا کر لیا۔ فوج کے ساتھ تین چار جرنیل بھی

تھے۔

ہرقلیوناس گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے فوج کو یہ خبر سنائی کہ مصر میں مسلمانوں نے کریون نام کا ایک اور بڑا شہر فتح کر لیا ہے اور اب وہ سکندریہ کی طرف بڑھ رہے ہیں جو مصر کا دارالحکومت ہے اور اگر مسلمانوں نے سکندریہ بھی فتح کر لیا تو پورا مصر مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے گا..... ہرقلیوناس نے یہ پیغام سنا کر کہا کہ اپنی فوج مسلمانوں کے آگے بھاگی بھاگی پھر رہی ہے' اگر پورا مصر ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان بحیرۂ روم پار کر کے بزنطیہ پر حملہ کریں گے اور پھر تم بھی مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دو گے۔

بزنطیہ کی فوج کو یہ خبر دینے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر اس فوج کو یہ خبر سنانی ہی تھی تو اس فوج کی حوصلہ افزائی کرنی تھی کہ وہ فوجی اپنے ان فوجی ساتھیوں جیسے نہ ہو جائیں جو مصر میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے آ رہے ہیں اور پورا مصر دے بیٹھے ہیں لیکن ہرقلیوناس نے اس فوج کو بزدل اور حرام خور کہا جو ابھی مصر گئی ہی نہیں تھی۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگ تنخواہیں حرام کر رہے ہو اور اپنا فرض دیانت داری سے پورا نہیں کر رہے پھر اس نے جرنیلوں کو بھی توہین آمیز الفاظ کہہ دیئے اور اس کا بولنے کا انداز طنزیہ اور غصیلا ہوتا چلا گیا۔ اس نے کہا کہ یہاں سے جو کمک بھیجی گئی تھی وہ بھی مصر کی فوج جیسی بزدل نکلی..... ہرقلیوناس کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کمک کا بہت تھوڑا حصہ کریون بھیجا گیا تھا اور باقی ساری کمک ابھی سکندریہ میں ہے اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں آئی ہی نہیں۔ وہ دراصل جرنیلوں اور فوج پر یہ رعب گانٹھ رہا تھا کہ وہ بھی سلطنتِ روم کا ایک بادشاہ ہے اور جو چاہے کر اور کہہ سکتا ہے۔

آخر ایک جرنیل بول پڑا۔ اس نے کہا کہ انہیں وہ بلاجواز بزدل اور حرام خور نہ کہے۔ ابھی تو وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بھیجے ہی نہیں گئے۔ اگر مصر کی فوج نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالے ہیں تو بزنطیہ کے فوجی بزدل کس طرح قرار دے دیئے گئے ہیں۔

ہرقلیوناس نے کوئی تسلّی بخش یا حوصلہ افزا جواب دینے کی بجائے اس جرنیل کو یوں ڈانٹ دیا جیسے وہ جرنیل نہ ہو کوئی ادنیٰ سپاہی ہو۔ ایک جرنیل کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر ایک اور جرنیل بول پڑا اور اس نے بھی احتجاج کیا اور کہا کہ ہرقلیوناس بادشاہ ہی

کیوں نہ ہو، وہ فوج کے سامنے کسی جرنیل کی اس طرح توہین نہ کرے۔

ہر قلیوناس میں تدبّر کا تو نام و نشان نہ تھا، وہ بگڑا ہُوا شہزادہ تھا۔ اس میں کونستانس جیسی ذہانت تھی ہی نہیں۔ کونستانس کی تربیت اس کے باپ قسطنطین نے کی تھی جس میں عسکری ٹریننگ بھی شامل تھی اور سلطنت کے امور و مسائل کی تعلیم و تربیت بھی۔ ہر قلیوناس اپنی ماں مرتینا کے زیرِ اثر رہا تھا اور مرتینا ایک انتہائی خوبصورت اور بے حد سازشی ذہن والی عورت تھی۔

جب ہر قلیوناس نے دوسرے جرنیل کو پہلے جرنیل سے بھی زیادہ ڈانٹ پلادی تو باقی جرنیل غصے اور احتجاج سے بھرے ہوئے ایسے بولے کہ ہر قلیوناس کو ایک دو تلخ باتیں کہہ ڈالیں۔ اس کے ساتھ ہی پوری کی پوری فوج نے شور و غل بپا کردیا اور کچھ نے ترتیب ہی توڑ ڈالی اور ایک منظم فوج نے غم و غصے سے بپھرے ہوئے ہجوم کی صورت اختیار کرلی۔ ہر قلیوناس تحکمانہ لہجے میں چیخ چلّا رہا تھا لیکن اس کی کوئی سنتا ہی نہیں تھا نہ اس کی آواز اس قدر زیادہ شور و غل میں سنائی دے رہی تھی۔

ہر قلیوناس فوج سے خطاب کرنے کے لئے پورے شاہانہ کروفر سے گیا تھا۔ اس کے ساتھ شاہی باڈی گارڈز کا دستہ تھا اور ایک باڈی گارڈ نے شاہی پرچم اٹھا رکھا تھا۔ وہاں صورتِ حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ ہر قلیوناس کی جان خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے فوجی ہر قلیوناس پر حملہ کرکے اسے تلواروں سے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ حفاظتی دستے کے کمانڈر نے اپنے دستے کو اشارہ دے کر ہر قلیوناس کو حفاظتی حصار میں لے لیا۔

حفاظتی دستے کے کمانڈر نے اپنا دماغ حاضر رکھا اور عقلمندی یہ کی کہ تلواریں نیاموں سے نہ نکلنے دیں۔ تلواریں بے نیام کرنے کا مطلب چیلنج ہوتا تھا۔ حفاظتی دستے کے فرائض کا تقاضا کچھ اور تھا لیکن اس کے کمانڈر نے صورتِ حال کی نزاکت کے پیشِ نظر اپنی ہی فوج کے مقابلے میں آنے سے گریز کیا اور ساتھ ہی یہ دانشمندی کی کہ ایک باڈی گارڈ کو کان میں کہا کہ وہ بہت ہی تیزی سے جائے اور جنرل اقلینوس کو اطلاع دے کہ گھوڑ دوڑ کے میدان میں بغاوت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ محافظ گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہوا سے باتیں کرتا جنرل اقلینوس کے پاس جا پہنچا۔ اس جرنیل نے کونستانس کو اطلاع دی اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر گھوڑے سرپٹ دوڑاتے گھوڑ دوڑ میدان میں جا

پہنچے۔ دیکھا کہ فوج ان کی اپنی فوج لگتی ہی نہیں تھی۔ وہاں شاہی خاندان کے خلاف نعرے لگ رہے تھے اور بار بار ایسی آوازیں اٹھتی تھیں کہ ہم بزدل نہیں، بزدل شاہی خاندان ہے وغیرہ۔

کونستانس اور سپریم کمانڈر جنرل اقلینوس کے لئے یہ صورتِ حال کوئی نئی نہیں تھی۔ اس سے پہلے باقاعدہ بغاوت ہو چکی تھی جو بہت حد تک خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب قسطنطین کی موت پر پتہ چلا تھا کہ مرتینا نے شاہی طبیب کے ہاتھوں اسے زہر دلوایا ہے۔ روم کے تخت و تاج کی وراثت پر جرنیل اور سول انتظامیہ کے بالائی حکام دو حصوں میں بٹ گئے تھے اور پھر جرنیلوں نے آپس میں بٹ کر فوج کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ بظاہر فوج ایک تھی لیکن ان کے دل پھٹ کر دو ہو گئے تھے۔ بڑی ہی مشکل سے وہ خانہ جنگی قابو میں آئی اور امن و امان بحال کیا گیا تھا۔ اسی کے نتیجے میں تخت کی وراثت کونستانس اور ہر قلیوناس کو دی گئی تھی۔

اب صورتِ حال خانہ جنگی والی نہیں رہی تھی کیونکہ زیادہ تر حمایت کونستانس کو حاصل تھی اور تقریباً تمام جرنیل سمجھ گئے تھے کہ مرتینا شیطان صفت عورت ہے اور اس کا بیٹا ہر قلیوناس عیاش اور بگڑا ہُوا شہزادہ ہے اور اس میں حکمرانی کی ذرا سی بھی رمق نہیں تھی۔

جنرل اقلینوس نے کونستانس اور ہر قلیوناس کو پیچھے کردیا اور خود فوج کو ٹھنڈا کرنے کے لئے چیخنے چلّانے لگا۔ آدمی جہاندیدہ اور دانشمند تھا اس لئے اس کا انداز رعب جھاڑنے والا نہیں تھا بلکہ بڑے ہی دوستانہ اور صلح جُو انداز سے فوج سے مخاطب ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ پہلے فوج اپنی ترتیب میں ہو جائے پھر بات ہو سکے گی کہ فوجیوں کو کیا شکایت پیدا ہوئی ہے۔ فوج فوراً ترتیب میں ہو کر خاموش ہو گئی۔ اقلینوس نے ایک سینئر جرنیل سے کہا کہ وہ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے بتائے کہ یہ فساد کس طرح شروع ہُوا ہے۔

"ہمیں بزدل اور حرام خور کہا گیا ہے" —— اس جرنیل نے کہا —— "ہم بزنطیہ میں ہیں مصر میں نہیں۔ مصر کی شکست کے ذمہ دار ہم نہیں"۔

"ہمارا ایک مطالبہ پورا کیا جائے" —— ایک اور جرنیل بیچ میں بول پڑا —— "ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ ہم نے ایک بادشاہی کے دو بادشاہ کبھی نہیں سنے۔

ہم شاہ ہرقل اور قسطنطین کی قاتلہ کے بیٹے کا حکم نہیں مانیں گے"۔

"ہم صرف کونستانس کو شاہِ روم مانتے ہیں"۔ ایک اور جرنیل نے کہا ۔۔۔ "ہرقلیوناس پوری فوج کو مروادے گا یا ایک بار پھر آپس میں لڑادے گا"۔

فوج نے ایک بار پھر شور شرابہ شروع کر دیا۔ فوجی ایک ہی بات کہے چلے جا رہے تھے کہ وہ کونستانس کو شاہِ روم مانتے ہیں اور اسی کا حکم مانیں گے۔

مرتینا کو بھی اطلاع پہنچ گئی تھی اور وہ بھاگی بھاگی وہاں آن پہنچی اور اپنے بیٹے کے پاس کھڑی فوج کا شور شرابہ اور احتجاجی مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ کونستانس فوج کے قریب اور بالکل سامنے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے جو اشارہ تھا کہ فوجی خاموش ہو جائیں۔ فوجی آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے۔

"تم لوگ کہتے ہو کہ صرف میرا حکم مانو گے" ۔۔۔ کونستانس نے کہا ۔۔۔ "میرا حکم یہ ہے کہ خاموشی سے اپنے ٹھکانوں پر چلے جاؤ۔ تمہاری جو توہین کی گئی ہے اسے میں نظر انداز نہیں کروں گا۔ اگر تمہیں بزدل کہا گیا تو اس کا مطلب یہ نہ لو کہ میں بھی اور جنرل اقلینوس بھی تمہیں بزدل سمجھتے ہیں۔ ہماری نظر میں تمہاری عزت اور وقار قائم ہے اور قائم رہے گا۔ اپنے آپ کو بالکل ٹھنڈا کر لو اور واپس اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ"۔

کونستانس نے جرنیلوں کو اشارہ کیا کہ وہ یہیں موجود رہیں۔ فوج خاموشی سے بارکوں میں چلی گئی۔ مرتینا اور ہرقلیوناس آہستہ آہستہ چلتے کونستانس اور جنرل اقلینوس اور دوسرے جرنیلوں کے قریب ہو گئے۔

"قابلِ احترام خاتون!" ۔۔۔ جنرل اقلینوس نے کہا ۔۔۔ "آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ آپ کے بیٹے نے کیا صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔ کیا آپ پہلی بغاوت اور خانہ جنگی کو بھول گئی ہیں؟ اب صورت کچھ اور ہے محترمہ! اب آپ کے حمایتی اتنے تھوڑے رہ گئے ہیں کہ ان کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی نہ ان کی آواز میں کوئی اثر رہ گیا ہے۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا رہا ہوں کہ اب آپ دونوں کی جان خطرے میں ہے۔ اُدھر مصر ہاتھ سے جا رہا ہے اِدھر فوج کو آپ کا بیٹا بغاوت کے لئے بھڑکا رہا ہے۔ مت بھولیں کہ مسلمان بزنطیہ تک آ سکتے ہیں۔ روم کی سلطنت ہی نہ رہی تو اپنے بیٹے کو کون سے تخت پر بٹھائیں گی؟"

"میری بات پر کبھی کسی نے غور نہیں کیا" ۔۔۔ مرتینا نے دبی دبی زبان میں کہا ۔۔۔

"میں کہتی تھی کہ تخت و تاج میرے حوالے کر دیں لیکن مجھ پر الزامات لگائے گئے۔ میرا مطلب یہی تھا کہ حکمرانی ایک انسان کے ہاتھ میں رہے۔ اب کونستانس کا کچھ اور خیال ہوتا ہے اور ہرقلیوناس کچھ اور سوچتا ہے۔ اگر آپ میری بادشاہی تسلیم کر لیں...."

"میں پھر وہی بات کہوں گا جو پہلے کہہ چکا ہوں" ۔۔۔ جنرل اقلینوس نے مرتینا کی بات کاٹتے ہوئے کہا ۔۔۔ "اُدھر مصر ہاتھ سے جا رہا ہے اور اِدھر دارالحکومت میں آپ نے تخت و تاج کو مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے.... پہلے ہمیں اس عظیم سلطنت کو بچا تو لینے دیں"۔

مرتینا خاموش ہو گئی۔ اس کا بیٹا ہرقلیوناس اس کے منہ کی طرف احمقوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ مرتینا چپ چاپ اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر وہاں سے چلی گئی سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سب یہی سوچ رہے ہوں گے کہ اس عورت کی خاموشی بڑے ہی تیز و تند اور تباہ کن طوفان کے پہلے کی خاموشی ہے۔ کوئی بھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا کہ اس عورت کو کچھ کھری کھری باتیں کہہ کر لاجواب کر دیا گیا ہے۔

○

مجاہدینِ اسلام کا لشکر سکندریہ تک پہنچ گیا لیکن اس شہر کو محاصرے میں لینا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کا محلِ وقوع پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے دو مقامات 'حلوہ اور قصر فاروس' کے درمیان اپنے لشکر کو روک کر خیمہ زن کر دیا۔ خیمہ گاہ کے لئے وہ علاقہ موزوں تھا لیکن وہاں مسئلہ صرف خیمہ زن ہونے کا نہیں بلکہ سکندریہ کو سر کرنا اصل مقصد تھا جو پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ لشکر نے شہر کی سامنے والی دیوار پر بے شمار منجنیقیں لگی دیکھیں۔ عمروؓ بن عاص ان منجنیقوں کی زد سے دور رہے۔ بڑے مضبوط اور مشہور قلعوں کو دیکھا گیا تھا جن پر بُرجیاں اتنی زیادہ نہیں تھیں جتنی سکندریہ کی دیوار پر تھیں۔ ان بُرجیوں میں تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے بالکل محفوظ تھے۔

عمروؓ بن عاص نے سالاروں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ سوال رکھے کہ کیا رومی باہر آ کر لڑیں گے؟ اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو اس شہر کو لینے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ اور کیا سکندریہ نہ لینے کی صورت میں مسلمان پورے مصر پر قبضہ برقرار رکھ سکیں گے؟

سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے اور تجاویز پیش کیں۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا

چاہئے۔ محاصرے کو طول دینا پڑا تو دیں گے اور رسد روکنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ رومی جرنیل اسے اپنی ذلت سمجھ لیں اور باہر آکر لڑیں۔

مجاہدین کو وہاں پورے دو مہینے رکنا پڑا۔ کوئی رومی باہر نہ آیا۔ پہلے جتنے بھی قلعوں کو مجاہدین نے محاصرے میں لیا تھا وہاں رومیوں کی جنگی پالیسی یہ رہی تھی کہ باہر آکر محاصرے پر حملہ کرتے تھے اور ان کی یہی پالیسی ان کی شکست کا باعث تھی۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں سے کہا کہ اب رومیوں نے اپنا وہ طریقۂ جنگ بدل دیا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ یہ شہر ناقابلِ تسخیر ہے' اسے چھوڑا نہیں جا سکتا۔

مسلمانوں کو رسد کی جو ضرورت رہتی تھی وہ انہوں نے اردگرد کی بستیوں سے حاصل کرنی شروع کر دی تھی۔

دو مہینوں بعد عمروؓ بن عاص نے ایک اور جگہ دیکھ لی جو انہیں خیمہ گاہ کے لئے اور جنگی نقطۂ نظر سے بھی زیادہ موزوں نظر آئی۔ اس جگہ کا نام مقس تھا۔ انہوں نے سارے لشکر کو اس جگہ منتقل کر دیا اور یہ نئی خیمہ گاہ بن گئی۔ یہ ایک وسیع اور غیر ہموار سا میدان تھا جس میں خیمے گاڑے گئے تھے۔ خیمہ گاہ سے ذرا ہی دور بائیں طرف ہری بھری ٹیکریاں تھیں جن پر درخت بھی تھے اور ان کے نیچے بھی درختوں کی بہتات تھی۔

سکندریہ شہر کی طرف سے بھی کوئی حرکت نہیں ہو رہی تھی نہ مجاہدین کوئی سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اگر کچھ ہی رومی باہر آ جاتے تو تھوڑی سی ہلچل برپا ہو جاتی لیکن دونوں طرف سکوت طاری تھا اور روز و شب بڑی تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

چونکہ وہاں دشمن کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے مجاہدین خیمہ گاہ سے تھوڑی دور گھوم پھر آتے تھے۔ ایک روز بارہ مجاہدین خیمہ گاہ سے نکل کر ٹیکریوں والے علاقے میں چلے گئے۔ وہاں ایسی اوٹ تھی کہ قلعے کے اندر سے کوئی نکل کر اس طرف سے خیمہ گاہ کی طرف آتا تو وہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ یہ مجاہدین چلے تو گئے لیکن شام تک واپس نہ آئے۔ کوئی مجاہد کیمپ سے زیادہ دیر غیر حاضر نہیں رہتا تھا۔ یہ مجاہدین واپس نہ آئے تو ان کے ساتھی ان کے پیچھے گئے۔

کچھ اور آگے گئے جہاں اوٹ زیادہ تھی' وہاں مجاہدین کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آئیں۔ ان کے کپڑے خون سے لال تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں نہیں تھیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ رومی گھات میں تھے اور ان پر ایسا اچانک حملہ کیا کہ انہیں

نیاموں سے تلواریں نکالنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ ان کے قاتل کس طرف سے آئے تھے۔

لاشیں کیمپ میں آئیں اور سپہ سالار کو اطلاع دی گئی۔ سپہ سالار اظہارِ افسوس کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے۔ دشمن سامنے ہوتا تو اس پر حملہ کر کے انتقام لیا جا سکتا تھا۔ سپہ سالار کے حکم کے مطابق ٹیکریوں پر پہرے کا انتظام کر دیا گیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ رات رومی کہیں ادھر سے آ جائیں اور کیمپ پر حملہ کر کے نکل بھاگیں۔

دو مہینوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ ایک روز سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے سالاروں کو بلایا۔

"میرے رفیقو!" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "کیا تم نے اپنے مجاہدین میں بیزاری کا تاثر نہیں دیکھا؟.... مجاہدین یہاں لڑنے آئے تھے لیکن اتنے عرصے سے بیکار پڑے ہیں۔ اب ان کے بارہ ساتھی شہید ہو گئے ہیں تو میں لشکر میں بے چینی اور بے قراری دیکھ رہا ہوں۔ اگر ہم نے سکندریہ کو محاصرے میں لے رکھا ہوتا تو پھر کسی کو اکتاہٹ نہ ہوتی مگر یہاں ہم صرف بیکار بیٹھے ہیں اور محاصرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

"یہ تو ہم بھی محسوس کر رہے ہیں" ـــ ایک سالار نے کہا ـــ "کیا سپہ سالار بتائیں گے کہ اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے؟... میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ لشکر کو کچھ نہ کچھ مصروفیت ملنی چاہئے"۔

"میں ایک اور خدشہ محسوس کر رہا ہوں" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "کہیں ایسا نہ ہو کہ مجاہدین یہ سمجھنے لگیں کہ سالاروں میں لڑنے کی تاب ہی نہیں رہی اور اب یہ زیادہ محتاط ہو گئے ہیں.... اگر لشکر کی سوچ یہ ہے تو یہ مجاہدین کے جذبے کو مجروح کرے گی۔ میں نے اس کا یہ علاج سوچا ہے کہ اس علاقے میں جو شہر اور قصبے ہیں ان پر حملے کر کے قبضہ کیا جائے۔ اس سے ہمیں وہ فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو لشکر کو ان کی من پسند مصروفیت مل جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہم نے اگر سکندریہ پر حملہ کیا تو ان شہروں میں جو فوج موجود ہے وہ ہم پر عقب سے حملہ کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے ان فوجیوں کو یہی حکم ملا ہُوا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں جو عام شہری اور دیہاتی نظر آتے ہیں وہ فوجی ہی ہوں"۔

تمام سالاروں نے سپہ سالار کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور اُسی وقت حملوں کا پلان تیار کر لیا گیا۔ اس علاقے کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر حصے میں چار چار پانچ پانچ قصبے یا شہر تھے۔ ہر ایک حصے پر حملے کرنے کے لئے سالار مقرر کر دیئے گئے۔

ان تینوں سالاروں کے نام تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ ایک تھے خارجہ بن حذافتہ العدوی' دوسرے عمر بن وہب جمجی اور تیسرے کا نام عقبہ بن عامر تھا۔ دو مؤرخوں نے چوتھا نام بھی لکھا ہے۔ یہ نام ہے وِردان۔ یہ عمروؓ بن عاص کا آزاد کیا ہُوا غلام تھا۔ پچھلے باب میں اس کا ذکر آیا ہے۔ یہ جنگوں میں علم بردار ہُوا کرتا تھا اور عمروؓ بن عاص کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ رہتا تھا۔ تاریخ میں آیا ہے کہ وِردان شجاعت والا مجاہد تھا۔ اسے جنوبی علاقے کے دیہات میں بھیجا گیا تھا کہ اس علاقے کو رومی فوج سے پاک کر دے جو اس نے بڑی خوش اسلوبی سے کر دیا تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص خیمہ گاہ میں ہی رہے اور گھوم پھر کر سکندریہ کو دیکھتے اور سوچتے رہے کہ اس پر حملہ کیا جائے تو کس سمت سے اور کس انداز سے کیا جائے۔ تینوں سالار اور وِردان اپنی اپنی ذمہ داری کے علاقے میں مجاہدین کا ایک ایک دستہ لے کر چلے گئے۔

ان سب کی جنگی سرگرمیوں اور کارروائیوں کی روئیداد ایک ہی جیسی ہے۔ یہاں بھی وہی بات سامنے آئی جو پہلے اکثر جگہوں پر آچکی تھی کہ ان رومی فوجیوں پر جو مختلف مقامات پر تھے' مجاہدین کی دہشت طاری تھی۔ بعض شہروں کے فوجیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن ہتھیار ڈال دیئے اور بیشتر مقامات پر یوں ہُوا کہ رومیوں نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ مجاہدین نے کسی پر بلاوجہ تشدّد نہ کیا بلکہ ایسا رویّہ اپنایا اور ایسا سلوک روا رکھا جیسے مجاہدین ان کے دشمن نہ ہوں بلکہ ان کے محافظ ہوں۔

سالاروں نے ہر جگہ اعلان کیا کہ ان میں سے جو بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیں گے انہیں مسلمان اپنا بھائی سمجھیں گے اور وہ تمام مراعات کے حقدار ہوں گے اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے ان پر کوئی جبر نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ انہیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا..... مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کئی ایک عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

جن شہروں کے رومی فوجیوں نے مقابلہ کیا تھا اور مجاہدین کو کچھ نقصان پہنچا کر ہتھیار ڈالے تھے ان شہروں سے مالِ غنیمت اکٹھا کیا گیا جو سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے

وہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ یہ مالِ غنیمت اتنا زیادہ نہ تھا کہ اس کا ایک حصہ بیت المال کے لئے مدینہ بھیجا جاتا۔

تین مہینے گزر گئے۔ اب یہ تبدیلی آئی کہ رومی فوجیوں کی بہت تھوڑی سی نفری باہر آتی مجاہدین کو للکارتی اور لڑے بغیر واپس چلی جاتی۔ کچھ دنوں بعد چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونے لگیں۔ بہت تھوڑے رومی فوجی باہر آتے اور مجاہدین ان پر حملہ کرتے تو وہ رومی لڑتے ہوئے بڑی تیزی سے پیچھے ہٹتے اور پھر قلعے میں چلے جاتے تھے۔ مجاہدین دروازے تک پہنچنے کا خطرہ مول نہیں لیتے تھے کیونکہ دیوار سے تیر بھی آتے تھے اور برچھیاں بھی اور منجنیقوں سے پتھر بھی۔

ان جھڑپوں کا یہ اثر اور فائدہ ہُوا کہ مجاہدین کے جسموں میں جان آگئی اور ان کی روحیں تر و تازہ ہو گئیں۔ مجاہدین نے یہ توقع رکھی کہ کسی دن رومی فوج کے دو چار دستے باہر آ کر ان پر حملہ کریں گے اور بڑے پیمانے کی لڑائی لڑی جائے گی اور ہو سکتا ہے شہر میں داخل ہونے کا موقعہ مل جائے لیکن ایسا نہ ہُوا اور دن گزرتے چلے گئے۔

رومی فوجی بدستور بہت تھوڑی تعداد میں باہر آتے رہے اور ان کا انداز بتاتا تھا جیسے وہ مجاہدین کے لشکر سے مذاق کر رہے ہوں یا وہ اس مقصد سے باہر آتے تھے کہ مجاہدین اتنا آگے آجائیں کہ اوپر سے تیر انداز انہیں واپس جانے کے قابل نہ چھوڑیں۔

ایک روز پھر رومیوں کی تھوڑی سی تعداد باہر نکلی اور اُس روز تو انہوں نے مجاہدین کا بہت مذاق اُڑایا اور مجاہدین کو رومی للکارنے لگے۔ چند ایک مجاہدین دوڑے گئے کہ آج ان میں سے کسی کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن رومی حسبِ معمول پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین تیروں کی زد میں آنے لگے۔

مجاہدین بغیر لڑے تیروں سے گھائل نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن ایک مجاہد ایسا جوش میں آیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ آگے نکل گیا۔ وہ اکیلا تھا اور رومی زیادہ تھے' رومیوں نے اسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اسے گرایا اور اس کا سر کاٹ کر دوڑتے ہوئے قلعے میں چلے گئے۔ وہ اس مجاہد کا سر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

یہ مجاہد قبیلہ مُہرہ کا تھا۔ اس قبیلے کے بہت سے مجاہدین لشکر میں موجود تھے۔ تین چار دوڑے گئے اور تیروں کی بوچھاڑوں میں جا کر اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر لے آئے۔ اس قبیلے کی کچھ اپنی ہی روایات تھیں۔ عام حالات میں ان کا انداز بڑا خوشگوار اور دوستانہ

ہُوا کرتا تھا لیکن میدانِ جنگ میں اس قبیلے کا ہر مجاہد سراپا قہر اور غضب بن جاتا تھا۔ اس قبیلے کے مجاہدین نے جب اپنے ساتھی کی لاش بغیر سر کے دیکھی تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اس شہید کی لاش سر کے بغیر دفن نہیں کریں گے اور اس کا سر لے کر آئیں گے ورنہ سب اپنے سر کٹوا دیں گے۔

"میں تمہارے اس جذبے کی بہت قدر کرتا ہوں"۔۔۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے انہیں کہا۔۔۔ "یہ ممکن ہی نہیں کہ تم قلعے کے اندر جا کر ایسی لڑائی لڑو کہ اپنے ساتھی کا سر لے آؤ۔ اگر تم سب مارے گئے تو سوچو کہ لشکر کو کتنا نقصان پہنچے گا۔ لشکر کی تعداد پہلے ہی کم ہے"۔

اس قبیلے کے مجاہدین پر اپنے سپہ سالار کی اس بات کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ وہ اپنی اسی ضد پر ڈٹے رہے کہ شہید کا سر لا کر ہی اسے دفن کریں گے۔

"پھر یوں کرو"۔۔۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں کہا۔۔۔ "بہادری یہ نہیں کہ اندھا دھند پاگلوں کی طرح دیوار کے ساتھ جا ٹکراؤ اور مارے جاؤ۔ تمہیں اس کا سر نہیں ملے گا۔ بہادری یہ ہے کہ اب رومی باہر آئیں تو ان میں سے کسی کا سر کاٹ لاؤ۔ اس طرح تم سر کے بدلے سر لے آؤ گے"۔

یہ بات اس قبیلے کے مجاہدین کے پلّے پڑ گئی۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اپنے ساتھی کے سر کے بدلے سر لائیں گے۔ تاریخ میں اس واقعہ کے بیان کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے کہا تھا کہ بنو مہرہ قتل کرنا جانتے ہیں قتل ہونا نہیں جانتے۔

ایک ہی روز بعد کچھ رومی فوجی حسبِ معمول ایک دروازے سے باہر نکلے اور مجاہدین کو للکارنے اور ان کا مذاق اُڑانے لگے۔ بنو مہرہ کے چند ایک مجاہدین آگے گئے اور اس انداز سے آگے گئے جیسے ان کا لڑنے کا ارادہ نہ ہو۔ رومیوں نے جب ان کا ٹھنڈا ٹھنڈا سا انداز دیکھا تو وہ اور آگے آ گئے۔ یک لخت بنو مہرہ کے مجاہدین رومیوں پر جھپٹ پڑے۔ رومی بغیر لڑے بھاگ اٹھے لیکن مجاہدین نے ان میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اسے وہیں گرا کر اس کا سر کاٹا اور سر کو تلوار کی نوک پر اُڑس کر بلند کیا اور تکبیر کے نعرے لگاتے واپس آ گئے۔ اب انہوں نے سپہ سالار سے کہا کہ ان کے شہید ساتھی کا جنازہ پڑھیں اور اسے دفن کروا دیں۔

جنازہ پڑھا گیا اور شہید کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ رومی کے جسم سے

کاٹا ہوا سر دور پھینک آئے۔

○

بزنطیہ کونستانس، جنرل اقلینوس اور دوسرے جرنیل مصر کی مخدوش صورتِ حال کے متعلق بہت پریشان تھے اور ہر لمحہ کسی پیغام کے منتظر رہتے تھے۔ انہیں سلطنتِ روم کا بڑا ہی بُرا انجام صاف نظر آنے لگا تھا۔

ادھر مرتینا تھی جو کچھ اور ہی سوچوں میں غرق پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ یہ چوٹ اس کے لئے قابلِ برداشت نہیں تھی کہ اس کے بیٹے کے ساتھ جرنیلوں نے اور فوج نے بہت بُرا سلوک کیا تھا اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ مرتینا کے تو خواب چکنا چُور ہو گئے تھے۔ وہ نیند میں ہوتی یا بیدار، تخت و تاج کے ہی خواب دیکھا کرتی تھی۔ وہ قیرس سے مایوس ہو چکی تھی، بزنطیہ کے تخت و تاج سے مایوس ہو گئی تھی اور اس نے خود جو چالیں چلی تھیں وہ بھی ناکام رہیں اور اب اسے ہر سُو مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی۔ وہ اب آخری حربے پر اتر آئی۔

رومی جرنیلوں اور مذہبی پیشواؤں کو معلوم ہو گا ہی کہ باہر کے بڑے ہی طاقتور دشمن کی نسبت اندر کا کمزور سا دشمن بھی بہت ہی خطرناک ہوتا ہے لیکن انہیں شاید یہ اندازہ نہ تھا کہ مرتینا وہ دشمن ہے جو شاہی محل کی آستین میں بیٹھ کر اپنی ہی سلطنت کو ڈس سکتی ہے اور یہ بہت ہی زہریلی ناگن ہے۔

مرتینا کی ایک خاص ملازمہ ریکا تھی۔ عالمِ شباب میں تھی اور بڑی ہی پُرکشش لڑکی تھی۔ مرتینا نے اسے کہیں دیکھا تھا۔ ایک تو اس کی شکل صورت اور جسمانی حسن سے متاثر ہوئی اور جب اس کے ایک دو جوہر اور دیکھے تو مرتینا اسے شاہی محل میں لے آئی۔ دو چار دنوں میں ہی مرتینا نے دیکھ لیا کہ یہ بڑی ہی ذہین اور ہر ڈھنگ کھیلنے والی لڑکی ہے۔ بڑی ہی خوشگوار طبیعت والی تھی۔ مرتینا تو اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ چند دنوں میں ہی ریکا نے مرتینا کے دل میں وہ مقام پیدا کر لیا جو کوئی رازدار سہیلی ہی پیدا کر سکتی ہے۔ مرتینا نے بخوشی اسے اپنی رازدان بنا لیا۔ کچھ اور دن گزرے تو مرتینا نے صاف طور پر محسوس کیا کہ یہ لڑکی جو شکل و صورت سے ہنس مکھ، بھولی بھالی اور معصوم سی لگتی ہے دراصل بڑی کھلاڑی لڑکی ہے اور اس کے جال میں آیا ہُوا شخص نکل نہیں سکتا۔ مرتینا کو ایسی ہی ملازمہ کی ضرورت تھی۔

مرزینا کی عمر پچاس برس سے کچھ اوپر ہو گئی تھی لیکن اپنی جوانی کو یا جوانی کے جذبات کو اس نے زندہ و بیدار رکھا ہُوا تھا۔ وہ ایک بدکار عورت تھی۔ اس نے ایک دو آدمیوں کے ساتھ خفیہ دوستی لگا رکھی تھی۔ ریکا اس کے لئے کبھی کبھی کوئی بڑا ہی خوبرو اور جواں سال آدمی لے آتی تھی۔ یہ شاہی محل کا کردار تھا جسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

پھر مرزینا کو ریکا اس وجہ سے بھی اچھی لگتی تھی کہ اس کا بیٹا ہر قلیوناس ریکا کا شیدائی ہو گیا تھا۔ ریکا بڑی خوشی سے ہر قلیوناس کی داشتہ بن گئی تھی۔ ہر قلیوناس کو تو ریکا انگلیوں پر نچائے رکھتی تھی اور وہ احمق نوجوان اسی میں بہت خوش ہوتا تھا۔

مرزینا سے ریکا کو پتہ چلا کہ فوج نے ہر قلیوناس کو دھتکار دیا ہے اور فوج اس سے باغی ہو گئی ہے تو ریکا نے مرزینا سے کہا کہ اب اس جادوگرنی کو آزما ہی لیا جائے تینوں کو ریکا کی یہ تجویز پسند آ گئی اور اس نے ریکا سے کہا کہ وہ اس کے پاس جائے اور اسے بتائے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اگر وہ یہ کام کر سکتی تو اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

ریکا اُن دنوں امید سے تھی اور چند ہی دنوں بعد ماں بننے والی تھی۔ بچے کی پیدائش میں کچھ دن ہی باقی تھے۔

"مجھے ایک بچے کی خواہش بہت ہی پریشان رکھتی تھی" —— ریکا نے مرزینا سے کہا —— "یہ تو میں بھی جانتی تھی کہ شادی ہو گئی تو بچہ بھی ہو جائے گا لیکن میں آپ کی ملازمت میں آ گئی اور آپ کے بیٹے کو دیکھ کر شادی کا خیال دل سے نکال ہی دیا۔ آپ کے بیٹے نے مجھے اپنی داشتہ بنا لیا۔ اڑھائی تین سال گزر گئے' بچے کے آثار نظر نہ آئے۔ آخر میں اس جادوگرنی کے پاس گئی۔ اس نے نہ جانے کیا عمل کیا۔ اب آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ عورت آپ کی ہر خواہش پوری کر دے گی"۔

وہ ایک بوڑھی عورت تھی جو بزنطیہ کی ایک مضافاتی بستی میں رہتی تھی۔ وہ جادوگرنی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے پاس شیشے کا ایک گولہ تھا جس میں سے روشنی گزرتی تو کئی رنگ نظر آتے تھے۔ لوگوں کے چہرے اور ہاتھ دیکھتی اور پھر اس گولے میں جھانکتی اور بتاتی تھی کہ ان کا مستقبل کیسا ہو گا۔ لوگ پورے یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ بگڑی ہوئی قسمت کو سنوار دیتی اور تاریک مستقبل کو درخشندہ کر دیتی ہے لیکن وہ معاوضہ اتنا زیادہ لیتی تھی جو کوئی عام آدمی ادا نہیں کر سکتا تھا.... اس کے ہاتھ میں کوئی

ایسی طاقت تھی یا نہیں یہ ایک الگ بات ہے لیکن حالات کے پٹے ہوئے لوگوں کے لئے وہ آخری سہارا تھی۔

مرزینا اور ریکا جیسے انسان اس قسم کے جادوگروں اور قسمت سنوارنے والوں کا بڑا آسان شکار ہُوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کردار اپنے ذہنوں اپنی نیتوں کو سنوارنے کی بجائے اپنی قسمت سنوارنے کے لئے جوتشیوں اور جادوگروں کے قدموں میں جا گرتے ہیں۔ مرزینا نے بھی شاید اس جادوگرنی کی شہرت سنی ہو گی۔ اگر نہیں سنی تھی تو ریکا نے اس کی ایسی تصویر پیش کی کہ مرزینا نے اسے کہا کہ اس جادوگرنی کو کسی ایسے وقت اس کے پاس لے آئے جب کوئی دیکھ نہ سکے۔

اگلی ہی رات یہ جادوگرنی مرزینا کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکا اسے مرزینا کے پاس بٹھا کر باہر نکل گئی تھی' تاکہ مرزینا تنہائی میں اس کے ساتھ دل کی باتیں کر سکے۔ مرزینا نے پہلے تو اس جادوگرنی کا حال اور حلیہ دیکھا۔ ایک تو بڑھاپے نے اس کے چہرے پر رونق نہیں رہنے دی تھی اور چہرے پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں پیدا ہو گئی تھیں' ویسے بھی اس کا چہرہ مکروہ سا تھا اور رنگ بالکل سیاہ.... اس نے سر پر میلا کچیلا سا رومال باندھ رکھا تھا۔ اس کے بال رسیوں جیسے تھے۔ لباس عجیب و غریب تھا جسے بیان کرنا بھی کسی کے لئے آسان نہ تھا۔

اس نے شیشے کا گولہ اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس کے ہاتھ میں دو فٹ لمبا ایک ڈنڈا تھا جس پر کئی رنگوں کے کپڑے لپیٹے ہوئے تھے اور اس کے دونوں سروں میں پرندوں کے رنگ برنگے پر اُڑسے ہوئے تھے۔ ڈنڈے کے ساتھ چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں اور تین چار گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ اس عورت کی آنکھیں گہری لال اور ہونٹ گہرے زرد تھے۔ وہ کراہت کا جیتا جاگتا مجسّمہ تھی۔

"بول ملکہ!" —— جادوگرنی نے مرزینا سے کہا —— "حاجت مندوں کی جھولیاں بھر دینے والی ملکہ کو ایسی کون سی حاجت آن پڑی ہے کہ مجھے بلایا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ رعایا کی قسمت ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے"۔

"لیکن بادشاہوں کی اپنی قسمت نہ جانے کس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے؟" —— مرزینا نے کہا —— "اگر تُو میری تین مرادیں پوری کر دے تو اتنا سونا تجھے دوں گی جو تُو اٹھا نہیں سکے گی۔ تُو میری قسمت سنوار دے اور میں تیری کایا پلٹ دوں گی"۔

"بول کیا چاہتی ہے!" —— جادوگرنی نے کہا۔

"کونستانس مرجائے" —— مرتینا نے کہا —— "سلطنتِ روم کی ملکہ بن جاؤں یا میرا بیٹا تخت نشین ہو اور تیسری مراد یہ ہے کہ مصر سے مسلمان بھاگ جائیں اور مصر روم کی سلطنت سے نہ نکلے.... کیا تُو اتنی طاقت رکھتی ہے؟"

"دیکھ کر بتاؤں گی" —— جادوگرنی نے جواب دیا اور مرتینا کے چہرے کو بڑی غور سے دیکھنے لگی پھر بولی —— "میری زبان سے کوئی ایسی ویسی بات نکل جائے تو مجھے معاف کردینا۔ بھول جانا کہ تُو ملکہ ہے اور میں تیری رعایا ہوں۔ تیرے سامنے وہ آئے گا جو اس شیشے میں دکھائی دے گا۔ بات کہیں اور سے آئے گی جو میری زبان سے تیرے کانوں تک پہنچے گی"۔

"جو جی میں آئے کہہ دے" —— مرتینا نے کہا —— "میں جو چاہتی ہوں وہ ہوجائے تو جو جی میں آئے مجھے کہہ دے"۔

بوڑھی جادوگرنی مرتینا کے چہرے پر نظریں گاڑھے ہوئے تھی۔ اس کے مکروہ چہرے پر کچھ اور ہی طرح کی سنجیدگی آ گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے چہرے کے خدوخال تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس نے اچانک اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور مرتینا کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور ہاتھ کو پھیلا کر دیکھنے لگی۔ اب جادوگرنی پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ اس کی سانسیں اُکھڑنے لگی تھیں پھر یوں ہُوا جیسے وہ پھنکار رہی ہو۔

"ہے تو بھی جادوگرنی!" —— جادوگرنی نے کہا —— "لیکن کسی جگہ تیرا پاؤں پھسل گیا اور تو مُنہ کے بل گری۔ قسمت اُن کی چمک اٹھی جنھوں نے اپنی عقل اور سوچ کو ٹھکانے رکھا۔ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا"۔

اس نے مرتینا کا ہاتھ یوں اس کی طرف دھکیل دیا جیسے کوئی بیکار سی چیز پرے پھینک دی ہو۔ اس نے گولے میں جھانکنا شروع کردیا اور اس کے ساتھ ہی ڈنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ وہ گولے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ نہایت آہستہ آہستہ گولے کی طرف جارہا تھا جیسے کسی چیز کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتی ہو۔

اس نے یک لخت اپنا سر یوں پیچھے کیا جیسے گولے نے اسے ڈس لینے کی کوشش کی ہو۔ اب تو اس کا چہرہ اور ہی زیادہ مکروہ ہوگیا تھا۔ اس نے ڈنڈے کا سرا گولے پر پھیرا اور ایک بار گولے کر ہلکی سی ضرب لگائی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ہاتھ کانپے تو ڈنڈا بھی

تھرتھرانے لگا اور گھنٹیاں اور گھنگرو بجنے لگے۔

اس کے ہاتھوں کا رعشہ زیادہ ہونے لگا اور پھر اس کا پورا جسم کانپنے لگا۔ وہ اچانک اُٹھ کھڑی ہوئی اور سر سے پاؤں تک تھرتھرانے لگی۔ اس کا منہ اس طرح کھل گیا تھا کہ سارے دانت نظر آنے لگے تھے۔ اس کی نظریں گولے پر لگی ہوئی تھیں۔ ذرا دیر بعد یوں لگا جیسے جادوگرنی کھڑے کھڑے ناچ رہی ہو۔ مرتینا پر خوف طاری ہونے لگا۔

اس کے وجود کا رعشہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ شک ہوتا تھا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے گی۔ گھنٹیوں اور گھنگھروؤں کی جھنکار ڈراؤنی سی ہوتی جارہی تھی۔ خاصی دیر بعد اس کا تھرکنا ذرا کم ہونے لگا اور کم ہوتے ہوتے اس کا جسم اپنی قدرتی حالت میں آگیا۔ اس نے منہ چھت کی طرف کرکے کھولا اور منہ سے بڑی لمبی ہُو جیسی آواز نکالی۔ پھر اس نے بڑی زور سے ڈنڈا دو چار مرتبہ ہوا میں گھمایا جیسے کسی کو مار رہی ہو۔ اس کے بعد دوسرا ہاتھ ہوا میں اوپر کرکے یوں گھمانے پھیرنے لگی اور بار بار اس طرح مٹھی بند اور کھلنے لگی جیسے ہوا کو یا ہوا میں کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ آخر وہ بیٹھ گئی اور پھر شیشے کے گولے میں جھانکنے لگی۔

"ہوجائے گا" —— اس نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا —— "کچھ نہ کچھ ہوجائے گا۔ ایک بچہ چاہئے۔ عمر ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ ہاتھ آہی جائے گا"۔

"کیا کہا؟" —— مرتینا نے پوچھا —— "ایک بچہ چاہئے؟ عمر ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو"۔

"ہاں ملکہ!" —— جادوگرنی نے ہانپتی کانپتی سانسوں کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا —— "مجھے ایک بچہ دے دے' جس کی عمر ایک مہینے سے دو چار دن کم ہو۔ میں اپنے گھر میں اسے کچھ دن رکھوں گی اور اس پر کچھ عمل کروں گی۔ یہ عمل مکمل کرکے بچے کا دل نکالوں گی پھر اس دل پر اپنا کچھ کام کرکے اپنی ناگن کو کھلادوں گی"۔

ایک تو جادوگرنی کی شکل و صورت بھی مکروہ اور ڈراؤنی سی تھی اور پھر اس کا حلیہ اور ہی زیادہ کراہت آمیز تھا اور اس کے بولنے کا انداز تو بالکل ہی غیر قدرتی تھا۔ اس نے جب یہ کہا کہ وہ بچے کا دل اپنی ناگن کو کھلادے گی تو مرتینا جیسی شیطان فطرت عورت بھی لرز گئی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے جادوگرنی کی طرف دیکھا۔

"بچے کی تلاش کوئی مشکل نہیں" —— جادوگرنی نے کانپتی ہوئی سرگوشی کی ——

"تیری قسمت تیرے اپنے ہاتھوں میں آجائے گی۔ بچہ تیرے گھر میں موجود ہے۔ چند دنوں بعد تجھے مل جائے گا ریکا کا بچہ پیدا ہونے والا ہے"۔

"نہیں، نہیں!" — مرتینا نے کہا — "ریکا اپنا بچہ نہیں دے گی۔ یہ لڑکی تو ایک بچے کی خاطر مری جا رہی تھی۔ اسے ایک بچے کی بہت ہی خواہش تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تیرے ہی عمل سے اسے یہ بچہ ملا ہے۔ میں تجھے یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ یہ میرے بیٹے کا بچہ ہے"۔

"یہ تو بہت اچھا شگون ہے" — جادوگرنی نے کہا — "اس بچے میں تیرا خون ہے۔ یہ تیری کایا پلٹ دے گا۔ پرایا بچہ ذرا مشکوک ہوتا ہے۔ ریکا سے یہ بچہ خرید لے۔ تیرے پاس خزانے ہیں اور خزانوں میں کوئی کمی نہیں"۔

"نہیں دے گی" — مرتینا نے کہا — "میں حکم دے کر اس سے بچہ لے سکتی ہوں لیکن حکم نہیں دوں گی۔ اس لڑکی کے ساتھ مجھے بہت پیار ہے میں اس کا دل نہیں دکھاؤں گی"۔

"پھر اپنی مرادیں اور خواہشیں دل سے نکال پھینک" — جادوگرنی نے کہا — "ملکہ کو اتنا رحم دل نہیں ہونا چاہئے۔ قلوپطرہ بن جا اور دل سے رحم و کرم نکال پھینک۔ بچہ چوری کروا اور مجھ تک پہنچا دے۔ یہی بچہ موزوں ہے۔ ریکا کو پتہ نہ چلنے دینا کہ میں نے بچہ مانگا ہے"۔

مرتینا گہری سوچ میں کھو گئی۔ وہ کوئی رحم دل عورت نہیں تھی لیکن آخر عورت تھی۔ اس کی ذات میں ممتا موجود تھی۔ ایک معصوم بچے کا دل ناگن کو کھلا دینا۔ اس کے تصوّر میں آتا ہی نہیں تھا اور اگر آیا بھی تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ جادوگر[illegible] نہ کچھ بولے جا رہی تھی۔ اس نے مرتینا کو بتایا کہ اس نے تین سانپ پالے ہوئے ہیں اور تینوں بڑے زہریلے ہیں۔ ان میں ایک ناگن ہے اور اس ناگن نے اس کی کئی مشکلیں آسان کی ہیں۔

مرتینا نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ ریکا کا بچہ جادوگرنی کو دے دے گی۔ اس نے جب تصور میں اپنے آپ کو ملکہ کے روپ میں دیکھا تو ممتا اس کے وجود میں ہی کہیں دم توڑ کر غائب ہو گئی۔ اس نے جادوگرنی کو بتایا کہ ریکا کا بچہ اسے مل جائے گا۔

جادوگرنی اسے یہ یقین دلا کر اٹھی کہ اس کی تینوں مرادیں پوری ہو جائیں گی بشرطیکہ بچہ اس تک پہنچا دیا گیا۔ مرتینا نے جادوگرنی کو کچھ انعام دیا اور کہا کہ کام ہو جانے پر وہ اس پر خزانہ لٹا دے گی۔ جادوگرنی رخصت ہو گئی اور ریکا دوڑی دوڑی مرتینا کے پاس آئی۔

"کیا کہتی ہے؟" — ریکا نے مرتینا سے پوچھا — "کیا آپ کا کام ہو جائے گا؟"

"ہاں ریکا!" — مرتینا نے جواب دیا — "ہو جائے گا"۔

ریکا ملازموں کے کمروں میں رہنے والے کمروں میں سے ایک کمرے میں رہتی تھی۔ وہ مرتینا کی خاص اور معتمد ملازمہ تھی اور ہرقلیوناس کی داشتہ تھی۔

دس بارہ دن ہی گزرے ہوں گے کہ ریکا کا بچہ پیدا ہوا۔ مرتینا نے شاہی دائی کو ریکا کی خدمت پر لگا دیا تھا۔ مرتینا بھی اور ہرقلیوناس اسے دیکھنے کے لئے اس کے کمرے میں گئے اور اس کے آرام و آسائش کو اچھی طرح دیکھا۔ بڑا خوبصورت اور پھول جیسا بچہ تھا۔ ریکا تو بہت ہی خوش تھی کہ اس کی ایک خواہش پوری ہو گئی ہے۔

ریکا بچے کی پیدائش پر اس قدر خوش تھی کہ بیس دن ہی گزرے تھے کہ نارمل حالت میں آکر مرتینا کے پاس جا پہنچی اور روزمرّہ کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔ کبھی وہ بچہ اپنے ساتھ لے آتی تھی اور کبھی اپنے کمرے میں ہی سوتا چھوڑ آتی تھی۔

ایک رات ریکا مرتینا سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد مرتینا نے اسے پھر بلوا لیا اور جب ریکا آئی تو اسے کسی کام میں لگا دیا اور ساتھ ساتھ اس کے ساتھ باتیں بھی کرتی رہی۔ اسے کم و بیش ایک گھنٹہ اپنے ساتھ رکھا اور پھر اسے فارغ کیا۔ ریکا چلی گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ریکا چیختی چلّاتی اور روتی ہوئی مرتینا کے پاس دوڑتی آئی۔ مرتینا گھبرا کر اٹھی اور پوچھا کیا ہو گیا ہے۔

"میرا بچہ غائب ہو گیا ہے" — ریکا نے چلّاتے ہوئے کہا — "میں اسے سوتا چھوڑ آئی تھی"۔

مرتینا اور ہرقلیوناس دوڑے گئے اور انہوں نے بھی دیکھا کہ بچہ غائب ہے۔ مرتینا نے ہنگامہ بپا کر دیا اور تمام ملازموں کو جگا کر اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ بچے کو تلاش کریں۔ ہرقلیوناس سب کو گالیاں دے رہا تھا۔ صرف مرتینا کو معلوم تھا کہ بچہ کہاں ہے۔

کے دلوں میں اللہ کا نام تھا' اللہ نے اُن کی قسمت اُن کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔ وہ ایمان کی پختگی کے جادو جگا رہے تھے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ بارہا ایسا ہُوا ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت ایک بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔ ایسا ہر وقت ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ چھوٹی جماعت والوں کے دلوں میں اللہ کا نام ہو اور ان کا ایمان پختہ ہو۔

مجاہدینِ اسلام کا لشکر ابھی تک سکندریہ سے باہر اس انتظار میں تیار تھا کہ رومی باہر نکل کر حملہ کریں گے جیسا وہ ہر قلعے کے محاصرے کے وقت کرتے رہے ہیں لیکن رومی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے لئے باہر نکلتے اور واپس چلے جاتے تھے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص بھی کوئی زیادہ جلدی میں نہ تھے۔ وہ محاصرے کو طول دے سکتے تھے۔ اس مہلت سے یہ فائدہ مل رہا تھا کہ سابقہ معرکوں کے شدید زخمی لڑنے کے قابل ہو رہے تھے۔ رسد کی کمی لشکروں کے ارادے اور عزم تہس نہس کر دیا کرتی تھی لیکن مجاہدین کو کسی ایسے مسئلے کا سامنا نہیں تھا۔ انہوں نے سکندریہ کے قرب و جوار کے جو قصبے اور شہر فتح کئے تھے' وہاں سے رسد کے ذخائر اکٹھے ہو گئے تھے۔ مصری بَدّو رسد کم ہونے ہی نہیں دے رہے تھے۔ عقب سے حملے کا خطرہ بھی نہیں رہا تھا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کی کوشش یہ تھی کہ شہر کے اندر رسد نہ جا سکے۔ انہوں نے رسد کے ممکنہ راستے بند کر دیئے تھے لیکن سمندر کا راستہ بند نہیں کیا جا سکتا تھا اور اصل مشکل یہ تھی کہ شہر کا محاصرہ ہو ہی نہیں سکا تھا۔ اس کے باوجود عمروؓ بن عاص کہتے تھے کہ سکندریہ کے اندر قحط والی کیفیت نہ بھی پیدا ہوئی تو رومی جرنیل اتنے طویل محاصرے سے اپنی ذلت ضرور محسوس کریں گے۔ رومیوں کے تمام چھوٹے بڑے

جرنیل سکندریہ میں جمع ہو گئے تھے اور ان کا اسقفِ اعظم قیرس بھی ان کے ساتھ تھا۔

بہر حال عمروؓ بن عاص مطمئن تھے کہ محاصرہ طول پکڑتا ہے تو یہی بہتر ہو گا۔

مجاہدین چوکس اور چوکنّے تو رہتے ہی تھے لیکن وہ تقریباً" فراغت کے دن گزار رہے تھے۔ خیمہ گاہ سے تھوڑی دور تک گھوم پھر بھی آتے تھے۔ قریبی دیہات کے لوگ اور لڑکے بالے خیمہ گاہ کے قریب آ کر انہیں دیکھتے بھی رہتے تھے۔

○

کرِسٹی اپنے باپ کے ساتھ قید ہو کر آئی تھی تو دونوں ڈرے ہوئے تھے۔ ان کی حیثیت جنگی قیدیوں والی تھی جنہیں غلام سمجھا جاتا تھا بلکہ غلام بنا لیا جاتا تھا۔ کرِسٹی کے باپ کے دل پر یہی ایک خطرہ سوار تھا لیکن اسے کھلی قید میں رکھا گیا تھا۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ وہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اسے زنجیریں ڈال کر رکھا جائے گا۔ اس باپ کے لئے دوسرا خطرہ یہ تھا کہ کرِسٹی جو غیر معمولی طور پر حسین لڑکی تھی' سالاروں کے لئے کھلونا بن جائے گی۔ کرِسٹی کو عورتوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اسے ہر لحہ توقع رہتی تھی کہ سالار اسے لونڈی سمجھ کر داشتہ بنا لیں گے اور اس کی ہر رات کسی نہ کسی سالار کے خیمے میں گزرے گی لیکن کریون سے سکندریہ تک اتنی راتیں گزر گئی تھیں' کسی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ سالاروں کو تو جیسے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں تھا۔

کرِسٹی کو جن عورتوں کے حوالے کیا گیا تھا' وہ مجاہدین کی بیویاں' مائیں اور بہنیں وغیرہ تھیں۔ ان میں تین چار وہ رومی لڑکیاں بھی تھیں جو مجاہدین کے کردار اور حسنِ اخلاق سے متاثر ہوئیں اور ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اسلام قبول کر لیا اور ان کے ساتھ شادیاں کر لی تھیں۔ کرِسٹی ان لڑکیوں میں گھل مل گئی تھی۔

وہ سب سے زیادہ متاثر شارینا سے ہوئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اسے بتایا گیا تھا کہ شارینا شاہ ہرقل کے شاہی خاندان کی لڑکی تھی اور ایک مجاہد سے اتنی متاثر ہوئی کہ شاہانہ زندگی کو ٹھوکر مار کر اس مجاہد کے ساتھ آ گئی اور دل و جان سے اسلام قبول کر کے اس مجاہد کی بیوی بن گئی۔ اس کے خاوند کا نام حدید خزرج تھا جو جاسوسی اور شبخون مارنے کی خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ کرِسٹی نے ضرور سوچا ہو گا کہ شاہی خاندان کی اتنی خوبصورت لڑکی نے آخر ان صحرانورد عربوں میں کوئی خاص بات ہی دیکھی ہو گی کہ ان

کے ساتھ ماری ماری پھر رہی ہے۔ کرسٹی دوسری نو مسلم لڑکیوں سے بھی خاصی متاثر تھی۔

یہ سب لڑکیاں خصوصاً" شارینا' کرسٹی میں زیادہ دلچسپی لیتی تھیں اور انہوں نے اسے اپنے ساتھ پوری طرح بے تکلف کر لیا تھا۔ کرسٹی اپنے متعلق انہیں جو کچھ بتاتی رہی تھی وہ سب جھوٹ تھا۔ وہ اپنے آپ کو اور اپنے باپ کو مظلوم سمجھتی تھی اور کہتی تھی کہ انہیں بے گناہ پکڑ لیا گیا ہے۔ وہ ڈرے ڈرے سے لہجے میں انہیں اپنے خدشے بتاتی رہتی تھی جن میں دو خدشے اسے زیادہ پریشان رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ اس کے بوڑھے باپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہو گا اور وہ خود سالاروں کی تفریحِ طبع کا بڑا ہی خوبصورت ذریعہ بن جائے گی۔

"لیکن میں حیران ہوں" ـــــ کرسٹی نے کہا ـــــ "ان سالاروں میں سے کوئی میری طرف دیکھتا ہی نہیں جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ ایک اتنی حسین اور نوجوان لڑکی ان کے درمیان موجود ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ شاید ان بدّوؤں کے ہاں حُسن کا معیار کچھ اور ہے جس پر میں پوری نہیں اتر سکتی"۔

شارینا اور وہ لڑکیاں جو وہاں بیٹھی سن رہی تھیں' کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ انہوں نے کرسٹی کو بتایا کہ یہ سب بدّو نہیں ہیں اور جہاں تک حسن و جوانی کا تعلق ہے' ان کا معیار رومیوں اور مصریوں سے مختلف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی عورتوں کو دیکھ لو' ان میں کیسی کیسی خوبصورت خواتین موجود ہیں۔

"یہ معیار کی نہیں کردار کی بات ہے" ـــــ شارینا نے کہا ـــــ "یوں کرو' کسی بھی سالار کے خیمے میں جا کر بالکل برہنہ ہو جانا اور دعوتِ گناہ دینا۔ وہ سالار تمہیں اپنے ہاتھوں کپڑے پہنا کر خیمے سے نکال دے گا۔ تم یہ تاثر لے کر آؤ گی کہ تم کسی بھی مرد کے لئے قابلِ قبول ہو ہی نہیں اور اس حسین جسم میں ذرا سی بھی کشش نہیں ہے"۔

"آزمانے کی ضرورت ہی نہیں" ـــــ کرسٹی نے کہا ـــــ "یہ تو میں پہلے ہی محسوس کر رہی ہوں کہ یہ لوگ بدذوق اور بے حس ہیں یا میں بدصورت اور دھتکاری ہوئی لڑکی ہوں"۔

"نہ یہ بدذوق ہیں نہ تم بدصورت ہو" ـــــ ایک اور نَو مسلم لڑکی اینی نے کہا ـــــ "تمہاری تربیت ایسی ہوئی ہے کہ تم کچھ اور سوچنے کے قابل نہیں رہیں۔ راز کی ایک

بات سن لو' دیکھ رہی ہو کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی تھوڑی ہے لیکن انہوں نے تمہارے سامنے کریون کا قلعہ فتح کیا اور اب سکندریہ پر حملے کر رہے ہیں اور انہوں نے سارا مصر فتح کر لیا ہے۔ کبھی تم نے سوچا کہ کیوں؟.... صرف اس لئے کہ ان کی توجہ تم جیسی لڑکیوں پر نہیں۔ ان کی نظریں اپنے اللہ پر لگی ہوئی ہیں۔ تم صرف اُس ایک شخص کے لئے قابلِ قبول اور حسین ہو گی جو تمہارے ساتھ اللہ کے نام پر شادی کرے گا"۔

کرسٹی بڑی زندہ دل' شگفتہ مزاج اور بے تکلفی سے باتیں کرنے والی لڑکی تھی۔ اس نے ایسی کوئی بات نہ کی کہ وہ ان مسلمانوں سے اتنی متاثر ہوئی ہے کہ مسلمان ہو جانا چاہتی ہے۔ اس نے ہنستے مسکراتے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ اس کی تربیت کسی اور ہی طرح ہوئی ہے۔ اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کو اپنے متعلق غلط باتیں بتا رہی تھی۔ اب اس نے سچ اگلنا شروع کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ زہر میں بجھا ہُوا ایک بڑا ہی حسین تیر ہے جو بڑی آسانی سے اپنے شکار کے دل میں اُتر جاتا ہے اور اسے کسی کام کا نہیں چھوڑتا اور اس کا کوئی مذہب اور کوئی وطن نہیں رہتا۔

اس نے بڑے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ یہ شخص جسے وہ اپنا باپ بتاتی رہی ہے' اس کا باپ نہیں۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا باپ کون اور ماں کون تھی۔ اس کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس کی پرورش کرنے والوں نے اسے بڑے پیار سے پالا پوسا اور جوان کیا تھا۔ اس کے دل سے سگے ماں باپ کی محبت اور ذہن سے ان کی یادیں بھی صاف ہو گئی تھیں۔ اسی عمر سے اسے یہ تربیت دی جانے لگی تھی کہ آدمیوں کو انگلیوں پر کس طرح نچایا جاتا ہے۔ مردوں پر اپنا طلسم طاری کرنا' پتھر کو موم کرنا' اپنے حُسن کو برقرار رکھنا اور دشمن دیس کو اپنا گھر سمجھنا اور ایسے ہی کچھ اور سبق تھے جو اسے زبانی ہی نہیں پڑھائے گئے بلکہ اسے عملاً" سکھلایا گیا تھا۔ یہ تربیت اسے بڑی ہی حسین و جمیل اور بے حد چالاک عورتوں نے دی تھی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ اپنے شکار کے جذبات کو بھڑکا کر اس کی عقل و ہوش اپنے قبضے میں کر لینا اور خود جذبات سے عاری اور بے حس ہو جانا۔ اسے خبردار کیا گیا تھا کہ دل میں کسی دشمن کی ہمدردی پیدا ہو جائے تو اسے اپنے کام میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ اسے بڑی ہی خوبصورت ناگن بنا دیا گیا تھا اور یہ تعلیم و تربیت اس کی فطرت بن گئی تھی۔

کرسٹی نے ان لڑکیوں کو سنایا کہ اس نے مصری بدّو اسطافت کو کس طرح قبضے میں

لے لیا تھا اور وہ ایک سالار کو قتل کرنے پر آ گیا تھا اور خود مارا گیا۔

"اسطافت مسلمان نہیں تھا" ـــ شاربتا نے کہا ـــ "وہ عرب بھی نہیں تھا۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو تمہارے جھانسے میں کبھی بھی نہ آتا"۔

"میری تربیت صرف عورتوں نے نہیں کی" ـــ کرسٹی نے کہا ـــ "میں مرد استادوں کے ہاتھوں میں سے بھی گزری ہوں۔ وہ سب میرے مذہب کے آدمی تھے۔ ہر ایک آدمی نے مجھے تربیت دینے سے پہلے میرے اس حسین جسم سے لطف اٹھایا پھر اگلی بات کی لیکن عرب کے ان مسلمانوں کے ہاں تو بالکل ہی الٹ معاملہ دیکھا ہے۔ یہ شخص جسے میں اپنا باپ کہتی ہوں' اس نے بھی مجھے نہیں بخشا"۔

"تم اسلام قبول کر لو" ـــ شاربتا نے کہا ـــ "پھر جو آدمی تمہیں اچھا لگے وہ مجھے بتاؤ اور تمہاری شادی اس کے ساتھ کروا دوں گی"۔

"میں نے شادی کی تو سوچی ہی نہیں" ـــ کرسٹی نے کہا ـــ "مذہب کو تو میں نے کبھی اہمیت دی ہی نہیں۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان عیسائیت کے دشمن ہیں اور اسلام کو ختم کرنا ہے.... اب میرے خیالات اتنے بدل گئے ہیں کہ میں ان مسلمانوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ میرے دل میں ان مسلمان سالاروں کی عزت پیدا ہو گئی ہے"۔

"تم ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتیں" ـــ ایک اور نو مسلم لڑکی نے کہا۔

"بہت کچھ کر سکتی ہوں" ـــ کرسٹی نے کہا ـــ "میرے پاس یہی ہنر ہے جو بتا چکی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ مسلمان مجھ سے فائدہ اٹھائیں۔ میں ان کے لئے جاسوسی کر سکتی ہوں۔ رومی جرنیلوں کو قتل کروا سکتی ہوں۔ یہ نہ ہو سکا تو انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا سکتی ہوں۔ کسی طرح مجھے سکندریہ میں داخل کر دیں"۔

"کرسٹی!" ـــ شاربتا نے بڑی سنجیدگی سے کہا ـــ "اسلام میں عورت کو اس طرح استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ لوگ اپنی بیٹی کی ہی نہیں بلکہ بیٹی کسی دشمن کی بھی ہو تو یہ اپنے آپ کو اس کی عزت و آبرو کا محافظ سمجھتے ہیں۔ تم اپنے مستقبل کی سوچو۔ تمہارے سامنے بڑی لمبی عمر پڑی ہے۔ یہ باعزت انداز سے گزرنی چاہئے"۔

یہ بات کچھ سنجیدگی اور کچھ مذاق میں آئی گئی ہو گئی۔

○

مدینہ میں امیرالمومنین حضرت عمرؓ ہر لحظہ مصر سے خبر آنے کے منتظر رہتے تھے۔

پیغام آتے جاتے رہتے تھے لیکن پہلی مرتبہ یوں ہُوا کہ چار مہینوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا' عمروؓ بن عاص کی طرف سے کوئی پیغام مدینہ نہ گیا۔ اس تاخیر اور خاموشی سے امیرالمومنین کو تشویش ہونے لگی۔ یہ تشویش ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی اور امیرالمومنین نے مجلس مشاورت بلائی۔ تمام مستند مؤرخین اور بعد کے تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے اپنے مشیروں سے کچھ اس طرح خطاب کیا:

"کیا تم میری طرح پریشان نہیں ہو؟" ـــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــ "چار چاند طلوع و غروب ہو گئے ہیں اور عمروؓ بن عاص کی کوئی خبر نہیں آئی۔ یہ وہی لشکر ہے جس نے مصر کے بڑے ہی مضبوط شہر اور ناقابلِ تسخیر قلعے فتح کئے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ وہ سکندریہ کی دیواروں کے باہر جا کر بیٹھ گئے ہیں اور کوئی حرکت نہیں کر رہے۔ کیا ایسا تو نہیں کہ انہیں وہ جگہ اچھی لگی اور اسی کو وہ ایک خوبصورت منزل سمجھ کر وہیں کے ہو کر رہ گئے ہیں؟"

"یا امیرالمومنین!" ـــ ایک مشیر نے کہا ـــ "عمروؓ بن عاص ایسے غیر ذمہ دار سپہ سالار تو نہیں' کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے"۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے" ـــ ایک اور نے کہا ـــ "سکندریہ بہت ہی مضبوط اور قلعہ بند شہر ہے اور یہ مصر کا آخری قلعہ ہے۔ عمروؓ بن عاص کے لشکر کی تعداد اور کم ہو گئی ہو گی اس لئے اس شہر کی فتح کے لئے تین چار مہینے کافی نہیں ہو سکتے"۔

"خدا کی قسم' میں ان سب پہلوؤں پر غور کر چکا ہوں" ـــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــ "سکندریہ اجنادین سے زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت ہرقل بھی زندہ تھا اور روم کی فوج بھی زندہ و بیدار اور بے حد طاقتور تھی۔ رومی سمجھتے تھے کہ اجنادین دراصل بیت المقدس کا دفاعی قلعہ ہے۔ یہ گیا تو بیت المقدس بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ رومی بیت المقدس میں اپنے آپ کو یوں سمجھتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا دفاع کر رہے ہوں لیکن اسی عمروؓ بن عاص نے رومیوں سے اجنادین بھی لے لیا اور بیت المقدس بھی چھین لیا تھا۔ آج عمروؓ بن عاص اسی رومی فوج کے سامنے کیوں بے بس ہو گیا ہے؟....

"اب تو رومی فوج بہت زیادہ دہشت زدہ اور کمزور ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بزنطیہ میں ہرقل کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین بھی مر چکا ہے'

وہاں تخت و تاج کی وراثت پر شاہی محل میں جھگڑا چل رہا ہے۔ عمروؓ بن عاص اس صورتِ حال سے کیوں فائدہ نہیں اٹھا رہا؟"

"کیا آپ کو عمروؓ بن عاص پر کوئی شبہ ہے امیرالمومنین؟" —— ایک صحابی نے پوچھا۔

"ہاں میرے بھائی!" —— امیرالمومنین نے جواب دیا —— "مجھے شبہ ہے کہ عمروؓ اور اس کے لشکر میں کوئی ایسی ذہنی خرابی پیدا ہو گئی ہے جس نے ان کے دلوں سے شہادت کی تڑپ اور جہاد کی لگن چھین لی ہے۔ ہو سکتا ہے مصر کی خوبصورتی اور دولت نے انہیں دنیاوی آسائشوں اور عیش پرستی میں الجھا دیا ہو۔ اگر یہ نہیں تو کوئی ایسی وجہ ضرور ہے کہ مصر کی فتح میں اتنی زیادہ دیر لگ رہی ہے.... کیا میں عمروؓ بن عاص کو پیغام بھیج کر پوچھ نہ لوں کہ اس کی اتنی طویل خاموشی کی وجہ کیا ہے اور اس کا لشکر کس حال میں ہے؟"

سب نے متفقہ طور پر رائے دی کہ ابھی پیغام دے کر قاصد کو روانہ کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے اُسی وقت پیغام لکھا جو آج تک تاریخ کے دامن میں لفظ بہ لفظ موجود ہے۔ تاریخ نویس ابن الحکم، مقریزی اور بلاذری کے حوالے سے یہ پیغام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"میں حیران ہوں کہ تم دو سالوں سے لڑ رہے ہو اور مصر کی فتح ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔ میں جانتا ہوں تم مصر کا آخری قلعہ فتح کرنے پہنچے ہوئے ہو لیکن اتنے عرصے میں تمہاری طرف سے کوئی اطلاع اور کوئی خبر نہیں آئی۔ مجھے شک ہے کہ تمہارے دل میں وہ پہلا سا جذبہ نہیں رہا اور اپنے اس دشمن کے ملک کا تم پر یہ اثر ہُوا ہے کہ تمہارے دل میں بھی دنیا کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا۔ میں نے چار بڑے ہی بہادر سالار تمہاری مدد کے لئے بھیجے تھے اور لکھا تھا کہ ان میں سے ہر سالار ایک ہزار مجاہدین کے برابر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دنیاوی جاہ و جلال میں الجھ گئے ہیں اور تم بھی الجھے ہوئے ہو۔ میرا یہ پیغام پورے لشکر کو سناؤ اور انہیں کہو کہ اپنے جذبے اور حوصلے کو مجروح نہ ہونے دیں۔ میرے بھیجے ہوئے چاروں سالاروں کو فوج کے آگے رکھو اور اللہ کے نام پر سکندریہ پر چڑھ دوڑو۔"

حضرت عمرؓ نے اس پیغام میں جن چار سالاروں کا ذکر کیا ہے ان کی شجاعت کے

کارناموں کی تفصیل پیچھے ایک باب میں بیان ہو چکی ہے۔ یہ تھے زبیرؓ بن العوام، عبادہؓ بن صامت، مقدادؓ بن اسود اور مسلمہؓ بن مخلّد۔ یہ سب صحابہ کرام تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جب کمک دے کر مصر بھیجا تھا تو ساتھ پیغام میں انہوں نے لکھا تھا کہ ان چاروں میں ہر ایک سالار ایک ہزار مجاہدین کے برابر ہے۔ ان الفاظ میں حضرت عمرؓ نے ان چاروں کی شجاعت اور میدانِ جنگ میں قیادت کی مہارت کی تعریف کی تھی لیکن تاریخ لکھنے والے ایک غلط فہمی میں مُبتلا ہو گئے۔ اس غلط فہمی کی تفصیل بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔ زبیرؓ بن العوام کی بہادری تو معجزہ نما تھی۔

ہم آج کے دور میں امیرالمومنین حضرت عمرؓ کا پیغام بنام سپہ سالار عمروؓ بن عاص پڑھتے ہیں تو ہمارے تصور میں عمروؓ بن عاص کا یہ رَدِ عمل آتا ہے کہ انہوں نے کہا ہوگا کہ مدینہ میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، یہاں آ کر دیکھیں کہ ہم لوگ کیسی مشکلات میں گرفتار ہیں اور ہم سے ناممکن کو ممکن بنانے کی توقع رکھی جا رہی ہے لیکن عمروؓ بن عاص نے کسی ایسے ناروا رَدِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ وہ خود محسوس کر رہے تھے کہ سکندریہ پر زیادہ وقت صرف ہو رہا ہے اور حاصل کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ وہ امیرالمومنین کی بیتابی کو اور ان کے شکوک و شبہات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے ٹھنڈے دل سے یہ پیغام پڑھا اور پہلا کام یہ کیا کہ امیرالمومنین کے نام ایک پیغام لکھوا کر اسی قاصد کو دے کر رخصت کر دیا۔ اس پیغام کے الفاظ تاریخ کے صفحات پر نہیں ملتے سوائے اس کے کہ عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین کو مطمئن کیا کہ لشکر کا جذبہ مجروح ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ پختہ اور غضب ناک ہو گیا ہے اور ہر مجاہد سکندریہ کی فتح کے لئے بے تاب ہے۔

تاریخ کے مطابق، حضرت عمرؓ کا پیغام حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس دن کے پچھلے پہر پہنچا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اُسی وقت تمام لشکر کو اکٹھا کیا اور امیرالمومنین کا پیغام بلند آواز میں پڑھ کر سنایا۔ پھر لشکر سے کہا کہ سب وضو کر کے فوراً واپس آئیں۔ مجاہدین گئے، وضو کیا اور واپس آ گئے۔ عمروؓ بن عاص نے دو رکعت نفل باجماعت پڑھائے اور اس کے بعد فتح کی دعا مانگی گئی۔ تاریخ میں آیا ہے کہ دعا کے دوران عمروؓ بن عاص کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ دعا کے بعد انہوں نے لشکر سے کہا کہ سکندریہ پر یلغار کی جائے گی۔ مجاہدین نے نعروں سے سپہ سالار کے اس عہد اور عزم پر لبیک کہی۔

ابن عبدالحکم اپنے والد عبداللہ بن عبدالحکم سے روایت کرتے ہیں کہ دعا کے بعد

لشکر منتشر ہو گیا اور عمروؓ بن عاص سالاروں کو اپنے خیمے میں لے گئے۔ بغیر کسی تمہید اور تعارف کے سکندریہ پر یلغار کا پلان تیار ہونے لگا۔ یہ واقعی ایک ناممکن مہم تھی جسے ممکن بنانا تھا۔ عمروؓ بن عاص اور ان کے سالار جذبات کے زور پر نہیں سوچا کرتے تھے بلکہ حقائق اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر پلان بناتے اور جذبے اور جوش و خروش سے اس پر عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ہر پہلو پر غور کیا تو سوائے دشواری اور ناکامی کے کچھ نظر نہ آیا۔ عمروؓ بن عاص یوں زمین پر پیٹھ کے بل لیٹ گئے جیسے تھک ہار گئے ہوں۔

معلوم نہیں ان کے اس طرح لیٹ جانے سے سالاروں پر کیا اثر ہُوا ہو گا۔ ہُوا یوں کہ عمروؓ بن عاص فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور پُرجوش لہجے میں بولے — "میں نے غور کر لیا ہے اور اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ ہمارے انجام کو وہی سنوارے گا جس نے آغاز کو سنوارا ہے" — ظاہر ہے ان کا اشارہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف تھا۔

ایک سالار عبادہؓ بن صامت بھی وہیں تھے۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں کہا کہ سکندریہ پر یلغار کے وقت عَلم ان کے ہاتھ میں ہو گا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمروؓ بن عاص نے عَلم مسلمہؓ بن مخلّد کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مسلمہؓ بن مخلّد نے کہا کہ اتنے بڑے اعزاز کے حقدار عبادہؓ بن صامت ہیں۔ چنانچہ عمروؓ بن عاص نے عَلم عبادہؓ بن صامت کے حوالے کیا۔

یہ واضح رہے کہ میدان جنگ میں عَلم بردار کو اپنی جان پر کھیل کر عَلم بلند رکھنا پڑتا تھا۔ دشمن عَلم کو گرانے کے لئے حملے پر حملے کرتا تھا۔ علم کو بلند اور لہراتا رکھنے کے لئے کئی مجاہدین شہید ہو جایا کرتے تھے۔

○

سکندریہ پر حملے کا پلان بن گیا جس کے لئے مجاہدین پہلے ہی تیار تھے لیکن حملہ کچھ دنوں بعد کرنا تھا۔ تین مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے اپنے پیغام میں لکھا تھا کہ حملہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد کیا جائے کیونکہ اُس وقت اللہ کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ وقت دعاؤں کی قبولیت کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا تھا کہ حملے سے پہلے اللہ کے حضور گڑگڑا کر فتح کے لئے دعا کی جائے۔ حملے میں تاخیر کی غالباً یہی وجہ تھی۔ جمعتہ المبارک کو ابھی چار پانچ دن باقی تھے۔

ان چار پانچ دنوں میں ایک اور واقعہ ہو گیا۔ مجاہدین حملے کے لئے تیار بھی تھے اور

بیتاب بھی لیکن ابھی ان کے لئے فراغت تھی۔ ایک روز تین آدمی جو غالباً مصری تھے' چھوٹے چھوٹے قالین اٹھائے خیمہ گاہ کے قریب آن کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دو تین قالین کھول کر زمین پر بچھا دیئے۔ یہ مصلّے کے سائز کے قالین تھے۔ قریبی خیموں سے چند مجاہدین باہر نکلے تو ان آدمیوں کے پاس جا کر قالین دیکھنے لگے۔ ایک مجاہد نے کہا کہ وہ یہاں کیوں آ گئے ہیں' یہاں ان قالینوں کا کوئی خریدار نہیں۔

"ہم یہ قالین بیچنے نہیں آئے" — ایک آدمی نے کہا — "ہم دو تین قالین آپ کے سپہ سالار کو تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر وہ نماز پڑھا کریں گے"۔

"پہلی بات یہ ہے دوستو!" — مجاہد نے کہا — "ہمارے سپہ سالار تمہیں ملیں گے ہی نہیں اور اگر مل گئے تو یہ تحفے قبول نہیں کریں گے۔ ہمارے ہاں تحفے لینے کا رواج ہی نہیں"۔

"ہمیں ان تک پہنچا تو دیں" — ایک آدمی نے کہا — "ہم مسلمانوں کے کردار سے اور جو سلوک آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ روا رکھا ہے' اس سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ ہم اظہارِ تشکر کے لئے اپنے بنائے ہوئے یہ قالین انہیں بطور تحفہ پیش کرنے آئے ہیں"۔

مجاہدین نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ سپہ سالار اتفاق سے کہیں مل جائیں تو ان سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن وہ تحفہ قبول نہیں کریں گے۔ ایک مجاہد نے کہا کہ ہم زمین پر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ ہمارے سالار بھی ہمارے ساتھ زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور زمین پر ہی سجدے کیا کرتے ہیں۔

"یہ تو ہم نے دیکھا ہے" — قالین والے ایک آدمی نے کہا — "آپ لوگ جس زمین پر سجدہ کرتے ہیں وہ زمین اللہ کی طرف سے آپ کے نام لکھ دی جاتی ہے اور وہ زمین آپ کے قدم چومتی ہے"۔

مجاہدین وہاں سے ہٹنے لگے۔ ابھی دو تین مجاہدین وہیں تھے۔ ایک طرف سے مجاہدین کی تین چار خواتین آ رہی تھیں۔ ان میں شارینا بھی تھی اور کرسٹی بھی۔ قالین اتنے خوبصورت تھے کہ لڑکیاں زمین پر بچھے ہوئے قالینوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھنے لگیں۔ خریدنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا نہ انہیں ایسے خوبصورت اور قیمتی قالینوں کی ضرورت تھی۔

قالینوں والے تین آدمی بھی زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ کرِسٹی نے قالینوں سے نظریں ہٹا کر ان تینوں آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ان تینوں میں ایک ہی تھا جو مجاہدین کے ساتھ باتیں کرتا رہا تھا۔ وہی بولتا تھا اور باقی دو چپ چاپ بیٹھے یا کھڑے رہے۔ اس جواں سال آدمی نے کرِسٹی کو دیکھا تو اس کے ماتھے پر شکن آ گئے اور اس نے آنکھیں ذرا سی سکیڑیں جیسے کرِسٹی کو غور سے دیکھ رہا ہو۔

یہی تاثر کرِسٹی کے چہرے پر بھی آ گیا تھا۔ وہ بھی جیسے اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ جلدی ہی دونوں کے چہروں کا یہ تاثر حیرت میں بدل گیا جیسے انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا ہو۔ عورتیں ان تینوں سے قالینوں کے متعلق کچھ پوچھ رہی تھیں۔ کرِسٹی بیٹھی بیٹھی پاؤں پر سرکی اور نہایت آہستہ آہستہ اس شخص کے قریب چلی گئی۔

ان دونوں کے درمیان سرگوشیوں میں کوئی مختصر سی بات ہوئی اور کرِسٹی اُٹھ کھڑی ہوئی اور خواتین کے پاس آ گئی۔ ان تینوں آدمیوں نے قالین لپیٹنے شروع کر دیئے اور مجاہدین کی یہ خواتین اور کرِسٹی وہاں سے چل دیں۔ کرِسٹی نے شارینا کو اشارے سے الگ کیا اور اسے سرگوشیوں میں کچھ کہا۔ شارینا یوں سر ہلاتی رہی جیسے کرِسٹی کی بات سمجھ گئی ہو اور اسے یہ بات اچھی لگی ہو۔ یہ خواتین اپنے خیموں کی طرف چلی گئیں اور قالینوں والے قالین اٹھا کر مایوسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہو گئے۔

○

گھنٹے ڈیڑھ بعد کرِسٹی قالینوں والے اس آدمی کے پاس کھڑی تھی جو سب سے زیادہ بولتا تھا اور اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ عقل و دانش والا آدمی ہے اور جہاندیدہ بھی ہے۔ وہ دونوں ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کرِسٹی چھپ چھپا کر وہاں تک پہنچی تھی۔ یہ وہی علاقہ تھا جو پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ وہاں ہری بھری ٹیکریاں تھیں اور درختوں کے جھنڈ اتنے گھنے تھے کہ وہاں قریب سے بھی کوئی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اسی جگہ بارہ مجاہدین کو رومیوں نے اس طرح گھات لگا کر شہید کر دیا تھا کہ نہ ان رومیوں کے آنے کا پتہ چلا نہ یہاں سے جانے کا۔

کرِسٹی اکیلی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ مجاہدین کی کوئی اور خاتون ہوتی تو کوئی اور بات تھی، کرِسٹی کی حیثیت ایک قیدی کی سی تھی، یہ الگ بات ہے کہ اس پر قیدیوں جیسی

پابندی نہیں تھی پھر بھی عورتوں کو بتا دیا گیا تھا کہ اسے اپنی نگرانی میں رکھیں۔ کرِسٹی کے لئے اس خطرناک علاقے تک جانا صرف اس لئے ممکن ہُوا تھا کہ اس نے شارینا کو ایک خاص بات بتا کر اعتماد میں لے لیا تھا اور شارینا نے یہ بات اپنے خاوند حدید کو بتا دی تھی کرِسٹی کو معلوم نہیں تھا کہ حدید چھپ چھپ کر اس کے پیچھے گیا تھا اور جب وہ اس آدمی کے پاس پہنچی تو حدید کچھ دور اوٹ میں زمین پر پیٹ کے بل لیٹا انہیں دیکھ رہا تھا۔ کرِسٹی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کرِسٹی نے قالین دیکھتے دیکھتے جب اس آدمی کو دیکھا تھا تو اسے پہچان لیا تھا۔ وہاں سے ہٹ کر کرِسٹی نے شارینا کو الگ کر کے یہ بتایا تھا کہ وہ اس شخص کو جانتی ہے، کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہی ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق یہ شخص اُن پیشہ ور قاتلوں میں سے تھا جو دشمن کی بڑی شخصیتوں کو قتل کرنے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

کرِسٹی نے شارینا کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ اُس گاؤں میں یہ مشن پورا کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کرنا ہے۔ اس سے پہلے اسے کسی اور مقام پر بھیجا گیا تھا اور یہ شخص اس کے ساتھ تھا لیکن وہاں مسلمانوں کے سپہ سالار تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکا اور مجاہدین کا لشکر وہاں سے آگے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد کرِسٹی اس شخص سے الگ کر دی گئی تھی اور اسے معلوم نہیں تھا کہ اس آدمی کو کہاں بھیج دیا گیا ہے۔ کرِسٹی کو اُس گاؤں میں منتقل کر دیا گیا تھا جہاں مصری بدّو اسطافت ایک سالار کو قتل کرنے لگا تھا مگر خود مارا گیا۔

یہ سارا راز شارینا کو دے کر کرِسٹی نے کہا تھا کہ وہ اس شخص سے ملے گی اور معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ یہاں تک کیا عزم لے کر آیا ہے یا اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔ شارینا نے حدید کو بتایا اور حدید نے یہ انتظام کیا تھا کہ کرِسٹی اس آدمی سے ملے۔ کرِسٹی نے قالین دیکھتے دیکھتے اس آدمی سے سرگوشی میں جو بات کی تھی وہ اسی ملاقات کا وقت اور جگہ کا تعین کیا تھا۔ اس کے مطابق وہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ کرِسٹی نے اس آدمی کا نام اختمون بتایا تھا۔ اس قسم کے نام فرعونوں کے خاندان کے افراد کے ہُوا کرتے تھے۔ یہ شخص مصری تھا اور اس کا مذہب عیسائیت تھا۔

"تم ان دشمنوں کے پاس کیسے پہنچ گئی ہو؟" ـــــ اختمون نے کرِسٹی سے پوچھا۔

"پکڑی گئی تھی" ـــــ کرِسٹی نے جواب دیا ـــــ "سیمون بھی میرے ساتھ ہے۔

ہم ان کے قیدی ہیں لیکن ہمیں کچھ آزادی حاصل ہے اس لئے تم تک پہنچ گئی ہوں"۔

سیموسن وہ آدمی تھا جسے کرسٹی اپنا باپ ظاہر کرتی تھی لیکن وہ اس کا باپ نہیں تھا۔

اختمون نے اس سے پوچھا کہ وہ پکڑے کس طرح گئے تھے؟.... کرسٹی نے اسے پوری تفصیل سے بتایا کہ اسے اس گاؤں میں مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کرنے یا کروانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ایک مصری بدّو مسلمانوں کے لشکر کے لئے رسد اکٹھی کرتا پھرتا تھا' اس کے جال میں ایسا آیا کہ وہ کسی نہ کسی سالار کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن عین اس وقت جب وہ سالار اس کے تیر کے نشانے میں تھا' وہ پکڑا گیا اور اس کے بعد کرسٹی بھی اور سیموسن بھی پکڑے گئے۔

"یہاں کیسی گزر رہی ہے؟" ـــ اختمون نے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے!" ـــ کرسٹی نے جھوٹ بولا ـــ "مجھ جیسی لڑکی کسی کے ہاتھ چڑھ جائے تو کیا بغیر پوچھے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کی کیسی گزر رہی ہے؟.... میری ہر رات کسی نہ کسی سالار کے خیمے میں گزرتی ہے۔ کچھ راتیں سپہ سالار کے خیمے میں گزاری ہیں لیکن وہ بڑا محتاط آدمی ہے۔ کچھ دیر بعد خیمے سے نکال دیتا اور اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ میرے ارادوں میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آئی۔ میں ان کے سپہ سالار کے قتل کے لئے بے تاب اور بیقرار ہوں لیکن موقع نہیں ملتا۔ میں نے ان سب پر اپنا اعتماد جما رکھا ہے پھر بھی کسی سالار کے خیمے میں مجھے بلایا جاتا ہے تو پہلے میری جامہ تلاشی ہوتی ہے کہ میرے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں!.... یہ کام صرف تم کر سکتے ہو"۔

"لیکن اصل مسئلہ کون حل کرے گا؟" ـــ اختمون نے پوچھا ـــ "مجھے سپہ سالار کے خیمے تک کون پہنچائے گا؟ یہ میں نے دیکھ لیا ہے کہ باہر اسے قتل کرنا ناممکن ہے۔ میں نے اسے دور سے دیکھا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے محافظ گھوڑ سواروں کے حصار میں ہوتا ہے۔ آخر یہ طریقہ آزمایا کہ قالینوں کا تحفہ پیش کیا جائے' شاید اس طرح اس کے خیمے میں داخلے کا موقع نکل آئے لیکن یہ موقع بھی ممکن نظر نہیں آتا۔ ان لوگوں نے بتایا ہے کہ سپہ سالار کوئی تحفہ قبول نہیں کرتا اور اس کے خیمے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں"۔

"اگر تمہیں اس کے خیمے تک پہنچا دوں تو اسے قتل کس طرح کرو گے؟" ـــ کرسٹی نے پوچھا اور اسے خبردار کیا ـــ "قتل تو کر لو گے لیکن وہیں پکڑے جاؤ گے اور

مارے جاؤ گے"۔

"زیادہ امکان تو یہی ہے" ـــ اختمون نے کہا ـــ "لیکن میں بچ نکلنے کی صورت بھی پیدا کر سکتا ہوں۔ ہم دو آدمی قالین لے کر اس کے خیمے میں جائیں گے اور قالین زمین پر بچھا دیں گے۔ وہ دیکھنے کو جھکے گا یا نہ بھی جھکے تو پیچھے سے خنجروں کے وار کر کے نکل جائیں گے اور جب تک باہر والوں کو پتہ چلتا ہے کہ ان کا سپہ سالار خیمے میں قتل ہو گیا ہے ہم اس خیمہ گاہ سے دور نکل چکے ہوں گے اور آگے علاقہ ایسا ہے جہاں ہم یوں غائب ہو جائیں گے جیسے زمین نے ہمیں نگل لیا ہو۔ اگر پکڑے گئے تو ہم دونوں آدمی مرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمیں اتنا زیادہ معاوضہ دیا گیا ہے جسے تم ایک خزانہ کہہ سکتی ہو یہ ہماری آئندہ دو تین نسلوں کے لئے کافی ہو گا۔ یہ نہ بھی ہوا تو تم جانتی ہو کہ ہم مذہب کے جنونی ہیں۔ اسلام کا راستہ اپنی جانیں قربان کر کے روکنا ہے.... کہو' ہماری کچھ مدد کر سکتی ہو؟"

"کر سکتی ہوں" ـــ کرسٹی نے کہا ـــ "کل صبح جب سورج افق سے اوپر اٹھ رہا ہو گا تم یہیں آ جانا میں تمہیں بتاؤں گی کہ راستہ صاف ہوا ہے یا نہیں.... یہ سوچ لو کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی"۔

"ہمیں خیمے کے اندر تمہاری ضرورت بھی نہیں ہو گی" ـــ اختمون نے کہا ـــ "مجھے پوری امید ہے کہ اس راز کو اپنی ذات میں ہی دفن کر دو گی"۔

○

جب سورج اُفق سے اوپر اٹھ رہا تھا کرسٹی اور اختمون اُسی جگہ کھڑے تھے جہاں ان کی گزشتہ روز ملاقات ہوئی تھی۔ اس صبح کی ملاقات بہت ہی مختصر تھی۔ کرسٹی نے اختمون کو بتایا کہ آج وہ زیادہ دیر رک نہیں سکے گی اور صرف یہ بتانے آئی ہے کہ آج جب مسلمانوں کا لشکر ظہر کی نماز پڑھ چکے گا تو اختمون اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ اُسی جگہ پہنچ جائے جہاں وہ قالین لے کر آئے تھے۔ کرسٹی نے کہا کہ ان کے پاس قالین ہونے چاہئیں۔ وہاں انہیں ایک آدمی ملے گا جو انہیں اپنے ساتھ سپہ سالار کے خیمے تک پہنچا دے گا۔

"یہ انتظام تم نے کیسے کیا ہے؟" ـــ اختمون نے پوچھا۔

"مجھ جیسی لڑکی کیا نہیں کر سکتی!" ـــ کرسٹی نے کہا ـــ "میں نے رات سپہ سالار

کے خیمے میں گزاری ہے اور اسے بتایا کہ وہ مصر کے قالین کم از کم دیکھ ہی لے۔ وہ مان تو نہیں رہا تھا لیکن میں نے منوا لیا اور اس نے اپنے ایک محافظ کو کہہ دیا کہ کل قالین والے آئیں تو انہیں اس کے خیمے میں پہنچا دیا جائے"۔

اُسی روز ظہر کی نماز حسبِ معمول پورے لشکر نے باجماعت عمروؓ بن عاص کی امامت میں پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر عمروؓ بن عاص اپنے خیمے میں چلے گئے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ تین آدمی قالین زمین پر رکھے کھڑے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے ان کی طرف توجہ نہ دی' صرف انہیں دیکھا۔

خیمے میں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد ایک محافظ خیمے میں داخل ہُوا اور بتایا کہ قالینوں والے تینوں آدمی آ گئے ہیں۔ عمروؓ بن عاص نے کہا کہ انہیں اندر بھیج دیا جائے۔ محافظ باہر نکلا اور دو آدمی مصلوں کے سائز جتنے دو چار قالین اٹھائے خیمے میں داخل ہوئے۔ عمروؓ بن عاص نے کہا کہ کھول کر دکھائیں۔

وہ آدمی قالین کھول کر زمین پر بچھانے لگے۔ ان کا تیسرا ساتھی خیمے کے باہر پہرے پر کھڑے محافظ کے پاس رکا رہا اور اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا وہ اس محافظ کی توجہ خیمے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ خیمے کے اندر دونوں نے قالین کھول دیئے اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص کھڑے ہو کر قالینوں کے اردگرد آہستہ آہستہ ٹہلنے لگے۔

"ذرا جھک کر یا بیٹھ کر ان قالینوں کو قریب سے دیکھیں" ــــ اختمون نے کہا ــــ "ہم یہ قالین بیچنے نہیں آئے' آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے آئے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی خزانہ نہیں جو آپ کو پیش کریں' یہی ہمارا ہُنر ہے اور یہی لے آئے ہیں۔ ان رومیوں نے ہم پر فرعونوں کی طرح حکومت کی ہے۔ آپ تو ہمارے لئے رحمت کے فرشتے بن کر آئے ہیں"۔

عمروؓ بن عاص ایک قالین پر جھک گئے جیسے اسے بڑی غور سے دیکھ رہے ہوں۔ اختمون آہستہ آہستہ ان کے عقب میں آ گیا۔ اس کا دایاں ہاتھ کپڑوں کے اندر چلا گیا۔ یہ ہاتھ باہر آیا تو اس ہاتھ میں خنجر تھا۔ عمروؓ بن عاص کی اس کی طرف پیٹھ تھی۔

خنجر اوپر اٹھا اور پیشتر اس کے کہ یہ عمروؓ بن عاص کی پیٹھ میں اُترتا' عمروؓ بن عاص حیران کُن تیزی سے جھکے جھکے پیچھے کو مڑے' سیدھے ہوئے اور جھپٹ کر اختمون کے اوپر اٹھے ہوئے بازو کی کلائی پکڑ لی اور اس قدر زور سے مروڑی کہ اس کے ہاتھ سے خنجر

نیچے گر پڑا اور اختمون اتنا طاقتور جوان ہونے کے باوجود اس طرح بل کھا گیا کہ اس کی پیٹھ عمروؓ بن عاص کی طرف ہو گئی۔

اختمون نے اپنے ساتھی سے کہا کہ نکالو خنجر' دیکھتے کیا ہو!.... اس کا ساتھی اپنے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالنے لگا تو خیمے کے باہر کھڑا محافظ بڑی تیزی سے خیمے میں داخل ہُوا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ وہ اس قدر پھرتیلا تھا کہ خیمے کے دروازے میں نظر آیا اور دوسرے لمحے اس کی تلوار کی نوک اختمون کے ساتھی کے سینے میں چبھ رہی تھی۔ محافظ نے اسے خنجر پھینک دینے کو کہا تو اس نے بڑے اطمینان سے خنجر پھینک دیا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے شاید کوئی آواز پہلے ہی مقرر کر رکھی تھی جو انہوں نے منہ سے نکالی تو محافظ جو اسی آواز کی انتظار میں تھا' کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح خیمے میں آیا اور اس شخص کو اپنے قابو میں لے کر اسے نہتہ کر دیا۔ اختمون عمروؓ بن عاص کے قابو میں تھا۔

ان کا تیسرا ساتھی جو باہر کھڑا تھا' اسے ابھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ خیمے کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے وہ خیمے کی طرف چلا تو دو محافظ مجاہدین نے پیچھے سے آ کر اسے دبوچ لیا.... مجاہدین کے لشکر کے سپہ سالار کو قتل کرنے کی کوشش بُری طرح ناکام ہو گئی۔ کرسٹی نے ان تینوں کو پھانسنے کے لئے بڑا ہی خوبصورت پھندا تیار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی عطا فرمائی۔ شارینا اور اس کے خاوند حدید نے اس کے ساتھ اپنا تعاون کیا تھا جس کے بغیر وہ کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

عمروؓ بن عاص نے تمام سالاروں کو بلوایا۔ اختمون اور اس کے ساتھیوں کو باہر لے گئے۔ ننگی تلواروں سے مسلح چار محافظ ان تینوں کے دائیں بائیں اور پیچھے کھڑے ہو گئے۔

"اے خوش قسمت سپہ سالار!" ــــ اختمون نے عمروؓ بن عاص سے کہا ــــ "ہم تمہیں قتل کرنے آئے تھے اور یہ قالین تو محض ایک بہانہ تھا۔ تیری خوش قسمتی اور ہماری بدبختی کہ ہم کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا کردار اور اخلاق بہت ہی بلند اور قابلِ تعریف ہے۔ میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بخشی کی درخواست نہیں کروں گا' صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں فوراً قتل کرا دیں۔ ہمیں اذیتیں

دے دے کر اور ترسا تڑپا کر نہ مارنا"۔

سالاروں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ آج کیا ہونے والا ہے۔ وہ سپہ سالار کے بلاوے کے ہی منتظر تھے۔ اطلاع ملتے ہی دوڑے آئے۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں بتایا کہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ انہیں فوراً" قتل کر دیا جائے اور ایذا رسانی سے بچایا جائے۔ سالار یہ سن کر خاموش رہے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ ان تینوں کو سزائے موت ہی دی جائے گی لیکن عمروؓ بن عاص نے فیصلہ سنایا تو سب ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں تمہیں معاف کرتا ہوں" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "تم مجھے قتل کرنے آئے نہیں بلکہ بھیجے گئے تھے۔ میں تمہیں یہاں بھیجنے والے کو قتل کراؤں گا۔ تم آزاد ہو۔ واپس جاؤ اور اپنے جرنیلوں اور بزنطیہ میں بیٹھے ہوئے اپنے بادشاہوں کو بتانا کہ مرد میدان میں آکر لڑا کرتے ہیں؛ یوں اپنے دشمن کو فریب کاری سے قتل کروانے کی کوشش عموماً" شکست کا باعث بنا کرتی ہے۔ انہیں کہنا کہ سکندریہ کی دیواروں اور قلعوں بندیوں کی پناہ سے باہر آؤ اور لڑ کر ہمیں یہاں سے پسپا کرو۔ تمہارے پاس اتنی زیادہ فوج ہے جس کے مقابلے میں میرا یہ لشکر کچھ بھی نہیں۔ آؤ اور اس چھوٹے سے لشکر کو کچل ڈالو"۔

"یقین نہیں آتا سپہ سالار!" ــــ اختمون نے کہا ــــ "تُو ہمارے ساتھ کھیل رہا ہے' ہمارا مذاق اُڑا رہا ہے' ہم اسے جذباتی اذیت سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے کردار کی تو ہم نے کوئی اور ہی کہانیاں سنی تھیں۔ ہم قتل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ تیرے قتل کا عہد ہم نے یہ قبول کر کے کیا تھا کہ ہم زندہ واپس نہیں جاسکیں گے"۔

"اور میں عہد کر چکا ہوں کہ تم زندہ واپس جاؤ گے" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "تم نے ہمارے کردار کی جو کہانیاں سنی ہیں ان میں یہ کہانی سب سے زیادہ دلچسپ اور انوکھی ہوگی جو تم باقی عمر لوگوں کو سناتے پھرو گے"۔

اختمون اور اس کے ساتھی حیرت میں ڈوبتے چلے جارہے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے یقین آیا کہ سپہ سالار نے انہیں معاف کر دیا ہے۔

"مجھے صرف ایک بات بتادے اے سپہ سالار!" ــــ اختمون نے پوچھا ــــ "تجھے کس طرح پتہ چل گیا تھا کہ میں خنجر نکال رہا ہوں؟.... کیا ایسا تو نہیں کہ تجھے پہلے ہی علم

تھا کہ ہم تجھے قتل کرنے آرہے ہیں؟"

"کیا تم اس پر حیران نہیں ہوئے کہ ہم اتنے تھوڑے ہیں اور کتنی بڑی فوج سے مصر چھین لیا ہے؟" ــــ عمروؓ بن عاص نے کہا ــــ "میرا تمہارے قاتلانہ حملے سے بچ نکلنا تو معمولی سی بات ہے۔ ہمیں اپنے اللہ پر بھروسہ ہے اور جسے وہ زندہ رکھنا چاہتا ہے اس کا کوئی سبب پیدا کر ہی دیتا ہے۔ ہم کسی کو چوری چھپے قتل نہیں کیا کرتے"۔

"تو پھر یہ بھی سن لے اے خوش بخت سپہ سالار!" ــــ اختمون نے کہا ــــ "سکندریہ بھی تیرا ہے۔ ہمیں اسقفِ اعظم قیرس نے تیرے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہرقل کی ایک بیوہ مرتینا نے اسے پیغام بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کروا دو تو اس کے لشکر کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ قیرس اور مصر کی فوج کے سب سے بڑے جرنیل تھیوڈور میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ دونوں کی نیتوں میں خاصا فرق پیدا ہو گیا ہے اور وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے۔ سکندریہ کے شہری اپنی فوج سے بیزار ہوتے چلے جارہے ہیں"۔

"کیا بزنطیہ سے کمک نہیں آرہی؟" ــــ عمروؓ بن عاص نے پوچھا۔

"نہیں!" ــــ اختمون نے جواب دیا ــــ "بزنطیہ میں کچھ اور ہی چپقلش اور سازش چل رہی ہے جو سکندریہ پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔ سکندریہ میں تو تیرے ساتھ صلح کے معاہدے کی بات ہوتی ہے۔ اگر تُو نے اتنے ہی چھوٹے سے لشکر سے بابلیون اور کریون کے قلعے فتح کئے ہیں تو اسی لشکر سے تُو سکندریہ بھی فتح کرلے گا"۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے حکم دیا کہ ان کے قالین انہیں دے دیئے جائیں اور انہیں واپس چلے جانے کی اجازت ہے۔ اختمون اصرار کرنے لگا کہ وہ قالین واپس نہیں لے جائیں گے لیکن عمروؓ بن عاص نے کہا کہ اسلام میں جان بخشی کی قیمت وصول کرنا گناہ ہے اور ہر وہ چیز اسلام میں حرام ہے جو مالِ غنیمت کے زُمرے میں نہیں آتی۔ اگر قیرس یا تمہارا سب سے بڑا جرنیل یا تمہارا بادشاہ ملنے آئے اور اپنے ساتھ کوئی تحفہ لائے تو وہ میں قبول کر سکتا ہوں' تمہارا کوئی تحفہ مجھ پر حرام ہے۔

محافظ دستے کے مجاہدین نے قالین خیمے سے نکالے اور ان تینوں کے حوالے کر دیئے۔ تینوں سر جھکائے ہوئے رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد عمروؓ بن عاص نے کرِسٹی کو بلوایا۔ وہ آئی تو اسے بے ساختہ

اور بے دریغ خراجِ تحسین پیش کیا پھر پوچھا کہ وہ کیا انعام چاہتی ہے۔ اگر وہ آزاد ہونا چاہتی ہے تو اس کی یہ خواہش بھی پوری کی جاسکتی ہے۔

"نہیں قابلِ احترام سپہ سالار!" ـــ کرسٹی نے کہا ـــ "میں اب آزاد نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے اسلام میں داخل کرلیا جائے اور اگر مجھے کوئی مسلمان قبول کرلے تو میں اس کے ساتھ شادی کرکے خوشی محسوس کروں گی لیکن میں یہ بتادینا چاہتی ہوں کہ میں ایک آبرو باختہ لڑکی ہوں۔ میرا خیال میں نے آپ کو قتل ہو جانے سے اس لئے بچایا ہے کہ میں اپنے گناہوں کا کفّارہ ادا کرنا چاہتی تھی"۔

"اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے" ـــ عمروؓ بن عاص نے کہا ـــ "ہماری عورتیں تمہیں اسلام سے ایسا روشناس کروائیں گی کہ تم اپنے آپ کو پاک باز عورت سمجھنے لگوگی۔ تمہاری شادی بھی کرادی جائے گی"۔

○

اس سے اگلے روز یا دو روز بعد کا واقعہ ہے کہ رومی فوج کا ایک دستہ شہر سے باہر نکلا۔ اس دستے کی نفری بھی کوئی زیادہ نہیں تھی لیکن اس سے پہلے جتنی نفری باہر آکر واپس چلی جاتی تھی اس سے اس دستے کی نفری زیادہ تھی۔ تاریخ میں اس دستے کی نفری کا کوئی واضح ذکر نہیں، ایک دو اشاروں سے کچھ پتہ چلتا ہے کہ ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس دستے کے کمانڈر نے مسلمانوں کو للکارا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اس دستے جتنی ہی نفری آگے کی لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ رومیوں کا انداز وہی پہلے والا ہے کہ وہ لڑنے کی بجائے مجاہدین کا مذاق اُڑانا چاہتے ہیں۔

"میں اپنا ایک بہادر آگے کرتا ہوں" ـــ رومیوں کے کمانڈر نے للکار کر کہا ـــ "تم اس کے مقابلے کے لئے اپنا کوئی بہادر آگے کرو"۔

کھلی لڑائی سے پہلے ذاتی مقابلے اُس دور کی لڑائیوں کا ایک رواج تھا۔ مجاہدین کے سالار مسلمہؓ بن مخلّد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے چلے گئے۔ اُدھر سے ایک قوی ہیکل رومی گھوڑے پر سوار پہلے ہی دونوں طرف کی فوجوں کے درمیان پہنچ چکا تھا۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمہؓ بن مخلّد کی بہادری کے کارناموں میں بہت ہی مشہور تھے۔ وہ اس رومی کے مقابلے کو آگے بڑھے۔ دونوں کے پاس برچھیاں تھیں اور وہ ایک

دوسرے کو گھوڑے سے گرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں وار کرتے بھی تھے اور وار بچاتے بھی تھے۔

پھر یوں ہُوا کہ رومی بڑی ہی تیزی سے آیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کے گھوڑے آمنے سامنے سے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے۔ رومی نے طاقت سے برچھی کا وار کیا جو مسلمہؓ نے بچالیا لیکن رومی کا گھوڑا مسلمہؓ کے گھوڑے کے پہلو سے اتنے قریب سے گزرا کہ مسلمہؓ نے آگے جھک کر برچھی کا وار تو بچالیا لیکن رومی نے اپنے کندھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ مسلمہؓ گھوڑے سے نیچے آپڑے، اور ان کے ہاتھ سے برچھی چھوٹ گئی۔

رومی نے ذرا ہی آگے جاکر گھوڑا روکا، بڑی تیزی سے موڑا اور مسلمہؓ کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ مسلمہؓ جو اٹھ ہی رہے تھے، رومی کی برچھی کا شکار ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے اپنے گھوڑے کے پہلو کی ایک طرف ہو کر وار بے کار کر دیا۔

مسلمہؓ نے گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھا تو رومی پھر واپس آیا اور اب کے تو اس کا گھوڑا بہت ہی تیز تھا۔ اس نے مسلمہؓ کو گھوڑے پر سوار ہونے کی مہلت نہ دی اور برچھی بلند کرکے پوری طاقت سے ماری۔ مسلمہؓ نے رکاب سے پاؤں نکالا اور بیٹھ گئے۔ اس طرح رومی کی برچھی انہیں لگنے کی بجائے گھوڑے کے پہلو میں لگی اور گھوڑا بھاگ اٹھا۔ مسلمہؓ اب پیادہ ہوگئے۔

مسلمہؓ کی برچھی یہ وار بچاتے ایک بار پھر گر پڑی۔ اب کے رومی پیچھے کو مُڑا تو صاف نظر آنے لگا کہ وہ مسلمہؓ کو برچھی کی اَنی پر لے گا یا اپنے گھوڑے تلے روند ڈالے گا۔ اس وقت ایک مجاہد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مسلمہؓ کو بچانے کے لئے سرپٹ گھوڑا دوڑا دیا۔ پیشتر اس کے کہ رومی مسلمہؓ تک پہنچتا مجاہد پہنچ گیا اور اس نے برچھی کے پہلے وار سے ہی رومی کو گھوڑے پر اوندھا کر دیا۔ مجاہد کی برچھی رومی کے پیٹ میں اُتر گئی اور اس کی اَنی پیٹھ کی طرف سے باہر آگئی تھی۔ مسلمہؓ اٹھے اور ندامت کے سے عالم میں اپنے لشکر میں واپس آگئے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے چہرے پر ناراضگی اور غصے کا گہرا تاثر آگیا۔ انہیں مسلمہؓ سے ایسی شکست کی امید نہ تھی۔ مسلمہؓ سر جھکائے ہوئے

سپہ سالار کے قریب پہنچے۔

مسلمان مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے عمروؓ بن عاص نے مسلمہؓ سے کہا ـــــ

"تم جیسا شخص جو عورتوں کی خصلت رکھتا ہو اسے مردانہ کاموں میں دخل دینے کی کیا ضرورت آپڑی تھی؟"

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمہؓ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے' انہوں نے قہر اور غضب سے سپہ سالار کی طرف دیکھا لیکن وہ غصہ پی گئے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ رومی دیوار سے کچھ زیادہ آگے آ گئے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے حملے کا حکم دے دیا۔ سالاروں کو انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حملہ کس طرح کرنا ہے جس میں سب سے اہم ہدایت یہ تھی کہ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرنی ہے لیکن رومی جو لڑنے کے لئے آگے آ تو گئے تھے وہ ایسا خطرہ مول لینے والے نہیں تھے کہ شہر کا دروازہ مجاہدین اسلام کے لئے کھلا چھوڑ دیتے۔ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ کچھ زیادہ نفری دروازے کے آگے کر دی اور دروازہ کھلا رہنے دیا۔

دیوار پر زیادہ خطرناک چیز منجنیقیں تھیں لیکن مسلمان اتنا آگے چلے گئے تھے جہاں منجنیقیں اوپر سے نیچے کی طرف سنگ باری نہیں کر سکتی تھیں۔ رومی تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں تو پھینکیں لیکن دونوں طرف کے آدمی اس طرح گڈمڈ ہو گئے تھے کہ تیر اندازی رک گئی۔ یہ اس لئے بھی رکی کہ مسلمان تیر اندازوں نے دیوار پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔

رومیوں کا انداز یہ تھا کہ وہ پیچھے ہی ہٹتے جا رہے تھے اور مجاہدین کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کے اُس پہلو پر چلے جائیں جس پہلو پر شہر کا دروازہ تھا۔ سالاروں کی للکار یہی تھی کہ شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ معرکہ بڑا ہی گھمسان کا تھا لیکن رومی پیچھے ہٹتے ہٹتے شہر کے اندر جاتے رہے۔ ان کا جانی نقصان تو اچھا خاصا ہُوا لیکن وہ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور کوئی ایک بھی مجاہد ان کے پیچھے دروازے تک نہ پہنچ سکا پھر دروازہ بند ہو گیا۔ مجاہدین کو واپس آنا پڑا۔

○

آخر جمعتہ المبارک کی صبح طلوع ہوئی۔ مجاہدین نے اپنے سپہ سالار کی امامت میں نمازِ فجر ادا کی اور سپہ سالار نے لشکر کو بتایا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے پیغام میں لکھا تھا

کہ حملہ بعد از نمازِ جمعہ کیا جائے اور دعا بھی کی جائے' یہ وقت دعاؤں کی قبولیت کا ہوتا ہے۔

نمازِ جمعہ کا وقت آیا تو پورے لشکر نے نماز پڑھی۔ خطبے میں عمروؓ بن عاص نے لشکر کو امیرالمومنین کے پیغام کے یہ الفاظ ایک بار پھر سنائے کہ تم میں وہ پہلے والا جذبہ نہیں رہا اور شہادت کی تڑپ بھی نہیں رہی اور تمہیں وہ جگہ پسند آ گئی ہے اور وہیں کے ہو کے رہ گئے ہو۔ عمروؓ بن عاص نے لشکر سے کہا کہ آج ہمیں امیرالمومنین کا یہ شبہ رفع کرنا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا ہے۔

لشکر میں جوش و خروش تو وہی تھا جو پہلے بھی ہُوا کرتا تھا' اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن بند دروازوں والے قلعے پر یلغار خودکشی کے برابر تھی۔ سکندریہ کے دفاع کی بات ہی کچھ اور تھی۔ سالاروں کو سپہ سالار نے ضروری ہدایات اور احکام پہلے ہی دے دیئے تھے۔ لشکر ہر طرح تیار تھا۔

اللہ نے مجاہدین کے لئے پہلی سہولت یہ مہیا کر دی کہ نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ رومی فوج باہر آ گئی۔ اُس روز ان کی اچھی خاصی زیادہ نفری باہر آئی تھی۔ ان کی للکار سے پتہ چلتا تھا کہ آج وہ لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں۔

تاریخ میں ابن الحکم اور علامہ بلاذری کے حوالے سے یہ بات بھی آئی ہے کہ شہر کی اس طرف والی دیوار پر اس قدر آدمی کھڑے کر دیئے گئے تھے کہ ایک ہجوم تھا جس نے انسانی دیوار کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی جرنیلوں نے شہر کے لوگوں کو دیوار پر کھڑا کر دیا تھا اور ان میں عورتیں بھی تھیں اور عورتوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے چہرے باہر کی طرف نہ رکھیں بلکہ پیٹھ باہر کو رکھیں تاکہ مسلمانوں کو یہ یقین ہو کہ یہ عورتیں نہیں بلکہ مرد ہیں۔ یہ ہجوم دراصل مجاہدین کو ڈرانے کے لئے دیوار پر کھڑا کیا گیا تھا کہ دیکھ لو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تم یہ شہر فتح نہیں کر سکتے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے حکم سے ایک بلند آواز مجاہد آگے چلا گیا اور اس نے بڑی ہی بلند آواز سے رومیوں سے کہا کہ ہم تعداد سے ڈرنے والے نہیں' اگر ہم جنگی طاقت اور تعداد سے ڈر جاتے تو مصر میں داخل ہی نہ ہوتے.... یہ مجاہد واپس آ گیا۔ عمروؓ بن عاص نے بلند آواز سے اپنے لشکر سے کہا کہ تعداد سے نہ ڈرو' لڑنے والے یوں اوچھی حرکتوں اور باتوں سے ڈرایا نہیں کرتے وہ لڑا کرتے ہیں۔ ان رومیوں کے اس

مظاہرے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ خود ڈرے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم آج ہم قلعے میں داخل ہو ہی جائیں گے۔

اس کے فوراً بعد سپہ سالار نے بڑی تیز اور شدید یلغار کا حکم دے دیا۔ رومیوں نے دیوار پر شہریوں کے ہجوم کو اکٹھا کر کے بڑی ہی حماقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جب مجاہدین نے ہلّہ بولا تو دیوار کے تیراندازوں اور منجنیقوں کا جو خطرہ تھا وہ اس طرح کم ہو گیا کہ ان کا اپنا ہی ہجوم ان کے لئے رکاوٹ بن گیا۔ تیروں اور پتھروں سے بچنے کے لئے مجاہدین نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ بڑی ہی تیزی سے رومیوں پر جھپٹ پڑے۔ لڑائی کی صورت ایسی پیدا ہو گئی کہ کسی بھی منجنیق کا کوئی ایک پتھر بھی نہ آیا اور تیر اندازی بھی خاصی کم رہی کیونکہ ان کے اپنے ہی فوجی زد میں آتے تھے۔

اُس روز واقعی رومی لڑنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ وہ یہ احساس بھی رکھتے تھے کہ سکندریہ گیا تو پورا مصر گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ فوج کو شراب پلا کر باہر بھیجا گیا تھا۔ بہرحال فوج پورے جذبے اور جوش سے لڑ رہی تھی۔ مجاہدین کو عمروؓ بن عاص نے بڑی مہارت سے اپنے کنٹرول میں رکھا ہُوا تھا تاکہ جس چال اور ترتیب سے وہ حملہ کرنا چاہتے تھے اس میں ذرا سی بھی گڑبڑ نہ ہو۔ کوشش یہ تھی کہ قلعے میں داخل ہُوا جائے۔ اس کا مجاہدین کو خاصا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ مجاہدین کا زیادہ دباؤ رومیوں کے اس پہلو پر تھا جس پہلو پر صدر دروازہ تھا۔

دروازے تو اور بھی تھے لیکن ابھی رومی فوج ان کے آگے حائل تھی۔ عمروؓ بن عاص نے دوسرے پہلو پر حملہ کروا دیا۔ اس طرح رومی پہلوؤں کی طرف سے سکڑتے گئے اور ایک گھنے ہجوم کی صورت اختیار کر گئے۔ ان کے پیادے گھوڑ سواروں کی لپیٹ میں آنے لگے اور ان میں جو گر پڑتا تھا وہ گھوڑوں کے قدموں تلے کچلا جاتا تھا۔ سپہ سالار نے رومیوں کو اور زیادہ بے حال اور مجبور کرنے کے لئے اپنے محفوظہ کے دستوں میں سے ایک دستہ آگے کر دیا کہ وہ سامنے کے رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ دائیں بائیں سے تو رومیوں پر خاصا دباؤ پڑ رہا تھا۔

اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ رومیوں کی چیخ و پکار نے اندر والوں کو مجبور کر دیا کہ اس طرف کے بھی دروازے کھول دیں۔ اُس وقت رومیوں کی دراصل ضرورت یہ تھی کہ اندر سے مزید فوج باہر بھیجی جائے جو مجاہدین کو پسپا کر دے لیکن دروازے کھولے تو گھوڑ

سوار رومی اندر جانے لگے۔ اس طرح انہوں نے اندر سے آنے والوں کا راستہ روک لیا۔ مجاہدین اس قدر دیوار کے قریب چلے گئے تھے کہ اوپر سے تیر آتے تو ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ سپہ سالار نے اپنے تیراندازوں کو ایسے مقام پر مورچہ بند کر دیا تھا جہاں سے ان کے تیر بڑی آسانی سے دیوار پر پہنچ جاتے تھے اور رومی تیرانداز اور منجنیقوں کے آدمی زخمی ہو ہو کر وہاں سے ہٹ رہے تھے۔

اس خونریز معرکے میں ذاتی شجاعت کے بڑے ہی کارنامے ہوئے۔ اُس روز مجاہدین کا جوش و خروش انتہا سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ وہ طویل محاصرے سے تنگ آئے ہوئے تھے اور پھر امیرالمومنین نے ان کی نیتوں پر شک کا اظہار کیا تھا۔ ان میں کچھ اس قسم کا احساس پایا جاتا تھا کہ امیرالمومنین ناراض ہیں تو سمجھو اللہ بھی ناراض ہے۔

تمام سالار پوری حاضر دماغی سے کام لے رہے تھے۔ اُس وقت تک انہیں رومیوں کی کمزوری کا پتہ چل چکا تھا۔ آخر رومی اپنی جانیں بچانے کے لئے لڑنے لگے اور اس کے ساتھ ہی وہ کھلے دروازوں سے اندر جانے لگے۔ رومی اس قدر خوف زدہ ہو چکے تھے کہ انہیں صدر دروازہ بند کرنے کی بھی ہوش نہ رہی۔ ایک تو ان کی ضرورت تھی کہ یہ دروازہ کھلا رہے کیونکہ باہر کے فوجی اندر جا رہے تھے اور اندر سے فوجی باہر آنے کی کوشش میں تھے۔

اس ہڑبونگ اور خونریزی میں مجاہدین قلعے میں داخل ہو گئے۔ قلعے میں داخل ہونے والوں میں سپہ سالار عمروؓ بن عاص بھی تھے اور مسلمہؓ بن مخلّد بھی۔ مجاہدین نے جب دیکھا کہ ان کے سپہ سالار اور سالار بھی قلعے میں چلے گئے ہیں تو انہوں نے بڑا ہی زوردار ہلّہ بولا اور قلعے میں داخل ہو گئے۔ وہ اس خطرے کے پیشِ نظر جانوں کی بازی لگا کر قلعے میں داخل ہوئے تھے کہ ان کے سپہ سالار اور ایک دو سالار اندر چلے گئے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ رومی انہیں گھیر کر کاٹ پھینکیں گے۔

یہ خبر تمام تر لشکر میں پھیل گئی کہ سپہ سالار قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے مجاہدین کے جوش و خروش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان سالاروں کو جو ابھی باہر تھے یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ سپہ سالار اور جو سالار اندر چلے گئے ہیں زندہ پکڑے جائیں گے۔ مجاہدین پکڑے جانے کی بجائے جانیں دے دینا بہتر سمجھتے تھے۔ سپہ سالار کا زندہ گرفتار ہو جانا پورے لشکر کے لئے بڑا ہی نقصان دہ تھا۔

مسلمانوں کے ہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ کمانڈر پکڑا جاتا تو پورا لشکر بھاگ اٹھتا۔ مسلمانوں کا انداز اور طور طریقہ یہ تھا کہ سپہ سالار کے شدید زخمی یا شہید ہو جانے کی صورت میں کوئی دوسرا سالار کمان لے لیتا اور لشکر کی قیادت میں ذرا سا بھی فرق نہیں آتا تھا۔ پھر بھی عمروؓ بن عاص جیسے سپہ سالار کا دشمن کے ہاتھ چڑھ جانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ تاہم مجاہدین پر اس کا یہ اثر نظر آیا کہ جہاں جہاں سپہ سالار کے اندر چلے جانے کی خبر پہنچی اور ساتھ یہ خطرہ محسوس ہُوا کہ وہ زندہ نہ پکڑے جائیں، مجاہدین کا جوش و خروش اس قدر زیادہ ہو گیا جیسے وہ ان دیواروں کو ہاتھوں سے گرا کر اندر چلے جائیں گے اور اپنے سپہ سالار کو زندہ و سلامت دیکھیں گے۔

مجاہدین اسی جوش و خروش سے اندر گئے تو یوں لگتا تھا جیسے خاک و خون کا طوفان آ گیا ہو۔ ان کے سامنے جو آیا وہ کٹ کر گرا اور تڑپنے لگا لیکن اندر رومی فوج کی تعداد مجاہدین کی نسبت بہت ہی زیادہ تھی۔ جرنیلوں نے اپنے فوجیوں کو ایسا بھڑکایا اور گرمایا کہ رومی بھی جوش اور بڑے ہی مضبوط حوصلے کے ساتھ مجاہدین پر جھپٹ پڑے۔ جرنیل للکار رہے تھے کہ یہ بہت ہی تھوڑے ہیں 'انہیں گھیر کر ختم کر دو۔

شہر کی عورتیں بھی اپنے فوجیوں کو للکار اور گرما رہی تھیں۔ پھر یوں ہُوا کہ رومیوں نے تمام دروازے بند کر دیئے۔ مجاہدین کی بیشتر نفری باہر ہی رہ گئی۔ تاریخ اس معرکے کو یوں بیان کرتی ہے کہ اندر والے مجاہدین لڑ رہے تھے اور دروازوں کی طرف اس لئے ہٹ رہے تھے کہ دروازہ پھر کھول دیں۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ ایک دروازہ کس طرح کھل گیا۔ توقع تو یہ تھی کہ اس دروازے سے مجاہدین اندر چلے جائیں گے لیکن اس دروازے پر اتنے زیادہ رومی تھے کہ باہر سے کوئی اور مجاہد اندر نہ جا سکا بلکہ اندر والے مجاہدین پر اتنا دباؤ پڑا کہ اس دروازے سے باہر آ گئے اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔

○

غیر مسلم مؤرخوں نے جن میں بٹلر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اور تمام مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مجاہدین تو باہر آ گئے لیکن چار مجاہدین اندر ہی رہے۔ ان میں سپہ سالار عمروؓ بن عاص تھے اور سالار مسلمہؓ بن مخلّد بھی تھے اور دوسرے دو مجاہدین تھے۔ یہ چاروں ایسی دیوانگی کے عالم میں لڑ رہے تھے کہ کوئی بھی رومی ان کے قریب آنے کی

جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اتفاق دیکھئے کہ عمروؓ بن عاص کو کوئی رومی نہیں پہچانتا تھا۔ کسی رومی جرنیل کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان چار مجاہدین میں ایک سپہ سالار عمروؓ بن عاص ہے اور ایک اور سالار بھی ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا تو وہ جانیں لڑا کر ان دونوں سالاروں کو زندہ پکڑ لیتے اور پھر صلح کی اپنی شرائط مسلّط کرتے۔

اسقفِ اعظم قیرس نے تو عمروؓ بن عاص کو قتل کروانے کے لئے خزانہ لٹا دیا تھا۔ اگر عمروؓ بن عاص اس کے ہاتھ چڑھ جاتے یا اسے معلوم ہوتا کہ ان چاروں میں یہ شخص عمروؓ بن عاص ہے تو وہ انہیں فوراً" قتل کروا دیتا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ سپہ سالار ختم ہو جائے تو اس قلیل سے لشکر سے مصر چند دنوں میں واپس لیا جا سکتا ہے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ روم کے حکمران حلقوں میں عمروؓ بن عاص ایک دہشت کا نام بن گیا تھا۔

یہ بھی اللہ کی مدد تھی کہ عمروؓ بن عاص کو وہاں کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ یہ چاروں لڑتے رہے اور رومی انہیں عام سی قسم کے یا سپاہیوں کی حیثیت کے مجاہد سمجھتے رہے۔ رومیوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ قلعہ محفوظ ہے اور مسلمانوں کو باہر دھکیل دیا گیا اور دیواروں سے تیر انداز انہیں اور دور ہٹا چکے ہیں تو رومی ہنسی مذاق کے موڈ میں آ گئے۔

اتنی بڑی فوج کے لئے چار آدمیوں کو پکڑنا یا تلواروں اور برچھیوں سے مار ڈالنا کوئی بڑی بات تھی ہی نہیں۔ چاروں اس طرح لڑ رہے تھے کہ انہوں نے پیٹھیں جوڑی ہوئی تھیں اور رومی فوجی انہیں گھیرے میں لئے ہوئے آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے تھے۔ کسی طرف سے بھی ان پر کوئی وار کارگر نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب جانتے تھے کہ ان چاروں کو آخر مرنا ہے۔ اگر تلواروں اور برچھیوں سے یہ گھائل نہیں ہوتے تو ذرا دور سے ان پر ہر طرف سے تیر چلائے جائیں گے اور یہ ڈھیر ہو جائیں گے لیکن ایک جرنیل کو کوئی اور ہی خیال آ گیا۔

اس جرنیل نے اپنے ان آدمیوں کو پیچھے ہٹ آنے کا حکم دیا جو ان چاروں کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب صورت یہ تھی کہ یہ چاروں اکٹھے کھڑے تھے اور ذرا دور ہٹ کر فوجی اور شہری دائرے میں یوں کھڑے تھے جیسے تماشائی دنگل دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

"ٹھہر جاؤ!" —— یہ جرنیل ان مسلمانوں کے قریب آیا اور بولا —— "تمہارے لشکر نے ہمارے کچھ آدمی قید کر لئے ہیں۔ ہم تمہیں دیوار پر لے چلتے ہیں۔ وہاں سے اپنے

سپہ سالار سے کہو کہ وہ ہمارے آدمیوں کو چھوڑ دے اور ہم تم چاروں کو عزت سے رخصت کر دیں گے"۔

عمروؓ بن عاص نے اپنا چہرہ اس طرح چھپا لیا تھا کہ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ انہیں کسی نے پہچانا نہیں۔ انہوں نے جرنیل کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔

"ہم کسی شرط پر ہتھیار نہیں ڈالا کرتے" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "ہم جانیں دے دیتے ہیں اور اللہ کے حضور سرخرو ہو جاتے ہیں۔ اگر تم اسے بہادری سمجھتے ہو کہ پوری فوج چار آدمیوں کو قتل کرنے کی کوشش میں لگا دی جائے تو ہم اصل بہادری دکھائیں گے۔ تمہاری پوری فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے جانیں دیں گے"۔

یہ جرنیل رومی تھا اور رومی بلاشک و شبہ جنگجو قوم تھی۔ عمروؓ بن عاص کی اس بات نے اس کے دل پر بڑا ہی گہرا اثر کیا۔ اس نے یقیناً" محسوس کیا ہو گا کہ یہ کوئی بہادری نہیں کہ چار آدمیوں کو پکڑنے یا مارنے کے لئے اس نے پوری فوج کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

"پھر میری ایک شرط مان لو" — جرنیل نے کہا — "میں ایک آدمی باہر نکالتا ہوں اور تم میں سے کوئی آدمی اس کا مقابلہ کرو۔ اگر میرے آدمی نے تمہارے آدمی کو مار دیا تو پھر ہم باقی تینوں کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں گے اور اگر تمہارے آدمی نے میرے آدمی کو مار ڈالا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں قلعے سے نکال دوں گا' تم آزاد ہو گے"۔

چاروں نے یہ شرط مان لی اور کہا کہ تم میں سے جو سب سے زیادہ قوی ہیکل' شہسوار اور مانا ہوا بہادر ہے اسے سامنے لاؤ۔

جرنیل گیا اور مقابلے کے لئے کسی کو منتخب کرنے لگا۔ ادھر مسلمہؓ بن مخلد نے عمروؓ بن عاص سے کہا کہ وہ اس رومی کا مقابلہ کریں گے.... عمروؓ بن عاص اور مسلمہؓ بن مخلد کے درمیان جو مختصر سا مکالمہ ہوا وہ تاریخ کے دامن میں لفظ بہ لفظ آج تک محفوظ ہے۔ وہ یوں ہے:

"سوچ لو مسلمہؓ!" — عمروؓ بن عاص نے کہا — "تم پہلے بھی شرمسار کرا چکے ہو۔ ایک رومی نے تمہیں گھوڑے سے گرا دیا تھا۔ ایک مجاہد نے تمہیں بچا لیا' اب پھر تم

مقابلے کے لئے اترنا چاہتے ہو؟"

"میرے محترم سپہ سالار!" — مسلمہؓ نے کہا — "میں اپنی اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ میں مارا گیا تو مجھے بخش دینا لیکن مجھے اس موقع سے محروم نہ کریں"۔

دراصل عمروؓ بن عاص خود رومی کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمہؓ بن مخلد نے ایسے انداز سے اپنے ارادے کا اظہار کیا کہ عمروؓ بن عاص خاموش ہو گئے' اور انہیں لڑنے کی اجازت دے دی۔

اُدھر سے جو رومی مقابلے کے لئے نکلا وہ خود تو قوی ہیکل تھا ہی لیکن اس کا جنگی گھوڑا اتنا زبردست تھا جیسے اس کے قابو میں ہی نہ آ رہا ہو۔ وہ جب چلتا اور دوڑتا تھا تو زمین ہلتی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں برچھی تھی لیکن مسلمہؓ بن مخلد کے پاس تلوار تھی۔ برچھی اور تلوار کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ مسلمہؓ اللہ کا نام لے کر اس کے مقابلے کو نکل گئے۔

دونوں گھوڑے کچھ دور چلے گئے' رکے اور پیچھے کو مڑے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑائے۔ رومی نے برچھی آگے کر رکھی تھی۔ مسلمہؓ نے تلوار تانی ہوئی تھی لیکن' بیشتر اس کے کہ تلوار برچھی والے کے جسم تک پہنچ سکتی برچھی تلوار والے کے جسم میں داخل ہو چکی ہوتی۔ وہاں تو کوئی کارآمد پینترا ہی کام آ سکتا تھا یا اللہ کا خاص کرم مطلوب تھا۔

گھوڑے ایک دوسرے کے بالکل قریب آئے تو مسلمہؓ یک لخت بائیں کو یوں جھک گئے جیسے گھوڑے سے گرنے لگے ہوں۔ اس سے یہ ہُوا کہ رومی کی برچھی جس کا نشانہ مسلمہؓ کا سینہ یا پیٹ ہو سکتا تھا ان کے جسم کے اوپر سے گزر گئی۔

مسلمہؓ نے فوراً" گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور اسے وہیں روک لیا۔ وہیں سے پیچھے کو موڑا۔ رومی ابھی گھوڑے کو روک رہا تھا۔ اسے بھی پیچھے کو مُڑنا تھا لیکن مسلمہؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا بے حد تیز ہو گیا۔ بیشتر اس کے کہ رومی اپنا گھوڑا پوری طرح موڑ چکتا اور دوڑاتا' مسلمہؓ اس تک پہنچ چکے تھے۔ اس نے مسلمہؓ کو دیکھ لیا۔ انہیں مارنے کے لئے برچھی اوپر اٹھائی ہی تھی کہ مسلمہؓ کی تلوار برچھی کی طرح اٹھے ہوئے بازو کے نیچے رومی کی بغل میں اتنی زور سے اتری کہ سینے کے اندر چلی گئی۔ رومی کا وہ بازو نیچے ہُوا اور ہاتھ سے برچھی چھوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ مسلمہؓ ذرا آگے جا

کر گھوڑے کو پھر اسی تیزی سے موڑ لائے۔ رومی ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ مسلمہؓ کی تلوار برچھی کی ہی طرح اس کی پیٹھ میں اُتر گئی۔

مسلمہؓ نے اب کے گھوڑا ذرا چکر میں لے جا کر موڑا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ انہوں نے رومی کو مار لیا ہے۔ رومی کی حالت اب یہ تھی کہ وہ دائیں طرف کو جھک گیا تھا اور جس بازو کی طرف تلوار سینے میں اُتری تھی وہ بازو بے جان سا ہو کر نیچے لٹک رہا تھا۔ مسلمہؓ نے سامنے سے آ کر اس بازو والے کندھے پر اتنی زور سے تلوار کا وار کیا کہ بازو آدھے سے زیادہ کٹ کر جسم سے الگ ہو گیا لیکن کندھے کے ساتھ لٹکتا رہا۔ مسلمہؓ نے فاتحانہ انداز سے گھوڑا تماشائیوں کے قریب لے جا کر چکر میں موڑا اور چکر پورا کیا۔

رومی گھوڑے سے گر پڑا تھا اور اس کا ایک پاؤں رکاب میں آگے چلے جانے کی وجہ سے رکاب میں پھنسا رہا اور گھوڑا آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اسے گھسیٹتا رہا۔ مسلمہؓ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے پیچھے سے آ کر رومی کے گھوڑے کی پیٹھ میں تلوار زور سے چبھوئی تو گھوڑا بدک کر دوڑنے لگا اور مرتے ہوئے رومی کو گھسیٹتا پھرا۔

مسلمہؓ بن مخلّد نے مقابلہ جیت لیا تھا۔ یہ خاص طور پر پیشِ نظر رکھنے والی بات ہے کہ یہ گھوڑا مسلمہؓ کا اپنا نہیں تھا۔ وہ تو پیادہ قلعے میں داخل ہوئے تھے۔ رومی جرنیل نے انہیں کہا تھا کہ وہ اپنے لئے گھوڑا خود منتخب کر لیں جو انہوں نے کر لیا تھا۔ وہ اس گھوڑے کے لئے اور گھوڑا ان کے لئے اجنبی تھا۔ گھوڑا اپنا ہو تو وہ اپنے سوار کے اشارے بھی سمجھتا ہے لیکن مسلمہؓ نے اس اجنبی گھوڑے کو بھی ایسا قابو میں رکھا کہ ان کے اشاروں پر چلتا رہا۔

عمروؓ بن عاص اور ان کے ساتھی میدان میں آئے۔ ادھر سے مقابلہ کرانے والا جرنیل آیا۔ عمروؓ بن عاص کو توقع نہیں تھی کہ رومی جرنیل اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اس نے اپنے لوگوں کو اور فوج کو تماشا دکھانا تھا جو وہ دکھا چکا تھا۔

"اے روم کے جرنیل!" ___ عمروؓ بن عاص نے کہا ___ "تم ایک جنگجو قوم کے جرنیل ہو اور جنگجو قوم وعدہ خلافی نہیں کیا کرتی۔ کیا تمہارے وعدے کے مطابق ہم آزاد ہیں؟"

"ہاں!" ___ جرنیل نے کہا ___ "میں وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں تمہاری بہادری کا قائل ہو گیا ہوں۔ جاؤ تم آزاد ہو"۔

مسلمہؓ بن مخلّد گھوڑے سے اتر آئے تھے۔ چاروں چل پڑے۔ رومی جرنیل نے انہیں روک کر مسلمہؓ سے کہا کہ یہ گھوڑا اپنے ساتھ لیتے جاؤ' اسے انعام سمجھنا۔

"نہیں روم کے جرنیل!" ___ مسلمہؓ نے کہا ___ "ہم یوں کسی سے انعام وصول نہیں کیا کرتے۔ ہم لڑتے ہیں اور دشمن کے گھوڑے اور مالِ غنیمت خود ہی لے لیا کرتے ہیں۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میری قدر کی"۔

تماشائیوں نے ان چاروں کو جانے کا راستہ دے دیا۔ چاروں باہر نکلے تو کچھ دور جا کر عمروؓ بن عاص رک گئے اور بے اختیار مسلمہؓ بن مخلّد کو گلے لگا لیا۔

"مسلمہؓ!" ___ عمروؓ بن عاص نے کہا ___ "تم وہ مقابلہ ہارے تھے تو میں نے تم پر طنز کی تھی۔ آج تم نے میری وہ ناراضگی دھو ڈالی ہے۔ مجھے ایسے کلمے نہیں کہنے چاہئیں تھے۔ میں نے زندگی میں تین غلطیاں کی ہیں۔ دو زمانہ جاہلیت میں جب میں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور تیسری غلطی یہ کہ تم جیسے بہادر پر طنز کی تھی۔ خدا کی قسم' اب ایسی چوتھی غلطی نہیں کروں گا"۔

قلعے سے کچھ دور مجاہدین کا لشکر بے تاب تھا اور اس بے تابی میں پریشانی کا عنصر زیادہ تھا۔ لشکر کی قیادت ایک اور سالار نے سنبھال لی تھی لیکن ان کے سامنے سب سے بڑا اور پیچیدہ مسئلہ یہ تھا کہ قلعے پر ایک بار پھر یلغار کی جائے یا انتظار کیا جائے۔ سارے لشکر کو توقع یہی تھی کہ سپہ سالار' مسلمہؓ بن مخلّد اور دونوں مجاہدین پکڑے گئے اور قتل بھی کئے جا چکے ہوں گے۔ انہوں نے جب ان چاروں کو قلعے سے آتے دیکھا تو سب حیرت زدہ ہو کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگے جیسے انہیں کوئی نظری دھوکہ ہو رہا ہو۔ چاروں لشکر کے قریب آئے تو لشکر سے بے ساختہ تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔

"اسلام کے پاسبانو!" ___ عمروؓ بن عاص نے بڑی ہی بلند اور جوشیلی آواز میں لشکر سے کہا ___ "سکندریہ ہمارا ہے۔ دو چار روز پہلے اللہ نے مجھے قاتلوں سے بچایا اور اب ہم قلعے کے اندر پھنس گئے تو بھی اللہ نے ہمیں زندہ و سلامت باہر نکال دیا ہے۔ یہ اللہ کے اشارے ہیں۔ مجھے اللہ نے سکندریہ کی فتح کا فرض سونپ کر زندگی عطا فرمائی ہے"۔

اس کے فوراً بعد عمروؓ بن عاص نے سالاروں کو اپنے خیمے میں لے جا کر سکندریہ پر ایک اور یلغار کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب مزید انتظار نہیں کیا جائے گا۔

○

اس خونریز معرکے میں جو لڑا جا چکا تھا' مجاہدین نے چند ایک رومی فوجیوں کو پکڑ لیا اور ساتھ لے آئے تھے۔ جنگی قیدیوں سے عموماً" ان کی فوج کے متعلق معلومات لی جاتی تھیں۔ ان سے بھی پوچھا جانے لگا کہ سکندریہ کے اندر کی کیفیت کیا ہے اور بزنطیہ کی کیا خبر ہے وغیرہ۔ معلوم ہُوا کہ ان جنگی قیدیوں میں ایک ذرا اونچے عہدے کا فوجی ہے جس کا تعلق شاہی خاندان کے ساتھ ہے۔ عمروؓ بن عاص نے اسے اپنے پاس بلایا۔

اس رومی عہدے دار نے پہلی خبر یہ سنائی کہ بزنطیہ میں مرتینا قتل کر دی گئی ہے اور وہاں شاہی محل کی صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہاں سے کمک آئے گی۔ اس رومی نے سکندریہ کے اندر کی بھی کچھ باتیں بتا دیں جو عمروؓ بن عاص کے لئے سُود مند ہو سکتی تھیں۔ انہیں سب سے زیادہ اطمینان تو یہ سن کر ہُوا کہ بزنطیہ کے شاہی محل کی صورتِ حال آپس کے خون خرابے تک پہنچ گئی ہے اور وہاں سے سکندریہ والوں کو کوئی مدد اور کمک نہیں ملے گی۔

اللہ فتح انہیں عطا فرمایا کرتا ہے جن کا کردار اور ایمان پختہ ہو اور جن کے ارادے اور جن کی نیتیں صاف اور نیک ہوں اور ان کے سامنے کوئی ایسا مقصد ہو جو اللہ کو عزیز ہو۔ فتوحات فوجوں کی افراط سے اور اسلحہ کے انباروں سے حاصل نہیں کی جا سکتی فتح کالے جادو سے بھی نہیں ملا کرتی اور اپنے حریف کو فریب کاری سے قتل کروانے سے بھی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

بزنطیہ میں مرتینا کالا جادو چلا رہی تھی۔ اس نے ایک جادوگرنی سے کہا تھا کہ وہ ایسا جادو چلائے کہ اس کا بیٹا ہرقلیوناس تخت نشین ہو جائے اور مصر سے عربی مسلمان نیست و نابود ہو جائیں اور مصر اسے سالم کا سالم مل جائے۔ اب خبر ملی کہ مرتینا قتل کر دی گئی ہے۔

جادوگرنی نے مرتینا سے ایک نوزائیدہ بچہ مانگا تھا اور اس نے کہا تھا کہ بچے کی عمر ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو۔ مرتینا کی بڑی ہی پیاری ملازمہ روبیکا کے ہاں بچہ پیدا ہُوا اور وہ بچہ کچھ دنوں کا ہی تھا کہ لاپتہ ہو گیا۔ روبیکا کا دل ایک بچے کی خواہش میں ایسا بے چین اور بے قرار رہتا تھا کہ اس نے شادی کا انتظار نہ کیا نہ شادی کی ضرورت محسوس کی اور ہرقلیوناس کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے بچہ پیدا کر لیا مگر بچہ لاپتہ ہو گیا۔

روبیکا چیختی چلّاتی مرتینا کے پاس گئی اور کہا کہ اس کا بچہ غائب ہو گیا ہے۔ مرتینا نے اُسی وقت تمام ملازموں سے کہا کہ بچے کو فوراً" ڈھونڈا جائے۔ رات کا وقت تھا۔ مرتینا نے کسی ملازم کو سونے نہ دیا۔ ملازم بچہ کہاں ڈھونڈتے' حکم کی تعمیل میں وہ ویسے ہی اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے رہے۔

صبح طلوع ہوئی ہی تھی کہ روبیکا جادوگرنی کے پاس جا پہنچی۔ یہ روبیکا ہی تھی جس نے جادوگرنی کو مرتینا سے متعارف کروایا اور اسے یقین دلایا تھا کہ جادوگرنی کا جادو معجزے کر کے دکھا سکتا ہے۔ روبیکا دوڑی دوڑی جادوگرنی کے پاس پہنچی اور روتے چیختے اسے کہا کہ اسے جو بچہ اس کے جادو کے اثر سے ملا تھا وہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ جادوگرنی نے اپنا شیشے کا گولہ سامنے رکھ کر اُلٹی سیدھی حرکتیں کیں اور گولے میں جھانکا پھر بولی کہ بچہ مل جائے گا لیکن کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا' بچہ زندہ ہے۔

جادوگرنی نے صرف یہ سچ بولا تھا کہ بچہ زندہ ہے۔ بچہ کہیں دور نہیں تھا جادوگرنی کے ساتھ والے کمرے میں سویا ہُوا تھا۔ جادوگرنی نے اس بچے پر اپنا عمل شروع کر دیا تھا اور ایک دو دنوں ہی بعد اس نے بچے کا دل نکالنا اور دل پر کچھ عمل کر کے اپنی ناگن کو کھلا دینا تھا۔ جادوگرنی نے روبیکا کو ایسی تسلّیاں دیں کہ وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔

دو تین دنوں بعد آدھی رات کے وقت بچہ گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ جادوگرنی نے اسے ہاتھوں پر اٹھایا اور لکڑی کی ایک میز پر لٹا دیا۔ بچہ سویا رہا۔ بچے کو تو ابھی دنیا کی کوئی ہوش ہی نہیں تھی' اس کی عمر ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو ایک کلی تھی جس کی ابھی ایک پتّی بھی نہیں کِھلی تھی۔

جادوگرنی نے اپنا وہ ڈنڈا اٹھایا جس پر رنگ برنگے کپڑے لپیٹے ہوئے تھے اور اس کے ایک سرے پر پرندوں کے رنگا رنگ پر اُڑسے ہوئے تھے اور دوسرے سرے پر ایک چھوٹی سی ایک گھنٹی بندھی تھی۔ جادوگرنی یہ ڈنڈا بچے کے جسم سے ذرا اوپر کر کے ہوا میں آہستہ آہستہ پھیرتی رہی اور پھر جادوگرنی کا جسم تھر تھرانے لگا۔ لگتا تھا جیسے اس کا جسم اس کے دماغ کے قابو سے نکل گیا ہو۔ کچھ دیر وہ ایسی ہی حرکتیں کرتی رہی اور پھر قریب پڑی ہوئی ایک نوکدار چھُری اٹھائی۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ جادوگرنی نے جیتے جاگتے بچے کے سینے میں اُس جگہ چھُری اُتار دی جہاں دل ہوتا ہے.... مرتینا کی ایک اور منہ چڑھی ملازمہ تھی جس کے دو

جڑواں بچے تھے۔ ان کی عمر ایک سال ہو گئی تھی۔ یہی دو بچے اس کی کُل اولاد تھی۔ جس رات روبیکا کا بچہ غائب ہُوا تھا اس کے اگلے دن اس ملازمہ کا ایک بچہ بیمار ہو گیا۔ مزنیتا نے اسے شاہی طبیب کے پاس بھیجا تھا لیکن اس طبیب کی کسی دوائی نے بھی اثر نہ کیا۔

کچھ دن بعد جادوگرنی نے آدھی رات کے وقت نوزائیدہ بچے کے سینے میں چھُری اتاری تو بچہ گہری نیند سویا ہُوا تھا' اس کے منہ سے تو سی بھی نہ نکلی لیکن جس ملازمہ کا ایک سال کا بچہ بیمار تھا' چیخ اس ماں کی نکل گئی۔ وہ اس لئے کہ اس نے آدھی رات کے وقت بچے کو دیکھا تو بچہ مرا پڑا تھا۔ وہ اتنی زیادہ روئی اور چیخی کہ اس کے قریب رہنے والے شاہی محل کے ملازموں کے گھروں میں سب جاگ اٹھے اور دوڑے پہنچے۔ شاہی طبیب اس بچے کی بیماری کو نہایت معمولی بیماری کہتا رہا تھا لیکن بچہ بچ نہ سکا اور مر گیا۔

جادوگرنی نے نوزائیدہ بچے کے سینے سے ننھا منا سا کلی جیسا دل نکال لیا اور الگ رکھ دیا۔ پھر اس نے باہر جا کر کدال اٹھائی اور صحن میں گڑھا کھود کر بچے کی لاش اس میں رکھی اور اوپر مٹی ڈال دی۔ کچھ دیر مٹی کے ڈھیر پر کھڑی ہو کر اسے دباتی رہی اور صحن کو ہموار کر دیا۔ پھر اپنے خاص کمرے میں جا کر اُسی وقت ننھے کا دل سامنے رکھ کر اپنا عمل شروع کر دیا۔ اسے مزنیتا نے خزانہ پیش کیا تھا جس کے لئے وہ بڑی ہی محنت کر رہی تھی۔

اگلی صبح روبیکا پھر جادوگرنی کے ہاں گئی۔ اُس وقت جادوگرنی صحن میں ہی کوئی کام کر رہی تھی۔ روبیکا نے کھڑے کھڑے جادوگرنی کو بتایا کہ بچہ ابھی تک نہیں ملا پھر پوچھا کہ اس کے ملنے کی توقع بھی ہے یا نہیں۔ جادوگرنی نے اسے غصے سے کہا کہ وہ کہہ چکی ہے کہ بچہ جلدی مل جائے گا پھر وہ کیوں پریشان ہوئی جا رہی ہے!..... روبیکا کو کون بتاتا کہ وہ اپنے بچے کی قبر پر کھڑی ہے اور بچہ اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ جادوگرنی کی یقین دہانی سے وہ کچھ مطمئن ہو گئی اور چلی گئی۔

ایک آدھ دن ہی اور گزرا ہو گا کہ جڑواں بچوں کی ماں کا دوسرا بچہ بھی بیمار ہو گیا۔ اس کی بیماری کی علامات بھی پہلے بچے جیسی تھیں جو مر گیا تھا۔ ماں بے تاب اور بے حال ہو گئی۔ وہ مزنیتا کے پاس دوڑی گئی اور کہا کہ اس کے دوسرے بچے کو بھی وہی تکلیف ہو گئی ہے۔ مزنیتا نے اسے کہا کہ وہ بچے کو شاہی طبیب کے پاس لے جائے۔

ماں بچے کو سینے سے لگائے شاہی طبیب کے پاس جا پہنچی اور روتے ہوئے اس کی

منت سماجت کرنے لگی کہ پہلا بچہ تو نہیں بچ سکا' اسے طبیب بچا لے۔ طبیب نے کہا کہ اب وہ کوئی اور دوائی آزمائے گا جو پہلے بچے کو نہیں دے سکا تھا۔ اس نے دوائی دے دی اور کچھ پرہیز بتا کر ماں کو رخصت کر دیا۔

بچے کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دوائیاں اُلٹا اثر کر رہی ہوں۔ ماں مزنیتا سے اور طبیب سے اپنے بچے کی زندگی کی بھیک مانگتی پھر رہی تھی۔ وہ جادوگرنی کے پاس بھی گئی۔ جادوگرنی نے اسے ویسی ہی تسلیاں دیں جیسی وہ روبیکا کو دے رہی تھی کہ اس کا بچہ مل جائے گا۔ جادوگرنی کو یہ تو معلوم ہو گا ہی کہ اس کا جادو کسی کی موت کو نہیں ٹال سکتا اور زندگی اور موت اُس عظیم طاقت کے ہاتھ میں ہے جو بندوں کو آسمان سے زمین پر اتارتی اور جب چاہتی ہے اٹھا لیتی ہے۔

جادوگرنی ہر رات روبیکا کے بچے کے سینے سے نکالے ہوئے دل پر اپنا کچھ عمل کرتی تھی اور پھر اسے ایک انسانی کھوپڑی کے اندر رکھ دیتی تھی۔ آخر ایک رات کا عمل پورا ہو گیا۔ اس نے پنجرے سے اپنی ناگن نکالی اور اس کی گردن کو اس طرح دبایا کہ ناگن کا منہ کھل گیا۔ جادوگرنی نے ننھا منا دل ناگن کے منہ میں رکھ کر انگلیوں سے دبایا اور ناگن کے حلق سے آگے کر دیا۔ اس کے بعد ناگن خود ہی اس دل کو پیٹ کی طرف نگلنے لگی۔ جادوگرنی نے ناگن کو پھر پنجرے میں بند کر دیا۔

جب ناگن کے جسم کے اندر دل اس کے پیٹ کی طرف جا رہا تھا' ملازمہ کے بیمار بچّے کی حالت بگڑ گئی۔ بچّہ گہری نیند سے جاگ اٹھا اور تکلیف سے رونے اور چیخنے لگا۔ وہ تو تڑپ رہا تھا۔ ماں بھی رونے لگی لیکن اچانک یوں چپ ہو گئی جیسے اسے غائب کی کوئی آواز سنائی دی ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا جیسے خدا سے بچے کی زندگی مانگ رہی ہو لیکن اسے کوئی اور ہی خیال آ گیا تھا۔ وہ دوڑتی باہر نکلی اور روبیکا کے کمرے کے دروازے پر جا دستک دی۔

رات کی اس دستک پر روبیکا جاگ اٹھی اور دروازہ کھولنے کو دوڑی۔ دروازہ کھولا تو باہر ملازمہ کو کھڑے دیکھا۔ اس نے بے تابی سے پوچھا ——— "میرا بچہ مل گیا؟"

"نہیں روبیکا!" ——— ملازمہ نے کہا ——— "اندر چلو' میں بتاتی ہوں تمہارا بچہ کہاں ہے"۔

روبیکا اسے بازو سے پکڑے بڑی تیز تیز چلتی اندر گئی اور کہا' جلدی بتاؤ' جلدی بتاؤ۔

"تمہارا بچہ مزنیتا کے حکم سے میں نے اٹھایا تھا" —— ملازمہ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا —— "اُس وقت تمہیں مزنیتا نے اپنے ہاں بلوایا تھا۔ اس نے اسی لئے رات کے اس وقت تمہیں بلوایا تھا کہ میں تمہارا بچہ اٹھا سکوں۔ میں نے بچہ اٹھایا اور اپنے گھر چھپا لیا تھا۔ تم جب واپس آئیں اور بچے کو غائب پایا تو پھر مزنیتا کے پاس چلی گئی۔ مجھے معاف کر دینا رویکا بہن، میں اگر مزنیتا کا حکم نہ مانتی تو مجھے بھی اور میرے بچوں کو بھی قتل کروا دیتی لیکن خدا نے مجھے اس گناہ کی سزا دے دی ہے۔ میرا ایک بچہ مر گیا ہے اور دوسرا مر رہا ہے۔ میں اسی لئے تمہارے پاس آئی ہوں کہ یہ راز تم پر کھول دوں اور تم سے یہ درخواست کروں کہ میرا یہ گناہ معاف کر دو، ہو سکتا ہے تمہاری بخشش سے میرا دوسرا بچہ زندہ رہ جائے"۔

اس ملازمہ کو معلوم نہیں تھا کہ مزنیتا نے یہ بچہ کس کو دیا تھا۔ جادوگرنی کا تو ملازمہ کے ذہن میں ذرا سا بھی خیال اور شک نہیں تھا۔ اس نے یقین کی حد تک محسوس کر لیا تھا کہ اس کا ایک بچہ اسی گناہ کی سزا کے طور پر مر گیا ہے اور دوسرا بھی اسی گناہ کی پاداش میں خدا اس سے واپس لے رہا ہے۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ جس وقت جادوگرنی نے رویکا کے بچے کے سینے میں چھُری اتاری تھی عین اسُی وقت اس کا پہلا بچہ مر گیا تھا اور دوسرا بچہ اُس وقت بیمار پڑا تھا جب اس نوزائیدہ بچے کا دل ناگن کے پیٹ میں پہنچا تھا۔

رویکا تو غصے سے کانپنے لگی۔ اسے شاید اس ملازمہ کی مجبوری کا خیال آ گیا تھا اس لئے اس نے ملازمہ سے کچھ بھی نہ کہا البتہ غصے کی شدت سے مغلوب ہو کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ وہ ابھی مزنیتا کے پاس جاتی ہے۔ ملازمہ نے اسے پکڑ کر پلنگ پر بٹھا دیا اور کہا کہ رات کے اس وقت وہ مزنیتا کو نہ جگائے ورنہ وہ اسے بچہ کیا دے گی اسے قتل ہی کروا دے گی۔

جادوگرنی مزنیتا کو بتا گئی تھی کہ اس کا عمل پورا ہو گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دنوں بعد اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔ عرب کے مسلمان شکست کھا کر مصر سے نکل بھاگیں گے اور بزنطیہ کے تخت پر اس کا بیٹا ہر قلیوناس بیٹھا ہُوا ہو گا اور بادشاہی کا تاج اس کے سر پر ہو گا۔

ملازمہ جب اپنے گھر پہنچی تو اس کا دوسرا بچہ بھی مر گیا تھا۔ اس کا خاوند بچے کی چارپائی کے قریب کھڑا ہچکیاں لے رہا تھا۔ ملازمہ اپنے مرے ہوئے بچے کے اوپر گری اور لاش کا منہ چوم چوم کر پاگل ہونے لگی۔ وہ روتی اور یہی بَین کر رہی تھی کہ مجھے اپنے گناہ کی سزا ملی ہے۔

○

رویکا باقی رات سو نہ سکی۔ وہ کروٹیں بدلتی اور تڑپتی رہی۔ کبھی اسے خیال آتا کہ مزنیتا اس پر رحم کر کے اس کا بچہ واپس دے دے گی لیکن زیادہ تر اسے بڑے ہی بھیانک خیال آ رہے تھے۔ اسے جادوگرنی کا خیال بھی آیا کہ مزنیتا نے اس کا بچہ کسی عمل کے لئے جادوگرنی کو ہی نہ دے دیا ہو۔ صرف رویکا کو معلوم تھا کہ مزنیتا جادوگرنی سے کوئی عمل کروا رہی ہے۔ رویکا ہی اس جادوگرنی کو مزنیتا کے پاس لے گئی تھی۔

صبح ابھی دھندلی تھی جب رویکا شاہی محل میں مزنیتا کے کمرے میں جا پہنچی۔ مزنیتا آخر ملکہ تھی گو نام ہی کی ملکہ تھی لیکن اس کی حیثیت ملکہ جیسی ہی تھی۔ وہ سوئی ہوئی تھی۔ رویکا کی ممتا اس قدر بھڑکی ہوئی تھی کہ اس نے نتائج سے بے خبر مزنیتا کو جگا لیا۔

مزنیتا کی آنکھ کھلی تو وہ رویکا پر برس پڑی۔ اس نے کہا کہ رویکا کو اتنی جلدی آکر اسے جگانے کی جرأت کیسے ہوئی۔ رویکا اس کی راز دان تھی لیکن رویکا آخر ملازمہ تھی۔

"میرا بچہ مجھے لوٹا دو" —— رویکا نے روتے ہوئے کہا۔

مزنیتا غصے کی حالت میں اٹھ بیٹھی اور پوچھا کہ وہ کیا بک بک کر رہی ہے؟..... رویکا نے پھر التجا کے لہجے میں کہا کہ مزنیتا اسے اس کا بچہ لوٹا دے۔ ایسی توقع تو رکھی ہی نہیں جا سکتی تھی کہ بچے کے متعلق کچھ بتانا تو دور کی بات ہے، وہ یہ تو تسلیم ہی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا بچہ اس نے اٹھوایا ہے اور جادوگرنی کو دے دیا تھا اور اس کا بچہ مارا جا چکا ہے۔

مزنیتا نے رویکا کو خوب ڈانٹ پلائی اور کہا کہ پھر اس نے اس پر یہ الزام لگایا تو اسے اس کی بڑی ہی بھیانک سزا ملے گی۔

رویکا نے ملازمہ کا نام لے کر کہا کہ اس نے اسے بتایا ہے کہ بچہ مزنیتا کے حکم سے اس نے اٹھایا اور مزنیتا کے حوالے کیا تھا۔

مزنیتا اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ وہ ابھی اس ملازمہ کو بلا کر ایسی سزا دے گی کہ دیکھنے والے کانپ اٹھیں گے۔ رویکا نے اسے روک لیا اور کہا کہ اس بیچاری کا دوسرا بچہ بھی

رات مر گیا ہے۔

مزنیتا نے جب رویکا کی جذباتی حالت دیکھی اور پھر یہ پتہ چلا کہ ملازمہ نے راز فاش کر دیا ہے تو اس نے اپنا رویّہ فوراً" بدل کر نرم کر لیا۔ اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ ملازمہ کو بلوا کر اسے جھوٹا کہہ دیتی اور اسے ملازمت سے نکال دیتی لیکن اس کا ضمیر مجرم تھا اس لئے اس نے رویکا کو بہلانے پھسلانے والا طریقہ سوچ لیا۔

"بیٹھو رویکا!" ــــ مزنیتا نے بڑے پیار سے کہا ــــ "دعا کرو میرا بیٹا زندہ رہے، تمہیں ایک اور بچہ مل جائے گا لیکن میں جو چاہتی ہوں وہ مجھے نہیں ملے گا۔ اگر مل گیا تو تم ملازمہ نہیں ملکہ بنو گی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات سن لو۔ دیکھو میں نے تمہارے ساتھ کتنا پیار کیا ہے اور تمہیں ملازمہ نہیں رازدان دوست سمجھتی ہوں۔ کیا تم میرے لئے اتنی سی قربانی نہیں دے سکتیں؟"

مزنیتا نے رویکا کو صاف صاف بتا دیا کہ اس کا بچہ اسی نے اٹھوایا تھا اور اس کا مقصد کیا تھا اور یہ بھی بتایا کہ جادوگرنی بچے کو مار چکی ہے اور اس کا عمل پورا ہو چکا ہے۔

"دس دنوں تک میرا بیٹا شاہ روم بن جائے گا" ــــ مزنیتا نے کہا ــــ "اُدھر وہ تخت پر بیٹھے گا اِدھر میں اس کے ساتھ تمہاری شادی کرا دوں گی اور تم سلطنتِ روم کی ملکہ کہلاؤ گی"۔

رویکا کی ذات میں مامتا یوں پھٹی جا رہی تھی جس طرح آتش فشاں کا دہانا پھٹتا ہے۔ وہ شاہی محل کے ان بادشاہوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہرقل اور اس کے بیٹے قسطنطین کو مزنیتا نے ہی مروایا تھا۔ اس نے غالباً" یہ بھی سوچا ہو گا کہ ملکہ تو مزنیتا خود بننے کو بے تاب ہے، ایک ملازمہ کو کون ملکہ بناتا ہے۔ اگر اس کی شادی ہرقلیوناس کے ساتھ ہو بھی گئی تو یہ چند دنوں کا کھیل ہو گا اور پھر اسے حرم میں پھینک دیا جائے گا لیکن رویکا کے دل و دماغ پر اور جذبات پر صرف بچّہ غالب تھا۔ وہ ایک بچّے کے لئے ہمیشہ تڑپتی ترستی رہتی تھی۔ بچہ ملا تو وہ مزنیتا نے اپنے ذاتی مفاد پر قربان کر دیا۔

مزنیتا نے جب یہ کہا کہ بچے کو جادوگرنی مار چکی ہے تو رویکا کا دماغ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس پر پاگل پن سوار ہو گیا۔ اس نے واہی تباہی بکنی شروع کر دی۔ وہ بھول ہی گئی کہ وہ ایک بے بس اور بے وسیلہ ملازمہ ہے اور قانون اور انصاف مزنیتا کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسے بڑے آرام سے قتل کروا سکتی ہے۔ رویکا کے منہ سے جھاگ پھوٹنے

لگی۔

مزنیتا نے اسے یہ بھی کہا کہ وہ منہ سے بولے کہ اپنے بچے کی کتنی قیمت چاہتی ہے۔

"میرے سامنے زر و جواہرات کا ڈھیر لگا دو" ــــ رویکا نے قہر بھری آواز میں کہا ــــ "میں اسے ٹھوکر مار کر اپنا بچہ ہی مانگوں گی"۔

مزنیتا اپنی شاہانہ حیثیت میں آ گئی۔ اس نے سلطنت کی ملکہ کے انداز سے رویکا کو دھتکار دیا اور کہا کہ وہ فوراً" یہاں سے نکل جائے ورنہ وہ اسے قید خانے میں ڈال دے گی اور اس کی باقی عمر کال کوٹھڑی میں گلتے سڑتے گزرے گی۔ مزنیتا نے صرف کہا ہی نہیں بلکہ رویکا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے گھمایا اور پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا اور کہا، نکل جاؤ یہاں سے۔

رویکا کی نظر کمرے کی سامنے والی دیوار پر گئی۔ وہاں شاہ ہرقل کی تلوار لٹکی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہرقل کا لمبا خنجر نیام میں پڑا لٹک رہا تھا۔ یہ دونوں ہتھیار مزنیتا نے ہرقل کی یادگار کے طور پر کمرے میں لٹکا رکھے تھے۔

مزنیتا کو تو یاد آ گیا تھا کہ وہ اس سلطنت کی ملکہ ہے لیکن رویکا بالکل ہی بھول چکی تھی کہ وہ اس ملکہ کی ملازمہ ہے، وہ مکمل طور پر پاگل ہو چکی تھی۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر دیوار سے ہرقل کا خنجر نوچ لیا اور اتنی ہی تیزی سے خنجر نیام سے نکالا، نیام پرے پھینکی، پیشتر اس کے کہ مزنیتا سمجھ پاتی کہ یہ کیا کر رہی ہے، خنجر مزنیتا کے سینے میں اُتر چکا تھا۔ رویکا نے بڑی ہی تیزی سے مزنیتا کے سینے میں تین بار خنجر مارا اور مزنیتا ایک چیخ مار کر لڑھک گئی اور پھر وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

رویکا خون سے لتھڑا ہوا خنجر ہاتھ میں لئے باہر نکلی اور چلّا چلّا کر کہنے لگی ــــ "میں نے اپنے بچے کے خون کا انتقام لے لیا ہے" ــــ اس کی یہ للکار اور پکار جس کسی کے کانوں تک پہنچی وہ دوڑا آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ملازموں کا اور شاہی خاندان کے کچھ افراد کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

رویکا چیختی چلّاتی باہر کو جا رہی تھی اور وہ خون آلود خنجر لہراتی جا رہی تھی۔ آوازیں آنے لگیں، پکڑو اسے، پکڑو اسے .... مزنیتا کے کمرے میں جا کر دیکھا گیا تھا کہ وہ لہولہان مری پڑی ہے۔ کئی آدمی رویکا کو پکڑنے کے لئے اس کی طرف دوڑے۔ وہ بھاگی

نہیں' پیچھے کو مُڑی اور رک گئی۔ اس نے دیکھا کہ اسے پکڑنے کے لئے آ رہے ہیں تو اس نے خنجر کا دستہ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ہاتھ اوپر کئے اور کہا —— "میں اپنے بچے کے پاس جا رہی ہوں" —— اس نے بڑی زور سے اپنے دونوں ہاتھ نیچے کو کھینچے اور خنجر آدھے سے زیادہ اس کے سینے میں اتر گیا۔ وہ آہستہ آہستہ گرنے لگی۔ خنجر کو سینے میں ہی رہنے دیا۔ گھٹنوں سے اس کی ٹانگیں دوہری ہوئیں اور بڑی آہستہ سے اس کے گھٹنے زمین پر لگے اور پھر وہ ایک پہلو کو لڑھک گئی۔

اسے پکڑنے والے اس تک پہنچے اور اسے سیدھا کر کے پیٹھ کے بل کر دیا۔ وہ آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور ہونٹ ہل رہے تھے۔

"میرا بچہ مل گیا ہے" —— اس کے ہونٹوں سے سرگوشیاں پھسل رہی تھیں —— "آخر میرا مُتاع مل ہی گیا ہے۔ اب اسے میرے سینے سے کوئی نہیں نوچ سکتا" —— اس نے اپنے دونوں بازو اپنے سینے پر رکھ کر دبا لئے۔ سینے سے ابھی تک خون بہے جا رہا تھا۔ فوراً ہی بعد اس کی آنکھیں کھلیں' ہونٹ ساکن ہو گئے اور پھر آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں اور ہونٹ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

○

مرتینا کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس کا بیٹا ہرقلیوناس بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ تحکمانہ بلکہ شاہانہ لب و لہجے میں کچھ نہ کچھ کہے جا رہا تھا۔ وہ تو جیسے وہاں کھڑے ہر انسان کو قتل کروا دینے کا فیصلہ سنا رہا تھا۔

کونستانس کو اطلاع مل گئی' وہ بھی دوڑتا ہُوا آن پہنچا۔ رومی فوج کا سپریم کمانڈر جنرل اقلینوس بھی آ گیا اور پھر دوسرے جرنیل بھی آن پہنچے۔

کونستانس اور جنرل اقلینوس کو صرف یہ بات مطمئن نہیں کر سکتی تھی کہ ایک ملازمہ نے مرتینا کو قتل کر کے خود کشی کی ہے۔ وہ اس اتنے بڑے حادثے کی وجہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مرتینا کے ملازموں سے پوچھنا شروع کر دیا۔ انہیں بتایا گیا کہ رویکا مرتینا کی منہ چڑھی ملازمہ تھی بلکہ یہ ملازمہ کم اور مرتینا کی گہری دوست زیادہ تھی۔

یہ پوچھ گچھ ہو ہی رہی تھی کہ وہ ملازمہ آ گئی جس کا دوسرا بچہ بھی مر گیا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ شاہی محل میں کیا قیامت آئی اور گزر گئی ہے تو وہ بھی وہاں آن پہنچی۔ جذباتی

لحاظ سے اس کی حالت بھی نارمل نہیں تھی۔ وہ اپنے دوسرے بچے کی لاش گھر میں چھوڑ کر آئی اور آتے ہی غیر قدرتی سے لہجے میں اعلانیہ کہا کہ اسے معلوم ہے کہ یہ سب کیوں ہُوا ہے۔

اس نے ساری بات کھول دی۔ وہ اتنا ہی بتا سکی کہ رویکا کا بچہ اس نے مرتینا کے حکم سے اٹھایا اور مرتینا کو دیا تھا۔ اس سے آگے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ البتہ ایک اور بات اسے اچھی طرح معلوم تھی' اس نے وہ بھی بتا دی۔ وہ یہ تھی کہ رویکا کو ہرقلیوناس نے داشتہ بنا رکھا تھا اور یہ بچہ ہرقلیوناس کا ہی تھا۔

"مجھے ہرقلیوناس کی ماں کے قتل کا کوئی افسوس نہیں" —— کونستانس نے اعلان کے لہجے میں کہا —— "مجھے غم یہ کھا رہا ہے کہ سلطنتِ روم کا زوال بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ ہم خود اس عظیم سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ اُدھر مصر ہاتھ سے نکل گیا ہے اور مٹھی بھر مسلمانوں نے اتنے بڑے ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور اِدھر دارالحکومت میں یہ پُراسرار اور خونی کھیل کھیلے جا رہے ہیں"۔

"میں یہ کھیل بند کروا دوں گا" —— ہرقلیوناس بڑی کھوکھلی سی آواز میں بولا —— "اور جو کوئی میرا حکم نہیں مانے گا....."

"مجھے باغی کہہ لو' کچھ کہہ لو" —— ایک پرانا جرنیل بول اٹھا —— "حکم صرف ایک حکمران کا چلے گا اور وہ حکمران کونستانس ہو گا۔ کبھی سنا ہی نہیں کہ ایک سلطنت کے بیک وقت دو حکمران ہوں اور دونوں اپنے اپنے حکم چلا رہے ہوں"۔

اس جرنیل کے بولنے کی دیر تھی کہ دوسرے جرنیل بھی بول اٹھے۔ وہ اس جرنیل کی تائید میں بول رہے تھے۔ جرنیل اقلینوس نے سب کو خاموش کرا دیا اور کہا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ یہاں ملازموں اور دوسرے لوگوں کے سامنے کھڑے کھڑے طے کر لیا جائے۔ یہ کہیں اور بیٹھ کر طے کرنے والا معاملہ ہے اور اب ہمیں کسی نہ کسی فیصلے پر پہنچنا ہی ہو گا۔

مرتینا مر چکی تھی اور اس کا بیٹا ہرقلیوناس اکیلا رہ گیا تھا۔ مرتینا ہی اس کی تلوار اور مرتینا ہی اس کی ڈھال تھی اور یہ تلوار اپنے آپ ہی چلا کرتی تھی۔ اس دن کے بعد ایک اور چپقلش چل پڑی۔ اب تو ہر جرنیل اور سول حکومت کا ہر بڑا حاکم ایک ہی بات کہتا تھا کہ ہرقلیوناس کو ایک طرف کر دیا جائے اور صرف کونستانس شاہِ روم کہلائے۔

ایک واقعہ کچھ دنوں بعد ہُوا تھا۔ اس سے پہلے مصر میں مجاہدین اسلام نے سکندریہ پر آخری یلغار کر دی تھی۔ بہتر ہے کہ بزنطیہ کا یہ واقعہ یہیں بیان کر دیا جائے۔ واقعہ یوں ہُوا کہ یہ بات زیرِ غور آئی کہ سلطنتِ روم کا حکمران صرف کونستانس رہے۔ ہر قلیوناس کے حامی تو بہت ہی کم رہ گئے تھے لیکن کچھ نہ کچھ زمین دوز سازش چل رہی تھی۔ ہر قلیوناس صرف کہنے سے یا اپنی مرضی سے حکمرانی سے دست بردار نہیں ہو رہا تھا۔

ماں کے قتل کے تین چار روز بعد ہر قلیوناس گھوڑے پر سوار ہُوا' چند ایک ملازم ساتھ لئے اور جنگل میں شکار کو نکل گیا۔ اُن دنوں سلطنت روم ایسی صورتِ حال میں آ گئی تھی کہ کسی کو شکار کھیلنے کی سُوجھ ہی نہیں سکتی تھی لیکن ہر قلیوناس اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آیا اور اس نے کونستانس کو اطلاع دی کہ شکار کے دوران نہ جانے کدھر سے دو تیر آئے اور دونوں تیر ہر قلیوناس کی پیٹھ میں اُتر گئے۔ ظاہر ہے تیر پھیپھڑوں میں اُترے تھے۔ ہر قلیوناس گھوڑے سے گرا اور گرا بھی پیٹھ کے بل جس سے یہ ہُوا کہ دونوں تیر اور زیادہ آگے پھیپھڑوں میں چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد ہر قلیوناس مر گیا۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ تیر اتفاقیہ یا حادثاتی طور پر اسے نہیں لگے تھے بلکہ ایک باقاعدہ پلان کے تحت اسے قتل کیا گیا تھا۔ بہرحال شاہی محل سے یہ اعلان کیا گیا کہ ہر قلیوناس کے ساتھ کچھ اور شکاری بھی تھے جن میں سے دو نے بیک وقت کسی جانور پر تیر چلائے تو اتفاق سے ہر قلیوناس آگے آ گیا اور تیر اس کی پیٹھ کی طرف سے اس کے سینے میں اُتر گئے اور وہ مر گیا۔

اب کونستانس شاہِ روم بن گیا اس طرح تخت و تاج کا تنازعہ ختم ہو گیا۔

○

مجاہدین نے سکندریہ پر پہلی جو یلغار کی تھی اور سپہ سالار عمروؓ بن عاص جنگی قیدی ہوتے ہوتے بچے اور اپنے تین ساتھوں سمیت قلعے سے نکل آئے تھے' اس سے تیسرے یا چوتھے دن سکندریہ پر بڑی ہی زوردار یلغار کی گئی۔ عمروؓ بن عاص نے سالاروں کے ساتھ مل کر اس یلغار کا پلان تیار کر لیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے پیغام میں خاص طور پر لکھا تھا کہ میرے بھیجے

ہوئے چاروں سالاروں کو لشکر کے آگے رکھنا۔ ان سالاروں کے نام پہلے آ چکے ہیں۔ عمروؓ بن عاص نے ان چاروں کو آگے رکھا۔ سارے لشکر کو معلوم تھا کہ دیوار سے منجنیقوں سے سنگ باری بھی ہو گی اور بے پناہ تیر آئیں گے۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے تیرانداز دستے کو آگے بھیج دیا کہ وہ بڑی ہی تیزی سے دیوار پر تیر پھینکتے رہیں۔ ان تیراندازوں میں سے کچھ قریبی درختوں پر چڑھ گئے تھے۔ یہاں سے ان کے تیر زیادہ کارگر ہو سکتے تھے۔

اس انتظام کے باوجود عمروؓ بن عاص نے لشکر سے کہہ دیا تھا کہ مجاہدین کو سنگ باری اور تیروں کی بوچھاڑوں میں سے گزرنا پڑے گا اور جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ لشکر کا ہر مجاہد اس قربانی کے لئے تیار تھا۔

جب پورا لشکر آگے بڑھا تو دیوار سے سنگ باری شروع ہو گئی اور تیر بھی آنے لگے۔ مجاہدین کے تیرانداز دستے نے جم کر مقابلہ کیا اور خصوصاً اُن تیراندازوں نے جو درختوں پر چڑھ گئے تھے' بہت کام کیا۔ ان کے تیر ٹھیک نشانوں پر جاتے تھے جن سے منجنیقیں چلانے والے کچھ لوگ گھائل ہوئے اور کچھ تیرانداز بھی گرے لیکن دیوار کی طرف سے آنے والے تیر بہت ہی زیادہ تھے۔ مجاہدین نے دیکھا کہ سالار ان کے آگے ہیں تو ان کے حوصلے اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ سالار تیروں کی بارش سے اس طرح گزرتے جا رہے تھے جیسے انہوں نے زرہ بکتر پہن رکھی ہو جن پر تیر کچھ اثر ہی نہیں کرتے لیکن ان کا محافظ اللہ تھا اور وہ اللہ کے نام پر تیروں میں سے گزرتے جا رہے تھے۔

رومیوں نے اپنی وہی چال چلی جس سے وہ پہلے نقصان اٹھا چکے تھے۔ وہ یہ کہ شہر کے اس طرف والے دروازے کھلے اور زیادہ نفری کی فوج باہر نکلی۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو اسی کے مطابق ترتیب میں رکھا تھا۔ یلغار کا انداز یہ نہیں تھا کہ ایک ہجوم کہیں ہلّہ بول رہا ہو۔ لشکر کی ایک ترتیب تھی اور یہ ترتیب سالاروں کے کنٹرول میں تھی اور ہر سالار کا رابطہ سپہ سالار کے ساتھ تھا۔

رومیوں نے سکندریہ میں بے شمار فوج اکٹھی کر رکھی تھی اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' سکندریہ بڑا ہی مضبوط اور قلعہ بند شہر تھا۔

رومی فوج باہر آئی تو سپہ سالار نے اپنے خاص احکام سالاروں کو بھیج دیئے جن کے مطابق لشکر دائیں بائیں پھیل گیا اور سامنے والے دستے سیدھے آگے گئے۔ رومیوں

نے بھی یلغار جیسا حملہ کیا۔

پہلے دی ہوئی ہدایت کے مطابق درمیان والے مجاہدین کے دستے ذرا ذرا پیچھے ہٹنے لگے جس سے رومیوں کو یہ تاثر ملا کہ مسلمان قدم جما کر لڑنے کے قابل نہیں رہے اور پسپا ہو رہے ہیں۔

رومی جرنیل بھی سمجھ نہ سکے کہ مسلمانوں کے سپہ سالار نے یہ چال چل کر رومی فوج اور سکندریہ کی دیواروں کے درمیان خاصا فاصلہ پیدا کر لیا ہے اور اس کا دوسرا فائدہ یہ حاصل کر لیا ہے کہ دیوار سے منجنیقوں کی سنگ باری اور تیر اندازی بند ہو گئی ہے۔ وہ اس لئے کہ اب ان کے اپنے رومی پتھروں اور تیروں کی زد میں آتے تھے۔ لڑائی گھمسان کے انداز کی ہو رہی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان عملی طور پر سامنے آ رہا تھا کہ اللہ جب چاہتا ہے کہ یہ کام ہو جائے تو اس کی ذاتِ باری صرف اتنا اشارہ دیتی ہے' ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ سپہ سالار اور دوسرے سالاروں کو ایسی توقع تھی ہی نہیں کہ وہ اُس روز سکندریہ میں داخل ہو سکیں گے بلکہ رومی فوج کی افراط اور مجاہدین کی قلت بتا رہی تھی کہ مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑے گا لیکن وہاں کچھ اور ہی ہو گیا۔

ہُوا یہ کہ مجاہدین کو اس قسم کی لڑائی کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا۔ سپہ سالار نے رومیوں پر دائیں اور بائیں پہلوؤں سے حملہ کرا دیا اور اس کے ساتھ ہی حکم دیا کہ پہلوؤں پر حملہ کرنے والے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ سپہ سالار نے اپنے سامنے والے رومیوں کو لڑائی میں الجھائے رکھا۔

رومیوں کے پہلوؤں پر حملہ ہُوا تو وہ بوکھلا گئے۔ یہاں پھر وہی صورت پیدا ہو گئی کہ رومیوں کی فوج درمیان کی طرف سُکڑنے لگی اور اس طرح پیادہ سپاہی گھوڑوں کے درمیان کچلے جانے لگے۔ اس فوج کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ مجاہدین ان کے عقب میں پہنچ گئے ہیں۔

رومیوں کے دفاع کا ایک ہی طریقہ تھا کہ شہر کے دروازے بند کر دیں لیکن انہوں نے دروازے اس لئے کھلے رکھے کہ مزید فوج باہر آ رہی تھی۔ مجاہدین نے دروازوں پر ہلّہ بول دیا۔ سالاروں نے پہلوؤں کی طرف سے مزید دستے آگے بڑھا دیئے اور مجاہدین دروازوں سے نکلتی ہوئی فوج کو برچھیوں اور تلواروں پر لیتے اندر جانے لگے اور کچھ ہی دیر بعد مجاہدین کی اچھی خاصی تعداد شہر کے اندر چلی گئی۔

خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ مجاہدینؓ گوشت پوست کے انسان تھے جن بھوت نہیں تھے۔ ان میں اگر کوئی اضافی طاقت تھی تو وہ جذبۂ جہاد تھا اور ایمان کی پختگی تھی اور اللہ کی ذاتِ باری پر پورا پورا یقین تھا' اس کے باوجود وہ تھے تو انسان ہی۔ ان کے مقابلے میں اتنے کثیر تعداد رومی کس طرح بوکھلا گئے اور ان کے حوصلے پست ہو گئے؟.... اس میں انسانی نفسیات کی کمزوریوں کا ہاتھ تھا۔ ایک یہ کہ رومی فوج پر مسلمانوں کی دہشت طاری تھی اور فوجی تسلیم کرنے لگے تھے کہ واقعی مسلمانوں کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے جو صرف جنّات میں ہوتی ہے۔ تاریخ مرتّب کرنے والے مؤرخوں نے بھی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس قدر کم تعداد مسلمانوں نے کس طرح اتنی بڑی فوج کو شکست دے دی۔

ایک تو یہ دہشت تھی جس نے رومی فوج کو نفسیاتی طور پر کمزور کر رکھا تھا اور اس فوج میں دوسری کمزوری یوں پیدا ہوئی کہ اتنے مضبوط قلعہ بند شہر میں وہ اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ سمجھ رہے تھے اور بہادر بھی۔ اس شہر کو وہ ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے لیکن جب انہیں ان مضبوط' چوڑی اور اونچی دیواروں سے باہر کھلے میدان میں نکالا گیا تو ان کے حوصلے کمزور پڑ گئے۔ وہ مسلمانوں کی بے جگری اور طوفانی یلغار کے آگے ٹھہر نہ سکے۔

مجاہدین اس فوج سے لڑتے لڑتے اندر چلے گئے جو باہر کی فوج کو مدد دینے کے لئے باہر آ رہی تھی۔ مجاہدین کی مزید تعداد شہر میں داخل ہونے لگی اور باہر لڑنے والے رومی سمجھ نہ پائے کہاں جائیں۔ دروازوں پر مجاہدین قابض ہو چکے تھے اور مجاہدین کی کچھ نفری باہر بھی تھی جو ان رومیوں پر تابڑ توڑ وار کر رہی تھی۔ ان رومی فوجیوں کا لڑنے کا جذبہ بالکل ہی بجھ کے رہ گیا۔

سالار بھی شہر کے اندر چلے گئے اور ان کے پیچھے باقی مجاہدین بھی شہر میں داخل ہوئے اور ایک معرکہ شہر کے اندر لڑا گیا۔

شہری پہلے ہی محاصرے سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی فوج کو ذرا سا بھی تعاون دینے سے گریز کر رہے تھے۔ ان پر بھی تو مسلمانوں کا خوف طاری تھا۔ رومی فوجی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو رہے تھے لیکن لوگ انہیں دھکیل دھکیل کر باہر نکال دیتے تھے۔ یہ رومی فوجی دراصل پناہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

اُس دن کا سورج غروب ہونے تک سکندریہ کا پورا شہر مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا، روم کا جھنڈا اُتر گیا اور اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

یہ ایک اور داستان ہے کہ اتنے بڑے شہر کا نظم و نسق کس طرح سنبھالا گیا اور کس طرح امن و امان قائم کیا گیا۔ یہ تو ہر شہر فتح کرنے کے بعد ہوتا تھا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قیرس اور جنرل تھیوڈور نے عمروؓ بن عاص کے آگے ہتھیار ڈال کر درخواست کی کہ انہیں اپنی فوج کے ساتھ شہر سے نکل جانے کی مہلت دی جائے۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں دو مہینوں کی مہلت دے دی لیکن ساتھ یہ کہا کہ کوئی فوج یا فوج کا ایک بھی آدمی مصر میں نہ رہے، سب جہازوں میں سوار ہو کر سمندر پار چلے جائیں۔

مصر پورے کا پورا فتح ہو گیا اور اتنا بڑا ملک سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا جو آج تک عالمِ اسلام کا ایک بڑا اور اہم ملک ہے۔

○

سکندریہ فتح ہوتے ہی سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک نائب سالار معاویہ بن حدیج کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً مدینہ روانہ ہو جائیں اور امیرالمومنین کو سکندریہ کی فتح کی خوشخبری سنائیں۔ معاویہ نے پیغام لینے کے لئے ہاتھ آگے کیا تو عمروؓ بن عاص نے کہا کہ کوئی تحریری پیغام نہیں۔ معاویہ حیران رہ گئے۔

"کیا تم عرب نہیں ہو؟" —— تاریخ کے مطابق عمروؓ بن عاص نے کہا —— "کیا تم زبانی پیغام نہیں پہنچا سکو گے؟..... جو تم نے دیکھا ہے وہ بیان کر دینا"۔

مؤرخوں نے تاریخ میں عمروؓ بن عاص کے یہی الفاظ لکھے ہیں اور بعض نے یہ رائے دی ہے کہ سکندریہ کی فتح ایک لمبی کہانی تھی جو تحریر میں نہیں لائی جا سکتی تھی اس لئے انہوں نے معاویہ بن حدیج کو پیغام دینے کے لئے منتخب کیا تھا کہ ان کا لشکر میں عہدہ بھی تھا اور وہ ذہین بھی تھے۔

معاویہ روانہ ہو گئے اور بڑی ہی تیزی سے منزلیں طے کرتے مدینہ پہنچے۔ تاریخ کے مطابق وہ اُس وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور امیرالمومنین کے دروازے پر پہنچے جب امیرالمومنین قیلولہ کیا کرتے تھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام ضرور کرتے تھے۔ معاویہ نے دروازے پر دستک نہ دی۔ اس کی بجائے دروازے کے باہر ہی بیٹھ گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ کی ایک خادمہ باہر نکلی۔ اس نے معاویہ کا حال حلیہ دیکھا اور ان کی اونٹنی کو پاس کھڑے دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ شخص بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔

"آپ کسی محاذ سے تو نہیں آئے؟" —— خادمہ نے پوچھا۔

"سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا ایلچی ہوں" —— معاویہ نے کہا —— "ابھی ابھی پہنچا ہوں، امیرالمومنین کے آرام کا وقت ہے، ان کے آرام میں مخل نہیں ہونا چاہتا"۔

خادمہ اندر چلی گئی اور فوراً ہی واپس آ کر کہا کہ امیرالمومنین بلا رہے ہیں۔ معاویہ فوراً اٹھے اور اندر چلے گئے۔

"کیا خبر لائے ہو؟" —— حضرت عمرؓ نے پہلا سوال کیا۔

"اللہ تعالیٰ نے سکندریہ ہمیں عطا فرما دیا ہے" —— معاویہ نے جواب دیا۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے پیغام کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تو معاویہ بولے زبانی سناؤں گا۔ امیرالمومنین نے خادمہ کو بلایا اور کہا کہ معاویہ کے لئے فوراً کھانا لائے۔

تاریخ میں بھی لکھا ہے کہ جو روٹی معاویہ کو کھلائی گئی وہ زیتون کے تیل میں تیار کی گئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ معاویہ کو مسجد میں لے گئے۔ لوگوں کو مسجد میں بلانے کا طریقہ اذان ہوتا تھا۔ امیرالمومنین کے کہنے پر اذان دی گئی اور مدینہ کے لوگ بڑی تیزی سے مسجد میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد بھر گئی۔ حضرت عمرؓ نے معاویہ سے کہا کہ اٹھو اور پیغام سناؤ۔

معاویہ بن حدیج نے اٹھ کر بلند آواز میں سکندریہ کی فتح کی خبر سنائی اور پھر تفصیل سے سنایا کہ یہ شہر جو ہر پہلو سے ناقابلِ تسخیر تسلیم کیا جاتا تھا، مجاہدین نے اتنی تھوڑی تعداد میں کس طرح فتح کیا۔

سننے والے آفرین آفرین اور داد و تحسین کے کلمے ہی بے ساختہ کہتے رہے۔

حضرت عمرؓ اٹھے اور اُسی وقت شکرانے کے دو نفل باجماعت پڑھائے۔

بلاذری اور مقریزی نے لکھا ہے کہ شکرانے کے نفل پڑھ کر حضرت عمرؓ معاویہ کو اپنے گھر لائے اور اُس وقت کھانا پیش کیا۔ خادمہ کھانا لائی جس میں روٹی اور زیتون کا تیل تھا اور اس کے بعد کھجوریں کھانے میں رکھی گئیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور معاویہ میں یہ مکالمہ ہوا۔

"معاویہ!" —— حضرت عمرؓ نے پوچھا —— "تم اتنی اہم خبر لائے تو دروازے کے

باہر ہی کیوں بیٹھ گئے تھے؟"

"یا امیرالمومنین!" معاویہ نے جواب دیا — "میں جانتا تھا کہ آپ اس وقت کچھ دیر کے لئے سو رہے ہیں۔"

"نہیں معاویہ!" — امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے کہا — "تم نے کسی سے غلط سنا ہے۔ میں دن کو سو جاؤں تو رعیت کا نقصان ہوتا ہے اور اگر رات کو سوؤں تو میرا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ خلیفہ کو نیند کیسے آسکتی ہے معاویہ!"

مصر فتح ہو گیا.... عریش سے سکندریہ تک ہر چھوٹے بڑے قلعہ بند شہر پر اسلامی پرچم لہرا رہے تھے۔

فرعونوں کے دیس میں اذانیں گونجنے لگیں۔ فرعونوں کو دنیا سے رخصت ہوئے صدیاں گزر گئی تھیں لیکن رومیوں نے فرعونیت کو زندہ رکھا اور اپنے ہم مذہب اہلِ مصر کے دلوں میں اپنے خلاف نفرت کے بیج بوئے تھے۔

مدینہ میں خوشیاں منائی گئیں۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی امامت میں شکرانے کے نفل ادا کئے گئے۔ سب سے زیادہ خوش امیرالمومنین تھے۔ وہ تو ہر فتح پر سب سے زیادہ خوش ہوتے تھے کیونکہ ہر پیشقدمی اور جنگ ان ہی کے حکم سے ہوتی تھی اور دل میں یہ خدشہ موجود رہتا تھا کہ کوئی حکم یا پلان غلط نہ ثابت ہو جس سے مجاہدین کو جانی نقصان اٹھانا پڑے۔ یہ بڑی ہی نازک ذمہ داری تھی جو فتح تک امیرالمومنین کو بے چین اور بے کل رکھتی تھی لیکن مصر کی فتح کا ایک پہلو اور بھی تھا۔

اس طویل داستان میں یہ پہلو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یاد دہانی کے لئے مختصراً یوں ہے کہ عمروؓ بن عاص نے مصر کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرنے کا عہد کر لیا تھا اور یہ ان کی ایک ایسی خواہش بن گئی تھی کہ ان کے دل و دماغ پر غالب آگئی تھی لیکن انہوں نے ایسے وقت امیرالمومنین حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت کی درخواست کی تھی جب مجاہدین کا ایک لشکر کسریٰ ایران کی بڑی طاقتور اور اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو فیصلہ کن شکست دینے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا اور دوسرا لشکر اُس وقت کی دوسری بڑی جنگی طاقت روم کی کثیر تعداد فوج کو شام سے بے دخل کر رہا تھا۔

یہ دو ایسے محاذ تھے جو سو فیصد توجہ' یکسوئی اور غیر معمولی قربانیوں کے طلبگار تھے۔

اس جنگی صورتِ حال میں تیسرا محاذ اور وہ بھی اتنی دور کھولنا بہت ہی خطرناک تھا۔ بزرگ صحابہ کرام عمروؓ بن عاص کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ سب سے بڑھ کر مخالفت کرتے اور کہتے تھے کہ عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید کی طرح ایسے خطروں میں کود جاتے ہیں کہ پورے لشکر کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ خود حضرت عمرؓ مصر پر فوج کشی کے حق میں نہیں تھے اور انہوں نے جس طرح عمروؓ بن عاص کو اجازت دی تھی وہ اس داستان میں بیان ہو چکی ہے۔

یہ تھا وہ دوسرا پہلو جو حضرت عمرؓ کو دوسری فتوحات کی نسبت زیادہ خوشی دے رہا تھا اور جو صحابہ کرام مصر پر حملے کے خلاف تھے وہ بھی خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ عمروؓ بن عاص نے اپنی ضد حیران کن کامیابی سے پوری کر دکھائی ہے ورنہ وہ سب تو بہت ہی پریشان تھے کہ مصر کا محاذ سارے لشکر کو ہی نہ لے ڈوبے۔

اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین سے جو اُسی کی ذاتِ باری پر توکل رکھتے تھے' اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا کہ ہم نے تمہیں کفار کی زمین اور ان کے خزانوں کا مالک دیا اور ہم نے تمہیں وہاں تک پہنچا دیا جہاں تک تم کبھی تصور میں بھی نہ پہنچے تھے —— (قرآن الحکیم)۔

طلسم ہوشربا جیسا شہر سکندریہ فتح ہو گیا۔

پورا مصر سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔

بچی کھچی رومی فوج جہازوں پر سوار ہوئی اور بحیرۂ روم پار کر گئی۔

اور نیل بہتا رہا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مصر کی فتح مسلمانوں کا معجزہ تھا۔ توقع تھی کہ رومی بزنطیہ میں اکٹھے ہو کر اور نئی فوج تیار کر کے مصر پر جوابی حملہ کریں گے لیکن سکڑی ہوئی سلطنتِ روم کے نئے بادشاہ کونستانس نے حکم جاری کر دیا کہ مصر پر جوابی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کی بجائے جو علاقے سلطنت میں رہ گئے ہیں انہیں ناقابلِ تسخیر بنایا جائے گا۔

مؤرخوں نے اس حکم کی دو وجوہات لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ رومی فوج کے جرنیل بھی کھُسر پھُسر کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی غیبی اور پُراسرار طاقت ہے

ورنہ ایسا ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ اتنے کم اور کمزور لشکر نے اتنی بڑی فوج کو کبھی شکست دی ہو اور وہ بھی ایسی فیصلہ کن شکست کہ اتنے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر کے پورا ملک فتح کر لیا ہو۔

رومی نہیں جانتے تھے کہ مسلمان جس قرآن میں یقین رکھتے ہیں اس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ایسا کئی بار ہُوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے' اللہ ایمان والوں کو اسی طرح صِلہ دیا کرتا ہے.... رومیوں کو معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو غیبی اور پُراسرار طاقت ہے وہ اللہ پر ایمان ہے۔

بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ جواں سال شاہ روم کونستانس اور اس کے جرنیلوں کے دلوں میں بھی شمعِ رسالتؐ کے پروانوں کی اگر دہشت نہیں تو دھاک ضرور بیٹھ گئی تھی اس لئے انہوں نے مصر کو اپنی سلطنت کے نقشے سے مٹا دیا۔ یوں شکست تسلیم کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ مصر پر جوابی حملہ کیا تو امکان یہی ہے کہ حملہ ناکام ہو جانے کی صورت میں مسلمان بحیرہ روم عبور کر کے آئیں گے اور رہی سہی سلطنت پر بھی ہاتھ صاف کر جائیں گے۔

وہاں ایک خدشہ یہ بھی محسوس کیا جا رہا تھا کہ مسلمان مصر پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے بزنطیہ پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ اس خدشے کے پیشِ نظر انہوں نے بزنطیہ اور دیگر شہروں کا دفاع مضبوط کرنا شروع کر دیا تھا۔

فتح مصر کی ولولہ انگیز اور ایمان افروز داستانِ جہاد سنائی جا چکی ہے' اس کے بعد کی کچھ دلچسپ باتیں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک بات یہ کہ عمروؓ بن عاص کا بحیرۂ روم عبور کرنے کا ارادہ تھا ہی نہیں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان ابھی جہاز رانی اور سمندری لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے' پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مصر کے ساحل پر جتنے بھی بحری جہاز اور بڑی بادبانی کشتیاں موجود تھیں وہ سب، مصر سے جانے والی رومی فوج اور دیگر شہری لے گئے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے شمالی افریقہ (آج کے لیبیا) کی طرف رخ کر لیا تھا۔

فتح مصر صرف رومیوں کی شکست نہیں تھی بلکہ یہ عالم صلیب کی بہت بڑی شکست تھی۔ اہلِ صلیب تو اسلام کا ہی نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اہلِ اسلام نے معجزہ کر دکھایا۔ انہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا جس سے اہلِ صلیب کو یہ خیال آیا کہ ان

کے اپنے لوگ سمجھنے لگیں گے کہ اسلام اللہ کا سچا دین ہے اس لئے اللہ نے ان کی مدد کی ہے' اور پھر یہ بات آنے والی نسلوں تک بھی پہنچے گی اور یہ عیسائیت کے لئے کوئی اچھی بات نہیں ہو گی۔ چنانچہ عیسائی مؤرخوں نے تاریخی حقائق کو ہی مسخ کر ڈالا۔ حادثہ یہ ہُوا کہ صدیوں بعد کے بعض مسلمان تاریخ نویسوں نے انہی کے حوالوں سے فتح مصر کی وہ تاریخ پیش کی ہے جو مفروضوں پر اور مسخ شدہ واقعات پر مبنی ہے۔

ان عیسائی مؤرخوں میں ا یلفریڈ بٹلر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حوالے دے کر تاریخ مرتب کرنے والوں نے سب سے زیادہ اسی کے حوالے دیئے اور مستند بھی کہا ہے لیکن بٹلر نے اسلام کے خلاف تعصب کے اظہار میں تاریخی حقائق کو بڑی بے رحمی سے مسخ کیا اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس نے فتح مصر خصوصاً" فتح سکندریہ کو اس طرح بیان کیا ہے جیسے رومیوں نے سکندریہ پلیٹ پر رکھ کر عمروؓ بن عاص کو بصد عزت و احترام پیش کیا اور خود جہازوں میں بیٹھے اور بز نطیہ چلے گئے۔ بٹلر جھوٹ یہ بول رہا ہے کہ مسلمان لڑے نہیں اور انہیں سکندریہ بغیر لڑے مل گیا۔

بٹلر کی کتاب ـــــ "مصر میں عربی فتوحات" ـــــ کا عربی میں ترجمہ ایک عرب سکالر استاذ محمد فرید ابو عدید نے کیا ہے۔ اس کے صفحہ 288 پر بٹلر فتح سکندریہ کو صرف اتنی سی تحریر پر ختم کر دیتا ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں سے شکست نہیں کھائی تھی اور برائے مصلحت ان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

پھر بٹلر اپنے اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے لکھتا ہے ـــــ "عمروؓ بن عاص اپنے لشکر کے ساتھ ابھی بابلیون میں ہی تھے۔ قیرس تسلیم و اطاعت کا تحریری عہد نامہ لئے بابلیون گیا اور یہ عہدہ نامہ عمروؓ کو پیش کر کے کہا کہ خدا نے مصر کی زمین تمہیں عطا کر دی ہے۔ سکندریہ لے لو اور رومیوں پر تلوار نہ اٹھانا.... اس طرح صلح نامہ تیار ہو گیا اور عربوں نے جا کر سکندریہ پر قبضہ کر لیا"۔

اگر آپ نے یہ داستان غور سے پڑھی ہے تو آپ کو یاد ہو گا کہ جن دنوں عمروؓ بن عاص بابلیون میں تھے اُن دنوں قیرس مصر میں تھا ہی نہیں۔ وہ بحیرۂ روم کے پار کہیں جلاوطنی میں تھا۔ ہرقل کا بیٹا قسطنطین ابھی زندہ تھا اور وہ قیرس کو جلاوطنی سے واپس بلا رہا تھا۔

پھر دیکھئے بٹلر اپنی دروغ گوئی کو کس طرح آگے بڑھاتا ہے۔ اپنی اسی کتاب میں لکھتا

ہے ـــــ "قیرس صلح کا یہ معاہدہ سکندریہ لے گیا۔ اپنی فوج کے جرنیلوں کو معاہدہ دکھایا اور شہر کے لوگوں میں بھی اس کی تشہیر کر دی۔ کوئی بھی نہیں مان رہا تھا۔ قیرس نے جرنیلوں سے تو منوا لیا لیکن شہر کے لوگ اس معاہدے کو اپنی ذلّت کا باعث سمجھ کر قیرس کے خلاف بھڑک اٹھے....

"لوگ اُس وقت تو بہت ہی غضبناک ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت گھوڑوں پر سوار شہر میں آ گئی ہے اور ایسی بے نیازی سے چلی آ رہی ہے جیسے یہ شہر عربی مسلمانوں کا اپنا ہو۔ کچھ لوگ ان پر لعن طعن کرنے لگے اور بہت شور و غل بپا کیا لیکن یہ مسلمان گھوڑسوار ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے....

"شہر کے لوگوں کو معلوم تھا کہ ان کے اسقفِ اعظم قیرس نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے لیکن لوگوں کو یہ گمان نہیں تھا کہ مسلمان اس شاہانہ انداز سے شہر میں آ جائیں گے۔ شہر کے ان بھڑکے بپھرے ہوئے لوگوں نے اُس محل پر دھاوا بول دیا جس میں قیرس رہتا تھا۔ وہ قیرس کو قتل کر دینے کے نعرے لگا رہے تھے....

"اس شور و غل پر قیرس باہر نکل آیا۔ اس کی شخصیت کا ایک خاص تاثر تھا۔ وہ خوش گفتار بھی تھا اور اس کا تعلق شاہی خاندان کے ساتھ تھا اور وہ سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی تھا اس لئے لوگ اس کے جاہ و جلال سے فوراً" متاثر ہو جاتے تھے۔ وہ شور و غل سن کر باہر آیا تو لوگوں کا غیظ و غضب دیکھ کر گھبرایا۔ اس نے تقریر شروع کر دی۔ قوّتِ استدلال سے تو وہ مالا مال تھا۔ اس نے ایسی پُراثر تقریر کی کہ لوگ نہ صرف یہ کہ ٹھنڈے ہو گئے بلکہ ایک دوسرے کو کوسنے لگے کہ انہوں نے اپنے مقدس بطریق (اسقفِ اعظم) کی توہین کر دی ہے....

"لوگ واپس چلے گئے۔ معاہدے کے مطابق مسلمانوں نے جو جزیہ عائد کیا تھا وہ رقم گھروں سے لے آئے اور قیرس کے حوالے کر دی۔ اس کے علاوہ انہوں نے خاصا زیادہ سونا اکٹھا کیا اور یہ رقم اور سونا ایک کشتی میں رکھا۔ شہر کے اندر سے ایک نہر گزرتی تھی۔ کشتی اس میں کھڑی تھی۔ یہ کشتی جنوبی دروازے سے باہر نکلی۔ قیرس خود ساتھ گیا اور یہ مال سپہ سالار عمروؓ کے حوالے کیا اور اس طرح سکندریہ کی فتح اختتام کو پہنچی"۔

یہ ہے وہ جھوٹ جو اہلِ صلیب مؤرخوں نے تاریخ میں شامل کر کے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ مصر کی فتح اور وہاں سے رومیوں کا انخلا مسلمانوں

کی شجاعت اور ایمان کی قوت کا کرشمہ ہے۔

حقیقت اس داستان میں تفصیل سے بیان کردی گئی ہے جو یہ کہ مصر بزورِ شمشیر فتح کیا گیا تھا اور جو معاہدہ ہُوا تھا وہ رومیوں کے ہتھیار ڈالنے کے بعد ہُوا تھا۔ اس میں اہلِ سکندریہ پر جزیہ عائد کیا گیا تھا جو دو دینار فی کس تھا۔ یہ صرف بالغ اور صحت مند مردوں پر عائد ہُوا تھا۔ عورتیں ' بچے ' بوڑھے ' معذور ' بے روزگار ' فقیر ' مساکین اور دوسروں کے محتاج جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

ایلفریڈ بٹلر اور اس کی ذہنیت والے دوسرے مؤرخوں نے قیرس کو بڑا ہی بھلا مذہبی پیشوا ظاہر کیا ہے کہ اس نے بڑی شرافت سے سکندریہ مسلمانوں کو پیش کر دیا تھا لیکن تاریخ نے قیرس کی اصل ذہنیت بے نقاب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ تو آپ نے اس داستان میں پڑھ لیا ہے کہ قیرس نے درپردہ ہرقل کی بیوہ مرتینا کے ساتھ سازباز کر رکھی تھی۔ مرتینا کے ساتھ اس کے ناجائز مراسم تھے۔ وہ بزنطیہ سے مرتینا کے ساتھ یہ پلان بنا کر آیا تھا کہ مصر سے مسلمانوں کو نکال باہر کرے گا اور مرتینا کو مصر بلا کر اسے مصر کی ملکہ بنا دے گا اور مرتینا اپنے بیٹے ہرقلیوناس کے ساتھ مصر میں خودمختاری کا اعلان کر دے گی۔

مصر میں وہ آیا تو جہاں بہت سے مبلّغ ساتھ لایا وہاں خفیہ طور پر ایسے آدمی بھی ساتھ لایا تھا جو زمین دوز اور پُراسرار طریقوں سے بڑے اونچے درجوں کی شخصیتوں کو قتل میں مہارت رکھتے تھے۔ مصر میں اس نے ایک طرف مبلّغوں کو شہروں اور دیہات میں پھیلا دیا کہ وہ عیسائیوں کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مشتعل کریں ' دوسری طرف اس نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو قتل کروانے کا کام پیشہ ور قاتلوں کے سپرد کر دیا۔

اس کا یہ مشن جس بُری طرح ناکام ہُوا وہ سنایا جا چکا ہے۔ اس کے مبلّغ پادری بھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کرسکے۔ قبطی عیسائی قیرس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ تو خوش تھے کہ مصر رومیوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ قیرس دراصل ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کا شاید اسے خود بھی احساس تھا اس لئے وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہوتے ہوئے اسے مذہب کا کتنا کچھ پاس تھا۔

اس نے مصر میں آتے ہی بہت سی تربیت یافتہ جواں سال اور بڑی ہی خوبصورت

لڑکیاں سکندریہ میں اپنے پاس اکٹھی کر رکھی تھیں اور ایک اور ہی ٹریننگ دینی شروع کر دی تھی۔ ان سے وہ سالاروں اور مجاہدین کی اخلاقی تخریب کاری کروانا چاہتا تھا ' ساتھ یہ بھی کہ ہر لڑکی ایسا موقع پیدا کرے کہ ایک ایک سالار کو قتل کر دے۔ قیرس کی زیادہ دلچسپی عمروؓ بن عاص کے قتل میں تھی.... اس کا یہ حربہ بھی ناکام ہُوا جا رہا تھا۔

آج کے روم کے ایک تاریخ نویس مائیکل کڈ سیکپ اور مصری مبصر اور وقائع نگار آذر سطوت نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے اور مستند مؤرخوں کے حوالے دیئے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قیرس کو توقع نہیں تھی کہ مسلمان سکندریہ اتنی جلدی فتح کر لیں گے۔ اسے غالباً" یہ توقع بھی تھی کہ مسلمان سکندریہ فتح کر ہی نہیں سکیں گے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لڑکیوں میں سے تین چار کو باہر نکال دے اور وہ کسی طرح سپہ سالار عمروؓ بن عاص اور دوسرے سالاروں تک پہنچیں اور مظلومیت کی کیا کیا کہانیاں سنا کر ان سالاروں کی ہمدردیاں حاصل کریں۔ یہ اسے یقین تھا کہ جو لڑکی جس سالار کے خیمے میں داخل ہو گئی اسے وہ اپنے جال میں لے لے گی اور اپنا کام کر گزرے گی۔

قیرس سوچتا ہی رہ گیا اور مجاہدینِ اسلام اس طرح سکندریہ کے اندر نظر آنے لگے جیسے زمین میں سے ابھرے ہوں۔ قیرس کا یہ حربہ دھرا رہ گیا اور مجاہدین شہر میں داخل ہو گئے۔ اُس وقت قیرس اپنے محل میں تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ مسلمان شہر میں آ گئے ہیں تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ ذرا جلدی سنبھل گیا اور باہر نکلا۔ عمروؓ بن عاص محل کی طرف گئے تو قیرس نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

ان کے درمیان ضروری گفتگو ہوئی۔ رومی فوج کے انخلا کے لئے مہلت کا عرصہ طے ہُوا۔ اس عرصے کے اندر اندر رومی فوج کو سکندریہ سے نکل جانا تھا۔ قیرس مہلت کے اس عرصے میں سکندریہ میں رہ سکتا تھا۔ عمروؓ بن عاص نے اسے قید میں نہ ڈالا ' وہیں رہنے دیا جہاں وہ رہتا تھا۔ اسے مراعات سے محروم نہ کیا۔

اس نے مسلمانوں کا ممنون ہونے کی بجائے اپنی زمین دوز تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس نے چھ سات لڑکیاں منتخب کر لیں۔ وہ خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ مسلمانوں نے اس پر ایسی پابندی عائد نہ کی کہ لڑکیاں اس کے پاس نہ آئیں۔ وہ مذہبی پیشوا تو تھا ہی۔ اس پر ایسا شک تو کیا ہی نہ گیا کہ اس کے پاس یہ جو لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں انہیں وہ کسی تخریب کاری کے لئے تیار کر

رہا ہے۔

یہ دونوں تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اپنا کردار ایسا تھا کہ ان لڑکیوں کی طرف انہوں نے کبھی اس خیال سے دیکھا ہی نہیں تھا کہ یہ بہت حسین اور دلنشیں لڑکیاں ہیں اور یہ ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ کردار کی بلندی کے علاوہ سالاروں اور لشکر کے مجاہدین کو اتنی ہوش اور مہلت میسّر نہیں تھی کہ وہ تفریحِ طبع کی بھی سوچتے۔ وہ اتنے بڑے شہر کے ہر کونے کھدرے کو دیکھتے پھر رہے تھے کہ رومی فوجی تخریب کاری کے لئے کہیں چھپے نہ رہ جائیں یا شاہی خزانے کا مال کہیں چھپا نہ رہے ہوں کہ جاتے ہوئے ساتھ لے جائیں گے۔

شہر میں افراتفری کا سا سماں تھا۔ رومی فوجیوں کو نہتّا کر دیا گیا تھا اور وہ شہر سے نکل رہے تھے۔ بعض شہری بھی جا رہے تھے۔ شہر کا نظم و نسق اور امن و امان بھی معمول پر لانا تھا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان لوٹ مار تو دور کی بات ہے کسی گھر کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے پھر بھی وہ اس اندیشے سے آزاد نہیں تھے کہ یہ مسلمان فاتحین جزیے کے علاوہ ان سے اور کچھ بھی جو چاہیں گے لے لیں گے۔ وہ اپنے مال و اموال اور جوان عورتوں کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔

قیرس کو ابھی تک یہ توقع تھی کہ اس افراتفری اور نفسانفسی کی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر ایسی تخریب کاری میں کامیاب ہو جائے گا کہ رومی فوجی اور شہری مجاہدینِ اسلام پر دھاوا بول دیں گے اور انہیں سکندریہ سے نکالا جا سکے گا۔ اس نے دو جرنیلوں کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ وہ لڑکیوں کو سالاروں کے قتل کے لئے تیار کر رہا تھا اور انہیں یہ بھی بتا رہا تھا کہ دھوکے میں سالاروں کو شراب پلا کر مدہوش کر دیں۔ یہ ایک قدرتی حقیقت ہے کہ ایک حسین و جمیل لڑکی کسی بھی مرد کو شراب کے بغیر بھی مدہوش کر سکتی ہے۔

آخر چند ہی دنوں بعد شہر میں امن و سکون اور نظم و نسق کی کیفیت بحال ہو گئی۔ کوئی ایک بھی لڑکی کسی سالار کو اپنے جال میں نہ لا سکی۔ شہر کے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب وہ محفوظ ہیں۔ مسلمانوں نے انہیں حسنِ اخلاق سے اور رویّے سے یہ یقین دلایا تھا۔ قیرس مایوس ہُوا جا رہا تھا۔ اس کے فوجی شہر سے ہمیشہ کے لئے چلے گئے تھے۔ شہری جو جانا چاہتے تھے وہ بھی جا چکے تھے۔ شہر میں جو لوگ رہ گئے ان میں اکثریت قبطی عیسائیوں کی تھی۔

قبطی بہت خوش تھے کہ رومی گئے لیکن ابھی یہ خدشہ دل میں موجود تھا کہ مسلمان نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مسلمانوں نے شہری حالات اور انتظامات معمول پر لا کر اعلان کر دیا کہ اسلام قبول کرنے والوں کو کیا مراعات ملیں گی اور کسی کے مذہب اور عبادت گاہوں میں دخل اندازی اور جبر نہیں ہو گا۔ مختصر یہ کہ مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔

اب قبطی عیسائی مسلمانوں کے محکوم ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگے۔ انہوں نے ہرقل اور قیرس کے جور و استبداد میں زندگی گزاری تھی بلکہ ان کی نسلیں رومیوں کی غلام چلی آ رہی تھیں۔ اب انہیں آزادی ملی تو انہوں نے اپنے اصل اسقفِ اعظم بنیامین کو جو پہلے ہی سکندریہ میں موجود تھا، کہا کہ وہ آزادی کا جشن منانا چاہتے ہیں۔ بنیامین نے انہیں کہا کہ وہ سپہ سالار سے اجازت لے دے گا۔

اس داستان میں بنیامین کا بڑا تفصیلی ذکر آیا ہے۔ ہرقل نے بنیامین کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور قیرس کو اپنی بنائی ہوئی عیسائیت کا اسقفِ اعظم بنا دیا تھا۔ بنیامین صحرا میں جا روپوش ہُوا اور برسوں گزر گئے تھے۔ اب ہرقل اور اس کے بیٹے قسطنطین کی موت کے بعد قیرس بزنطیہ سے سکندریہ آیا تو اس نے بنیامین کو روپوشی سے واپس بلا لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ قبطی عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیار کرے۔ بنیامین نے اسے کہا تھا کہ قبطی نہ رومیوں کا ساتھ دیں گے نہ مسلمانوں کا۔ قبطی تو رومیوں کے خلاف بغاوت پر اترے ہوئے تھے لیکن بنیامین نے انہیں روک دیا تھا۔ اب مسلمانوں نے سکندریہ پر قبضہ کر لیا تو بنیامین قیرس سے الگ ہو گیا اور محل سے نکل کر ایک عام سے مکان میں رہتا تھا۔

بنیامین نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص سے قبطی عیسائیوں کو جشنِ آزادی منانے کی اجازت لے دی۔ لوگ شام کے بعد رات تاریک ہوتے ہی گھروں سے نکل آئے اور ٹولیوں کی صورت میں باغوں اور سرسبز میدانوں میں جا کر ناچنے گانے اور شراب نوشی کرنے لگے۔ بڑا ہی پُرلطف ہنگامہ تھا جو رات گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

مؤرخ بلاذری نے اس جشن کے متعلق اتنا ہی لکھا ہے ---- "اُس رات قبطی عیسائیوں سے اور شہر کے دیگر لوگوں نے ایسی رنگ رلیاں منائیں جو رومی دورِ حکومت میں وہ بھول ہی گئے تھے۔ انہوں نے جذباتی اور جسمانی عیاشیوں کا ہر طریقہ اختیار کیا اور

محفلیں ایسی جمائیں کہ نیک و بد کی تمیز بھی نظرانداز کر دی"۔

تین اور مؤرخوں نے بھی اس جشن کے متعلق کچھ ایسے ہی ایک ایک دو دو جملے لکھے ہیں۔ تفصیل رومی اور مصری تاریخ نویسوں نے لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جشن منانے والے اخلاقیات کی حدود پھلانگ گئے۔ اپنی پرائی بیویوں کی بھی تمیز اور پہچان ختم ہو گئی۔ یہ شراب نوشی کے کرشمے تھے۔ مسلمان اس جشن میں شامل نہیں تھے۔ وہ صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ دنگا فساد نہ ہو' امن و امان رہے۔

قیرس نے اس موقع سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جن چھ لڑکیوں کو وہ شہر پر مسلمانوں کے قبضے کے دن سے ایک خاص ٹریننگ دے رہا تھا' جشن کی شام بلایا۔ انہیں تازہ پھولوں کے ہار دیئے' لباس ایسا پہنایا جس میں وہ نیم عریاں تھیں' ہر ایک کو گلاب کا ایک ایک پھول دیا۔ کسی اور تاریخ نویس نے لکھا ہے کہ پھولوں پر کوئی ایسا تیز زہر ملا ہُوا تھا جس کی بُو یہ پھول سونگھنے والے کے پھیپھڑوں میں جا کر اسے کچھ ہی دیر بعد ہلاک کر ڈالتی یا دماغ پر ایسا اثر کرتی تھی کہ دماغی توازن پاگلوں کی طرح بگڑ جاتا تھا۔

دوسرے دونوں مؤرخوں نے ان پھولوں کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قیرس نے ان لڑکیوں سے کہا کہ ایک لڑکی سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس اور باقی پانچ ایک ایک سالار کے پاس جائیں' انہیں جشن کے حوالے سے ہار پہنائیں اور اپنا آپ اس طرح پیش کریں کہ وہ بدمست ہو کر انہیں قبول کر لیں۔ انہیں یہ پھول پیش کریں اور انہیں تھوڑی سی شراب پینے پر اکسائیں۔ شراب فوراً" مل جائے گی۔ گلاب کا یہ پھول شراب میں ڈبو کر شراب پلا دینا خواہ وہ ایک ہی گھونٹ پیئے' کام ہو جائے گا۔

لڑکیوں کو ٹریننگ دی جا چکی تھی اور وہ بہت ہی ذہین اور مکّار لڑکیاں تھیں۔ سالار اس محل سے جس میں قیرس رہتا تھا' کچھ دور کسی اور طرف رہتے تھے۔ لڑکیاں قیرس سے رخصت ہو کر ادُھر کو چل پڑیں۔ راستے میں دو الگ ہو گئیں کیونکہ ان کے شکار کسی اور طرف رہتے تھے۔ راستے میں لوگ جشن منا رہے تھے۔ ناچتے گاتے ان پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ شراب اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

اس ٹولی نے دو لڑکیوں کو دیکھ لیا۔ وہ جواں سال اور کچھ نوجوان تھے۔ لڑکیوں کے لباس اور ہاتھوں میں ہار دیکھ کر وہ سمجھے کہ یہ لڑکیاں جشن منانے نکلی ہیں۔ ان سب نے انہیں بازوؤں پر اٹھا اٹھا کر پیار سے اچھالنا شروع کر دیا۔ لڑکیاں انہیں بتا نہیں سکتی تھیں

کہ وہ کسی اور مشن پر جا رہی ہیں۔ وہ ہنستے مسکراتے ان آدمیوں سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دو آدمیوں نے انہیں بازوؤں میں لے کر رقص میں شامل کر لیا۔

اتنے میں بنیامین کا ادھر سے گزر ہُوا۔ ایک لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔ وہ بنیامین کو جانتی تھی اور اسے' یہ بھی معلوم تھا کہ بنیامین قیرس کے ساتھ اس لئے رہتا ہے کہ وہ بھی اسقفِ اعظم ہے اور مسلمانوں کے خلاف دونوں کا مشن ایک ہے۔ لڑکی ایک آدمی کے بازوؤں سے نکل کر بنیامین کے پاس دوڑتی پہنچی اور اسے بتایا کہ ان دونوں کو کس کام کے لئے بھیجا گیا تھا اور لوگوں نے انہیں روک کر سارا کھیل بگاڑ دیا ہے۔

بنیامین چونک اٹھا۔ قیرس نے اسے اس راز میں شریک کیا ہی نہیں تھا۔ سالاروں کے قتل کی یہ سازش اسے بتائی ہی نہیں تھی۔ بنیامین نے دوسری لڑکی کو بھی بلا لیا اور ان سے پوچھا کہ باقی چار لڑکیاں کہاں ہیں۔ ان دونوں نے اسے بتایا تو بنیامین نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر لے جا کر ایک کمرے میں بند کر دیا۔ باہر نکلا اور اسُ طرف دوڑ پڑا جدھر چار لڑکیاں گئی تھیں۔ اسے معلوم تھا سالار کہاں کہاں رہتے ہیں۔

سارا شہر جاگ رہا تھا۔ روشنیاں ہی روشنیاں تھیں لیکن اسُ طرف اندھیرا تھا جہاں سالار رہتے تھے۔ سنتری ٹہل رہے تھے۔ بنیامین نے ہر سنتری سے پوچھا کہ اِدھر تین چار لڑکیاں تو نہیں آئیں؟ ہر سنتری نے تقریباً" ایک جیسا ہی جواب دیا کہ اِدھر لڑکیوں کا کیا کام!

بنیامین لڑکیوں کو ڈھونڈتا پھرا لیکن سکندریہ کوئی چھوٹا سا شہر نہ تھا کہ وہ رات ہی رات لڑکیوں کو ڈھونڈ نکالتا۔ صبح تک اسے لڑکیاں نہ ملیں البتہ باغوں اور میدانوں میں اور جہاں جہاں رات جشن منایا گیا تھا وہاں کچھ آدمی کھلے آسمان تلے پڑے بیہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ رات وہ اتنی زیادہ پی گئے تھے کہ جہاں گرے صبح تک وہیں پڑے رہے۔ چار لڑکیوں کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ بعد دوپہر چار مختلف گھروں سے لڑکیاں مل گئیں۔ جشن منانے والوں نے رات بھر انہیں اپنے ساتھ رکھا تھا۔ انہیں اتنی زیادہ شراب پلائی گئی تھی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں۔ چار آدمی ایک ایک لڑکی کو اپنے گھروں میں لے گئے تھے کہ باہر خراب نہ ہوتی پھریں۔

بنیامین نے ان چاروں کو اپنے ساتھ لیا اور گھر لے گیا۔ وہ ساری رات پریشان رہا

تھا کہ کوئی لڑکی کسی سالار کے پاس پہنچ ہی نہ گئی ہو اور ایسا نہ ہو کہ کوئی سالار کسی لڑکی کے دھوکے میں آ کر مارا جائے۔ بنیامین نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی تھیں۔

چاروں نے بنیامین کو قیرس کا قابلِ اعتماد دوست سمجھتے ہوئے اصل بات بتا دی۔ وہ خوش تھا کہ کوئی لڑکی کسی سالار تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ عمروؓ بن عاص اور دیگر سالاروں کا ایمان ایسا کمزور تو نہیں تھا۔ ان میں سوائے ایک دو کے سب صحابہ کرام تھے لیکن بنیامین کی اپنی سوچ تھی جس میں ہمدردی اور خلوص تھا۔ وہ ان سالاروں کا ممنون تھا کہ انہوں نے قبطی عیسائیوں کو رومیوں سے نجات دلائی تھی۔

وہ لڑکیوں کو اپنے گھر چھوڑ کر قیرس کے پاس گیا اور اس پر برس پڑا۔

"تم قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے" ——— بنیامین نے کہا ——— "تم نے ہزار ہا قبطیوں کو قتل کروا دیا تھا۔ کیا تم نے سالاروں کو لڑکیوں کے ہاتھوں زہر دلوا دیا ہے؟"

"لڑکیاں کہاں ہیں؟" ——— قیرس نے دبی دبی زبان میں پوچھا۔

"میرے پاس!" ——— بنیامین نے جواب دیا ——— "میں انہیں اپنے گھر چھوڑ آیا ہوں .... جنگجو قوموں کے آدمی میدان میں اُتر کر لڑا کرتے ہیں، تمہاری طرح لڑکیوں سے دشمن کو نہیں مروایا کرتے۔ اگر میں ان لڑکیوں کو سپہ سالار کے پاس لے جاؤں اور وہ اسے بتائیں کہ تمہاری سازش کیا تھی تو جانتے ہو تم کس انجام کو پہنچو گے؟ .... قتل .... مسلمانوں کا سپہ سالار تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا لیکن میں تمہیں زندہ رکھنا چاہتا ہوں کہ اتنی بڑی شکست کی اذیت برداشت کرتے رہو اور گمنامی میں پڑے رہو"۔

یہ بنیامین کے کردار کی بلندی تھی کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتائے بغیر اس نے ان کا احسان چکا دیا تھا۔

فتح مصر کے بعد کی ایک اور دلچسپ بات سن لیں۔ اس داستان "....اور نیل بہتا رہا" ——— میں ایک واقعہ سنایا گیا ہے کہ عیسائیوں کا ایک فرقہ سال میں ایک خاص دن عیدِ صلیب منایا کرتا تھا۔ اس دن ایک رسم ادا کی جاتی تھی جس میں ایک نوجوان کنواری لڑکی کو عروسی لباس اور بڑے قیمتی زیورات پہنا کر دریائے نیل میں پھینک دیا جاتا تھا اور لڑکی ڈوب کر مر جاتی تھی۔ اس لڑکی کو نیل کی دلہن کہا جاتا تھا۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی سال نیل کو یہ قربانی نہ دی جائے تو اس کا بہاؤ رک جاتا ہے اور اس کے دونوں طرف کے کھیت خشک ہو جاتے ہیں اور فصل نہیں اُگتی جس کا نتیجہ قحط ہوتا ہے۔

عیسائیت ایسی توہم پرستی بلکہ خرافات میں بالکل یقین نہیں رکھتی۔ وہ کوئی ایسا فرقہ تھا جو خود کو عیسائی کہلاتا تھا۔ بنیامین بھی اس ظالمانہ رسم کے خلاف تھا اور قیرس بھی۔ رومیوں کے دَورِ حکومت میں یہ رسم ممنوع تھی اور اسے قتل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود شہروں سے دور ہر سال یہ رسم ادا ہوتی تھی۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ رسم دراصل فرعونوں کے زمانے سے چلی آ رہی تھی اور فرعون اس میں یقین رکھتے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے مصر فتح کر لیا تو اس فرقے کا ایک وفد ان کے پاس آیا۔ چونکہ حکمران رومیوں نے "نیل کی دلہن" والی رسم کو جرم قرار دے رکھا تھا اس لئے وہ مصر کے فاتح سپہ سالار عمروؓ بن عاص جو اب امیرِ مصر بھی تھے، کے پاس یہ استدعا لے کر آئے کہ انہیں یہ رسم جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ عیدِ صلیب کو دو ماہ باقی تھے۔

عمروؓ بن عاص نے انہیں بتایا کہ دینِ اسلام توہم پرستی اور بُت پرستی کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے اتارا ہے۔ عبادت اسی ایک اللہ کی کی جاتی ہے جس کے حکم سے دریا بہہ رہے ہیں اور دریاؤں کی روانی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں یہ بھی کہا کہ وہ عیسائی ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ عیسائیت میں بھی توہم پرستی گناہ ہے لیکن یہ رسم ان لوگوں کے دلوں میں اتنی گہری اُتری ہوئی تھی کہ وہ اس کے خلاف کوئی بات کوئی دلیل تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں تھے۔

"امیرِ مصر!" ——— وفد کے ایک آدمی نے کہا ——— "اگر آپ نے ہمیں یہ رسم ادا کرنے کی اجازت نہ دی تو ہم یہاں سے نقل مکانی کر جائیں گے کیونکہ نیل کو اس کی دلہن نہ دینے سے نیل اپنا بہاؤ روک دے گا۔ ہم قحط سالی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ عیدِ صلیب کو صرف دو مہینے باقی ہیں"۔

عمروؓ بن عاص ایسا کر سکتے تھے کہ سختی سے حکم دے دیتے کہ وہ ایسی خرافات کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن انہوں نے بہتر یہ سمجھا کہ ان لوگوں کو کسی ایسے طریقے سے اس توہم پرستی سے ہٹایا جائے کہ ان کے جذبات کو ٹھیس بھی نہ پہنچے اور یہ راہِ راست پر آ جائیں۔ انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے امیرالمومنین سے پوچھ کر کوئی فیصلہ کریں گے۔ وہ دراصل ان لوگوں پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا جو اپنا حکم چلاتا ہے اور زبردستی رعایا سے منواتا ہے۔

عمروؓ بن عاص نے اُسی روز اس رسم کی تفصیل لکھوائی اور ایک پیغام امیرالمومنین

حضرت عمرؓ کے نام مدینہ بھیج دیا۔

حضرت عمرؓ نے پیغام پڑھا تو انہوں نے بھی یہی سوچا کہ ان بھٹکے ہوئے لوگوں کو کسی طریقے سے ہی قائل کیا جائے۔ انہوں نے پیغام کا جواب فوراً دیا۔ اس پیغام کے ساتھ ایک الگ پیغام نیل کے نام تھا۔ قاصد نے اتنا طویل سفر اتنی جلدی طے کیا کہ عیدِ صلیب سے کچھ دن پہلے مدینہ سے سکندریہ پہنچ گیا۔

عمروؓ بن عاص نے اپنے نام پیغام پڑھا جس میں امیرالمومنین نے انہیں کچھ ہدایات دی تھیں۔ پھر نیل کے نام پیغام پڑھا اور اس فرقے کے وفد کو بلوایا۔ یہ لوگ سکندریہ میں ہی رکے ہوئے تھے' اطلاع ملتے ہی آ گئے۔ عمروؓ بن عاص نے انہیں حضرت عمرؓ کا نیل کے نام لکھا ہوا پیغام پڑھ کر سنایا۔ تحریر یوں تھی:

"اللہ کے بندے امیرالمومنین عمرؓ کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام!.... امابعد' اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو نہ بہہ' رک جا اور اگر تیرے بہاؤ کو رواں دواں رکھنے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے تو ہم اسی کے نام پر تجھ سے عرض کرتے ہیں کہ اسی کے حکم سے بہتا رہ' اپنی روانی میں ایک لمحے کی بھی رکاوٹ نہ آنے دے۔"

اس فرقے کے وفد کا ہر فرد مایوس سا نظر آنے لگا لیکن عمروؓ بن عاص نے انہیں کہا کہ وہ عیدِ صلیب کے روز خود یہ پیغام نیل کے سپرد کریں گے اور دیکھیں گے کہ نیل بہتا رہے گا یا رک جائے گا۔

عیدِ صلیب اس مہینے کی 12 تاریخ کو منائی جاتی تھی۔ اس صبح عمروؓ بن عاص خود دریائے نیل کے کنارے اُس جگہ پہنچے جہاں انہوں نے وفد کو پہنچنے کے لئے کہا تھا۔ وفد کے علاوہ وہاں اور بھی بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے نیل کے نام امیرالمومنین کا پیغام بلند آواز سے پڑھ کر دریا میں پھینک دیا اور پھر لوگوں سے کہا کہ اگلے روز آ کر دیکھیں کہ نیل بہہ رہا ہے یا رک گیا ہے۔

اگلے روز لوگوں کا ایک ہجوم دریا کے کنارے جا پہنچا۔ نیل بہہ رہا تھا۔ اس کے بعد کئی روز لوگ جا کر دیکھتے رہے' نیل بہہ رہا تھا اور پھر نیل بہتا رہا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ بعض تاریخ نویسوں نے اس روایت کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ دریا کا بہاؤ رک گیا تھا اور لوگ پریشان ہو گئے تھے کہ یہ اچھا شگون نہیں۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن عاص نے

حضرت عمرؓ کا پیغام دریا میں پھینکا اور دریا بہنے لگا۔

بعض نے یوں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا پیغام جب نیل میں پھینکا گیا تو اُس وقت نیل بہہ رہا تھا۔ اگلی صبح دیکھا گیا کہ رات ہی رات دریا کا پاٹ سولہ ہاتھ چوڑا ہو گیا۔

یہ دونوں روایات بالکل بے بنیاد ہیں۔ اگر ہم انہیں صحیح مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عیسائیوں کے اس فرقے کی توہم پرستی صحیح اور جائز تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں کو اللہ نے غیر معمولی ذہانت اور باریک بینی کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ عمروؓ بن عاص اور حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو قائل کرنے کے لئے یہ طریقہ سوچا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی دریا کا بہاؤ رک جائے۔ ان کا یہ طریقہ کامیاب رہا اور یہ رسم جس میں ایک معصوم لڑکی کی جان چلی جاتی تھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

مجاہدینِ عرب نے جب کسریٰ ایران کو شکست دے کر اس کے محلات پر قبضہ کیا تھا تو وہ اس کے آباؤ اجداد کی پوشاکیں اور وہاں کے خزانے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ ہم نے اپنی ایک کتاب ——— "حجاز کی آندھی" ——— میں ان پوشاکوں اور ان میں جڑے ہوئے ہیرے جواہرات کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ ایسی ہی ایک پوشاک امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو بھیجی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں حیرت سے جیسے ٹھہر ہی گئی تھیں۔ ان بے بہا خزانوں کے علاوہ وہاں اور کوئی خاص قابلِ ذکر چیز نہیں تھی لیکن سکندریہ شہر نے عرب کے فاتح مجاہدین کو مبہوت اور انگشت بدنداں کر دیا تھا۔

یہ شہر عجائبات کا خزانہ تھا۔ اسے سکندرِ اعظم نے آباد کیا تھا۔ سکندرِ اعظم کا مقبرہ جو فنِ تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا سکندریہ میں ہی ہے۔

اس شہر میں عبادت گاہیں اور مختلف مذاہب کے پیغمبروں کے مقبرے ہیں جن میں بعض سنگِ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ فرعونوں کی ملکۂ مصر قلوپطرہ کی تعمیرات بھی اس وقت تک موجود تھیں۔

اتنے وسیع و عریض شہر میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت مینار تھا۔ اگر ہم ان میں سے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کرنے لگیں تو ایک الگ کتاب بن جائے لیکن یہاں اتنا ہی کہیں گے کہ یہ حیران کن حد تک خوبصورت باغات اور تعمیرات کا شہر تھا۔ ہم صرف ایک مینار کا ذکر کریں گے جو سکندرِ اعظم کے بعد ایک یونانی بادشاہ بطلیموس ثانی نے سمندر میں ایک چٹان پر تعمیر کروایا تھا۔ اس کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہونا چاہئے

کہ اس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا رہا ہے۔ یہ سنگِ مرمر سے زیادہ سفید پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ دن کے وقت یہ پتھر چمکتے تھے۔ رات کو اس مینار میں آگ جلادی جاتی تھی۔ اس مینار کا مقصد بحری جہازوں کی راہنمائی تھا۔

یہ مینار تین سو ہاتھ بلند تھا اور اس کی چار منزلیں تھیں۔ پہلی منزل چوکور تھی، دوسری منزل کے آٹھ پہلو تھے، تیسری منزل گول تھی اور چوتھی منزل بالکل کھلی ہوئی تھی جہاں جہازوں کی راہنمائی کے لئے آگ جلادی جاتی تھی۔

آگ والی جگہ ایک بہت بڑا آئینہ نصب تھا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ آئینہ کس دھات سے بنایا گیا تھا۔ ایک خیال یہ ہے کہ یہ شفاف پتھر سے بنا تھا۔ یہ آئینہ سات ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ دن کو دھوپ اس میں سے منعکس ہوتی تھی جس کی چمک دُور دُور تک نظر آتی تھی اور رات کو آگ کی روشنی منعکس ہو کر بہت دُور تک پہنچتی اور جہازوں کی راہنمائی کرتی تھی۔

اس آئینے کے متعلق کچھ اور روایات بھی تاریخ میں ملتی ہیں جن میں ایک ہی قابلِ ذکر ہے۔ وہ یہ کہ یونانیوں نے یہ آئینہ دشمن کے جہازوں کو جلانے کے لئے اس مینار پر نصب کیا تھا۔ اس کا استعمال یہ تھا کہ دور سے دشمن کا بحری بیڑہ نظر آتا تو اس آئینے کو ایسے زاویے پر کر دیا جاتا تھا کہ سورج کی کرنیں مرکوز ہو کر دشمن کے جہازوں کے بادبانوں پر پڑتیں اور بادبانوں کو آگ لگ جاتی تھی۔ معلوم نہیں یہ روایت کہاں تک صحیح ہے لیکن مصدقہ بات یہی ہے کہ اس آئینے کی چمک سے جہازوں کی راہنمائی ہوتی تھی۔

ہم اس مینار کا انجام پیش کرتے ہیں۔ ایک وہ مجاہدین تھے جنہوں نے عجائباتِ زمانہ سے بھرپور ملک فتح کیا تھا۔ اس کے متعلق عمروؓ بن عاص نے امیرالمومنین کو لکھا تھا کہ میں نے ایک ایسا شہر فتح کیا ہے جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی، بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں چار ہزار عمارتیں اور اتنے ہی حمام ہیں اور چار سو شاہی رقص گاہیں ہیں۔

عمروؓ بن عاص نے اور ان کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں مصر کے جتنے امیر مقرر ہوئے، ان عمارات، میناروں اور دیگر عجائبات کو بڑی صحیح حالت میں رکھا لیکن چند سو برس بعد وہ خلفاء آ گئے جن کی دلچسپی خزانوں کے ساتھ تھی اور ان کے انداز بادشاہوں جیسے تھے۔ ان میں ایک خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا۔

تاریخ میں یوں آیا ہے کہ رومی مسلمانوں سے مصر تو واپس نہ لے سکے لیکن مسلمانوں کی دشمنی نسل بعد نسل ان کے دلوں میں قائم رہی۔ رومیوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک رومی خلیفہ ولید کے پاس گیا اور قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ شاہ روم کا خاص آدمی تھا لیکن بادشاہ اُس سے ناراض ہو گیا اور اسے قتل کروانا چاہتا تھا لیکن وہ بھاگ آیا ہے۔

اس شخص نے خلیفہ ولید پر اپنا اعتماد اس طرح بٹھا لیا کہ اسے مصر کے کچھ مدفون خزانوں کا علم ہے۔ ولید نے اسے اپنا مقرب بنا لیا۔ اس شخص نے شام میں دو جگہوں کی نشاندہی کی۔ ولید نے وہاں جا کر کھدائی کروائی تو خزانے برآمد ہوئے۔ اس کے بعد اس رومی نے ولید کو بتایا کہ سکندریہ میں جہازوں کی راہنمائی کے لئے جو مینار کھڑا ہے، اس کے نیچے سونے اور جواہرات کے بہت بڑے خزانے دفن ہیں۔

خلیفہ ولید فوراً سکندریہ پہنچا اور اتنے قیمتی، کارآمد اور خوبصورت مینار کو گرانے کے لئے ایک فوجی دستہ لگا دیا۔ مینار گرتا رہا اور دیکھتے رہے کہ خزانہ کہاں سے برآمد ہوتا ہے لیکن خزانہ ہوتا تو برآمد ہوتا۔ مینار مسمار کر دیا گیا اور نیچے سے سمندری چٹان برآمد ہوئی۔ اس رومی کو ڈھونڈنے لگے جس نے خزانے کا پتہ دیا تھا لیکن وہ غائب ہو گیا تھا۔

مینار دوبارہ تعمیر کیا گیا مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب اس میں آئینہ نصب کیا گیا تو اس کی چمک ختم ہو چکی تھی اور اب یہ محض بیکار تھا۔ اب وہاں اس مینار کی بنیادوں کے کچھ آثار ملتے ہیں۔

مصر آج بھی اپنے دامن میں مختلف تہذیبوں کے آثار لئے ہوئے ہے جن میں فرعونوں کے اہرام، ابو الہول کا مجسمہ اور کچھ دیگر تعمیرات قابلِ ذکر ہیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ جن مجاہدین نے فرعونوں کا یہ ملک فتح کر کے سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کیا تھا وہ ہے تو آج بھی عالمِ اسلام کا ایک ملک لیکن اس ملک کے آج کے حکمرانوں نے امریکہ اور اسرائیل کی دوستی میں اللہ کے نام لیواؤں کی سرکوبی کے لئے فرعونیت رائج کر رکھی ہے۔

△ △ △